ولا تلبسوا الحق
القرآن
حدیث
اور أهلِ تقلید
بجواب
حدیث اور اہل حدیث
جلد دوم
مؤلفہ
أبو صهیب محمد داؤد ارشد

ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون

حدیث اور اہل تقلید

بجواب

حدیث اور اہل حدیث

جلد دوم

مؤلفہ

ابو صہیب محمد داؤد ارشد

واحد تقسیم کار

صہیب اکیڈمی

کوٹلی وڑکاں نزد نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ

ناشر

مکتبہ اہل حدیث

امین پور بازار فیصل آباد

Ph:041-2624007

نام کتاب ---------- حدیث اور اہل تقلید بجواب حدیث اور اہل حدیث

تالیف ---------- ابو صهیب محمد داؤد ارشد

تعداد ---------- 1100

ناشر ---------- مكتبة اهل حديث

قیمت ---------- /- روپے

اسٹاکسٹ

طیبہ قرآن محل، مکہ سنٹر گلی نمبر 5 منشی محلہ امین پور بازار، فیصل آباد
Ph.: 041-2629292,2624007

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور
Mob.: 0300-4826023

ملنے کے پتے

اردو بازار لاہور
مکتبہ اسلامیہ، غزنی سٹریٹ 7244973 ❁ دارالکتب السلفیہ، شیش محل روڈ 7237184
اسلامی اکیڈمی الفضل مارکیٹ فون نمبر: 7357587 ❁ مکتبہ قدوسیہ رحمٰن مارکیٹ۔ غزنی سٹریٹ۔
نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ فون: 7321865 ❁ محمدی پبلشنگ ہاؤس، ایوان علم پلازہ 7223046
دارالفرقان، الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور فون 7231602 ❁ کتاب سرائے الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ

فیصل آباد
مکتبہ اسلامیہ۔ بیرون امین پور بازار بالمقابل شیل پٹرول پمپ ❁ رحمانیہ دارالکتب، امین پور بازار
مکتبہ اہل حدیث، بالمقابل مرکز جامع مسجد اہل حدیث امین پور بازار ❁ مکتبہ قدوسیہ، امین پور بازار

گوجرانوالہ
والی کتاب گھر، اردو بازار 055-4441613 ❁ مکتبہ نعمانیہ، اردو بازار

ملتان
فاروقی کتب خانہ بیرون بوہر گیٹ 061-4541809

اوکاڑہ
مکتبہ تفہیم السنہ شیر ربانی ٹاؤن۔ غازی روڈ 044-2528621

چیچہ وطنی
اسلامی کتب خانہ، ڈاکخانہ بازار، نزد پانی والی ٹینکی چیچہ وطنی ضلع ساہیوال 0301-4085081

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست حدیث اور اہل تقلید جلد دوم

(۳۶) باب جلسہ استراحت

فصل اول

(ا) عن ابی قلابۃ قال، جاء نا مالك بن الحويرث فصلی بنا فی مسجدنا هذا، فقال انی لا صلی بکم وما ارید الصلاۃ ولکننی ارید ان اریکم کیف رایت رسول اللہ ﷺ یصلی، قال ایوب، فقلت لا بی قلابۃ و کیف کانت صلاتہ؟ قال، مثل صلاۃ شیخنا هذا، یعنی عمر و بن سلمۃ، قال ایوب، وکان ذلك الشیخ یتم التکبیر واذا رفع راسه عن السجدة الثانیة جلس و اعتمد علی الارض ثم قام۔

امام ابوقلابہؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ہماری اس مسجد میں ہمیں نماز پڑھائی، کہنے لگے کہ میں آپ کو نماز پڑھاتا ہوں میری نیت (محض) نماز پڑھنے کی نہیں ہے، بلکہ میں آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے کیسے نماز پڑھتے دیکھا، امام ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو قلابہ سے پوچھا سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے کس طریقہ سے نماز پڑھائی؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے شیخ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی طرح، امام ایوب فرماتے کہ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ پوری (بائیس) تکبیریں کہتے اور جب دوسرا سجدہ کرکے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے پھر زمین پر (ہاتھوں کی) ٹیک لگاتے پھر اٹھتے تھے۔

(بخاری کتاب الاذان کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعة، الحدیث ۸۲۴)

(۲) عن مالك بن الحويرث الليثی انه رای النبی ﷺ یصلی فاذا کان فی و ترمن صلاته لم ینهض حتی یستوی قاعدا،

سیدنا مالک بن حویرث لیثی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ انہوں نے نبی مکرم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ علیہ التحیۃ والسلام جب طاق رکعت پڑھ لیتے تو (سیدھے) کھڑے نہ ہوتے جب تک ٹھیک طرح بیٹھ نہ جاتے تھے۔

(بخاری کتاب الاذان باب من استوی قاعدفی و ترمن صلاته ثم نهض الحدیث ۸۲۳)

(۳) عن ابی قلابۃ قال، کان مالك بن الحويرث یاتینا فیقول، الا احدثکم عن صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلی فی غیر وقت الصلاۃ، فاذا رفع راسه من السجدة الثانیة فی اول الرکعة استوی قاعدا ثم قام فاعتمد علی الارض۔

امام ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور کہا

کرتے تھے میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ بتلاؤں؟ پھر وہ بے وقت نماز (نفل) پڑھتے تھے اور جب پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ کر کے سر اٹھاتے تو پہلے سیدھے بیٹھ جاتے پھر زمین پر (ہاتھوں سے) ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے:

(سنن نسائی کتاب التطلیق باب الاعتماد علی الارض عند النهوض، الحدیث ۱۱۵۲)

(۴) عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ ان رجلا دخل المسجد، و رسول الله ﷺ جالس في ناحية المسجد، فصلى ثم جاء فسلم عليه، فقال له رسول الله ﷺ، و عليكم السلام، ارجع فصل فانك لم تصل، فرجع فصل ثم جاء فسلم فقال، و عليك السلام فارجع فصل فانك لم تصل، فقال في الثانية اوفي التي بعدها، علمني يا رسول الله ﷺ فقال، اذا قمت الى الصلاة فاسبغ الوضوء، ثم استقبل القبلة فكبر، ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعا، ثم ارفع حتى تستوي قائما، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتى تطمئن جالسا، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتى تطمئن جالسا، ثم افعل ذلك في صلاتك كلها۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور رسول اللہ ﷺ مسجد کے کونے میں بیٹھے ہوئے تھے (آنے والے) اس شخص نے نماز پڑھی پھر آ کر نبی مکرم ﷺ کو سلام کہا آپ علیہ التحیۃ والسلام نے کہا، وعلیک السلام، فرمایا جا کر نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی، وہ پھر گیا دوبارہ نماز ادا کی اور آ کر سلام کہا آپ نے، وعلیک السلام، کہا (اور) فرمایا کہ جا کر نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی، وہ گیا اور تیسری مرتبہ اس نے نماز پڑھی پھر آ کر آپ کو سلام کہا آپ نے فرمایا، وعلیک السلام، نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی، آخر دوسری یا تیسری مرتبہ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے نماز پڑھنا سکھلائیں، آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو پہلے اچھا وضو کر، پھر قبلہ رخ ہو کر اللہ اکبر، کہہ پھر جو قرآن آسانی سے پڑھ سکے وہ پڑھ، پھر اطمینان کے ساتھ رکوع کر پھر سر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو جا، پھر اطمینان سے سجدہ کر، پھر سجدہ سے سر اٹھا کر اطمینان سے بیٹھ جا، پھر دوسرا سجدہ اطمینان سے کر پھر سر اٹھا کر اطمینان سے بیٹھ جا، اسی طرح پوری نماز ادا کر۔

(بخاری کتاب الاستئذان باب من رد فقال علیک السلام، الحدیث ۶۲۵۱)

(۵) عن اسحاق بن ابراهيم قال قلت لابي اسامة أحدثكم عبيد الله بن عمر عن سعيد المقبري عن ابي هريرة قال دخل رجل المسجد و رسول الله ﷺ جالس في ناحية المسجد فصلى ثم جاء فسلم عليه فقال و عليك السلام، ارجع فصل فانك لم تصل فرجع فصل ثم جاء فسلم عليه فقال له مثل ذلك فقال له في الثالثة، فعلمني يا رسول الله ﷺ قال

اذا قمت الی الصلوۃ فاسبغ الوضوء واستقبل القبلة و کبر ثم اقرأ ما تیسر من القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع راسك حتی تعدل قائم ثم اسجد حتی تطمئن ساجد ثم ارفع حتی تطمئن قاعدا ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم اقعد حتی تطمئن قاعدا ثم افعل کذلك فی کل رکعة و سجدة فاقربه ابو اسامة وقال نعم۔

امام اسحاق بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو اسامہ سے سوال کیا کہ کیا آپ عبیداللہ بن عمر العمری (کی سند سے) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں؟ کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک کونے میں تشریف فرما تھے، اس شخص نے نماز پڑھی پھر آپ علیہ التحیۃ والسلام کو سلام عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وعلیک السلام، جا کر دوبارہ نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی، اس نے لوٹ کر نماز ادا کی اور دوبارہ آ کر سلام عرض کیا تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے وہی کہا جو پہلی مرتبہ ارشاد فرمایا تھا، تیسری بار اس نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی کہ آپ مجھے نماز کا طریقہ بتلائیں میں کیسے نماز پڑھوں، تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو پہلے اچھی طرح وضو کر کے پھر قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہہ پھر جو قرآن سے آسانی سے پڑھ سکے تو پڑھ، پھر رکوع کر اطمینان سے، پھر رکوع سے سر اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو جا، پھر سجدہ کر اطمینان سے پھر سر اٹھا کر اطمینان سے بیٹھ جا پھر دوسرا سجدہ بھی اطمینان سے کر پھر سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جا، پھر ہر رکعت وسجدہ میں اسی طرح ہی کر، ابو اسامہ نے یہ سن کر کہا کہ واقعی میں نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

السنن الکبری للبیہقی ص۱۲۶ ج۲ و مسند اسحاق بن راھویه بحواله فتح الباری ص۲۲۲ ج۲

(۶) عن محمد بن عمرو بن عطاء عن ابی حمید الساعدی، قال، سمعته وھو فی عشرة من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدھم ابو قتادة بن ربعی یقول، انا اعلمکم بصلاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قالوا، ماکنت اقدمنا له صحبة ولا اکثرنا له اتیانا، قال، بلی، قالوا، فاعرض، فقال، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام الی الصلاة اعتدل قائما و رفع یدیه حتی یحاذی بھا منکبیه، فاذا اراد ان یرکع رفع یدیه حتی یحاذی بھما منکبیه، ثم قال، اللہ اکبر، و رکع، ثم اعتدل، فلم یصوب راسه ولم یقنع، و وضع یدیه علی رکبتیه، ثم قال، سمع اللہ لمن حمده، و رفع یدیه و اعتدل، حتی یرفع کل عظم فی موضعه معتدلا، ثم ھوی الی الارض ساجدا، ثم قال، اللہ اکبر، ثم جا فی عضدیه عن ابطیه وفتح اصابع رجلیه، ثم ثنی رجله الیسری وقعد علیھا، ثم اعتدل حتی یرجع کل عظم فی موضعه معتدلا ثم ھوی ساجدا، ثم قال، اللہ اکبر، ثم ثنی رجله وقعد، و اعتدل حتی یرجع کل عظم فی موضعه، ثم نھض، ثم صنع فی الرکعة الثانیة مثل ذلك، حتی اذا قام من السجدتین کبر و رفع یدیه حتی یحاذی بھما منکبیه کما صنع

حین افتتح الصلاۃ ثم صنع کذلك حتی کانت الرکعة التی تنقضی فیھا صلاتہ اخر رجلہ الیسری وقعد علی شقه متورکا، ثم سلم۔

امام محمد بن عمرو بن عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں، جن میں سے ایک سیدنا ابو قتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ بھی تھے (یہ حدیث) سنی، سیدنا ابو حمید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز آپ سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرمانے لگے، آپ نہ تو ہم سے زیادہ قدیم صحبت والے ہو اور نہ ہی ہم سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے والے ہو، سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں (یہ بات تو درست ہے) صحابہ کرام کہنے لگے، اچھا نماز پیش کرو۔

سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا ارادہ کرتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے، اور دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر اٹھاتے، اور جب رکوع جانے کا ارادہ کرتے تو ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے، اور اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں چلے جاتے، اور رکوع میں پیٹھ بالکل سیدھی رکھتے سر کو نیچے کی طرف جھکاتے اور نہ ہی اوپر کو اٹھاتے، ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھتے، پھر، سمع اللہ لمن حمدہ، کہتے ہوئے ہاتھوں کو اٹھاتے (رفع یدین) اور بالکل سیدھے کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ ہر جوڑ اپنی جگہ پر سیٹ ہو جاتا، پھر سجدہ کے لیے زمین کی طرف جھکتے اور، اللہ اکبر، کہتے اور (سجدہ میں) بازوں کو بغلوں سے علیحدہ رکھتے اور پاؤں کی انگلیوں کو کشادہ رکھتے پھر (سجدہ سے اٹھ کر بائیں پاؤں کو موڑ کر سیدھے اس پر بیٹھ جاتے یہاں تک ہر جوڑ اپنی جگہ پر سیٹ ہو جاتا، پھر سجدہ کے لیے جھکتے اور اللہ اکبر کہتے پھر (سجدہ سے اٹھ کر) بائیں پاؤں کو موڑ کر سیدھے اس پر بیٹھ جاتے کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر پہنچ جاتی، پھر اٹھتے، پھر دوسری رکعت بھی اسی طرح ادا کرتے، جیسا کہ پہلی رکعت ادا کی تھی، یہاں تک جب دو رکعتیں پڑھ کر کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اسی طرح اٹھاتے جیسا کہ شروع نماز کے وقت اٹھاتے، یہاں تک کہ وہ رکعت جس میں نماز پوری ہو جاتی ہے، (تشہد میں) بائیں پاؤں کو پیچھے ہٹاتے اور سرین پر بیٹھ جاتے پھر سلام پھیر دیتے تھے۔

(سنن ترمذی کتاب الصلاۃ باب (ممایلی) ما جاء فی وصف الصلاۃ، الحدیث ۳۰۴)

(۷) قالوا، صدقت ھکذا کان یصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الحدیث۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ آپ نے درست کہا واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلاۃ باب اتمام الصلاۃ، الحدیث ۱۰۶۱)

(۸) عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال للعباس بن عبدالمطلب، یا عباس یا عماه! ألَا اعطيكَ؟ ألَا امنحك؟ الا احبوك؟ الا أفعل بك عشر خصال اذا انت فعلت ذلك غفر الله لك ذنبك اوله وآخره قديمه و حديثه خطاه و عمده، صغيره و كبيره سره و علانيته، عشر خصال، ان تصلى اربع ركعات تقرأ فى كل ركعة فاتحة الكتاب و سوره، فاذا فرغت من القرأة فى اول ركعة وانت قائم قلت، سبحان الله والحمد لله ولا إلٰهَ الا الله و الله اكبر، خمس عشرة مرة، ثم تركع فتقولها، وانت راكع عشرا ثم ترفع راسك من الركوع فتقولها عشرا ثم تهوى ساجدا فتقولها وانت ساجدا عشرا ثم ترفع راسك من السجود فتقولها عشرا ثم تسجد فتقولها عشرا ثم ترفع راسك فتقولها عشرا فذلك خمس و سبعون، فى كل ركعة تفعل ذلك فى اربع ركعات ان استطعت ان تصليها فى كل يوم مرة فافعل، فان لم تفعل ففى كل جمعة فان لم تفعل ففى كل شهر مرة، فان لم تفعل ففى كل سنة مرة، فان لم تفعل ففى عمرك مرة۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا، اے عباس، اے چچا، کیا میں آپ کو عطیہ نہ دوں، کیا میں آپ کو (قیمتی چیز) مفت عطا نہ کروں کیا میں آپ کے لیے دس باتیں نہ بیان کروں جب آپ وہ کرلیں، تو اللہ تعالیٰ آپ کے، پہلے اور پچھلے، پرانے اور نئے، بھول کر کیئے ہوئے اور جان بوجھ کر ہونے والے، چھوٹے اور بڑے، ظاہر اور پوشیدہ، تمام گناہ معاف کر دے، وہ دس باتیں یہ ہیں کہ آپ چار رکعات نماز ادا کریں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور کوئی بھی سورۃ پڑھو، پہلی رکعت میں قراۃ سے فارغ ہو کر کھڑے کھڑے ہی پندرہ بار یہ کلمات پڑھو۔

سبحان الله والحمد لله ولا اله، الا الله و الله اكبر۔

اللہ تعالیٰ پاک ہے تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ سب سے بڑا ہے۔

پھر رکوع کرو اور رکوع میں دس بار یہ کلمات کہو، پھر رکوع سے سر اٹھا کر دس بار یہ پڑھو، پھر سجدہ کرو تو سجدہ میں دس بار یہ پڑھو، پھر سجدہ سے سر اٹھا کر دس بار یہی کلمات کہو، پھر سجدہ کر اور دس بار یہ الفاظ سجدہ میں کہو، پھر دوسرے سجدہ سے سر اٹھا کر (سیدھے بیٹھ جاؤ اور کھڑے نہ ہوں یہاں تک کہ) دس بار یہی الفاظ پڑھ لو، یہ ہر رکعت میں پچھتر بار ہوا اسی طرح تم چاروں رکعتوں میں کرو، اگر ممکن ہو تو ہر روز اسے پڑھو، اگر ایسا نہ کر سکو تو ہر جمعہ میں ایک بار پڑھ لو، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ہر مہینہ میں ایک بار پڑھو، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو زندگی میں ایک بار کرلو۔

(سنن ابی داؤد کتاب التطوع باب صلاۃ التسبیح، الحدیث ۱۲۹۷، و ابن ماجه کتاب اقامة الصلاة باب ما

جاء فی صلاۃ التسبیح الحدیث ۱۳۸۷و ابن حزیمه ص۲۲۳ ج۲ الحدیث ۱۲۱۶ و بیهقی ص۵۱ ج۳ و مستدرك حاکم ص۳۱۸ ج۱)

(۹) عن ابی رافع قال قال رسول اللهﷺ للعباس، یا عم الاحبوك، الاانفعك، الااصلك، قال، بلی، یا رسول الله قال، فصل اربع رکعات، تقرأ فی کل رکعة بفاتحة الکتاب و سورة، فاذا انقضت القرأة فقل، سبحان الله والحمدلله ولا اله الا الله والله اکبر، خمس عشرة مرة قبل ان ترکع، ثم ارکع فقلها عشرا، ثم ارفع راسك فقلها عشرا، ثم اسجد فقلها عشرا، ثم ارفع راسك فقلها عشرا، ثم اسجد فقلها عشرا، ثم ارفع راسك فقلها عشرا قبل ان تقوم، فتلك خمس و سبعون فی کل رکعة، وهی ثلاثمة مائة فی اربع رکعات، فلو کانت ذنوبك مثل رمل عالج، غفرها الله لك، قال، یا رسول الله ومن لم یستطع یقولها فی یوم؟ قال، قلها فی جمعة فان لم تستطع فقلها فی شهر، حتی قال، فقلها فی سنة۔

سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے چچا کیا میں تم کو محبت کا صلہ نہ دوں، کیا میں آپ کو فائدہ نہ پہنچاؤں کیا میں آپ سے صلہ رحمی نہ کروں یا صلہ نہ دوں، انہوں نے عرض کی کیوں نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ آپ چار رکعت پڑھیں، اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک) اور سورت (بھی) تلاوت کریں، جب قرأۃ ختم ہو جائے تو کہہ، سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر، پندرہ بار رکوع سے پہلے پھر رکوع کر، اور رکوع میں دس بار اسی کلمہ کو کہہ پھر سر اٹھا اور اس کو دس بار کہہ پھر سجدہ کر اور اس میں دس بار کہہ پھر سجدہ سے سر اٹھا اور اس کو دس بار کہہ پھر سجدہ کر اور سجدہ میں دس بار کہہ پھر سجدہ سے سر اٹھا کر کھڑے ہونے سے پہلے دس بار کہہ، تو یہ پچھتر بار ہر رکعت میں ہوئے اور تین سو چاروں رکعتوں میں، پھر اگر تیرے گناہ ریت کے ذروں جتنے بھی ہوئے تو بھی اللہ معاف کر دے گا، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ جو شخص اس نماز کو ہر روز نہ پڑھ سکے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر جمعہ کو ایک بار پڑھ لے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ہر مہینہ میں پڑھ لے یہاں تک کہ فرمایا سال میں پڑھ لے۔

(سنن ابن ماجه کتاب اقامة الصلوت باب ما جاء فی الصلوة التسبیح الحدیث ۱۳۸۶)

قارئین کرام مذکورہ احادیث سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلسہ استراحت کرکے اٹھا کرتے تھے، اور اسی بات کا ہی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو حکم دیا تھا جس نے جلدی جلدی نماز ادا کی تھی، جیسا کہ حدیث نمبر ۴، ۵ میں صاف بیان ہوا ہے، اور یہی حکم ارشاد آپ علیہ السلام نے اپنے چچا محترم سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو نماز تسبیح میں دیا ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۸، ۹ سے

ثابت ہے۔

اسی حکم نبوی کی تعمیل میں سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ عامۃ الناس کو نماز سکھلایا کرتے تھے جیسا کہ حدیث نمبر ا’۳ کا مفاد ہے، اور اسی پر صحابی رسول سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا عمل تھا جیسا کہ حدیث نمبر ا میں بیان ہوا ہے، اسی طریقہ و کیفیت کے ساتھ سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کرام کی موجودگی میں نماز پڑھ کر بتائی تو تمام صحابہ کرام نے تصدیق کی جیسا کہ حدیث نمبر ۷ میں بیان ہوا ہے جلسہ استراحت کے قائلین میں امام شافعی اور عام اہل حدیث اور ایک روایت میں امام احمد کا قول ہے اور اسی کو امام ابوداؤد اور امام حماد بن زید نے اختیار کیا ہے۔

(المحلی بالاثار ص ٤٠ ج٣ مسالہ نمبر ٤٥٤، و فتح الباری ص ٢٤٠ ج٢ و مرعاۃ ص٥٣ ج٣ و حلبی کبیر ص٣٢٣)

اس کے برعکس انوار صاحب کہتے ہیں کہ خیر القرون میں اس کا رواج نہ تھا، اس کا تفصیل سے رد تو فصل دوم میں انوار صاحب کی چوتھی دلیل میں آ رہا ہے، سر بے دست آپ اتنا جان لیں کہ احادیث صحیحہ کے بالمقابل بدراج کوئی دلیل نہیں ہے، باقی رہا انوار صاحب کا یہ کہنا کہ ہاں اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے ایسا کرے تو کوئی حرج نہیں ص ۴۴۸، تو یہ ان کی زیادتی ہے، کسی حدیث صحیح تو کجا ضعیف میں بھی یہ صراحت نہیں کہ امام الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جلسہ استراحت بوجہ عذر کرتے تھے، یہ بات ملحوظ رہے کہ جلسہ استراحت کے راوی سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہیں اور انہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح ہی نماز ادا کرنا۔

(بخاری کتاب الاذان باب الاذان للمسافرین ...... الحدیث ٦٣١)

علامہ ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں۔

ممحمول علی حالة الكبر كمافی الهداية ويرد عليه ان هذا الحمل يحتاج الیٰ دليل وقد قال عليه الصلاة والسلام لما لك بن الحويرث لما اراد ان يفارقه صلوا كما رايتمونی اصلی، ولم يفصل فكان الحديث حجة للشافعی۔

یعنی ہدایہ میں ہے کہ (جلسہ استراحت کی احادیث) آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے بڑھاپے پر محمول ہیں، اور اس کی تردید اس طرح کی گئی ہے کہ اسے بڑھاپے (عذر) پر محمول کرنا دلیل کا محتاج ہے (اور دلیل ہے نہیں) اور تحقیق نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو اس وقت حکم دیا تھا جبکہ وہ واپس جانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ نماز اسی طرح ادا کرنا جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلسہ استراحت کو مستثنا نہیں کیا لہذا یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے۔

(البحر الرائق ص٣٢٢ ج١ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

فصل دوم

(۱) عن عباس اوعیاش بن سهل الساعدی انه کان فی مجلس فیه ابوه وکان من اصحاب النبیﷺ و فی المجلس ابو هریرة و ابو حمید الساعدی و ابو اسید فذکر الحدیث و فیه ثم کبر فسجد ثم کبر فقام ولم یتورك۔

(ابو داؤد ص۱۰۷ ج۱)

عباس یا عیاش بن سہل ساعدی سے روایت ہے کہ وہ ایک ایسی مجلس میں تھے جس میں ان کے والد بھی تھے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ میں سے تھے، اور اسی مجلس میں حضرت ابو ہریرہ حضرت ابوحمید ساعدی اور حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہم بھی تھے، انہوں نے حدیث ذکر کی جس میں یہ بیان کیا کہ پھر آپ ﷺ نے تکبیر کہی پھر سجدہ کیا پھر تکبیر کہی تو آپ سیدھے کھڑے ہو گئے بیٹھے نہیں۔

(حدیث اور اهل حدیث ص٤٣٦)

الجواب اولاً: اس کی سند میں عیسیٰ بن عبداللہ راوی ہے امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ مجہول ہے۔ (تهذیب ص۲۱۷ ج۸)

اسی وجہ سے علامہ البانی نے اس پر ضعیف کا حکم لگایا ہے۔ (ضعیف ابو دائود ص۷۰)

ثانیاً اسی روایت سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ میں جلسہ استراحت کا ذکر ہے، اور یہ مُسلّمہ اصول کی ثبوت نفی پر مقدم ہوتا ہے، راجع مقدمہ

(۲) عن ابی هریرة قال کان النبیﷺ ینهض فی الصلوٰة علی صدور قدمیه، قال ابو عیسی حدیث ابی هریرة علیه العمل عند اهل العلم یختارون ان ینهض الرجل علی صدور قدمیه، الخ۔

(ترمذی ص٤٥ ج۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ہی عمل ہے اور وہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ آدمی (نماز میں دوسری، تیسری رکعت کے لئے، پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑا ہو۔

(حدیث اور اهل حدیث ص٤٣٧)

الجواب: اس کی سند میں، خالد بن ایاس راوی ہے، اس کے متعلق امام احمد فرماتے ہیں۔ متروک الحدیث ہے امام ابن معین کا کہنا ہے کہ ہیچ محض ہے اس کی روایات لکھی ہی نہ جائیں، امام ابو حاتم کا

کہنا ہے کہ ضعیف الحدیث منکر الحدیث ہے امام ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ ضعیف وغیر قوی ہے امام بخاری ارشاد فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث اور ہیچ محض ہے، امام نسائی فرماتے ہیں کہ متروک الحدیث ہے دوسری بار فرمایا ثقہ نہیں اور اس کی مرویات لکھی ہی نہ جائیں امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی تمام مرویات غرائب اور افراد ہیں باوجود ضعیف کے اس کی مرویات کو لکھا جائے، امام ترمذی امام ابن شاہین امام محمد بن عمار امام ساجی امام ابن مثنی نے ضعیف قرار دیا ہے امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ ثقات سے موضوع اور من گھڑت روایات نقل کرتا ہے، اور دل اس طرف مائل ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر روایات وضع کرتا تھا، امام حاکم فرماتے ہیں سعید المقبر ی وغیرہ سے موضوع روایات نقل کرتا ہے، ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ تمام محدثین کرام کے نزدیک ضعیف ہے۔

(تهذيب ص ۸۱ ج ۳)

حافظ ابن حجر اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایات کو ضعیف قرار دیا ہے

(فتح الباری ص ۲٤۱ ج ۲ و اروا ء الغليل ص ۸۱ ج ۱)

(۳) عن عبدالرحمن بن غنم ان ابا مالك الاشعرى جمع قومه فقال يامعشر الاشعريين اجتمعوانساء كم وابناء كم اعلمكم صلاة النبى ﷺ صلى لنا بالمدينة (فذكر الحديث بطوله و فيه) ثم قال سمع الله لمن حمده واستوى قائما ثم كبر و خر ساجد ثم كبر فرفع راسه ثم كبر فسجد ثم كبر فانتهض قائما۔

(الحديث مسند احمد ص ۳٤۳ ج ۵)

حضرت عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت ہے کہ حضرت ابو مالک اشعری نے اپنی قوم کو جمع کر کے فرمایا کہ اے اشعریین کی جماعت خود بھی جمع ہو جاؤ اور اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی جمع کر لو تا کہ میں تمہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز سکھلا دوں جو آپ ہمیں مدینہ منورہ میں پڑھایا کرتے تھے، آپ نے پوری حدیث ذکر کی جس میں یہ بھی ہے کہ پھر آپ سمع اللہ لمن حمدہ، کہہ کر سیدھے کھڑے ہو گئے پھر تکبیر کہہ کر سجدے میں چلے گئے۔ پھر تکبیر کہہ کہ سجدے سے سر اٹھایا پھر تکبیر کہہ کہ سجدہ کیا، پھر تکبیر کہہ کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۸۳٤)

الجواب اولاً: اس روایت میں، جلسہ استراحت، نہ کرنے کا ذکر قطعاً نہیں، یہ انوار صاحب کی زیادتی ہے، اور عدم ذکر سے عدم شئی لازم نہیں آتا، تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے، اگر انوار صاحب اس روایت پر ہی غور کرتے تو اس میں بھی اس اصول کا ذکر ہے، انوار صاحب تعصب کی عینک اتار کر حسب ذیل الفاظ کو پڑھیں،، **حتى لما ان فاء الفئى والكسر الظل**، جب سایہ ظاہر ہو گیا، روایت

کے اگلے الفاظ یہ ہیں، قام فاذن، تو آپ نے کھڑے ہو کر اذان دی، صف بندی کے بعد، ثم اقام الصلوٰۃ، پھر اقامت ہوئی۔

(ترجمہ از حدیث اور اہل حدیث ص ۴۰۱)

ان تمام قرائن سے ثابت ہوا کہ یہ نماز ظہر تھی، سورج کا ڈھلنا، اذان واقامت کا کہنا، اس کا کھلا ثبوت ہے،مگر روایت مذکورہ میں چار رکعت کی بجائے دو رکعت کا ذکر ہے، حالانکہ پوری امت مرحومہ کے نزدیک نماز ظہر چار رکعت ہی ہے اور آخری اطلاعات آنے تک خود حنفی بھی ظہر کی چار رکعت نماز فرض ادا کرتے ہیں اب اگر انوار صاحب جیسا مجتہد ذیشان یہ نقطہ اٹھا لے کہ چونکہ اس روایت میں چار رکعت کی بجائے دو رکعت کا ذکر ہے لہذا نماز ظہر کی فرض رکعتیں صرف دو ہی ہیں، ایسے مجتہد کو علمائے دیوبند جو بھی جواب دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے جلسہ استراحت کا سمجھ لینا، یہ بات ملحوظ رہے کہ، فانتهض قائما، کے الفاظ سے جلسہ استراحت کی نفی ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ، نہض بمعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں آنا بھی مستعمل ہے،عربی لغت کی جدید ڈکشنری، المعجم الوسیط ص۹۵۸ میں ہے، نهض من مكانه الي كذا، علامہ فیومی فرماتے ہیں، نهض عن مكانه ارتفع عنه (المصباح المنیر ص ۶۲۸) لغت عرب کے مُسلّم امام علامہ زمخشری فرماتے ہیں

نهض، نهض له واليه نهضا ونهوضا وانتهض، وحانت منه نهضه الىٰ موضع كذا۔

(اساس البلاغه ص۴۷۰)

اس لغوی معنی کو پیش نظر رکھا جائے تو حدیث کے الفاظ

ثم کبر فانتهض قائما، کا یہ مفہوم بنتا ہے کہ تکبیر کہہ کر سجدہ کی حالت سے قیام کی طرف آئے، ظاہر ہے کہ اس سے جلسہ استراحت کی نفی نہیں ہوتی، زیادہ سے زیادہ اس میں عدم ذکر ثابت ہوتا ہے، جو نفی کو مستلزم نہیں۔

ثالثاً: سیدنا ابو مالک رضی اللہ عنہ کا مقصود فقط تکبیرات انتقال اور رکوع وسجود کی تعلیم دینا ہے، پوری نماز کا طریقہ بتلانا مد نظر نہیں، ہمارے اس دعوٰی کی دلیل آپ کے یہ الفاظ ہیں۔

احفظوا تكبيرى و تعلموا ركوعى و سجودى فانها صلاة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم،

میری تکبیر کو یاد کرلو اور میرا رکوع وسجود سیکھ لو، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نماز ہے۔

(ترجمہ انوار خورشید)

ہمارے دعوٰی کے لیے یہ کھلا ثبوت ہے جو کسی حاشیہ آرائی کا محتاج نہیں۔

رابعاً: اس کی سند میں شہر بن حوشب، راوی متکلم فیہ ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔صدوق تو ہے مگر کثرت سے اوہام وارسال کرتا ہے (تقریب ص۱۴۷)

(۴) عن ایوب عن ابی قلابة ان مالك بن الحویرث قال لا صحابه الا انبكم صلوٰة رسول اللهﷺ قال و ذاك فی غیر حین صلوٰة فقام ثم ركع فكبر ثم رفع راسه فقام هنیة ثم سجده ثم رفع راسه هنیه فصلی صلوٰة عمرو بن سلمة شیخنا هذا قال ایوب كان یفعل شیئا لم ارهم یفعلونه كان یقعد فی الثالثة او الرابعة، الحدیث۔

(بخاری ص۱۱۳ ج۱)

حضرت ایوب سختیانی حضرت ابو قلابہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مالک بن حویرثؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز بتلاؤں؟ حضرت ابو قلابہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی فرض نماز کا وقت نہ تھا، چنانچہ آپ کھڑے ہوئے پھر رکوع کیا اور سجدہ سے سر اٹھایا اور تھوڑی دیر ٹھہرے رہے پھر آپ نے سجدہ کیا پھر سجدہ سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے غرض انہوں نے ہمارے شیخ عمر و بن سلمہ کی طرح نماز پڑھی حضرت ایوب سختیانی فرماتے ہیں کہ عمر و بن سلمہ نماز میں ایک ایسا کام کرتے تھے جو میں نے اور لوگوں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا وہ یہ کہ وہ تیسری رکعت کے بعد یا چوتھی رکعت کے شروع میں بیٹھتے تھے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۴۳۹)

ص ۴۴۸ پر وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ

خیر القرون میں جلسہ استراحت کا رواج نہیں تھا، کیونکہ حضرت ایوب سختیانی متوفی ۱۳۱ھ جو جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، انہوں نے حضرت مالک بن حویرثؓ کی وہ حدیث جس میں ان کے جلسہ استراحت کرنے کا ذکر ہے، بیان کی تو فرمایا کہ حضرت مالک بن حویرثؓ نے ہمارے شیخ عمر و بن سلمہ جیسی نماز پڑھی، عمر و بن سلمہ نماز میں ایک ایسا کام کرتے تھے جو میں نے لوگوں (صحابہ و تابعین) کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا، وہ یہ کہ عمر و بن سلمہ جلسہ استراحت کرتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں جلسہ استراحت کا بالکل رواج نہیں تھا۔

الجواب اولاً: سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ جلسہ استراحت کر کے اسے نماز نبوی قرار دیتے ہیں، اور ان کے احباب (جو صحابہ کرام اور تابعین عظام تھے) میں سے کوئی اس کی نفی نہیں کرتا، باقی رہا آپ کا یہ اعتراض کہ خیر القرون میں اس کا رواج نہ تھا انوار صاحب وضاحت کیجئے حنفیہ کے نزدیک سنت مقدم ہے یا رواج مقدم ہے؟ اگر آپ سنت کو مقدم سمجھتے ہیں تو آپ کا اعتراض باطل ہے، اگر آپ یہ کہہ دیں کہ سنت نہیں بلکہ رواج مقدم ہے تو یہ اتنا بڑا کلمہ کفر ہے جو آپ جیسے پڑھے لکھے شخص کو زیب نہیں دیتا، آپ ماشاء اللہ مدرس ہیں اور تدریس میں جوانی سے بڑھاپے میں قدم رکھ چکے ہیں داڑھی میں چاندی اتر چکی ہے، مگر اتنی سطحیت! آخر آپ سنن کو چھوڑ کر بریلوی بدعات کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ قل و دسواں و چالیسوں اپنانے میں آپ کو کیا عذر ہے؟ اگر آپ ایران تشریف لے جائیں تو وہاں صحابہ

کرام پر تبرا اور ماتم حسین وغیرہ کرنے میں غالباً آپ کو تامل نہ ہوگا، شام میں آپ کو آغا خانیت قبول کرنے میں کوئی روک ٹوک نہ ہوگی کیوں؟ اس لیے کہ وہاں اسی کا ہی رواج ہے، امریکہ میں جائیں گے تو عیسائیت کو قبول کر لینا، اسرائیل میں جا کر یہودی بن جانا اور چناب نگر (ربوہ) میں جا کر مرزائیت قبول کر لینا کہ وہاں اسی کا ہی رواج ہے، لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ثانیاً: اگر آپ کہہ دیں کہ خیر القرون کا رواج سنت پر مقدم ہے، تو یہ بیان بھی علم سے کورہ اور جہالت سے لبریز ہے، سنئے کہ خیر القرون میں ہی تکبیرات انتقال کو لوگوں نے ترک کر دیا تھا، حتی کہ امام عکرمہ جو جلیل القدر تابعی ہیں انہوں نے سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں مکہ مکرمہ میں نماز پڑھی تو سیدنا ابو ھریرہؓ نے (ظہر کی نماز میں تکبیرات انتقال) بائیس کہیں امام عکرمہ فرماتے ہیں۔

قلت لابن عباس انه أحمق فقال ثكلتك امك سنة ابى القاسم ﷺ الحديث۔

میں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ یہ بڈھا بے وقوف ہے، تو سیدنا ابن عباسؓ نے کہا تیری ماں تجھ پر روئے یہ تو سیدنا محمد مصطفی ﷺ کی سنت ہے۔

(بخاری کتاب الاذان باب التکبیر اذا قام من السجود، الحدیث ۷۸۸)

واضح رہے کہ امام عکرمہ جلیل القدر تابعی ہیں ۱۰۷ھ میں ان کی وفات ہوئی تھی، زمانہ کے اعتبار سے امام ایوب سے مقدم ہیں، انہوں نے تکبیرات انتقال کے ترک کا رواج دیکھا، لہٰذا انوار صاحب جو بھی اس کا جواب دیں گے وہی ہماری طرف سے ترک جلسہ استراحت کے رواج کا سمجھ لینا۔

ویسے انوار صاحب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ دلائل شرعیہ میں رواج کوئی دلیل نہیں فقہ حنفی میں بھی، قرآن وسنت، اجماع اور قیاس کو دلائل قرار دیا گیا ہے، رواجی دلیل جناب کی ایجاد کردہ ہے، ہمیں ڈر ہے کہ مولانا اس میں ترقی کرتے کرتے کہیں داڑھی منڈوا کر ٹائی نہ لگالیں کہ عامۃ الناس میں رواج اسی کا ہی ہے۔

(۵) حدیث مسی الصلوٰۃ میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتى تستوى قائما ثم افعل ذالك فى صلوتك كلها (بخاری ص۹۸۶ ج۲)

پھر اطمینان سے سجدہ کرو پھر سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر اطمینان سے سجدہ کرو پھر سجدہ سے اٹھ کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اسی طرح ساری نماز میں کرو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۴۰)

الجواب: آپ کی پیش کردہ حدیث میں اختصار ہے، پوری حدیث میں جلسہ استراحت کا حکم نبوی موجود ہے، آپ علیہ التحیۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں

ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتی تطمئن جالسا، ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتی تطمئن جالسا، ثم افعل ذلك فی صلاتك كلها۔

پھر سجدہ کر اطمینان سے پھر سجدہ سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر سجدہ اطمینان سے پھر سجدہ کر اطمینان سے سجدہ سے اٹھ کر جلسہ استراحت کر (پھر سیدھا کھڑا ہو جا) اور اسی طرح پوری نماز میں کرو۔

(بخاری کتاب الاستئذان باب من ردفقال، علیك السلام، الحدیث ٦٢٥١)

کیا خلفائے راشد جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے:

عن الشعبی ان عمر و علیا و اصحاب رسول اللہ ﷺ كانوا ینهضون فی الصلوة علی صدور اقدامهم۔ (مصنف ابن ابی شیبه ص٣٩٤ ج١)

حضرت امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر حضرت علی اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام نماز میں اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوا کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۴۱)

الجواب اولاً: حدیث مرفوع کے بالمقابل موقوف حجت نہیں، راجع مقدمہ

ثانیاً: اس کی سند میں عیسی بن میسرہ راوی ہے، جو کہ متروک ہے، امام یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں منکر الحدیث ہے، امام عمرو بن علی، امام ابو داؤد امام نسائی امام دارقطنی فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے امام ابن معین فرماتے ہیں، ہیچ محض ہے اس کی مرویات لکھی ہی نہ جائیں، امام ابو حاتم فرماتے ہیں قوی نہیں مضطرب الحدیث ہے، امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی روایات کے متن اور سند کا کوئی بھی (ثقہ) متابع نہیں ہے، امام عجلی امام ساجی امام عقیلی امام یعقوب وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(تهذیب التهذیب ص٢٢٥ ج٨)

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

کیا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جلسہ استراحت نہ کرتے تھے

عن عبدة بن ابی لبابة قال سمعت عبدالله بن یزید یقول رمقت عبدالله بن مسعود فی الصلوٰة فرأیته ینهض ولا یجلس قال ینهض علی صدور قدمیه فی الركعة الاولی و الثالثة۔

(معجم طبرانی كبیر ص٢٦٦ ج٩ و سنن كبری بیهقی ص١٢٥ ج٢)

عبدۃ بن ابی لبابۃ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نماز میں بغور دیکھا، میں نے دیکھا کہ آپ (پہلی اور تیسری رکعت کے بعد سیدھے) کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بیٹھتے نہیں، عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ آپ اپنے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے پہلی اور تیسری رکعت کے بعد۔

(حدیث اور اهل حدیث ص٤٤١)

الجواب اولاً: ہم نحو میر کے طلباء کو اس ترجمہ خورشیدی کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ جامعۃ مدنیہ کا مدرس یقول، کا فاعل عبدۃ بن ابی لبابۃ، کو بنا رہا ہے، پھر متن میں تو، عبداللہ بن یزید نقل کرتے ہیں جو کہ غلط ہے مگر ترجمہ میں، عبدالرحمٰن بن یزید، درج کرتے ہیں، اسے قصور علم کہیں یا غفلت سے تعبیر کریں، بہر حال جو بھی ہو، ہیں اغلاط ہی" جب آپ نے اتنا سمجھ لیا تو اب سنئے کہ جیسے مولانا صاحب نے ترجمہ میں غلطی کی ہے اور عبدالرحمٰن کی بجائے متن میں عبداللہ تحریر کیا ہے، اسی طرح جلسہ استراحت نہ کرنا سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خطاء تھی، جو مرفوع حدیث کے بالمقابل حجت نہیں ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں:

هو عن ابن مسعود صحيح و متابعة السنة اولى، یعنی سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے مگر پیروی کے لحاظ سے سنت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم اولی ہے۔

(السنن الکبریٰ ص۱۲٦ ج۲)

یہی جواب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے آثار کا ہے، جو انوار صاحب نے صفحہ ۴۴۲ پر بحوالہ ابن ابی شیبہ درج کیئے ہیں، انوار صاحب نے بحوالہ بیہقی ص ۱۲۵ ج ۲ جو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کیا ہے اس کی سند میں، عبدالواحد بن زیاد راوی ہے جو بلا شبہ ثقہ و ثبت ہیں مگر الاعمش کی روایت میں، مقال، ہے (تقریب ص۲۲۱) انوار صاحب نے جو اثر بحوالہ بیہقی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو سعید الخدری نقل کیا ہے، اسے بیان کرنے والے، عطیہ العوفی، ہیں جو کہ سیئی الحفظ ہیں، امام احمد ابو حاتم امام نسائی اور ابن حبان وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(تہذیب ص۲۲۵ ج۷)

کیا تمام صحابہ کرام جلسہ استراحت نہ کرتے تھے عن النعمان بن ابی عیاش قال ادرکت غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان اذا رفع راسه من السجدة فی اول رکعة و الثالثة قام کماھو ولم یجلس۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۵ ج۱)

حضرت نعمان بن ابی عیاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے شمار صحابہ کرام کو پایا ہے کہ وہ جب پہلی اور تیسری رکعت کے سجدے سے اپنا سر اٹھاتے تھے تو ویسے ہی سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے، بیٹھتے نہیں تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص٤٤٤)

الجواب اس کی سند میں ابن عجلان ہے، جو کہ مدلس ہے (طبقات المدلسین ص۴۴) اور مذکورہ روایت کی سند میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے لہذا ضعیف ہے

کیا ابن ابی لیلیٰ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے:

عن محمد بن عبداللہ قال کان ابن ابی لیلیٰ ینھض فی الصلوٰۃ علی صدور قدمیہ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹٤ ج۱)

محمد بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی لیلیٰ نماز میں اپنے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

(حدیث اور اھل ص٤٤٥)

الجواب اولاً: امام ابن ابی لیلیٰ تابعی ہیں، ظاہر ہے کہ تابعی کا قول مرفوع حدیث کا معارض نہیں ہو سکتا اور نہ ہی قول تابعی کی وجہ سے حدیث کو چھوڑا جا سکتا ہے جیسا کہ مقدمہ میں تفصیل گزر چکی ہے، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے جس کی بحوالہ صراحت آگے ابراہیم نخعی کے قول میں آ رہی ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں، الاعمش، راوی مدلس ہے، جیسا کہ پچھلی روایت میں بحوالہ تفصیل گزر چکی ہے، علاوہ ازیں، الاعمش سے روایت کرنے والا راوی حفص بن غیاث بھی مدلس ہے۔

(طبقات المدلسین ص۲۰)

جبکہ زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں ہے، الغرض یہ قول تابعی بھی ضعیف اور نا قابل حجت ہے۔

کیا ابراہیم بھی جلسہ استراحت نہ کرتے تھے

عن ابراھیم انہ کان یسرع فی القیام فی الرکعۃ الاولی من آخر سجدۃ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۵ ج۱)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ وہ پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ کرکے قیام میں جلدی کرتے تھے۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ٤٤٥)

الجواب اولاً: سجدہ سے اٹھ کر جلدی جلدی قیام کرنا، جلسہ استراحت، کی نفی کو مستلزم نہیں، یہ آپ کی زیادتی خبط اور خلط مبحث ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں، امام سفیان ثوری ہیں، جو کہ مدلس ہیں، (ان کی تدلیس کی صراحت بحوالہ مسئلہ رفع الیدین میں گزر چکی ہے) اور زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں، جس کی وجہ سے ضعیف،

ثالثاً: انوار صاحب نے جو نتیجہ نکالا ہے، اگر اسے تسلیم بھی کرلیا جائے، اور سند کے ضعف کو بھی نظر انداز کردیا جائے، تو تب بھی تابعی کا قول حجت نہیں، سنئے آپ کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

جب تابعین کا قول (ہمارے فیصلے کے خلاف آتا ہے تو) اس سے مزاحمت کرتے ہیں (الجواہر المصنیۃ ص ۲۵۰ ج ۲ و مقدمہ انوار الباری ص ۴۵ ج ۱)

جب معاملہ ابراہیم، شعبی، حسن اور عطاء کی طرف آیا تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا اسی طرح میں بھی کرتا ہوں

(مناقب الامام ابی حنیفۃ ص ۲۰)

الغرض ابراہیم نخعی تابعی کا قول خود حنفیہ کے نزدیک بھی دلیل شرعی نہیں،

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے اس پر کل دلائل جو نقل کیئے ہیں ان میں سے پانچ مرفوع احادیث ہیں، ان میں سے جو صحیح احادیث ہیں ان سے انوار صاحب کا مؤقف و مذہب ثابت نہیں ہوتا، اور جن سے ثابت ہوتا ہے وہ ضعیف ہیں، چنانچہ پہلی دونوں روایات ضعیف ہیں، تیسری میں عدم ذکر ہے، چوتھی حدیث سے جلسہ استراحت ثابت ہے پانچویں حدیث میں اختصار ہے، مفصل حدیث میں جلسہ استراحت کرنے کا حکم نبوی موجود ہے، تفصیل گزر چکی ہے، باقی رہا انوار صاحب کا مختلف آئمہ کرام سے اس کی نفی نقل کرنا اس کے متعلق عرض ہے کہ حدیث مرفوع کے بالمقابل جب موقوفات صحابہ کرام حجت شرعی نہیں تو تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کو نقل کرنا ہی خلاف دیانت ہے، انوار صاحب ہماری کتاب دین الحق حصہ دوم کا مطالعہ کریں جہاں ہم نے بیس ایسے مسائل کی نشان دہی کی ہے کہ قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کے فتاوٰی موجود ہونے کے علاوہ جمہور امت بھی حنفیہ کے خلاف ہیں، لیکن یہاں تو چند آثار ہیں، احادیث مرفوعہ سے ہماری تائید ہوتی ہے، صحابہ کرام کا عمل اور تابعین کے فتاوٰی بھی منقول ہیں آئمہ مجتہدین و محدثین اس پر عمل پیرا ہیں (تفصیل گزر چکی ہے)

اس کے باوجود انوار صاحب کی سینہ زوری ملاحظہ کیجئے کہ ان تمام چیزوں کی نفی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت؟ (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۵۰)

مولانا گرجاکھی کا جھوٹ یا انوار صاحب کی بد دیانتی انوار صاحب فرماتے ہیں۔ لگے ہاتھ خالد گرجاکھی صاحب کا ایک جھوٹ ملاحظہ فرماتے چلیں وہ لکھتے ہیں۔

بعض لوگ جلسہ استراحت کے قائل نہیں ہیں، حالانکہ یہ سنت ثابتہ ہے، فقہ حنفی میں اس کا سنت ہونا موجود ہے۔

(هدایه ص ۳۸۳ ج ۱ (صلاة النبی ص ۱۷٤)

ہدایہ میں کوئی ایسی بات موجود نہیں لہذا خالد صاحب کا اسے ہدایہ کے حوالہ سے بیان کرنا جھوٹ ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ٤٥٠)

مولانا خالد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ[1] فرماتے ہیں کہ ہمارے حوالے اردو ہدایہ کے ہیں جس کا ترجمہ مولانا امیر علی صاحب نے کیا ہوا ہے، اور اسی طبع کے فوٹو سے اب بھی شائع شدہ موجود ہے، ان بے چاروں کو اپنے گھر کا علم نہیں ہوتا اور جھوٹا دوسرے کو کہہ دیتے ہیں

(حدیث اور غیر اہل حدیث ص۸)

مولانا گرجاکھی صاحب کی اس وضاحت کے بعد حق تو یہ تھا کہ انوار صاحب اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتے اور کتاب سے یہ مضمون نکال دیتے، لیکن افسوس کہ مولانا صاحب کی وضاحت کو دس سال بیت چکے ہیں، مگر انوار صاحب نے تا حال اصلاح نہیں کی، ہم اکابر دیوبند اور ان کے مفتی حضرات سے سوال کرتے ہیں کہ وضاحت کریں کہ کاذب و بد دیانت کون ہے؟

ہاں مولانا خالد صاحب نے جو اردو ہدایہ کا حوالہ دیا ہے، وہ بالکل درست اور صحیح ہے، البتہ معترض کے دماغ میں کوئی خلل ضرور ہے، جو بزرگوں کی پگڑیاں اچھال کر مبتدعین دیابنہ سے میڈل حاصل کرنا چاہتا ہے انوار صاحب ان لوگوں نے آپ کو کیا دینا ہے، تقوی کو اختیار کیجئے انشاء اللہ رب تعالیٰ کے حضور آپ کی قدر ہوگی، وہاں ان دھڑے بندیوں نے کام نہیں آیا، اور نہ ہی مجادلوں نے کچھ فائدہ دینا ہے، وہ مولا کریم جو غفور و حلیم ہے، سینوں کے حالات سے واقف ہے، اس کی آس باندھو، وہ اپنی رحمت سے انسان کو سب کچھ عطا کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

([1] پروف پڑھتے وقت وہ فوت ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں کو معاف فرمائے اور اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے۔ امین یا الہ العلمین)۔

(۳۷) باب نماز میں اٹھتے وقت ہاتھوں پر ٹیک لگانا

فصل اول

(۱) عن ابی قلابة قال جاء نا مالك بن الحويرث فصلى بنا فى مسجدنا هذا، فقال، انى لا صلى بكم وما اريد الصلاة ولكننى اريد ان اريكم كيف رايت رسول الله ﷺ يصلى، وقال ايوب، فقلت لا بى قلابة، و كيف كانت صلاته؟ قال، مثل صلاة شيخنا هذا، يعنى عمرو بن سلمة، قال ايوب و كان ذلك الشيخ يتم التكبير واذا رفع راسه عن السجدة الثانية جلس واعتمد على الارض ثم قام۔

امام ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ہماری اس مسجد میں ہمیں نماز پڑھائی، کہنے لگے کہ میں آپ کو نماز پڑھاتا ہوں میری نیت (محض) نماز پڑھنے کی نہیں بلکہ میں آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے کیسے نماز پڑھتے دیکھا (راوی حدیث) امام ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو قلابہ سے پوچھا کہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے کس طرح نماز پڑھائی؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے شیخ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی طرح۔ امام ایوب فرماتے ہیں کہ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ پوری (بائیس) تکبیریں کہتے اور جب دوسرا سجدہ کرکے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے پھر زمین پر ہاتھوں سے ٹیک لگا کر اٹھتے تھے،

(بخاری کتاب الاذان باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعة، الحدیث ۸٦٤)

(۲) عن ابی قلابة قال كان مالك بن الحويرث ياتينا فيقول، ألا احدثكم عن صلاة رسول الله ﷺ فيصلى فى غير وقت الصلاة فاذا رفع راسه من السجدة الثانية فى اول الركعة استوى قاعدا ثم قام فاعتمد على الارض

امام ابو قلابہ راوی ہیں کہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ کیا میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی نماز (کا طریقہ) نہ بیان کروں پھر وہ بے وقت نماز پڑھتے تھے (یعنی نفل پڑھتے) تو جب پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ کرکے سر اٹھاتے تو سیدھے بیٹھ جاتے پھر زمین پر ہاتھوں کی ٹیک لگا کر اٹھتے۔

(سنن نسائی کتاب التطبیق باب الاعتماد علی الارض، الحدیث ۱۱۵٤ وابن ابی شیبه ص۳۹٦ ج۱ و بیهقی ص ۱۲٤ ج۲ و مسند شافعی ص۹٤ و صحیح ابن خزیمه ص۳٤۲ ج۱ و مسند السراج ص۳۹۷ رقم الحدیث ۱۳۰۰)

(۳) عن الازرق بن قيس قال، رايت ابن عمر فى الصلاة يعتمد اذا قام، فقلت، ماهذا؟

قال، رایت رسول اللہ ﷺ یفعلہ،

امام ازرق بن قیس فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو ہاتھوں پر (زمین پر) ٹیک لگا کر اٹھتے تھے، میں نے ان سے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ اسی طرح کیا کرتے تھے،

(المعجم الاوسط الطبرانی ص ۲۱۰ ج ٤ رقم الحدیث ۳۳۷۱)

(۴) عن الازرق بن قیس قال رایت ابن عمر اذا قام من الرکعتین اعتمد علی الارض بیدیہ، فقلت لولدہ ولجلسائہ، لعلہ یفعل ھذا من الکبر؟ قالوا، لا ولکن ھکذا یکون،

امام ازرق بن قیس راوی ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب دو رکعت نماز پڑھ کر اٹھتے تو ہاتھوں سے زمین پر ٹیک لگا کر اٹھتے تھے، میں نے آپ کے بیٹے اور احباب سے کہا کہ شاید یہ بڑھاپے کی وجہ سے کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا نہیں بلکہ نماز (پڑھنے) کا طریقہ ہی یہ ہے

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۳۵ ج ۲)

(۵) عن الازرق بن قیس رایت ابن عمر یعجن فی الصلاۃ، یعتمد علی یدیہ اذا قام، فقلت لہ،فقال رایت رسول اللہ ﷺ یفعلہ،

امام ازرق بن قیس راوی ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نماز میں جب کھڑے ہوتے تو ہاتھ کی مٹھیاں بند کر کے ان پر ٹیک لگا کر اٹھتے تھے، میں نے آپ سے کہا تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے،

(غریب الحدیث للامام ابو اسحاق الحربی (۹۸۵ ۱) بحوالہ الضعیفہ ص ۳۹۲ ج ۲)

علامہ البانی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

(٦) عن نافع عن ابن عمر انہ کان یقوم اذا رفع راسہ من السجدۃ معتمداً علی یدیہ قبل ان یرفعھما،

امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب (دوسرے) سجدہ سے سر اٹھاتے تو ہاتھ اٹھانے سے پہلے ان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۷۸ ' ۱۷۹ ج ۲ رقم الحدیث ۲۹٦٤ ' ۳۹٦۹)

(۷) عن خالد قال رایت ابا قلابۃ والحسن یعتمدان علی ایدیھما فی الصلوٰۃ،

امام خالد فرماتے ہیں کہ میں نے ابو قلابہ اور حسن بصری کو دیکھا ہے کہ وہ نماز میں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر اٹھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۵ ج ۱)

(۸) عن الهذيل بن هلال قال رايت عطاء يعتمد اذا نهض،

امام ہذیل فرماتے ہیں کہ میں نے امام عطاء بن ابی رباح کو دیکھا کہ وہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو (ہاتھوں پر) ٹیک لگا کر اٹھتے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۹۵ ج۱)

قارئین کرام مذکورہ حدیث و آثار سے ثابت ہوا کہ نماز میں اٹھتے وقت ہاتھوں کو ٹیک لگانا ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ کی سنت اور پیارا طریقہ ہے، صحابہ کرام اسی پر عمل کرتے تھے، تابعین عظام کو یہی طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سکھایا ہے، تابعین نے بھی اسے ہی اپنایا ہے،

اور یہی بفضلہ تعالیٰ جماعت محدثین کا مسلک و مذہب ہے، امام شافعی نے بھی یہی اختیار کیا ہے، آپ فرماتے ہیں،

و بهذا ناخذ، فنامرمن قام من السجود او جلوس فی الصلاة ان يعتمد على الارض بيديه معاً اتباعاً للسنة،

یعنی ہم نے اسی کو ہی اختیار کیا ہے اور اسی کا حکم دیتے ہیں کہ نمازی جب سجدہ یا بیٹھنے سے نماز میں اٹھے تو وہ اتباع سنت میں ہاتھوں پر ٹیک لگا کر اٹھے (کتاب الام ص۱۰۱ ج۱)

ہم پورے جزم و یقین کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ کسی بھی صحیح حدیث میں نہ تو قدموں پر کھڑے ہونے کا ثبوت ہے اور نہ ہی کسی میں یہ صراحت ہے کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام یہ عمل بوجہ بڑھاپا یا دیگر کسی عذر سے کرتے تھے، انوار صاحب نے اس سلسلہ میں جو بھی زیب رقم فرمایا ہے وہ سب سینہ گزٹ اور جھوٹ و افترا ہے، بلکہ فقہ حنفی کے بعض اکابر کے نزدیک بلا عذر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، فتاوٰی ظہیریہ خلاصہ اور تاتارخانیہ میں ہے،

اذا فرغ من التشهد الاول واراد القيام الى الثالثة فلا باس ان يعتمد بيديه على الارض

یعنی پہلے تشہد سے فارغ ہونے کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے کے لیے ہاتھوں پر ٹیک لگانے میں کوئی حرج نہیں (بحوالہ السعایہ ص۲۳۰ ج۲)

فصل دوم

(۱) عن نافع عن ابن عمر قال نهى رسول الله ﷺ ان يعتمد الرجل على يديه اذا نهض فى الصلوٰة۔

(ابو داؤد ص۱٤۲ ج۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں (دوسری رکعت کے لیے اٹھتے

وقت) دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر اٹھنے سے منع فرمایا ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۵۰)

الجواب: یہ روایت منکر ہے، تفصیل حسب ذیل ہے، امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ امام عبدالرزاق سے ان کے چار شاگردوں نے یہ حدیث بیان کی ہے، امام احمد بن حنبل امام احمد بن محمد بن شبویہ امام محمد بن رافع اور محمد بن عبدالمالک الغزال نے ان چاروں کے الفاظ میں اختلاف ہے،

(۱) امام احمد کے یہ الفاظ ہیں،

نهى رسول الله ﷺ ان يجلس الرجل فى الصلاة وهو معتمد على يده

یعنی رسول اللہ ﷺ نے نماز کی حالت میں ہاتھ سے ٹیک لگا کر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے،

(۲) امام احمد بن محمد بن شبویہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں،

نهى ان معتمد على يده فى الصلاة، یعنی نماز کی حالت میں ہاتھ پر ٹیک لگانے سے منع فرمایا ہے

(۳) امام محمد بن رافع کی روایت میں یہ الفاظ ہیں

نهى ان يصلى الرجل وهو معتمد على يده، وذكره فى باب الرفع من السجود،

یعنی سجدوں سے اٹھتے وقت ہاتھوں پر ٹیک لگا کر اٹھنے سے منع کیا،

(۴) اور الغزال کی روایت کو خود انوار صاحب نے درج کر کے ترجمہ کیا ہے،

(سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ باب کراهة الاعتماد فى الصلاة، الحديث ۹۹۲)

ساری بحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ حدیث ایک ہی ہے کیونکہ اس کی ایک ہی سند ہے، ہاں امام عبدالرزاق کے بعد اس کی سند مختلف ہے اور انہیں

راویوں سے ہی الفاظ مختلف مروی ہیں، جو کہ آپس میں متعارض ہیں، ان میں پہلی صورت تطبیق کی ہے اور دوسری صورت اوثق کی روایت کو صحیح قرار دیکر مخالف روایت کو شاذ قرار دینے کی ہے، پہلے تطبیق سن لیجئے کہ امام احمد کی روایت میں صراحت ہے کہ بیٹھنے کی حالت میں ہاتھوں پر ٹیک نہ لگائے، اور یہ تشہد اور دونوں سجدوں کے درمیان کی حالت میں کسی ایک کے متعلق ہے، اور چوتھی روایت (انوار صاحب کی نقل کردہ) پہلے تشہد کے بارے ہے (دوسری اور تیسری میں اختصار ہے) لہذا ان میں تعارض نہیں ہے، جس کی وجہ سے یہ انوار صاحب کی دلیل نہیں ہے، یہ تطبیق کی صورت تب ہے جب انوار صاحب کی پیش کردہ روایت کو بالفرض درست تسلیم کرلیا جائے۔

تطبیق کے بعد اب یہ بھی جان لیں کہ امام احمد کی روایت صحیح ہے اور ابن عبدالمالک کی (جو انوار صاحب نے نقل کی ہے) شاذ و منکر ہے، کیونکہ امام احمد ثقہ وثبت ہیں جو اپنے حفظ وضبط اور اتقان میں مشہور ہیں، اور پوری امت مرحومہ کے نزدیک حجۃ اللہ ہیں، اس کے برعکس محمد بن عبدالمالک الغزال

راوی گو ثقہ ہیں مگر کثرت سے خطائیں کرتے تھے جیسا کہ امام مسلمہ نے صراحت کی ہے (تہذیب ص۳۱۶ ج۹)

ثقہ جب اوثق کی مخالفت کرے تو اس کی روایت شاذ ہوتی ہے، لہذا ابن عبدالمالک کی روایت شاذ ہے جس کی وجہ سے حجت نہیں ہے،

ملحوظ رہے کہ امام احمد نے اپنی مسند ص۱۴۷ ج۲ میں اسی طرح روایت کی ہے جس طرح ان سے امام ابو داؤد نے نقل کی ہے، اور ان الفاظ کو بیان کرنے میں امام احمد کا ثقہ متابع امام اسحاق بن ابراہیم الدبری، مصنف عبدالرزاق کا راوی ہے کیونکہ یہ حدیث امام احمد کے بیان کردہ الفاظ سے ہی (مصنف عبدالرزاق ص ۱۹۷ ج۲ رقم الحدیث ۳۰۵۴) میں ہے۔

امام عبدالرزاق نے اس پر یہ عنوان لگایا ہے، **باب الرجل یجلس معتمدا علی یدیه فی الصلوٰة**، اور اسی طرح ہی امام بیہقی نے (السنن الکبرٰی ص۱۳۵ ج۲) میں مسند احمد اور ابو داؤد کی سند سے یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔ علاوہ ازیں امام عبدالرزاق نے یہ روایت معمر سے نقل کی ہے اور امام معمر سے یہ حدیث امام ہشام بن یوسف نے بھی نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

ان النبی ﷺ نهی رجلا وهو جالس معتمد علی یده الیسری فی الصلاة فقال انها صلوة الیهود،

یعنی نبی مکرم ﷺ نے اس شخص کو منع فرمایا جو نماز میں دائیں ہاتھ سے ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا اور اسے فرمایا کہ یہ طریقہ نماز یہود کا ہے،

(مستدرک حاکم ص۲۷۲ ج۱ و بیهقی ص۱۳٦ ج۲)

حاکم و ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے، اور یہ فی الواقعہ بھی صحیح ہے، اس پر امام ہشام بن سعد کی روایت بھی دلالت کرتی ہے جو انہوں نے امام نافع کے واسطہ سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ

ان رسول اللہ ﷺ رای رجلا ساقطا یده فی الصلاة، فقال، لا تجلس هكذا انما هذه جلسة الذین یعذبون،

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز میں ہاتھ سے ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا تو آپ علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ ایسے نہ بیٹھا کرو کیونکہ نماز میں اس طرح بیٹھنے کا طریقہ ان لوگوں کا ہے جنہیں عذاب دیا جائے گا۔ (مسند احمد ص۱۱٦ ج۲)

گو یہ روایت ابو داؤد (۹۹۴) وغیرہ میں موقوف ہے، مگر اسے مرفوع بیان کرنے والا راوی ثقہ ہے اور ثقہ کی زیادتی بالاتفاق مقبول ہے بالخصوص جب اسماعیل بن امیہ کا طریق بالاتفاق مرفوع ہے، اس پوری تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث صحیح اور محفوظ ہے وہ نماز

میں بیٹھے ہوئے ہاتھ سے ٹیک لگانے کی ممانعت کے بارے ہے اور ابن عبدالملک الغزال کی روایت شاذ بلکہ منکر ہے، اس نے سوء حفظ کی وجہ سے ثقہ راویوں کی مخالفت کی ہے علامہ البانی نے اس روایت کو منکر ہی قرار دیا ہے، اور یہ پوری بحث راقم نے اختصار کے ساتھ ان سے ہی نقل کی ہے (الضعیفہ ۹۶۷)

(۲) عن وائل بن حجر رایت النبی ﷺ اذا سجد وضع رکبتیه قبل یدیه واذا نهض رفع یدیه قبل رکبتیه۔

(ابو داؤد ص۱۲۲ ج۱)

حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ جب آپ سجدے میں جاتے تو زمین پر پہلے گھٹنے رکھتے پھر ہاتھ اور جب سجدے سے کھڑے ہوتے تو پہلے ہاتھ اٹھاتے پھر گھٹنے (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۵۱)

الجواب: اولاً عاصم بن کلیب سے یہ الفاظ نقل کرنے میں، شریک بن عبداللہ القاضی راوی منفرد ہے، جبکہ ایک جماعت حفاظ نے صفۃ الصلاۃ کی حدیث عاصم سے نقل کی ہے مگر کسی ایک راوی نے بھی یہ الفاظ نقل نہیں کیئے،

دیکھئے، مسند احمد ص۳۱۸ ج٤ و ابو داؤد رقم الحدیث ۷۲۷ و نسائی رقم الحدیث ۸۹۰ و ۱۲۶۹ ۱۲۶۶ ۱۱۰۳ و بیهقی ص۲۷ ۲۸ ۱۳۲ ج۲ دارمی ص۳۶۲ ج۱ (۱۳۵۷) وابن ماجه (۹۱۲) وغیره،

ایک جماعت کے بالمقابل شریک ان الفاظ کو نقل کرنے میں منفرد ہے، امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ

تفرد به یزید عن شریک ولم یحدث به عن عاصم بن کلیب غیر شریک وشریک لیس بالقوی فیما ینفرد به

یعنی شریک سے نقل کرنے میں یزید بن ہارون راوی منفرد ہے اور ایسا ہی عاصم بن کلیب سے نقل کرنے میں شریک منفرد ہے اور شریک قوی نہیں (بالخصوص) جس میں منفرد ہو۔

(سنن دارقطنی ص۳٤٥ ج۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں کہ شریک صدوق ہے مگر کثرت سے خطائیں کرتا ہے، اور ایسے راوی جب ایک جماعت حفاظ کے بالمقابل روایت کریں تو ان کی روایات قابل اعتماد نہیں ہوا کرتیں، بلکہ شاذ ومنکر کہلاتی ہیں،

ثانیاً: شریک مدلس بھی ہے جیسا کہ امام دارقطنی نے صراحت کی ہے، (طبقات المدلسین ص۳۳) جبکہ زیر بحث روایت معنعن ہے، لہذا حجت نہیں

ثالثاً: سنن ابی داؤد میں ہے کہ شفیق راوی نے یہی روایت عاصم بن کلیب سے مرسل بیان کی ہے اور خود انوار صاحب نے ص۴۵۱ پر نمبر۳ پر اسے نقل کیا ہے گویا یہ روایت جہاں شاذ ہے وہاں ہی اس کی سند میں بھی اضطراب ہے،

(۳) عن عبدالجبار بن وائل عن ابیه ان النبیﷺ فذکر حدیث الصلوٰة قال فلما سجد وقعتا رکبتاه الی الارض قبل ان یقعا کفاه قال همام ناشفیق حدثنی عاصم بن کلیب عن ابیه عن النبیﷺ بمثل هذا وفی حدیث احدهما واکبر علمی انه فی حدیث محمد بن جحادة واذا نهض نهض علی رکبتیه واعتمد علی فخذه۔

(ابو داؤد ص۱۳۲ ج۱)۔

حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز کی حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آپ نے سجدہ کیا تو آپ کے گھٹنے ہتھیلوں سے پہلے زمین پر لگے، ہمام (راوی حدیث) کہتے ہیں کہ ہمیں شفیق نے اور شفیق کہتے ہیں کہ مجھے عاصم بن کلیب نے اپنے والد کے واسطے سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اسی کے مثل حدیث بیان کی ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کی حدیث میں ہے اور میرا زیادہ علم یہی ہے کہ وہ محمد بن جحادۃ کی حدیث ہے کہ جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام اٹھتے تو گھٹنوں کے بل پر اٹھے اور اپنی رانوں پر سہارا لیا (حدیث اور اہل حدیث ص۴۵۲)

الجواب اولاً (۱) شفیق کی روایت مرسل ہے کیونکہ عاصم کے والد کلیب بن شہاب تابعی ہیں (تقریب ص۲۸۶) (۲) اس کی سند میں اضطراب ہے، جیسا کہ پہلے تفصیل عرض دی گئی ہے (۳) شفیق مجہول ہے (میزان ص۲۸۹ ج۲)

ثانیاً: رہی انوار صاحب کی روایت محمد بن جحادۃ راوی کی،، تو یہ منقطع ہے کیونکہ عبدالجبار بن وائل نے یہ روایت اپنے والد سے نقل کی ہے اور عبدالجبار کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں امام نووی فرماتے ہیں۔

حدیث ضعیف، لان عبدالجبار بن وائل اتفق الحفاظ علی انه لم یسمع من ابیه شیئا ولم یدرکه،

یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ تمام آئمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عبدالجبار نے اپنے والد سے کچھ بھی نہیں سنا اور نہ ہی انہیں (وائلؓ بن حجر) دیکھا ہے،

(المجوع شرع المهذب ص٤٤٦ ج٣ و الضعیفه ص٣٣٠ ج٢)

خود حنفیہ کے نزدیک بھی عبدالجبار کا اپنے والد سے سماع ولقاء ثابت نہیں جیسا کہ مولانا عبدالعزیز صاحب نے، (بغیۃ الالمعی ص۳۷۱ ج۱) میں مولانا سرفراز خاں صفدر نے، (خزائن السنن ص۸۱ ج۲)

میں ماسٹر امین اوکاڑوی نے، (تحقیق مسئلہ آمین مندرجہ مجموعہ رسائل ص ۱۴۷ ج ۱) میں اور ڈیروی نے، (اظہار التحسین ص ۱۶۰) میں صراحت کی ہے،

الغرض یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۴) عن ابی جحیفة عن علی رضی اللہ عنہ قال ان من السنة فی الصلوٰة المکتوبة اذا نهض الرجل فی الرکعتین الاولیین ان لایعتمد بیدیه علی الارض الا ان یکون شیخا کبیرا لا یستطیع

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۹۵ ج۱)

حضرت ابو جحیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا فرض نماز میں سنت یہ ہے کہ آدمی پہلی دو رکعتوں میں زمین پر ہاتھ ٹیک کر نہ اٹھے الّا یہ کہ وہ بہت بوڑھا ہو جسے اس کے بغیر اٹھنے کی ہمت ہی نہ ہو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۵۲)

الجواب اولاً: انوار صاحب نے متن روایت کے ترجمہ میں بد دیانتی کی ہے، درست ترجمہ یہ ہے، جب پہلی دو رکعتوں سے اٹھے، اس معنی کی مزید وضاحت اس اثر سے ہوتی ہے جو عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی نے، نعمان بن سعد کے واسطہ سے نقل کیا ہے،

عن علی قال من السنة ان لا تعتمد علی یدیك حین ترید ان تقوم بعد القعود فی الرکعتین۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ جب دو رکعتوں کے بیٹھنے کے بعد اٹھنے کا ارادہ کرے تو ہاتھ پر ٹیک نہ لگائے (السنن الکبریٰ للبیهقی ص۱۳۶ ج۲)

ان الفاظ کا کھلا یہ مفاد ہے کہ صرف پہلے تشہد سے اٹھتے وقت ہاتھوں پر ٹیک لگا کر نہ اٹھے، مگر انوار صاحب متن روایت میں معنوی تحریف کر کے حنفیت کا دفاع کر رہے ہیں۔

ثانیاً: انوار صاحب کی پیش کردہ روایت کی سند میں، عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی راوی ضعیف و متروک ہے اور زیاد بن زید سوائی مجہول ہے۔ تفصیل سینہ پر ہاتھ باندھنے کے باب کی فصل دوم میں انوار صاحب کی پانچویں دلیل میں گزر چکی ہے،

علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے (الضعیفه ۹۶۸)

(۵) عن الحارث عن ابراهیم انه کان یکره ذالك الا ان یکون شیخا کبیرا او مریضا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۹۵ ج۱)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ وہ نماز میں زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھنے کو مکروہ سمجھتے تھے الّا یہ کہ

آدمی بہت بوڑھا ہو یا بیمار ہو (حدیث اور اہل حدیث ص۴۵۲)

الجواب اولاً: کس چیز کو مکروہ جانتے تھے؟ اثر میں اس کا سرے سے کوئی ذکر نہیں، رہا انوار صاحب کا معنوی تحریف کر کے اپنا اُلو سیدھا کرنا تو یہ ان کی بدیانتی ہے کیونکہ اثر میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا معنی انوار صاحب نے نصف سطر کیا ہے۔ نماز میں زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھنے کو، ہم کہتے ہیں کہ آپ کا خصم اس کا یہ مفہوم بھی بیان کرنے کا حق رکھتا ہے کہ وہ نماز میں زمین پر ہاتھ نہ ٹیک کر اٹھنے کو مکروہ سمجھتے تھے،

اس صورت میں احادیث صحیحہ مرفوع اور قول ابراہیم میں موافقت ہو جاتی ہے لہذا یہی صحیح ہے،

ثانیاً: اس کی سند میں، ھشیم بن بشیر واسطی ہیں جو کہ بلاشبہ ثقہ ہیں مگر زبردست مدلس ہیں (طبقات المدلسین ص۴۷)

اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں لہذا ضعیف ہے،

خلاصہ کلام انوار صاحب نے جس قدر مرفوع احادیث نقل کی ہیں وہ تمام کی تمام شاذ و منکر اور ضعیف ہیں، آخر میں ان کا پیش کردہ قول ابراہیم نخعی سنداً ضعیف ہے اور اس سے ان کا مئوقف و مذہب بھی ثابت نہیں ہوتا، مگر انوار صاحب نہایت ڈھٹائی سے کہتے ہیں۔

عام صحابہ کرام اور تابعین عظام کا عمل بھی یہی ہے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۵۳)

اے جی جھوٹ نہ بولیں آپ نے عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو کجا کسی ایک بھی صحابی کا قول و عمل نقل نہیں کیا، صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے، جو حکماً مرفوع ہے مگر سنداً ضعیف ہے اور متناً آپ کے موافق نہیں، تابعین میں سے بھی صرف ابراہیم کا قول پیش کیا ہے جس میں آپ نے معنوی تحریف بھی کی ہے اور سنداً بھی ضعیف ہے، تفصیل گزر چکی ہے،

(۳۸) باب آخری تشہد میں تورک کرنا

فصل اول

(۱) عن محمد بن عمرو بن عطاء انه كان جالسا فی نفر من اصحاب رسول اللهﷺ فذكرنا صلاة النبیﷺ فقال ابو حميد الساعدی، انا كنت احفظكم لصلاة رسول اللهﷺ، رايته اذا كبر جعل يديه حذو منكبيه، واذا ركع امكن يديه من ركبتيه ثم هصر ظهره، فاذا رفع راسه استوى حتى يعود كل فقار مكانه، فاذا سجد وضع يديه غير مفترش ولا قابضهما واستقبل باطراف اصابع رجليه القبلة، فاذ اجلس فی الركعتين جلس على رجله اليسرى و نصب اليمنى واذا جلس فی الركعة الاخرة قدم رجله اليسرى و نصب الاخرى و قعد على مقعدته۔

امام محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت ہے کہ وہ نبیﷺ کے صحابہ کرام کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے، رسول اللہﷺ کی نماز کا تذکرہ چھڑ گیا تو سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں آپ سب سے زیادہ رسول اللہﷺ کی نماز کو یاد رکھنے والا ہوں، میں نے دیکھا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں کے برابر لے جاتے اور جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر جما دیتے پھر اپنی پیٹھ جھکا کر سر اور گردن کے برابر کر دیتے پھر سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاتے آپ علیہ التحیۃ والسلام کی پیٹھ کی ہر پسلی اپنی جگہ پر آجاتی اور جب سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھ زمین پر رکھتے بازوں بچھاتے نہ سمیٹ کر پہلو سے لگا دیتے اور پاؤں کی انگلیاں کے اطراف قبلہ کی طرف رکھتے جب دو رکعتیں پڑھ کر تشہد بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے اور داہیاں کھڑا رکھتے اور جب آخری تشہد میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھا کر داہناں کھڑا رکھتے اور سرین کے بل بیٹھتے تھے۔

(صحيح بخاری كتاب الاذان باب سنة الجلوس فی التشهد، الحديث ۸۲۸)

(۲) حدثنا محمد بن بشارو محمد بن المثنى قالا، حدثنا يحيىٰ بن سعيد القطان حدثنا عبدالحميد بن جعفر حدثنا محمد بن عمرو بن عطاء عن ابی حميد الساعدی قال سمعت وهو فی عشرة من اصحاب النبیﷺ احدهم ابو قتادة بن ربعی يقول كان رسول اللهﷺ حتى كانت الركعة التی تقضی فيها صلاته اخر رجله اليسرى وقعد على شقه متورکا ثم سلم، الحديث،

امام محمد بن عمرو بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں سنا، جس میں سے ایک سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آخری رکعت پر پہنچتے جس میں نماز پوری ہو جاتی ہے تو تشہد میں بائیں پاؤں کو پیچھے ہٹاتے اور سرین پر بیٹھ کر تورک کرتے، پھر سلام پھیر دیتے تھے،

(ترمذی کتاب الصلاۃ باب (ممایلی) ما جاء فی وصف الصلاۃ الحدیث ۳۰۴)

(۳) سمعت ابا حمید الساعدی فی عشرۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منهم ابو قتادۃ قال ابو حمید کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اذا کانت السجدۃ التی فیها التسلیم اخر رجله الیسری وقعد متورکا علی شقه الایسر، قالو، صدقت، هکذا کان یصلی صلی اللہ علیہ وسلم، الحدیث

یعنی میں نے سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ دس صحابہ کرام کی موجودگی میں بیان کر رہے تھے جن میں سے ایک سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آخری رکعت میں پہنچتے جس میں نماز پوری ہو جاتی ہے تو بائیں پاؤں کو پیچھے ہٹا کر تورک کرتے اور سرین کے بل بیٹھتے تھے تمام حاضر صحابہ کرام نے کہا کہ (ابوحمیدؓ تو نے) درست کہا واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے، الحدیث

(ابو دائود کتاب الصلاۃ باب افتتاح الصلاۃ الحدیث ۷۳۰)

اس حدیث کے" اس کے علاوہ بھی اطراف و اسناد ہیں، جن کی بحوالہ تفصیل مسئلہ رفع یدین میں گزر چکی ہے، اسی پر سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کا عمل تھا، اس عمل کی ہی دس صحابہ کرام نے تصدیق کی تھی، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی تورک کے قائل تھے، تفصیل فصل دوم میں آگے آ رہی ہے،

امام شافعی امام مالک اور امام احمد بھی تورک کے قائل ہیں البتہ اس کی تفصیل میں ان کے مابین اختلاف ہے کہ تمام جلسات میں بیٹھا جائے یا صرف آخری جلسہ میں، لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ علمائے احناف کے ہاں یہ جائز نہیں بلکہ مکروہ ہے، احناف کے مؤقف کا رد کرتے ہوئے علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں،

والا نصاف انه لم یوجد حدیث یدل صریحا علی استنان الجلوس علی الرجل الیسری فی القعدۃ الاخیرۃ و حدیث ابی حمید مفصل فلیحمل المبهم علی المفصل۔

یعنی انصاف یہ ہے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں جس سے صراحۃ ثابت ہوتا ہو کہ آخری تشہد میں بائیں پاؤں پر بیٹھنا سنت ہے، سیدنا ابوحمید رضی اللہ عنہ کی حدیث اس بارے میں مفصل ہے لہذا چاہئے کہ مبہم کو مفصل پر محمول کیا جائے (التعلیق الممجد ص ۱۱۱)

مسئلہ تورک پر علامہ لکھنوی نے، السعایہ، میں بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے اور امام طحاوی نے جو بلا سبب سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ضعیف قرار دیا تھا اس کا بھی بھرپور جواب تحریر کیا ہے اور کہا کہ

ہمارے علمائے احناف بھی نماز کے متعدد مسائل میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں،
اور یہ گھر بنانے اورگرانے کا مصداق ہے، آخر میں فرماتے ہیں،

التعليق الذى يشهد به الوجدان السليم و يخطر بالبال القويم هو ثبوت التورك فى القعدة الاخيرة بالروايات الصريحة والاسانيد الصحيحة

جس تحقیق سے وجدان سلیم اور پختہ عقل سے تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آخری تشہد میں تورک صریح احادیث اور صحیح الاسناد سے ثابت ہے، (السعایہ ص۲۲۴ ج۲)

فصل دوم

(ا) عن وائل بن حجر قال قدمت المدينة قلت لا نظرن الى صلوٰة رسول اللهﷺ فلما جلس يعنى للتشهد افترش رجله اليسرى و وضع يده اليسرى يعنى على فخذه اليسرى و نصب رجله اليمنى، قال ابو عيسى هذا حديث حسن صحيح والعمل عليه عند اكثر اهل العلم۔

(ترمذی ص٦٥ ج١)

حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے (جی میں) کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے ضرور دیکھوں گا (میں نے دیکھا کہ) جب تشہد میں بیٹھے تو آپ نے بایاں پاؤں بچھا کر اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھ لیا اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھا، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم کی اکثریت کا اسی پر عمل ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص٤٥٥)

الجواب: انوار صاحب کا اس حدیث کو ہمارے خلاف نقل کرنا زیادتی بلکہ بددیانتی ہے، اس لیے کہ اہل حدیث کے نزدیک تورک صرف آخری تشہد میں ہے پہلے قعدہ میں نہیں، خود انوار صاحب نے، دستوار المتقی ص۱۰۲، رسول اکرم کی نماز ص۸۵ اور صلوٰۃ الرسول ص۲۷۴ سے جو عبارات صفحہ ۴۶۰ پر نقل کی ہیں، ان میں اس کی صراحت ہے،

جب آپ نے اتنی بات کو سمجھ لیا ہے تو اب سنئے کہ زیر بحث حدیث پہلے تشہد کے متعلق ہے، جیسا کہ مفصل حدیث میں اس کی وضاحت ہے، چنانچہ انوار صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے، وہ **عبدالله بن ادريس عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل بن حجر**، کے طریق سے مروی ہے۔

(ترمذی رقم الحدیث ۲۹۲ و تحفة الاشراف ص۹۱ ج۹ رقم الحدیث ۱۱۷۸٤)

جبکہ عبداللہ بن ادریس کی بجائے جو حدیث امام سفیان بن عیینہ نے امام عاصم بن کلیب سے نقل

کی وہ مفصل ہے اور اس میں صاف وضاحت ہے۔

عن وائل بن حجر قال اتیت رسول اللهﷺ فرايته يرفع يديه اذا افتتح الصلاة حتى يحاذى منكبيه، واذا اراد ان يركع، واذا جلس فى الركعتين اضجع اليسرى و نصب اليمنى وو ضع يده اليمنى على فخذه اليمنى و نصب اصبعه للدعاء ووضع يده اليسرى على فخذه اليسرى، قال، ثم اتيتهم من قابل فرايتهم يرفعون ايديهم فى البرانس،

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، میں نے دیکھا کہ آپ نماز شروع کرتے اور رکوع کرتے وقت رفع یدین کرتے اور ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے، اور جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھاتے اور داہنا کھڑا کرتے، اور داہنا ہاتھ ران پر رکھتے تھے، اور انگلی شہادت کو کھڑا کرتے دعا کے لیے، اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے تھے، سیدنا وائل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں اگلے سال آیا تو میں نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ جبوں کے اندر سے رفع یدین کرتے تھے،

(سنن نسائی کتاب التطبیق باب موضع الیدین عند الجلوس للتشهد الاول الحدیث ۱۱۶۰)

امام مزی نے (تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف ص۹۱ ج۹ رقم الحدیث ۱۱۷۸۴)

میں امام عبداللہ بن ادریس اور سفیان بن عیینہ کی روایت کو درج کیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اسے ایک ہی قرار دیتے ہیں، فرق صرف تفصیل اور اجمال کا ہے۔ الغرض سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے تشہد کے متعلق ہے اور اس پر بفضلہٖ تعالیٰ ہمارا عمل ہے، ہاں انوار صاحب بڑھاپے کی وجہ سے بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں تو الگ بات ہے۔

(۲) دوسرے نمبر کے تحت انوار صاحب نے مکرر حدیث سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سنن سعید بن منصور اور طحاوی سے درج کی ہے، اس کے متعلق بھی یہی عرض ہے کہ یہ حدیث پہلے تشہد کے بارے ہے جیسا کہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے۔

(۳) عن رفاعة بن رافع ان النبى صلى الله عنه وسلم قال للا عرابى اذا سجدت فمكن بسجودك فاذا جلست فاجلس على رجلك اليسرٰى،

(مسند احمد ص ج، و مصنف ابن ابی شیبه ص و ابن حبان ص بحواله نیل الاوطاؤ ص۲۸۲ ج۲)

حضرت رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعرابی سے کہا کہ جب تو سجدہ کرے تو اچھی طرح سجدہ کر اور جب (تشہد میں) بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھ۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۴۵۶)

الجواب اولاً: یہ حدیث مسی الصلوٰۃ کے نام سے معروف ہے، معلوم نہیں انوار صاحب کو یہ حدیث

اصل کتب حدیث سے کیوں نہیں ملی، حالانکہ راقم الحروف نے دین الحق ص ۴۰۹ ج ۱ میں اس کی مفصل تخریج بھی کی ہے،

ثانیاً: امام شافعی اور اہل حدیث کے نزدیک صرف دوسری تشہد میں تورک ہے، سجدوں کے درمیان اور پہلے قعدہ میں تورک نہیں ہے اور مذکورہ حدیث میں پہلے تشہد یا دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی کیفیت کا ذکر ہے، لہذا انوار صاحب کا اس حدیث کو ہمارے خلاف پیش کرنا زیادتی ہے،

جن حضرات نے اس حدیث کو پہلے تشہد پر محمول کیا ہے ان کی دلیل حسب ذیل حدیث ہے،

عن رفاعةبن رافع عن النبیﷺ قال...... فاذا جلست فی وسط الصلاة فاطمئن وافترش فخذك الیسری، الحدیث،

سیدنا رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اس شخص کو کہا (جس نے جلدی جلدی نماز ادا کی تھی کہ) جب تو پہلے قعدے میں بیٹھے تو بائیں ران کو بچھا کر اطمینان سے بیٹھ، الحدیث،

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب صلاۃ من لم یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود، الحدیث ۸۶۰)

واذا جلست فی وسط الصلاة، کا معنی مولانا خلیل احمد دیوبندی نے، **ای قعدة الاولی للتشهد،** یعنی پہلا تشہد کیا ہے، (بذل المجھود ص ۷۵ ج ۲)

اور جن حضرات کا خیال ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان کیفیت کا بیان ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے،

فصلی رکعتین (یعنی جلدی جلدی نماز پڑھنے والے صحابی نے) دو رکعت نماز پڑھی تھی

(سنن نسائی کتاب السهود باب اقل ماتجزی الصلاۃ الحدیث ۱۳۱۵)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اس صحابی کی نماز میں تو دوسرا تشہد آتا ہی نہیں، لہذا اسے دوسرے تشہد میں تورک کے رد پر پیش کرنا انوار صاحب کا خبط اور خلط مبحث ہے، پہلی حدیث میں علی بن یحییٰ سے روایت کرنے والے، محمد بن اسحاق ہیں جو انوار صاحب کے نزدیک ثقہ ہیں

اور دوسری میں داوٗد بن قیس ہیں۔ ہمارے نزدیک تو دونوں روایات ہی صحیح ہیں، دیکھئے انوار صاحب کس کو صحیح قرار دیتے ہیں، بہر حال ان احادیث سے یہ بات یقینی ثابت ہوگئی کہ اس حدیث میں جس بیٹھنے کا تذکرہ ہے وہ آخری تشہد کے متعلق نہیں بلکہ پہلے تشہد یا دونوں سجدوں کے درمیان کے بارے ہے۔

(۴) عن عبداللہ وھو بن عبداللہ بن عمر عن ابیہ قال من سنة الصلوٰة ان تنصب القدم الیمنی و استقبالہ باصابعھا القبلة والجلوس علی یسری۔

(نسائی ص ۱۳۰ ج ۱)

حضرت عبداللہ اپنے والد عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نماز کی سنت میں سے ہے کہ (تشہد میں) دایاں پاؤں کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ رخ رکھی جائیں اور بائیں پاؤں پر بیٹھا جائے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۵٦)

الجواب: یہ روایت پہلے تشہد کے متعلق ہے جیسا کہ امام نسائی نے تبویب ابواب میں صراحت کی ہے اور سیدنا ابوحمید ساعدی کی روایت دوسرے تشہد کے متعلق ہے، لہٰذا یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں، خود عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس سے یہی سمجھا ہے، کیونکہ آپ سے تورک صحیح سند سے ثابت ہے، امام مالک رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے امام قاسم فرماتے ہیں کہ دایاں پاؤں کھڑا اور بایاں بچھا کر، و جلس علی ورکه الایسری ولم یجلس علی قدمه، بائیں کولہے پر بیٹھ کر تورک کیا اور پاؤں پر نہ بیٹھا جائے اور فرماتے ہیں کہ مجھے عبیداللہ نے خبر دی کہ میرے والد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اسی طرح ہی بیٹھا کرتے تھے۔

(موطا امام مالك ص٢٧).

ان دونوں روایات میں یہ تطبیق ہے کہ انوار صاحب کی پیش کردہ روایت کا تعلق پہلے تشہد سے ہے اور موطا کی روایت دوسرے قعدے کے بارے ہے، ظاہر ہے کہ ادلہ میں رفع اختلاف کے وقت پہلی صورت تطبیق کی ہوتی ہے، اور اس کے علاوہ کوئی اور تطبیق درست نہیں ہے لہذا اس اثر کو ہمارے رد میں پیش کرنا انوار صاحب کی زیادتی ہے

(۵) عن عائشة رضی الله عنها قالت كان رسول الله ﷺ يستفتح الصلاة بالتكبير والقرأة بالحمدلله رب العلمين وكان اذا ركع لم يشخص راسه ولم يصوبه وكان بين ذالك وكان اذا رفع راسه من الركوع لم يسجد حتى يستوى قائما وكان اذا رفع راسه من السجدة لم يسجد حتى يستوى جالسا وكان يقول فى كل ركعتين التحية وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى وكان ينهى عن عقبة الشيطان و ينهى ان يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع وكان يختم الصلوٰة بالتسليم۔

(مسلم ص١٩٤ ج١)

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز، اللہ اکبر، کے ساتھ اور قرأت الحمد للہ رب العلمین، سے شروع فرماتے تھے اور جب رکوع کرتے تو اپنا سر مبارک نہ اوپر اٹھاتے تھے اور نہ بالکل نیچے جھکا دیتے تھے، دونوں کے درمیان رکھتے تھے، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ میں نہ جاتے جب تک کہ سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے اور جب آپ سجدہ سے سر اٹھاتے تو (دوسرے) سجدے میں نہ

جاتے جب تک کہ سیدھے نہ بیٹھے جاتے اور آپ ہر دو رکعتوں میں التحیات پڑھتے تھے، اور آپ بایاں پاؤں بچھادیتے اور دایاں کھڑا رکھتے تھے، اور شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے تھے، اور آپ اس سے بھی منع فرماتے تھے کہ آدمی اپنے دونوں بازوؤں کو درندہ کی طرح بچھا دے اور آپ نماز سلام سے ختم فرماتے تھے، (حدیث اور اہل حدیث ص۴۵۷)

الجواب اولاً: حضور علیہ التحیۃ والسلام نماز کو، اللہ اکبر، سے شروع کرتے، معلوم ہوا کہ حنفی جس طرح نماز شروع کرتے ہیں۔ دو رکعت نماز فرض پیچھے اس امام کے بوقت نماز صبح، اللہ اکبر، یہ غلط ہے

ثانیاً: معلوم ہوا کہ نماز، اللہ اکبر، سے شروع کرنی چاہیے مگر حنفیہ کے نزدیک، خدا بزرگ ترست، سے بھی جائز ہے،

ثالثاً: احناف کے نزدیک مرد دونوں قعدوں میں بائیں پاؤں پر بیٹھے جبکہ عورت دونوں قعدوں میں تورک کرے، مگر اس حدیث میں اس فرق کی وضاحت نہیں لہذا یہ ان کے دعوٰی پر تقریب تام نہیں

رابعاً: اس حدیث میں وضاحت نہیں کہ ایسا پہلے قعدے میں کرتے تھے، یا آخری میں یا دونوں میں ہی کرتے تھے، انوار صاحب نے اس حدیث کو دونوں قعدوں کے متعلق قرار دیا ہے مگر اس کی کوئی دلیل بیان نہیں کی، اگر درج کرتے تو ہم بفضلہٖ تعالیٰ اس کا پورا پورا محاسبہ کرتے، اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت مجمل ہے جس میں کسی قعدے کی صراحت نہیں جبکہ سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث مفصل ہے، جس میں دونوں قعدوں میں بیٹھنے کی کیفیت کی وضاحت ہے، لہذا مجمل کو مفصل پر محمول کیا جائے گا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو پہلے تشہد پر حمل کیا جائے تو اس صورت و تطبیق سے دونوں احادیث پر عمل بھی ہو جائے گا اور تعارض بھی نہ رہے گا۔

(۶) عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن الا قعاء و التورك فی الصلوٰة

(سنن کبریٰ بیهقی ص۱۲۰ ج۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز میں اقعاء اور تورک سے منع فرمایا ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص۴۵۸)

الجواب اس کی سند میں، قتادہ، راوی ہے جو کہ زبردست قسم کا مدلس ہے۔ (تفصیل فاتحہ خلف الامام کے سلسلہ میں گزر چکی ہے) اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے لہذا ضعیف ہے

(۷) عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن الاقعاء و التورك فی الصلوٰة، مجمع الزوائد ص۸۶ ج۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز میں اقعاء اور تورک سے منع فرمایا ہے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۵۸)

الجواب ہیثمی نے آگے ہی، مجمع الزوائد، میں لکھا ہے کہ اسے بزار نے مسند میں اپنے شیخ ہارون بن سفیان سے روایت کیا ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ اسے کس نے ذکر کیا ہے، گویا ہارون مجہول و مستور ہے، فریق ثانی پر لازم ہے کہ اس کی بحوالہ ثقات ثابت کرے، الغرض یہ روایت جہالت راوی کی وجہ سے ضعیف اور نا قابل حجت ہے

(۸) عن سمرة ان النبی ﷺ نهی عن التورك والاقعاء الحديث۔

(مجمع الزوائد ص٨٦ ج٢) ۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے تورک اور اقعاء سے منع فرمایا ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص٤٥٨)۔

الجواب: اولاً: اس کی سند میں، سعید بن بشیر، راوی متکلم فیہ ہے، امام ابو زرعہ اور ابو حاتم نے وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے، امام ابومسہر اور امام ابن نمیر فرماتے ہیں کہ قتادہ سے منکر روایات بیان کرتا ہے، (میزان الاعتدال ص۱۲۹ ج۲)

جبکہ یہی روایت قتادہ سے امام سعید بن ابی عروبہ نے بھی نقل کی ہے، مگر اس میں، تورک نہ کرنے، کا ذکر نہیں ہے، (بیہقی ص۱۲۲ ج۲ و مستدرک حاکم ص۲۷۲ ج۱)

بلکہ امام طبرانی نے، (المعجم الکبیر ص۲۲۹ ج۷ والمعجم الاوسط ص۲۳۶ ج۵) میں ایک دوسری سند بھی نقل کی ہے، اور اس میں بھی تورک نہ کرنے کا حکم نبوی موجود نہیں۔ الغرض یہ روایت سعید کے تفرد کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ثانیاً: اس روایت کی سند میں بھی اضطراب ہے، قتادہ سے جو روایت حماد بن سلمہ نے نقل کی ہے وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے، (مسند احمد ص٢٣٣ ج٣ و بیهقی ص١٢٢ ج٢)

ثالثاً: سند میں قتادہ ہے جو کہ مدلس ہے اور تحدیث کی صراحت کے بغیر صیغہ عن سے روایت ہے۔

رابعاً: قتادہ نے یہ روایت بواسطہ حسن بصری سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اور حسن بصری بھی مدلس ہیں جیسا کہ ذہبی نے میزان میں اور حافظ ابن حجرؒ نے بحوالہ نسائی، طبقات، میں صراحت کی ہے، اور زیر بحث روایت میں سماع ثابت نہیں بلکہ امام دارقطنی نے تو یہاں تک کہا کہ امام حسن بصری کا سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے صرف عقیقہ کی حدیث میں ہی سماع ثابت ہے باقی میں نہیں (السنن دارقطنی ص۳۳۶ ج۱)

اس پوری تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ روایت ضعیف ہے، اس کی متعدد وجوہات ہیں (الف) سند اور متن میں اضطراب ہے (ب) تدلیس کا شبہ دو جگہ موجود ہے (ت) سنداً منقطع ہے،

ظاہر ہے کہ جس روایت میں اس قدر علتیں ہوں اسے درج کر کے انوار صاحب کا یہ تحریر کرنا کہ
اسی پر ہی بس نہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صاف طور پر تورک وغیرہ سے منع بھی فرما رہے ہیں۔
لیکن غیر مقلدین جو عمل بالحدیث کے دعویدار ہیں انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول و عمل سے ثابت مسنون طریقہ تو پسند نہیں اور جس طریقہ سے اللہ کے نبی نے منع فرمایا ہے وہ ان کے نزدیک سنت ہے، اسے ضرور کرنا چاہئے۔ لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔
(حدیث اور اهل حدیث ص ٤٦١)

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ علوم نبوی کے وارث ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود انوار صاحب تورک کے نہ کرنے کی ایک بھی صحیح حدیث ثابت نہیں کر سکتے، لہذا عدم تورک کو آپ علیہ السلام کا قول و عمل قرار دینا، بد دیانتی بلکہ کذب صریح اور بہتان عظیم ہے، اس لیے ہم مخلصانہ مشورہ، دیتے ہیں کہ، لاحول، کا دم انوار صاحب اپنے جسم پر کریں، اس سے انہیں شیطانی وسواس سے شفا ہو گی۔ ان شاء اللہ

(۹) عن عبدالله بن عبد الله انه اخبره انه كان يرى عبدالله بن عمر يتربع فى الصلوٰة اذا جلس ففعلته وانا يومئذ حديث السن فنهانى عبدالله بن عمرو قال انما سنة الصلوٰة ان تنصب رجلك اليمنى وتثنى اليسرى فقلت انك تفعل ذلك فقال ان رجلاى ا لا تحملانى۔
(بخاری ص١١٤ ج١)

حضرت عبداللہ بن عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر کو دیکھتے تھے کہ جب آپ (قعدہ میں) بیٹھتے تو چوکڑی مار کر بیٹھتے (فرماتے ہیں کہ) میں ابھی بالکل نوعمر تھا میں بھی ایسا کرنے لگا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مجھے اس سے روکا اور فرمایا کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ (بیٹھنے میں) دایاں پاؤں کھڑا رکھو اور بایاں پاؤں پھیلا دو میں نے کہا کہ آپ تو اس طرح ہی کرتے ہیں (چوکڑی مارتے ہیں) آپ نے فرمایا میرے پاؤں میرا بار نہیں اٹھا پاتے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۵۹)

الجواب اولاً: انوار صاحب کے لیے یہ اثر تب مفید تھا جب وہ لغوی طور پر یہ ثابت کر دیتے کہ تورک اور چوکڑی ایک ہی چیز ہے، مگر انوار صاحب نے ایسا ہرگز نہیں کیا اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ تورک اور چوکڑی کو ایک ثابت کیا جائے، لیکن افسوس انوار صاحب نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر اس سے عدم تورک ثابت کیا ہے، لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم

ثانیاً: اس روایت میں بایاں پاؤں بچھانے کے بعد کی کیفیت کا ذکر بیان نہیں ہوا کہ کیا کیا جائے، آیا پاؤں کے اوپر ہی بیٹھا جائے یا تورک کیا جائے، جبکہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے تورک کرنا یعنی پاؤں کی بجائے سرین پر بیٹھنا ثابت ہے تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل نو دلائل تورک نہ کرنے پر بیان کیئے ہیں، مگر کوئی بھی ان کے دعوٰی کی دلیل نہیں ہے پہلی اور دوسری حدیث میں پہلے تشہد کی صراحت ہے تیسری حدیث بھی پہلے تشہد یا دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے بارے میں ہے چوتھی حدیث میں تطبیق کی صورت موجود ہے، پانچویں حدیث مجمل ہے جو سیدنا ابوحمیدہ ساعدی رضی اللہ عنہ کی مفصل حدیث کے معارض نہیں بلکہ تطبیق دینے سے موافق ثابت ہو چکی ہے، نمبر ۶، ۷، ۸ ضعیف ہے اور آخری حدیث میں چوکڑی مارنے کی ممانعت ہے، تورک کی نہیں الغرض انوار صاحب نے کوئی ایک بھی حدیث درج نہیں کی جو ان کے دعوٰی کی کھلی دلیل ہو، بلکہ ایسی کوئی حدیث نقل بھی نہیں کی جس میں صراحت ہو کہ مرد دونوں تشہدوں میں پاؤں پر بیٹھے اور عورت دونوں تشہدوں میں تورک کرے جیسا کہ حنیفہ کا مسلک اور عمل ہے۔

(ھدایہ ص۷۱ ج۱ و شرح نقایہ ص۸۰ ج۱ و حلبی کبیر ص۳۳۳ و نماز مسنون ص۳۷۱)۔

(۳۹) باب قعدہ اولیٰ میں درود شریف کا مسئلہ

فصل اول

اِنّ الله وَ ملئكته يُصَلُّونَ عَلىَ النّبِيِّ يآيُّها الّذِينَ اٰمَنُو ا صَلُّوا عَليهِ وَ سَلّمِوا تَسلِيماً (الاحذاب آیت ۵۶)

بلا شبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں مومنوتم بھی ان پر درود وسلام بھیجا کرو (۵۶۳۳)

(۱) عن ابی مسعود عقبة بن عمرو قال، اقبل رجل حتی جلس بین یدی رسول الله صلی الله علیہ وسلم و نحن عنده، فقال، یا رسول الله (صلی الله علیہ وسلم) اما السلام علیك فقد عرفناه فكيف نصلی علیك اذا نحن صلینا فی صلاتنا؟ صلى الله عليك، قال فصمت رسول الله صلی الله علیہ وسلم حتی أجبنا ان الرجل لم یساله، فقال اذا انتم صلیتم علی فقولوا، اللهم صل علی محمد النبی الامی وعلی آل محمد كما صليت على ابراهيم و آل ابراهيم وبارك على محمد النبى الامي كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد،

سیدنا ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور ہم بھی آپ علیہ التحیۃ والسلام کے پاس موجود تھے اس شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سلام بھیجنا تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے اب جب ہم نماز پڑھ رہے ہوں تو اپنی نماز میں آپ پر درود شریف کیسے بھیجیں۔
راوی حدیث کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے حتی کہ ہم نے اس بات کو پسند کیا کہ یہ شخص سوال ہی نہ کرتا (دریں صورت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مجھ پر درود شریف بھیجو تو کہو، اللھم صل علی محمد الخ......

(مسند احمد ص۱۱۹ ج۴) و صحيح ابن خزيمه ص۳۵۲ ج۱ و صحيح ابن حبان رقم الحديث ۱۹۵۶ و مستدرك حاكم ص۲۶۸ ج۱ و دار قطنی ص۳۵۵ ج۱ و بیهقی ص ۱۴۷ ج۲)

(۲) عن ابی مسعود الانصاری قال أتانا رسول الله صلی الله علیہ وسلم و نحن فی مجلس سعد بن عبادة، فقال له بشير بن سعد أمرنا الله ان نصلی علیك یا رسول الله! فكيف نصلی علیك؟ قال، فسكت رسول الله صلی الله علیہ وسلم حتی تمنینا انه لم یساله، ثم قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم، قولوا، اللهم! صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم وبارك على محمد و على آل محمد كما باركت على آل ابراهيم فى العالمين، انك حميد مجيد، والسلام كما قد علمتم،

سیدنا ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تھے، سیدنا بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ التحیۃ والسلام پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے، تو ہم آپ پر درود کس طرح بھیجیں، یہ سن کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، ہم نے (دل میں) کہا کاش بشیر بن سعدؓ سوال ہی نہ کرتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوں بھیجا کرو، اللھم صل علی محمد وعلیٰ آل الخ اور سلام تو آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد التشہد، الحدیث۹۰۷)

(۳) ان عائشة قالت، كنا نعد لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم سواكه و طهوره فيبعثه الله عزوجل لما شاء ان يبعثه من الليل فيستاك و يتوضا و يصلي تسع ركعات لا يجلس بينهن الاعند الثامنة، و يحمد الله ويصلي على النبي (صلی اللہ علیہ وسلم) ويدعو بينهن ولا يسلم تسليما ثم يصلي التاسعة ويقعد و ذكر كلمة نحوها ويحمد الله و يصلي على نبيه صلی اللہ علیہ وسلم ويدعو، ثم يسلم تسليما يسمعنا ثم يصلي ركعتين وهو قاعد،

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسواک اور وضو کا پانی رکھ دیتے تھے، پھر جب اللہ تعالیٰ کو رات کے وقت بیدار کرنا منظور ہوتا تو اللہ آپ علیہ التحیۃ والسلام کو اٹھا دیتا، آپ (اٹھ کر) مسواک اور وضو کرتے اور نو رکعتیں پڑھتے، ان کے درمیان بیٹھتے نہ'' مگر آٹھویں رکعت میں'' قعدہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے درود پڑھتے اور دعا کرتے اور سلام نہ پھیرتے پھر نویں رکعت پڑھتے اور بیٹھتے قعدہ میں اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے درود شریف اور دعا مانگتے پھر سلام پھیرتے، اسی طرح کہ ہم کو سنائی دیتا، پھر بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے،

(سنن نسائی کتاب قیام اللیل باب کیف الوتر بتسع، الحدیث ۱۷۲۱، مسند ابو عوانہ ص۳۲٤ ج۲ و بیہقی ص۵۰۰ ج۲)

قارئین کرام ان دلائل پر غور کریں ان سے پہلی تشہد میں درود کا پڑھنا ثابت ہو رہا ہے، الفاظ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کا حکم ہے، تشہد میں سلام تو ہے مگر درود نہیں، جبکہ قرآن میں صلوٰۃ وسلام کا حکم ہے، یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام نے سوال کیا کہ سلام پڑھنا تو ہمیں معلوم ہے، مگر درود کا علم نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے پڑھیں،

اس پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درود کی تعلیم دی، جیسا کہ پہلی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے، بلکہ بعض روایات میں صراحت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد سوال کیا گیا۔

(ابن جریر ص۳۱ ج۲۲ و ابن کثیر ص۵۰۷ ج۳ و در منشور ص۲۱٦ ج۵)

اس سے صاف ثابت ہوا کہ تشہد میں صلوٰۃ وسلام کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اور خود آپ علیہ

التحیۃ والسلام نے بھی قعدے میں درود کی تعلیم دی ہے، اس پر اپنی طرف سے یہ اضافہ کرنا کہ پہلے میں نہیں بلکہ دوسرے قعدے میں درود پڑھنا چاہئے، بلا دلیل ہے، جو اس تقسیم کا قائل ہے وہ دلیل شرعی بیان کرے، محض دعووں سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی، بلکہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس تقسیم کی نفی کرتی ہے کہ پہلے تشہد میں درود نہیں کیونکہ اس میں واضح الفاظ میں ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے قعدے میں بھی درود پڑھا کرتے تھے، الغرض پہلے تشہد میں درود کا پڑھنا قرآن وسنت سے ثابت ہے اور یہی امام شافعی وغیرہ کا مذہب ہے جیسا کہ انہوں نے ، (الام ص۲۲۹ ج۱) کتاب العدرۃ باب التشهد والعدرۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں صراحت کی ہے لہذا اس کا انکار محض تقلیدی ضد ہے، یہی وجہ ہے کہ انوار صاحب ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود کسی مرفوع حدیث سے یہ تقسیم ثابت نہیں کر سکے،

فصل دوم

(۱) عن عبداللہ بن مسعود قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الرکعتین کانہ علی الرضف قلت حتی یقوم قال ذالك یرید،

(نسائی ص۱۳۲ ج۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام (تین یا چار رکعت والی نماز میں) دو رکعت پڑھ کر ایسا بیٹھتے گویا جلتے توے پر بیٹھے ہیں یعنی بہت جلد اٹھ جاتے تھے، ابو عبیدہ حدیث کے راوی کہتے ہیں میں نے کہا (تیسری رکعت کے لیے) کھڑے ہونے کی وجہ سے، تو آپ نے فرمایا ہاں یہی مراد ہے،

(۲) ناسعد بن ابراھیم قال سمعت ابا عبیدۃ بن عبداللہ بن مسعود یحدث عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس فی الرکعتین الاولیین کا نہ علی الرضف قال شعبۃ ثم حرك سعد شفتیہ بشي فاقول حتی یقوم فیقول حتی یقوم قال ابو عیسیٰ ھذا حدیث حسن الا ان ابا عبیدۃ لم یسمع من ابیہ والعمل علیٰ ھذا عند اھل العلم یختارون ان لایطیل الرجل القعود فی الرکعتین الاولیین و قالوا ان زاد علی التشھد فعلیہ سجدتا السھوھکذا روی عن الشعبی وغیرہ۔

(ترمذی ص۸۵ ج۱)

حضرت سعد بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عبیدۃ بن عبداللہ بن مسعودؓ کو سنا وہ اپنے والد سے نقل کر رہے تھے کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے تھے تو ایسا لگتا تھا جیسے آپ جلتے توے پر بیٹھے ہوں، امام شعبہ فرماتے ہیں کہ پھر سعد نے اپنے لبوں کو کوئی بات کرکے

ہلایا، میں تو یہی کہتا ہوں کہ انہوں نے یہ کہا کہ پھر آپ کھڑے ہو جاتے تھے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے الا یہ کہ ابوعبیدہ نے اپنے والد سے سماع نہیں کیا، اور اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے، یہ اسی کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی نہ تو پہلی دو رکعتوں میں قعدہ کو دراز کرے اور نہ ہی تشہد پر کسی قسم کا اضافہ کرے، ان کا کہنا ہے کہ اگر تشہد پر اضافہ کیا تو سجدہ لازم آجائے گا چنانچہ امام شعبی وغیرہ سے ایسے ہی مروی ہے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۶۱ تا ۴۶۳)

الجواب اولاً: یہ روایت ابو داؤد میں بھی تھی، تحفۃ الاشراف ص۱۵۹ ج۷ (۹۶۰۹) معلوم نہیں انوار صاحب نے ابو داؤد سے نقل کر کے تیسرا نمبر کیوں درج نہیں کیا؟ اگر کہا جائے امام شعبیؒ کی متابعت ثابت کرنا مقصود تھا، راقم کہتا ہے کہ کیا شعبیؒ ضعیف تھا، علاوہ ازیں شعبی سے اوپر کی سند ایک ہی ہے، سند علیحدہ نہیں جیسا کہ انوار صاحب باور کرانا چاہتے ہیں

ثانیاً: یہ روایت منقطع ہے جیسا کہ امام ترمذی نے صراحت کی ہے کہ امام ابوعبیدہ رحمہ اللہ کا اپنے والد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں، امام ترمذی کے اس فرمان کو خود انوار صاحب نے نقل کیا ہے، مگر اس جرح کو ہاتھ تک نہیں لگایا، پھر بھی آخر میں پوری ڈھٹائی سے دھائی دی ہے کہ غیر مقلدین ان احادیث کے خلاف عمل کرتے ہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسی حدیث جس کا ضعف بندہ خود نقل کرے پھر بھی اسے حدیث رسول اور عمل مصطفیٰ ہی قرار دے، اس سے بڑھ کر کوئی شخص جاہل و نادان نہیں، یہ بات ملحوظ رہے کہ ابوعبیدہ کا اپنے والد سے سماع نہ ہونا صرف شوشہ ہی نہیں بلکہ انوار صاحب کے اکابر کو اس کا اعتراف بھی ہے

مولانا خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں کہ

والراجح انه لا یصح سماعه عن ابیه، یعنی راجح بات یہی ہے کہ امام ابوعبیدہ کا اپنے والد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے (بذل المجہود ص۱۲۹ ج۲)

ثالثاً: جلدی پڑھنا درود کے منافی نہیں تفصیل روایت نمبر۵ میں آگے آرہی ہے

(۳) عن عبداللہ بن مسعود قال علمنی رسول اللہ ﷺ التشهد فی وسط الصلوٰة وفی آخرها ....قال فکان یقول اذا جلس فی وسط الصلوٰة وفی اخرها علی ورکه الیسری التحیات لله والصلوٰت والطیبات السلام علیك ایها النبی ورحمة الله و برکاته السلام علینا و علی عباده الله الصالحین اشهدان لا اله الا الله واشهدان محمداً عبده ورسوله قال ثم ان کان فی وسط الصلوٰة نهض حین یفرغ من تشهده وان کان فی آخرها دعا بعد تشهده بما شاء الله ان یدعو ثم یسلم۔

(مسند احمد ص۴۵۹ ج۱، صحیح ابن خزیمه ص۳۵۰ ج۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد سکھلایا نماز کے درمیان اور آخری قعدہ میں، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے درمیانی اور آخری قعدہ میں بائیں کو لہے پر بیٹھتے تو پڑھتے تھے، التحیات لله والصلوٰت والطیبات السلام علیك ایها النبی ورحمه الله و برکاته السلام علینا و علی عباده الله الصالحین اشهدان لا اله الا الله واشهدان محمداً عبده ورسوله، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ پھر اگر حضور علیہ السلام درمیانی قعدہ میں ہوتے تو تشہد سے فارغ ہوکر کھڑے ہو جاتے اور اگر آخری قعدہ میں ہوتے تو تشہد کے بعد اللہ کو جو منظور ہوتا وہ دعا مانگتے پھر سلام پھیرتے (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۶۴)

الجواب اولاً: سند میں امام مغازی محمد بن اسحاق ہیں جو گو انوار صاحب کے نزدیک ثقہ ہیں مگر موجودہ دور کے اکثر حنفی مناظرین کے نزدیک ضعیف ومتروک اور غیر ثقہ ہیں، تفصیل،

احسن الکلام ص ۸۷ ج ۲ میں دیکھئے۔

ثانیاً: اس حدیث میں تورک بھی ثابت ہے، امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں تین مختلف اسناد سے اسے روایت کیا ہے اور اپنی (صحیح ص ۳۴۷ ج ۱ رقم الحدیث ۷۰۱) میں اس سے تورک ثابت کیا ہے مگر انوار صاحب اس سنت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں، انہوں نے اس سنت کے بغض میں مستقل ایک باب تحریر کیا ہے، اور اس عمل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھاپے پر محمول کیا ہے، مگر اس حدیث سے اس کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار سابقین الاولین میں ہے، مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا، ہجرت حبشہ اور مدینہ منورہ کی سعادت حاصل کی ہے، تمام غزوات میں بالعموم اور غزوہ بدر میں بالخصوص شامل تھے (تہذیب ص ۲۵ ج ۶) ظاہر ہے کہ یہ زمانہ ہمارے پیارے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوانی کا دور تھا، لہذا تورک کو پیری پر محمول کرنا غلط ثابت ہوا۔

ثالثاً: انوار صاحب نے بد دیانتی کی ہے، دراصل یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے مؤلف حدیث اور اہل حدیث، نے حدیث کی عبارت نقل کرتے ہوئے جہاں نقطے ڈالے ہیں۔ وہاں یہ الفاظ ہیں۔

فکنا نحفظ عن ابیه عن عبدالله حین اخبرنا ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علمه ایاه

اسود بن یزید نخعی کہہ رہے ہیں کہ، فکنا نحفظ، ہم یاد کرتے تھے، عبداللہ سے جب اس نے ہمیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سکھایا ہے، فکان یقول الخ اسود کہتے ہیں کہ عبداللہ پڑھتے تھے جب وسط صلوٰۃ اور اس کے آخر میں بیٹھتے تھے، دیکھئے، کنا نحفظ، اور فکان یقول کے الفاظ کا قائل ایک ہے (اسود بن یزید) مگر انوار صاحب نے اس عبارت کو حذف کرکے فعل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنا دیا ہے، فان لله وانا الیه راجعون۔

حالانکہ امام ابن خزیمہ نے جو حدیث، عبدالاعلی، کے طریق سے نقل کی ہے اس میں راوی صاف الفاظ میں اسے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فعل قرار دیتا ہے، **عن عبدالرحمن بن الاسود عن ابیہ انا عبد الله بن مسعود کنا نحفظ حروف القرآن الواو والا لف، فاذا جلس علی ورکه الیسری قال، التحیات لله والصلوٰت والطیبات السلام علیك ایها النبی ورحمه الله و برکاته السلام علینا و علی عباد الله الصالحین اشهدان لا اله الا الله واشهدان محمداً عبده ورسوله، ثم یدعو لنفسه ثم یسلم و ینصرف۔**

(صحیح ابن خزیمه ص۳٤۸ ج۱)۔

انوار صاحب غور کریں، آپ کی عینک غالباً پرانی ہو چکی ہے، اسے بدل کر ملاحظہ کریں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز میں تشہد سکھایا، آگے اسود کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشہد اس طرح یاد کرتے تھے جس طرح قرآن کے حروف یاد کرتے تھے، جیسے واو، اور، الف، پس جب آپ اپنی بائیں سرین پر بیٹھتے تو کہتے، التحیات للہ الخ،

رابعاً: وان کان فی اٰخرھا الخ کے الفاظ تشہد مع الصلوٰۃ کے علاوہ ادعیہ پر محمول ہیں اور ہم فصل اول میں صحیح حدیث سے ثابت کر آئے ہیں کہ تشہد کا لفظ درود سمیت بھی تشہد پر بولا جاتا ہے، لہذا سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں جو تشہد کا ذکر ہے تو اس سے تشہد مع الصلوٰۃ مراد ہے، اور عربی زبان میں چند اشیاء کے مجموعہ کی طرف ایک اہم جزو سے اشارہ کیا جانا عام مستعمل ہے، مثلاً حدیث میں آتا ہے،

من قام رمضان (بخاری رقم الحدیث ۳۷ و مسلم رقم الحدیث ۱۷۷۹)

دیکھئے اس حدیث میں صرف، قیام، کا ہی ذکر ہے مگر مراد پوری نماز ہے، اسی طرح سیدنا ابن مسعود کی روایت میں ذکر صرف تشہد کا ہے مگر مراد اس سے درود بھی ہے۔ اس تطبیق سے حدیث میں قطعاً کوئی تعارض نہیں رہتا۔

(۴) عن عائشة ان رسول الله ﷺ کان لا یزید فی الرکعتین علی التشهد ۔

(مسند ابو یعلی ص۳۳۷ ج۷)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں میں تشہد پر زیادتی نہیں کرتی تھے

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۶۴)

الجواب پیاری امی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والا راوی، ابو الجوزاء ہے اور امام بخاری اور ابن عبدالبر وغیرہ نے کہا ہے کہ اس کی امی جی سے ملاقات و سماع ثابت نہیں۔

(التهذیب ص۳۸٤ ج۱)

الغرض یہ روایت منقطع و مرسل ہے، لہذا ضعیف ہے،

(۵) عن تمیم بن سلمة قال کان ابو بکر اذا جلس فی الرکعتین کانه علی الرضف یعنی حتی یقوم۔ (مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۵ ج ۱)

حضرت تمیم بن سلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب دو رکعتوں میں بیٹھتے تو ایسے لگتا جیسے جلتے توے پر بیٹھے ہوں مطلب یہ ہے کہ آپ (جلدی) کھڑے ہو جاتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۶۴)

الجواب اولاً: جلدی جلدی پڑھنا درود کے منافی نہیں، یہ آپ کی زیادتی ہے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی مکرم سیدنا محمد مصطفی ﷺ صبح کی سنتیں نہایت ہلکی پڑھتے تھے حتی کہ ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سوال کرتیں کہ آپ نے سورہ فاتحہ کی قراۃ کی ہے،

(بخاری کتاب التهجد باب ما یقرأ فی رکعتی الفجر، الحدیث ۱۱۷۱) و مسلم کتاب صلاة المسافرین باب استحباب رکعتی سنة الفجر ...... الحدیث ۱٦۸٤)

اسی طرح آپ علیہ التحیۃ والسلام نماز میں آخری دو رکعتوں کو ہلکا پڑھا کرتے تھے

(بخاری کتاب الاذان باب یطول فی الاولیین و یحذف فی الاخریین، الحدیث ۷۷۰، و مسلم کتاب الصلاة باب القراة فی الظهر والعصر الحدیث ۱۰۱۸)

تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ظہر وعصر کی آخری دو رکعتوں میں قرأۃ نہ کرتے تھے اور فجر کی سنتوں میں بھی کچھ نہ پڑھا کرتے تھے، نہیں یقیناً نہیں، محترم نماز کو جلدی جلدی پڑھنا قرأۃ و اذکار کے منافی نہیں، یہ آپ کا خالص شیطانی وسوسہ ہے۔

ثانیاً: یہ روایت مرسل ہے کیونکہ امام تمیم بن سلمہ کا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سماع ولقا ثابت نہیں جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ کسی معتبر دلیل سے سماع ثابت کرے، واضح رہے کہ تمیم کو حافظ ابن حجرؒ نے، تقریب ص۴۹ میں تیسرے طبقہ کا راوی شمار کیا ہے اور یہ وہ طبقہ ہے جو درمیانے درجہ کا تابعی ہو جیسے حسن بصری اور امام ابن سیرین ہیں (مقدمہ تقریب) اور یہ طبقہ وہ ہے جن کا سماع سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ناممکن ہے

ثالثاً: یہ موقوف ہے جو مرفوع کے بالمقابل حجت نہیں راجع مقدمہ

(٦) عن الحسن انه کان یقول لا یزید فی الرکعتین الاولیین علی التشهد (مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹٦ ج۱)

حضرت حسن بصری فرماتے تھے کہ پہلی دو رکعتوں میں تشہد پر زیادتی نہ کرے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۶۵)

الجواب اولاً: یہ روایت صغیر تابعی کا قول ہے، اور تابعین کے اقوال دین میں حجت نہیں، راجع مقدمہ، بالخصوص جب وہ مرفوع احادیث کے مخالف و معارض ہوں

ثانیاً: سند میں، حفص بن غیاث راوی مدلس ہے (طبقات المدلسین) اور زیر بحث روایت میں

تحدیث کی صراحت نہیں۔

(۷) عن الشعبی قال من زادفی الرکعتین الاولیین علی التشھد فعلیہ سجدتان سھو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۶ ج۱)

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے پہلی دو رکعتوں میں تشہد پر زیادتی کی اس پر سجدہ سہو لازم ہے

(حدیث اور اہل حدیث ص۲۶۵)

الجواب امام شعبی بلا شبہ ثقہ وثبت اور امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ یہ ان چند بزرگ ہستیوں میں سے ایک ہیں جن پر پوری امت مرحومہ کو بجا طور پر فخر ہے یہ ملت اسلامیہ کے عظیم محسن اور قابل صد احترام ہیں۔

کبائر اتباع تابعین سے ہیں، امام مالک اور سفیان ثوری وغیرہ جیسے اکابر امت نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے، یہ سب کچھ اپنی جگہ پر مُسلّم! مگر دین میں معیار شخصیتیں نہیں بلکہ دلائل شرعی ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ دینی مسائل میں تو آپ امام شعبیؒ کے اقوال نقل کر کے مخالف پر بطور دلیل عرض کرتے ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں ان کے اقوال کو تسلیم نہیں کرتے، الضعفاء الکبیر للعقیلی ص۲۸۱ ج۴ میں امام شعبیؒ کا حسب ذیل قول ملاحظہ کرنا۔ امام ابو سلمہ خزاعی فرماتے ہیں۔ **سمعت شعبۃ یلعن ابا حنیفۃ،** کیا آپ اس قول کو حجت مانتے ہیں؟ اگر مانتے ہیں تو پہلی فرصت میں حنفیت سے توبہ کر کے امام شعبیؒ کا مسلک اختیار کر لیں، اگر آپ ایسا نہ کریں یقیناً نہیں کریں گے، مثل ہے، میٹھے کے لالچ میں جھوٹا کھاتے ہیں، لیکن انوار صاحب نہیں کھائیں گے، کیوں اس لیے کہ ان کے دل میں محبت ابو حنیفہ ہے، ایسے ہی ہم محبت اسوہ رسول اللہ ﷺ میں امام شعبیؒ کا قول قبول نہیں کرتے، اور یہ مُسلّمہ اصول ہے کہ تابعین کے اقوال احادیث رسول کے بالمقابل ناقابل حجت ہیں۔ راجع مقدمہ،

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل سات دلائل درج کیئے ہیں، جن کی تفصیل اس طرح ہے کہ دو مرفوع احادیث کو مکرر نقل کر کے تین بنایا ہے، اور یہ تینوں ہی ضعیف ہیں، دو موقوفات صحابہ ہیں، ایک کی سند ضعیف ہے تو دوسرا انوار صاحب کے مسلک کے خلاف مسئلہ تورک ثابت کر رہا ہے ایک صغیر تابعی کا اثر ہے جو سنداً ضعیف ہے آخر میں امام شعبیؒ کا قول نقل کیا ہے، جس کی حقیقت اوپر گزر چکی ہے،

ان دلائل کو نقل کر کے انوار صاحب اہل حدیث کو تین صفحے کوستے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون، آخر میں انوار صاحب کے علم کا ایک کرشمہ بھی ملاحظہ کریں، فرماتے ہیں۔

جلیل القدر تابعی امام شعبی تو فرماتے ہیں، (حدیث اور اہل حدیث ص۴۶۷)

محترم آپ اپنی معلومات کو درست کریں، امام شعبیؒ تابعی نہیں اتباع تابعین سے ہیں۔

(۴۰) باب فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

فصل اول

انسانی زندگی میں مشکلات ومصائب کا آنا ایک فطرتی تقاضا ہے، اور ان کے حل کا بھی اللہ تعالیٰ نے وافر سامان کیا ہے، اور وہ دو طرح کے ہیں، ایک دنیاوی حل اور دوسرا روحانی، پہلی صورت یہ ہے کہ انسان اسباب سے مشکلات سے نکلنے کی کوشش کرے، جو کبھی کامیاب ہو جاتے ہیں تو بسا اوقات ناکام رہتے ہیں، دوسرا طریقہ روحانی ہے کہ انسان اپنے رب قدیر کو مدد کے لیے پکارے جس کو شرعی اصطلاح میں دعا سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہی طریقہ دراصل ایک مومن کا شعار اور سبیل اسلام ہے، اسلام میں دعا کی اہمیت اور فضیلت اس قدر ہے کہ وہ حضرات جو اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے، رب کائنات ان پر ناراض ہوتا ہے، ارشاد ہوتا ہے،

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (غافر ۶۰)

تمہارے رب کا ارشاد ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا اور جو لوگ مجھے پکارنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب رسوا ہو کر جہنم رسید ہوں گے (۴۰۔۶۰) اس مبارک آیت میں دعا وسوال کی ترغیب دی گئی ہے۔

اور جو حضرات اس کے منکر ہیں انہیں عبادت سے اعراض کرنے والا قرار دیا ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ دعا ایک عبادت ہے، بعض صحیح احادیث میں دعا کو عبادت قرار دیا گیا ہے، دعا کے لیے کوئی مخصوص وقت نہیں انسان جب چاہے اپنے پروردگار کو پکار سکتا ہے، سفر وحضر اور جلوت و خلوت میں اپنے مولیٰ کریم جو رؤف ورحیم ہے، سے مدد طلب کر سکتا ہے، چنانچہ کتب احادیث میں جو دعائیں منقول ہیں، اُن تمام دعاؤں کو ہم بفضلہ تعالیٰ کرنے کے قائل وفاعل ہیں۔

حاش وکلا ہم دعا کے قطعاً منکر نہیں، ہمیں اختلاف ہے تو مروجہ طریقہ دعا سے ہے، ہم کہتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد بآواز بلند امام ومقتدیوں کا مل کر دعا کرنا اور امام کا الفاظ رسمیہ میں دعا کرنا اور مقتدیوں کا آمین آمین کہنا، یہ سنت خیر الانام سے قطعاً ثابت نہیں،

آخر کیا وجہ ہے کہ قائلین حضرات مسجد میں داخل ہوتے اور نکلنے کی دعاء اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر نہیں مانگتے، بیت الخلاء میں جاتے وقت بھی یہ اجتماعی دعا نہیں کرتے، سوتے وقت کی دعائیں بھی مروجہ طریقہ سے نہیں کرتے، بیدار ہونے کی دعاء بھی اس کیفیت سے مستثنیٰ ہی رکھتے ہیں۔ بے خوابی کا

علاج بھی اجتماعی طور پر نہیں کرتے، بیت الخلاء سے باہر نکلتے وقت بھی با جماعت نمازی دوزانوں ہو کر اللہ کے حضور دعا نہیں کرتے، صبح و شام کے اذکار بھی اجتماعی طور پر نہیں کرتے، کھانے پینے کے وقت، بازار میں داخل ہوتے وقت بھی مروجہ طریقہ کو نظر انداز کرتے ہیں۔ شب زفاف اور صحبت کے وقت یہ اہل محلّہ کو جمع کر کے اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعاء کیوں نہیں کرتے، کیا ان مواقع پر رسول اللہ ﷺ سے دعائیں منقول نہیں؟ اگر ہیں یقیناً ہیں تو آپ حضرات کیوں نہیں کرتے، اگر کہا جائے کہ دعا کرتے ہیں مگر ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر نہیں کرتے آخر کیوں نہیں کرتے؟ انوار صاحب نے جو دلائل نقل کئے ہیں اُن کو اِن مواضع پر کیوں فٹ نہیں کیا جا سکتا؟ انوار صاحب اپنی دلیل، نمبر۶، ۷، ۸ کو ملاحظہ کریں اگر ان سے کوئی مذکورہ مقامات پر اجتماعی دعاء پر استدلال کرے تو آپ انکار کس طرح کر سکتے ہیں، پھر دوسری احادیث جو محترم نے نقل کی ہیں، جن میں اذکار و دعائیں ہیں، جس سے انوار صاحب اجتماعی دعاء کا ثبوت دے رہے ہیں، اگر کوئی مذکورہ مقامات کے بارے احادیث نقل کر کے اجتماعی دعا کا استدلال کرے تو آپ منکر کیونکر ہونگے، اگر آپ ان مواضع پر اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے قائل نہیں، تو وجہ بیان کریں کہ صبح و شام کی دعاؤں کو آپ مروجہ طریقہ سے کیوں نہیں کرتے، فقط فرض نمازوں کے بعد ہی اس کیفیت کی تخصیص کے کیوں قائل ہیں؟ آخر اس تخصیص پر آپ کے پاس کوئی دلیل ہے، قطعاً نہیں، صرف آپ کی جذباتی اور ان گھڑت استدلال ہیں، سنئے ہم پورے جزم و یقین کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ کسی صحیح تو کجا حسن درجہ کی حدیث میں مروجہ دعاء کا ثبوت نہیں ہے، اکابر امت نے صاف الفاظ میں اسے بدعت قرار دیا ہے، ہمارے پیارے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد ہے

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد،

جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی جو دین میں نہیں ہے تو وہ کام اللہ کے ہاں مردود ہے (بخاری ص ۳۷۱ ج ۱ و مسلم ص ۷۷ ج ۲)

ہم قارئین کرام کو یہاں دین الحق کی جلد دوم کے ابتدائی مباحث کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں، قرآن وسنت اور اکابرین امت نے جو بدعت کی تعریف کی ہے، وہ اس مروجہ طریقہ دعاء پر پوری پوری اترتی ہے،

اس لیے کہ عبادت کا جو طریقہ و کیفیت شرع سے ثابت نہ ہو وہ بالاتفاق بدعت ہے، کیوں اس لیے کہ عبادات ممنوع الاصل ہیں، ہم یہاں پر فقہ حنفی سے چند مثالیں عرض کرتے ہیں،

(۱) صلوٰۃ رغائب (جو رجب میں عوام الناس پڑھتے ہیں) کے بارے علامہ حلبی فرماتے ہیں کہ یہ بدعت اور مکروہ ہے،

ان الصحابة والتابعين و من بعدهم من الائمة المجتهدين لم ينقل عنهم،
حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام اور بعد کے آئمہ مجتہدین سے یہ منقول نہیں۔
(حلبی کبیر ص۴۳۳)

(۲) فقہ حنفی کی کتاب محیط میں ہیں کہ
قرأة الكافرون الى الاخر مع الجمع مكروهة لانها بدعة لم ينقل ذلك عن الصحابة والتابعين،
یعنی سورہ کافرون کا آخر تک بالجمع پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ بدعت ہے،
حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام سے منقول نہیں (بحوالہ عالم گیری ص۲۶۴ ج۴)

(۳) علامہ کاشغری حنفی فرماتے ہیں کہ
والزيادة على ثمان ركعات ليلا و على اربع ركعات نهارا مكروه بالا جماع
یعنی رات کے وقت آٹھ رکعت سے زیادہ اور دن کے وقت چار رکعت سے زیادہ ایک سلام سے نفل نماز پڑھنا آئمہ احناف کے اجماع کے ساتھ مکروہ ہے (منیہ المصلی ص۱۰۲)
اس کی دلیل درج کرتے ہوئے علامہ کاسانی بعض اکابر احناف سے نقل کرتے ہیں،
يكره لان الزيادة على هذا لم ترو عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم،
یعنی یہ اس لیے مکروہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سے زیادہ مروی نہیں (البدائع الصنائع ص۲۹۵ ج۱)

(۴) صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔
و يكره ان يتنفل بعد طلوع الفجر باكثر ركعتي الفجر لانه عليه السلام لم يزد عليها مع حرصه على الصلوٰة۔
یعنی طلوع فجر کے بعد فجر کی سنتوں سے زیادہ (نفل) پڑھنا مکروہ ہے اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود نماز پر حریص ہونے کے اس سے زیادہ نماز نہیں پڑھی (ہدایہ ص۷۰ ج۱)

(۵) و ليس في الكسوف خطبة لانه لم ينقل،
یعنی نماز کسوف میں خطبہ نہیں کیونکہ منقول نہیں ہے (لا حول ولا قوة) (ہدایہ ص۱۵۶ ج۱)

(۶) ولا يتنفل في المصلى قبل العيد لان النبي صلی اللہ علیہ وسلم لم يفعل ذلك مع حرصه على الصلوٰة ثم قيل الكراهة في المصلى خاصة و قيل و في غيره عامة لانه صلی اللہ علیہ وسلم لم يفعله،
اور عیدگاہ میں نماز سے پہلے نماز (نفلی) نہ پڑھی جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود نماز پر حریص ہونے کے ایسا نہیں کیا، پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ کراہت عیدگاہ کے ساتھ خاص ہے، اور یہ بھی کہا

گیا ہے کہ عید گاہ اور غیر عید گاہ دونوں میں کراہت ہو گی، کیونکہ آپ علیہ السلام نے عید گاہ اور غیر اور عید گاہ دونوں میں نماز نہیں پڑھی (ہدایہ ص ۱۵۳ ج ۱)

ان تمام عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ فلاں فلاں کام بدعت اور مکروہ ہے اس لیے کہ ان کاموں کا کرنا حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ جس طرح نبی ﷺ کے فعل کی پیروی سنت ہے اسی طرح آپ کے ترک فعل کی اتباع بھی سنت ہے، ملا علی القاری حنفی فرماتے ہیں۔

والمتابعة كما تكون فى الفعل يكون فى الترك ايضاً فمن و اظب على فعل لم يفعله الشارع فهو مبتدع،

یعنی جس طرح متابعت فعل میں ہوتی ہے اسی طرح ترک میں بھی متابعت ہوتی ہے لہذا جس نے کسی ایسے کام پر مواظبت کی جو آپ علیہ السلام نے نہیں کیا تو وہ بدعتی ہے (مرقاۃ ص ۴۱ ج ۱)

انہیں دلائل کی بنا پر مروجہ دعا کو آئمہ دین اور علمائے ملت نے بدعت کہا ہے، چند ایک عبارات یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اما دعا الامام والمامومين جميعا عقيب الصلاة بدعة

یعنی امام اور مقتدیوں کا نماز کے بعد اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے (مجموع الفتاوی ص ۵۱۹ ج ۲۲)

(۲) امام ابن قیم فرماتے ہیں۔

واما الدعاء بعد السلام من الصلاة مستقبل القبلة او المامومين فلم يكن ذلك من هديه ﷺ اصلا ولاروى عنه باسناد صحيح ولا حسن،

باقی رہا نماز سے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رخ بیٹھ کر یا مقتدیوں کی طرف پھر کر اجتماعی دعا کرنا تو یہ آپ کا طریقہ نہ تھا اور نہ ہی آپ سے صحیح یا حسن سند کے ساتھ نقل کیا گیا ہے (زاد المعاد ص ۲۵۷ ج ۱)

(۳) علامہ حموی حنفی، الاشباہ والنظائر، کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وصرح ابن حجر بان الاجتماع للدعاء برفعه بدعة اقول ما قال ابن حجر هو الحق الذى لامرية فيه فان تعريف البدعة صادق عليه،

یعنی ابن حجرؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے، میں احمد بن حموی کہتا ہوں کہ ابن حجرؒ نے جو کہا ہے وہ بالکل حق ہے جس میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ بدعت کی تعریف اس پر صادق آتی ہے (حموی شرح الاشباہ ص ۴۴۰)

(۴) علامہ ابن بزار کردری حنفی فرماتے ہیں۔

ويكره الدعاء عند ختم القرآن فى رمضان بجماعة خارجة لانه لم ينقل عن الصحابة

قال الصفار ولولا ان اهل البلدة يقولون تمنعنا من الدعاء لمنعتهم والاشتغال بعد الفراض منهم باداء السنة اولىٰ من الدعاء،

یعنی رمضان المبارک میں ختم قرآن کے وقت اور اسی طرح اجتماعی دعاء مکروہ ہے کیونکہ یہ صحابہ سے منقول نہیں، امام صفار نے کہا ہے کہ اگر شہر کے لوگوں کا ڈر نہ ہوتا کہ یہ الزام لگائیں کہ دعا سے منع کرتا ہے تو میں انہیں اجتماعی دعاء سے منع کرتا اور فرض نمازوں کے بعد دعاء میں مشغول ہونے کی بجائے سنن پڑھنے کا التزام کرنا اولیٰ ہے،

(فتاویٰ بزازیہ برحاشیہ عالم گیری ص ۳۸۰ ج ۲)

(۵) علامہ شاطبی نے، الاعتصام ص ۲۵۲ ج ۱ و ص ۲۶۹ ج ۱، ص ۳۶۵، ص ۳۵۳، ۳۵۴ ص ۳۶۷ ج ۱ میں فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو، بدعت قرار دیا ہے،

(۶) مولانا عبدالحق محدث دہلوی حنفی فرماتے ہیں۔

اما ایں دعا کہ آئمہ مساجد بعد از سلام میکند و مقتدیاں آمین آمین میکویند الآن در دیار عرب و عجم متعارف ست از عادت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نہ بود و دریں باب ہیچ حدیث ثابت نہ شد،

یعنی یہ دعا جو آئمہ مساجد سلام پھیرنے کے بعد کرتے ہیں اور مقتدی آمین آمین کہتے ہیں جیسا کہ عرب وعجم میں معروف ہے، یہ طریقہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ نہ تھی اور اس سلسلہ میں کوئی بھی حدیث ثابت نہیں ہے، (شرح سفر السعادۃ ص ۹۰)

(۷) مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

یہ طریقہ جو فی زمانہ مروج ہے کہ امام سلام کے بعد رفع یدین (دونوں ہاتھ اٹھا) کے ساتھ دعاء مانگتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں، حضور علیہ السلام کے زمانے میں نہ تھا جیسا کہ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کی تصریح کی ہے (مجموعۃ الفتاویٰ مترجم ص ۲۳۲ ج ۱)

(۸) مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری سابقہ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں۔

واما الامور المحدثة من عقد صورة الجماعة للدعاء كجماعة الصلاة والانكار على تاركها و نصب امام ثم ائتمام به فيه و غير ذالك من قلة العلم و كثرة الجهل،

اور امور محدثہ مثلاً با جماعت نماز کی طرح دعاء میں بھی ہیئت اجتماعی بنانا اور شرکت نہ کرنے والے کو ملامت کرنا وغیرہ یہ سب قلت علم اور کثرت جہالت کے نتائج ہیں (تقریظ نفائس مرغوبہ ص ۴۷)

ان الادعية عنه صلی اللہ علیہ وسلم فى اثر المكتوبات لم يثبت فيها الرفع .... و مع هذا فلا يدل على الدعاء بالهيئة الرائجة المعروفة،

بلا شبہ نبی ﷺ سے فرض نمازوں کے بعد دعائیں کرنا ثابت ہے لیکن ہاتھ اٹھا کر مانگنا ثابت نہیں، لہذا یہ (دعائیں) مروجہ کیفیت معروفہ کی دلیل نہیں ہیں (بحوالہ معارف السنن ص ۴۱۰ ج ۳)

(۹) مولانا محمد یوسف بنوری حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔

قد راج فی کثیر من البلاد الدعاء بهيئة الاجتماعية رافعين ايديهم بعد الصلوٰة المكتوبة ولم يثبت ذلك فی عهده ﷺ وبالا خص بالمواظبة نعم ثبت ادعية كثيرة بالتواتر بعد المكتوبة و لكنها من غير رفع الايدی و من غير هيئة اجتماعية،

بہت سے بلاد میں یہ رواج ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی شکل میں دعاء کرتے ہیں دعاء کے اس طریقہ پر دوام تو کجا رہا اس کا ثبوت ہی نبی ﷺ کے عہد سے ثابت نہیں، ہاں فرض نمازوں کے بعد بہت سی دعائیں کرنا تواتر سے ثابت ہیں لیکن اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھانے کے بغیر،

(معارف السنن ص ۴۰۹ ج ۳)

(۱۰) مفتی محمد شفیع صاحب حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔

ہمارے زمانہ کے آئمہ مساجد کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرماویں کہ قرآن وسنت کی تلقین اور بزرگان سلف کی ہدایات کو یکسر چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ہر نماز کے بعد دعا کی ایک مصنوعی سی کاروائی ہوتی ہے، بلند آواز سے کچھ کلمات پڑھے جاتے ہیں، جو آداب دعاء کے خلاف ہونے کے علاوہ ان نمازیوں کی نماز میں خلل انداز ہوتے ہیں جو مسبوق ہونے کی وجہ سے امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی باقی ماندہ نماز پوری کر رہے ہیں، غلبہ رسوم نے اس برائی اور مفاسد کو ان کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے کسی موقع پر خاص دعاء پوری جماعت سے کرنا مقصود ہو ایسے موقع پر ایک آدمی کسی قدر آواز سے دعاء کے الفاظ کہے دوسرے آمین کہیں اس کا مضائقہ نہیں، شرط یہ ہے کہ دوسروں کی نماز وعبادت میں خلل کا موجب نہ بنیں اور ایسا کرنے کا طریقہ اور عادت نہ ڈالیں کہ عوام یہ سمجھنے لگیں کہ دعا کرنے کا طریقہ یہی ہے جیسا کہ آج کل عام طور سے ہو رہا ہے۔

(معارف القرآن ص ۵۷۸ ج ۳)

(۱۱) دیوبند مکتب فکر کے نامور اور معتمد ترین مفتی جناب رشید احمد صاحب نے، فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے رد پر ایک کتاب زبدة الكلمات فی حكم الدعاء بعد الصلوات، کے عنوان سے تحریر کی تھی جو ان کے فتاوٰی کی تیسری جلد میں مطبوع ہے، اس میں فرماتے ہیں امام کے ساتھ ملکر دعا کرنے کی رسم خواہ سراً ہو یا جہراً بدعت ہے جو قلت علم وکثرت جہل سے پیدا ہوئی ہے اور جہال کی افراط ہے (احسن الفتاوی ص ۶۷ ج ۳)

(۱۲) مولانا رفیق دلاوی حنفی دیوبندی نے، عماد الدین ص ۳۹۷ میں (۱۳) مفتی محمد ابراہیم صادق

آبادی حنفی دیوبندی نے، دعا بعد الفرائض کا مسنون طریقہ ص۲۲ میں

(۱۴) مولوی فیض اللہ بنگلہ دیشی نے، احکام الدعوات ص۱۲ میں بعد الفرائض اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو بے اصل اور بدعت قرار دیا ہے، اور مولوی حکیم عماد الدین حنفی دیوبندی نے اس رسمی دعا کے رد پر ایک مدلل و مفصل کتاب، التحقیق الحسن، کے نام سے شائع کی تھی، مطبوعہ ۲۰ رمضان ۱۴۰۲ھ ۱۲ جولائی ۱۹۸۲ء

ملحوظ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

أتی رجل اعرابی من اهل البدو الی رسول اللهﷺ یوم الجمعة، فقال، یا رسول الله (ﷺ) هلکت الماشیة، هلك العیال، هلك الناس، فرفع رسول اللهﷺ یدیه یدعو ورفع الناس ایدیهم مع رسول اللهﷺ یدعون الحدیث

ایک دیہاتی شخص نبی مکرم ﷺ کے پاس جمعہ کے دن آیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ (بھوک و پیاس سے) جانور تباہ ہو گئے بال بچے ہلاک ہو گئے لوگ مر گئے، آپ ﷺ نے یہ سن کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، دعا کرنے لگے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے، الحدیث،

(بخاری کتاب الاستسقاء باب رفع الناس ایدیهم مع الا مام فی الاستسقاء الحدیث ۱۰۲۹)۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بوقت ضرورت یا کسی سبب کی بناء پر اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی جائز ہے، اور اگر کوئی ضرورت مند نماز کے بعد نمازیوں اور امام سے درخواست کرے کہ میں فلاں مشکل میں مبتلا ہوں لہذا آپ میرے لیے دعا کریں تو تب اس حدیث کی بنأ پر جائز ہے، لیکن ہمارے ہاں جو ایک رسمیہ دعا کی جاتی ہے اور عوام الناس اس کے بغیر نماز کو ادھورا اور ناقص تصور کرتے ہیں اور نہ کرنے والے پر لعن طعن کرتے ہیں یہ بدترین بدعت ہے۔

(هذا ما عندی والله تعالیٰ اعلم،)

فصل دوم

(۱) عن ابی امامة قال قیل یا رسول الله ای الدعاء اسمع؟ قال جوف اللیل الاخرو دبر الصلوٰت المکتوبة۔

(ترمذی ص۱۸۷ ج۲)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ کونسی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے، آپ نے فرمایا جو رات کے آخری حصہ میں اور فرض نماز کے بعد مانگی جائے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۴٦٨)

الجواب اولاً: انوار صاحب آخر ہم سب نے مر کر مٹی میں دفن ہونا ہے، وہاں ان دھڑے بندیوں نے کام نہیں آنا، غور کریں آپ اپنی کتاب کے صفحہ ۴۶۸ میں باب کا عنوان، فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر دعا مانگنا، باندھتے ہیں، مگر پہلی ہی دلیل ایسی درج کرتے ہیں، جس میں نہ ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے اور نہ ہی اجتماعی طور، کا بیان ہے پھر اس میں فرض نماز کا قطعا ذکر نہیں، جیسا کہ جناب نے قصور علم سے سمجھا ہے، حدیث کے الفاظ، جوف اللیل آخر، کا معنی ہے آدھی رات کے دوسرے حصہ میں مگر آپ اس کا معنی رات کے آخری حصہ میں کرتے ہیں۔ جو قطعی طور پر غلط ہے کیونکہ اس معنیکی رو سے، جوف کا معنی رہ جاتا ہے، اور غالبا آپ نے یہ بددیانتی اس لئے کی ہے تاکہ صبح کی نماز کے بعد دعا کا ثبوت ہوجائے، حالانکہ یہ معنی غلط ہے، درست معنی وہی ہے جو خاکسار نے کیا ہے۔ اور یہ فرض نمازوں میں سے کسی نماز کا وقت نہیں، لہٰذا اس روایت سے فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا ثابت کرنا انوار صاحب کی سینہ زوری ہے، کاش مؤلف حدیث اور اہل حدیث پہلی دلیل تو اپنے دعوٰی کے مطابق دیتے،

ثانیاً: سند میں، ابن جریج، ہیں جو کہ بلاشبہ ثقہ ہیں مگر زبردست مدلس ہیں حتی کہ امام دارقطنی نے کہا ہے کہ بدترین تدلیس ابن جریج کی ہے، (طبقات المدلسین ص ۴۱)

جبکہ سند میں تحدیث و سماع کی صراحت نہیں، لہذا یہ روایت ضعیف ہے، دوسری خامی اس میں یہ ہے کہ منقطع ہے کیونکہ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی، عبدالرحمٰن بن سابط ہے، جس کا سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔ جیسا کہ امام یحیٰی بن معین نے صراحت کی ہے (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۱۲۸) والاصابہ ص ۱۴۸ ج ۳ و مرعاۃ ص ۳۲۶ ج ۳)

تیسری خرابی اس میں یہ ہے کہ دبر الصلوٰت المکتوبہ، کے الفاظ شاذ ہیں کیونکہ سیدنا ابو امامۃ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث پانچ دیگر اسناد سے بھی مروی ہے مگر کسی ایک میں بھی یہ الفاظ نہیں یہ تمام علتیں حافظ ابن حجرؒ نے بیان کی ہیں، دیکھئے (الفتوحات الربانیہ ص ۳۰ ج ۳)

علامہ زیلعی حنفی نے نصب الرایہ ص ۲۳۵ ج ۲ میں اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے اور علامہ البانی نے، تحقیق مشکوٰۃ (۱۲۳۱) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے،

رابعاً: دبر الصلوٰت، کا معنی نماز کے بعد نہیں جیسا کہ انوار صاحب باور کرا رہے ہیں، بلکہ اس کا مفہوم درود کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے ہے، تفصیل کے لیے، دین الحق ص ۲۵۹ ج ۲ کی مراجعت کریں۔

(۲) عن علی بن ابی طالب قال کان النبی ﷺ اذا سلم من الصلوٰۃ قال اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم به منی انت المقدم

وانت المؤخر لا الہ الا انت۔

(ابو داؤد ص ۲۱۲ ج ۱)

حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ نبی الصلوٰۃ والسلام جب نماز سے فارغ ہو کر سلام پھیرتے تو یہ دعا مانگتے، اللھم الخ (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۶۸)

الجواب محترم آپ نے جس چیز کے ثبوت پر قلم اٹھایا ہے اس میں تین چیزیں اہم ہیں، الف، ہاتھ اٹھانا، ب، اجتماعی طور پر دعا کرنا، ج، فرض نماز کے بعد کرنا، مگر دلیل وہ درج کرتے ہیں جس میں نہ ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے اور نہ ہی اجتماعی کا بیان ہے، آخر عقل تو اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو دی ہے، ذرا اسکی وضاحت تو کرنا کہ آپ نے جو دلیل درج کی ہے اس میں تمام صیغے واحد کے ہیں۔ اغفرلی، قدمت، اخرت، اسررت، اعلنت، اسرفت، اس سے آپ نے جمع کیسے سمجھ لیا؟ اگر غلطی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں، بد دیانتی کی ہے تو اللہ آپ کو ہدایت دے، لاعلم ہیں تو تصنیف کی بجائے کسی مدرسہ میں داخلہ لے لیں، بہر حال اس حدیث سے اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت نہیں یہ آپ کی زیادتی ہے، مزید تفصیل آگے روایت نمبر۱۴ میں آرہی ہے، انشاء الرحمٰن

(۳) عن البراء انہ ﷺ کان یقول بعد الصلوٰۃ رب قنی عذابک یوم تبعث عبادک۔

(مسلم بحوالہ نیل الاوطار ص ۳۲۱ ج ۲)

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے، رب قنی عذابک یوم تبعث عبادک، (حدیث اور اہل حدیث ۴۶۹)

الجواب اولاً: آپ کو یہ حدیث صحیح مسلم سے نہیں ملی" بہت خوب! لیجئے ہم نشان دہی کرتے ہیں۔

عن البراء قال، کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ ﷺ، أحببنا ان نکون عن یمینہ، یقبل علینا بوجھہ، قال، فسمعتہ یقول، رب قنی عذابک یوم تبعث او نجمع عبادک،

سیدنا براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھتے تو اس بات کو پسند کرتے کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام کی داہنی جانب ہوں کہ آپ ہماری طرف منہ کرکے بیٹھیں اور میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے،

ربک قنی عذابک یوم تبعث او تجمع عبادک،

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب استحباب یمین الامام، الحدیث ۱٦٤٢)

انوار صاحب اس حدیث پر غور کریں، اس میں، بعد الصلوٰۃ کے الفاظ نہیں، یہ علامہ شوکانی کا وہم اور آپ کے علامہ تھانوی کی غلطی ہے (اعلا السنن ص ۱۹۵ ج ۳) اور آپ نے ان پر اندھا اعتماد کیا ہے، محترم اس حدیث میں دو چیزوں کا بیان ہے، الف، سلام کے بعد نبی ﷺ کا داہنی طرف منہ کرکے

بیٹھنا، ب، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ دعا کرنا، یہ دونوں کام الگ الگ محل و مقام کے ہیں، یہ نہیں کہ داہنی طرف منہ کرکے یہ دعا کرتے تھے، جیسا کہ آپ نے سمجھا ہے، لیجئے ہم آپ کی اس غلطی کے ازالہ کے لیے ایک دوسری حدیث نقل کرتے ہیں۔

عن البراء بن عازب قال كان رسول الله ﷺ يتو سد يمينه عند المنام ثم يقول، رب قني عذابك يوم تبعث عبادك،

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سوتے وقت دائیں ہاتھ کو تکیہ بنا کر سر کے نیچے رکھتے اور یہ فرماتے

رب قني عذابك يوم تبعث عبادك، اے اللہ جس دن تو اپنے بندوں کو زندہ کرے تو مجھے اپنے عذاب سے محفوظ رکھنا،

(سنن ترمذی كتاب الدعوات باب منه، الحديث ۳۳۹۹ و مسند احمد ص ۲۹۰ و ص ۲۹۸ ج ٤)

یہی حدیث سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس میں لفظ، رب، کی بجائے اللہم، ہے (ترمذی ۳۳۹۸) اور مسند احمد ص ۳۸۲ ج ۵) میں لفظ، رب، ہی ہے،

سنن ابو داؤد کتاب الادب باب ما یقول عند النوم، میں یہی دعا ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نبی مکرم ﷺ سے نقل کرتی ہیں ہاں البتہ اس میں یہ اضافہ ہے کہ آپ تین بار یہ دعا کرتے، (رقم الحدیث ۵۰۴۵) اس ساری تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ دعا بعد از نماز نبی ﷺ نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ سوتے وقت یہ دعا مانگا کرتے تھے،

لہذا انوار صاحب کا اسے دلیل بنانا قصور علم کی دلیل ہے

ثانیاً: اس حدیث میں ہاتھ اٹھانے اور اجتماعی طور پر دعا کرنے کا قطعاً ذکر نہیں، جیسا کہ انوار صاحب کا دعویٰ اور عمل ہے، ہاں البتہ اس سے اجتماعی دعا کی نفی ضرور ہوتی ہے، قني، واحد متکلم کا صیغہ ہے جو انفرادی دعا پر دلالت کرتا ہے، لہذا یہ انوار صاحب کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں،

(۴) **عن ام سلمة ان النبي ﷺ كان يقول اذا صلى الصبح حين يسلم اللهم انی أسئلك علما نافعا ورزقا طيباً و عملا متقبلاً۔**

(مسند احمد ص ۳۰۵ و ابن ماجه ص ٦٦)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب صبح کی نماز پڑھتے تو سلام پھیر کر یہ دعا مانگتے تھے، **اللهم ان أسئلك علما نافعا ورزقا طيبا و عملا متقبلا** (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۶۰)

الجواب یہ حدیث بھی آپ کے دعویٰ کی دلیل نہیں، آپ کا دعویٰ ہے کہ ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا

مانگی جائے، مگر اس حدیث میں سرے سے اس کا ذکر ہی نہیں، الغرض یہ آپ کے دعویٰ کی دلیل نہیں بلکہ انفرادی طور پر مانگنے کی بات ہے، انوار صاحب، إنی، لفظ پر غور کریں، جو واحد کا صیغہ ہے، گو انوار صاحب کی پیش کردہ سند میں کلام ہے، مگر یہ حدیث صحیح ہے، (المعجم الصغیر للطبرانی رقم الحدیث ۷۳۵) میں ایک دوسری سند سے یہی حدیث مروی ہے، جس میں صراحت ہے کہ یقول بعد صلاۃ الفجر، جس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام یہ وظیفہ کرتے تھے، جو دعا کو مستلزم نہیں۔

(۵) عن معاذ بن جبل رضی الله عنه، ان رسول اللهﷺ قال له اوصيك يا معاذ لاتدعن دبر كل صلوٰة ان تقول اللهم اعنى على ذكرك و شكرك و حسن عبادتك۔

(مسند احمد ص۲٤٧ ج٥ و ابو داؤد ص۱۱۳ ج۱ و نسائی ص۱۹۲ ج۱)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اے معاذ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنی نہ چھوڑنا،

اللهم اعنى على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ٤٧٠)

الجواب اولاً: انوار صاحب نے، غالباً لفظ دبر سے مغالطہ کھایا ہے کہ اسے بعد از نماز سمجھ لیا ہے، حالانکہ اس کے متعلق ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں کہ اس سے مراد درود کے بعد اور سلام پھیرنے سے قبل کا مقام مراد ہے، اور اس حدیث میں تو صاف وضاحت بھی ہے، مسند احمد کے الفاظ ہیں،

فانی اوصيك بكلمات تقولهن فی كل صلاة، اللهم اعنى على ذكرك و شكرك و حسن عبادتك۔

(مسند احمد ص۲٤٧ ج٥ رقم الحديث ۲۱٦۲۱)

سنن نسائی کے الفاظ ہیں۔

فقال رسول اللهﷺ فلاتدع ان تقول فی كل صلوٰة رب اعنى على ذكرك و شكرك و حسن عبادتك،

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ معاذؓ تو بلا ناغہ ہر نماز میں یہ کلمات کہا کرو، رب اعنى على ذكرك و شكرك و حسن عبادتك

(نسائی كتاب السهو باب نوع آخر من الدعاء الحديث ١٣٠٤)

امام نسائی نے اسے تشہد کی دعاؤں میں ذکر کیا ہے، خطیب نے، مشکوٰۃ باب الدعاء فی التشہد رقم الحدیث ۹۴۹) میں نقل کیا ہے، جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ نماز کے اندر پڑھنے کی تلقین ہے

ثانیاً: اگر انوار صاحب کہہ دیں کہ نسائی وغیرہ کی روایت بالمعنی ہے اور اس سے مراد بعد از نماز ہی ہے (اگر اس بات کو قبول بھی کر لیا جائے) تب بھی انوار صاحب کا دعویٰ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں حضور علیہ التحیۃ والسلام نے یہ وصیت نہیں کی کہ فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگا کرو، اس میں صرف انفرادی طور پر یہ ذکر کرنے کا بیان ہے، مگر انوار صاحب اناڑیوں کی طرح دھڑا دھڑا بےتعلق احادیث نقل کرتے جا رہے ہیں اور یہ سوچنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے کہ آیا ان سے میرا دعویٰ بھی ثابت ہوتا ہے یا نہیں

(۶) عن سلمان قال قال رسول الله صلی اللهﷺ ان ربکم حیی کریم یستحیی من عبده اذا رفع یدیه الیه ان یردهما صفرا

(ترمذی ص۱۹۶ ج۲ و ابو داؤد ص۲۰۹ ج۱ و ابن ماجه ص۲۸۴)

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پروردگار انتہائی حیا والے اور سخی ہیں وہ اپنے بندے سے شرماتے ہیں کہ جب وہ ان کی طرف (دعا کے لیے) ہاتھ اٹھائے تو وہ انہیں خالی لوٹا دیں، (حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۰)

الجواب اولاً: یہ حدیث آپ کی دلیل تب بنتی تھی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہوتا کہ جب میرے بندے فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کریں تو مجھے شرم آتی ہے کہ انہیں خالی لوٹا دوں، مگر حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے، بلکہ الفاظ سے منفرد کی طرف صاف اشارہ ہے، یردہما، اگر یہاں اجتماعی دعا کا بیان ہوتا تو، یردہم، کے الفاظ ہوتے

ثانیاً: یہ حدیث عام ہے اور آپ کا دعویٰ خاص ہے، عام سے خاص ثابت نہیں ہوتا، جیسے فضائل صدقات سے بریلویوں کا قل و دسواں ثابت نہیں ہوتا، فضائل نوافل سے نماز تسبیح کی جماعت ثابت نہیں ہوتی، گھوڑے کے فضائل سے شیعہ کا گھوڑا نکالنا ثابت نہیں ہوتا، نبوت کے فضائل سے نبی کا آنا ثابت نہیں ہوتا، وضو کے فضائل سے پاؤں پہلے دھونے ثابت نہیں ہوتے، علی ہذا القیاس اس طرح ہزاروں مثالیں دی جا سکتی ہیں، مگر افسوس کہ انوار صاحب مطلق دعا کی فضیلت سے نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھانے ثابت کرنے کے درپے ہیں،

(۷) عن عمر بن الخطاب قال کان رسول اللهﷺ اذا رفع یدیه فی الدعاء لم یردهما حتی یمسح بهما و جهه۔

(ترمذی ص۱۷۶ ج۲)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تھے تو انہیں لوٹاتے نہ تھے جب تک کہ چہرے پر نہ پھیر لیتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۰)

الجواب اولاً: یہ بھی آپ کے دعویٰ کی دلیل نہیں، کیونکہ اس میں اس بات کا ذکر نہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھاتے تو چہرے پر پھیرنے کے بغیر نہ لوٹاتے، اگر ایسا ہوتا تو آپ کا دعویٰ ثابت تھا، مگر ایسا ہرگز نہیں ہے،

ثانیاً: اس کی سند میں، حماد بن عیسیٰ راوی ہے، اسے امام ابو حاتم امام ابو داؤد امام دارقطنی اور ابن ماکولا وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے (تہذیب ص۱۹ ج۳)

علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے (ارواء الغلیل ص۱۷۸ ج۲ (۴۳۳))

(۸) عن عکرمة عن عائشة رضی الله عنها زعم انه سمع منها انها رأت النبی ﷺ یدعو رافعا یدیه یقول انما انا بشر فلا تعاقبنی ایما رجل من المؤمنین آذیته و شتمته فلا تعاقبنی۔

(جزء رفع الیدین للبخاری ص۱۷)

حضرت عکرمہ حضرت عائشۃ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سنا ہے کہ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ السلام کو دیکھا کہ آپ دونوں ہاتھ اٹھائے یہ دعا مانگ رہے ہیں، انما انا بشر فلا تعاقبنی ایما رجل من المؤمنین آذیته و شتمته فلا تعاقبنی فیه،

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۱)

الجواب اس حدیث سے فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت دینا، بد ترین جہالت اور یہودانہ تحریف ہے، سنئے یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں تفصیل سے مروی ہے؛ ملاحظہ کیجئے۔

عن عائشة قالت، دخل علی رسول الله ﷺ رجلان، فکلماه بشئی لاادری ماهو، فاغضباه، فلعنهما و سبهما، فلما خرجا قلت یا رسول الله ﷺ! لمن اصاب من الخیر شیئا ما اصابه هذان، قال ﷺ وما ذاك؟ قالت قلت، لعنتهما و سببتهما، قال، أو ما علمت ما شارطت علیه ربی؟ قلت اللهم! انما انا بشر، فای المسلمین لعنته او سببته فا جعله له زکاة واجرا،

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ دو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، معلوم نہیں کہ آپ سے کیا باتیں کیں، بالآخر انہوں نے آپ علیہ السلام کو غصہ دلایا، آپ ﷺ نے ان پر لعنت کی اور برا کہا جب وہ دونوں نکل کر چلے گئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان دونوں کے علاوہ اوروں کو تو خیر پہنچ گئی لیکن انہیں خیر نہیں پہنچے گی، آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کیوں؟ میں نے کہاں اس لیے کہ آپ نے ان پر لعنت کی ہے، آپ نے فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ میں نے اپنے پروردگار سے جو شرط لگائی ہے!

اللهم انما انا بشر فای المسلمین لعنته او سببته فاجعله له زکوٰة و اجراً،

(صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب من لعنه النبی ﷺ .... الحدیث ٦٦١٤)

یہ حدیث کھلی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ گھر میں پیش آیا، جزء الرفع الیدین، کی روایت ملانے سے نتیجہ نکلا کہ آپ نے وہاں ہی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، جس سے لازم آیا کہ یہ دعا فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر نہیں مانگی گئی تھی، کیونکہ فرض نمازوں کی جماعت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں کرواتے تھے نا کہ گھر میں، اس تفصیل سے انوار صاحب کے پیرو مرشد اور مبتدعین دیابنہ کے گرو ماسٹر محمد امین صفدر کے وہم کا بھی ازالہ ہو گیا جہاں اس نے لکھا ہے کہ یہ دعا قنوت وتر یا نماز استقاء کی تھی (تجلیات صفدر ص ۳۶۸ ج ۳)

(۹) عن الفضل بن عباس قال قال رسول اللهﷺ الصلوٰة مثنىٰ مثنىٰ تشهد فی كل ركعتين و تخشع و تضرع و تمسكن و تقنع يديك يقول ترفعهما الىٰ ربك مستقبلا ببطونهما وجهك و تقول يا رب يا رب من لم يفعل ذالك فهي كذا و كذا۔

(ترمذی ص۸۷ ج۱ نسائی ص ج ابن خزیمه)

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز دو دو رکعت ہے، ہر دو رکعت کے بعد التحیات ہے اور ڈرنا، عاجزی کرنا اور مسکینی ظاہر کرنا ہے اور اٹھائے تو اپنے دونوں ہاتھ، حضرت فضل بن عباسؓ فرماتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تو اپنے پروردگار کے حضور میں اس طرح سے ہاتھ اٹھا کر کہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں تیرے چہرے کی طرف ہوں، دعا کرے اور کہے یارب یارب جس نے ایسا نہ کیا وہ ایسا ایسا ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۴۷۲)

الجواب اولاً: یہ روایت ضعیف ہے، اس کی سند میں، عبداللہ بن نافع بن ابی العمیاء راوی ہے، جسے امام علی بن مدینی نے مجہول کہا ہے (تہذیب ص۴۶ ج۴) امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں (تاریخ کبیر ص۲۱۳ ج۵ و ابن عدی ص۱۵۴۱ ج۴) عقیلی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں نظر ہے (الضعفاء الکبیر ص۳۱۱ ج۲) علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے (ضعیف ابن ماجہ ص ۹۷) ابن ترکمانی نے صاحب تمہید سے اس کا ضعیف ہونا نقل کر کے سکوت کیا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ ان کا بھی یہی خیال ہے دیکھئے۔

(الجوهر النقی ص۴۸۸ ج۲)

ثانیاً: انوار صاحب کا دعویٰ ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعا مانگی جائے جب یہ حدیث نوافل کے بارے ہے جیسا کہ امام ابو حاتم نے صراحت کی ہے (علل الحدیث ص۱۳۳ ج۱) اور اس حدیث کے الفاظ بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ فرض نماز تو تین اور چار رکعت بھی ہے جبکہ اس میں صرف دو دو کا ذکر ہے جس سے لازم آیا کہ یہ نوافل کے بارے ہے

ثالثاً: یہ دعا کب مانگی جائے امام ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ اگر یہ حدیث ثابت ہو تو تشہد کی دعا

کے بارے ہے، پھر فرماتے ہیں۔ مگر یہ نماز کا طریقہ نہیں ہے (صحیح ابن خزیمہ ص۲۲۱ ج۲)

رابعاً: اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ فرض نمازوں کے متعلق ہے تو تب بھی انوار صاحب کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس سے اجتماعی دعا کا مسئلہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا، بلکہ یہ منفرد کے متعلق ہے، اور حدیث میں صاف لفظ، وتقنع یدیک، وتقول یارب یارب، واحد کے صیغے ہیں۔ لہٰذا اس سے اجتماعی دعا ثابت نہیں ہوتی،

مولانا یوسف بنوری حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے استدلال تام نہیں کیونکہ اس میں اجتماعی دعا کا ذکر نہیں (معارف السنن ص۴۷۴ ج۳)

خامساً: اگر اس حدیث سے آپ کا استدلال درست ہے، تو دعا کو فرض یا واجب کہنا ہو گا، کیونکہ اس کے ایک طریق میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ایسا نہ کرنے والے کی نماز خداج (ناقص) ہے

(ابو داؤد کتاب التطوع باب صلاۃ النہار، الحدیث (۱۲۹۶) و ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰت باب ما جاء فی صلاۃ اللیل والنہار، الحدیث (۱۳۲۵) و ابن خزیمہ (۱۲۱۲) و مسند احمد ص۶۷ ج۴ و طیالسی وغیرہ)

حالانکہ انوار صاحب فرض یا واجب تو کجا اسے سنت بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں بلکہ صرف مستحب کہتے، ہیں (حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۶)

(۱۰) حدثنا محمد بن یحیی الاسلمی قال رایت عبداللہ بن الزبیر ورأی رجلا رافعا یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلوٰتہ فلما فرغ منھا قال لہ ان ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوٰتہ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص بحوالہ سنیۃ رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوٰت المکتوبۃ لمحمد بن عبدالرحمن الزبیدی ص۲۲)

محمد بن یحییٰ اسلمی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو دیکھا اس حال میں کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنی نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی دونوں ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہا ہے، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ دعا کے لیے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے جب تک کہ نماز سے فارغ نہ ہو لیتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۲)

الجواب: یہ روایت مصنف میں قطعاً نہیں جن حضرات نے اسے نقل کیا ہے انہوں نے اپنے سے پہلے علماء پر حسن ظن کرتے ہوئے نقل کر دیا ہے، مصنف کے متعدد نسخے طبع ہو چکے ہیں، مگر کسی ایک میں بھی یہ روایت نہیں جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے، مصنف میں یہ روایت سرے سے ہے ہی نہیں، ہاں البتہ طبرانی نے المعجم الکبیر ص ۱۲۹ ج۱۳ رقم الحدیث ۳۲۴ا اور ہیثمی نے مجمع الزوائد ص۱۶۹ ج۱۰ میں کہا

ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر یہ حافظ ہیثمی کا وہم ہے کیونکہ سند میں فضیل بن سلیمان بصری راوی متکلم فیہ ہے۔ گو بخاری و مسلم نے اس سے روایت کی ہے، مگر تمام کی تمام متابعت و شواہد میں ہیں دیکھئے (ہدیۃ الساری ص ۴۳۴)

جمہور آئمہ جرح و تعدیل نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدوق لہ خطاء کثیر، (تقریب ص ۲۷۴) ایسے راویوں کی روایات متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتیں، اور متابعت یہاں پر موجود نہیں۔

مزید برآں یہ کہ روایت کے متن میں صرف ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے دعا کرنے کا تذکرہ نہیں، اس کمی کو خود انوار صاحب نے محسوس کیا تو بددیانتی کرتے ہوئے اپنی طرف سے، دعا کے لیے، کے الفاظ داخل کر دیئے ہیں، حالانکہ متن روایت میں کوئی ایسا نہیں، جس کا یہ معنیٰ ہو، محض ہاتھ اٹھانے دعا کرنے کو مستلزم نہیں، علاوہ ازیں اس حدیث سے اجتماعی دعا قطعاً ثابت نہیں ہوتی یہ انوار صاحب کی زیادتی ہے، زیادہ سے زیادہ انفرادی دعا پر استدلال کیا جا سکتا ہے، یہ بھی ملحوظ رہے یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے، جس میں صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے اندر ہاتھ اٹھا کر قنوت نازلہ مانگا کرتے تھے، (مسند احمد ص ۱۳۷ ج ۳ و بیہقی ص ۲۱۱ ج ۲)

اور یہ بات ظاہر ہے کہ ضعیف روایت جب صحیح کے معارض ہو تو تب بالاتفاق ناقابل حجت ہوتی ہے،

(۱۱) عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال، ما من عبد بسط کفیه فی دبر کل صلوٰة ثم یقول اللھم الھی واله ابراھیم و اسحق و یعقوب واله جبریل و میکائیل و اسرافیل علیھم السلام اسالك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر و تعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنا لنی برحمتك فانی مذنب وتنفی عنی الفقرفانی متمسکن الاکان حقا علی الله عزوجل ان لا یرد یدیه خائبتین۔

(عمل الیوم و اللیل لا بن السنی ص٤٦)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہر نماز کے بعد جو بندہ بھی اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر یہ دعا مانگتا ہے، اللھم الخ تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو جاتا ہے کہ وہ ان ہاتھوں کو ناکام نہ لوٹائیں (حدیث اور اہل حدیث ص ٤٧٣)

الجواب اولاً: (۱) یہ روایت عام ہے خاص فرضوں کے متعلق نہیں جیسا کہ انوار صاحب کا دعویٰ ہے (۲) اس میں انفرادی دعا کا ذکر ہے، ما من عبد، یقول وغیرہ کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں، اگر فرضوں کے بعد اجتماعی دعا کا ذکر ہوتا تو، **ما من عباد، یقولون، بعد کل صلوٰة المکتوبة،** کے الفاظ ہوتے، مگر ایسا قطعاً نہیں، جس سے ثابت ہوا کہ یہ انفرادی دعا ہے۔

ثانیاً: سنداً یہ روایت سخت ضعیف بلکہ باطل ہے، تفصیل ملاحظہ کریں، اس کی سند میں ایک راوی اسحاق بن خالد ہے امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس نے متعدد منکر احادیث روایت کی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضعیف ہے (الکامل لابن عدی ص ۳۴۷ ج ۱)

اسحاق نے یہ روایت عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے، اور عبدالعزیز کے بارے امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس کی احادیث جھوٹی اور من گھڑت ہیں (الضعفاء الکبیر ص ۵،۶ ج ۳ و ابن عدی ص ۹۴۲ ج ۳ و ص ۱۹۲۷ ج ۵) امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ ثقات سے بہت زیادہ مقلوب اور غلط منسوب احادیث روایت کرتا ہے، اس سے کسی صورت بھی حجت لینا جائز نہیں

المجروحین ص ۱۳۸ ج ۲)

عبدالعزیز نے یہ روایت خصیف سے نقل کی ہے اور آئمہ جرح و تعدیل نے صراحت کی ہے کہ عبدالعزیز خصیف سے باطل اور منکر روایات روایت کرتا ہے (تہذیب ص ۱۴۴ ج ۳)

خصیف خود بھی سیئی الحفظ ہے جیسا کہ علامہ ذہبی نے، الکاشف، میں اور حافظ ابن حجرؒ نے، تقریب، میں صراحت کی ہے، ان تمام جروحات کے علاوہ اس میں ایک خامی یہ ہے کہ منقطع ہے، کیونکہ سیدنا انسؓ سے روایت کرنے والا خصیف ہے اور خود خصیف کا اعتراف ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات اور سماع نہیں

(الکامل ابن عدی ص ۹٤۱ '۹٤۲ ج ۳ و تهذیب الکمال ص ۲٦۰ ج ۸)

الغرض یہ روایت انوار صاحب کے دعوی پر جہاں تقریب تام نہیں وہاں ہی سخت ضعیف ہے علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف جداً کہا ہے۔ (الضعیفه ص ٤٥۰ ج ۱۲ رقم ۵۷۰۱)

(۱۲)عن الاسود العامری عن ابیه قال صلیت مع رسول الله ﷺ الفجر فلما سلما انصرف و رفع یدیه و دعا، الحدیث۔

(سنیة رفع الیدین فی الدعاء بعد الکمتوبة ص ۲۳)

حضرت اسود عامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو مڑ کر دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ٤٧٤)

الجواب یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں مختصر اور مطول مروی ہے مگر کسی ایک میں بھی، انصرف، کے بعد، ورفع یدیه و دعا، کے الفاظ نہیں،

دیکھئے، مسند احمد ص ۱٦۰ '۱٦۱ ج ٤ و ابو داؤد (٦۱٤) و نسائی (۸۵۹) دار قطنی ص ۱۵۸ و مستدرک حاکم ص ۲٤۵ ج ۱ و بیهقی ص ۳۱۰ ج ۲ و ابن حبان (موارد) حدیث (٤۳٤) و عبدالرزاق ص ٤۲۱ ج ۲ و مصنف ابن ابی شیبه ص ۳۰۲ ج ۱ و ص ۲۷۵ ج ۲ وغیره

قصہ مختصر یہ کہ انوار صاحب نے جن الفاظ سے استدلال کیا ہے وہ الفاظ متن حدیث میں موجود نہیں، جو اس بات کا مدعی ہے وہ ثبوت پیش کرے، رہا یہ امر کہ اسے بڑے بڑے علماء نقل کرتے آئے ہیں تو اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ ان تمام حضرات کا سہو ہے اور اوہام کا نام دین اور مسائل نہیں ہوتا۔

(۱۴) عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ رفع یدیه بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة فقال، اللهم خلص الولید بن الولید و عیاش بن ربیعة و سلمة بن هشام وضعفة المسلمین الذین لا یستطیعون حیلة ولا یهتدون سبیلا من ایدی الکفار۔

(تفسیر القرآن العظیم للحافظ ابن کثیر ص ۵۲۲ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیر کر اپنے ہاتھ اٹھائے اور قبلہ رُو ہو کہ یہ دعا مانگی، اے اللہ ولید بن ولید، عیاش بن ربیعہ، سلمہ بن ہشام اور کمزور مسلمان جو نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ کہیں کا راستہ جانتے ہیں انہیں کفار کے ہاتھ سے خلاصی نصیب فرما۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۴۷۴)

الجواب اولاً: اس میں اجتماعی دعا کا ذکر نہیں،

ثانیاً: اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس کا راوی علی بن زید بن جدعان ہے اور یہ ضعیف ہے، اسے امام احمد امام معاویہ بن صالح امام یحیٰ نے ضعیف قرار دیا ہے، جوز جانی فرماتے ہیں واہی الحدیث اور ضعیف ہے ابو زرعہ کہتے ہیں قوی نہیں ابو حاتم فرماتے ہیں کہ اس کی روایت لکھی جائے مگر احتجاج نہ کیا جائے، نسائی ضعیف کہتے ہیں۔ ابن خزیمہ فرماتے ہیں میں نے اس سے سوء حفظ کی وجہ سے احتجاج نہیں کیا، ابن عدی فرماتے ہیں ضعیف ہونے کے ساتھ تشیع میں غلو تھا، حاکم کہتے ہیں، متین نہیں، دار قطنی، لین، قرار دیتے ہیں حماد بن زید کہتے ہیں احادیث کو اُلٹ پلٹ دیتا تھا، یحییٰ بن سعید اس کی روایات سے بچتے تھے، ابن عیینہ نے ترک کر دیا تھا، وہیب نے ضعیف کہا ہے، اور آخری عمر میں اختلاط بھی ہو گیا تھا

(تہذیب ص ۳۲۳ ج ۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے (تقریب ص ۲۴۶)

پھر اس کی سند میں اضطراب ہے، ابن ابی حاتم (بحوالہ تفسیر ابن کثیر ص ۵۴۲ ج ۱) میں علی نے یہ روایت بواسطہ، سعید بن المسیب، نقل کی ہے جبکہ ابن جریر کی سند میں ہے کہ انہوں نے یہ روایت عبداللہ یا ابراہیم بن عبداللہ کے واسطے سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت لی ہے، (تفسیر ابن جریر ص ۲۷۸ ج ۵ طبع احیاء التراث ۲۰۰۱ء) اس کے برعکس امام زہری جو کہ ثقہ وثبت اور حافظ ہیں، اس حدیث کو امام سعید بن مسیّب کے واسطے سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

رکوع کے بعد اس دعا کو مانگا کرتے تھے،

بخاری کتاب الادب باب تسمیة الولید، الحدیث ٦٢٠٠ و مسلم کتاب المساجد باب استحباب القنوت ...... الحدیث ١٥٤٠)

امام سعید بن مسیّب کے علاوہ یہی حدیث امام عبدالرحمٰن الاعرج اور امام عبدالرحمٰن حارث اور ابو سلمہ نے بھی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (بخاری رقم الحدیث ۲۹۳۲، ۸۰۴) مگر کسی ایک میں بھی سلام پھیرنے کے بعد دعا کا ذکر نہیں بلکہ رکوع کے بعد قنوت نازلہ کا بیان ہے، قصہ مختصر یہ کہ، بعد ما سلم الخ کے الفاظ بیان کرنے میں، علی بن زید جدعان کو وہم ہوا ہے سند کی طرح اس کے متن میں بھی اضطراب ہے۔علی بن زید جدعان سے عبدالوارث نے، رفع یدیه بعد ما وهو مستقبل الکعبة، کے الفاظ روایت کیے ہیں۔

تفسیر ابن ابی حاتم ص۴۷ا ج ا و مسند بزار ص۵۰ ج ۴ رقم الحدیث ۳۱۷۲ کشف) جبکہ حماد نے علی بن زید، سے، **کان یدعو فی دبر صلاة الظهر**، کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

(تفسیر ابن جریر ص٢٧٨ ج ٥)

ظاہر ہے کہ یہ کھلا اضطراب ہے، عبدالوارث کی روایت سے ثابت ہو رہا ہے کہ نماز کے بعد دعا کرتے اور حماد کی روایت کا مفاد ہے، نماز کے اندر دعا کرتے جیسا کہ لفظ 'دبر' سے مستفاد ہوتا ہے، علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے (الضعیفہ ۶۶۳۰) اور عبدالرزاق مھدی حنفی نے ضعیف کہا ہے۔ (حاشیہ تفسیر ابن کثیر ص۳۵۶ ج۲)

لہذا اس روایت سے انوار صاحب کا استدلال باطل ہے۔

(۱۴) عبدالعزیز بن ابی رواد قال حدثنی علقمة بن مرثد و اسماعیل بن امیة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا فرغ من صلوته رفع یدیه و ضمهما وقال رب اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم به منی انت المقدم وانت المؤخر لا اله الا انت لك الملك ولك الحمد۔

(کتاب الزهد والرقائق للامام عبدالله بن مبارك ص٤٩٥)

عبدالعزیز بن ابی رواد فرماتے ہیں کہ مجھ سے علقمہ بن مرثد اور اسماعیل بن امیہ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر ملاتے اور یہ دعا مانگتے، اللهم الخ

(حدیث اور اهل حدیث ص٤٧٥)

الجواب: اولاً: یہ روایت معضل ہے، کیونکہ علقمہ اور اسماعیل دونوں ہی اتباع تابعین سے ہیں، لہذا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے درمیان کم از کم دو واسطے ہونگے، تابعی اور صحابی کا واسطہ،

ثانیاً: یہ حدیث سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ بھی بیان کرتے ہیں جس میں صراحت ہے کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام یہ دعا تشہد کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے مانگا کرتے تھے، حدیث کے الفاظ ہیں۔
یقول بین التشھد و التسلیم، یعنی اس دعا کو تشہد اور سلام پھیرنے کے درمیان پڑھتے تھے، (مسلم کتاب باب صلاۃ المسافرین صلاۃ النبی ﷺ و دعائه باللیل الحدیث ۱۸۱۲ و المستخرج للامام ابو نعیم ص۳٦٥ ج۲ (۱۷٥۷)

الغرض اس حدیث میں سلام پھیرنے سے پہلے یہ دعا کرنے کا بیان ہے، انوار صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے وہ سنداً معضل ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں،
ثالثاً: اس میں بھی اجتماعی دعا کا ذکر نہیں، تفصیل کے لیے روایت نمبر۲ کے جواب کو ایک نظر دیکھ لیں،

(۱۵) ذکر ابن الکثیر فی قصة علاء بن الحضرمیؓ، و نودی بصلاۃ الصبح حین طلع الفجر فصلی بالناس فلما قضی الصلوٰۃ جثا علی رکبتیه و جثا الناس و نصب فی الدعاء و رفع یدیه و فعل الناس مثله، الخ۔
(البدایه و النهایه ص۳۲۸ ج٦)

حضرت ابن کثیر نے حضرت علاء بن حضرمی کے قصہ میں ذکر کیا ہے کہ جب صبح صادق ہوگئی تو فجر کی نماز کے لیے اذان دی گئی آپ نے لوگوں (صحابہ و تابعین) کو نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ اور لوگ دوزانو بیٹھ گئے، آپ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگے، لوگوں نے بھی آپ ہی کی طرح کیا، (حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۵)

الجواب: یہ روایت واقعی انوار صاحب کی دلیل ہے اس میں فرض نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر ہے، کاش اس کی سند صحیح ہوتی تو ایک صحابی کا اثر بھی ہم قبول کرنے کو تیار تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کا وجود اور عدم دونوں ہی برابر ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے۔
الف، حافظ ابن کثیر نے اس واقعہ کو بغیر سند کے درج کیا ہے، ب، ہماری معلومات اور وسائل کی حد تک ہمیں یہ روایت ابن جریر کی تاریخ میں ۱۱ھ کے واقعات میں ملی ہے جو حسب ذیل ہے۔

کتب الی السری عن شعیب عن سیف عن الصعب بن عطیة بن بلال عن سهم بن منجاب عن منجاب بن راشد۔
(تاریخ الامم والملوک ص۲٥٦ ج۳)

غور کیجئے اس سند میں، سیف بن عمر، راوی ہے اسے امام یحییٰ نے ضعیف اور ابو داؤد نے ہیچ محض اور ابو حاتم نے متروک قرار دیا ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کہ اس پر زندیق ہونے کا الزام بھی ہے، ابن

عدی کہتے ہیں کہ اس کی عام روایات منکر ہیں، (میزان الاعتدال ص ۲۵۵ ج ۲)

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے جو دلائل نقل کیے ہیں وہ پندرہ ہیں، ایک موقوف روایت ہے بقایا مرفوع احادیث ہیں۔ ان میں احادیث نمبر ۱، ۷، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ضعیف ہیں۔ بقیہ جو سات دلائل ہیں ان میں نمبر ۲، ۴، ۶ کی احادیث منفرد کے بارے ہیں نمبر ۳ میں جس دعا کا ذکر ہے وہ سوتے وقت کی دعا ہے، نمبر ۵ کی حدیث کے دوسرے طریق میں وضاحت ہے کہ یہ آپ علیہ التحیۃ والسلام نماز کے اندر پڑھا کرتے تھے، نمبر ۸ عام اور منفرد کے بارے ہے، نمبر ۱۲ جن الفاظ سے انوار صاحب نے استدلال کیا ہے وہ کتب احادیث سے ثابت نہیں، پھر ان تمام دلائل پر غور کیا جاے تو ان میں بعض دعائیں تو ایسی ہیں جن کے متعلق احادیث سے ثابت ہے کہ یہ نماز کے اندر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پڑھا کرتے تھے، مثلاً نمبر ۱۳ کی حدیث دعاء قنوت نازلہ کے متعلق ہے نمبر ۱۴ کی حدیث میں جس دعا کا ذکر ہے وہ تشہد میں آپ ﷺ پڑھا کرتے تھے، ان تمام چیزوں کی تفصیل پہلے عرض کر دی گئی ہے ان تمام باتوں کو بھی جانے دیجئے انوار صاحب کی تمام دلیلوں کو ایک نظر مکرر پڑھیئے اس میں کوئی ایسی دلیل نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ فرض نماز کے بعد نبی مکرم رسول رحمت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے دعا مانگی ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آمین آمین کہا ہو، جیسا کہ پاک و ہند میں مروج ہے، اس کا ثبوت تا حال انوار صاحب کے ذمہ واجب الادا ہے مگر اس حقیقت کو نظر انداز کر کے اِدھر اُدھر سے غیر متعلقہ احادیث نقل کر کے تیس مار خاں بن بیٹھے ہیں۔

پھر ان دلائل پر خود انوار صاحب کا ضمیر بھی مطمئن نہیں، ایک جگہ فرماتے ہیں، جب آپ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہونگے تو صحابہ کرام بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوں گے (ص ۴۷۶)

کیوں جناب یہ ہوں گے کیا ہوتا ہے صریحاً دلیل پیش کیجئے، احتمال سے مسائل ثابت نہیں ہوتے، انوار صاحب دعا عبادت ہے اور عبادات ممنوع الاصل ہیں۔ ان کے اثبات کے لیے صریح دلائل کی ضرورت ہے، ایچ پیچ سے آپ قارئین کو تسلی دے رہے ہیں محترم کتب احادیث کا مطالعہ کریں، صحابہ کرام نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی طیبہ کا ایک ایک لمحہ بیان کیا ہے، حتی کہ آپ ﷺ کی داڑھی کے سفید بال گن کر بتا دیئے ہیں، اگر حضور ﷺ نے زندگی میں فرض نماز کے بعد مروجہ دعا ایک بار بھی کی ہوتی تو اسے بیان کرتے، امت مرحومہ کے اس مقدس گروہ نے حضور علیہ التحیۃ والسلام کی سفر و حضر اور جلوت و خلوت کی عبادت کا ذکر کیا ہے، ان کی پوری کیفیت و طریقہ بتایا ہے، آخر اس دعا سے خاموش کیوں رہے؟

(۴۱) باب مردوں اور عورتوں کی نماز

فصل اول

نبی مکرم ﷺ کا اسوہ پوری امت کے لیے یکساں ہے، خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، امتی خواہ مذکر ہو یا مؤنث عربی ہو یا عجمی، سیاہ ہو یا سفید، ہاں مگر وہ جس کی تخصیص خود نبی مکرم ﷺ کر دیں، نماز دین کا ایک اہم اور بنیادی رکن ہے، اس میں اپنی طرف سے کیفیات بنا کر عورتوں سے خاص کرنا، قیاس فی الدین بلکہ دینی معاملات میں مداخلت ہے، ہمارا دعویٰ ہے کہ عبادات ممنوع الاصل ہیں۔ان میں اپنی طرف سے شرائط و قیود اور کیفیات لگانا درست نہیں بلکہ بدترین بدعت ہے، تفصیل کے لیے (دین الحق ص۱۱۲ ج۲) کی مراجعت کریں۔ اور دیوبندی حضرات مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر کی تالیف، راہ سنت ص۱۱۸ کو دیکھ لیں۔ بہر حال عبادت میں جو چیز بھی سنت سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے، ہم اپنے دین و ایمان کی محکمی سے یہ بات عرض کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے اپنے عمومی فرمان میں کہا ہے کہ

صلوا کما رأیتمونی اصلی، نماز اسی طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھا

(بخاری کتاب الاذان باب الاذان للمسافرین .... الحدیث ٦٣١)

اس فرمان کے مخاطب تمام امتی ہیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، لہذا مرد و عورت کی کیفیت نماز میں کوئی فرق نہیں (مگر وہ جس کی تخصیص اللہ کے رسول ﷺ خود کر دیں۔) اس لیے احنافؒ نے جو بعض تفاریق کی ہیں وہ تمام کی تمام بے اصل اور قرآن و سنت سے غیر ثابت شدہ ہیں۔

فصل دوم

پہلے اسے پڑھیئے : حنفیہ کے نزدیک مرد و عورت کی نماز میں فرق ہے، پوری نماز میں تو نہیں بلکہ بعض مسائل میں ان کا دعوٰی ہے کہ عورتیں مردوں کے برعکس عمل کریں، یہ مسائل تعداد میں کتنے ہیں؟ ان کی صحیح تعداد کی نشان دہی ہمیں کسی فقہ کی کتاب سے دستیاب نہیں ہوئی، البتہ ہم نے سرسری طور پر دیوبندی اور بریلوی علماء کی تحریرات کا مطالعہ کرکے اٹھاراں مسائل معلوم کیے ہیں،

جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) عورتیں تکبیر تحریمہ کے وقت شانوں تک ہاتھ اٹھائیں

(۲) دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھیں

(۳) سینہ پر ہاتھ باندھیں (۴) رکوع میں کم جھکے، محض اتنا کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں پیٹھ سیدھی نہ کریں (۵) رکوع میں انگلیوں کو کشادہ نہ کریں (۶) رکوع میں ہاتھوں پر سہارا نہ دیں (۷) رکوع میں گھٹنوں کو جھکا لیں (۸) رکوع میں گھٹنوں پر صرف ہاتھ رکھیں، زور سے نہ پکڑیں (۹) رکوع میں سمٹی رہیں (۱۰) سجدہ میں بغلیں نہ کھولیں بلکہ سمیٹے رہیں، اور پیٹ رانوں سے اور ان کو پنڈلیوں سے ملائیں، اور پنڈلیاں زمین سے، (۱۱) سجدہ میں دونوں کہنیوں تک بازو زمین پر بچھا دیں (۱۲) قعدہ میں دونوں پاؤں باہر نکال کر سرین پر بیٹھیں کوئی پاؤں کھڑا نہ کریں (۱۳) قعدہ اور جلسہ میں ہاتھ کی انگلیاں ملائیں (۱۴) آگے سے کوئی گزرے تو ہاتھ پر ہاتھ ماریں، (۱۵) صبح کی نماز اندھیرے میں ہی ادا کریں۔

(۱۶) رکوع میں پاؤں کو قریب قریب کریں حتی کہ ٹخنے مل جائیں

(۱۷) دونوں ہاتھوں کے درمیان ماتھا رکھ کر سجدہ کریں

(۱۸) سجدہ میں پاؤں کو کھڑا نہ کریں بلکہ داہنی طرف نکال دیں

(نماز کی سب سے بڑی کتاب ص۲۵۴ و بہشتی زیور ص۱۵، ۱۶ حصہ دوم و مجموعہ رسائل ص۳۰۸ ج۱ (اوکاڑوی) و نماز مسنون ص و بہار شریعت ص۶۳، ۶۸ ج۳)

یہ اٹھاراں مسائل ہم نے مذکورہ کتب پر سرسری نظر ڈال کر آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ حنفیہ کا دعویٰ ہے کہ مذکورہ اٹھاراں مسائل میں مرد و عورت کی نماز ادا کرنے میں فرق ہے، گویا مرد و عورت کے لیے علیحدہ علیحدہ احکام و مسائل ہیں۔ اگر اس پر تھوڑی سی محنت کی جائے، اور فقہ حنفی کی معروف و متداول اور مبسوط کتب کا مطالعہ کیا جائے تو یقیناً اس فہرست کو مزید لمبا بھی کیا جا سکتا ہے، اس طویل فہرست کے اثبات کے لیے انوار صاحب نے قلم اٹھایا ہے ہم ان کے ممنون ہیں کہ انہوں نے قرآن و حدیث کا مطالعہ کر کے ان مذکورہ مسائل پر دلائل جمع کیے ہیں، اور ہمیں دعوت فکر دی ہے، ہم بفضلہ تعالیٰ گروہ بندی اور فرقہ پرستی کے قائل نہیں، بلکہ حق بات کو قبول کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں۔ اگر واقعی مذکورہ مسائل کی تقسیم ثابت ہو اور ہر مسئلہ پر قرآن یا حدیث رسول ﷺ سے تقسیم ثابت ہو تو ہم ماننے کے لیے تیار ہیں، چلو ہم مزید رعایت دیتے ہیں اور انوار صاحب کو اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی پیش کرنے کا حق دیتے ہیں ہاں البتہ سنداً صحیح ہوں اور کسی صحابی سے اس کے خلاف مروی نہ ہو، آیئے انوار صاحب کے دلائل ملاحظہ کریں۔

انواری دلائل یا ظلمت

(۱) عن وائل بن حجر قال قال رسول ﷺ یا وائل بن حجر اذا صلیت فاجعل یدیك حذاء اذنیك والمرأة تجعل یدیها حذاء ثدییها۔

(معجم طبرانی کبیر ص۱۸ ج۲۲)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ جب تم نماز پڑھو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتی کے برابر اٹھائے

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۹)

الجواب: باب تکبیر تحریمہ کے وقت کس جگہ تک ہاتھ اٹھائیں جائیں، کی فصل دوم میں انوار صاحب کی آٹھویں دلیل کے جواب میں ہم تفصیل عرض کر چکے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہونے کے علاوہ حنفی مذہب کے خلاف ہے، اسے وہاں سے ہی ورق الٹ کر ایک نظر دیکھ لیا جائے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

(۲) عن عبدربه بن سلیمان بن عمیر قال رایت ام الدرداء ترفع یدیها فی الصلوٰة حذو منکبیها۔

(جزء رفع الیدین للامام البخاری ص۷)

حضرت عبدربہ بن سلیمان بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ آپ نماز میں اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتی ہیں (حدیث اور اہل حدیث ص۴۷۹)

الجواب اولاً: اس روایت سے مرد و عورت کی نماز کی کیفیت کا فرق ثابت نہیں ہوتا، جس لفظ سے انوار صاحب کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے، اس پر نشان لگائیں، باقی رہا کہ ام درداء رضی اللہ عنہا کندھوں تک ہاتھ اٹھاتی تھیں، تو یہ فعل حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اپنے مقام پر گزر چکی ہے۔

ثانیاً: فی الصلوٰۃ، سے مراد رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت کی رفع یدین ہے جیسا کہ امام بخاری نے آگے مفصل حدیث نقل کر کے وضاحت کی ہے، ملاحظہ ہو،

حدثنا مقاتل حدثنا عبدالله بن المبارك أنبأنا اسماعیل حدثنی عبدربه بن سلیمان بن عمیر قال، رایت ام الدرداء رضی الله عنها ترفع یدیها فی الصلاة حذو منکبیها حین تفتتح الصلاة و حین ترکع فاذا قالت سمع الله لمن حمده، رفعت یدیها و قالت، ربنا ولك الحمد۔

عبدربہ بن سلیمان بن عمیر سے روایت ہے کہ میں نے ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہے کہ وہ نماز میں اپنے کندھوں کے برابر رفع الیدین کرتی تھیں جب نماز شروع کرتیں اور جب رکوع کرتیں اور

جب **سمع الله لمن حمده،** کہتیں تھیں اور کہتیں **ربنا ولك الحمد۔**

(جزء الرفع اليدين ص۲۸ مترجم والتاريخ الكبير ص۷۸ ج۶)

ظاہر ہے کہ انوار صاحب نے اس کی سند کو صحیح سمجھ کر ہی استدلال کیا ہے اور ماسٹر امین صفدر کی جرح کو فضول قرار دیتے ہوئے اس پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے جو انہوں نے، تجلیات صفدر ص۳۱۱ ج۳ پر کی ہے، ہاں انوار صاحب نے ایک کام ضرور کیا ہے کہ مفصل حدیث کو چھوڑ کر مختصر حدیث کو نقل کر دیا ہے، حالانکہ یہ مُسلّمہ اصول ہے کہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے لہذا پہلی مجمل حدیث کی یہ حدیث تفسیر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صحابیات رضی اللہ عنہن بھی نماز میں رفع الیدین کرتیں تھیں،

(۳) **عن ابن حريج قال قلت لعطاء تشير المرأة بيديها با لتكبير كا الرجل قال لا ترفع بذالك يديها كا الرجل واشار فخض يديه جدا و جمعهما اليه جدا وقال ان للمرأة هيئة ليست للرجل۔ الحديث۔**

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۳۹ ج۱)

حضرت ابن حریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطا سے کہا کہ کیا عورت تکبیر تحریمہ کہتے وقت مرد کی طرح اشارہ (رفع یدین) کرے گی آپ نے فرمایا عورت تکبیر کہتے وقت مرد کی طرح ہاتھ نہ اٹھائے آپ نے اشارہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ بہت ہی پست رکھے اور ان کو اپنے سے ملایا اور فرمایا عورت کی (نماز میں) ایک خاص ہیئت ہے جو مرد کی (نماز میں) نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۸۰)

الجواب اولاً: روایت کے اگلے الفاظ ہیں، **وان تركت فلا حرج،** یعنی اگر ایسا نہ بھی کرے تو تب بھی کوئی حرج نہیں (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۳۹ ج۱) ان الفاظ کا کھلا مطلب یہ ہوا کہ اگر مرد کی طرح کرے تو تب بھی کوئی حرج نہیں، لیکن ان لفظوں کو انوار صاحب نے کاٹ دیا ہے، جو دیانت کے خلاف ہے، غور فرمایئے کہ ان الفاظ کی موجودگی میں اس اثر کا کوئی مقصد رہ جاتا ہے جو حنفیت کو مفید ہو، یہ تو بالکل اس شخص کی گواہی کی طرح ہے جس نے جج کے رو برو شہادت دی کہ فلاں شخص نے میری آنکھوں کے سامنے زید کا سر قلم کیا تھا، مدعا علیہ کے مؤکل نے پوچھا پھر کیا ہوا، گواہ کہنے لگا پھر میری آنکھ کھل گئی، انوار صاحب گواہی تو پوری نقل کرتے ہیں مگر، آنکھ کھل گئی، کو ترک کر دیتے ہیں **انا لله وانا اليه راجعون۔**

ثانیاً: یہ تابعی کا قول ہے، جو دین میں حجت نہیں، راجع مقدمہ

(۴) **عن يزيد بن ابی حبيب انه** ﷺ **مرعلى امراتين تصليان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الى الارض فان المرأة في ذلك ليست كالرجل۔**

(مراسیل ابی داؤد ص۷ و سنن کبری بیهقی ص۲۲۳ ج۲)

حضرت یزید بن ابی حبیب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں آپ نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ عورت (کا حکم سجدہ کی حالت میں) مرد کی طرح نہیں ہے۔
(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۸۰)

الجواب اولاً: یہ روایت صغیر تابعی کی مرسل ہے اور مرسل روایات ضعیف ہیں، راجع مقدمہ
ثانیاً: اس کی سند میں، سالم بن غیلان، راوی متکلم فیہ ہے، امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ متروک ہے۔ (میزان ص ۱۱۳ ج ۲) ابن ترکمانی حنفی نے، الجوہر النقی ص ۲۲۳ ج ۲ میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (التلخیص الحبیر ص ۲۴۲ ج ۱) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۵) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعا اذا جلست المرأة فی الصلوٰة و ضعت فخذها علی فخذها الاخریٰ فاذا سجدت الصقت بطنها فی فخذيها كا ستر ما یکون لها و ان اللہ تعالیٰ ینظر الیها و یقول یا ملائکتی اشهد کم انی قد غفر لها۔ (کنز العمال ص ۵۴۹ ج ۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکا لے اس طرح کہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتوں میں تمہیں گواہ بناتا ہوں اس بات پر کہ میں نے اسے بخش دیا ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۸۱)

الجواب اس حدیث کو حکم بن عبداللہ نے وضع کیا تھا، امام ابو حاتم امام ساجی اور جوز قانی نے اسے کذاب قرار دیا ہے امام جوز قانی فرماتے ہیں یہ بغض سنت میں احادیث وضع کرتا تھا (لسان المیزان ص ۳۳۵ ج ۲) امام ابن عدی نے (الکامل ص ۶۳۱ ج ۲) اور ذہبی نے (میزان ص ۵۷۵ ج ۱) میں اس روایت کو حکم کی منکر روایات میں شمار کیا ہے، امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ ص ۲۲۳ ج ۲) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے امام علی متقی نے، کنز العمال میں اس کے ضعیف ہونے کی صراحت کی ہے، الغرض یہ روایت سخت ضعیف اور باطل ہے۔

(۶) عن ابی اسحق عن الحارث عن علی رضی اللہ عنہ وارضاہ قال اذا سجدت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذيها۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۷۹ ج ۱ و سنن کبری بیہقی ص ۲۲۲ ج ۲)

حضرت حارث فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب عورت سجدہ کرے تو خوب سمٹ کر کرے اور اپنی دونوں رانوں کو ملائے رکھے (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۸۱)

الجواب: اس کی سند میں، حارث الاعور راوی کذاب ہے، امام شعبیؒ امام ابراہیم امام مغیرہ امام علی بن مدینی اور امام ابو اسحاق نے کذاب قرار دیا ہے،

(میزان الاعتدال ص ۴۳۵ ج۱) الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے

(۷) عن ابن عباس انه سئل عن الصلوٰة المرأة فقال تجمتع و تختفز۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۲۷۰ ج ۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عورت کی نماز کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اکٹھی ہو کر اور خوب سمٹ کر نماز پڑھے (حدیث اور اہل حدیث ص ۴۸۱)

الجواب: نماز کے کس رکن کو سمٹ کر ادا کرے؟ اثر کے الفاظ میں اس کی قطعاً کوئی صراحت نہیں۔ بلکہ عام ہے، اسے خاص کرنے کی دلیل درکار ہے، اور تخصیص کے بغیر یہ حنفیہ کے بھی خلاف ہے، اگر کہا جائے کہ سجدوں میں سمٹ کر سجدہ کرے جیسا کہ حنفیہ کا مؤقف ہے، تو تب یہ مرفوع حدیث کے خلاف ہے، جس میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عام حکم دیا ہے کہ

لا یبسط احدکم ذراعیه انبساط الکلب، یعنی تم میں سے کوئی بھی دونوں بازو کتے کی طرح نہ بچھائے۔

(بخاری کتاب الاذان باب لا یفترش ذراعیه فی السجود الحدیث ۸۲۲ و مسلم کتاب الصلاة الاعتدال فی السجود الحدیث ۱۱۰۲)

یہ حکم نبوی عام ہے نمازی خواہ مرد ہو یا عورت! اسے مردوں سے خاص کرنے کے لئے حدیث مرفوع درکار ہے، جو مقلد انوار صاحب کے پاس قطعاً نہیں، لہٰذا اسے صحابی کے قول سے رد نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب موقوف روایت مرفوع حدیث کے مخالف ہو تو تب موقوف نا قابل حجت ہے، راجع مقدمہ)۔

(۸) عن ابراهیم قال اذا سجدت المرأة فلتزق بطنها بفخذیها ولا ترفع عجیزتها ولا تجا فی کما یجا فی الرجل۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۲۷۰ ج ۱ بیهقی ص ۲۲۲ ج ۲)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ اپنی رانوں سے چپکا لے اور اپنی سرین کو اوپر نہ اٹھائے اور اعضاء کو اس طرح دور نہ رکھے جیسے مرد دُور رکھتا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۸۲)

الجواب اولاً: یہ صغیر تابعی کا قول ہے، جو دین میں حجت شرعی نہیں (راجع مقدمہ)

ثانیاً: یہ مرفوع حدیث کے خلاف ہے تفصیل نمبر ۷ میں گزر چکی ہے۔

ثالثاً: سند میں، مغیرہ بن مقسم الضبی کوفی راوی ہے جو کہ مدلس ہے،

(طبقات المدلسین ص۴۶ (۱۰۷) اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں جس کی وجہ سے روایت ہی ضعیف ہے

(۹) عن مجاهد انه کان یکره ان یضع الرجل بطنه علی فخذیه اذا سجد کما تضع المرأة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۷۰ ج۱)

حضرت مجاہد اس بات کو مکروہ جانتے تھے کہ مرد جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں پر رکھے جیسا کہ عورت رکھتی ہے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۸۲)

الجواب اس کی سند میں، لیث بن ابی سلیم، راوی ہے جو گو صدوق ہیں مگر عمر کے آخری حصہ میں انہیں اختلاط ہو گیا تھا، اور ان کی احادیث میں تمیز نہیں ہو سکی کہ (اختلاط سے پہلے کی کونسی احادیث ہیں اور بعد والی کون ہیں) جس کی وجہ سے ضعیف ہے پھر یہ تابعی کا قول ہے جس کی حیثیت دین میں بطور دلیل نہیں ہے تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے، راجع

(۱۰) عن ابن عمر انه سئل کیف کان النساء یصلین علیٰ عهد رسول الله ﷺ قال کن یتر بعن ثم امرن ان یحتفزن (یعنی یستوین جالسات علی او راکهن)

(جامع المسانید ص۴۰۰ ج۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں کیسے نماز پڑھتی تھیں آپ نے فرمایا چہار زانوں بیٹھ کر پھر انہیں حکم دیا گیا کہ وہ خوب سمٹ کر بیٹھا کریں (حدیث اور اہل حدیث ص۴۸۲)

الجواب اولاً: سند میں امام ابوحنیفہ ہیں جو بحیثیت راوی سئ الحفظ ہیں تفصیل فاتحہ کے مسئلہ میں گزر چکی ہے۔

ثانیاً: اس سے نیچے کا راوی امام سفیان ثوری ہیں جو کہ مدلس ہیں، (مسئلہ رفع الیدین میں بحوالہ بحث گزر چکی ہے) اور روایت کی سند معنعن ہے،

ثالثاً: اس سے نیچے کے راوی، زر بنجیع، ابراہیم بن المہدی، اور ابی الجواب، تین راوی مجہول الحال ہیں۔

رابعاً: اس سے نیچے جائیں تو پہلی سند میں، ابومحمد بخاری راوی وضع احادیث سے متہم ہے۔

(اللسان ص۳۴۹ ج۳)

دوسری سند میں، عمر اشنانی ہے جسے امام دارقطنی نے کذاب قرار دیا ہے (لسان المیزان ص۲۹۰ ج۴) الغرض یہ روایت باطل و موضوع ہے۔

(۱۱) عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال التسبیح للرجل والتصفیق للنسآء۔

(بخاری ص۱۶۰ ج۱ مسلم ص۱۹۰ ج۱ ترمذی ص۸۵ ج۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تسبیح مردوں کے لیے ہے اور تصفیق (ایک ہاتھ کی پشت پر دوسرے ہاتھ کی پشت سے مارنا) عورتوں کے لیے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۸۳)

الجواب اس حدیث کا کس نے انکار کیا ہے، محترم اسے ہم مانتے ہیں، بلکہ ہم تو آپ کے حق میں بھی دعائے خیر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی قبول کرنے کی توفیق دے، کیونکہ اس حدیث سے عورت کا با جماعت نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہے، مگر حنفی یہ اجازت دینے کو تیار نہیں، انوار صاحب سنئے اس مسئلہ کی تفریق اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں، ہم کون ہیں اس کا انکار کرنے والے؟ انکار اس بات سے ہے کہ حنفیہ نے جو بعض تفاریق کی ہیں وہ بلا دلیل ہیں، مزید سنئے کہ یہ تفریق نماز کی کیفیت کے متعلق نہیں بلکہ سہو پر تنبیہ کرنے کے بارے ہے۔

(۱۲) عن عائشة قالت قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا تقبل صلوٰة الحائض الا بخمار۔

(ترمذی ص۸٦ ج۱ و ابو داؤد ص۹٤ ج۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بالغہ عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر قبول نہیں ہوتی (حدیث اور اہل حدیث ص۴۸۳)

الجواب اولاً: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرد کی اوڑھنی کے بغیر ننگے سر نماز ہو جاتی ہے، نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی، بہر حال نماز بلا کراہت جائز ہے، مگر حنفی مکروہ کہتے ہیں (فتاوٰی شامی ص۶۴۱ ج۱) جس کا مطلب یہ ہوا کہ فقط مجبوری کی وجہ سے ننگے سر ادا کی جا سکتی ہے ورنہ نہیں۔

ثانیاً: اس نالائق کو اتنا بھی علم نہیں کہ لباس کا تعلق شرائط نماز سے ہے طریقہ نماز سے نہیں، جامعہ مدنیہ کے استاد اور بوڑھے و کہنہ مشق مصنف کی اس کوتاہی پر ہم یہ ہی کہہ سکتے ہیں۔ بھری جوانی مانجھا ڈھیلا، اور ٹھیکہ لیا ہے اہل حدیث کے رد کا۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل ۱۲ دلائل نقل کیے ہیں، اور ان بارہ دلائل میں سے نمبر ا' ۴' ۱۱' ۱۲ مرفوع احادیث ہیں، نمبر ۳' ۸' ۹ تابعین کے اقوال ہیں اور نمبر ۲' ۶' ۷' ۱۰ صحابہ کرام کے آثار ہیں۔ ان بارہ دلائل سے نمبر ا' ۴' ۵' ۶' ۸' ۹' ۱۰ سات دلائل ضعیف ہیں اور آٹھویں نمبر ۲ کو خود ان کے پیرو مرشد نے ضعیف قرار دیا ہے، اور بقایا دلائل کا یہ حال ہے کہ نمبر ا' ۲ ان کے مخالف ہے نمبر ۳ میں بد دیانتی کی ہے نمبر ۷ مرفوع حدیث کے خلاف ہے اور آخری دو مرفوع احادیث سے حنفیہ کا مؤقف ثابت کرنا سینہ زوری ہے، پھر یہ دلائل جیسے ویسے بھی ہیں ان سے حنفیہ نے جو ۱۸ مقامات پر مرد و عورت کی نماز کی کیفیت میں فرق کیا ہے وہ ثابت نہیں ہوتا، ان اٹھارہ جگہوں کی ہم ابتدا میں نشان دہی کر چکے ہیں جبکہ

انوار صاحب کے دلائل کو اگر قبول بھی کر لیا جائے تو ان سے صرف تین مسئلے ثابت ہوتے ہیں (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین (۲) سجدہ میں کچھ حصہ زمین پر لگانا (۳) سجدہ میں رانوں کو ملانا، ان تین کے علاوہ باقی پندرہ مسائل بے دلیل ثابت ہوتے ہیں۔ مگر انوار صاحب پوری ڈھٹائی سے دھائی دے رہے ہیں کہ اہل حدیث کا یہ کہنا کہ یہ تفریق مداخلت فی الدین ہے خود دین میں مداخلت ہے (۴۸۹) محترم اس سے بڑھکر دین میں مداخلت اور کیا ہے کہ آپ ثبوت دینے کی بجائے فلاں نے یہ لکھا ہے فلاں نے کہا ہے پر گزارہ کر رہے ہیں، آخر آپ ان تمام مسائل پر زیادہ نہیں صرف ایک ایک ہی حدیث پیش کر دیں، ہم وعدہ کرتے ہیں اسے قبول کر لیا جائے گا، انشاء اللہ باقی آخر میں آپ نے جو گیارہ سوال کیے ہیں، ان کے متعلق مختصر عرض ہے کہ ان کا وجود بھی ثابت نہیں، جیسے آپ کے مسائل بے ثبوت ہیں ویسے ہی سوالات بھی فضول ہیں، مگر ہم پھر بھی انہیں نقل کر کے جوابات عرض کرتے ہیں۔

گیارہ سوالات کے جوابات (س) اگر عورتیں اپنی مسجد الگ بنانا چاہیں تو بنالیں۔

(ج) آپ پہلے یہ ثابت کریں کہ مسلمانوں کی بستی میں جو مسجد تعمیر کی جاتی ہے اس میں عورتوں کا کوئی حق نہیں ہوتا، مثلاً اس میں وہ نماز اور دیگر عبادات بجا نہیں لاسکتیں، تو تب آپ کا یہ سوال درست ہوگا۔

(س) اس میں وہ مؤذن امام خطیب بھی بننا چاہیں تو بنیں۔

(ج) پہلے سوال کے جواب میں اس کا بھی جواب آ گیا ہے۔

(س) انہیں اذان دینے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

(ج) عورت کا مؤذن ہونا احادیث سے ثابت نہیں، بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ عورت اگر گھر میں امامت کروائے تو مؤذن بوڑھا ہو، (ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب امامۃ النساء، الحدیث ۵۹۱)

(س) اقامت کی اجازت ہونی چاہیئے۔

(ج) اوپر کے جواب میں اس سوال کا بھی جواب آ گیا ہے، ہاں اگر عورتیں اپنی علیحدہ جماعت کا اہتمام کریں تو انہیں اذان واقامت کہنے کی بعض آثار صحابہ کرام سے اجازت ثابت ہے، امام عطاء بن ابی رباح اور امام طاوس بیان کرتے ہیں کہ

عن عائشة انها كانت تؤذن و تقيم و تؤم النساء وتقوم و سطهن۔

یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اذان و اقامت کہتیں اور عورتوں کے درمیان کھڑا ہو کر امامت کرواتیں (بیہقی ص ۴۰۸ ج ۱ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲۳ ج ۱)

امام وہب بن کیسان راوی ہیں کہ

سئل ابن عمر هل على النساء اذان؟ فغضب قال أنا انهى عن ذكر الله۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ آیا عورتوں پر اذان ہے؟ تو آپ سخت ناراض ہوئے اور کہا کیا میں انہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے منع کروں (مصنف ابی ابی شیبہ ص۲۲۳ ج۱)

(س) مردوں کی امامت کی اجازت ہونی چاہیئے

(ج) عورت مردوں کی امامت نہ کروائے، اس سلسلہ میں انوار صاحب نے خود ایک حدیث نقل کی ہے، فرماتے ہیں۔

عن جابر بن عبدالله في حديث طويل قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا لاتؤمن المراة رجلاً الحديث۔ (ابن ماجه ص۷۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبر دار نہ امامت کرے کوئی عورت کسی مرد کی (حدیث اور اہل حدیث ص۴۹۷)

یہ حدیث ضعیف ہے تفصیل کے لیے، ارواء الغلیل ص۵۰ ج۳ (۵۹۱) کی مراجعت کریں۔ یقیناً انوار صاحب نے اسے صحیح جان کر ہی استدلال کیا ہے اور مخالف پر بطور حجت نقل کیا ہے، امید ہے کہ انوار صاحب اس حدیث سے عورت کی امامت کے عدم جواز کے قائل ضرور ہو جائیں گے، یہ ملحوظ رہے کہ عورت مردوں کی امامت نہ کروائے، اس سلسلہ میں صحیح مرفوع متصل احادیث بھی پیش کی جاسکتیں ہیں (دیکھئے صحیح بخاری رقم الحدیث ۴۴۲۵) لیکن جب انوار صاحب کو ان کی کتاب سے ہی دلیل دے دی ہے تو دیگر کی ضرورت نہیں۔

(س) مردوں کی طرح عورت کو بھی آگے ہو کر امامت کرانی چاہیئے، درمیان میں کھڑے ہونے کی پابندی نہیں ہونی چاہیئے۔

(ج) سوال چہارم کے جواب میں ام المؤمنین صدیقہ کائنات کا عمل نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ عورتوں کی امامت کراتے وقت درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں، اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ صحابی کا قول جب مرفوع حدیث کے خلاف نہ ہو تو تب شریعت میں وہ مستقل دلیل ہے، محترم اس دلیل کے پیش نظر عورت آگے کھڑے ہو کر امامت نہ کروائے، یہی فتویٰ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔

(المحلی لابن حزم ص۱۶۸ ج۲ (مسالہ نمبر ۳۱۹) کہو کیا کہتے ہو

(س) مردوں کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیئے

(ج) یہ اجازت اس لیے نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور فرمان کے خلاف ہے

عن انس بن مالك قال صليت انا ويتيم في بيتنا خلف النبي صلى الله عليه وسلم و امي خلفنا ام سليم۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے اور ہمارے گھر میں ایک یتیم لڑکے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

اقتدا میں نماز پڑھی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے اور میری والدہ ام سلیم ہمارے پیچھے تھیں۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب المرأۃ وحدھا تکون صفاء الحدیث ۷۲۷)

عن ابی ھریرۃ قال قال، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر صفوف الرجال اولھا و شرھا آخرھا و خیر صفوف النساء آخرھا و شرھا اولھا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کی بہترین صفیں پہلی ہیں اور بد ترین آخری ہیں، اور عورتوں کی بہترین صفیں آخری ہیں اور بدترین پہلی صفیں ہیں۔

(مسلم کتاب الصلاۃ باب تسویۃ الصفوف، الحدیث ۹۸۵)

اس فرمان کا یہی مقصد ہے کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو، اگر ہماری بات پر اعتماد نہ ہوتو علامہ عثمانی کی، فتح الملہم ص۶۸ ج۲ کا مطالعہ ضرور کر لینا، انہوں نے بھی اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

(س) اونچی آواز سے قرأت اور اونچی آواز سے آمین کہنے کی اجازت ہونی چاہیئے

(ج) کیا آپ کی مساجد میں مقتدی مرد امام کی اقتدا میں قرأۃ بلند آواز سے کرتے ہیں؟ محترم کیا کہہ رہے ہو، آپ کے ہاں تو مقتدی پر سرے سے قراۃ ہی نہیں ہے اگر اعتبار نہ ہوتو اپنی کتاب کا صفحہ ۲۹۹ ہی نکال کر دیکھ لیں، اگر آپ کا یہ مقصود ہے کہ عورتوں کی امامت کراتے وقت عورت قرأت اونچی نہ کرے تو محترم اس کی دلیل دیں، ہاں اس پر حرمت کا فتویٰ لگانے سے پہلے تکبیرات انتقال پر ضرور غور کرنا، یہاں ہم آپ کو دعوت فکر دینے کے لیے مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم کا ایک فتویٰ نقل کرتے ہیں۔

عورت اگر قرأۃ بالجہر کرے گی تو اس کی نماز فاسد ہوگی، پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اور حق بات اس باب میں یہ ہے کہ مطلقاً عورت کی آواز ستر نہیں البتہ رفع صوت مع بلند آواز وغیرہ ستر ہے (مجموعۃ الفتاوٰی ص۲۱۶ ج۱)

پھر عورتوں کی امامت کے متعلق متعدد روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جو عورت عورتوں کی امام ہو، تو بیچ میں کھڑی ہو مردوں کے امام کی طرح آگے نہ کھڑی ہو، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب عورت امام ہوسکتی ہے تو اس کو قرأت اور تکبیر بالجہر بھی کرنا مشروع ہے کیونکہ بغیر اس کے اقتداء نہیں ہوسکتی اور عورتوں کی آواز اگرچہ بعضوں کے نزدیک ستر ہے، لیکن وہ مردوں کے حق میں ہے، نہ عورتوں کے حق میں۔

(مجموعۃ الفتاوٰی ص۲۱۷ ج۱ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۴۹٤ھ)

مولانا عبدالحمید سواتی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

بہر حال عورتیں اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گی تو جہری نمازوں میں جہر قرأت اور تکبیر جائز

ہوگا (نماز مسنون ص ۱۷۱)

(س) انہیں بھی ننگے سر نماز پڑھنے اور نیز کہنیاں اور ٹخنے کھول کر نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

(ج) پہلی بات کا رد تو آپ کی درج کردہ حدیث نمبر ۱۲ سے ہوتا ہے، باقی دونوں باتوں کا جواب یہ ہے کہ

عن عبداللہ عن النبی ﷺ المرأة عورة، الحدیث

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ عورت کا سارا بدن ہی ستر ہے (ترمذی کتاب الرضاع باب ۱۸، الحدیث ۱۱۷۳)

(س) ان کے لیے بھی جماعت میں شرکت ضروری ہونی چاہیئے

(ج) انہیں اللہ تعالیٰ اور رسول برحق سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے رخصت دی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

قال رسول اللہ ﷺ اذا استاذنت احدکم امراته الی المسجد فلا یمنعھا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی ایک کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اسے نہ روکے۔

(بخاری کتاب الاذان باب استئذان المرأة زوجھا بالخروج الی المسجد، الحدیث ۸۷۳ و مسلم کتاب الصلاة باب خروج النساء الی المساجد...... الحدیث ۹۸۸ واللفظ له)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں با جماعت نماز ادا کرنے کی عورت کو رخصت ہے، عزیمت نہیں۔

(س) ان کے لیے جمعہ وعیدین کی نماز واجب ہونی چاہیئے۔

(ج) عورتوں پر جمعہ واجب نہیں اس کی صراحت خود نبی مکرم ﷺ نے کی ہے، جیسا کہ سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے (ابو داؤد رقم الحدیث ۱۰۶۷) میں سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ سے (بیہقی ص ۱۸۳، ۱۸۴ ج ۳ وطبرانی کبیر ص ۵۱ ج ۲ (۱۲۵۷) میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے (دار قطنی ص ۳ ج ۲) میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے (طبرانی الاوسط ص ۳۴۶ ج ۸ رقم الحدیث ۷۷۰۶) میں مرفوع احادیث مروی ہیں باقی رہا نماز عید کے متعلق سوال، تو اس کے متعلق عرض ہے کہ نماز عید کے حکم کے متعلق اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ واجب کہتے ہیں امام مالکؒ اور شافعیؒ سنت کہتے ہیں، اور امام احمدؒ کے نزدیک فرض کفایہ ہے،

(ھدایه ص ۱۱۸ ج ۱ و شرح نقایه ص ۱۲۷ ج ۱ و جلبی کبیر ص ۵۶۵ و درمختار ص ۱۱٤ ج ۱)

ان میں سے صحیح بات یہ ہے کہ نماز عید واجب ہے، تفصیل کے لیے (مرعاۃ ص ۲۲ ج ۵) کی مراجعت کریں، جب آپ نے اس بات کو سمجھ لیا تو اب سنئے کہ عورتوں پر بھی نماز عید واجب ہے دلیل

اس کی یہ ہے کہ اس کو پڑھنے کے لیے عورتوں کو عید گاہ میں حاضر ہونے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے۔ (بخاری کتاب العید باب خروج النساء..........الحدیث ۹۷۴)

اور حکم سے وجوب ثابت ہوتا ہے جیسا کہ جمعہ کے دن غسل کے باب میں ہم اس پر تفصیل سے بحث کر آئے ہیں، حتی کہ خود انوار صاحب کے نزدیک بھی امر سے وجوب ہی ثابت ہوتا ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۵۱، ۷۰۷)

لیجئے جناب یہ ہیں مقلد انوار صاحب کے تمام سوالات کے جوابات،، ہم نے بفضلہ تعالیٰ صحیح وحسن احادیث پیش کر کے اس تفریق کو ثابت کر دیا ہے اگر انوار صاحب بھی ہر مسئلہ کے متعلق اسی طرح احادیث پیش کر دیں تو ہم ماننے کے لیے تیار ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۴۲) باب نا بالغ کی امامت

فصل اول

(۱) عن ابی سعید الخدری قال، قال رسول اللهﷺ اذا کانوا ثلاثة فلیؤ مهم احدهم و احقهم بالامامة اقرأهم۔

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تین شخص ہوں تو ایک ان میں سے امامت کرائے اور امامت کا زیادہ حق دار وہ ہے جو قرآن سب سے زیادہ پڑھا ہوا ہو۔ (مسلم کتاب المساجد باب من احق بالامة الحدیث ۱۵۲۹)

(۲) عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول اللهﷺ یؤم القوم أقرأهم لكتاب الله فان کانوا فی القرأة سواء فا علمهم بالسنة فان کانوا فی السنة سواء فاقد مهم هجرة فان کانوا فی الهجرة سواء فاقدمهم سلما، الحدیث۔

سیدنا ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ شخص کروائے جو سب سے زیادہ قرآن کو پڑھنے والا ہو، اگر قرأت میں سب برابر ہوں تو وہ امامت کرائے جو سنت نبوی کا زیادہ عالم ہو اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ امامت کرائے جس نے سب سے پہلے اللہ کے راہ میں ہجرت کی ہو، اگر ہجرت میں بھی برابر ہو تو وہ امامت کرائے جو سب سے پہلے مشرف باسلام ہوا ہو،

(صحیح مسلم کتاب المساجد باب من احق بالامامة، الحدیث ۱۵۳۲)

(۳) عن انس بن مالك عن النبیﷺ قال یؤم القوم اقرؤهم للقرآن

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ کرائے جو سب سے زیادہ قرآن کا قاری ہو،

(مسند احمد ص۱۶۲ ج۳ و مصنف عبدالرزاق ص۳۹۰ ج۲)

(۴) عن ابن عمر قال قال رسول اللهﷺ من أمّ قوماً و فیهم من هوأ قرأ لكتاب الله منه لم یذل فی سفال الی یوم القیامة،

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی قوم کا پیش امام بنے،

اور اُس قوم میں اُس سے بڑھکر قرآن کا قاری ہو (مگر عوام اسے امام نہ بنائیں) تو قیامت تک ان کا تنزل ہی ہوتا رہے گا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ص۲۹٤ ج٥ رقم الحدیث ٤٥٧٩)

ھثیم بن عقاب، کی جہالت کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

(میزان ص۳۲٥ ج٤ و ابن عدی ص۷۸۹ ج۲ و عقیلی ص۳٥٥ ج٤)

(۵) عن عقبة بن عمرو (ای ابی مسعود الانصاری) قال قال رسول اللهﷺ یؤم القوم اکثرهم قرآنا فان کانوا فی القرآن واحداً فاقد مهم هجرة فان کانت الهجرة واحدة فاکثرهم فقها فان کان الفقة واحدة فاکبرهم سناً، الحدیث۔

سیدنا عقبہ بن عمرو ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ کرائے جو ان میں سب سے زیادہ قرآن کو یاد کرنے والا ہے، اگر اس میں سب برابر ہوں تو وہ امامت کرائے جس نے سب سے پہلے ہجرت کی ہو، اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو وہ امامت کرائے جو دین کا سب سے بڑا عالم ہو، اگر اس میں سب برابر ہوں تو وہ امامت کرائے جو عمر کے لحاظ سے سب سے بڑا ہو۔

(السنن الکبری للبیهقی ص۱۱۹ ج۳ و مستدرك حاکم ص۲٤۳ ج۱)

(۶) عن مالك بن الحویرث قال قدمنا علی النبیﷺ و نحن شببة، فلبثنا عنده نحوا من عشرین لیلة وکان النبیﷺ رحیما فقال، لو رجعتم الی بلادکم فعلمتوهم، مروهم فلیصلوا صلاة کذا فی حین کذا وصلاة فی حین کذا واذا حضرت الصلاة فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم۔

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

ہم کئی نوجوان نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ علیہ التحیۃ والسلام کی خدمت میں بیس راتیں رہے، آپ کے مزاج میں رحم بہت زیادہ تھا، آپ نے فرمایا کہ تم اپنے ملک میں لوٹ جاؤ، اور وہاں لوگوں کو دین کی باتیں سکھاؤ، ان سے کہو کہ فلاں نماز فلاں وقت پر پڑھیں اور فلاں نماز فلاں وقت پر ادا کریں، اور جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرائے۔ (بخاری کتاب الاذان باب اذا استووا فی القرأة فلیؤمهم اکبرهم، الحدیث ٦٨٥)

(۷) عن ابی هریرة قال قال رسول اللهﷺ اذاسافرتم فلیؤ مکم اقرؤ کم وان اصغر کم واذا امکم فهو امیر کم۔

سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم سفر کرو تو تم میں سے امامت

وہ کرائے جو سب سے زیادہ قرآن کا حافظ ہو خواہ وہ عمر میں تم میں سے چھوٹا ہو، اور جب وہ تمہاری امامت کرائے تو وہی تمہارا امیر (سفر) ہے۔

(رواہ البنرار و اسنادہ حسن، مجمع الزوائد ص٦٧ ج٢)

(٨) عن ابی سلمة بن عبدالرحمن قال قال رسول اللهﷺ اذا خرج ثلاثة مسلمین فی سفر فلیؤمهم اقرؤهم لکتاب الله فان کان أصغرهم فاذا أمهم فهوا میرهم وذلك امیر امره رسول اللهﷺ۔

امام ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن تابعی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تین مسلمان سفر کریں تو ان کی امامت وہ کرائے جو ان میں سے سب سے زیادہ قرآن کا قاری ہے، خواہ وہ ان سے عمر میں چھوٹا ہی ہو، اور جب وہ امامت کرائے تو وہی ان کا امیر سفر ہے، (امام ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ) یہ وہ امیر ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے امیر سفر بنایا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۴۴ ج۱)۔

(٩) عن ابی هریرة قال قال رسول اللهﷺ یؤم القوم اقرؤهم لکتاب الله۔

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ کرائے جو سب سے زیادہ کتاب اللہ کا قاری ہے۔

(رواه البزار وفیه الحسن بن علی النوفلی الهاشمی وهو ضعیف وقد حسنه البزار، مجمع الزوائد ص٦٧ ج١)۔

(١٠) عن ایوب عن ابی قلابة عن عمرو بن سلمة قال قال لی ابو قلابة، ألا تلقاه فتساله؟ قال، فلقیته فسالته فقال، کنا بما ممر الناس وکان یمر بنا الرکبان فنسالهم، ما للناس؟ ماللناس؟ ماهذا الرجل؟ فیقولون، یزعم ان الله ارسله، اوحی الیه اوحی الله بکذا، فکنت احفظ ذاك الکلام فکا نما یقر فی صدری ، وکانت العرب تلوم باسلامهم الفتح فیقولون، اترکوه وقومه فانه ان ظهر علیهم فهو نبی صادق، فلما کانت وقعة اهل الفتح بادر کل قوم باسلامهم وبدر ابی قومی باسلامهم فلما قدم قال، جئتکم والله من عندالنبیﷺ حقاً فقال، صلو، صلاة کذا فی حین کذا و صلوا صلاة کذا فی حین کذا، فاذا حضرت الصلاة فلیؤذن احدکم ولیؤمکم اکثر کم قرانا، فنظروا فلم یکن احد اکثر قرآنا منی لما کنت أتلقی من الرکبان، فقدمونی بین ایدیهم وانا ابن ست اوسبع سنین وکانت علی بردة کنت اذا سجدت تقلصت عنی، فقالت امراة من الحی، ألا تغطون عنا است قارئکم؟ فاشتروا فقطعوا لی قمیصا فما فرحت بشئی فرحی بذلك القمیص۔

امام ایوب فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابو قلابہ نے کہا کہ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرو اور ان سے سوال کرو، امام ایوب کہتے ہیں کہ میں سیدنا عمرو کو ملا اور ان سے پوچھا انہوں نے کہا کہ ہم پانی کے مقام پر رہا کرتے تھے، اُدھر سے مسافر سوار گزرا کرتے تھے، ہم ان سے پوچھا کرتے تھے، کہ لوگوں کا کیا حال ہے اور اس شخص (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی کیفیت کیا ہے؟ وہ کہتے یہ شخص دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر وحی اتاری ہے، یا یوں کہا کہ اللہ نے اس پر یہ وحی بھیجی ہے (قرآن کی آیات سناتے) میں ان کو یاد کر لیتا، جیسے کوئی میرے سینے میں جما دیتا، عرب لوگ اسلام قبول کرنے میں مکہ مکرمہ کی فتح کے انتظار میں تھے، وہ کہتے دیکھو اس کی اپنی قوم (قریش) سے کیسے گزرتی ہے، اگر ان پر غالب آ گیا تو تب وہ سچا رسول ہے، پھر جب مکہ فتح ہو گیا، تو ہر قوم نے اسلام قبول کرنے میں پہل کی، میرے باپ نے بھی اپنی قوم سمیت اسلام قبول کرنے میں جلدی کی، جب وہ (اسلام قبول کر کے واپس) آیا تو کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں سچے نبی سے مل کر آیا ہوں، آپ علیہ التحیۃ والسلام نے یہ فرمایا کہ فلاں نماز فلاں وقت پڑھو اور فلاں نماز فلاں وقت پر ادا کرو، اور جب نماز کا وقت ہو تو ایک شخص اذان دے اور تم میں سے جسے قرآن زیادہ یاد ہو وہ امامت کرائے، میری قوم نے دیکھا کہ مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن یاد نہ تھا، اس لیے کہ میں مسافر سواروں سے سُن سن کر بہت یاد کر چکا تھا، آخر انہوں نے مجھے ہی امام بنایا، اس وقت میری عمر چھ سات سال کی تھی، ایسا ہوا کہ اس وقت میرے جسم پر صرف ایک چادر تھی۔ وہ بھی ایسی کہ جب میں سجدہ کرتا تو وہ سمٹ کر رہ جاتی، ہماری قوم کی ایک عورت نے کہا کہ اپنے امام کے چوتڑ تو ڈھانکو، انہوں نے ایک کرتہ میرے لیے بنوایا، میں اس سے اتنا خوش ہوا کہ ویسا کسی چیز سے خوش نہ ہوا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب ٥٤، الحدیث ٤٣٠٢)

(۱۱) عن ابن عمر ان المهاجرين حين اقبلوا من مكة نزلوا الى جنب قباء فامهم سالم مولىٰ ابى حذيفة لانه كان اكثرهم قرانا فيهم ابو سلمة بن عبدالا سد وعمر بن الخطاب

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ سے مسلمان ہجرت کر کے (مدینہ طیبہ میں آئے) تو قباء کے قریب اترے، تو ان کی امامت سیدنا ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مولیٰ سالم کراتے تھے، کیونکہ وہ سب سے زیادہ قرآن کے حافظ تھے، حالانکہ (مقتدیوں) میں سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ٣٤٤ ج ١ و ابو داؤد رقم الحدیث ٥٨٨)

مذکورہ احادیث و آثار اور عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہوتا ہے کہ امامت کا مستحق وہ شخص ہے جسے قرآن سب سے زیادہ یاد ہو، گو حنفیہ کے نزدیک، اُقرأ، کا معنی اعلم یعنی زیادہ عالم ہے، مگر ان احادیث کا مفہوم سب کے نزدیک یہی ہے کہ امامت کے استحقاق کے لیے علم شرط ہے عمر شرط نہیں، لہذا

نمازی حضرات میں اگر بچہ سب سے زیادہ قرآن کا حافظ اور نماز کو مسنون طریقے سے ادا کرسکتا ہے تو وہی اس کا زیادہ مستحق ہے، فرض کرو دس نمازی اذان کے بعد جمع ہوتے ہیں، پیش امام غیر حاضر ہے، نو نمازی ایسے ہیں، جن کی عمر ستر ستر سال ہے، مگر دینی حالت ایسی ہے کہ انہیں صرف، قل ھو اللہ ہی یاد ہے، وہ بھی درست نہیں، درود وتشہد بھی غلط سلط پڑھتے ہیں، احکام نماز سے وہ کما حقہ واقف نہیں، اس کے برعکس دسواں نمازی ایسا ہے جو قرآن کا حافظ درس نظامی کی تیسری چوتھی کلاس کا طالب علم ہے، نماز کو مسنون طریقہ پر ادا کرسکتا ہے، بایں ہمہ اس کی عمر دس گیارہ سال یا اس سے کم وبیش ہے، اہل حدیث کہتے ہیں کہ ان بوڑھوں کی بجائے امامت کا مستحق وہ طالب علم ہے، نا کہ وہ بابے جو ساری زندگی درود بھی کما صلیت تعالیٰ ابراہیم، ہی پڑھتے رہے ہیں۔ یہ محض احتمال اور فرض کرو ہی نہیں بلکہ حقیقت اور امر واقعہ ہے، آپ دیہاتی لوگوں میں جا کر تو دیکھیں۔ ہم تحدیث نعمت کے طور پر فخریہ کہتے ہیں کہ اہل حدیث کی مساجد میں تو ایسا نہ ہوگا مگر حنفیوں کے اماموں کو جنازہ کی مسنون دعائیں بھی نہیں آتی، یہ افترا نہیں بلکہ حقیقت ہے، تھوڑا عرصہ ہوا کہ ہمارے قریب ہی بنگلہ کوٹل ورکاں، میں مماتی برادری آباد ہے، جو مسلکاً حنفی دیوبندی ہیں، مگر ان کی مسجد میں پیش امام نہیں ہے۔ ان کے جنازے اور نکاح اکثر خاکسار ہی پڑھاتا ہے، ایک جنازہ میں انہوں نے مجھے مدعو کیا میں بوجہ لیٹ ہو گیا۔ میرے جانے تک بریلوی مکتب فکر کا ایک مولوی جنازے کی صفیں سیدھی کروا رہا تھا، خیر جیسا ویسا انہوں نے جنازہ پڑھایا، سلام پھیرنے کے بعد کہنے لگے گیارہ دفعہ قل ھو اللہ پڑھو بعد میں دعا کی جائے گی۔ راقم الحروف سے رہا نہ گیا، میں نے کہا کیا آپ نے جنازے کے اندر دعا نہیں کی؟ کہنے لگے کی ہے، میں نے کہا کیا دعا کی ہے؟ میرے اس مطالبے پر وہ کھسانے لگا خاکسار تاڑ گیا کہ اسے جنازہ حنفی طریقہ پر بھی نہیں آتا، میں نے زور دیکر کہا تو کہنے لگے مجھے نہیں آتا، اس پر خاکسار نے دوبارہ نماز جنازہ پڑھایا، یہ بالکل سچا واقعہ ہے، اور ہم اس پر بفضلہ تعالیٰ بیسیوں شہادتیں دلوا سکتے ہیں۔ ایسے بقلم خود علماء کی موجودگی میں اگر بچہ اقرأ اور اعلم ہو تو وہی امامت کا مستحق ہے، بچے کی امامت کے قائل امام حسن بصری امام اسحاق بن راہویہ امام بخاری امام شافعی وغیرہ ہیں (مرعاۃ ص۶۶ ج۴) بلکہ ماوراء النہر اور مشائخ بلخ کے تمام حنفیوں کے نزدیک نوافل میں بچہ امامت کرا سکتا ہے (مرقاۃ ص۸۹ ج۳) بلکہ دیوبندیوں کے نزدیک بھی اگر نابالغ بچہ نابالغ بچوں کی امامت فرائض میں بھی کرائے تو جائز ہے۔

(فتاوٰی عالم گیری ص۴۴ ج۱ و خیر الفتاوٰی ص۳۵۳ ج۲)

لہذا انوار صاحب کا اس مسئلہ کی بنا پر اہل حدیث کو مطعون کرنا ان کے قصور علم کا نتیجہ ہے، ہاں البتہ جب قرأت اور دیگر چیزوں میں سب برابر ہوں تو تب واقعی بچے کی بجائے بڑی عمر والا امامت کا مستحق ہے جیسا کہ حدیث نمبر۶ سے ثابت ہو رہا ہے، کیونکہ سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کے شریک سفر

دوسرے ساتھی ایک ہی وقت میں مدینہ طیبہ میں آئے تھے اور سب نے ایک وقت میں ہی احکام اسلام سیکھے تھے۔

فصل دوم

(۱) عن ابن مسعود قال لا یؤم الغلام حتی تجب علیه الحدود،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امامت نہ کرائے لڑکا (نابالغ) جب تک کہ اس پر حدود اللہ نہ واجب ہو جائیں۔

(۲) عن ابن عباس قال لا یؤم الغلام حتی یحتلم۔

(منتقی الاخبار مع شرحہ نیل الاوطار ص۱۷۶ ج۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ امامت نہ کرائے لڑکا جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے

(حدیث اور اہل حدیث ص۴۹۱)

الجواب اولاً: منتقی میں یہ دونوں آثار امام الاثرم کی کتاب سنن سے نقل کیے گئے ہیں۔ ان کی سند کے متعلق معلوم نہیں کیسی ہے، صحیح ہے، حسن ہے، ضعیف ہے یا موضوع و من گھڑت ہے، علامہ البانی نے بعض خارجی دلائل سے ان پر ضعیف کا حکم لگایا ہے (ارواء الغلیل ص۳۱ ج۲) واللہ اعلم بالصواب

پروف پڑھتے وقت راقم کو سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی سند مل گئی ہے، جس میں ایک راوی ابراہیم بن محمد ابن ابی یحییٰ الاسلمی ہے، مصنف عبد الرزاق ص۴۸۷ ج۱ وص۳۹۸ ج۲ والسنن الکبریٰ للبیہقی ص۲۲۵ ج۳) اور ابراہیم متروک الحدیث ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ دین اور روایت دونوں میں ثقہ نہیں امام احمد فرماتے ہیں کہ بدعقیدہ ہونے کے علاوہ ہر آفت اس میں پائی جاتی ہے، امام یحییٰ فرماتے ہیں کہ اس کی تین صفتیں، کذاب، قدری اور رافضی ہے۔ فقہاء مدینہ کے علاوہ متعدد اہل علم نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ (تہذیب الکمال ص۱۳۳ ج۱)۔

الغرض اثر ابن عباس سخت ضعیف ہے، اما اثر ابن مسعود، فینظر۔

ثانیاً: مذکورہ دونوں روایتوں میں یہی ہے کہ نابالغ امامت نہ کرائے، حالانکہ بچہ بالاتفاق امام بن سکتا ہے، اختلاف اس میں ہے کہ آیا نابالغ بالغوں کی امامت کراسکتا ہے یا نہیں؟ مگر روایت اس سے خاموش ہے کہ بچہ بالغوں کی جماعت نہ کرائے، الغرض ان روایات سے حنفیہ کا مذہب ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر نابالغ امام نابالغوں کی امامت کرائے تو حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔

(فتاویٰ عالم گیری ص۸۴ ج۱ و خیر الفتاویٰ ص۳۵۳ ج۲)

(۳) عن ابن عباس قال نهانا امیر المؤمنین عمران نؤم الناس فی المصحف و نهانا ان

یؤما الا المحتلم۔

(کنز المعمال ص۲٦۳ ج۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ ہم لوگوں کی امامت کروائیں قرآن میں دیکھ کر اور اس بات سے بھی کہ ہماری امامت کرائے نابالغ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۰۱)

الجواب اولاً: یہ روایت کنز العمال (۲۲۸۳۲) میں بحوالہ، ابن ابی داؤد، بلا سند منقول ہے، جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی صحیح سند پیش کرے، علاوہ ازیں یہ مرفوع و موقوف احادیث کے مخالف و معارض ہے، لہٰذا حجت نہیں۔

ثانیاً: اس کی سند منقطع ہے، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی ضحاک بن مزاحم ہے، (کتاب المصاحف ص۱۸۹ لابن ابی داؤد) اور اسکی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات وسماع نہیں (مراسیل ابن ابی حاتم ص۹۴) دوسرا راوی اس میں نہشل بن سعید کذاب ہے (میزان ص۲۷۵ ج۴) مزید تفصیل آگے مصحف سے دیکھ کر امامت کرانے کے مسئلہ میں آ رہی ہے

(۴) عن عمر بن عبدالعزیز قال لا یؤم من لم یحتلم (ابن وهب) وقاله عطاء بن ابی رباح و یحیی بن سعید۔

(المدونة الکبریٰ ص۸۵ ج۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ نابالغ امامت نہ کرائے ابن وہب کہتے ہیں کہ حضرت عطاء بن ابی رباح اور یحییٰ بن سعید کا بھی یہی قول ہے، حدیث اور اہل حدیث ص۴۹۱

الجواب اولاً: یہ روایت تابعی کا قول ہے جو مرفوع احادیث کے بالمقابل حجت نہیں

ثانیاً: اس سے حنفیہ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا، تفصیل پہلی اور دوسری دلیل میں گزر چکی ہے۔

ثالثاً: مدونہ کتاب کی سند مخدوش ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔

(۵) عن ابراهیم قال کانوا یکرهون ان یؤم الغلام حتی یحتلم۔

(المدونة الکبریٰ ص۸۵ ج۱)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام و تابعین اس کو مکروہ جانتے تھے کہ لڑکا امامت کرے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو (حدیث اور اہل حدیث ص۴۹۱)

الجواب اولاً: یہ تابعی کا قول ہے جو مرفوع احادیث کے بالمقابل حجت نہیں،

ثانیاً: اس سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا، تفصیل نمبر۲ میں گزر چکی ہے

(٦) عن ابراهیم انه کره ان یؤم الغلام حتی یحتلم۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۹۸ ج۲)

حضرت ابراہیم نخعی اس بات کو مکروہ جانتے تھے کہ لڑکا امامت کرائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے (حدیث اور اہل حدیث ص۴۹۲)

الجواب اولاً: یہ تابعی کا قول ہے جو دین میں حجت نہیں۔

ثانیاً: یہ مرفوع وموقوف احادیث کے خلاف ہے لہذا حجت نہیں۔

ثالثاً: سند ضعیف ہے، پہلا راوی امام سفیان ثوری ہیں جو کہ مدلس ہیں، تفصیل مسئلہ رفع الیدین میں گزر چکی ہے دوسرا راوی مغیرہ ہیں اور یہ بھی مدلس ہیں (طبقات المدلسین ص۴۶) اور تحدیث کی صراحت نہیں ہے اس لیے ضعیف ہے،

رابعاً: اس سے حنفیہ کا مسئلہ ثابت نہیں ہوتا تفصیل پہلی اور دوسری دلیل کے جواب میں گزر چکی ہے۔

(۷) عن عطاء قال لا یؤم الغلام الذی لم یحتلم۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۹۸ ج۲)

حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ لڑکا جو بالغ نہ ہو وہ امامت نہ کرائے

الجواب اولاً: تابعی کا قول ہے جو مرفوع حدیث کے بالمقابل حجت نہیں،

ثانیاً: یہ حنفیہ کے بھی خلاف ہے تفصیل پہلی اور دوسری دلیل کے جواب میں گزر چکی ہے۔

ثالثاً: سند کے لحاظ سے یہ روایت ضعیف ہے، کیونکہ امام عطاء سے روایت نقل کرنے والے، ابن جریج ہیں جو زبردست مدلس ہیں (طبقات المدلسین ص۴۱) اور تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے لہذا ضعیف ہے

(۸) عن الشعبی قال لا یؤم الغلام حتی یحتلم۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۴۹ ج۱)

امام شعبی فرماتے ہیں کہ لڑکا امامت نہ کرائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے

الجواب اولاً: یہ اتباع تابعی کا قول ہے جو دین میں حجت نہیں۔

ثانیاً: مرفوع حدیث کے خلاف ہے۔

ثالثاً: اس سے حنفیہ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا، دوسری دلیل کا جواب ملاحظہ کریں،

رابعاً: سند میں، عبدالعزیز بن ابان راوی ہے اسے امام ابن معین نے کذاب قرار دیا ہے، امام یعقوب فرماتے ہیں کہ تمام محدثین کے نزدیک متروک ہے کوئی ادنی کلمہ توثیق بھی کتب رجال میں اس کے متعلق مروی نہیں، دیکھئے، تہذیب ص۴۵۶ ج۳ رقم ۴۲۸۴) الغرض یہ روایت کذب و افتراء ہے

(۹) عن مجاهد قال لا یؤم غلام حتی یحتلم۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۴۹ ج۱)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ لڑکا امامت نہ کرائے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے

الجواب اولاً: گذشتہ روایت کے پہلے تین جواب اس کے لیے بھی کافی ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اتباع تابعی کا قول ہے تو یہ تابعی کا ہے،

ثانیاً: سند میں، واصل، نامی راوی ہے جسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مجہول قرار دیا ہے۔

(تہذیب ص۱۰۳ ج۱۱)

الغرض یہ روایت ضعیف ہے، ملحوظہ، مصنف میں کتابت کی غلطی سے، واصل بن ابی بکر، ہے جب کہ درست واصل بن جمیل ابو بکر ہے، الغرض لفظ، جمیل، طبع ہونے سے رہ گیا ہے۔

(۱۰) عن ابن جریج قال اخبرنی ابراهیم ان عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز اخبره ان محمد بن ابی سوید اقامه للناس وهو غلام بالطائف فی شهر رمضان یؤمهم فکتب بذالك الی عمر یبشره فغضب عمر وکتب الیه ما کان نولك ان تقدم للناس غلاما لم تجب علیه الحدود۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۹۸ ج۲)

ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے ابراہیم نے بتایا کہ انہیں عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز نے بتلایا ہے کہ انہوں نے طائف میں ماہ رمضان میں محمد بن ابی سوید کو جو ابھی نابالغ لڑکے تھے لوگوں کی امامت کے لیے کھڑا کیا پھر یہ قصہ عمر بن عبدالعزیز کو خوش خبری سنانے کے لیے لکھ بھیجا، حضرت عمر بن عبدالعزیز ناراض ہوئے اور انہیں لکھا کہ تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ لوگوں کی امامت کے لیے ایسے لڑکے کو آگے کرو جس پر ابھی حدود واجب نہیں ہوئیں (حدیث اور اہل حدیث ص۴۹۳)

الجواب اولاً: سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے ناجائز قرار نہیں دیا، صرف یہ کہا ہے کہ **ما کان نولك**، اس کا معنی محشی مصنف عبد الرزاق مولانا اعظمی حنفی دیوبندی نے یہ کیا ہے کہ **ای ما کان ینبغی لك**، یعنی ایسا کرنا آپ کے لیے مناسب نہ تھا، ظاہر ہے کہ غیر مناسب ہونا، ناجائز وحرام ہونے کو مستلزم نہیں، شرعی طور پر طلاق دینا مناسب نہیں، لیکن ناجائز وحرام بھی نہیں، لہذا آپ کوئی ایسی دلیل دیں جو آپ کے دعوی پر تقریب تام ہو کہ نابالغ کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۹۴)

ثانیاً: اگر انوار صاحب کے استدلال کو درست بھی تسلم کر لیا جائے تو تب بھی زیادہ سے زیادہ یہ تابعی کا قول ہے، جو مرفوع حدیث و آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معارض نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ کلام انوار صاحب بچے کی امامت کے رد پر کوئی دلیل قرآن وسنت سے نہیں دے سکے یہ ان کے مؤقف کی کمزوری کی واضح دلیل ہے جو بھی زیب رقم کیا ہے وہ بے سند آثار صحابہ کرام ہیں، جو درجہ پنجم کی کتب میں مروی ہیں، ایسا ہی تابعین کے اقوال کی حالت ہے، پھر ان سب دلائل میں سے کوئی دلیل بھی ایسی نہیں جو حنفیہ کے مؤقف پر تقریب تام ہو، آخر میں اپنے دل کی بھڑاس اس طرح

نکالتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال حجت ہیں مگر غیر مقلدین کے نزدیک نہیں
(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۹۵)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کب حجت ہیں اور کب نہیں، اس پر فریقین متفق ہیں، تفصیل ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں، بات کو مختصر کرنے کے لیے یہاں پر ایک حوالا معتبر حنفی کا نقل کیا جاتا ہے، مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر فرماتے ہیں۔

حضرت عبادہ بن الصامت نے صحیح سمجھا یا غلط .بہر حال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا، مگر فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں ہے، (احسن الکلام ص ۱۵۶ ج ۲)

امید ہے کہ انوار صاحب اس سے مطمئن ہو جائے گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۴۳) باب مرزائی وغیرہ بدعتی کی امامت

فصل اول

(۱) شیخ الکل فی الکل السید محمد نذیر حسین محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ جو کچھ ہم نے سوال سائل کے جواب میں کہا اور قادیانی کے حق میں فتویٰ دیا وہ صحیح ہے، کتاب وسنت و اقوال علماء امت اس کی صحت پر شاہد ہیں۔ اب مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے دجال کذاب سے احتراز اختیار کریں، اور اس سے وہ دینی معاملات نہ کریں جو اہل اسلام میں باہم ہونے چاہئیں نہ اس کی صحبت اختیار کریں اور نہ اس کو ابتداً سلام کریں اور نہ اس کو دعوت مسنون میں بلاویں اور نہ اس کی دعوت قبول کریں اور نہ اس کے پیچھے اقتداء کریں اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں، اگر انہیں اعتقادات و اقوال پر یہ رحلت کرے، واللہ الموفق للعمل والقبول، الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین، (پاک و ہند کے علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ ص ۸۶)

میاں صاحب مرحوم ومغفور کے اس فتویٰ کی، اس دور کے تمام جید اور نامور علمائے حدیث نے تصدیق کی ہے۔ جس کی تفصیل فتویٰ میں موجود ہے۔

(۲) شیخ الکل کے شاگرد خاص اور شارح سنن ابی داؤد حضرت مولانا محمد شمس الحق محدث عظیم آبادی فرماتے ہیں۔

میرے نزدیک جیسا کہ اس وقت ہم نے سمجھا ہے اقتدا فرق ضاله مثل مرزاقادیانی و اتباع مرزا اور روافض و غیرهم من اهل البدعة والهوا، ہرگز جائز نہیں ہے۔ (حاشیہ فیصلہ مکہ ص ۷)

(۳) شیخ الاسلام فاتح قادیاں مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے،

کچھ شک نہیں کہ مرزا قادیانی ایک دہریہ معلوم ہوتا ہے، مفتری علی اللہ ہے، اس کے الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے خدا پر بھی ایمان نہیں، کیونکہ خدا پر ایمان رکھنے والا اس قسم کے افترا نہیں کیا کرتا، اس لیے میرا یقین ہے کہ مرزا قادیانی جو کچھ کرتا ہے، سب دنیا سازی کے لیے کرتا ہے، پس اس کی امامت جائز نہیں، ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری

(فتوٰی شریعت غرّا نمبر ۱ مندرجه پاك و هند كا اولین متفقه فتوٰی ص ۱۷۶)

(۴) مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم ایک تائیدی فتویٰ میں فرماتے ہیں۔

جس نے دیدہ و دانستہ مرزائی کے جنازہ کی نماز پڑھی ہے، اس کو علانیہ توبہ کرنی چاہیئے اور مناسب ہے کہ وہ اپنا تجدید نکاح کرے اور حسب طاقت کھانا کھلاوے اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اہل سنت

والجماعت کو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہیئے۔ ایسے منافق کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی، کتبہ المفتی محمد عبداللہ ٹونکی ازلاہور، الجواب صحیح، ابوسعید محمد حسین بٹالوی،

(فتوٰی شریعت نمبر ۱ مندرجہ پاک و ہند کا اولین متفقہ فتوی ص ۱۷۹)

(۵) مفتی اہل حدیث حضرت مولانا عبدالجبار عمر پوری فرماتے ہیں۔

مرزا قادیانی جو عیسٰی مسیح ہونے کا مدعی اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نسبت کلمات شنیعہ لکھنے والا وغیرہ سراسر کاذب اور مفتری انتہاء درجہ کا بدترین مرتد ملحد خبیث النفس اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اس کی اتباع کرنے والا بھی اسلام سے خارج ہرگز امامت کے لائق نہیں

(عبدالجبار عمر پوری (بحوالہ ایضاً ص ۱۷۷)

جو شخص مرزا کے عقائد سے واقف ہو کر (مرزا کو) مسلمان کہتا ہے تو وہ بھی اسلام سے خارج ہے۔ ہرگز امامت کے لائق نہیں (ایضاً ص ۱۸۵)

(۶) حضرت حافظ عبداللہ روپڑی مرحوم فرماتے ہیں۔

ان لوگوں سے ناطہ رشتہ وغیرہ کرنا یا ویسے میل ملاپ رکھنا یا نماز میں امام بنانا اس قسم کا کوئی تعلق بھی جائز نہیں، اگر اتفاقی طور پر ان کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے یا غلطی سے ان کے ساتھ نکاح کا تعلق ہو گیا ہو، تو نماز بھی صحیح نہیں اور نکاح بھی صحیح نہیں، نماز کا اعادہ کرنا چاہیئے۔

(فتاوٰی اہل حدیث ص ۲)

فصل دوم

ہمارے بھائی انوار صاحب نے، مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کے اخبار اہل حدیث سے مرزائیوں کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کو صحیح ہونے کا فتوی نقل کیا ہے، ہم مانتے ہیں کہ ابتدا میں مولانا مرحوم کا یہی مؤقف تھا کہ نماز ہو جاتی ہے، لیکن انہوں نے اس فتوی کے بعد عدم جواز کا فتوی دیا ہے، لہذا ان کا رجوع ثابت ہے،

کیونکہ جواز کا آخری فتوی ۱۹۱۵ء کا ہے جبکہ عدم جواز کا ۱۹۲۲ء کا ہے جس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے فتوی سے رجوع کر لیا تھا، یہ ملحوظ رہے کہ مولانا نے جواز کا جو فتوی دیا تھا، وہ مرزائیوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے نہ تھا، چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ اسی طرح بعض لوگ میرے اس فتوے سے یہ سمجھتے ہیں کہ مرزائیوں کے پیچھے جب نماز ہو گی تو ان کے فتوی میں تخفیف آ جائے گی اس لیے میں ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ جواز اقتداء سے نہ میں ان کے اعتقادات کا مصحح ہوں نہ ان کے فتوی میں تخفیف ہوتی ہے۔ میں ارکان صلوٰۃ میں امام اور مقتدی کا ربط مانتا ہوں مگر قبولیت اور عدم

قبولیت میں ان کا کوئی تعلق نہیں سمجھتا، اس لیے جو شخص نماز کو فرض جان کر ارکان نماز ادا کرتا ہے، اس کے پیچھے اقتداء کرنا میں جائز جانتا ہوں گو اعتقادی فتور کی وجہ سے امام کی نماز قبول نہ ہو تاہم مقتدی کی قبول ہو جائے گی۔ (فتاوی علمائے حدیث ص۱۸۹ ج۲)

بہرحال مولانا مرحوم کی یہ غلطی تھی، جس کا رد اس دور کے علمائے اہل حدیث نے کیا تھا، انوار صاحب نے، فتاوی علمائے اہل حدیث ص۱۸۹ ج۲ سے مذکورہ عبارت تو نقل کی ہے مگر اس کا جو مفصل رد مولانا عبدالجبار غزنوی مرحوم نے کیا تھا اسے نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ دیانت نہیں بلکہ حقائق کا خون کرنا ہے۔ بہر حال بدعتی و مشرک کی اقتدا جائز نہیں۔

استاذ العلماء الشیخ حافظ عبدالمنان محدث نور پوری فرماتے ہیں۔

کافر یا مشرک کی اقتداء میں نماز درست نہیں خواہ وہ اپنے آپ کو اہل حدیث ہی کیوں نہ کہلاتا ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، و باطل ما کانوا یعملون، جو وہ عمل کرتے ہیں وہ باطل ہیں۔ بدعت اگر کفر و شرک کے درجہ پر پہنچ جائے تو پھر وہ کفر و شرک والا حکم ہی رکھتی ہے۔

(احکام و مسائل ص ۱٦۰)

الشیخ زبیر علی زئی محدث حضرو حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جس شخص کی بدعت شدید اور خطرناک ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، اس پر اہل سنت کا اجماع ہے۔

(بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم ص۱۱)۔

محدث حضرو حفظہ اللہ نے اپنے فتویٰ کی تائید میں، امام سلام بن ابی مطیع، امام احمد بن حنبل، امام وکیع بن الجراح، امام یزید بن ہارون، امام بخاری، امام زہیر، امام یحیٰی بن معین، امام قوام السنہ، کے فتاویٰ نقل کیے ہیں۔ میرے فاضل بھائی نے اس مختصر کتابچہ میں زیر بحث مسئلہ کا حق ادا کر دیا ہے، اللہ انہیں اس کی بہترین جزاء دے ان کے لیے توشیہ آخرت اور کفارہ سیئات بنائے، آمین یا الہ العالمین۔

(۴۴) باب پیش امام اگر غلطی سے نماز بغیر طہارۃ کے پڑھا دے تو مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے

فصل اول

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نفساً اِلَّا وُسْعَھَا لَھَا مَا کَسَبَتْ وَ عَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ۔

(البقرة ۲۸٦)

اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا، جو کچھ کوئی نیکی کرے تو وہ اسی کو ملے گا اور جو برائی کرے اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا (۲۔۲۸٦)

(۱) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال، یصلون لکم فان اصابوا فلکم ولھم وان اخطؤا فلکم و علیھم۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ امام لوگ آپ کو نماز پڑھاتے ہیں۔ اگر ٹھیک طور پر پڑھیں گے تب تو تم کو بھی ثواب ملے گا اور انہیں بھی، اگر غلطی کریں گے تو بھی تم کو ثواب مل جائے گا اور غلطی کا وبال ان (اماموں) پر رہے گا۔

(بخاری کتاب الاذان باب اذا لم یتم الامام واتم من خلفه، الحدیث ٦٩٤)

(۲) عن عقبة بن عامر یقول سمعت رسول اللہ ﷺ من ام الناس فاصاب الوقت وأتم الصلاۃ ولھم ومن انتقص من ذلك شیئا فعلیه ولا علیھم۔

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے اور صحیح وقت پر پڑھائے اور نماز کی شروط و ارکان پورے کرے تو تمام نمازیوں کے لیے (قبولیت نماز) کا ثواب ہے، اور اگر ان چیزوں میں سے کوئی چیز کسی امام نے ناقص کی تو اس کا وبال اس پر ہے اور مقتدیوں پر نہیں۔

(ابن حبان (موارد) ص۱۱۰ رقم الحدیث ۳۷٤، و ابن خزیمه ص۷ ج۳ رقم الحدیث ۱۵۱۳)

(۳) عن ابی علی المصری قال، سافر نامع عقبة بن عامر الجھنی فحضرتنا الصلاۃ، فاردنا ان یتقدمنا، قال قلنا، انت من اصحاب رسول اللہ ﷺ ولا تتقدمنا؟ قال انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من ام قوما فان أتم فله التمام ولھم التمام وان لم یتم فلھم التمام و علیه الا ثم،

امام ابوعلی مصری بیان کرتے ہیں کہ ہم نے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر کیا، نماز کا وقت

آیا تو انہوں نے ہم میں سے (ایک کو) امام بنانے کا ارادہ کیا ہم نے عرض کی کہ ہمیں امامت کے لیے آگے نہ کریں کیونکہ (آپ بوجہ) نبی مکرم ﷺ کے صحابہ میں سے ہونے کی وجہ سے (زیادہ حق رکھتے ہیں) انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے کہ جس شخص نے کسی قوم کی امامت کروائی اور اس کی شروط و ارکان کو پورا کیا تو امام و مقتدیوں کی نماز کامل ہوئی اور اگر شروط و ارکان کو پورا نہ کیا تو مقتدیوں کی نماز کامل ہوئی اور امام پر نماز صحیح نہ پڑھانے کا گناہ ہوا۔ (مسند احمد ص۱۵۴ ج۴)

(۴) عن ابی علی الھمدانی انه خرج فی سفینة فیھا عقبة بن عامر الجھنی فحانت صلاة من الصلوٰت فأمرناه ان یومنا، وقلنا له انك احقنا بذلك، انت صاحب رسول الله ﷺ یقول من ام الناس فأصاب، فالصلاة له ولھم ومن انتقص من ذلك شیئا فعلیه ولا علیھم

امام ابوعلی ہمدانی فرماتے ہیں کہ ہم ایک کشتی میں سوار تھے، اور ان کے ساتھ سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ بھی شریک سفر تھے، نماز کا وقت قریب آ گیا ہم نے عرض کیا نماز پڑھایئے انہوں نے ہمیں نماز پڑھانے کا حکم دیا، ہم نے ان سے کہا کہ آپ ہم سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ بوجہ صحابی رسول اللہ ﷺ ہونے کے، (انہوں نے امامت سے انکار کیا) اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ جو شخص لوگوں کی امامت کرائے اور صحیح نماز پڑھائے تو اس کے لیے بھی اور لوگوں کے لیے بھی نماز (کا اجر وثواب) ہے اور اگر نماز میں سے کسی چیز کی کمی کرے گا تو اس کا گناہ امام پر ہوگا اور مقتدی بری الذمہ ہوں گے۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلاة باب من یستحب ان یلی الامام، الحدیث ۹۸۳، و مسند احمدص۱۴۵، ۲۰۱ ج٤ و بیھقی ص۱۲۷ ج۳)

(۵) عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ قال سیاتی اقوام اویکون اقوام یصلون الصلاة فان اتموا فلکم ولھم وان نقصوا فعلیھم ولکم

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا عنقریب ایک قوم آئیگی یا فرمایا ایک قوم ہوگی، جو لوگوں کو نماز پڑھائے گی! اگر انہوں نے نماز کی شروط و ارکان کو پورا کیا تو ان کی اور تمہاری نماز قبول ہوگی اور اگر شروط و ارکان میں نقص کیا تو اس کا گناہ ان پر ہوگا اور تمہارے لیے نماز (کا اجروثواب پورا) ہے۔ (صحیح ابن حبان ص۳۲۲ ج٤ رقم الحدیث ۲۲۲۵)

(۶) عن عقبه بن عامر قال سمعت رسول الله ﷺ یقول، انها ستکون علیکم أئمة من بعدی فان صلوا الصلاة لوقتها فاتموا الرکوع والسجود فھی لکم ولھم وان لم یصلوا الصلاة لوقتها ولم یتموا رکوعها ولا سجودها فھی لکم و علیھم۔

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ میرے بعد تم پر آئمہ آئیں گے اگر وہ نماز کو وقت پر پڑھائیں اور رکوع و سجود صحیح کریں تو ان کے لیے بھی نماز (کا اجر و ثواب) ہے اور تمہارے لیے بھی، اور اگر نماز کو بے وقت اور رکوع و سجود کو پورا نہ کریں تو تمہاری نماز ہے اور ان پر گناہ ہے۔ (مسند احمد ص۱٤٧ ج٤)

(۷) عن قاسم بن عبدالرحمن ان عمر بن الخطاب أمهم وهو جنب، أوعلى غير وضوء فاعاد الصلاة ولم يعد من وراءه۔

امام قاسم بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حالت جنابت میں یا بے وضو جماعت کروا دی تو انہوں نے نماز کو لوٹایا اور مقتدیوں نے نماز کو نہ لوٹایا۔

(مصنف عبدالرزاق ص٣٤٨ ج٢ رقم الحديث ٣٦٤٩)

(۸) عن عروة ان عمر بن الخطاب صلى بالناس وهو جنب فاعاد ولم يبلغنا ان الناس اعادوا۔

امام عروہ بن زبیر فرماتے ہیں ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ (جماعت کروا کر) نماز پڑھی اور وہ جنبی تھے تو آپ نے نماز کو لوٹایا اور ہمیں خبر نہیں ملی کہ لوگوں نے بھی نماز کو لوٹایا تھا۔

(مصنف عبدالرزاق ص٣٤٨ ج٢ رقم ٣٦٤٨)

(۹) عن ابراهيم ان عمر صلى بالناس وهو جنب فاعاد وأمرهم ان لا يعيدوا۔

امام ابراہیم فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ حالت جنابت میں نماز پڑھی تو آپ نے نماز کو لوٹایا اور مقتدیوں کو نہ لوٹانے کا حکم دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٤٤ ج٢)

(۱۰) عن الشريد الثقفى ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ صلى بالناس وهو جنب فاعاد ولم يامرهم ان يعيدوا۔

امام شرید ثقفی فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی جبکہ آپ جنبی تھے تو آپ نے نماز لوٹائی اور مقتدیوں کو لوٹانے کا حکم نہ دیا۔ (بیهقی ص٤٤٠ ج٢)

(۱۱) عن مطيع بن الاسود قال صلى عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بالناس الصبح ثم ركبت انا وهو الى ارضنا فلما جلس على ربيع منها يتوضا منها فاذا على فخذه احتلام فقال هذا الاحتلام على فخذى لم اشعربه فحكه ثم قال صرت والله حين اكلت الدسم و دخلت فى السنن يخرج منى مالا اشعربه وقال محمد فما اشعربه واغتسل ثم اعاد صلوة الصبح ولم يامر احدا باعادة الصلوٰة

امام مطیع بن اسود راوی ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز لوگوں کے ساتھ (امامت کروا کر) پڑھی، پھر میں اور وہ ہماری زمین کی طرف سوار ہوکر گئے، جب آپ کھال پر وضو کرنے کے لیے بیٹھے تو آپ نے اپنی ران پر احتلام (کا اثر) پایا اور فرمایا کہ یہ میری ران پر احتلام کا اثر ہے، جس کی مجھے خبر ہی نہیں، آپ نے اسے ناخن سے کھرچا، پھر فرمایا کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں واللہ جب سے چکنائی استعمال کرتا ہوں تب سے مجھے احتلام کی خبر ہی نہیں ہوتی، اور آپ نے غسل کر کے صبح کی نماز لوٹائی اور ہم میں سے کسی ایک کو بھی نماز لوٹانے کا حکم نہ دیا۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص۳۹۹ ج۲)

(۱۲) عن ابی ضرار ان عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ صلی بالناس وھو جنب فلما اصبح نظر فی ثوبه احتلاما فقال كبرت والله انی لارانی اجنب ثم لا اعلم ثم اعاد ولم یا مرھم ان یعیدوا،

امام ابی ضرار فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی جب صبح ہوئی تو انہوں نے کپڑے پر منی پائی اور فرمایا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں واللہ میں اپنے آپ کو جنبی پاتا ہوں حالانکہ مجھے اس کی خبر نہیں، پھر آپ نے نماز کو لوٹایا اور مقتدیوں کو نماز لوٹانے کا حکم نہ فرمایا۔ (السنن الکبریٰ للبیهقی ص٤٠٠ ج٢)

(۱۳) عن سالم ان ابن عمر صلی با صحابه صلاة العصر وھو علی غیر وضوء، فاعاد، ولم یعد اصحابه۔

امام سالم فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو عصر کی نماز وضو کے بغیر پڑھا دی، تو آپ نے نماز کو لوٹایا اور آپ کے شریک نماز صحابہ نے نماز کو نہیں لوٹایا تھا۔

(مصنف عبدالرزاق ص٣٤٨ ج٢ رقم الحدیث ٣٦٥٠)

(۱۴) سالم عن ابن عمرانه صلی بھم وھو علی غیر وضوء فاعادو لم یامرھم بالاعادة۔

امام سالم فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نماز بے وضو کے پڑھا دی تو آپ نے نماز کو لوٹایا اور مقتدیوں کو نماز دہرانے کا حکم نہ فرمایا۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص٤٤٠ ج٢)

(۱۵) سالم عن ابن عمرانه صلی بھم الغداة ثم ذکرانه صلی بغیر وضوء فاعاد ولم یعیدوا۔

امام سالم فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار صبح کی نماز بغیر وضو کے پڑھا دی پھر انہیں یاد آیا تو آپ نے نماز کو لوٹایا اور مقتدیوں نے نماز نہ لوٹائی۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٤٤ ج٢)

(۱۶) عن ابراھیم قال یعید ولا یعیدون۔

امام ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ امام نماز لوٹائے اور مقتدی نماز نہ لوٹائیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳٤۸ ج۲ رقم الحدیث ۳٦٥۱)

(۱۷) عن ابراهيم قال يعيد ولا يعيدون من خلفه۔

امام ابراہیم فرماتے ہیں کہ امام نماز لوٹائے اور اس کی اقتدا میں نماز پڑھنے والے نماز نہ لوٹائیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص٤٥ ج۲)

(۱۸) عن ابراهيم في الرجل يصلي بقوم وهو على غير وضوء قال يعيد ولا يعيدون۔

امام ابراہیم نے ایسے شخص کے متعلق جو قوم کو بغیر وضو کے نماز پڑھا دے، ارشاد فرمایا کہ امام نماز لوٹائے اور مقتدی نماز نہ لوٹائیں

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۴۰۱ ج۲)

(۱۹) عن الحسن قال يعيد ولا يعيدون۔

امام حسن بصری (ایسے شخص کے بارے میں جو بغیر طہارۃ کے نماز پڑھائے) فرماتے ہیں کہ وہ خود تو نماز لوٹائے اور مقتدی نماز نہ لوٹائیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳٤۹ ج۲ رقم الحدیث ۳٦٥۲)

(۲۰) عن سعيد بن جبير قال يعيد ولا يعيدون۔

امام سعید بن جبیر (ایسے شخص کے متعلق جو بغیر طہارۃ کے نماز پڑھا دے) فرماتے ہیں کہ وہ خود تو نماز لوٹائے لیکن مقتدی نماز نہ لوٹائیں۔ (مصنف عبدالرزاق ص۳۴۹ ج۲ رقم الحدیث ۳۶۵۵)

(۲۱) قال عبدالرحمن وهذا المجمع عليه الجنب يعيد ولا يعيدون ما اعلم فيه اختلافا۔

امام عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ جنبی امام نماز لوٹائے اور مقتدی نماز نہ لوٹائیں مجھے اس سلسلہ میں کوئی اختلاف معلوم نہیں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص٤۰۰ ج۲)

(۲۲) قال عبدالله بن مبارك ليس فی الحديث قوة لمن يقول اذا صلى الامام بغير وضوء ان اصحابه يعيدون والحديث الاخر اثبت ان لا يعيد القوم هذا لمن اراد الانصاف بالحديث

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ جب امام بغیر وضو کے نماز پڑھا دے تو مقتدی بھی نماز لوٹائیں، اس کے لیے کوئی قوی دلیل حدیث میں سے نہیں ہے، جبکہ قوم نماز نہ لوٹائے یہ حدیث اثبت ہے، یہ فیصلہ اس شخص کے لیے جو احادیث کے ساتھ انصاف کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص٤۰۱ ج۲)

قارئین کرام مذکورہ دلائل پر ایک نظر مکرر ڈالیئے ان سے واضح اور کھلم وکھلا یہ ثابت ہوتا ہے کہ

مقتدیوں کی نماز ہو جاتی ہے، قرآن سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے، اور مقتدی کی ہمت و وسعت میں یہ نہیں کہ وہ جان سکے کہ امام کی طہارت ہے کہ نہیں اور نہ ہی حق تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا مکلّف بنایا ہے کہ ہم امام کی طہارت معلوم کرتے پھریں، پھر اللہ کے پیارے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے صاف فرمایا ہے کہ امام کی نماز کا نقصان امام پر ہی ہے جیسا کہ حدیث نمبر۲ میں ذکر ہے پہلی حدیث میں امام کی غلطی کو امام پر ہی رکھا ہے، تیسری حدیث میں امام کی غیر صحیح نماز سے مقتدی کو بری الذمۃ فرمایا ہے پانچویں حدیث میں امام کے نقصان نماز کو امام پر ہی ڈالا ہے۔ رکوع و سجود نماز میں فرض ہیں، اور ان کا پورے شرعی طریقہ سے ادا کرنا ارکان نماز سے ہے، مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اگر امام ان کو صحیح طریقہ سے ادا نہ کرے تو امام کو گناہ ہے اور مقتدی کی نماز کامل ہے، خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ واقعہ بھی پیش آیا ہے کہ انہوں نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھا دی تو بحیثیت امام تو انہوں نے اپنی نماز کو لوٹایا مگر مقتدیوں نے نماز کو نہ لوٹایا اور نہ ہی آپ نے لوٹانے کا حکم دیا، اس واقعہ کی متعدد معتبر اور صحیح وحسن اسناد ہیں، اس کا خلاف کسی صحابی سے صحیح تو کجا حسن سند سے بھی ثابت نہیں، جس سے ثابت ہوا کہ حنفیہ کے اصول کے موافق یہ اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہے (جیسا کہ یہ حضرات طلاق ثلاثہ میں صحیح مسلم کی روایت کی بنا پر دعویٰ کرتے ہیں) غور کیجئے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مقتدی کون لوگ تھے؟ محترم صاف عیاں ہے کہ مہاجر و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی اولاد تھی، مگر کسی نے نماز نہیں لوٹائی۔ پھر ایسا ہی واقعہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آتا ہے، آپ نے اقتدا کرنے والوں سے نماز لوٹانے کا ارشاد نہیں فرمایا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایک دفعہ ایسا ہوا تو انہوں نے خود نماز تو لوٹائی مگر مقتدیوں نے نماز نہیں دہرائی، یہی فتویٰ کوفہ کے امام اور انوار خورشید کے معتمد بزرگ امام ابراہیم نخعی دیتے ہیں یہی امام حسن بصری فرماتے ہیں۔ امام سعید بن جبیر اور عبداللہ بن مبارک اور عبدالرحمٰن بن مہدی جیسے اساطین امت کا بھی یہی فتویٰ ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے، ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب و مسلک ہے۔

(التمهيد لمانى الموطا من المعانى والاسانيد ص ۱۸۱ تا ۱۸۲ ج ۱)

یہ صرف حنفیہ کا ہی مسلک ہے جس پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی کسی صحابی کا فتویٰ ثابت کیا جا سکتا ہے اس سلسلہ میں جو بھی زیب رقم کیا جاتا ہے اس کی حیثیت زیب داستان سے بڑھکر نہیں، ہم پوری ذمہ داری سے یہ بات مکرر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ حنفیہ کا یہ مؤقف صریحاً قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کرام کے خلاف اور قیاس فاسد پر مبنی ہے، اس پر قرآن و حدیث تو کجا کسی بھی صحابی کا فتویٰ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ صرف سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک قول منقول ہے۔ جو کہ منقطع ہے تفصیل فصل دوم میں نمبر ۶۵ کے تحت آ رہی ہے، اس کے برعکس سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے

مقتدی کی نماز فاسد نہ ہونے کا فتویٰ بھی منقول ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۵ ج۲)

گواس کی سند مخدوش ہے مگر ہم نے ضعیف و منقطع کے بالمقابل ضعیف نقل کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حنفیہ کا مسلک و مذہب صرف قیاس فاسد پر مبنی ہے قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔

فصل دوم

(۱) حدثنی ابو غالب انه سمع ابا امامة یقول قال رسول اللهﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن۔

(مسند احمد ص ۲۶۰ ج ۵ طبرانی کبیر)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۰۱)

الجواب حدیث کے لفظ ضامن سے انوار صاحب کا استدلال کرنا غلط ہے کیونکہ اس لفظ کا معنی کفیل نہیں بلکہ نگران و نگہبان ہے، جیسا کہ آئمہ لغت نے صراحت کی ہے، اور کفیل کے معنی کو، قیل، سے بیان کرکے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(لسان العرب ص۲۵۸ ج۱۳ و تاج العروس ص۲۶۵ ج۹) وغیرہ امہات الکتب لغت میں صراحت ہے۔

و فی الحدیث آخر الامام ضامن والمؤذن مؤتمن، أراد بالضمان هنا الحفظ والرعاية لا ضمان الغرامة،

یعنی حدیث میں آیا ہے کہ امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے، یہاں ضامن سے مراد حفاظت و نگرانی مراد ہے کفیل کے معنی نہیں، یہی معنی علامہ فتنی نے کیا ہے (مجمع بحار الانوار ص۴۲۲ ج۳) اور یہی معنیٰ حق وصواب ہے، اگر اس کا معنی ذمہ دار لیا جائے، تو وضاحت کی جائے کہ اگر مقتدی بے وضو نماز ادا کرتا ہے، یا دیگر شرائط نماز اور ارکان کو کما حقہ ادا نہیں کرتا، تو کیا امام اس کا جواب دہ ہے؟ نہیں قطعا نہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ صحیح معنی نگرانی ہی ہے۔ کفیل قطعا نہیں۔

کیونکہ امام اور ماموم دونوں اپنی اپنی نماز پڑھتے ہیں، ان میں سے ایک کی نماز فاسد ہونے سے دوسرے کی نماز میں خرابی نہیں آتی، اور یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ مقتدی کی نماز فاسد ہونے سے امام کی نماز میں خرابی نہیں آتی،

(۲) عن علی بن ابی طالب قال صلی بنا رسول اللهﷺ یوم فانصرف ثم جاء وراسه یقطرماء فصلی بنا ثم قال انی صلیت بکم آنفا وانا جنب فمن اصابه مثل الذی اصابنی او

وجد رزاً فی بطنه فلیصنع مثل ما صنعت۔
(مسند احمد ص۹۹ ج ۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی (دوران نماز) آپ چلے گئے، پھر واپس آئے تو آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا، آپ نے ہمیں پھر نماز پڑھائی، پھر فرمایا میں نے تمہیں حالت جنابت میں نماز پڑھا دی تھی، جس شخص کو وہی صورت پیش آئے جو مجھے پیش آئی یا وہ اپنے پیٹ میں کوئی گڑ بڑ پائے تو وہ ایسے ہی کرے جیسے میں نے کیا (حدیث اور اہل حدیث ص۵۰۱)

الجواب اس حدیث سے انوار صاحب کا استدلال باطل اور غیر تام ہے، کیونکہ، انی صلیت بکم، سے مراد نماز کے لیے کھڑا ہونا ہے، نماز پڑھنا مراد نہیں ہے، دوسری حدیث میں وضاحت ہے۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال بینما نحن مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصلی اذ انصرف و نحن قیام، ثم اقبل وراسه یقطر، فصلی لناالصلاۃ ثم قال، انی ذکرت انی کنت جنبا حین قمت الی الصلاۃ لم اغتسل، فمن وجد منکم فی بطنه زراً او کان علی مثل ما کنت علیه فلینصرف حتی یفرغ من حاجته اوغسله ثم یعود الی الصلاته۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے لگے تو آپ واپس تشریف لے گئے اور ہم کھڑے رہے، جب آپ علیہ التحیۃ والسلام واپس پلٹے تو آپ کے سر اقدس سے پانی ٹپک رہا تھا، پھر ہمارے ساتھ نماز پڑھی (اور بعد میں) فرمایا کہ جب میں نماز پڑھنے لگا تو مجھے یاد آ گیا تھا کہ میں جنبی ہوں، اور غسل نہیں کیا، لہذا جس شخص کے پیٹ میں گڑ بڑ ہو یا میرے جیسی صورت پیش آئے تو وہ واپس پلٹ کر قضائے حاجت سے فارغ ہو لے یا غسل کر لے، پھر اپنی نماز کے لیے لوٹے۔

(مسند احمد ص۸۸ ج ۱)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ نماز شروع نہ ہوئی تھی اور نہ ہی نماز کا کوئی حصہ ادا ہوا تھا، ہمارے مؤقف کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ یہی واقعہ بخاری و مسلم میں سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے جس میں وضاحت ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے ہی غسل کے لئے آپ علیہ الصلاۃ والسلام لوٹ گئے تھے، بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہر لحاظ سے راجح ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کی سند میں جرح ہے۔ کیونکہ سند میں عبد اللہ بن لھیعہ راوی ہے، جو انوار صاحب کے پیر و مرشد مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر کے نزدیک نا قابل حجت ہے۔ (احسن الکلام ص۶۳ ج ۲) الغرض نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز شروع کرنے سے پہلے ہی تشریف لے گئے تھے۔ مزید تفصیل اگلی روایت کے

سلسلہ میں آ رہی ہے، جب آپ نے اتنا سمجھ لیا کہ نماز شروع نہ ہوئی تھی، بلکہ پہلے ہی آپ علیہ التحیۃ والسلام تشریف لے گئے تھے، تو انوار صاحب کے مؤقف کی یہ ترجمان کیسے بن گئی، ہاں اگر اس حدیث میں یہ ہوتا کہ نماز فلاں حصے تک ادا ہو چکی تھی، اور غسل کرنے کے بعد جب نبی علیہ التحیۃ والسلام تشریف لائے تھے تو پہلے حصہ نماز کو بوجہ فساد صلاۃ دوبارا پڑھا تھا، تو تب بلا شبہ یہ انوار صاحب کی دلیل تھی، مگر حدیث میں صاف صراحت ہے کہ نماز کے لیے صرف قیام ہی ہوا تھا نماز کی ابتدا نہ ہوئی تھی تو پھر یہ انوار صاحب نے اس حدیث کو ہمارے رد میں کیسے پیش کر دیا، کیونکہ بحالت جنابت نماز پڑھنے کے تو ہم قطعاً قائل نہیں ہیں۔

(۳) عن ابی هریرة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم جاء الی الصلوٰة فلما کبر انصرف و اَوْمأ الیهم ای کما انتم ثم خرج ثم جاء وراسه یقطر فصلی بهم فلما انصرف قال انی کنت جنبا فنسیت ان اغتسل۔

(دارقطنی ص۳۶۱ ج۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے جب آپ تکبیر کہہ چکے تو آپ نے رخ پھیر کر لوگوں سے کہا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو پھر آپ نکل کر تشریف لے گئے جب واپس آئے تو آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا، آپ نے آ کر نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میں جنبی تھا، غسل کرنا بھول گیا تھا۔

(۴) عن ابی هریرة قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الصلوٰة و کبر ثم اشار الیهم فمکثوا ثم انطلق فاغتسل و کان راسه یقطر ماء فصلی بهم فلما انصرف قال انی خرجت الیکم جنبا و انی نسیت حتی قمت فی الصلوٰة۔

(ابن ماجه ص۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے آپ نے تکبیر کہی پھر آپ نے صحابہ کرام کی طرف اشارہ کیا وہ اپنی جگہ ٹھہر گئے آپ تشریف لے گئے اور غسل کیا، آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا (واپس آ کر) آپ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں تمہارے پاس جنابت کی حالت میں چلا آیا اور نہانا بھول گیا حتی کہ نماز میں کھڑا ہو گیا (حدیث اور اہل حدیث ص۵۰۲، ۵۰۳)

الجواب اولاً: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حالت جنابت میں نماز نہیں ہوتی، ہم بھی کہتے ہیں کہ نہیں ہوتی بلاشبہ نہیں ہوتی، لیکن اس سے یہ مسئلہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام کی نماز نہ ہو تو مقتدی کی بھی نہیں ہوتی، محترم آپ اِدھر اُدھر سے غیر متعلقہ احادیث نقل کر کے مسئلہ کو حل کرنے کی بجائے

الجھائے بیٹھے ہیں دوٹوک الفاظ میں احادیث پیش کریں کہ امام کی نماز میں فساد آنے سے ماموم کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے

ثانیاً: سیدی محمد مصطفیٰ ﷺ کو غسل کرنا کب یاد آیا، تکبیر تحریمہ کے بعد یا پہلے؟ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر کہنے کے بعد یاد آیا تھا جبکہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ صرف مُصلیٰ پر تشریف لائے تھے اور تکبیر تحریمہ سے پہلے ہی واپس تشریف لے گئے (بخاری رقم الحدیث ۲۷۵، ۶۳۹، ۶۴۰ و مسلم رقم الحدیث ۱۳۶۷، ۱۳۶۸) دونوں احادیث کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں، اراد، کا لفظ محذوف ہے، تقدیر عبارت یوں ہے، لما اراد ان یکبر، یعنی جب تکبیر کہنے کا ارداہ فرمایا۔

(دیکھئے فتح الباری ص۹۶ ج۲ و عمدۃ القاری ص۲۲٤ ج۳ و فتح الملھم ص۱۸۵ ج۲ و فیض الباری ص۳۵۷ ج۱)

قارئین کرام جب آپ نے اس بات کو بخوبی جان لیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہی غسل کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انوار صاحب کا مؤقف کسی چیز سے ثابت ہوا؟ کیونکہ نہ نماز شروع ہوئی اور نہ ہی امام و ماموم کی نماز فاسد ہونے کا سوال پیدا ہوا، مگر انوار خورشید صاحب شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر سینہ زروی سے ان احادیث سے ماموم کی نماز فاسد ہونا ثابت کر رہا ہے، انا للہ وانا الیھراجعون،

ثالثاً: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد غسل کے لیے تشریف لے گئے تھے، تو تب بھی بہر حال انوار صاحب کا مذہب ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ مقتدیوں نے نماز کو از سر نو شروع کیا تھا، بلکہ اگر ثابت ہوتا ہے تو یہ ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی حالت میں کھڑے رہے، جس میں جانے سے پہلے تھے، کیونکہ اسی کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا، انوار صاحب نے جو روایت دار قطنی سے نقل کی ہے، اس کے الفاظ ہیں، اوما الیھم ای کما انتم، اب اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد تشریف لے گئے تھے، تو ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی نماز کو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فاسد قرار نہیں دیا۔

الغرض یہ روایت انوار صاحب کے موافق نہیں مخالف ہے، اسے کہتے ہیں، آنکھیں چمگادڑ کی اور سورج سے جنگ و جدل، فہم حدیث میں یہ بے بصیرتی اور ٹھیکا لیا ہے اہل حدیث کے رد کا

(۵) عن ابی جعفر ان علیا صلی بالناس وھو جنب اوعلی غیر وضوء فاعاد وامرھم ان یعیدوا۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۵۱ ج۲)

حضرت ابو جعفر سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حالت جنابت میں یا بغیر وضو کے نماز پڑھا دی، آپ نے وہ نماز خود بھی لوٹائی اور لوگوں کو بھی لوٹانے کا حکم دیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۰۳)

الجواب اولاً: ابوجعفر الباقر، سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پوتے علی بن حسن کے بیٹے ہیں، اور ان کے اپنے جد امجد سے ملاقات وسماع ثابت نہیں جیسا کہ امام ابو زرعہ نے صراحت کی ہے (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۱۸۵) الغرض یہ روایت مرسل ہے جو ضعیف کی ایک قسم ہے (راجع مقدمہ) امام ابن عبدالبر نے اسے منقطع قرار دیا ہے، (التمہید ص ۱۸۳ ج ۱)

ثانیاً: اس کی سند میں، ابراہیم بن یزید الخوزی راوی ہے، اسے امام احمد امام نسائی اور علی بن جنید نے متروک الحدیث قرار دیا ہے، امام ابن معین فرماتے ہیں غیر ثقہ اور ہیچ محض ہے ابو زرعہ اور ابو حاتم فرماتے ہیں منکر الحدیث اور ضعیف الحدیث ہے، امام بخاری فرماتے ہیں۔ سکتوا عنہ، یعنی محدثین نے اسے ترک کر دیا تھا، ابن مدینی اور ابن سعد نے ضعیف قرار دیا ہے، برقانی نے کذاب قرار دیا ہے، دارقطنی فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کہ کثرت سے مناکیر روایت کرتا ہے، (تہذیب ص ۱۵۷ ج ۱) الغرض یہ روایت سنداً سخت ضعیف ہے، اور متناً مضطرب ہے تفصیل اگلی روایت میں آ رہی ہے۔

(۶) عن عمرو بن دینار ان علی بن ابی طالب قال فی الرجل یصلی بالقوم جنبا قال یعید و یعیدون

(کتاب الاثار للامام ابی حنیفة بروایت الامام محمد ص ۳۱)

حضرت عمرو بن دینار سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کے بارے میں جس نے جنابت کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھا دی ہو یہ فرمایا کہ وہ خود بھی نماز لوٹائے اور لوگ بھی نماز لوٹائیں

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۰۳)

الجواب: اولاً: اس کی سند بھی وہی ہے جو عبدالرزاق کی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ امام عبدالرزاق نے اسے ابراہیم سے نقل کیا ہے اور وہ عمرو بن دینار کے واسطے سے ابوجعفر سے اور وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے جبکہ امام محمد کی سند میں ابوجعفر کا واسطہ نہیں، جس سے یہ سند مرسل کے درجہ سے گر کر معضل و منقطع ٹھہری، علاوہ ازیں سند میں اضطراب بھی ثابت ہوا کیونکہ ابراہیم کبھی، ابوجعفر، کا واسطہ بیان کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا۔

سند میں اضطراب کے علاوہ متن بھی مضطرب ہے، کیونکہ عبدالرزاق کے متن میں نماز لوٹانے کا واقعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے جبکہ کتاب الاثار میں عمل کی بجائے فتوی کا ذکر ہے، اور یہ کھلا اضطراب ہے۔

ثانیاً: سند اس کی بھی سخت ضعیف ہے، ابراہیم بن یزید، کا حال اوپر کی روایت نمبر ۵ میں گزر چکا ہے کہ متروک و کذاب ہے، علاوہ ازیں امام محمد پر بھی جرح ہے تفصیل پہلے گزر چکی ہے، الغرض یہ روایت

من گھڑت اور باطل ہے۔

(۷) عن همام بن الحارث ان عمر نسی القرأة فی الصلوٰة المغرب فاعاد بهم الصلوٰة۔

(شرح معانی الاثار للامام الطحاوی ص ۲۸۰ ج ۱)

حضرت ہمام بن حارث سے مروی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مغرب کی نماز پڑھاتے ہوئے قرأت کو بھول گئے تو آپ نے لوگوں کو دوبارہ نماز پڑھائی (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۰۴)

الجواب اولاً: اس کی سند میں ابراہیم نخعی ہے اور ان سے روایت کرنے والے الاعمش ہیں اور یہ دونوں ہی مدلس ہیں (طبقات المدلسین ص ۲۸، ۳۳) اور سماع کی صراحت نہیں، لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً: روایت نمبر ۵ تا ۷ موقوف ہیں، اگر ان کی صحت ثابت بھی ہو جائے تب بھی یہ مرفوع کے بالمقابل حجت نہیں ہیں

(۸) عن ابراهیم قال اذا فسدت صلوٰة الامام فسدت صلوٰة من خلفه۔

(کتاب الاثار ص ۳۱)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جب امام کی نماز فاسد ہوگی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۰۴)

الجواب اولاً: یہ صغیر تابعی کا قول ہے جو ہمارے پیارے رسول سیدی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل کے خلاف حجت نہیں ہے، پھر ابراہیم سے اس کے خلاف بھی ثابت ہے،

ثانیاً: سند میں امام ابوحنیفہؒ ہیں جو حافظے کے لحاظ سے سیئی الحفظ ہیں، تفصیل فاتحہ کے مسئلہ میں گزر چکی ہے، ایسے ہی کتاب الاثار کے مؤلف امام محمد پر بھی جرح ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، لہذا یہ روایت ضعیف اور ناقابل حجت ہے

(۹) عن الثوری قال سمعت حمادا یقول اذا فسدت صلوٰة الامام فسدت صلوٰة القوم۔

(مصنف عبدالرزاق ص ۳۵۰ ج ۲)

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حماد کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب امام کی نماز فاسد ہوگی تو مقتدیوں کی بھی فاسد ہو جائے گی (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۰۴)

الجواب بلا شبہ اس کی سند صحیح ہے مگر امام سفیان ثوری خود فرماتے ہیں کہ حماد کے علاوہ یہ کسی کا مسلک نہیں ہے، (بیہقی ص ۱۰۴ ج ۲) حماد بن ابی سلیمان صغیر تابعی ہیں، امام ابراہیم نخعی کے بعد ان کے جانشین بنے، مگر بعد میں اہل سنت کا مذہب ترک کر کے مرجئی ہو گئے جس سے ان کا شمار بدعتی

حضرات میں ہوتا ہے، آخری عمر میں انہیں مرگی و آسیب کی بھی شکایت ہوگئی تھی، اختلاط کے سبب بعض محدثین نے ان پر کلام بھی کیا ہے، تفصیل کے لیے، اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات، کی مراجعت کریں جس میں مصنف نے متعدد دلائل وشواہد سے اس بات کو ثابت کیا ہے اور بدعتی حضرات کے اقوال کی حیثیت دین میں خرافات سے زیادہ نہیں ہے، بالخصوص جب مرفوع احادیث کے مخالف و معارض ہوں

(۱۰) عن عطاء بن ابی رباح فی رجل یصلی باصحابه علی غیر وضوء قال یعید و یعیدون۔

(کتاب الاثار ص۳۱)

حضرت عطاء بن ابی رباح نے ایسے شخص کے بارے میں جو مقتدیوں کو بغیر وضو کے نماز پڑھا دے یہ ارشاد فرمایا کہ امام اور مقتدی سب نماز لوٹائیں (حدیث اور اہل حدیث ص۵۰۴)

الجواب کتاب الاثار کے مؤلف پر امام نسائی نے حفظ کی وجہ سے کلام کیا ہے، قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ مجھ پر افترا کرتا ہے، امام یحییٰ بن معین نے کذاب قرار دیا ہے، حسن للولوی عمر و بن علی، اور عقیلی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے، (لسان المیزان ص۱۲۲ ج۵) الغرض یہ روایت بھی ضعیف ہے،

(۱۱) عن یونس عن ابن سیرین قال سألته فقال اعد الصلوٰة و اخبر اصحابك انك صلیت بهم وانت علی غیر طهارة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۵۰٤)

حضرت یونس حضرت علامہ ابن سیرین کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے (بغیر طہارت کے نماز پڑھا دینے کے متعلق) سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم بھی نماز لوٹاؤ اور اپنے ساتھیوں کو بتلا دو کہ تم نے انہیں بغیر طہارت کے نماز پڑھا دی تھی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۰۵)

الجواب پہلی فصل میں سیدنا ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا جا چکا ہے جو مقتدیوں کو نماز نہ لوٹانے پر صریحاً ہے اور اس اثر میں دیگر احتمالات بھی ہیں، کیونکہ خبر دینے کا کوئی اور بھی مقصد ہوسکتا ہے، اور اصول بھی یہی ہے کہ اشارۃ النص، عبارۃ النص کے معارض نہیں ہوا کرتی، کیونکہ عبارۃ النص راجح ہوتی ہے اور اشارۃ النص مرجوح قرار پاتی ہے، لہٰذا امام ابن سیرین کا جو قول سابقہ فصل میں نقل ہوا ہے وہ قابل اعتماد ہے۔ اور مرفوع حدیث کے موافق بھی ہے۔

(۱۲) عن الشعبیؒ قال یعید ویعیدون۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۵۰ ج۲)

حضرت امام شعبی (ایسے شخص کے بارے میں جو بغیر طہارۃ کے نماز پڑھائے) فرماتے ہیں کہ وہ خود بھی نماز لوٹائے اور مقتدی بھی نماز لوٹائیں (حدیث اور اہل حدیث ص۵۰۵)

الجواب اسکی سند میں، صاعد بن مسلم، راوی متروک ہے، اسے امام ابو زرعہ نے ضعیف قرار دیا ہے، امام فلاس فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے، امام ابن معین کہتے ہیں ہیچ محض ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ جابر جعفی (کذاب) میرے نزدیک اس سے بہتر ہے۔

(میزان الاعتدال ص۲۸۷ ج۲ و لسان المیزان ص۱۶٤ ج۳ و الجرح والتعدیل ص٤٥٣ ج٤)

الغرض یہ روایت امام شعبیؒ پر افترا ہے

خلاصہ کلام: انوار خورشید نے جوڑ توڑ کر کے اِدھر اُدھر کے کل بارہ دلائل حنفیہ کے مؤقف پر نقل کیے ہیں۔ مگر کسی دلیل سے بھی ان کے مؤقف کی تائید نہیں ہوتی۔

'الف' قرآن سے دلیل دینے سے عاجز رہے ہیں، ب، کوئی ایسی مرفوع حدیث نقل نہیں کی جس کا یہ معنی ہو کہ مقتدی بھی نماز لوٹائیں اس سلسلہ میں جو احادیث انہوں نے نقل کی ہیں ان میں معنوی تحریف کی ہے، ت، کسی صحابی سے بھی ایسا فتویٰ بسند صحیح یا حسن نقل نہیں کیا، ث، تابعین کے گروہ سے بھی اپنی تائید ثابت نہیں کر سکے، ہاں حماد بن ابی سلیمان بدعتی کا فتویٰ ضرور ثابت ہے، جس سے ثابت ہوا کہ یہ مسلک و مذہب مبتدعین کا ہے، اہل سنت کا ہرگز نہیں، ورنہ خیر القرون میں اکابر اہل سنت میں سے کسی ایک کا ہی نظیر یہ ضرور ہوتا، مگر اس کے باوجود انوار صاحب پوری ڈھٹائی سے ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ حدیث کی مخالفت ہے، (ص۵۰۷)

اہل حدیث کی امامت: انوار صاحب فرماتے ہیں کہ جو مقلدین غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ اگر غیر مقلد امام نے بے وضو یا حالت جنابت میں نماز پڑھا دی اور بتلانا ضروری نہ سمجھتے ہوئے مقتدیوں کو بتلایا بھی نہیں تو مقلدین کی نماز کا کیا بنے گا؟

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۰۷)

اس کا دوحرفی جواب تو یہ ہے کہ ان کی نماز ان شاء اللہ ضرور قبول ہوگئی، مگر آپ نے امت میں افتراق و انتشار کا بیج بونے کی غرض سے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے، ہمیں آپ کی اقتدا کی ضرورت نہیں بے شک نہ پڑھا کریں، ایسا فسادی اور تارک سنت بلکہ سنت سے بغض رکھنے والا ہماری مساجد سے الگ ہی رہے تو دنیا و آخرت کی بہتری ہے، ہاں البتہ اس سلسلہ میں ہم دو باتیں ضرور عرض کرنا چاہتے ہیں۔

الف جماعت تبلیغ کے افراد جب تبلیغی دورے پر جاتے ہیں، تو ایسے حضرات کی اقتدا میں بھی نماز پڑھ لیتے ہیں، جو اکابر دیوبند کے نزدیک پکے اور خالص مشرک قرار پا چکے ہیں۔ ان کی نمازوں کی فکر

یترا صون فی الصف،

سیدنا جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور فرمایا کہ تم فرشتوں کی طرح صف نہیں باندھتے، اپنے پروردگار کے سامنے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور کس طرح صف بندی کرتے ہیں آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ پہلے پہلی صف کو پورا کرتے ہیں اور صف میں چونا گچ دیوار کی طرح مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

(سنن نسائی کتاب الامامة باب حث الامام علی رص الصفوف والمقاربة بینها، الحدیث ۸۱۷)

(۵) عن جابر بن سمرة قال قال رسول الله ﷺ، ألا تصفون کما تصف الملائکة عند ربهم؟ قلنا، وکیف تصف الملائکة عند ربهم؟ قال یتمون الصفوف المقدمة و یترا صون فی الصف،

سیدنا جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس طرح صفیں نہیں باندھتے جیسے پروردگار کے حضور فرشتے صفیں، باندھتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا فرشتے پروردگار کے حضور کیسے صفیں باندھتے ہیں، آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ پہلے اولین صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صفوں میں چونا گچ دیوار کی طرح کھڑے ہوتے ہیں۔

(سنن ابوداؤ کتاب الصلاة باب تسویة الصفوف، الحدیث ص ٦٦١)

(٦) عن انس بن مالك عن رسول الله ﷺ قال، رصوا صفوفکم وقار بوا بینها وحاذوا بالاعناق فوالذی نفسی بیده انی لاری الشیطان یدخل من خلل الصف کانها الحذف،

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفوں میں چونا گچ دیوار کی طرح مل کر کھڑے ہو، اور ایک صف دوسری صف کے قریب رکھو اور گردنوں کو برابر رکھو (یعنی ہموار جگہ پر صف بندی کرو) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں دیکھتا ہوں کہ صف کی خالی جگہ کے اندر شیطان گھس آتا ہے جیسا کہ بکری کا بچہ ہے

(سنن ابو داؤد کتاب الصلاة باب تسویة الصفوف، الحدیث ٦٦٧ وسنن نسائی کتاب الامامة باب حث الامام علی رص الصفوف والمقاربة بینها، الحدیث ٨١٦)

(۷) عن انس ان رسول الله ﷺ قال، رصوا صفوفکم وقاربوا بینها وحاذوا بالاکناق فوالذی نفسی بیده انی لاری الشیطان یدخل من خلل الصف کانها الخذف۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی صفوں میں چونا گچ دیوار کی طرح کھڑے ہو، اور ایک صف دوسری صف سے قریب رکھو اور کندھوں کو برابر رکھو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں دیکھتا ہوں کہ صف کی خالی جگہ کے اندر شیطان گھس آتا ہے

جیسا کہ بکری کا بچہ ہے۔
(ابن حبان (موارد) ص۱۱۳ رقم الحدیث ۳۸۷)

(۸) عن ابن عمران رسول اللہ ﷺ قال، اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم ولا تذروا فرجات للشیطان ومن وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطه الله۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صفوں کو قائم کرو اور کندھوں کو برابر کرو اور خالی جگہوں کو پُر کرو اور اپنے (نمازی بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ، اور شیطان کے لیے صف میں خالی جگہ نہ چھوڑو جو صف میں ملکر کھڑا ہوا سے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ملائیں گے اور جو صف کو کاٹے اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنی رحمت سے کاٹ دے گا۔
(ابو داؤ کتاب الصلاۃ باب تسویۃ الصفوف، الحدیث ٦٦٦)

(۹) عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ و ملائکۃ یصلون علی الصف الاول، سووا صفوفکم و سووا بین مناکبکم ولینوا لایدی اخوانکم وسدوا الخلل، فان الشیطان یدخل بینکم مثل الحذف

سیدنا ابی امامۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی صف والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت نازل کرتے ہیں اور اس کے فرشتے دعا رحمت کرتے ہیں۔ لہذا اپنی صفوں کو درست کرو اور کندھوں کو برابر کرو، اور اپنے (نمازی) بھائیوں کے ہاتھوں میں (آگے پیچھے کرنے کے لیے) نرم ہو جاؤ، اور (صف میں) خالی جگہوں کو پُر کرو، کیونکہ شیطان تمہارے درمیان میں بکری کے بچہ کی طرح داخل ہوتا ہے۔ (المعجم طبرانی کبیر ص۱۷٤) ج۸ رقم الحدیث ۷۷۲۷)

(۱۰) عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ ﷺ، ان اللہ وملائکتہ یصلون علی الصف الاول، قالوا، یا رسول اللہ ﷺ، و علی الثانی؟ قال و علی الثانی، قال، رسول اللہ ﷺ سووا صفوفکم و حاذوا بین منا کبکم، ولینوا فی ایدی اخوانکم، وسدوا الخلل فان الشیطان یدخل بینکم بمنزلۃ الحذف۔

سیدنا ابو امامۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی صف والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتے ہیں اور اس کے فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں، صحابہ نے عرض کیا کیا دوسری صف والوں پر بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں دوسری صف والوں پر بھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی صفوں کو درست کرو اور کندھوں کو برابر کرو، اور اپنے (نمازی) بھائیوں کے ہاتھوں نرم ہو جاؤ، اور خالی جگہوں کو پُر کرو (کیونکہ) شیطان تمہارے درمیان بکری کے بچہ کی طرح داخل ہوتا ہے۔

(مسند احمد ص۲۶۲ ج۵، ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔

(مجمع الزوائد ص۹۱ ج۲)

(۱۱) عن معاذ بن جبل عن النبیﷺ قال خطوتان احدهما احب الخطا الی الله عزوجل والاخری ابغض الخطا الی الله فاما الخطوة التی یحبها الله عزوجل فرجل نظر الی خلل فی الصف فسده واما التی یبغض الله فاذا اراد الرجل ان یقوم مد رجله الیمنی ووضع علیها واثبت الیسر ثم قام

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو قدموں میں سے ایک قدم اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ ہے اور دوسرا ناپسند ہے، وہ قدم جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے یہ ہے کہ آدمی صف میں شگاف دیکھئے تو آگے بڑھ کر اسے پر کردے ، اوروہ قدم جو اللہ کو نا پسند ہے وہ یہ ہے کہ انسان جب (نماز میں) اُٹھنے کا ارادہ کرے تو دایاں پاؤں آگے کرے پھر اس پر ہاتھ رکھ کر بائیں پاؤں کو جما کر کھڑا ہوا۔

(بیہقی ص۲۸۸ ج۲ ومستدرک حاکم ص۲۷۲ ج۱)

منذری نے اس کی تصحیح یا تحسین کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (الترغیب ص۳۲۳ ج۱)

حاکم نے شرط مسلم پر صحیح کہا ہے۔ ذہبی نے (تلخیص مستدرک ص۲۷۲ ج میں اور البانی نے الضعیفہ (۵۲۸۳) میں ضعیف قرار دیا ہے۔اورحق البانی و ذہبی کے ساتھ ہے۔

(۱۲) عن عائشة قالت قال رسول اللهﷺ ان الله و ملائکته یصلون علی الذین یصلون الصفوف و من سدفرجة رفعه الله بها درجة،

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت نازل کرتے ہیں اور فرشتے دعا کرتے ہیں جو صفوں کو جوڑتے ہیں اور جو شخص صف میں خالی جگہ کو پُر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کرتے ہیں

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوات باب اقامة الصفوف، الحدیث ۹۹۵، و مسند احمد ص۸۹ ج۲)

(۱۳) عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللهﷺ فاذا قمتم فاعد لوا صفوفکم و سدوا الفرج فانی أراکم من وراء ظهری،

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہو، تو صفوں کو برابر کرو اور درمیانی فرجہ (جگہ) کو بند کرو (کیونکہ) میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

(صحیح ابن خزیمة ص۲۳ ج۳ رقم الحدیث ۱۵۴۸، و مصنف ابن ابی شیبه ص۳۷۹ ج۱)

(۱۴) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ انه سمع رسول اللهﷺ یقول الاادلکم علی شئی یکفر الله به الخطایا و یزید به فی الحسنات قالوا بلی یا رسول اللهﷺ قال اسباغ الوضوء

عند المکارہ و کثرۃ الخطا الی ھذہ المساجد و انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ ما منکم من رجل یخرج من بیتہ متطھرا فیصلی مع المسلمین الصلوٰۃ فی جماعۃ ثم یقعد فی ھذا المسجد ینتظر الصلوٰۃ الأخری الا ان الملائکۃ، تقول اللھم اغفرلہ اللھم ارحمہ فاذا قمتم الی الصلوٰۃ فاعد لوا صفوفکم واقیموھا وسدوا الفرج فانی اراکم من وراء ظھری فاذا قال امامکم اللہ اکبر فقولوا اللہ اکبر واذا رکع فارکعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ، فقولوا اللھم ربنا لک الحمد، وان خیر صفوف الرجال المقدم و شرھا المؤخر و خیر صفوف النساء المؤخرو شرھا المقدم یا معشر النساء اذا سجد الرجال فاخفضن ابصارکن لا ترین عورات الرجال من ضیق الازر۔

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ علیہ التحیۃ والسلام فرما رہے تھے کہ کیا میں تم کو ایسی چیز سے آگاہ نہ کروں جس سے گناہ مٹ جاتے ہیں اور نیکیاں بڑھ جاتی ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ باوجود (سردی اور بیماری وغیرہ کی) تکلیف کے، صحیح طور پر وضو کرنا اور زیادہ قدم چل کر مسجد میں جانا، اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، تم میں سے کوئی بھی شخص طہارۃ کے ساتھ گھر سے نکلا اور مسجد میں مسلمانوں کے ساتھ با جماعت نماز ادا کی پھر وہیں مسجد میں ہی بیٹھ گیا دوسری نماز کے انتظار میں، آگاہ رہو اس کے لیے فرشتے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور رحمت کی دعا کرتے ہیں، پس جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو صفوں کو برابر اور قائم کرو اور درمیانی فرجہ (خلا) کو بند کرو، میں تمہیں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں، جب تمہارا امام، اللہ اکبر، کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ حمدہ، کہے تو تم، اللھم ربنا لک الحمد، کہو اور بلاشبہ مردوں کی اولین صفیں بہترین ہیں اور بد ترین آخری ہیں اور عورتوں کی بہترین صفیں آخری ہیں اور بدترین اولین ہیں، اے عورتوں کا گروہ جب مرد سجدہ کریں تو اپنی نظروں کو نیچے رکھو تاکہ مردوں کے تنگ ازار کی وجہ سے ان کی پردے کی جگہ پر نظر نہ پڑے۔

(السنن الکبریٰ للبیھقی ص۱۶ ج۲ و صحیح ابن حبان (موارد) ص۱۱۹ رقم الحدیث ۴۱۷)

(۱۵) عن ابی جحیفۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من سد فرجۃ فی الصف غفرلہ۔

سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صف میں فرجہ (خلا) بند کرے، اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔

(رواہ البزار باسناد حسن، الترغیب ص۳۲۲ ج۱)

(۱۶) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایای والفرج یعنی فی الصلوٰۃ

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں فرجہ (خلا) سے بچو،
(طبرانی کبیر ص١٥١ ج١١ رقم الحديث ١١٤٥٢)

(۱۷) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترا صوا الصوف فانی رایت الشیاطین تخللکم کانہا اولاد الحذف۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفوں میں چونا گچ دیوار کی طرح کھڑے ہو، میں دیکھتا ہوں کہ شیاطین تمہارے درمیان داخل ہوتے ہیں جیسے بکری کا بچہ (داخل ہوتا ہے) (مسند ابو یعلی الموصلی ص١٠١ ج٣ رقم الحديث ٢٦٠٠)

(۱۸) عن عبداللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیار کم الینکم مناکب فی الصلوٰۃ وما من خطوۃ اعظم اجرا من خطوۃ مشاھا رجل الی فرجۃ فی الصف فسدھا۔

سیدنا عبداللہ بن بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جن کے کندھے نرم ہوتے ہیں نماز میں، اور کوئی ایسا قدم نہیں اجر کے لحاظ سے بڑا اس قدم سے کہ آدمی چل کر صف میں فرجہ کو بند کرے۔
(طبرانی الاوسط ص١٠٣ ج٦ رقم الحديث ٥٢١٣ و مجمع الزوائد ص٩٠ ج٢ و اللفظ له)

(۱۹) عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سد فرجۃ فی صف رفعہ اللہ بہا درجۃ و بنی بیتا فی الجنۃ،

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے صف میں سے فرجہ (خالی جگہ) بند کیا تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کے لیے جنت میں ایک قصر تعمیر کیا جاتا ہے۔ (طبرانی الاوسط ص٣٧٢ ج٦ رقم الحديث ٥٧٩٣)

(۲۰) عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استووا تستو قلوبکم و تماسوا تراحموا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نماز میں صفوں کو) خط مستقیم پر بناؤ اللہ تعالیٰ تمہارے دل سیدھے کر دے گا، اور ایک دوسرے سے چمٹ کر کھڑے ہو، تم پر رحم کیا جائے گا۔
(طبرانی الاوسط ص٥٦ ج٦ رقم الحديث ٥١١٧)

(۲۱) عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم قال استووا وترا صوا فواللہ انی لاراکم من خلفی کما اراکم من بین یدی،

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفوں کو خط مستقیم پر رکھو اور آپس میں مل جل کر کھڑے ہو، اللہ کی قسم میں جیسے تم کو آگے سے دیکھتا ہوں ایسے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔
(مسند احمد ص٢٨٦ ج٣)

(۲۲) عن ابی القاسم الجدلی قال سمعت النعمان بن بشیر یقول اقبل رسول اللهﷺ علی الناس بوجهه فقال اقیموا صفوفکم، ثلاثا، والله! لتقیمن صفوفکم اولیخالفن الله بین قلوبکم، قال، فرأیت الرجل یلزق منکبه بمنکب صاحبه و رکبته برکبة صاحبه و کعبه بکعبه۔

امام ابو قاسم جدلی سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر تین دفعہ فرمایا کہ اپنی صفوں کو قائم کرو، اللہ تعالیٰ کی قسم تم اپنی صفوں کو برابر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں پھوٹ ڈال دے گا۔ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (تعمیل ارشاد میں صحابہ کرام کو) میں نے دیکھا کہ ہر شخص اپنے ساتھ والے نمازی کے کندھے سے کندھا گھٹنے سے گھٹنا اور ٹخنے سے ٹخنا ملا کر کھڑا ہوتا۔

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب تسویۃ الصفوف، الحدیث ٦٦٢ و مسند احمد ص٢٧٦ ج٤ و دارقطنی ص٢٨٣ ج١ و بیهقی ص١٠١ ج٣ و ابن حبان رقم الحدیث ٢١٧٣)

مشکل الفاظ کے معانی: قارئین کرام اس سلسلہ میں مزید احادیث بھی ہم بفضلہ تعالیٰ نقل کر سکتے ہیں۔ لیکن انہیں پر اکتفا کرتا ہوں، ہاں البتہ ان احادیث میں آنے والے چند الفاظ نبویہ کا ہم لغوی معنی و مفہوم بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انوار صاحب نے بھی انہیں احادیث میں سے بعض کو نقل کر کے، تحریف معنوی کر کے مغالطہ دیا ہے۔ پہلے معانی ملاحظہ کیجئے بعد میں انوار صاحب کی فضولیات پر تبصرہ پڑھیے۔

رَصٌّ کے معنی دو چیزوں کو باہم ملا کر جوڑ دینے کے ہیں۔ علامہ راغب فرماتے ہیں۔ تراصوا فی الصلوٰۃ ای تضایقوا فیها، یعنی نماز کی صف میں باہم پیوستہ ہو کر کھڑا ہونا (المفردات ص۱۹۶) علامہ فتنی فرماتے ہیں، تراصوا فی الصفوف، ای تلاصقوا حتی لا تکون بینکم فرج، یعنی اس کا معنی ہے صفوں میں مل کر کھڑے ہونا کہ تمہارے درمیان کوئی فرجہ نہ رہے، (مجمع بحارالانوار صاحب ۳۳۴ ج۲) علامہ فیروز آبادی فرماتے ہیں۔ رصه الزق بعضه ببعض و ضم، یعنی ایسا مل کر کھڑا ہونا کہ گویا ایک دوسرے کے ساتھ ضم ہو جانا (القاموس ص۵۵۷) علامہ ابن منظور افریقی فرماتے ہیں۔ تراصوا فی الصلاۃ ای تلاصقوا قال الکسائی التراص ان یلصق بعضهم ببعض حتی لا یکون بینهم خلل ولا فرج، یعنی اس کا معنی مل کر کھڑا ہونا علامہ کسائی فرماتے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ ایسا ملنا کہ درمیان میں کوئی خلا اور فرجہ نہ رہے (لسان العرب ص۴۰ ج۷) علامہ زبیدی نے بھی امام کسائی سے یہ نقل کیا ہے، (تاج العروس ص۳۹۸ ج۴)

اس لغوی معنی کو ملحوظ رکھا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ نمازی آپس میں ایسے مل جل کر

کھڑے ہوں کہ ایک دوسرے کے ساتھ ضم ہو جائیں۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کندھوں اور قدموں کو ملایا جائے، کیونکہ رص کا یہ معنی نہیں کہ دو چیزوں کے اوپر کے حصہ کو ملایا جائے اور نیچے کے حصے میں کسی قدر فاصلہ ہو، الغرض یہ لفظ کندھوں اور قدموں کو ملانے کی دلیل ہے۔

فرج :کے معنی دو چیزوں کے درمیان شگاف کے ہیں، علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ کل فرجة شیئین فهو فرج (اساس البلاغۃ ص۳۳۷) یعنی دو چیزوں کے درمیان شگاف کو فرجہ کہتے ہیں، عربی کا مقولہ فرج القوم للرجل، کا معنی کرتے ہوئے علامہ فیومی فرماتے ہیں، او سعوا فی الموقف والمجلس و ذلك الموضع فرجة، یعنی کسی کے لیے مجلس میں توسیع کر کے بٹھانا، اور یہی جگہ فرجہ ہے (المصباح المنیر ص۴۶۵)

لغت کی جدید ڈکشنری المعجم الوسیط ص۶۷۸ میں ہے، فرج، بین الشیئین، فرجا، یعنی دو چیزوں کے درمیان شگاف کو فرجہ کہتے ہیں۔ الغرض شگاف کو فرجہ کہتے ہیں اور اسی کو مٹانے کا نبی علیہ السلام نے حکم وارشاد فرمایا ہے، اس حکم وفرمان کا کیا معنی ہے؟ آیئے آئمہ لغت کی صراحت ملاحظہ کیجئے۔ علامہ محمد طاہر پٹنی مرحوم فرماتے ہیں۔

ولا تذروا فرجات للشیطان جمع فرجة وهی خلل یکون بین المصلین فی الصفوف۔

اور شیطان کے لیے فرجات نہ چھوڑو، فرجات، فرجہ کی جمع ہے اور صفوں میں دو نمازیوں کے درمیانی خلاء کو فرجہ کہتے ہیں (مجمع بحار الانوار ص۱۱۶ ج٤) یہی معنی علامہ ابن منظور افریقی نے کیا ہے (لسان العرب ص۳٤۱ ج۲)

آئمہ لغت کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ، فرجہ، دو چیزوں کے درمیان شگاف کو کہتے ہیں، اور الفاظ نبوی ﷺ، لاتذروا فرجات، کا یہ مفہوم ہوا کہ دو نمازیوں کے درمیان شگاف نہ ہو خواہ وہ کندھوں کے درمیان ہو یا پاؤں کے بیچ میں، اس سے ثابت ہوا کہ صرف کندھے ملانا ہی مطلوب نہیں بلکہ نمازی ایک دوسرے کے پاؤں سے پاؤں کو ملائیں، کیونکہ اس لفظ کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ زمین سے چار پانچ فٹ اوپر کے شگاف کو فرجہ کہتے ہیں۔ بلکہ مطلق شگاف کو فرجہ کہتے ہیں۔ خواہ وہ دو نمازیوں کے اوپر ہو یا نیچے ہو۔ اس لغوی صراحت سے انوار صاحب کے اس وہم کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے جو انہوں نے سنت کا مذاق اُڑاتے ہوئے لکھا ہے کہ قدم ملانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس طرح گو قدم سے قدم تو مل جاتے ہیں لیکن اپنی ٹانگیں چوڑی ہو جانے کی وجہ سے خود اپنی ٹانگوں کے درمیان انتہائی بھدی شکل میں فرجہ اور خلل پیدا ہو جاتا ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص۵۱۷)

ہم اوپر علامہ فتنی اور ابن منظور وغیرہ آئمہ لغت کی صراحت دکھا چکے ہیں کہ اپنے پاؤں کے درمیانی

فاصلہ کو ختم کرنا مقصود نہیں بلکہ دوسرے نمازی اور اپنی درمیانی جگہ کو ختم کرنا مطلوب ہے، اور یہی حدیث کا مفہوم ہے، مگر انوار صاحب کی بھدی عقل اور فقاہت کا کمال دیکھئے کہ وہ انسانی ٹانگوں کے درمیانی حصہ کو فرجہ کہتے ہیں مگر اس پر کوئی دلیل درج نہیں کرتے۔

شکر ہے انہوں نے کہیں یہ نہیں کہہ دیا کہ لغت کی کتابوں میں، قبل اور دبر، کو بھی فرجہ کہتے ہیں (تاج العروس ص۸۳ ج۲) لہذا ان دونوں شگافوں میں کوئی چیز ٹھونس کر بند کرنا چاہیے۔

لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم۔

اگر ایسا کہہ دیتے تو ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے تھے، سنئے آپ کے علامہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ **عند الفقهاء الاربعة اى ان لا يترك فى البين فرجة تسع فيها ثالثا،** یعنی فقہاء اربعۃ کے نزدیک فرجہ وہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان تیسرا گھس جائے۔

(فیض الباری ص۲۳۶ ج۲) گو اس بیان میں علامہ کاشمیری نے ڈنڈی ماری ہے کہ اتنا شگاف ہو جس میں تیسرا آدمی داخل ہو سکے مگر یہ تسلیم کر لیا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیانی شگاف کو فرجہ کہتے ہیں۔

خلل: دو چیزوں کے درمیان کوئی جگہ جو آپس میں مربوط ہو، کو خلل کہتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ **وفجرنا خللهما نهراً** (الکہف ۳۳) اور ان دونوں باغوں میں ہم نے نہر جاری کر رکھی تھی (۱۸ تا ۳۳)

آئمہ لغت نے اس کا معنی، **الخلل فرجة بين الشئين،** یعنی دو چیزوں کے درمیانی فرجہ کو خلل کہتے ہیں۔

(المفردات القرآن ص۱۵۳ و المصباح المنير ص۱۸۰و القاموس ص۸۹۵ و لسان العرب ص۲۱۳ ج۱۱ و تاج العروس ص۳۰۷ ج۷ و المعجم الوسيط ص۱۵۳ وغیرہ)

محترم قارئین کرام جب آپ نے اس بات کو بخوبی جان لیا کہ دو چیزوں کے درمیانی فرجہ کو خلل کہتے ہیں، اور احادیث میں آیا ہے کہ، **سدوا الخلل،** یعنی خلل کو بند کرو، اس کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ فتنی مرحوم فرماتے ہیں۔ **سدوا الخلل، اى الفرجة بين الشخصين فى الصف،** یعنی صف میں دو شخصوں کے درمیانی فرجہ کو بند کرو۔

(مجمع بحار الانوار ص۱۰۷ ج۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس خلل کو بند کرنے کا حکم نبوی ﷺ ہے وہ دو نمازیوں کے درمیانی خلا کے بارے ہے، خواہ وہ خلا کندھوں کے درمیان ہو یا پاؤں کے درمیان میں ہو، بہرحال فرمان نبوی ﷺ یہی ہے کہ اسے بند کرو، جس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ کندھے سے کندھا اور قدم کے ساتھ قدم

کو ملایا جائے، اس لفظ کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ اوپر سے تو وہ مل جائیں جبکہ نیچے سے ان کے درمیان فاصلہ ہو، جو اس بات کا مدعی ہے وہ دلیل دے۔

صفوں کو قائم کرنے کا مفہوم: پہلی دونوں احادیث میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے صفوں کو قائم کرنے کا حکم دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعمیل ارشاد میں صفوں کو قائم کیا، مگر کیسے کیا؟ صحابی کہتا ہے، و کان احدنا یلزق منکبه بمنکبه و قدمه بقدمه، اور ہم میں سے ہر شخص اپنا کندھا اپنے ساتھ والے نمازی کے کندھے سے اور اپنے قدم کو ساتھ والے نمازی کے قدم سے ملا دیتا تھا (بخاری رقم الحدیث ۷۲۵)

جس سے ثابت ہوا کہ صفوں کو قائم کرنے کا یہی معنی ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غلط سمجھا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی جان بوجھ کر اس غلطی کا ازالہ نہ کیا، کیوں؟ اس لیے کہ اسی حدیث میں یہ فرمان بھی ہے کہ میں جیسے آگے سے دیکھتا ہوں ویسے ہی تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں، مگر آپ علیہ التحیۃ والسلام نے دیکھ کر بھی اصلاح نہ کی، حالانکہ آپ علیہ السلام امت کی اصلاح کرنے کے مکلّف تھے، اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ آپ علیہ السلام کے ارشاد کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے درست سمجھا اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی عمل کی توثیق کی، توثیق اس بات کی دلیل ہے کہ عمل صحابہ کرام حکم نبوی کی عملی تفسیر ہے، مگر انوار صاحب بھولے پن سے فرماتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی حدیث میں قدم سے قدم ملانا نہ قولاً ثابت ہے نہ فعلاً۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۱۴)

اس عبارت میں صاف اعتراف ہے کہ قدم سے قدم کا ملانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریراً ثابت ہے، ورنہ انوار صاحب حدیث کی اس قسم کی بھی نفی کرتے، مگر انہوں نے اس کی نفی نہیں کی، جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ انوار صاحب کو اعتراف ہے کہ تقریری حدیث موجود ہے، ہم کہتے ہیں کہ چلو اس کو ہی تسلیم کر لو، مگر صراحت کرو کہ آیا آپ تقریری حدیث کو حجت تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر کرتے ہیں یقیناً کرتے ہیں۔ تو پھر آپ کے پاس قدم سے قدم ملانے کا رد کرنے کا کوئی جواز موجود ہے، نہیں ہرگز نہیں، ہم یہاں اس بات کی بھی صراحت کر دینا چاہتے ہیں کہ قدم سے قدم ملانے کی حدیث قولی ہے، گو الفاظ صحابی کے ہیں۔ کیونکہ یہ حکم نبوی کی عملی تفسیر ہے۔

فصل دوم

انوار صاحب نے کوئی حدیث ایسی نقل نہیں کی کہ جس کا یہ معنی و مفہوم ہو کہ صرف کندھے ہی ملائے جائیں قدموں کے درمیان فرجہ وخلل رہے ہاں ان احادیث کو نقل کیا ہے جو حنفی مذہب کے خلاف ہیں مگر معنوی تحریفات کر کے اُلٹو سیدھا کیا ہے، اب ترتیب وار انوار صاحب کی فضولیات کا جواب سنیئے۔

(۱) فرماتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ ہم میں سے ایک اپنا قدم اپنے ساتھی کے قدم سے ملا دیتا تھا، اس سے آپ کا مقصد صف بندی اور درمیان سے خلاء کو پُر کرنے میں انتہائی اہتمام بتلانا ہے، نہ کہ حقیقتاً قدم سے قدم ملانا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۱۴)

گویا آپ کے نزدیک یہ مجاز ہے، حقیقت قطعاً نہیں، محترم مجازی معنی لینے کے لیے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے، یہاں کونسا لفظ قرینہ ہے جس کی وجہ سے آپ اسے حقیقت کی بجائے مجاز قرار دے رہے ہیں۔ بلا دلیل آپ کو حقیقت سے مجاز کی طرف کوئی نہیں لانے دے گا۔ محترم مجاز مراد نہ ہونے پر حدیث کے الفاظ گواہ ہیں ورنہ تقدیر عبارت یوں ہوتی، **کانها احدنا** الخ مگر ایسا قطعاً نہیں بلکہ، **کان احدنا**، کے الفاظ ہیں۔ پھر، **يترا صون في الصف**، **رصوا صفوفكم**، **سدو الخلل سدوا الفرج**، وغیرہ کے الفاظ مجازی معنی کو رد کرتے ہیں۔ خود انوار صاحب کا دل بھی مجاز پر راضی نہیں یہی وجہ ہے کہ آگے چل کر بحوالہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ مبالغہ ہے،" (۵۱۵) سوال پیدا ہوتا ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کس چیز کو مبالغہ قرار دیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو یا سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے حکایت عمل کو؟ محترم حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان میں سے کسی چیز کو بھی مبالغہ قرار نہیں دیا، آپ غور سے فتح الباری کا مطالعہ کریں وہ امام بخاری کے ترجمہ باب کو مبالغہ قرار دے رہے ہیں، پھر مبالغہ کا یہاں مقصود، حد سے زیادہ، نہیں بلکہ انتہائے حد بتانا ہے، کیونکہ مبالغہ کا لفظ بلغ سے مشتق ہے **بالغ يبالغ مبالغة و بلاغا، اذا اجتهد في الامر**، یعنی جب کسی چیز میں کوشش کی جائے تو اسے مبالغہ کہتے ہیں۔

(مجمع بحار الانوار ص۲۱۹ ج۱ و لسان العرب ص۴۲۰ ج۸ و تاج العروس ص۵ ج۶)

الغرض حافظ ابن حجر رحمہ اللہ یہ بتا رہے ہیں کہ کندھوں اور ٹخنوں کو خوب ملایا جائے، افسوس انوار صاحب عربی کے مبالغہ کو اردو کا مبالغہ سمجھ بیٹھے ہیں۔ محترم اگر وہ مفہوم ہوتا جو آپ سمجھ بیٹھے ہیں تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، غلو، کا لفظ استعمال کرتے۔

پھر فرماتے ہیں کہ کندھے سے کندھا گھٹنے سے گھٹنا ٹخنے سے ٹخنہ ملا ہوا ہو، ناممکن اور محال ہے (۵۱۵) محترم آپ کی یہ بات فضول ہے، آخر کس ضرورت کے تحت آپ نے کتاب میں یہ باب

باندھا ہے، اگر اس پر عمل ہی متروک ہے تو رد کس کا کر رہے ہو، الغرض اس پر عمل ناممکن نہیں بلکہ بفضلہ تعالیٰ جماعت اہل حدیث کا اس پر عمل ہے، آخر میں مولانا فرماتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ صف بندی کا یہ انداز دور رسالت میں تھا، بعد میں نہیں رہا (۵۱۵) انوار صاحب آخر عقل تو اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو دی ہے، اپنے حیلوں اور بہانوں پر غور کریں۔

الف، مجاز ہے اور اس پر عمل ناممکن ہے، ب، یہ انداز دور رسالت میں تھا بعد میں نہیں رہا، قارئین کرام نتیجہ آپ کے سامنے ہے کہ انوار صاحب وضاحت کریں کہ ہم انہیں کس قول میں کاذب قرار دیں، مجاز کہنے میں، یا عمل کے متروک ہونے میں، اگر آپ ہم پر چھوڑتے ہیں تو ہم آپ کو مجاز کہنے میں جھوٹا کہتے ہیں، رہا یہ امر کہ دور رسالت کے بعد لوگوں نے ترک کر دیا تھا، تو اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ آپ نے جو عبارت نقل کی ہے اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں، صرف یہ بیان ہے کہ اگر میں ایسا کروں تو وہ بدکے ہوئے خچر کی طرح بھاگے۔

اس میں عامۃ الناس مراد ہیں، دوسری بات یہ کہ یہ قول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا نہیں بلکہ امام معمر بن راشد کا ہے، آپ نے جو عبارت نقل کی ہے اس سے پہلے یہ الفاظ موتیوں کی طرح لکھے ہوئے ہیں۔

و زاد معمر فی روایة (فتح الباری ص۱۶۸ ج۲) لھذا لو فعلت، کا فاعل امام معمر ہیں سیدنا انس رضی اللہ عنہ قطعاً نہیں، اور امام معمر کبائر اتباع تابعین سے ہیں،

اور ان کی وفات بعمر ۵۸ سال ۱۵۲ھ میں ہوئی تھی (تھذیب ص۲۴۵ ج۱۰) گو یہ خیر القرون کا زمانہ تھا مگر بدعتی حضرات کی کمی بھی نہ تھی۔

واضح رہے کہ امام معمر اہل حدیث کا ہی موقف رکھتے تھے، اس لئے تو وہ منکرین کو خچر (گدھے کا بیٹا) سے تعبیر کر رہے ہیں۔ الغرض یہ نکیران کے مؤقف کی ترجمان ہے کہ وہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے موافق عمل کرتے تھے، مگر انوار صاحب کی فقاہت دیکھئے وہ اس سے متروک ہونے کا استدلال کر رہے ہیں، پھر اس کوڑ میں کھاج فرماتے ہیں کہ

یہ بھی معلوم ہوا کہ صف بندی کے حقیقی معنی میں قدم سے قدم ملانا سنت نہیں ہے کیونکہ اگر یہ سنت ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام اسے ہرگز نہ چھوڑتے اور نہ اس عمل سے اس قدر متنفر ہوتے

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۱۶)

کس صحابی نے اس پر عمل نہ کیا؟ بحوالہ اس کی صراحت کریں، تابعین میں سے کون اس کا منکر ہے اس کی وضاحت بھی درکار ہے، اور کس نے اس سے نفرت کی ہے، ذرا انوار صاحب حسن سند سے روایت ہی دکھا دیں، آپ کی لفاظی دلیل نہیں بلکہ یہاں نقل صحیح کی ضرورت ہے۔ ہم پوری ذمہ داری سے عرض کرتے ہیں کہ یہ کذب و افترا اور سینہ گزٹ بات ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ تو فرماتے ہیں کہ ہم

(صحابہ کرام) میں سے ہر شخص قدم سے قدم اور کندھے سے کندھا ملاتا تھا (بخاری رقم الحدیث ۷۲۵) مگر جامعۃ مدنیہ کا بوڑھا استاد کہتا ہے کہ وہ اس عمل سے نفرت کرتے تھے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نماز میں دونوں قدم ساتھ جوڑ کر کھڑے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اس نے سنت کے خلاف کیا۔ اگر یہ شخص مراوحۃ کر لیتا تو مجھے یہ زیادہ پسند تھا، مراوحۃ، یہ ہوتا ہے کہ نمازی طول قیام کی وجہ سے کبھی ایک پاؤں پر کھڑا ہو جائے اور کبھی دوسرے پاؤں پر اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ مراوحہ کی یہ صورت دونوں پاؤں کے درمیان تھوڑی سی کشادگی سے حاصل ہوتی ہے، (حدیث اور اہل حدیث ۵۱۶)

الف، یہ واقعہ غیر جماعت کا ہے، اور بات جماعت میں صف بندی کے متعلق ہے، اگر یہ با جماعت نماز کا ذکر ہوتا تو الفاظ اس طرح ہوتے، انه راى رجلا يصلي مع الناس، مگر اثر کے الفاظ، انه رأرجلا يصلي، کے ہیں (سنن نسائی رقم الحدیث ۸۹۳)

'ب' مراوحہ کی صورت تب بھی حاصل ہو جاتی ہے جب کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملایا جائے، تجربہ کر لیجئے، ہاں اگر انوار صاحب انکار پر ہی اصرار کریں تو ضد لا علاج مرض ہے، ت، جس شخص نے نماز میں ایسا کیا وہ لازمی تابعی تو ہوگا، اور اس نے سنت کو بھی ترک کر دیا، اور آپ کے نزدیک تابعی کا سنت کے خلاف عمل کرنا سنت کی نفی کو مستلزم ہے، آپ کے الفاظ ہیں۔

اگر یہ سنت ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام اسے ہرگز نہ چھوڑتے

(۵۱۶ سطر ۲و۳)

آپ نے اس اصول کی روشنی میں یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ اپنے دونوں قدموں کو ملانا ہی سنت ہے، آخر آپ دوسرے سے قدم ملانے کے متعلق تو یہ کہتے ہیں یہاں ایسا دعویٰ کیونکہ نہیں کرتے، ،ث،، یہ روایت ضعیف ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے، ابو عبیدہ، ہیں اور ابو عبیدہ کی اپنے والد محترم سے ملاقات و سماع نہیں ہے، جیسا کہ امام ابو حاتم نے صراحت کی ہے (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۲۵۶) امام بیہقی نے اسے مرسل قرار دیا (بیہقی ص ۲۸۸ ج ۲) اور علامہ البانی نے ضعیف قرار دیا ہے (ارواء الغلیل ص ۷۳ ج ۲،، ۳۵۵)

(۳) فرماتے ہیں۔ یہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل تھا، آپ نماز میں دونوں پاؤں نہ بہت زیادہ کھلے رکھتے تھے نہ بالکل ملا کر بلکہ فطری ہیئت کے مطابق کھڑے ہوتے تھے، جیسا کہ المغنی کی روایت سے ظاہر ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۱۶)

روایت کے متن میں فطری ہیئت کا قطعاً ذکر نہیں، علاوہ ازیں اس کو اگر قبول بھی کر لیا جائے تو تب بھی ہمارے موافق ہے مخالف قطعاً نہیں جیسا کہ انوار صاحب بتا رہے ہیں، فطری ہیئت یہی ہے کہ

کندھوں کے برابر پاؤں کو پھیلایا جائے، جس سے قدم سے قدم بھی مل جاتا ہے اور کندھے سے کندھا بھی جڑ جاتا ہے۔ یہ قطعاً فطری ہئیت نہیں کہ دونوں قدموں کے درمیان چار انگلیوں کا فاصلہ رکھا جائے، جیسا کہ انوار صاحب نے بحوالہ شامی ص۴۴۴ ج ۱ صراحت کی ہے،

(۴) اس میں بلا وجہ تکلف کرنا پڑتا ہے، چنانچہ مشاہدہ سے ظاہر ہے، یہ خشوع کے بھی خلاف ہے۔ اس سے رکوع و سجود میں دشواری ہوتی ہے، صف بندی کا اہتمام تو صرف نماز کے شروع ہوتے وقت کیا جاتا ہے اور اس طرح ٹانگیں چوڑی کر کے قدم سے قدم ملانا یہ ہر رکعت کے شروع میں کرنا پڑتا ہے جو خلاف سنت ہے (حدیث اور اہل حدیث ۵۱۷)

الف، محترم غور کریں آپ تعلیم نبوی کو تکلف کہہ رہے ہیں، اگر آپ وضو اور قیام و سجود کو بھی تکلف کہہ دیں تو ہم آپ کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ ہم شرعی دلیل سے ثابت کرتے ہیں مگر آپ اس کو بلاوجہ کہتے ہیں۔ ،،ب،، گویا آپ کے نزدیک ہر وہ چیز خشوع کے خلاف ہے جس میں مشقت پائی جائے، گویا طول قیام اور ایک رکن سے دوسرے میں انتقال بھی آپ کے نزدیک خشوع کے خلاف ہے، یہ اچھا خشوع ہے جو فرمان نبوی کے خلاف ہے،، ت،، ہم اس پر بفضلہٖ تعالیٰ عمل کرتے ہیں، ہم سے پوچھیئے؟ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ اس سے رکوع و سجود میں دشواری نہیں ہوتی، علاوہ ازیں دشواری ہونے سے شرعی حکم کی نفی نہیں ہوتی، کیا جون جولائی میں رمضان کے روزے رکھنے، جہاد کے لئے نکلنا، ہجرت کرنی، حج کرنا، زکاۃ دینی، دشواری نہیں؟ تو کیا اس سے ان احکام کی نفی ہو جائے گی، نماز تو فی نفسہ بھی دشواری ہے، اس وجہ سے ہی تو اس کی بار بار تاکید کی گئی ہے جبھی تو اس کے فضائل بیان ہوئے، تو کیا اس سے نماز کی فرضیت کی نفی ہو جائے گی، نہیں ہرگز نہیں،، ث،، آپ کے پاس کیا دلیل ہے، کہ صف بندی فقط شروع نماز کے وقت ہی ہوتی ہے، شریعت نے اقامت صلوٰۃ کے بعد اس کی تلقین نہیں کی، محترم غور کیجئے نبی مکرم ﷺ صف بندی کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں جبکہ صفوں کو درست کراتے وقت تو حضور علیہ السلام کا منہ قبلہ کی بجائے مقتدیوں کی طرف ہوتا تھا۔ آپ غور سے اپنی لکھی ہوئی کتاب کا ہی مطالعہ کریں، اس کے ص۵۰۹ میں بحوالہ بخاری ص۱۰۰ ج ۱ آپ نے حدیث نقل کی ہے جس کا ترجمہ آپ یہ کرتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز کی تکبیر ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا دیکھو صفوں کو برابر رکھو اور مل کر کھڑے ہو بلا شبہ میں تمہیں اپنی پشت کی طرف سے دیکھتا ہوں۔

امام بخاری نے اس پر عنوان باندھا ہے، **باب اقبال الامام علی الناس عند تسویة الصوف،** یعنی امام کا صفیں برابر کرتے وقت لوگوں کی طرف منہ کرنا، اور حدیث میں صاف یہ الفاظ بھی ہیں۔ فاقبل علینا رسول اللہ ﷺ بوجھه، یعنی آپ علیہ السلام نے ہماری طرف منہ کیا (آگے مذکورہ حدیث

ہے) مگر آپ نے اس کا معنی متوجہ ہونا کیا ہے۔ جو آپ کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے، خیر ہم بتانا یہ چاہتے ہیں کہ اس حدیث کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ حضور علیہ السلام اقامت کے بعد مقتدیوں کو صفیں درست کرنے کا کہتے اور منہ نمازیوں کی طرف ہوتا دوسرا یہ کہ حضور علیہ السلام اپنی پشت سے بھی دیکھتے تھے۔

اس حدیث کا مطلب صاف ہے کہ صف بندی کا حکم نماز کے اندر بھی ہے، ورنہ نبی ﷺ یہ نہ بتلاتے کہ میں تم کو پشت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں، غالباً انوار صاحب اتنے بھی نادان نہ ہوں گے کہ یہ بھی نہ جانتے ہوں کہ نماز کی حالت میں امام کی پشت مقتدیوں کی طرف ہوتی ہے، الغرض اس حدیث کا واضح مطلب ہے کہ حالت نماز میں بھی صف بندی قائم رکھو، مگر افسوس انوار خورشید کو یہ کہتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں کہ صف بندی کا اہتمام تو صرف نماز شروع ہوتے وقت کیا جاتا ہے، (۵۱۷)

ان کے لفظ، صرف، پر غور کریں اور ان سے پوچھیئے کہ اگر امام کی تکبیر تحریمہ کے بعد صفوں کو توڑ دیا جائے تو کیا ایسا جائز ہے، اگر نہیں یقیناً نہیں تو محترم صف بندی کا اہتمام پوری نماز میں مطلوب ہے، آخری حربہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین کو چاہیئے کہ گردن سے گردن بھی ملایا کریں، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کا بھی تذکرہ ہے (۵۱۹)

اگر آپ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے گردن ملانے کا حکم ثابت کر دیں تو ہماری طرف سے صحاح ستہ کا مصری نسخہ آپ کے لیے تحفہ رہا، اگر ثابت نہ کر سکے یقیناً ثابت نہیں کر سکتے، تو ہم آپ سے کسی انعام کے طلب گار نہیں، صرف اتباع سنت اور ترک تقلید کی دعوت دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے، باقی رہا سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں، حاذو بالاعناق، کے الفاظ سے انوار صاحب کا گردن ملانے کا استدلال تو وہ قطعی طور پر باطل ہے، لفظ حاذو بمعنی برابر آتا ہے، حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نمازی ہموار جگہ پر صفیں بنائیں، مفصل دیکھئے (تحفہ حنفیہ ص ۱۶۰ ج ۱)

قارئین کرام پوری بحث آپ کے سامنے ہے، قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی دلیل سے بھی انوار صاحب پاؤں سے پاؤں نہ ملانے کا ثبوت نہیں دے سکے اور نہ ہی اپنے دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلیوں کے فاصلہ کا ثبوت پیش کیا ہے اور نہ ہی جس طرح حنفی فرجہ اور خلا چھوڑ کر صفیں بناتے ہیں، اس کا ثبوت دیا ہے، ہمارے ہاں بسا اوقات تبلیغی جماعت آتی ہے، وہ کندھے سے کندھا بھی نہیں ملاتے۔

اگر انہیں تلقین کی جائے تو بڑی مجبوری سے مل تو جاتے ہیں مگر پتہ نہیں پشتو میں کیا کیا کہتے رہتے ہیں۔ ابھی ایک دو دن ہی ہوئے ہیں کہ جماعت آئی ہوئی تھی، خاکسار نے انہیں بار بار مسئلہ سمجھایا، ہر نماز پر تاکید کی، انوار صاحب کی کتاب سے کندھے سے کندھا ملانے کا ثبوت بھی دیا مگر ان کی عادت ہی ایسی بنی ہوئی تھی کہ (وہ آمین تو اونچی آواز سے کہہ دیتے تھے) مگر کندھے نہیں ملاتے تھے، وکفی باللہ شہیدا۔

(۴۶) باب ایک ہی مسجد میں دوسری جماعت

فصل اول

(۱) عن ابی سعید قال جاء رجل وقد صلی رسول اللهﷺ فقال ایکم یتجر علی هذا فقام رجل فصلی معه۔

سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو ایک شخص آیا آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا۔ تم میں سے کون ہے جو اس (ثواب کے حصول) کی تجارت کرے، ایک آدمی کھڑا ہوا اس نے (دوبارہ) اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

(سنن ترمذی کتاب الصلاۃ باب ما جاء فی الجماعة فی مسجد قد صلی فیه مرة، الحدیث ۲۲۰ و بیهقی ص۴۹ ج۳)

(۲) عن ابی سعید الخدری (رضی الله عنه) ان رسول اللهﷺ ابصر رجلا یصلی وحده فقال الا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه۔

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کیا کوئی شخص اس پر صدقہ نہیں کر دیتا کہ اس کے ساتھ نماز پڑھے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب فی الجمع فی المسجد مرتین، الحدیث ۵۷۴ و مسند احمد ص۶٤ ج۳)

(۳) عن ابی سعید الخدری قال صلی رسول اللهﷺ با صحابه الظهر، قال، فدخل رجل من اصحابه فقال له النبیﷺ ما حبسك یا فلان عن الصلاة؟ قال فذکر شیئا اعتل به، قال، فقام یصلی، فقال رسول الله صلی اللهﷺ الا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه؟ قال، فقام رجل من القوم فصلی معه۔

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی تو آپ کے صحابہ کرام میں سے ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، تو آپ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ اے فلاں تجھے کس چیز نے نماز سے روک رکھا تھا، اس نے وہ چیز ذکر کی جس نے اسے گھیر رکھا تھا، پھر صحابی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے، اس پر ایک آدمی کھڑا ہوا اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

(مسند احمد ص۸۵ ج۳ وقال الهیثمی ورجاله رجال الصحیح، مجمع الزوائد ص٤٥ ج۲)

(۴) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان النبیﷺ رأی رجلا یصلی فی المسجد وحده بعد ما صلی فقال ألا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو جماعت کے بعد اکیلا نماز پڑھ (نے کی تیاری کر) رہا تھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کون ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے،

(معجم طبرانی صغیر ص۲۶۳ ج۱ الحدیث ۶۰۶)

(۵) عن ابی سعید الخدری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابصر رجلا یصلی وحده فقال ألا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه۔

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو اکیلا ہی نماز پڑھ (نے کی تیاری کر) رہا تھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کون ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ (مکرر با جماعت) نماز پڑھے

(مستدرک حاکم ص۲۰۹ ج۱)

(۶) عن ابی سعید الخدری قال دخل رجل المسجد و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد صلی، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ألا من یتصدق علی هذا فیصلی معه؟

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کون ہے جو اس پر صدقہ کر کے اس کے ساتھ نماز پڑھے (صحیح ابن حبان (موارد) ص۱۲۲ رقم الحدیث ۴۳۶)

(۷) عن الحسن فی هذا الخبر فقام ابو بکر رضی اللہ عنہ فصلی معه وقد کان صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امام حسن بصری (سے مرسل مروی ہے) اس حدیث میں کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اس کے ساتھ نماز پڑھی جبکہ اس سے پہلے آپ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی نماز پڑھی تھی۔

(السنن الکبری للبیهقی ص۷۰ ج۳ و مراسیل ابی داؤد ص۶)

(۸) عن مکحول و القاسم بن عبدالرحمن، قالا دخل رجل المسجد ولم یدرك الصلاة فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ألا رجل یتصدق علی هذا فیتم له صلاته؟ فقام رجل فصلی معه فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم هذه من صلاة الجماعة۔

امام مکحول اور قاسم بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور اس نے جماعت نہ پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اسے (جماعت کی) نماز (کا ثواب) پورا کرا دے، ایک شخص کھڑا ہوا اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کی یہ نماز با جماعت ہے

(مراسیل ابی داؤد ص۶ و تحفة الاشراف ص۳۳۳ ج ۱۳ رقم الحدیث ۱۹۱۹۷ و ص۳۹۸ ج۱۳ رقم

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو نماز پڑھ رہا تھا تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ کوئی شخص ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے! تو ایک صحابی کھڑا ہوا اور اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ دونوں جماعت ہیں

(مسند احمد ص۲۵۴ ج۵) سند ضعیف ہے (ارواء الغلیل ۴۸۹)

(۱۶) عن ولید بن ابی مالك قال دخل رجل المسجد فصلى، فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ألا رجل يتصدق على هذا فيصلى معه فقام رجل فصلى معه فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم هذ ان جماعة۔

امام ولید بن ابی مالک (تابعی) فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا نماز پڑھنے کے لیے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا کوئی شخص اس پر صدقہ کر سکتا ہے جو اس کے ساتھ نماز پڑھے، ایک صحابی کھڑا ہوا اور اس نے اس کے ساتھ نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں جماعت ہیں۔

(مسند احمد ص۲۶۹ ج۵) مرسل ہے مگر سند کے تمام راوی ثقہ ہیں (ارواء الغلیل ص۲۵۰ ج۲)

(۱۷) عن سلمان رضی اللہ عنہ ان رجلا دخل المسجد والنبی صلی اللہ علیہ وسلم قد صلى فقال الا رجل يتصدق على هذا فيصلى معه۔

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے۔

(طبراني كبير ص٢٥٤ ج٦ رقم الحديث ٦١٤٠)

ہیثمی فرماتے ہیں کہ طبرانی کی سند میں، محمد بن عبدالمالک راوی ہے جسے ابو حاتم نے، لیس بالقوی، کہا ہے اور اسے امام بزار نے بھی، مسند، میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں حسین بن حسن اشقر راوی سخت ضعیف ہے اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے(مجمع الزوائد ص٤٥ و فی نسخة الاخرى ص٤٨ ج٢)

(۱۸) عن عصمة قال كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قد صلى الظهر وقعد فى المسجد اذ جاء رجل فدخل يصلى فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الا رجل يتصدق على هذا يصلى معه؟

سیدنا عصمہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں داخل ہوا، تو نبی کریم علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ کون ہے جو اس پر صدقہ

کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے،

(طبرانی کبیر ص۱۸۱ ج۱۷ و دارقطنی ص۲۷۸ ج۱) سند ضعیف ہے (التعلیق المغنی ص۲۷۷ ج۱)

(۱۹) عن الجعد ابی عثمان قال مربنا انس بن مالك و معه اصحاب له زهاء عشرة وقد صلينا صلاة الغداة فقال، أصليتم، قلنا، نعم، قال، فامر بعضهم فاذن، وصلى ركعتين ثم امره فاقام، ثم تقدم فصلى ركعتين انس باصحابه، الحديث

امام ابوعثمان الجعد فرماتے ہیں کہ ہم پر سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا اور آپ کے ساتھ دس نوجوان ساتھی تھے، اور ہم نے صبح کی نماز پڑھ لی تھی، آپ نے ہم سے کہا کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے کہا ہاں پڑھ لی ہے، آپ نے اپنے ساتھیوں کو اذان کہنے کا حکم دیا، انہوں نے اذان دی اور آپ نے دو رکعت (صبح کی سنتیں) پڑھیں، پھر اقامت کہنے کا حکم دیا، پھر آگے بڑھ کر انہوں نے اپنے ساتھیوں (کو امامت کروا کر) نماز پڑھی۔

(مصنف عبدالرزاق ص۲۹۱ ج۲ رقم الحديث ۳٤۱۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے، (تغليق التعليق ص۲۷۷ ج۲)

(۲۰) عن ابی عثمان قال مربنا انس بن مالك و معه اصحاب له فقال، أصليتم؟ فقلنا نعم، قال، فنزل فام اصحابه فتقدم فصلى بهم الحديث

امام ابوعثمان فرماتے ہیں کہ ہم پر سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، اور آپ کے ساتھ دوست تھے، آپ نے ہم سے کہا کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے، ہم نے کہا کہ ہاں پڑھ لی ہے، آپ رضی اللہ عنہ اترے اور اپنے ساتھیوں کو امامت کروا کر نماز پڑھائی

(مصنف عبدالرزاق ص۲۹۱ ج۲ رقم الحدیث ۳۴۱۶)

(۲۱) عن ابی عثمان اليشكرى قال مربنا انس بن مالك وقد صلينا صلوٰة الغداة و معه رهط فامر رجلا منهم فاذن ثم صلوا ركعتين قبل الفجر قال ثم امر فاقام ثم تقدم فصلى بهم

امام ابوعثمان فرماتے ہیں کہ ہم پر سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، اور ہم صبح کی نماز پڑھ چکے تھے، اور آپ کے ساتھ نوجوانوں کا گروہ تھا، آپ نے ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا، اذان دی گئی، پھر انہوں نے دو رکعتیں فجر (کے فرضوں سے) پہلے پڑھیں پھر آپ نے حکم دیا تو اقامت ہوئی پھر آپ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۲۱ ج۲)

(۲۲) حدثنا اسماعيل بن علية عن الجعد ابو عثمان عن انس مثله۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۲۲ ج۲)

(۲۳) عن ابی عثمان قال جاء انس عند الفجر وقد صلینا فاذن و أقام وام اصحابه،

امام ابوعثمان فرماتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ (ہمارے پاس) فجر کے قریب تشریف لائے اور ہم نماز پڑھ چکے تھے، اذان واقامت کہہ کر انہوں نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی۔

(مصنف عبدالرزاق ص۲۹۲ ج۲ رقم الحدیث ۳۴۱۸)

(۲۴) عن عبداللہ بن یزید قال امنی ابراهیم فی مسجد قد صلی فیه فاقامنی عن یمینه بغیر أذان ولا اقامة،

امام عبداللہ بن یزید کہتے ہیں کہ امام ابراہیم نخعی نے بغیر اذان واقامت کے میری امامت کروائی مسجد میں جبکہ اس مسجد میں نماز پڑھی جا چکی تھی، اور مجھے اپنی دائیں طرف کھڑا کیا۔ (مصنف عبدالرزاق ص۲۹۲ ج۲ رقم الحدیث ۳۴۱۹ والمحلی ص۱۵٤ ج۳)

(۲۵) عن عبداللہ بن یزید قال دخلت مع ابراهیم مسجد محارب وقد صلوا فامنی

امام عبداللہ بن یزید فرماتے ہیں کہ میں امام ابراہیم نخعی کے ساتھ مسجد محارب میں داخل ہوا جبکہ لوگ نماز پڑھ چکے تھے، تو آپ نے میری امامت کر کے نماز پڑھائی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۲۲ ج۲)

(۲۶) عن لیث عن طاوس و عطاء و مجاهد قالوا اذا دخلت مسجدا اقدصلی فیه فاقم الصلاة و صل اقیمت الصلاة اولم تقم۔

امام لیث فرماتے ہیں کہ امام طاؤس، امام عطاء اور امام مجاہد کہتے ہیں کہ جب تم مسجد میں جاؤ اور اس میں نماز ہو چکی ہو تو جماعت قائم کر کے نماز پڑھ لیا کرو، اقامت کہہ لو خواہ نہ کہو۔

(مصنف عبدالرزاق ص۲۹٤ ج۲ رقم الحدیث ۳٤۲۹)

(۲۷) عن عمرو بن محمد عن عطاء انه صلی هو و سالم بن عطیة فی المسجد الحرام فی جماعة بعد ما صلی اهله۔

امام عمرو بن محمد فرماتے ہیں کہ امام عطاء نے سالم بن عطیہ کے ساتھ بیت اللہ میں با جماعت نماز پڑھی جبکہ وہاں کے لوگ نماز پڑھ چکے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۲۲ ج۲)

(۲۸) عن ابن حریج قلت لعطاء نفرد خلوا مسجد مکة خلاف الصلاة لیلا اونهاراً أیؤمهم احدهم؟ قال، نعم، وما باس ذلك۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے امام عطاء سے کہا کہ ایک گروہ مکہ کی مسجد (حرم) میں جماعت ہونے کے بعد داخل ہوتا ہے خواہ دن ہو یا رات تو کیا ان میں سے کوئی ایک امامت کروا سکتا

ہے، آپ نے فرمایا کروا سکتا، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(المحلی بالاثار ص١٥٦ ج٣ مسالة ٤٩٦)

(۲۹) عن معمر قال صحبت ایوب السختیانی من مکة اِلی البصره فأتینا مسجد اهل ماء قد صلی فیه فاذن ایوب و اقام ثم تقدم فصلی بنا۔

امام معمر فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ سے بصرہ تک امام ایوب سختیانی کی صحبت اٹھائی ہے ہم مسجد اہل ماء میں آئے (اور ان لوگوں نے) نماز پڑھ لی تھی، امام ایوب نے اذان دی اور اقامت ہوئی تو پھر آگے بڑھ کر انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی
(مصنف عبدالرزاق ص٢٩٢ ج٢ رقم الحدیث ٣٤٢١، والمحلی ص١٥٦ ج٣)

(۳۰) عن لیث قال دخلت مع ابن سابط فسجد بعضنا و نهی بعضنا للسجود، فلما سلم قام ابن سابط فصلی باصحابه، فقال، ذکرت لعطاء فقال کذلك ینبغی قال قلت ان هذا لا یفعل عندنا قال یفرقون۔

امام لیث بیان کرتے ہیں کہ میں امام عبدالرحمٰن بن سابط کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا تو ہم میں سے بعض نے نوافل ادا کیئے اور بعض نے منع کیا جب آپ نے سلام پھیرا تو عبدالرحمٰن بن سابط کھڑے ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی، جب یہ بات امام عطاء بن ابی رباح سے ذکر کی گئی تو انہوں نے کہا کہ انہیں ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا، میں نے آپ سے کہا کہ ہمارے ہاں تو وہ ایسا نہیں کرتے تو انہوں نے کہا (حکمرانوں سے) ڈرتے ہوئے۔
(مصنف عبدالرزاق ص٢٩٣ ج٢ رقم الحدیث ٣٤٢٢)

(۳۱) عن قتادة قال اذا دخل الرجلان المسجد خلاف الصلاة صلیا جمیعا ام احدهما صاحبه۔

امام قتادہ بن دعامہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں جماعت ہونے کے بعد جب دو آدمی داخل ہوں تو وہ دونوں با جماعت نماز پڑھیں، ان میں ایک اپنے ساتھی کی امامت کرائے
(مصنف عبدالرزاق ص٢٩٤ ج٢ رقم الحدیث ٣٤٣١)

(۳۲) عن زیاد مولیٰ قریش قال دخلت مع الحسن مسجد البصرة فوجدناهم قد صلوا فصلی بی۔

زیاد مولیٰ قریش فرماتے ہیں کہ میں امام حسن بصری کے ساتھ بصرہ کی مسجد میں داخل ہوا ہم نے انہیں (اس حال میں) پایا کہ وہ نماز پڑھ چکے تھے، تو آپ نے میرے ساتھ با جماعت نماز پڑھی۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۲۲ ج۲)

(۳۳) عن عثمان البتی قال دخلت مع الحسن البصری و ثابت البنانی مسجداً قد صلی

فيه اهله فاذن ثابت وأقام، وتقدم الحسن فصلى، بنا، فقلت له يا ابا سعيد، اما يكره هذا؟ قال وما باسه۔

امام عثمان فرماتے ہیں کہ میں امام حسن بصری اور ثابت بنانی کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا اور وہاں کے نمازیوں نے نماز پڑھ لی تھی، ثابت بنانی نے اذان و اقامت کہی اور امام حسن بصری نے جماعت کروائی (سلام پھیرنے کے بعد) میں نے کہا کیا یہ مکروہ نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (المحلی بالاثار ص۱۰٦ ج۳)

قارئین کرام مذکورہ احادیث و آثار صحابہ کرام اور اقوال تابعین عظام آپ کے سامنے ہیں۔ بلا شبہ سیدنا ابوسعید خدری اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی احادیث صحیح ہیں اور بقایا روایات مرفوع مجروح ہیں اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا اثر بھی صحیح ہے، اقوال تابعین کی اسناد بھی صحیح و حسن درجہ کی ہیں۔ ان میں مرفوع احادیث پر غور کریں کہ بوجہ عذر اگر با جماعت نماز رہ جائے تو حصول ثواب کی غرض سے دوسری جماعت کروانی جائز اور سنت نبویہ سے ثابت ہے، حتی کہ زیادتی ثواب کی غرض سے اگر کوئی مسلمان بھائی بعد میں آنے والے مسلمان بھائی سے خیر خواہی سے مکرر نماز با جماعت پڑھے تو اس پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب و تحریص دلائی ہے اور اسے صدقہ سے تعبیر کیا ہے، حضرات محترم جب آنے والے کو ثواب زیادہ دلانے کی غرض سے اس کی اقتداء میں نفل پڑھنے کا جواز ثابت ہے تو فرض پڑھنے کا بالاولی ہے، کیونکہ پہلی صورت غیر کی خیر خواہی کے متعلق ہے تو دوسری اپنی بھلائی سے ہے، اس حدیث کے راوی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا یہی مفہوم سمجھا ہے کیونکہ آپ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے دوسری جماعت اس حالت میں کروائی کہ آپ کے مقتدی بھی فرض پڑھ رہے تھے اور حنفیہ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ راوی حدیث خبر کا سب سے زیادہ مفہوم جانتا ہے اس سلسلہ میں کتے کے جوٹھے برتن کی حدیث مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔

(دیکھئے اعلاء السنن ص۲۸۸ ج۱) لہذا انوار صاحب کا یہ کہنا کہ بایں طور پر مکروہ ہے کہ امام و مقتدی فرض نماز ادا کریں (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۵)

محترم غور کیجئے کہ آنے والے کے ساتھ نفلی نماز پڑھنے کا انسان مکلّف نہیں جبکہ فرض نماز پڑھنے اور با جماعت ادا کرنے کا مکلّف ہے جب غیر مکلّف کا ثبوت حدیث میں ہے، تو مکلّف کا خود بخود ثابت ہو گیا۔ کیونکہ آنے والے کے ساتھ نماز پڑھنے کی آپ علیہ السلام نے تحریض دلائی ہے، جیسے بچے کو نماز پڑھنے کی تلقین کرنا شرع میں ثابت ہے تو عاقل و بالغ کو تلقین کرنا خود بخود ثابت ہو گیا۔ قرآن میں آتا ہے کہ ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو نماز میں غفلت کرتے ہیں (سورہ الماعون)

اس کا صرف یہ مطلب لینا کہ ہلاکت صرف ان کے لیے جو نماز میں غلطی کرتے ہیں اور بے نماز

اس وعید سے خارج ہے، عقل وعلم کا قحط ہے۔ پھر راوی حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث کا یہی مفہوم سمجھا کہ بعد میں آنے والے حضرات امام ومقتدی بن کر فرض ادا کر سکتے ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے اس عمل کے خلاف کسی صحابی کا فتوی وعمل ثابت نہیں امام ابن حزم نے ڈنکے کی چوٹ یہ دعوی کیا ہے۔

(المحلی بالاثار ص١٥٤ ج٣ مساله نمبر ٤٩٦)

مگر ان کے اس دعوی کی تردید کسی حنفی سے نہیں ہوسکتی۔ مولانا عثمانی نے یہاں پر بے دلیل لکھا کہ ممکن ہے کہ وہ راستہ کی مسجد ہو (اعلاء السنن ص۲۸۵ ج۴) لیکن اس احتمال پر کیا دلیل ہے، کیا احتمالات سے مسائل حل ہوا کرتے ہیں، احتمال تو اس بات کا بھی ہے کہ زید اپنے والد کا نہیں، احتمال تو اس بات کا بھی ہے کہ انوار صاحب در پردہ شافعیوں کے ایجنٹ ہوں، احتمال تو اس کا بھی ہے کہ انسان چند منٹ کے بعد مرفوع القلم ہو جائے گا۔ الغرض محض احتمال سے چیز ثابت نہیں ہوتی جتنی دیر تک احتمال پر دلیل نہ ہو کیونکہ شرعی اصول ہے کہ یقین کو شک زائل نہیں کرتا، خلاصہ یہ کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمان نبوی کی عملی تفسیر تکرار جماعت کی ہے تابعین کرام کے مقدس گروہ سے جید اور نامور حضرات کا یہ مسلک و مذہب بھی ہم ثابت کر چکے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی نظریہ ہے۔

(المحلی ص١٥٦ ج٣ و ترمذی مع معارف السنن ص٢١٤ ج٢)۔

قاضی ابو یوسف کے نزدیک اگر محراب سے ہٹ کر جماعت ثانیہ کروائی جائے تو جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک اگر جماعت ثانیہ تداعی کے بغیر ہو تو تب جائز ہے، (معارف السنن ص۲۸۶ ج۲ و درس ترمذی ص۴۸۳ ج۱) ہندوستان کے محقق علمائے احناف مثلاً مولوی شیخ محمد صاحب تھانوی مولوی احمد علی سہارنپوری مولوی جمال الدین دہلوی وغیرہ بلا کراہت جائز کہتے تھے۔

(امداد الفتاوی ص۲۴۰ ج۱ مجموعۃ الفتاوی ص۲۹۶ ج۱) مولوی احمد رضا خاں بریلوی نے بھی جماعت ثانیہ کے جواز پر، **القطوف الدانیه لمن احسن الجماعة الثانیه**، کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جو فتاوی رضویہ کی تیسری جلد میں شامل اشاعت ہے، ایک جگہ فرماتے ہیں کہ بلا اعادہ اذان محراب سے ہٹ کر بلا کراہت جائز ہے (فتاوی رضویہ ص۳۸۰ ج۳) دور حاضر کے نامور حنفی وکیل مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

بغیر تداعی کے تکرار جماعت ہمارے نزدیک بھی جائز ہے، بشرطیکہ احیاناً ایسا کر لیا جائے اور تداعی کی حد بعض فقہاء نے یہ مقرر کی ہے کہ امام کے علاوہ جماعت میں چار آدمی ہو جائیں۔ (درس ترمذی ص۴۸۵ ج۱)

خلاصہ یہ کہ احادیث و آثار اور تابعین عظام اور فقہاء و محدثین اور بعض حنفی علماء کے نزدیک بھی دوسری جماعت درست و جائز ہے۔ واللہ یهدی من یشاء۔

فصل دوم

(ا) عن ابی هریرة ان رسول اللهﷺ فقد ناسا فی بعض الصلوٰت فقال لقد هممت ان امر رجلا یصلی بالناس ثم اخالف الیٰ رجال یتخلفون عنها فامر بهم فیحرقوا علیهم بحزم الحطب بیوتهم ولو علم احدهم انه یجد عظما سمینا لشهدها یعنی صلوٰة العشاء۔

(بخاری ص۸۹ ج۱ و مسلم ص۲۳۲ ج۱ واللفظ لمسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو کسی نماز میں شریک نہ پایا تو آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ کسی سے کہہ دوں کے وہ لوگوں کو نماز پڑھا دے اور خود میں ان لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں نہیں آئے اور ان کے متعلق حکم دوں کہ لکڑیوں کا ایک ڈھیر لگا کر ان کے گھروں کو جلا دیں، ان میں کوئی شخص جان لے کہ اسے موٹی تازی ہڈی ملے گی تو وہ ضرور آئے، مراد عشا کی نماز ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۰)

الجواب اولاً یہ حدیث جماعت ثانیہ کے رد پر پیش کرنا، علل حدیث سے کم آ گاہی اور بے بصیرتی کی کھلی دلیل ہے، وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی بجائے کاہلی وسستی کی وجہ سے گھر میں ہی نماز ادا کر لی جائے اور شامل جماعت نہ ہو، اگر انوار صاحب اس حدیث پر ہی غور کرتے تو بات صاف تھی کہ اگر انہیں ہڈی ملنے کی توقع ہو تو تب وہ ضرور مسجد میں آئیں، ظاہر ہے کہ یہ کلام اس شخص کے حق میں پورا ہوتا ہے جو مسجد سے غیر حاضر رہے، سنئے حدیث میں اس بات کا کھلا ثبوت ہے، آنکھوں سے ضد اور تقلیدی عینک اتار کر ملاحظہ کریں۔

حدثنی یزید بن الاصم قال سمعت ابا هریره یقول قال رسول اللهﷺ لقد هممت ان امر فتیتی فیجمعوا حزما من حطب ثم اتی قوما یصلون فی بیوتهم لیست بهم علة فاحرقها علیهم،

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں اپنے جوانوں کو لکڑیوں کے گٹھے کرنے کا حکم دوں پھر ان لوگوں کے پاس آؤں جو بغیر عذر کے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیا کرتے ہیں، ان کے گھروں کو جلا دوں،

سنن ابی داؤد کتاب الصلاة باب التشدید فی ترك الجماعة، الحدیث ۵۴۹،

ثانیاً: اگر اس حدیث کو جماعت ثانیہ کے خلاف تسلیم کیا جائے، تو تب یہ حدیث انوار صاحب کی دوسری دلیل کے خلاف ہے، وجہ یہ کہ حضور علیہ السلام کی با جماعت نماز رہ گئی، یقیناً کسی شرعی عذر سے ہی رہی ہوگی، کیونکہ آپ سے یہ بعید ہے کہ قصداً جماعت کو ترک کر دیا ہو، لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ عذر

کی وجہ سے جماعت فوت ہوئی تھی، جبکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بوجہ عذر کے گنجائش ثابت ہوتی ہے، کیونکہ الفاظ، لیست بهم علت کے ہیں۔ الغرض اگر اس سے جماعت ثانیہ کی کراہت ثابت ہوتی ہے تو عذر کی وجہ سے جواز بھی ثابت ہوتا ہے اور ہم بھی بوجہ عذر ہی دوسری جماعت کے قائل ہیں ورنہ دنیا بھر کی مساجد اہل حدیث میں تداعی کے ساتھ ایک ہی جماعت ہوتی ہے، کسی بھی مسجد میں پہلی جماعت دوسری جماعت، تیسری جماعت کا ٹائم ٹیبل نہیں ہوتا کہ نمازی کوتاہی کریں کہ چلو پہلی جماعت تو رہ گئی ہے لہذا دوسری بیس منٹ بعد میں ہونے والی ہے، اگر دوسری رہ گئی تو تیسری بھی آدھے گھنٹے بعد مل جائے گی ایسا قطعاً نہیں، خلاصہ یہ کہ اگر اس سے جماعت ثانیہ کی ممانعت کو تسلیم کر لیا جائے تو عذر کی وجہ سے دوسری کا ثبوت بھی ملتا ہے، دیکھئے انوار صاحب اسے تسلیم کرتے ہیں کہ نہیں۔

(۲) عن ابی بکرة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اقبل من نواحی المدینة یرید الصلوٰة فوجد الناس قد صلوا فمال الیٰ منزله فجمع اهله فصلی بهم،

معجم طبرانی الاوسط ص۳۰۴ ج۵ ص۴۲۰ ج۷، قال الهیثمی رجاله ثقات، مجمع الزوائد ص۴۵ ج۲ وقال الالبانی فی تمام المنه وهو حسن ص۱۵۵،

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نواحی مدینہ سے تشریف لائے، آپ کا ارادہ نماز پڑھنے کا تھا لیکن آپ نے دیکھا کہ لوگ تو نماز پڑھ چکے ہیں، لہذا آپ اپنے گھر چلے گئے اور گھر والوں کو اکٹھا کر کے انہیں نماز پڑھائی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۱)

الجواب اولاً: یہ حدیث اس پر نص نہیں کہ نماز گھر میں ہی ادا کی، بلکہ یہ احتمال بھی ہے کہ نماز با جماعت تو مسجد میں ہی پڑھی اور گھر تشریف لے گئے گھر والوں کو جمع کرنے کے لیے، لہذا یہ حدیث تو دوسری جماعت کرانے کی دلیل ہے۔ اور جتنی دیر تک اس احتمال کو دلیل سے رد نہ کیا جائے اتنی دیر تک یہ انوار صاحب کی دلیل نہیں بن سکتی۔

ثانیا: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں ہی نماز ادا کی تھی، تو اس سے مسجد میں تکرار جماعت کی کراہت ثابت نہیں ہوتی، زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر انسان مسجد میں آئے اور جماعت ہوچکی ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ گھر جا کر اپنے اہل و عیال کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے، اور اگر مسجد میں انفرادی طور پر یا جماعت ثانیہ کرا کر ادا کرے تو یہ حدیث اس کی ممانعت و حرمت پر دلیل نہیں ہے۔

ثالثا: اگر مسجد میں جماعت نہ کرانے سے جماعت ثانیہ کی حرمت و کراہت ثابت ہوتی ہے تو جماعت کے بعد انفرادی نماز پڑھنے کی حرمت و کراہت بھی ثابت ہوتی ہے، کیونکہ جماعت کی طرح آپ علیہ التحیة والسلام نے انفرادی نماز بھی مسجد میں ادا نہیں کی۔

رابعاً: یہ دلیل آپ کے لیے تب مفید ہے جب آپ یہ ثابت کر دیں کہ حضور علیہ السلام جب مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے تشریف لائے تو آپ کے ساتھ ایسے افراد بھی تھے جنھوں نے نماز نہ پڑھی، یا مسجد میں ایسے حضرات صحابہ تھے جو ابھی تک نماز کو ادا نہ کر پائے تھے، تو آپ نے بایں وجہ مسجد میں نماز نہ پڑھی کہ اس میں جماعت ہو چکی ہے، جب یہ ساری چیزیں ثابت ہی نہیں تو آپ کا اس سے استدلال کیسے درست ہے؟

خامسا: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرد اپنی عورت کو اپنے ساتھ شامل کر کے جماعت کروا سکتا ہے، کیونکہ نبی مکرم ﷺ کا کوئی لڑکا تو جوان نہ تھا، اور گھر میں عموما امہات المومنین اکیلی ہوا کرتی تھیں، مگر حنفیہ کے نزدیک یہ صورت مکروہ ہے۔

(هدایه ص۷۹ ج۱ و شرح نقایه ص۸۹ج۱ و شرح وقایه ص۱۵٤ج۱)۔

(۳) عن سلیمان یعنی مولیٰ میمونة قال اتیت ابن عمر علی البلاط وهم یصلون فقلت الاتصلی معهم قال قد صلیت انی سمعت رسول اللهﷺ یقول لا تصلوا صلوٰة فی یوم مرتین۔

(ابو دائود ص۸۵ ج۱ و نسائی ص۹۹ ج۱)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سلیمان فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں موضع بلاط میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا میں نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھ رہے آپ نے فرمایا میں نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ تم ایک نماز ایک دن میں دو مرتبہ نہ پڑھو (ص۵۲۱)

آگے چل کر وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ

فقہاء کرام نے حضور علیہ السلام کے اس فرمان کو مسجد میں جماعت ثانیہ کی نہی پر محمول کیا ہے یعنی آپ کے اس ارشاد کا مطلب یہ لیا ہے کہ مسجد میں دوسری جماعت نہ کرائی جائے، وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس فرمان سے کہ میں نماز پڑھ چکا ہوں، یہ متبادر ہوتا ہے کہ آپ نے تنہا نماز پڑھی تھی، اور جو شخص تنہا فرض پڑھ لے تو اس کے لیے جائز بلکہ مستحب ہے کہ وہ جماعت کو پائے تو جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے جماعت میں شریک ہو جائے اس لحاظ سے چاہئے تو یہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ شریک جماعت ہو جاتے لیکن آپ جماعت میں شریک نہیں ہوئے۔ اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ یہ جماعت ثانیہ ہو رہی تھی، جسے صحیح نہ سمجھتے ہوئے آپ شریک نہ ہوئے، اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تم ایک نماز ایک دن میں دو مرتبہ نہ پڑھو (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۷)

الجواب اولاً: حدیث کا مطلب تو فقط اتنا ہے کہ ایک نماز کو مکرر نہ پڑھا جائے، مثلاً ظہر کی نماز کو ایک ہی دن میں فرض جان کر دوبارہ نہ پڑھا جائے۔ خواہ انفرادی پڑھے یا جماعت کے ساتھ۔ دیوبندی مکتب فکر کے محدث کبیر خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں کہ

لا تصلوا صلوٰة ای واحدة بطریقة الفریضة، فی یوم، ای فی وقت واحد، مرتین، ای بالجماعة او غیرها الا اذا وقع نقصانا فی الاول۔

یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک دن میں ایک ہی نماز کو دوبارہ فرض نماز جان کر نہ پڑھو خواہ وہ جماعت کے ساتھ ہو یا انفرادی طور پر، مگر یہ کہ پہلی نماز میں کوئی نقص رہ گیا ہو۔

(بذل المجهود ص ۳۲۵ ج ۱)

ثانیاً: بقول انوار صاحب یہ دوسری بار جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں، یہی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب ہے، اور بعض طرق میں اس کی صراحت بھی ہے۔

(بیهقی ص ۳۰۳ ج ۲)

ثالثاً: بقول انوار صاحب دوسری جماعت تھی، مگر مذکورہ حدیث میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر نکیر نہیں کی بلکہ سکوت کیا ہے، یہ وضاحت بھی مطلوب ہے کہ دوسری جماعت کرانے والے کون تھے، یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کا گروہ تھا، معلوم ہوا کہ خیر القرون میں جماعت ثانیہ عام کروائی جاتی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کا گروہ معمول تھا، عامة الناس کثرت کے ساتھ دوسری جماعت میں بھی ملتے تھے، تب ہی تو راوی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، یہ اشتباہ تب ہی ممکن ہے جب پہلی جماعت کی طرح دوسری جماعت میں بھی کثرت سے لوگ شامل ہوئے ہوں، اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بوجہ پہلے پڑھ لینے کے جماعت میں شامل نہ ہوئے کیونکہ مکرر نماز پڑھنے کا انسان مکلّف نہیں۔

رابعاً: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ اگر فجر اور مغرب کی نماز پڑھ لی جائے اور بعد میں جماعت مل جائے تو ان دونوں میں سے کوئی بھی دوبارہ نہ پڑھی جائے، (موطا امام مالك ص ١١٦ و مشكوة باب من صلى صلاة مرتين، الحديث ١١٥٨)

اس روایت کے پیش نظر ممکن ہے اور بالکل ممکن ہے کہ ان دونوں نمازوں میں سے کوئی ایک نماز ہو اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مؤقف و مسلک کی وجہ سے نماز نہ پڑھی ہو انوار صاحب یہاں پر امام محمد کے قول کو بھی، موطا ص ۱۳۲ سے دیکھ لیں، اور پھر کوئی جواب عنایت کریں۔ خلاصہ کلام یہ کہ اس سے دوسری جماعت کی کراہت ثابت نہیں ہوتی،

خامساً: انوار صاحب کے استدلال کو اگر درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی یہ موقوف ہے، اور

جن لوگوں نے جماعت ثانیہ کروائی وہ بھی صحابہ و تابعین ہی تھے، اور جس مسئلہ میں صحابہ کرام میں اختلاف ہو وہاں ان کے اقوال حجت نہیں ہوتے، تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

(۴) عن ابراھیم النخعی قال قال عمر لا یصلی بعد صلوٰۃ مثلھا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص بحواله امداد الفتاوٰی ص۲۲۸ ج ۱)

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک نماز کے بعد اسی جیسی دوسری نماز نہ پڑھی جائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۱)

الجواب اولاً: یہ روایت آپ نے تھانوی صاحب کے فتاوٰی سے نقل کی ہے، غالباً آپ نے مصنف کو سرسری یا گہری نظر سے دیکھا ہوگا۔ مگر آپ کو یہ روایت اصل کتاب سے دستیاب نہ ہوئی ہو گی۔ لہذا آپ نے اسے بحوالہ نقل کر دیا ہے، آپ کے نزدیک تو وہ معتمد ہیں مگر ہمارے نزدیک وہ مشکوک ہیں کیونکہ تھانوی صاحب تدلیس میں مشہور ہیں، انہوں نے، احکام اسلام عقل کی نظر میں، مرزا قادیانی کی کتابوں سے صفحات کے صفحات نقل کیے ہیں مگر نام نہیں لیا، الغرض وہ تدلیس میں معروف ہیں۔ اور وہ بھی بدترین تدلیس۔

ثانیاً: متن سے ظاہر ہے کہ ابراہیم نخعی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل کر رہا ہے اور ابراہیم کی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملاقات وسماع ثابت نہیں۔ جیسا کہ امام ابو حاتم نے صراحت کی ہے، امام ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم کی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے۔

(كتاب المراسيل لا بن ابی حاتم ص۱۱۹)

جس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت ضعیف ہے

ثالثاً: اسی جیسی، کا کیا مفہوم ہے؟ انوار صاحب بضد ہیں کہ جماعت ثانیہ مراد ہے، محترم غور کریں کہ بعض صورتوں میں تو آپ بھی جواز کے قائل ہیں مثلاً راستہ پر واقع مسجد میں دوسری جماعت کے آپ بھی قائل ہیں۔ جو تمام متداول فقہ کی کتابوں میں موجود ہے،

مثلاً: دیکھئے۔ بدائع الصنائع ص۱۵۳ ج۱ و بحر الرائق ص۳۴۶ ج۱ و فتاوٰی عالم گیری ص۸۳ ج۱ و فتاوٰی شامی ص۵۵۳ ج۱ و اعلاء السنن ص۲۷۹ ج٤ و معارف السنن ص۲۸۵ ج۲ و فتاوٰی دار العلوم دیوبند ص٦٤،٤٦ ج۳ و احسن الفتاوٰی ص۳۲۵ ج۳ و درس ترمذی ص٤٨٥ ج۱ و غیرہ اس مؤقف کو آپ نے کس دلیل سے خارج کیا ہے۔

(۵) عن خرشة بن الحرانّ عمر رضی اللہ عنہ كان یكره ان یصلی بعد صلوٰۃ الجمعة مثلھا۔

(شرح معانی الاثار للطحاوی ص۲۳۳ ج۱)

حضرت خرشہ بن حر سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کی نماز کے بعد پھر اسی جیسی نماز پڑھنے کو

مکروہ جانتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۲)

الجواب اولاً: امام طحاوی حنفی کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کی بجائے قاضی ابو یوسفؒ کا مؤقف درست ہے کہ نماز جمعہ کے بعد چھ رکعت سنتیں پڑھی جائیں پہلے چار پھر دو رکعت ادا کی جائیں۔ اس اثر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انہوں نے، شرح معانی الآثار ص۲۳۳ ج ۱ میں یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ اور مولانا تھانوی نے بھی، اعلاء السنن ص۱۷ ج ۷ میں اس پر اعتماد کیا ہے گویا اکابر احناف تو اسے جمعہ کے بعد متصل دو رکعتیں نہ پڑھنے پر محمول کرتے ہیں مگر انوار صاحب اکابر پرست ہونے کے باوجود اس سے جماعت ثانیہ کا رد کرتے ہیں

ثانیاً: اس کی سند میں، الاعمش، راوی ہے جو زبردست مدلس ہے (طبقات المدلسین ص۳۳) اور تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے، لہذا روایت ہی ضعیف ہے، جس کی وجہ سے انوار صاحب اور ان کے اکابر کا استدلال باطل ٹھہرا۔

(۶) عن ابراهيم ان علقمة والاسود اقبلا مع ابن مسعود الى مسجد فا ستقبلهم الناس قد صلوا فرفع بهما الى البيت فجعل احدهما عن يمينه والا خرعن شماله ثم صلى بهما۔

(معجم طبرانی کبیر ص۲۷۶ ج۹ و مصنف عبدالرزاق ص۴۰۹ ج۲)

حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ علقمہ اور اسود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں آئے لوگوں نے ان کا استقبال کیا اس حال میں کہ لوگ نماز پڑھ چکے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود دونوں کو لے کر ایک گھر چلے گئے ایک کو دائیں اور ایک کو بائیں کھڑا کر کے نماز پڑھائی (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۲)

الجواب اولاً: اس روایت سے تکرار جماعت کی کراہت ثابت نہیں ہوتی، اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ اگر مسجد میں جماعت ہو چکی ہو تو گھر میں جماعت کروائی جا سکتی ہے،

ثانیاً: روایت کے کس لفظ کا یہ معنی ہے کہ وہ مسجد محلّہ کی تھی؟ عین ممکن ہے کہ وہ راستہ کی مسجد ہو، جس میں خود احناف کے نزدیک بھی جماعت جائز ہے،

ثالثاً: اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ مسجد محلّہ کی ہی تھی، تو تب بھی یہ حنفیہ کے خلاف ہی ہے، کیونکہ احناف کے نزدیک جماعت ثانیہ تداعی کے بغیر جائز ہے مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں۔

بغیر تداعی کے تکرار جماعت ہمارے نزدیک بھی جائز ہے: بشرطیکہ احیانا ایسا کر لیا جائے اور تداعی کی حد بعض فقہاء نے یہ مقرر کی ہے کہ امام کے علاوہ جماعت میں چار آدمی ہو جائیں۔

(درس ترمذی ص۴۷۵ ج۱)

جبکہ آپ کی پیش کردہ روایت میں صرف دو مقتدی ہیں، لہذا یہ آپ کے بھی خلاف ہے، پھر امام محمد کے نزدیک اگر امام کی مخصوص جگہ سے ہٹ کر زاویہ مسجد میں دوسری جماعت کروائی جائے تو جائز ہے، قاضی ابو یوسف کے نزدیک اگر مخصوص جگہ سے ہٹ کر جماعت کروائی جائے تو کوئی حرج نہیں

(البحر الرائق ص٣٤٦ ج١ و بدائع الصنائع ص١٥٣ ج١ و فتاوٰی شامی ص٥٥٣ ج١)

مولانا بنوری نے بھی، معارف السنن ص۲۸۵ ج ۲ میں ان اقوال کو نقل کر کے تائید کی ہے،

رابعاً: یہ روایت موقوف ہے جو مرفوع کے بالمقابل حجت نہیں، علاوہ ازیں صحابہ کرام سے جماعت ثانیہ بھی ثابت ہے اور جس مسئلہ میں صحابہ کے اقوال مختلف ہوں وہاں اقوال صحابہ حجت نہیں ہوتے

خامساً: اس میں صاف ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ اور اسود کے درمیان کھڑے ہو کر جماعت کروائی۔ مگر انوار صاحب نے بڑی چالاکی سے متن روایت کا ترجمہ غلط کیا ہے، محترم، عن یمینہ والآخر عن شمالہ، کا معنی یہ ہے کہ ایک کو اپنے دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف کھڑا کیا، انوار صاحب نے لفظ، ہِ کا معنی عمداً چھوڑ دیا ہے، امام عبدالرزاق اور امام طبرانی نے اس روایت کے اجمال کو دور کرنے کے لیے ابراہیم نخعی کی دوسری روایت بھی درج کی ہے،

عن ابراهيم عن علقمة ان عبدالله صلى بعلقمة والا سود، فقام هذا عن يمينه وهذا عن شماله ثم قام بينهما۔

ابراہیم نخعی اسود سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ اور اسود کو نماز پڑھائی ایک کو اپنے دائیں طرف اور ایک کو بائیں طرف کھڑا کیا اور خود ان دونوں کے درمیان کھڑے ہوئے۔

(مصنف عبدالرزاق ص٤٠٩ ج٢ رقم الحديث ٣٨٨٤ و طبرانی کبیر ص٢٧٦ ج٩ رقم الحديث ٩٣٨١)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر دو مقتدی ہوں تو امام ان کے درمیان کھڑا ہو، جبکہ حنفیہ کے نزدیک امام درمیان کی بجائے آگے کھڑا ہو،

سادساً: انوار صاحب کی پیش کردہ روایت کی سند میں حماد بن ابی سلیمان نے امام ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے، حماد گو صدوق ہے مگر وہم کرتا ہے (تقریب ص۸۲) امام ابن عدی فرماتے ہیں حماد کی ابراہیم سے روایات میں افراد وغرائب ہیں (تہذیب ص۱۷ ج۳) اس کے برعکس امام الاعمش نے بھی اس روایت کو امام ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے، جس میں صراحت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ جماعت گھر میں مسجد کی جماعت سے پہلے کروائی تھی (صحیح مسلم ص۲۰۲ ج۱) امام الاعمش ثقہ و حافظ ہیں (تقریب ص۱۳۶) ہاں تدلیس کرتے ہیں مگر، ابوعوانہ ص۱۶۴ ج ۲ میں سماع کی صراحت ہے،

الغرض حماد کی روایت شاذ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، اور صحیح حدیث میں صرف اتنا بیان ہے کہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حکمرانوں کا نماز کو تاخیر سے پڑھانے کی وجہ سے گھر میں مسجد کی جماعت سے پہلے ہی نماز پڑھ لی تھی، انوار صاحب کے علامہ عثمانی فرماتے ہیں۔ وفیه اشارة الیٰ انکار تاخیر هم الصلاة، اور اس میں اشارہ ہے تاخیر نماز کے انکار پر (فتح الملہم ص۱۲۴ ج۲)

(۷) عن الحسن قال کان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخلوا المسجد وقد صلی فیه صلوا فرادی۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۲۳ ج۲)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام جب مسجد میں جاتے اور نماز ہو چکی ہوتی تو اکیلے اکیلے نماز پڑھتے (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۲)

الجواب اولاً: اس روایت میں یہ صراحت نہیں کہ محلّہ کی مسجد میں ایسا کرتے تھے، اگر انوار صاحب اس پر ہی بضد ہوں کہ محلّہ کی مسجد ہی مراد ہے تو مخالف یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ راستہ کی مسجد مراد ہے لہذا یہ روایت حنفیہ کے خلاف ہے۔

ثانیاً: سیدنا حسن بصری کی عام صحابہ کرام سے روایات مرسل ہیں۔ اس لیے یہ روایت مرسل ہے،

ثالثاً: سند میں، کثیر بن عبداللہ بصری ہے، اسے امام بخاری امام ابو حاتم امام نسائی امام حاکم امام ابو احمد وغیرہ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے، امام نسائی نے متروک بھی کہا ہے ابو حاتم نے سخت ضعیف اور شبہ متروک قرار دیا ہے (تہذیب ص۴۱۸ ج۸) کوئی ادنیٰ کلمہ توثیق بھی کتب رجال سے اس کے حق میں نہیں ملتا۔ الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے،

رابعاً: سند میں ایک راوی وکیع ہے، تہذیب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابو ہلال کے ترجمہ میں صراحت کی ہے کہ وکیع بن مبارک ہے لہذا اس وکیع کی بحوالہ عدالت وثقات بیان کی جائے جو امام ابن ابی شیبہ کا استاد اور ابو ہلال کا شاگرد ہو، میزان، ابن عدی، عقیلی، تاریخ بغداد، تاریخ کبیر، صغیر، الجرح والتعدیل، ثقات ابن حبان، اور خلاصہ وغیرہ کتابوں کو راقم نے دیکھ لیا ہے مگر ان میں اس کا ترجمہ نہیں ملا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مجہول ہے، اور جس روایت کی سند میں ایک راوی متروک دوسرا مجہول ہو پھر اس کا سلسلہ سند بھی مرسل ہو اس کے باطل ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

(۸) عن الحسن انه کان یقول یصلون فرادی۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۲۳ ج۲)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ (ایسی صورت میں) اکیلے اکیلے نماز پڑھیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۳)

الجواب اولاً: کس صورت میں؟ ممکن ہے کہ جب امام نہ ملے، اور اگر مل جائے تو بدعتی ہو، مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے سے فساد کا خطرہ ہو، جب یہ احتمالات موجود ہیں، مگر انوار صاحب بلاوجہ اور بلا

دلیل اس سے دوسری جماعت مراد لیتے ہیں۔
ثانیاً: چلو مان لیتے ہیں کہ دوسری جماعت ہی مراد ہے تو تب بھی محلّہ کی مسجد کس لفظ کا معنی ہے کیونکہ راستہ کی مسجد میں تو آپ بھی جائز کہتے ہیں۔
ثالثاً: چلو مان لیتے ہیں کہ محلّہ کی مسجد ہی مراد ہے، تو یہ احتمال بھی تو ہے کہ فتنہ سے بچنے کے لیے انہوں نے یہ فتوٰی دیا ہو، امام حسن بصری سے ثابت ہے کہ

عن الحسن قال انما کانوا یکرھون ان یجمعوا مخافة السلطان۔

یعنی امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ اسلاف سلطان کے خوف کی وجہ سے (دوسری جماعت) کو مکروہ خیال کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۲ ج ۱)
سابقہ فصل میں امام حسن بصری کا دوسری جماعت کے جواز کا فتوٰی نقل کیا جا چکا ہے، لہذا ممانعت کا فتوٰی خوف سلطان اور فتنہ سے بچنے پر محمول کیا جائے گا۔
رابعاً: سند میں، یونس بن عبید اور ھشیم دونوں مدلس ہیں (طبقات المدلسین) اور تحدیث کی صراحت بھی نہیں، لہذا یہ روایت ہی سرے سے ضعیف ہے اور جواز کا فتوٰی صحیح سند سے ہے لہذا وہی راجح ہے

(۹) عن ابی قلابة قال یصلون فرادٰی (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۳ ج ۲)

حضرت ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں اکیلے اکیلے نماز پڑھیں۔
الجواب اولاً: بلاشبہ اس کی سند صحیح ہے، مگر اس میں متعدد احتمال ہیں، سابقہ روایت میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔
ثانیاً: اگر مسجد کی جماعت میں شامل نہ ہو سکا تو گھر میں جماعت کروانا احناف کے نزدیک بھی جائز ہے (احسن الفتاوٰی ص ۳۲۸ ج ۳) مگر مذکورہ قول سے اسکی بھی نفی ہوتی ہے۔
ثالثاً: بعض صورتوں میں احناف کے نزدیک بھی جماعت ثانیہ درست ہے، تفصیل حسب ذیل ہے
(۱) مسجد راستہ پر واقع ہو (۲) امام و مؤذن معین نہ ہوں (۳) محلّہ کی مسجد میں غیر اہل محلّہ نے جماعت کی ہو (۴) محلّہ کی مسجد میں بلا اذان جماعت محلّہ والوں نے ہی کی ہو، (۵) محلّہ کی مسجد میں اہل محلّہ نے اعلان اذان سے جماعت کی ہو اور تکرار جماعت بھی اذان سے ہو (۶) صورت مذکورہ میں تکرار بلا اذان ہو اور جماعت ہیئت اولٰی پر ہی ہو، یعنی عدول عن المحراب نہ کیا گیا ہو، (۷) تکرار جماعت بلا اذان ہو اور جماعت ہیئت اولٰی پر نہ ہو یعنی عدول عن المحراب کیا گیا ہو، امام وسط مسجد میں محراب یا محراب کی محاذاۃ میں نہ کھڑا ہوا ہو۔
ان سات صورتوں میں سے پہلی چار صورتوں میں دوسری جماعت کروانا خواہ اذان و اقامت کے

ساتھ ہو، آئمہ احناف کے نزدیک بالا جماع جائز بلکہ افضل ہے۔
پانچویں اور چھٹی احناف کے نزدیک بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے، اور ساتویں صورت آئمہ احناف میں مختلف فیہ ہے (فتاویٰ شامی ص۵۵۳ ج۱)
انوار صاحب وضاحت کریں کہ انہوں نے کس دلیل سے پہلی چار صورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے، اور قرآن و حدیث سے کون سے دلائل پہلی صورتوں کے افضل ہونے اور بقایا کے حرام ہونے کے نقل کئے ہیں، علاوہ ازیں حرمین میں کس دلیل سے چار مصلے قائم کرکے تکرار کے ساتھ ایک مدت تک جماعت کرواتے رہے، دوسری تو کیا تیسری اور چوتھی جماعت بھی ہوتی تھی، جس کے مکروہ نہ ہونے کا فتویٰ تو دارالعلوم دیوبند کے مفتیان نے بھی دے رکھا ہے (فتاویٰ دارالعلوم ص۵۲ ج۳)
آخر آپ بچارے وہابیوں کے ہی پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں؟ آپ اپنے مسلک کا رد کیوں نہیں کرتے؟ الغرض اس اثر سے اگر تکرار جماعت کا مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو آپ کی مذکورہ پانچ صورتیں کیسے مستثنیٰ ہیں، پھر مسجد میں تو آپ دوسری جماعت کو مکروہ کہتے ہیں، مگر کوٹھڑی (حجرہ مسجد) میں جائز کہتے ہیں (فتاویٰ دارالعلوم ص۵۲ ج۳)
یہ سب حیلے بہانے اور طفل تسلیاں ہیں۔ اگر جماعت ثانیہ نا جائز ہے تو علی الاطلاق نا جائز مانیئے، بعض صورتوں کو علیحدہ کس دلیل سے کرتے ہو، کبھی امام شافعی کے قول کا سہارا لیتے ہو کبھی المدونۃ الکبرٰی جیسی مخدوش السند کتاب کی عبارت نقل کرتے ہو، ہم کہتے ہیں کہ آئمہ میں سے کوئی فرد واحد بھی حنفیوں کے موافق نہیں کوشش کر دیکھیئے قیامت تک آپ کو مہلت ہے، کسی نے بھی ان صورتوں کو مستثنیٰ قرار دیکر باقی صورتوں کے حرام ہونے کا فتویٰ نہیں لگایا۔
اِدھر اُدھر سے بے کار حوالے نقل نہ کیجئے صریحاً اپنے مؤقف پر کسی صحابی، تابعی کا فتویٰ پیش کیجئے، یہاں پر انوار خورشید ایسا بوکھلایا ہے کہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ہے، بحوالہ قاسم نانوتوی لکھتا ہے کہ معرکہ جہاد میں بھی ایک امام کے پیچھے دو طائفہ کرکے نماز پڑھائی گئی۔ یہ دوسری جماعت کے مکروہ ہونے کی دلیل ہے (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۹ ص۹) ان عقل کے دشمنوں سے پوچھیئے کہ کیا آپ کے نزدیک جنگل وصحرا بھی مسجد کا حکم رکھتا ہے جس میں جماعت ثانیہ ناجائز ہے، پھر راستہ کی مسجد کی تخصیص کے چہ معنیٰ؟ محترم اگر جنگل میں ایک دفعہ جماعت کے بعد دوسری مکروہ ہے تو پھر ایک شہر میں بھی مختلف مساجد میں جماعت مکروہ ہی ہوگی، عشاء کے علاوہ باقی تمام نمازیں آپ کی باطل ہوئیں کہ چاروں نمازیں اہل حدیث کی مساجد میں پہلے ادا ہوتی ہیں، ایک شہر میں تعدد جمعات بھی نا جائز ومکروہ ہوئے، محترم سنئے حنفیہ کے نزدیک بھی اگر مسجد سے ایک ہاتھ دور جماعت ثانیہ کروائی جائے تو جائز ہے مولانا گنگوہی نے، القطوف الدانیہ فی حکم الجماعۃ الثانیہ میں اس پر تفصیل سے لکھا ہے (معارف السنن ص۲۸۷ ج۲)

خیر ہم نے انوار صاحب کا تکبر توڑنے کے لیے نانوتوی صاحب کے کلام پر مختصر تبصرہ کر دیا ہے ورنہ قاسم صاحب تو وہ شخصیت ہیں جنہیں مسئلہ ختم نبوۃ بھی سمجھ نہیں آیا تھا جس پر متعدد قرآن کی آیات بیسیوں احادیث اور اجماع امت ہے۔ اگر انہیں خالص حدیثی اور فقہی مسئلہ سمجھ نہیں آیا تو کوئی عجوبا نہیں، آخر میں ایک اور لطیفہ ملاحظہ کیجئے بحوالہ مولوی احمد علی فرماتے ہیں کہ ایک ہی مسجد میں دوسرا جمعہ اس لیے ناجائز ہے کہ سب شرائط پائے جانے کے باوجود صرف شرط جماعت پوری نہیں ہوسکتی اس لیے سب شرائط پائے جانے کے باوجود صرف شرط جماعت پوری نہیں ہوسکتی اس لیے دوبارہ جماعت جمعہ صحیح نہیں (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۳۰) اچھا پہلی چار صورتوں میں تو جماعت بھی افضل ہے جیسا کہ ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں، انوار صاحب وضاحت کریں کہ آیا ان چار صورتوں میں آپ ایک ہی مسجد میں تکرار جمعہ کے قائل ہیں۔ اگر نہیں یقیناً نہیں، محترم ایسی فضول اور بے کار باتیں تحریر کرکے آپ کتاب کا حجم تو بڑھا سکتے ہیں اور مسئلہ حل کرنے کی بجائے الجھا بھی سکتے ہیں، مگر اہل علم کے ہاں ایسی ویسی باتیں دلائل میں شمار نہیں ہوتی بلکہ خبط اور خلط مبحث کہلاتی ہیں۔

(۱۰) عن افلح قال دخلنا مع القاسم المسجد وقد صلی فیه قال فصلی القاسم وحده۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۳۲۳ ج ۱)

حضرت افلح فرماتے ہیں کہ ہم حضرت قاسم کے ساتھ مسجد گئے تو وہاں نماز ہو چکی تھی، حضرت قاسم نے پھر تنہا نماز پڑھی (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۲۳)

الجواب ان جیسے آثار سے حنفیہ کا مؤقف قطعاً ثابت نہیں ہوتا، تفصیل پہلے نمبروں میں گزر چکی ہے، ویسے بھی تابعی کا قول شرعی طور پر حجت نہیں، علاوہ ازیں منفرد نماز پڑھنے سے تکرار جماعت کا انکار ثابت نہیں ہوتا، راقم کو متعدد بار ایسا اتفاق ہوا کہ جماعت کے بعد مسجد میں گیا اور انفرادی طور پر نماز ادا کی، تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ راقم کے نزدیک جماعت ثانیہ مکروہ ہے، قطعاً نہیں، اس اثر کا مفہوم فقط اتنا ہے کہ اگر انسان جماعت کے بعد مسجد میں جائے تو انفرادی طور پر نماز پڑھ سکتا ہے، اور ہم بھی کہتے ہیں کہ دوسری جماعت کروانا فرض اور واجب نہیں، صرف اجازت کے قائل ہیں کہ اس سے جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔

حرف آخر

انوار صاحب جماعت ثانیہ کے ناجائز وحرام اور مکروہ ہونے پر اور بعض صورتوں میں افضل ہونے پر قرآن وسنت سے کوئی دلیل نہیں دے سکے، چند محتمل ومشتبہ احادیث مرفوعہ کونقل کیا ہے۔ جس کا مسئلہ سے دور کا بھی تعلق نہیں، آثار صحابہ کرام میں سے کوئی بھی ایسا اثر پیش نہیں کر سکے جو بعض صورتوں میں جماعت ثانیہ کو افضل اور بقایا کو مکروہ قرار دیتا ہو، تابعین میں سے کوئی قول اپنے مؤقف پر پیش نہیں کر سکے، یہی وجہ ہے کہ کبھی مالکیوں سے دوستی کرتے ہیں اور کبھی امام شافعی رحمہ اللہ کی منت کرتے ہیں، اس کے باوجود ان کا ضمیر مطمئن نہیں ہوتا تو قیاس فاسد کرتے ہیں جو قرآن وحدیث کے خلاف ہونے کے علاوہ خود حنفیہ کے بھی موافق نہیں انوار صاحب اس سلسلہ میں اتنے بوکھلا چکے ہیں کہ ایسے آثار بھی نقل کرتے ہیں جن کے نصف حصے کو خود بھی تسلیم نہیں کرتے، مگر نصف اول کو مخالف پر پیش کر کے انہیں دعوت فکر دیتے ہیں، مقلد ہونے کے باوجود ایک تجدیدی نکتہ اٹھاتے ہیں کہ جماعت ثانیہ مکروہ تحریمی ہے بایں طور کہ امام ومقتدی دونوں فرض نماز ادا کریں ص ۵۲۵) انوار صاحب کہاں دھکے کھا رہے ہو، کیا آپ تراویح عیدین اور جنازہ میں جماعت ثانیہ کے قائل ہو چکے ہیں یہ صرف آپ نے انور صاحب کاشمیری کی تقلید میں نکتہ اٹھایا ہے۔ ورنہ اس چٹکلے سے فقہ کی کتابیں خالی ہیں، یہ صرف انکار حدیث کے لیے چور دروازہ ہے، تفصیل فصل اول میں گزر چکی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت عطا کرے اور عمل صالحہ بجالانے کی توفیق دے، آمین یا الہ العلمین۔

(۴۷) باب نماز میں مصحف شریف سے دیکھ کر قرأۃ کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

فصل اول

(۱) صحیح بخاری میں ہے کہ

کانت عائشة یومها عبدها ذکوان المصحف،

یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام ذکوان قرآن سے دیکھ کر ان کی امامت کراتا تھا۔

(بخاری ص۹۶ ج۱)

(۲) عن ابی بکر بن ابی ملیکة ان عائشة اعتقت غلاما لها عن دبر فکان یؤمها فی رمضان فی المصحف۔

امام ابو بکر بن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک غلام تھا، جسے بعد ازاں آپ نے آزاد کر دیا تھا۔ وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رمضان میں امامت کراتا تھا اور قراۃ قرآن سے دیکھ کر کرتا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۳۸ ج۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے (تغلیق التعلیق ص۲۹۱ ج۲)

(۳) ان عائشة کانت تقرأ فی المصحف وهی تصلی۔

ام المؤمنین سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نماز میں قرأۃ مصحف سے دیکھ کر کرتیں تھیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۲۰ ج۲ رقم الحدیث ۳۹۲۰)

(۴) امام ابن شہاب الزہری سے سوال ہوا کہ قرآن سے دیکھ کر امامت کا کیا حکم ہے؟

قال مازالوا یفعلون ذلك منذ کان الاسلام کان خیارنا یقرؤن فی المصاحف۔

یعنی ابتداء اسلام سے ہی لوگ قرآن مجید سے دیکھ کر امامت کراتے رہے جو ہمارے بہتر تھے۔

(قیام اللیل ص۱۶۸)۔

امام ابن شہاب الزہری جلیل القدر تابعی ہیں اور تابعی جب "کانوا یفعلون" "کانوا یقولون" وغیرہ کے الفاظ کہہ کر خبر دے تو اس سے مراد صحابہ کرام ہوتے ہیں۔

(قواعد فی علوم الحدیث مقدمہ اعلاء السنن ص۱۲۸)

(۵) عن ایوب قال سمعت القاسم یقول کان یوم عائشه یقرؤ فی المصحف۔

امام قاسم فرماتے ہیں کہ ایک غلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت مصحف سے دیکھ کر کراتا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۳۸ ج ۲)۔

(۶) عن ثابت البنانی قال کان انس یصلی و غلامه یمسك المصحف خلفه فاذا تعایا فی آية فتح عليه۔

امام ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے اور آپ کا غلام آپ کی اقتداء میں مصحف کو پکڑ کر رکھتا جب آپ کو کسی آیت میں دقت ہوتی تو وہ مصحف کھول کر پیش کر دیتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۳۸ ج ۲)۔

(۷) ابراهیم بن سعد عن ابیه انه کان یامره ان یقوم باهله فی رمضان و یامره ان یقرألهم فی المصحف ویقول اسمعنی صوتك،

ابراہیم اپنے والد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ انہیں حکم دیتے کہ وہ اپنے اہل عیال کو لیکر رمضان المبارک میں قیام کرے اور حکم دیتے کہ قرأۃ کو مصحف سے دیکھ کر پڑھے اور فرماتے کہ اتنا بلند آواز سے پڑھے کہ مجھے تیری آواز سنائی دے۔

(قیام اللیل ص۱٦٨)

(۸) قتادة عن سعید بن المسیب فی الذی یقوم فی رمضان ان کان معه ما یقرأ به فی لیلة والافلیقرأ من المصحف۔

امام قتادہ امام سعید بن میسّب سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص رمضان میں قیام کرے اگر اس کو اتنا قرآن مجید یاد ہو کہ ایک رات کے لیے کافی ہو تو بہتر ورنہ قرأۃ کو قرآن سے دیکھ کر کرلے۔ (قیام اللیل ص۱٦٨)

(۹) ایوب عن محمدانه کان لایری باسا ان یوم الرجل القوم فی التطوع یقرأ فی المصحف۔

امام ایوب امام محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نوافل میں مصحف سے دیکھ کر امامت کرانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

(قیام اللیل ص۱٦٨ و مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۳۸ ج ۲)

(۱۰) وقال عطاء فی الرجل یؤم فی رمضان من المصحف لا باس به،

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ مصحف سے دیکھ کر امامت کرانے میں کوئی حرج نہیں۔

(قیام اللیل ص۱٦٨ و مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۳۸ ج ۲)

(۱۱) وقال یحییٰ بن سعید الانصاری لا اری بالقرأة من المصحف فی رمضان باسایرید القیام۔

امام یحییٰ بن سعید انصاری کہتے ہیں کہ رمضان میں مصحف سے دیکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ مقصود قیام ہو۔

(قیام اللیل ص۱۶۸)

(۱۲) عن ایوب قال کان ابن سیرین یصلي و المصحف الی جنبه فاذا تردد نظر فیه۔

امام ایوب فرماتے ہیں کہ امام محمد بن سیرین جب نماز پڑھتے تو مصحف ان کی ایک جانب ہوتا جب (قرأۃ میں) تردد ہوتا تو اس سے دیکھ لیتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۲۰ ج۲ رقم الحدیث ۳۹۳۱)

(۱۳) عن الحسن قال لا باس ان یؤم الرجل فی شهر رمضان وهو یقرأ فی المصحف،

امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ رمضان میں مصحف سے دیکھ کر اگر کوئی شخص امامت کرائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۲۰ ج۲ رقم الحدیث ۳۹۲۹)

(۱۴) عن منصور عن الحسن و محمد قالا لا باس به۔

امام منصور امام حسن بصری اور امام محمد بن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ اس صورت میں کوئی حرج نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۳۸ ج۲)

(۱۵) حدثنا الربیع عن الحسن قال لا باس ان یؤم فی المصحف اذا لم یجد یعنی من یقرأ ظاهرا۔

امام ربیع امام حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ مصحف سے دیکھ کر امامت کرانے میں کوئی حرج نہیں جب کوئی یاد سے پڑھنے والا نہ ملے۔ (مصنف ابن ابی شیبه ص۳۳۸ ج۲)

(۱۶) عن ابن سیرین عن عائشة ابنة طلحة انها کانت تامر غلاما او انسانا یقرأ فی المصحف یؤمها فی رمضان۔

امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ (سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نواسی) سیدہ عائشہ بنت طلحہ رحمہا اللہ غلام کو حکم دیا کرتی تھیں کہ وہ ان کی رمضان المبارک میں امامت مصحف سے دیکھ کر کرے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۳۸ ج۲)

(۱۷) شعبة عن الحکم فی الرجل یؤم فی رمضان یقرأ فی المصحف رخص فیه۔

امام شعبیؒ امام حکم بن عتبہ کندی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رمضان المبارک میں (نماز تراویح میں) مصحف سے دیکھ کر امامت کرانے کی رخصت دی تھی

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۳۸ ج۲)

(۱۸) ابن وهب سئل مالك عن اهل قرية ليس احدمنهم جامعا للقرآن اترى ان يجعلوا مصحفا يقرأ لهم رجل منهم فيه فقال لا باس به فقيل له فالرجل الذى قد جمع القرآن اترى ان يصلى فى المسجد خلف هذا الذى يقوم بهم فى المصحف او يصلى فى بيته فقال لا ولكن يصلى فى بيته۔

امام ابن وہب کہتے ہیں کہ امام مالک سے سوال ہوا کہ ایک گاؤں میں کوئی حافظ قرآن نہیں، کیا آپ کے نزدیک درست ہے کہ وہ قرآن مجید آگے رکھے اور ان سے قرآن دیکھ کر پڑھے اور امامت کرائے، فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں، پھر کہا گیا حافظ قرآن مصحف سے دیکھ کر پڑھنے والے کی اقتدا کرے یا گھر میں ہی نماز پڑھے فرمایا کہ گھر میں نماز پڑھے۔

(قیام اللیل ص١٦٨)

(۱۹) عن احمد فى رجل يؤم فى رمضان فى المصحف فرخص فيه فقيل له يؤم فى الفريضة قال و يكون هذا؟

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ کوئی شخص رمضان میں مصحف سے دیکھ کر امامت کرائے تو رخصت ہے، کہا گیا فرضوں میں بھی امامت کرا سکتا ہے، فرمایا فرضوں میں یہ ہوتا ہے؟ (یعنی فرضوں میں لمبے قیام کی ضرورت نہیں، ایک آدھ سورۃ ہی کافی ہے)۔

(قیام اللیل ص١٦٨)

قارئین کرام مذکورہ آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اقوال تابعین عظام کو مکرر ایک بار پڑھیے۔ ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا عمل صحیح و معتبر اسناد سے ثابت ہے کہ وہ مصحف سے دیکھ کر قرأۃ کرتے وقت امامت کے قائل و فاعل ہیں، اور عشرہ مبشرہ میں شامل صحابی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو مصحف سے دیکھ کر امامت کرنے کا حکم دیتے ہیں، اس کے برعکس کسی صحابی سے مصحف سے دیکھ کر قرأۃ کرنے سے فساد نماز کا فتویٰ تو کجا مکروہ ہونے کا بھی ثابت نہیں بلکہ ممانعت کا قول بھی کسی صحیح یا حسن سند سے ثابت نہیں، اور امام ابن شہاب الزہری کے قول سے ثابت ہوا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مصحف سے دیکھ کر قرأۃ کرنے کا مؤقف و مذہب اور مسلک تھا،

مدینہ منورہ کے جید اور نامور عالم دین معروف تابعی امام سعید بن مسیّب بھی اجازت دیتے ہیں، بصرہ کے مفتی اور تابعی امام محمد بن سیرین بھی یہی کہتے ہیں مکہ مکرمہ کے مفتی اور تابعی امام عطاء بن ابی رباح بھی س میں کوئی حرج نہیں دیکھتے، مدینہ کے رہنے والے امام یحییٰ بن سعید تابعی بھی اس میں کوئی حرج نہ ہونے کا فتویٰ صادر کرتے ہیں امام حسن بصری تابعی بھی حرج نہ ہونا فرماتے ہیں، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نواسی کا عمل بھی اسی پر ہے، کوفہ کے معروف تابعی امام حکم بن عتیبہ بھی رخصت دیتے ہیں۔

ان اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آثار تابعین کے برعکس حنفیہ کا فتویٰ فساد نماز کا ہے، غور کیجئے جب ان خیار امت کی نمازیں ہی برباد گئیں تو ان کا اخروی حال حنفیہ کے نزدیک کیا ہے، یہ بات ملحوظ رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال ہمارے نزدیک حجت ہیں (بشرطیکہ سنت سے ان کی نفی نہ ہوتی ہو) اور ان آثار کی وجہ سے ہی ہمارے نزدیک امامت کراتے وقت مصحف سے دیکھ کر قراۃ کرنی جائز ہے۔

واضح رہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے پہلے کسی ایک نے بھی فساد صلاۃ کا حکم نہیں لگایا، لیکن انوار صاحب اتنے بے ضمیرے اور گئے گزرے ہیں کہ ان آثار کو رد کر کے امام ابوحنیفہ کے قول کی نصرت وحمایت میں کتاب لکھ رہے ہیں، پھر حیرت در حیرت یہ کہ امام ابوحنیفہ کے قول کو رد کرنے والوں پر طعن و تشنیع کے انبار لگا کر اپنے کلیجہ کو ٹھنڈا کرتے ہیں ان کو شرم ہے نا حیا، دعویٰ پوچھو تو اہل سنت کا ہے۔

فصل دوم

(۱) عن رفاعة بن رافع ان رسول الله ﷺ فقص هذا الحديث قال فيه فتوضأ كما امرك الله ثم تشهد فاقم ثم كبر فان كان معك قرآن فاقرأبه والا فاحمد الله عزوجل وكبره وهلله، الحديث۔

(ابو داؤد ص۱۲۵ ج۱ و ترمذی ص٦٦ ج۱)

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث (اعرابی کی نماز والی) بیان کی اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جیسے تجھے اللہ نے حکم دیا ہے ویسے وضوء کر پھر اذان کہہ پھر اقامت کہہ پھر تکبیر (تحریمہ) کہہ پھر اگر تجھے کچھ قرآن یاد ہو تو وہ پڑھو ورنہ پھر اللہ عزوجل کی حمد کر اور اس کی تکبیر وتہلیل کر (یعنی الحمد اللہ، اللہ اکبر، اور لا الہ الا اللہ، کہہ) وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔

اگر قرآن پاک میں دیکھ کر قرأت کرتے ہوئے نماز پڑھنا پڑھانا صحیح ہوتا تو آپ اس شخص سے کہہ دیتے کہ اگر قرآن زبانی یاد نہ ہو تو دیکھ کر پڑھ لیا کرو، دوسرے قرآن میں دیکھ کر قرأت کرنا تعلیم و تعلم کے زمرہ میں آتا ہے، جو منافی صلوٰۃ ہے، تیسرے دوران نماز قرآن پاک کو ہاتھ میں لینا پھر اس میں دیکھنا پھر اوراق کو بدلنا یہ عمل کثیر ہے اور عمل کثیر مفسد صلوٰۃ ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۱و۵۳۳)

الجواب اولاً: تعلیم وتعلم اور عمل کثیر کا جواب تو یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بھی حافظ قرآن اگر مصحف سے دیکھ کر پڑھے تو جائز ہے۔

البحر الرائق ص۱۰ ج۲ و فتح القدير ص۳۵۱ ج۱ و فتاوی شامی ص٦٢٤ ج۱ و غنية المستملی ص٤٤٨ و فتاوىٰ عالم گيری ص۱۰۱ ج۱ و اعلاء السنن ص٦١ ج٥

ثانیاً: یہ آپ کے لیے تب مفید ہے جب آپ کسی دلیل سے یہ ثابت کر دیں کہ جلدی جلدی نماز پڑھنے والا صحابی مصحف سے نہیں پڑھ سکتا تھا۔ کیونکہ جس کو زبانی یاد نہ ہو صرف مصحف سے ہی پڑھ سکتا ہو، اس کے لیے مصحف سے پڑھنے کی اجازت آپ کے ہاں بھی ہے۔ تفصیل اگلی روایت میں آ رہی ہے۔

ثالثاً: مذکورہ حدیث میں، والا فاحمد الله عزوجل و کبره وهلله، کے الفاظ بیان کرنے میں، یحییٰ بن علی منفرد ہے اور اس کی عدالت و ثقات ثابت نہیں علامہ ذہبی نے، میزان الاعتدال ص۳۹۹ ج۴ میں اسے مجہول قرار دیا ہے اس کے برعکس یحییٰ کے استاد، علی، سے یہی حدیث پانچ راویوں نے نقل کی ہے مگر کسی میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔ تفصیل کے لیے حسب ذیل جدول کو دیکھئے۔

(۱) اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحۃ۔

(ابو دائود کتاب الصلاة باب صلاة من لا يقيم صلبه فى الركوع والسجود، الحديث۸۵۷،۸۵۸)۔

(۲) محمد بن اسحاق، ابو داؤد رقم الحدیث ۸۶۰ باب مذکورہ

(۳) محمد بن عمرو، ابو داؤد رقم الحدیث ۸۵۹ باب مذکورہ

(۴) ابن عجلان،

(سنن نسائی کتاب التطبيق باب الرخصة فى ترك الذكر فى الركوع ، الحديث ١٠٥٤)

(۵) داؤد بن قیس۔

(نسائی کتاب السهو باب أقل ما تجزى به الصلاة، الحديث ١٣١٥)

ان پانچ راویوں نے علی سے جو راویت نقل کی ہے اس میں مذکورہ الفاظ نہیں، اس لیے یہ الفاظ یحییٰ کی جہالت کی وجہ سے منکر ہیں، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث مسئی الصلاۃ میں سب سے زیادہ صحیح روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جیسا کہ امام بیہقی نے صراحت کی ہے (السنن الکبریٰ ص۳۷۲ ج۲)

اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں،

(بخاری رقم الحدیث ۷۵۷ و مسلم رقم الحدیث ۸۸۵)

بلکہ اس میں قرأت کرنے کا ذکر ہے جس سے ہمارے مؤقف کی تائید ہوتی ہے کہ یہ الفاظ بوجہ یحییٰ کا تفرد ہونے کے منکر ہیں۔

رابعاً: حدیث اس سلسلہ میں بالکل واضح ہے کہ آنے والے نے نماز منفرد پڑھی تھی، مگر انوار صاحب نے جو روایت درج کی ہے اس سے ان کے سابقہ باب (تکرار جماعت کا مکروہ ہونا) کی نفی ہوتی ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ صحابی کو جب حضور علیہ السلام نے نماز کا طریقہ سکھلایا تو اسے اذان و اقامت کا بھی طریقہ ارشاد فرمایا، (ترمذی رقم الحدیث ۳۰۲)، جس سے لازم آتا ہے کہ جب صحابی نے

دوبارہ نماز پڑھی تو نبی علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق نماز ادا کی تھی۔ جس میں اذان و اقامت بھی تھی۔ ظاہر ہے کہ اذان و اقامت کا تعلق جماعت سے ہے لہذا تکرار جماعت ثابت اور حنفیہ کا مسلک باطل، اگر انوار صاحب کہہ دیں کہ مسیئ الصلاۃ کی حدیث منفرد کے متعلق ہے تو ہم کہتے ہیں منفرد کے حق میں اذان و اقامت کہنے کے آپ بھی قائل نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ نکلا کہ یا تو تکرار جماعت تسلیم کر لیں یا منفرد کو بھی اذان و اقامت کہنے کے وجوب کا فتویٰ دیں۔ لیکن انوار صاحب ان دونوں میں سے کسی کو قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ اس سے ان کے تقلیدی مذہب کا بطلان لازم آتا ہے، اور انوار صاحب نے اس سے جان چھڑانے کے لئے یہ مخلص تلاش کیا ہے کہ پورا متن ہی درج نہیں کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۲) عن عبداللہ بن ابی اوفیٰ قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال انی لا استطیع ان آخذ من القرآن شیئاً فعلمنی ما یجز ئنی منه فقال قل سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

(الحدیث ابو داؤد ص۱۲۱ ج۱، نسائی ص۱۰۷ ج۱ مسند احمد ص۳۵۳ ج٤)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نبی علیہ السلام کے پاس آکر کہنے لگے کہ میں قرآن پاک سے کچھ حاصل کرنے کی (یعنی زبانی یاد کرنے کی) استطاعت نہیں رکھتا لہذا آپ مجھے کچھ سکھائیں، جو میرے لیے کافی ہو، آپ نے فرمایا تم یہ کہو، **سبحان اللہ والحمدللہ والا الٰہ اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ** وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ

اگر قرآن میں دیکھ کر قرأت کرتے ہوئے نماز پڑھنا پڑھانا جائز ہوتا تو حضور علیہ السلام اس شخص کو جس نے یہ کہا تھا کہ مجھے قرآن یاد کرنے کی استطاعت نہیں ہے کوئی ایسی چیز بتلا دیں جسے پڑھ کر نماز ہو جائے، ضرور فرما دیتے کہ بھئی اگر یاد کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو قرآن میں دیکھ کر نماز پڑھ لیا کرو، لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا (حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۱، ۵۳۲)

الجواب اولاً: **انی لا استطیع ان آخذ من القرآن**، کا جو آپ نے مفہوم بریکٹ میں بیان کیا ہے کہ زبانی یاد کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ درست نہیں، کیونکہ لفظ، آخذ، عطاء کی زد ہے، معنی یہ بنا کہ قرآن سے استفادہ نہیں کر سکتا، بلفظ دیگر قرآن پڑھ نہیں سکتا۔ اس معنی کی تائید حدیث کے دوسرے طریق سے ہوتی ہے، جس میں ہے کہ، انی لا أقرأ القرآن، یعنی میں قرآن پڑھ نہیں سکتا،

(مستدرك حاکم ص٢٤١ ج١ و مسند احمد ص٣٨٢ ج٤ دارقطنی ص٣١٣ ج١ و ابن خزیمه ص٢٧٣ ج١ رقم الحدیث ٥٤٤)

جس سے ثابت ہوا کہ، **انی لا استطیع ان اخذ القرآن**، کا معنی ہے کہ میں قرآن میں سے کوئی

چیز پڑھ نہیں سکتا، یہی معنی دیوبندی مکتب فکر کے نامور اور جید عالم دین صوفی عبدالحمید سواتی نے، (نماز مسنون ص۲۹۳) میں کیا ہے اور یہی معنی صحیح اور خالص متن حدیث کا ترجمانی ہے، لہذا انوار صاحب نے جو اس سے استدلال کیا ہے کہ اگر مصحف سے قرأۃ جائز ہوتی تو حضور علیہ السلام اسے فرماتے ہیں کہ چلو زبانی یاد نہیں ہوتا تو دیکھ کر ہی پڑھ لیا کرو، غلط و باطل ٹھہرا اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اس حدیث سے انوار صاحب کا استدلال معنوی تحریف ہے۔

ثانیاً: حدیث کے کس لفظ کا معنی ہے کہ نماز میں قرأۃ کی جگہ پر ان کلمات کو پڑھ لیا کرو، محترم، ما یجزئنی، کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض کا خیال ہے کہ ان کلمات کو قرآن کی تلاوت کی جگہ پر پڑھنا کافی ہے، اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ نماز میں قرأۃ کی جگہ پر ان الفاظ کا پڑھنا کفایت کرتا ہے، ہمارے نزدیک خالص نماز کے متعلق کہنا درست نہیں کیونکہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس معنی کا متحمل ہو،

ثالثاً: جو حضرات اسے نماز کی قرأۃ پر محمول کرتے ہیں ان کا خیال ہے یہ حدیث علی الاطلاق نہیں بلکہ اس کا ایک خاص وقت ہے وہ یہ کہ جب انسان اسلام قبول کرے اور فی الفور نماز کا وقت ہو جائے تو اسے نماز میں یہ کلمات کہہ کر نماز پڑھ لینی چاہیئے اور بعدہ قرآن کی آیات کو یاد کرنا چاہیئے۔ بذل المجہود ص۶۰ ج۲ مگر انوار صاحب عام حالات کو بھی اس پر قیاس کرتے ہیں۔ اور اسے مستقل حکم سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اس حدیث پر ہی غور کرتے تو مسئلہ صاف تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو شخص اس قدر کلمات یاد کر سکتا ہے اسے سورہ فاتحہ کیسے یاد نہیں ہو سکتی۔

رابعاً: چلو تمام چیزیں تسلیم کر لیتے ہیں، الف، یہ حدیث نماز کے بارے ہے،، ب،، مستقل حکم ہے، ت، انی لا أقرأ، کا معنی ہے میں حفظ قرآن نہیں کر سکتا،، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس دلیل سے ثابت ہوا کہ ناظرہ قرآن پڑھ سکتا تھا؟ اس پر کوئی دلیل عنایت کریں، چلو اسے بھی مان لیتے ہیں، مگر محترم فقہ حنفی کی معروف کتاب فتاوی ظہیریہ میں ہے کہ اگر ناظرہ قرآن پڑھ سکتا ہو اور بغیر قرآن نماز پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (بحوالہ البحر الرائق ص۱۰ ج۲)

خامساً: گو یہ حدیث حسن درجہ کی ہے تفصیل کے لیے (ارواء الغلیل ص۱۲ ج۲) کی مراجعت کریں مگر فرقہ دیابنہ کے نزدیک تو یہ روایت ہی ضعیف ہے جیسا کہ مولوی خلیل احمد سہارنپوری نے (بذل المجہود ص۶۱ ج۲) میں صراحت کی ہے، محترم جب آپ کے نزدیک یہ روایت ہی ضعیف ہے جو ناقابل دلیل ہے تو خصم پر حجت کس سے قائم کرتے ہو؟

(۳) عن ابن عباس قال نهانا امیر المؤمنین عمران نؤم الناس فی المصحف و نهانا ان یؤمنا الاالمحتلم۔ (کنز العمال ص۲۶۳ ج۸)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس سے

منع فرمایا ہے کہ ہم قرآن میں دیکھ کر لوگوں کی امامت کریں اور اس سے منع فرمایا کہ ہماری امامت بالغ کے علاوہ کوئی اور کرائے (حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۲)

الجواب اولاً: کنز العمال میں یہ روایت امام ابو داؤد کے بیٹے، عبداللہ کی تصنیف، کتاب المصاحف، سے بلا سند منقول ہے، صاحب کنز العمال نے مقدمہ میں جو صراحت کی ہے اس کے مطابق یہ روایت ضعیف ٹھہرتی ہے،

ثانیاً: کتاب المصاحف ص۱۸۹ میں اس کی سند حسب ذیل ہے،

حدثنا عبدالله بن محمد بن عامر بن ابراهيم عن ابيه عامر بن ابراهيم قال سمعت نهشل بن سعيد يحدث عن الضحاك عن ابن عباس۔

(كتاب المصاحف ص١٨٩ مطبوعه مكتبه رحمانيه مصر ١٩٣٦ء)۔

اب ترتیب وار اس سند کی کھوٹ ملاحظہ کیجئے۔ الف، سند منقطع ہے۔ کیونکہ ضحاک بن مزاحم کی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور سماع نہیں ہوا، جیسا کہ امام ابو حاتم، امام شعبی امام ابو زرعہ نے صراحت کی ہے بلکہ خود ضحاک کہتے ہیں کہ میرا ابن عباس سے سماع نہیں۔

(مراسیل ابن ابی حاتم ص۹۵)

'ب' ضحاک سے روایت کرنے والا راوی، نہشل بن سعید، کذاب و متروک ہے، امام ابو داؤد طیالسی اور امام اسحاق بن راہویہ نے کذاب قرار دیا ہے امام ابن معین فرماتے ہیں کہ ہیچ محض ضعیف اور غیر ثقہ ہے، ابو داؤد کہتے لیس بشئی، ابو زرعہ اور دارقطنی نے ضعیف کہا ہے، ابو حاتم فرماتے ہیں قوی نہیں متروک الحدیث اور ضعیف الحدیث ہے، جوز جانی فرماتے ہیں فن حدیث میں اس کی تعریف نہیں ہوئی، امام نسائی کہتے ہیں کہ متروک الحدیث اور غیر ثقہ ہے اس کی مرویات کو لکھا ہی نہ جائے، ابن حبان فرماتے ہیں ثقات سے ایسی روایات نقل کرتا ہے، جو ان کی مرویات میں سے نہیں اس کی روایات کو لکھا ہی نہ جائے مگر تعجب کے طور پر، امام حاکم فرماتے ہیں کہ ضحاک سے معضلات اور داؤد بن ابی ہند سے منکر روایات نقل کرتا ہے امام بخاری فرماتے ہیں اس سے معاویہ بصری منکر حدیثیں نقل کرتا ہے۔ امام ابو سعید نقاش فرماتے ہیں کہ ضحاک سے موضوع روایات بیان کرتا ہے (تهذيب التهذيب ص٤٧٩ ج ١٠)

امام حاکم فرماتے ہیں کہ ضحاک سے موضوع و من گھڑت اور جعلی روایات نقل کرتا ہے، (المدخل الی الصحیح ص ٢١٨) خیر سے یہ روایت بھی ضحاک سے ہی ہے، جس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت من گھڑت باطل اور موضوع ہے، ث، پھر سند میں، محمد اور عامر دونوں راویوں کی عدالت مطلوب ہے۔

(۴) عن جابر عن عامر قال لا يؤم فى المصحف۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٣٣٩ ج ٢)

حضرت عامر فرماتے ہیں کہ قرآن میں دیکھ کر امامت نہ کروائی جائے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۲)

الجواب عامر، نہ صحابی ہیں اور نہ ہی رسول کہ ان کا قول ہم پر حجت ہو، پھر یہ حضرات کون ہیں بحوالہ صراحت کی جائے، معلوم یوں ہوتا ہے کہ انوار صاحب بھی لاعلم ہی ہیں۔ ورنہ آخر میں اس پر نمک مرچ لگا کر فرماتے کہ فلاں شہر کے مفتی و امام اور فقیہہ و محدث اور جلیل القدر تابعی وغیرہ کا بھی یہی فتویٰ ہے مگر ایسا انہوں نے بھی نہیں کیا، الغرض یہ حضرات غیر معلوم ہیں۔ اور اللہ نے ہمیں مجہول لوگوں سے دین لینے کا مکلّف نہیں کیا

خلاصہ کلام انوار صاحب نے قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کرام میں سے کوئی دلیل بھی ایسی درج نہیں کی جو اس پر دلالت کرے کہ نماز میں مصحف سے دیکھ کر قرأت کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، ایسا ہی تابعین عظام کا فتویٰ بھی اپنے مؤقف پر ثابت نہیں کر سکے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ امام ابو حنیفہ سے پہلے فساد نماز کا فتویٰ کسی نے بھی نہیں دیا جیسا کہ امام مرزوی نے، (قیام اللیل ص۱۶۹) میں صراحت کی ہے، لہٰذا انوار صاحب کا آخر میں یہ کہنا کہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے برعکس غیر مقلدین کا مؤقف ہے، غلط بیانی ہے، بلاشبہ بعض حضرات کے نزدیک یہ مکروہ ہے مگر فساد نماز کا حکم کسی نے بھی نہیں لگایا، یہ ان کی زیادتی ہے، کراہت اور فساد میں فرق ہے، دیکھئے حنفیہ کے نزدیک رفع یدین مکروہ ہے مگر مفسد صلاۃ نہیں (کبیری ص۳۴۷) اور ایسا ہی ان کے ہاں ننگے سر نماز پڑھنا، مکروہ ہے (شرح نقایہ ص۹۵ ج۱ و حلبی کبیر ص۳۴۸) مگر اس کے باوجود ان کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے، دہرانے کی ضرورت نہیں، مگر افسوس انوار صاحب نے یہاں پر بھی ڈنڈی ماری ہے، صریحاً فساد صلاۃ کی کوئی دلیل بھی درج نہیں کی لیکن پھر بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ حدیث کی مخالفت ہے، آخر میں جو دلائل نقل کیے ہیں ان کا حال بھی دیکھئے پہلی دلیل منکر ہے دوسری کا تعلق نماز سے نہیں تیسری من گھڑت اور باطل ہے پھر پہلی دونوں حدیثوں کا تعلق زیر بحث مسئلہ سے نہیں بلکہ اضطراری حالت کی بات ہے اور تیسری دلیل کو جس انداز سے انہوں نے پیش کیا ہے وہ بھی ان کا ہی خاصہ ہے، فرماتے ہیں کہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قرآن میں دیکھ کر نماز پڑھانے سے منع فرمانا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ دوران نماز قرآن میں دیکھ کر قرأت کرنا مفسد صلوۃ ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ نہی مقتضی فساد ہوتی ہے

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۳)

محترم یہ ضابطہ غالباً آپ نے، اعلاء السنن، سے نقل کر دیا ہے، لیکن اس سے حنفیہ کے کتنے مسائل غلط ثابت ہو جاتے ہیں، اس کا آپ نے خیال نہیں رکھا، غور سے سنئے کہ

(۱) سدل سے منع فرمایا ہے (ابو داؤد ص۹۴ ج۱ و ترمذی ص۸۱ و مستدرک حاکم ص۲۵۳ ج۱)

(۲) کمر پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے (بخاری ص۱۶۳ ج۱ و مسلم ص۲۰۶ ج۱)

(۳) امام سے سبقت کرنے سے منع فرمایا ہے (مسلم ص۱۹۵ ج۱)

(۴) سجدہ میں کہنیوں کا زمین پر گرانے سے منع فرمایا ہے (مسلم ص۱۹۵ ج۱)

ان کے علاوہ بھی متعدد مقامات ہیں جن میں نبی مکرم سید دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے منع فرمایا ہے، لیکن مذکورہ چاروں باتیں حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہیں۔

(حلبی کبیر ص۳۷۷ و ۳۵۰ و ۳۷۰ و ۳٤٦)

ان افعال کو آپ مکروہ تسلیم کرتے ہیں جو صحت نماز کی دلیل ہے،

مولانا تھانوی فرماتے ہیں، مکروہ وہ چیز ہے جس سے نماز نہیں ٹوٹتی مگر ثواب کم ہو جاتا ہے۔

(بہشتی زیور ص۲۲ حصہ دوم)

انوار صاحب اگر نہی مقتضی فساد ہے تو کیا وجہ ہے کہ آپ ان مقام پر فساد صلاۃ کے قائل نہیں ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے منع کرنے سے فساد صلاۃ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ نہی بسا اوقات زجر و توبیخ کے لیے بھی ہوتی ہے اور تنزیہی بھی ہوتی ہے جو جواز کو ثابت کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اعلاء السنن ص۶۱ ج۵ کے حاشیہ پر مولانا حبیب احمد کیرانوی حنفی دیوبندی نے اعتراف کیا ہے کہ اس سے ہمارا استدلال تام نہیں ہے۔

(۴۸) باب اگر غلطی سے نماز میں کمی بیشی ہو اور سلام پھیر دیا جائے تو اس دوران اصلاح نماز کے لیے کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

فصل اول

(۱) عن عبداللہ قال صلی بنا النبی ﷺ الظھر خمسا، فقیل، أزید فی الصلاۃ؟ قال، وما ذاك؟ قالوا صلیت خمسا، فسجد سجدتین بعد ما سلم،

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی (تو آپ نے غلطی سے چار کی بجائے) پانچ رکعت پڑھائیں (جب آپ نے سلام پھیرا تو) آپ ﷺ سے کہا گیا کہ کیا نماز میں زیادتی ہوگئی ہے؟ آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ صحابہ کرام نے کہا کہ آپ نے پانچ رکعت نماز پڑھی ہے، تو آپ علیہ السلام نے دوسہو کے سجدے کیئے سلام پھیرنے کے بعد۔

(بخاری کتاب اخبار الاحاد باب جاء فی اجازۃ خبر الواحد، الحدیث ۷۲۴۹ و مسلم کتاب المساجد باب السھود فی الصلاۃ والسجود لہ، الحدیث ۱۲۸۱ و ۱۲۸۲)

(۲) عن ابراھیم بن سوید قال صلی بنا علقمۃ الظھر خمسا فلما سلم قال القوم یا اباشبل! قد صلیت خمسا، قال، کلا، ما فعلت' قالوا، بلی، قال وکنت فی ناحیۃ القوم، وانا غلام، فقلت بلی، قد صلیت خمسا، قال لی، وانت ایضاً یا ابا اعور! تقول ذاك؟ قال قلت، نعم، قال انفتل فسجد سجدتین ثم سلم، ثم قال، قال عبداللہ صلی بنا رسول اللہ ﷺ خمسا فلما انفتل تو شوش القوم بینھم، فقال ما شانکم؟ قالوا، یا رسول اللہ! ھل زید فی الصلاۃ؟ قال، لا، قالوا فانك قد صلیت خمسا فانفتل ثم سجد سجدتین ثم سلم، ثم قال، انما انا بشر مثلکم، انسی کما تنسون، وزاد ابن نمیر فی حدیثہ فاذا نسی احدکم فلیسجد سجدتین۔

امام ابراہیم بن سوید بیان کرتے ہیں کہ ہمیں امام علقمہ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو (چار کی بجائے) پانچ رکعتیں پڑھائیں، جب سلام پھیرا تو لوگوں نے کہا، اے ابوشبل (امام علقمہ کی کنیت ہے) آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائیں، انہوں نے کہا ہرگز نہیں، لوگوں نے کہا بے شک آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائیں، ابراہیم بن سوید کہتے ہیں کہ میں ایک کونے میں تھا اور کم عمر تھا، میں نے بھی کہا ہاں آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں وہ بولے اے ابواعور تو بھی یہی کہتا ہے، میں نے کہا ہاں! یہ سن کر وہ مڑے اور دوسجدے کیے اور پھر سلام پھیرا اور پھر فرمایا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ

نے ہمیں پانچ رکعتیں پڑھائیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ آواز سے کلام شروع کر دیا، آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا نماز زیادہ ہوگئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، حاضرین نے کہا کہ آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائی ہیں، آپ علیہ السلام نے (مقتدیوں کی طرف سے منہ پھیر کر) قبلہ رخ کیا اور دو سجدے کیئے پھر فرمایا کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں، جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں بھول جائے تو دو سجدے کرے۔

(مسلم کتاب المساجد باب السهو فی الصلوٰة والسجود له، الحدیث ١٢٨۴)

(٣) عن عبدالله ان النبی ﷺ سلّم ثم تکلم ثم سجد سجدتی السهو،

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد کلام کیا پھر سجدہ سہو کیا۔

(سنن نسائی کتاب السهو باب سجدة السهو بعد السلام والکلام، الحدیث ١٣٣٠)

(۴) عن عبدالله قال، صلی بنا رسول الله ﷺ خمسا، فلما انفتل توشوش القوم بینهم، فقال، ما شانکم؟ قالوا، یا رسول الله ﷺ! هل زید فی الصلاة؟ قال لا، قالوا، فانك قد صلیت خمسا، فانفتل فسجد سجدتین ثم سلم ثم قال انما انا بشر انسی کما تنسون۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی تو پانچ رکعتیں پڑھیں، جب آپ علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپس میں سرگوشی شروع کر دی، آپ نے فرمایا کیا کہتے ہو، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا نماز بڑھ گئی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، لوگوں نے کہا کہ پھر آپ نے پانچ رکعتیں پڑھیں ہیں آپ علیہ السلام نے منہ قبلہ کی جانب موڑا اور دو سجدے سہو کے کیے، پھر سلام پھیرا اور اس کے بعد ارشاد فرمایا میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں،

(سنن ابو داؤد کتاب الصلاة باب اذا صلی خمسا، الحدیث ١٠٢٢)

(۵) عن عبدالله رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ صلی الظهر خمسا، فقیل له، أزید فی الصلاة؟ فقال وما ذاك؟ قال، صلیت خمسا، فسجد سجدتین بعد ما سلم،

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بھول کر ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھیں، آپ علیہ السلام سے کہا گیا کیا نماز زیادہ ہوگئی؟ آپ علیہ السلام نے کہا کیا بات ہے؟ کہا (صحابہ) نے کہ آپ نے پانچ رکعتیں نماز پڑھیں، تب آپ نے سلام پھیر چکنے کے بعد دو سہو کے سجدے کیے۔

بخاری کتاب السهو باب اذا صلی خمسا، الحدیث ١٢٢٦ ومسلم کتاب المساجد باب السهو فی الصلاة والسجود له، الحدیث ١٢٨١ وابو داؤد کتاب الصلاة باب اذا صلی خمسا، الحدیث ١٠١٩ و ترمذی کتاب

الصلاۃ باب ما جاء فی سجدتی السھو بعد السلام والکلام، الحدیث ۳۹۲ و نسائی کتاب السھو باب ما یفعل من صلی خمسا، الحدیث ۱۲۵۵)

(۶) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال صلی بنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم الظھر والعصر فسلم فقال لہ ذو الیدین، الصلاۃ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أنقصت؟ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صحابہ، أحق ما یقول قالوا نعم، فصلی رکعتین اخریین ثم سجد سجدتین قال سعد و رایت عروۃ بن الزبیر صلی من المغرب رکعتین فسلم و تکلم ثم صلی ما بقی و سجد سجدتین وقال ھکذا فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی تو دو رکعت پر سلام پھیر دیا، تو آپ علیہ السلام سے سیدنا ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا نماز کی رکعات کم ہوگئی ہیں، آپ علیہ السلام نے صحابہ کرام سے کہا جو بات ذوالیدین کہتا ہے کیا یہ درست ہے، صحابہ کرام نے ذوالیدین کی تائید کی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری دو رکعت پڑھیں پھر سہو کے دو سجدے کیے، امام سعد بن ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں نے عروہ بن زبیر کو دیکھا کہ انہوں نے غلطی سے مغرب کی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا (اصلاح نماز کے بارے) کلام کرنے کے بعد پھر انہوں نے باقی ماندہ نماز پڑھی اور سہو کے دو سجدے کیے اور کہا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح کیا تھا۔

(بخاری کتاب السھو باب اذا سلم فی رکعتین اوفی ثلاث سجد سجدتین مثل سجود الصلاۃ او اطول، الحدیث ۱۲۲۷)

(۷) حدثنا ایوب قال سمعت محمدبن سیرین یقول سمعت ابا ھریرۃ یقول صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احدی صلاتی العشی امّا الظھر واما العصر فسلم فی رکعتین ثم اتی جزعا فی قبلۃ المسجد فاستند الیھا مغضبا وفی القوم ابو بکر و عمر فھا با ان یتکلما و خرج سرعان الناس، قالوا، قصرت الصلاۃ فقام ذو الیدین فقال یا رسول اللہ! أقصرت الصلاۃ ام نسیت؟ فنظر النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمینا و شمالا، فقال، ما یقول ذوالیدین؟ قالوا، صدق، لم تصل الا رکعتین، فصلی رکعتین و سلم ثم کبر ثم سجد ثم کبر فرفع ثم کبر وسجد ثم کبر ورفع۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا، پھر ایک لکڑی کی طرف آئے جو مسجد میں قبلہ رخ لگی ہوئی تھی، اور غصہ کی حالت میں اس سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے، اور قوم میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے اور وہ آپ سے بات کرنے سے ڈرے، اور جلدی جلدی جانے والے حضرات یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ نماز میں کمی ہوگئی، سیدنا ذوالیدین رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ کیا نماز کم ہوگئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے یہ سن کر دائیں اور بائیں دیکھا اور کہا ذوالیدین

کیا کہتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضور ﷺ ذوالیدین درست کہتا ہے، آپ نے واقعی دو رکعتیں پڑھائی ہیں، یہ سن کر آپ علیہ السلام نے مزید دو رکعت نماز پڑھائی اور سلام پھیرا پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کہ سجدہ سے سر اقدس اٹھایا پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کیا پھیر تکبیر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھایا۔

(مسلم کتاب المساجد باب السہو فی الصلاۃ و السجود لہ، الحدیث ۱۲۸۸)

(۸) عن ابی ھریرۃ قال بینا انا اصلی مع النبی ﷺ صلاۃ الظھر سلم رسول اللہ ﷺ من الرکعتین فقام رجل من بنی سلیم واقتص الحدیث

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا تو آپ علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ بن سلیم سے ایک شخص کھڑا ہوا، بقیہ حدیث حسب سابق ہے۔

(مسلم کتاب المساجد باب السہو فی الصلاۃ والسجود لہ، الحدیث ۱۲۹۲)

(۹) عن معاویۃ بن حدیج ان رسول اللہ ﷺ صلی یوما فسلم وقد بقیت من الصلاۃ رکعۃ، فادرکہ الرجل فقال نسیت من الصلاۃ رکعۃ، فرجع فدخل المسجد وامر بلال فاقام الصلاۃ فصلی باالناس رکعۃ فاخبرت بذلک الناس، فقالوا لی، أتعرف الرجل؟ قلت، لا، الا ان أراہ، فمربی، فقلت، ھذا ھو، فقالوا، ھذا طلحۃ بن عبید۔

سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن نماز پڑھائی تو سلام پھیر دیا حالانکہ نماز پوری ہونے میں ایک رکعت باقی تھی، ایک شخص نے آپ علیہ السلام کے پاس جا کر کہا کہ آپ نماز میں ایک رکعت بھول گئے ہیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام لوٹ کر آئے اور مسجد میں داخل ہوئے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انہوں نے تعمیل ارشاد میں اقامت کہی اور آپ نے (لوگوں کے ساتھ) ایک رکعت نماز پڑھی، میں نے لوگوں سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کیا تو اس شخص کو جانتا ہے، میں نے کہا نہیں، ہاں البتہ اگر دیکھوں تو پہچان لوں گا، پھر وہی شخص میرے سامنے گزرا تو میں نے کہا کہ یہ شخص تھا، لوگوں نے کہا یہ طلحہ بن عبید ہے،

(سنن ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب اذا صلی خمسا، الحدیث ۱۰۲۳، نسائی کتاب الاذان باب الاقامۃ لمن نسی رکعۃ من صلاۃ، الحدیث ٦٦٥)

دیوبندی مکتب فکر کے نزدیک نسائی کی تمام احادیث صحیح ہیں (انہا السکن ص ۷۱) لہذا یہ حدیث بھی ان کے نزدیک صحیح ہی ہوگی۔

(۱۰) عن معاویۃ بن حدیج قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ المغرب فسھا فسلم فی رکعتین ثم انصرف فقال لہ رجل یا رسول اللہ انک سھوت فسلمت فی رکعتین فامر بلالا

فاقام الصلاة ثم تم تلك الركعة، فسالت الناس عن الرجل الذی قال یا رسول الله انك سهوت، فقیل لی أتعرفه قلت لا الا ان اراه فمر بی رجل فقلت هو هذا قالوا هذا طلحة بن عبید۔ هذا حدیث صحیح۔

سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں مغرب کی نماز پڑھی تو آپ نے بھول کر دو رکعتوں پر ہی سلام پھیر دیا، آپ مڑے تو آپ سے ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھول گئے اور دو رکعتوں پر ہی سلام پھیر دیا ہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تکبیر ہوئی اور باقی ماندہ رکعت کو پورا کیا، لوگوں نے مجھ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا کہ آپ بھول گئے، (لوگوں نے کہا کہ) کیا تو اس شخص کو پہچانتا ہے؟ میں نے کہا نہیں، مگر یہ کہ اگر اسے دیکھوں تو پہچان لوں گا، اتنے میں وہ شخص گزرا، تو میں نے کہا کہ یہی وہ شخص ہے، لوگوں نے کہا یہ طلحہ بن عبید رضی اللہ عنہ ہے۔

(مستدرک للحاکم ص۲۲۳ ج) حاکم و ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

(۱۱) عن معاویة بن حدیج ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم صلی یوما فسلم و انصرف وقدبقی من الصلاة رکعة، فادرکه رجل فقال، نسیت من الصلاة رکعة فرجع فدخل المسجد وأمر بلالا فا قام الصلاة فصلی بالناس رکعة فاخبرت بذلك الناس فقالوا لی أتعرف الرجل؟ قلت لا، الا ان أراه، فمر بی فقلت هذا فقالوا طلحة بن عبیدالله رضی الله عنه۔

سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھائی آپ علیہ السلام نے سلام پھیرا اور واپس پلٹ گئے جبکہ ایک رکعت نماز سے باقی تھی، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک شخص ملا اور کہا کہ آپ نماز سے ایک رکعت بھول گئے ہیں، آپ واپس آئے مسجد میں داخل ہوئے اور بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تکبیر ہوئی اور لوگوں کے ساتھ آپ نے ایک رکعت نماز پڑھی، میں نے لوگوں کو اس کی خبر دی تو انہوں نے مجھے کہا کہ کیا تو اس شخص کو جانتا ہے، میں نے کہا نہیں مگر یہ کہ اسے دیکھوں تو پہچان لوں، اتنے میں وہ گزرے تو میں نے کہا کہ یہی وہ شخص ہے، لوگوں نے بتایا کہ یہ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

(مسند احمد ص۴۰۱ ج۶ رقم الحدیث ۲۶۷۱۰)

(۱۲) عن عطاء أن ابن الزبیر صلی المغرب وسلم فی رکعتین و نهض لیستلم الحجر فسبح القوم فقال ماشانکم؟ وصلی ما بقی و سجد سجدتین فذکر ذلك لا بن عباس فقال ما اماط عن سنة نبیه صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا، اور حجر اسود کا بوسا لینے کے لیے کھڑے ہوئے، قوم نے تسبیح کہی تو انہوں نے کہا

کس لئے تسبیحات کہہ رہے ہو (جب سہو بتایا گیا تو) انہوں نے باقی ماندہ نماز پڑھی اور سہو کے دو سجدے کیئے، جب سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو انہوں کہا کہ انہوں نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ہٹ کر ایسا نہیں کیا۔

(مسند احمد ص ۳۵۱ ج ۱)

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اسے، بزار اور طبرانی نے، (المعجم الکبیر والمعجم الاوسط) میں روایت کیا ہے، اور مسند احمد کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ص ۱۵۳ ج ۲)۔

(۱۳) عن عطاء قال صلى ابن الزبير المغرب فسلم فى ركعتين ثم نهض فسبح الناس فقال مالهم ، ثم جاء فركع ركعة ثم سجد سجدتين قال فاتيت ابن عباس فاخبرته يفعل ابن الزبير فقال ما اماط عن سنة نبيه صلى الله عليه وسلم، قال الشيخ و ابن الزبير هذا عبد الله بن الزبير۔

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا، پھر کھڑے ہو کر (حجر اسود کی طرف چلے گئے) لوگوں نے (لقمہ کے لئے) تسبیح کہی تو آپ نے کہا انہیں کیا ہے، پھر آئے اور ایک رکعت پڑھ کر سہو کے دو سجدے کیئے، امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہیں اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ہٹ کر ایسا نہیں کیا۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص ۳۶۰ ج ۲)

(۱۴) عن المسيب بن رافع ان الزبير ابن العوام صلى فتكلم فبنى على صلاته۔

امام مسیّب بن رافع فرماتے ہیں کہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی (سہوا سہو ہو گیا) تو انہوں نے اصلاح نماز کے لیے کلام کیا پھر پہلی نماز پر بنا کر کے باقی نماز پڑھی۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۳۸ ج ۲)

مذکورہ احادیث و آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فتاویٰ تابعین عظام سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نماز میں اگر سہو سے سلام پھیر دیا جائے اور اصلاح نماز کے لیے نماز میں اصلاح نہ ہو سکے تو سلام پھیرنے کے بعد غلطی کی تحقیق کے طور پر جو گفتگو کی جائے تو اس سے نماز میں کوئی فساد نہیں آتا ہاں تکمیل نماز کے بعد سجدہ سہو کرے، عمل نبوی کے علاوہ صحابہ کرام اور اولاد صحابہ کا یہی عمل تھا، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اسے سنت قرار دیتے ہیں۔ اب ذرا ہم اپنے دلائل کی وضاحت بھی کر دینا چاہتے ہیں، کیونکہ انوار صاحب نے حسب عادت یہاں خبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے خلط مبحث کی ہے، اور ایسی احادیث کو نقل کیا ہے جن میں نماز کی حالت میں گفتگو کرنے سے منع کیا گیا ہے، حالانکہ نماز میں کلام کے جواز اور عدم جواز کی بحث نہیں بلکہ اس کی ایک خاص صورت سہو کے متعلق ہے، ہم نے خبط اور خلط مبحث اس لیے کہا

ہے کہ فرض کرو کہ دو آدمیوں کے درمیان حسب ذیل مسئلہ زیر بحث ہے ایک شخص کہتا ہے کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، دوسرا کہتا ہے کہ بھول کر اگر کھا پی لیا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جو شخص بھول کر کھانے والے کے روزے کو فاسد کہتا ہے وہ ان احادیث کو بطور دلیل بیان کرتا ہے، جس میں کھانے سے کفارہ لازم آتا ہے۔ دنیا کا کوئی عقل مند شخص فاسد کہنے والے کی تائید نہیں کرے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ مدعیٰ کی دلیل اس کے دعوی پر تقریب تام نہیں، مگر افسوس کہ انوار خورشید صاحب فقہ فقہ کا راگ صبح و شام آلاپتے ہیں لیکن انہیں اتنی چھوٹی سی بات کی بھی سمجھ نہیں، خیر ان سے جو بن پڑا ہے انہوں نے کیا ہے، مگر ہم نے جو دلائل نقل کیے ہیں وہ تمام کے تمام نسخ کلام کے بعد کے ہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک مدت تک نماز میں کلام کرنا مباح و جائز تھا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی حرمت نازل ہوئی، نماز میں کلام کرنے سے کب منع کیا گیا، علمائے امت میں اختلاف ہے، بعض کا خیال یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ہی منع کر دیا گیا اور بعض کا خیال ہے کہ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد منع کیا گیا، ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ نماز میں کلام کرنیکی ممانعت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، امت مرحومہ کے اکثر علماء کا یہی مؤقف ہے، تفصیل مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں گزر چکی ہے، اب مذکورہ دلائل کی توضیح و تشریح کرنا بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں، حضرات محترم پہلی حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے جس میں واضح بیان ہے کہ حضور علیہ السلام نے کلام کے بعد سجدہ سہو کیا، اور یہ واقعہ بھی نسخ کلام کے بعد کا ہے، کیونکہ اس میں ظہر کی چار رکعتوں کا ذکر ہے، اور پانچویں رکعت آپ علیہ السلام نے سہو سے پڑھی تھی، جس سے ثابت ہوا کہ یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں پیش آیا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام جب تک مکہ مکرمہ میں رہے ظہر وعصر اور عشاء کی نمازیں دو دو رکعتیں تھیں جب ہجرت کی تو دو رکعتوں کی بجائے چار رکعتیں فرض کر دی گئی جیسا کہ ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

(بخاری ص ۵٦۰ ج ۱ کتاب مناقب الانصار باب التاریخ من این ارخو التاریخ، الحدیث ۳۹۳۵)

جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی تو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حبشہ میں تھے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حبشہ سے مدینہ منورہ کب تشریف لائے، اس پر تمام اکابر و اصاغر احناف کا اتفاق ہے۔

کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے اس حال میں کہ آپ نماز میں ہوتے تھے، آپ ہمیں جواب دیتے تھے، جب ہم نجاشی شاہ حبشہ کے یہاں سے واپس لوٹے تو ہم نے آپ کو سلام کیا آپ نے جواب نہیں دیا نماز کے بعد ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو دوران نماز سلام کرتے تھے تو آپ جواب دیتے تھے آپ نے فرمایا کہ نماز میں

مصروفیت ہوتی ہے۔ (بخاری ص۱۶۰ ج۱ و مسلم ص۲۰۴ ج۱)

اس حدیث میں، رجعنا من عند النجاشی، کے الفاظ سے حنفی حضرات کا استدلال ہے کہ رجوع سے مراد دوسرا رجوع ہے جو مدینہ طیبہ میں ہوا، اور اس رجوع کے وقت کلام کرنے کی اباحت ختم ہو کر ممانعت نازل ہو چکی تھی، جیسا کہ (۱) طحاوی نے (معانی الاثار ص۳۰۵ ج۱) میں (۲) زیلعی نے (نصب الرایہ ص۷۱ ج۲) میں (۳) عینی نے (عمدۃ القاری ص۲۶۸ ج۷) میں (۴) ملا علی القاری نے (مرقاۃ ص۵ ج۳) میں (۵) ابن ترکمانی نے (الجوہر النقی ص۳۶۲ ج۲) میں (۶) ابن عابدین نے (حاشیہ البحر الرائق ص۳ ج۲) میں (۷) مولوی عبدالحی لکھنوی نے (امام الکلام ص۱۳۴ و مجموعہ رسائل ص۱۲۲ ج۳) میں (۸) نیموی نے (آثار السنن ص۱۷۳) میں (۹) گنگوہی نے (الکوکب الدری ص۱۷۵ ج۱) میں (۱۰) عثمانی نے (فتح الملہم ص۱۲۸ ج۲) میں (۱۱) سہارنپوری نے (بذل المجھود ص۹۶، ۱۱۰ ج۲) میں (۱۲) کاشمیری نے (فیض الباری ص۴۳۶ ج۲) میں (۱۳) احمد علی نے (حاشیہ بخاری ص۱۶۰ ج۱) میں (۱۴) بنوری نے (معارف السنن ص۵۱۰ ج۳) میں (۱۵) عبدالعزیز نے (بغیۃ الالمعی ص۲۷ ج۲) میں (۱۶) تھانوی نے (اعلاء السنن ص۲۷ ج۵) میں (۱۷) تقی عثمانی نے درس ترمذی ص۱۵۳ ج۲) میں (۱۸) سرفراز نے (احسن الکلام ص۱۹۴ ج۱ میں (۱۹) حقانی نے (توضیح السنن ص۲۵۵ ج۲) میں اور (۲۰) سعیدی نے (شرح صحیح مسلم ص۹۷ ج۲) میں صراحت کی ہے اور یہی بات درست بھی ہے، اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ مدینہ میں جب آئے تو کلام کرنے کی رخصت ختم ہو چکی تھی جبکہ جو حدیث سابقہ صفحات میں ہم نقل کر کے استدلال کر رہے ہیں وہ نسخ کلام کے بعد کی ہے، کیونکہ اس میں خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ موجود تھے، جیسا کہ صلی بنا، کے الفاظ کا مفاد ہے، اس پوری تفصیل سے دو باتیں ہمارے سامنے کھل کر آ جاتی ہیں۔

،الف، ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے پیش نظر یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں پیش آیا اور اس نماز میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ خود شامل تھے۔

،ب، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ میں آئے تو ان کے آنے سے پہلے نماز میں کلام کرنا منسوخ ہو چکا تھا۔

الغرض یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ جس حادثہ نماز کی خبر سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ دے رہے ہیں وہ نسخ کلام کے بعد پیش آیا، اور اس حدیث میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح نماز کے لیے کلام کیا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ اگر کسی وجہ سے نماز میں غلطی کی اطلاع نہ ہو سکے تو سلام پھیرنے کے بعد اصلاح نماز کے لیے کلام کرنے سے نماز فاسد و باطل نہیں ہوتی۔

ہماری دوسری دلیل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اور یہ ساری دنیا جانتی ہے کہ سیدنا ابو

ہریرہ رضی اللہ عنہ متاخر اسلام ہیں انہوں نے غزوہ خیبر کے ایام میں اسلام قبول کیا جیسا کہ بخاری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے (رقم الحدیث ۴۲۸۷) جبکہ نسخ کلام اس سے مدتوں پہلے ہو چکا تھا۔ کیونکہ بالاتفاق سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ غزوہ بدر کے موقع پر مدینہ آئے اور بدر میں شریک تھے (فتح الباری ص۷۵ ج۳ و معارف السنن ص۵۱۰ ج۳) اور پہلے بحوالہ یہ گزر چکا ہے کہ ابن مسعود جب مدینہ آئے تو ان کے آنے سے پہلے نسخ کلام کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ بہر حال اس حکم کے نزول کے ایک زمانہ بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور جس حادثہ نماز کی وہ خبر دے رہے ہیں اس میں وہ خود شامل تھے، جیسا کہ، صلی بنا، اور، بینما انا اصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کے الفاظ کا تقاضہ ہے الغرض نسخ کلام کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہے۔

اور حدیث میں صاف الفاظ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہو سے دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا۔ ذوالیدین نے بتایا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے صحابہ کرام سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے تصدیق کی اور آپ علیہ السلام نے سابقہ نماز پر بنا کر کے باقی کی نماز پڑھی اور سجدہ سہو کیا۔ اس سے ہمارے مؤقف کی ترجمانی ہوتی ہے علامہ ابوالحسن سندھی فرماتے ہیں۔

واستدل بالحدیث من قال الکلام مطلقاً لا یبطل الصلوٰۃ بل ما یکون لا صلاحها فهو معفو ومن یقول بابطال الکلام مطلقا یحمل الحدیث علی انه قبل نسخ اباحة الکلام فی الصلوٰۃ لکن یشکل علیهم ان النسخ کان قبل بدرو هذه الواقعة قد حضرها ابو هریرة وکان اسلامه ایام خیبر وقال صاحب البحر من علمائنا الحنفیة ولم ارلهذا الا یراد جوابا شافیا۔

یعنی اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو مطلقا کلام سے نماز باطل نہ ہونے کا کہتے ہیں بلکہ جو کلام اصلاح نماز کے لیے ہو وہ معاف ہے اور جو نماز کے فاسد ہونے کا مؤقف رکھتے ہیں وہ اس حدیث کو نماز میں کلام کی اباحت کے منسوخ ہونے سے پہلے پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن ان پر یہ مشکل ہے کیونکہ کلام کا منسوخ ہونا تو غزوہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے جبکہ نماز کے واقعہ میں خود ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے اور انہوں نے خیبر کے دنوں میں اسلام قبول کیا اور ہمارے حنفی علماء سے صاحب البحر الرائق نے کہا ہے کہ میں اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں پاتا۔

(حاشیه سندھی علی النسائی ص۱۸۲ ج۱)

ان الفاظ سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار علامہ سندھی نے (حاشیہ ابن ماجہ ص۱۷۱) میں بھی کیا ہے، اور اپنی تائید میں علامہ ابن نجیم کا قول بھی ذکر کیا ہے، جسے، البحر الرائق ص۲ ج۳ سے دیکھا جا سکتا ہے۔

تیسری دلیل سیدنا معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اور یہ صغیر صحابی ہیں حتی کہ بعض نے انہیں تابعین میں شمار کیا ہے (تقریب)

اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے دو مہینے پہلے اسلام قبول کیا تھا جیسا کہ تراجم ورجال کی کتابوں سے ثابت ہے (دیکھئے فتح الباری ص۹۷ ج۳) یہ کہتے ہیں کہ مغرب کی نماز میں بھول جانے پر نبی مکرم ﷺ نے دوبارہ اسی نماز پر بنا کر کے آخری رکعت پڑھی تھی حالانکہ اس کے دوران کلام بھی ہوا اور حضور علیہ السلام مسجد سے بھی تشریف لے گئے تھے اگر کہا جائے کہ اس میں مکرر اقامت کہنے کا بھی ذکر ہے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ

''وامر بلال فاقام'' کا ایک مفہوم تو وہی ہے جو ہم نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے اور امام نسائی کا بھی یہی میلان ہے جیسا کہ ان کے ترجمہ باب سے معلوم ہوتا ہے، دوسرا مفہوم علامہ محمود محمد سبکی نے یہ بیان کیا ہے کہ لوگوں کو دوبارہ نماز پڑھنے کے لیے بلانا مراد ہے،

(المنهل العزب المورود ص۱۵۰ ج٦)

ہمارے نزدیک دوسرا مفہوم درست ہے، کیونکہ حدیث کے الفاظ، اقام الصلاۃ، کے ہیں، اقام للصلاۃ کے نہیں۔

چوتھی دلیل سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، جس میں انہوں نے سہواً ایک رکعت پڑھائی علم ہونے پر انہوں نے سابقہ نماز پر بنا کر کے آخری رکعت پڑھائی یہ واقعہ یقیناً حضور علیہ السلام کے بعد پیش آیا، کیونکہ جس نماز میں یہ سہو ہوا، اس جماعت میں امام عطاء بن ابی رباح بھی موجود تھے جو بالاتفاق تابعی ہیں۔ علاوہ ازیں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور کہا ان کا ایسا کرنا حضور علیہ السلام کی سنت سے ہٹ کر نہیں بلفظ دیگر عین سنت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس مسئلہ پر صحابہ کرام میں اتفاق و اتحاد پایا جاتا ہے۔ جو اس کے برعکس دعویٰ کرتا ہے وہ دلیل دے، صرف فلاں نے ایسا لکھا ہے فلاں نے یوں کہا ہے سے بات نہیں چلے گی۔ پھر سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا اثر بھی ہماری تائید کرتا ہے، اور یہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ تابعین عظام میں سے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے امام عروہ بن زبیر بھی یہی مؤقف رکھتے ہیں اور اپنے فتویٰ کی تائید میں حضور علیہ السلام سے بھی ایسا کرنا نقل کرتے ہیں، علقمہ بن قیس جو کبائر تابعین سے ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ امام شافعی امام مالک امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مؤقف بھی ہمارے حق میں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں۔

فذهب مالك والشافعي و احمد و اسحق الیٰ ان کلام القوم في الصلوٰة لا ما مهم لا صلاح الصلاة مباح و كذا الكلام من الامام لا جل السهو لا يفسدها۔

یعنی امام مالک امام شافعی امام احمد امام اسحاق اس طرف گئے ہیں کہ اگر قوم نماز میں اصلاح نماز کے لیے پیش امام سے کلام کرے تو یہ مباح ہے، ایسا ہی امام سے سہو کی وجہ سے کلام کرنے سے نماز

فاسد نہیں ہوتی (عمدۃ القاری ص۳۰۹ ج ۷)

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔

وممن قال من السلف بمعنى حديث ذى اليدين ورأى البناء جائزا لمن تكلم فى صلاته ساهيا عبدالله بن الزبير و ابن عباس وعروة و عطاء والحسن وقتادة والشعبى وروى ايضاً عن الزبير بن العوام و ابى الدرداء مثل ذلك۔

سلف میں سے جو لوگ سیدنا ذی الیدین کی حدیث کے موافق کہتے ہیں اور سابقہ نماز پر بناء کرنے کو جائز کہتے ہیں اس شخص کو جو بھول کر نماز میں کلام کرلے، (وہ یہ ہیں) سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (تابعین سے) امام عروہ امام عطاء امام حسن امام قتادہ امام شعبی اور اس کے مثل مروی ہے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے۔

(التمهيد لما في الموطا من المعانى والاسانيد ص۳۶۹ ج ۱)

فصل دوم

(ا) عن معاوية بن الحكم السلمى قال بينا انا اصلى مع رسول الله ﷺ اذ عطس رجل من القوم فقلت يرحمك الله، فرمانى القوم بابصارهم فقلت واثكل امياه ما شانكم تنظرون الى فجعلوا يضربون بايديهم علىٰ افخاذهم فلما رأيتهم يصمتوننى لكنى سكت فلما صلى رسول الله ﷺ فبابى هو وامى ما رايت معلما قبله ولا بعده احسن تعليما منه فوالله ما كهرنى ولاضربنى ولا شتمنى ثم قال ان هذه الصلوٰة لا يصلح فيها شيئى من كلام الناس انما هو التسبيح والتكبير و قرأة القرآن، الحديث۔

(مسلم ص۲۰۳ ج ۱)

حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ مقتدیوں میں سے ایک صاحب نے چھینک ماری۔ میں نے جواباً یرحمک اللہ، کہا تو لوگ مجھے گھورنے لگے، میں نے کہا تمہاری مائیں گم پائیں تمہیں کیا ہوگیا جو مجھے اس طرح گھور رہے ہو، لوگ اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے لگے۔ تب میں نے محسوس کیا کہ یہ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہوگیا، جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ چکے تو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کوئی استاذ ایسا نہیں دیکھا جو تعلیم دینے میں آپ سے اچھا ہو، بخدا آپ نے نہ مجھے ڈانٹا نہ مارا نہ برُا بھلا کہا، بس اتنا فرمایا کہ یہ نماز ایسی ہے جس میں لوگوں کی بات چیت کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ اس میں تو تسبیح تکبیر اور قرأت ہوتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۶)

الجواب اولاً: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر لاعلم اور سہواً کوئی شخص کلام کرے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔ جبکہ حنفیہ کے نزدیک لاعلم اور بھول کر کلام کرنے سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے۔

(فتح الملھم ص۱۲۷ ج۲)

ثانیاً: اس حدیث میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کو نماز قرار دیا ہے، الف، تسبیح، ب، تکبیر، ت، قرأۃ قرآن جبکہ حنفیوں کے نزدیک مقتدی قرأت کرنے کا مجاز نہیں۔ علاوہ ازیں اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تکبیر تحریمہ نماز کا جزو ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک شرط ہے یعنی خارج نماز ہے۔

(شرح نقایه ص٦٧ ج١)

ثالثاً: اختلاف نماز کے اندر کلام کرنے کی ممانعت پر نہیں، یہ انوار صاحب کی بھول ہے، بلکہ اختلاف اس میں ہے کہ اگر پیش امام کو سہو ہو جاتا ہے اور دوران نماز اس غلطی کا ازالہ نہیں ہو سکتا تو بھولا ہوا امام جب سلام پھیرے، سلام پھیرنے اور اگلی رکعت کو شروع کرنے کے دوران کلام کرنے میں ہے۔ آپ قرآن و سنت سے یہ ثابت کریں کہ یہ درمیانی وقفہ بھی نماز کا جزو ہے، تب یہ آپ کی دلیل ہے، ورنہ نہیں، محترم یہ نماز کا حصہ نہیں کیونکہ سلام پھر چکا ہے اور حدیث زیر بحث میں نماز کے اندر کلام کرنے کا ذکر ہے، الفاظ پر غور کریں۔ ان هذه الصلاة، بے شک یہ نماز، جبکہ یہ درمیانی وقفہ نماز کا حصہ و جزو نہیں سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ **قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مفتاح الصلاة الطهور و تحریمها التكبير و تحليلها التسليم،**

یعنی نماز کی چابی طہارت ہے نماز کا تحریمہ (تمام چیزوں کا ممنوع ہو جانا) تکبیر ہے اور نماز سے باہر آنا جس سے تمام چیزیں اس کے لیے حلال ہو جاتی ہیں۔ وہ سلام ہے۔

(ابو داؤد كتاب الصلاة باب الامام يحدث بعد ما يرفع راسه من آخر ركعة، الحديث ٦١٨ و ترمذی كتاب الطهارة باب ما جاء ان مفتاح الصلاة الطهور، الحديث ٣)

سلام خواہ اختتام نماز پر ہو یا غلطی سے درمیان میں پھیر دیا جائے، کلام مباح ہو جاتا ہے جو شخص اس بات کا مدعی ہے کہ سہواً پھیرے ہوئے سلام کے بعد وقفہ میں کلام مباح نہیں وہ دلیل عنایت کرے۔

(۲) عن عبدالله قال كنا نسلم على رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو في الصلوٰة فيرد علينا فلما رجعنا من عند النجاشي سلمنا عليه فلم يرد علينا فقلنا يا رسول الله كنا نسلم عليك في الصلوٰة فترد علينا فقال ان في الصلوٰة شغلا

(بخاری ص١٦٠ ج١ مسلم ص٢٠٤ ج١ و اللفظ لمسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے اس حال میں کہ آپ نماز میں ہوتے تھے، آپ ہمیں جواب دیتے تھے، جب ہم نجاشی (شاہ حبشہ) کے یہاں سے واپس لوٹے تو ہم نے آپ کو سلام کیا، آپ نے جواب نہیں دیا (نماز کے بعد) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو دوران نماز سلام کرتے تھے تو آپ جواب دیتے تھے، آپ نے فرمایا کہ نماز میں مصروفیت ہوتی ہے۔

(۳) عن عبداللہ بن مسعود قال کنا نسلم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوٰۃ قبل ان نأتی ارض الحبشۃ فیرد علینا فلما رجعنا سلمت علیہ وھو یصلی فلم یرد علی فاخذنی ما قرب وما بعد فجلست حتی قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ فقلت لہ یا رسول اللہ قد سلمت علیک وانت تصلی فلم ترد علی السلام فقال ان اللہ قد یحدث من امرہ ما یشاء وانہ مما احدث ان لا تکلموا فی الصلوٰۃ۔

(مسند حمیدی ص۵۲ ج۱ ابو داؤد ص۱۳۳ ج۱، نسائی ص۱۳۷ ج۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سرزمین حبشہ آنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے دوران سلام کرتے تھے، تو آپ جواب دیتے تھے، جب ہم حبشہ سے واپس آئے تو میں نے آپ کو سلام کیا اس حال میں کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، مجھے قریب و بعید کی فکروں نے آ گھیرا، میں بیٹھ گیا حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری فرما لی، میں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کو جب کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے سلام کیا تھا، آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا؟ آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اپنے معاملہ میں جو چاہتے ہیں نئے احکام نازل فرما دیتے ہیں۔ اور ان نئے احکام میں سے یہ حکم بھی ہے کہ تم نماز میں باتیں نہ کرو، (حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۶ تا ۵۳۸)

الجواب اولاً: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث آپ کے لیے تب مفید تھی جب ان کا یہ بیان ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہواً سلام پھیر دیا اور میں نے سلام عرض کیا اور آپ نے، وعلیکم السلام، نہ کہا، مگر اس حدیث میں یہ نہیں بلکہ دوران نماز سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سلام کیا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب نہ دیا۔

ثانیاً: حدیث کے الفاظ ہمارے سامنے ہیں۔ **ان فی الصلوٰۃ شغلا، لا تکلموا فی الصلوٰۃ،** (یعنی نماز میں تو ایک دوسرا کام ہے جس میں مصروف رہنا چاہیے، نماز میں کلام نہ کرو،) ہم بھی کہتے ہیں کہ نماز میں عمداً کلام کرنا جائز نہیں اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، اس میں قطعاً اختلاف نہیں بلکہ سہواً سلام پھیر دیا جائے اور اگلی رکعت شروع کرنے کے درمیانی وقفہ میں کلام کرنے کے متعلق

اختلاف ہے، آپ قرآن وسنت سے اس وقفہ کو نماز ثابت کریں، پھر ان احادیث سے استدلال کریں۔
ثالثاً: حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شخص نے نماز میں چھینک ماری یا ڈکار لیا اور اس سے کچھ کلام بن گیا (لغوی کلام) تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، (فتاوٰی محیط بحوالہ شرح نقایہ ص۹۲ ج۱) اگر سہواً کسی کو سلام عرض کر دیا تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی (شرح نقایہ ص۲۹ ج۱ و نماز مسنون ص۴۸۱) یہ آپ کس دلیل سے مستثنٰی قرار دیتے ہیں؟ قرآن وحدیث سے نہ سہی کسی صحابی کا فتوی یا عمل ہی دکھا دیں۔
رابعاً: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت ہمارے مخالف نہیں بلکہ موافق ہے، تفصیل فصل اول میں گزر چکی ہے۔

(۴) عن زید بن ارقم قال کنا نتکلم فی الصلاۃ یکلم الرجل صاحبه وهو الیٰ جنبه فی الصلوٰۃ حتی نزل وَقُومُوا للہ قنتین، فامرنا بالسکوت و نهینا عن الکلام۔

(بخاری ص ۱۶۰ ج ۱ و مسلم ص ۲۰۴ ج ۱ واللفظ لمسلم)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے، ایک شخص دوسرے شخص سے جو اس کے پہلو میں ہوتا نماز میں باتیں کر لیا کرتا تھا حتی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ، کھڑے رہو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عاجزی کے ساتھ، تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور بات سے منع کر دیا گیا (حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۸)

الجواب اولاً: یہ حدیث بھی نماز کے اندر کلام کرنے کے متعلق ہے، نتکلم فی الصلوٰۃ،، کے الفاظ پر انوار صاحب غور کریں، اور اسی سے ہی منع کیا گیا، اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور نماز میں عمداً کلام کرنے کو ناجائز کہتے ہیں کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، ہم مکرر عرض کرتے ہیں کہ درمیانی وقفہ نماز نہیں کیونکہ سلام پھیر چکا ہے گو سہواً ہی سہی بہر حال سلام پھر چکا ہے، لہذا سابقہ فصل کی احادیث کے پیش نظر، نماز کے متعلق کلام مباح ہے، اس سے انکار محض تقلیدی ضد ہے، اس کے رد پر آپ کے پاس قرآن وحدیث تو کجا کسی صحابی کا قول وعمل بھی موجود نہیں۔
ثانیاً: جیسے نماز میں کلام کرنے سے منع کیا گیا ہے ویسے ہی اس حدیث میں، امرنا بالسکوت، خاموش رہنے کا بھی حکم ہے، لہذا جس طرح نماز میں کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح نماز میں، آوازے کسنے سے بھی نماز باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، قوموا للہ قنتین،، کے نزول پر سکوت کا حکم دیا ہے اور کلام سے منع کیا ہے، مگر افسوس کہ آپ آدھی حدیث کو مانتے ہیں جبکہ آدھی کے منکر ہیں، آپ کی فقہ میں لکھا ہے۔

لو استعطف کلبا اوهرة اوساق حمارا لا تفسد لانه صوت لا هجاء له،
یعنی نماز پڑھنے والے نے اگر کُتّے یا بلی کو بلایا یا گدھے کو ہنکایا تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہ

آوازیں ہیں جن کے، ہجے نہیں (اور کلام میں حروف کا ہونا چاہئے)
(درمختار مع الفتاوٰی شامی ص۶۱۴ ج۱)

ثالثاً: جس آدھی کو تسلیم کرتے ہیں، اس کے متعلق بھی ذرا تفصیل سن لیجئے آپ کے علامہ قاضی خاں فرماتے ہیں۔

اذا تکلم فی صلاته عامدا اونا ئما یسیرا او کثیرا قبل ان یقعد قدر التشهد فسدت صلاته۔

یعنی تشہد کی مقدار بیٹھنے سے پہلے نماز میں خواہ عمداً یا نیند میں کلام کر دیا، تھوڑا ہو یا زیادہ تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، (فتاوٰی قاضی خاں ص۱۳۶ ج۱)

اس عبارت پر غور کریں یہ کیا کہہ رہے ہیں، مقدار تشہد بیٹھنے کی، قید لگا کر وہ چھٹی دے رہے ہیں کہ اس کے بعد کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، علامہ حلبی فرماتے ہیں۔

حتی ان المصلی اذا احدث عمداً بعد ما قعد قدر التشهد اوتکلم او عمل عملا ینافی الصلاة کالا کل والشرب وغیره ذلك تمت صلاته بالاتفاق۔

یعنی اگر نمازی مقدار تشہد کے بعد جان بوجھ کر بے وضو ہو گیا یا عمداً کلام کر دیا یا کوئی ایسا کام کر دیا جو نماز کے منافی ہے مثلاً کھا پی لیا وغیرہ تو اس کی نماز بالاتفاق پوری ہو گئی۔
(حلبی کبیر ص ۲۹۱ باب السابعة الخروج بصنعة)

دیکھا آپ نے حنفیہ کے نزدیک قعدہ آخیرہ میں تشہد کے قدر بیٹھنے کے بعد اگر کلام سہواً یا عمداً کر دیا جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور آئمہ احناف کے نزدیک بالاتفاق نماز ہو گئی۔ گویا انوار صاحب کے تقلیدی مذہب میں کلام مذکورہ جگہ پر منافی نماز نہیں جبکہ ان کی پیش کردہ حدیث میں عموم ہے، الغرض حنفیہ کا اس حدیث پر ایمان صرف حلق سے اوپر اوپر ہی ہے۔ اور وہ بھی صرف رد وہابیت کے لیے، انا لله وانا الیه راجعون۔

(۵) عن سهل بن سعد عن النبی ﷺ انه قال من نابه شئی فی الصلوٰة فلیقل سبحان الله انما التصفیق للنسا والتسبیح للرجال۔
(شرح معانی الآثار للامام الطحاوی ص۲۰۲ ج)

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جسے اپنی نماز میں کوئی چیز پیش آئے اس چاہئے کہ وہ سبحان اللہ کہے بے شک تصفیق (ایک ہاتھ کی پشت پر دوسرے ہاتھ کی پشت سے مارنا) عورتوں کے لیے ہے۔ اور تسبیح مردوں کے لیے (حدیث اور اہل حدیث ص۵۳۹)

الجواب اولاً: ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اور یہی ہمارا مسلک و مذہب ہے، مگر محترم یہ نماز کے اندر کی بات ہے حدیث کے الفاظ، فی صلوٰۃ جس کا معنی جناب نے، اپنی نماز کیا ہے گو یہ معنی غلط ہے کیونکہ لفظ فی بمعنی اپنی نہیں آتا لیکن ہمارے مدعا کے لیے کافی ہے کہ اس حدیث کا تعلق نماز پڑھتے وقت سے ہے، جبکہ زیر بحث مسئلہ درمیانی وقفہ کے بارے ہے جیسا کہ ہم تفصیل لکھ چکے ہیں۔

ثانیاً: آپ نے اس سے بایں معنی استدلال کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز میں دوسرے کو متنبہ کرنے کی یہ صورت تو اپنائی جا سکتی ہے (ص۵۴۱)

گویا آپ کے نزدیک دوسری کوئی صورت جائز نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، مگر آپ کے فقہا اسے تسلیم نہیں کرتے۔ وہ کتے بلی کو بلانے کی اجازت دیتے ہیں گھوڑے کو ہنکانے کی رخصت عنایت کرتے ہیں۔ مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد کلام کے مباح کا فتوٰی دیتے ہیں، تفصیل گزر چکی ہے، خاص اس حدیث کے متعلق بھی چند لطائف حنفیہ ملاحظہ کریں۔

دیوبندیوں کے نزدیک اگر امام قعدہ اولیٰ میں بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہونے لگے اور مقتدی نے لفظ، التحیات، کہہ کہ لقمہ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، (فتاوٰی دار العلوم دیوبند ص۶۲ ج۴)

امام آخری قعدہ پڑھ کر سہواً سلام پھیرنے کی بجائے کھڑا ہونے لگے اور مقتدی نے لفظ، سلام علیکم،، کہہ کر لقمہ دیا اور امام نے قبول کر لیا تو نماز فاسد نہیں بلکہ صحیح ہے (فتاوٰی دارالعلوم ص۶۸ ج۴)

ان دونوں مثالوں سے ثابت ہوا کہ پیش امام کو غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے کسی رکن نماز کا لفظ کہہ کر لقمہ دینا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، جبکہ مذکورہ حدیث میں صرف تسبیح کہنے کی اجازت ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ معنوی کلام نہیں؟ یقیناً کلام ہے، مگر حنفیہ کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔ پھر گھوڑے کو ہنکانا کتے بلی کو بلانا بھی ان کے نزدیک مفسد نماز نہیں، مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد کلام کرنے سے نماز کو فاسد نہیں کہتے، آخر یہ تمام صورتیں کس دلیل سے مستثنٰی ہیں؟ اس کی دلیل دو، قارئین کرام نوٹ کر لیں دلیل دینے سے یہ قاصر ہیں، کیونکہ قرآن و سنت میں اس پر کوئی دلیل نہیں۔

(۶) عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ الکلام ینقض الصلوٰۃ ولا ینقض الوضوء۔

(دار قطنی ص۱۷٤ ج۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (نماز میں) کلام کرنا نماز کو توڑ دیتا ہے وضو کو نہیں توڑتا۔

الجواب اولاً: ہم متعدد بار کہہ چکے ہیں کہ نماز میں کلام کرنے کی اجازت نہیں مگر دیوبندیوں کے نزدیک تو نماز میں کلام کرنا ولایت کی دلیل ہے۔ شورش کاشمیری مرحوم فرماتے ہیں کہ

مولانا اسحاق مانسہروی...... فجر کی نماز پڑھا رہے تھے پہلے رکوع میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورۃ

بھول گئے۔ ڈیڑھ دو منٹ کھڑے رہے، خدا جانے کیا تعطل پیدا ہو گیا کوئی سورت ذہن میں نہ آ رہی تھی۔ معاً ایک دوہا ذہن میں آ گیا۔

قرأت کی اور پڑھ دیا۔

دیوے وچ تیل نہیں اوں، وسناں ایں کتھے ماہیا

ملنے دی وہل نہیں اوں۔، اللہ اکبر،

(ترجمہ) چراغ میں تیل نہیں، میرے محبوب تو کہاں ہے؟ کیا ملنے کی فرصت نہیں ''اللہ اکبر''

خود فرمایا کہ مقتدیوں میں دن بھر یہی چرچا رہا کہ حضرت نے آج اللہ تعالیٰ سے براہ راست گفتگو کی ہے۔

(بوئے گل نالہ دل، دود چراغ محفل صفحہ ۲۰۳ مطبوعہ چٹان پریس لاہور ۱۹۸۸ء)

ثانیاً: گھوڑے کو ہنکانا، کتے بلے کو بلانا، مقدار تشہد کے بعد کلام کرنا بھی اس حدیث کی رو سے نماز کو فاسد کر دیتا ہے، کیونکہ یہ بھی کلام لغوی و عرفی ہے۔ اس کی تخصیص ثابت کریں کہ کس دلیل سے آپ یہ چیزیں مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

ثالثاً: یہ ہمارے مخالف نہیں کیونکہ وقفہ کو نماز نہیں کہتے، اور نماز کے اندر عمداً کلام ہمارے نزدیک بھی مفسد صلاۃ ہے۔

رابعاً: علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ سند میں ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان راوی ہے جسے متعدد آئمہ نے ضعیف قرار دیا ہے، اور دوسرا راوی یزید دالانی ہے جس کے منفرد ہونے پر احتجاج کرنا جائز نہیں۔ (نصب الرایہ ص٦٦ ج٢)

ابو شیبہ کی تضعیف پر محدثین کے اقوال تراویح کے باب میں آ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کا متن بھی مضطرب ہے، یزید دالانی سے یہی روایت متعدد راویوں نے نقل کی ہے مثلاً شعبیؒ، ابن جریج، وغیرہ نے مگر وہ کلام کی جگہ پر، الضحک، یعنی ہنسنا کا لفظ روایت کرتے ہیں۔

(دارقطنی ص١٧٣ ج١ و بیهقی ص١٤٤ ج١)

الغرض یہ روایت متن کے لحاظ سے مضطرب اور سنداً سخت ضعیف ہے۔

(۷) عن عطاء بن ابی رباح ان عمر بن الخطاب صلی با صحابه الظهر او العصر ركعتين ثم سلم فقيل له انك صليت ركعتين قال اكذلك قالوا نعم فاعاد بهم الصلوٰة۔

(كتاب الحجة للامام محمد ص١٥٧ ج١)

حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی دو رکعتیں، پھر سلام پھیر دیا۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ نے تو دو رکعتیں پڑھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا واقعی ایسا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں آپ نے ان کو دوبارہ نماز پڑھائی (حدیث اور اہل حدیث ص۵۴۰)

الجواب اولاً: یہ صحیح و صریح احادیث کے خلاف ہے۔ جن میں صاف الفاظ میں آتا ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام کے بعد سابقہ نماز پر بنا کر کے نماز پڑھائی۔ علاوہ ازیں آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ فصل اول میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

ثانیاً: یہ روایت مرسل ہے جیسا کہ حنفی اکابر کو بھی اعتراف ہے (آثار السنن ص۱۷۴ و اعلا السنن ص۳۹ ج۵) وجہ یہ ہے کہ امام عطاء نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ کو نہیں پایا، اور امام عطاء کی مرسل روایات سب سے زیادہ ضعیف ہیں کیونکہ یہ ہر ایک سے روایت لے لیتے تھے، جیسا کہ امام یحیٰ قطان نے صراحت کی ہے۔ اور امام احمد فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ ضعیف مراسیل حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح کی ہیں (میزان الاعتدال ص۷۰ ج۳)

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

ثالثاً سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سابقہ نماز پر بنا نہ کرنے سے نماز کا فاسد و باطل ہونا لازم نہیں آتا، جیسے عام طور پر بے وضو ہونے پر حنفی بنا نہیں کرتے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ حنفیہ کے نزدیک بوجہ حدث سابقہ نماز باطل ہو جاتی ہے۔ نہیں قطعاً نہیں، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک بناء جائز ہے۔

(دیکھئے معارف السنن ص۳۲ ج۱ و درس ترمذی ص۱۵۱ ج۱)

الغرض یہ روایت ضعیف ہونے کے علاوہ اس سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا

(۸) عن ابن جریج قال قلت لعطاء ارایت لو سهوت فی المکتوبة، فتکلمت قال بلفظة قلت نعم قال قدا نقطعت صلوٰتك فعد لها جدیداً۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۲۹ ج۲)

حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے عرض کیا کہ اگر میں فرض نماز میں بھولے سے کلام کر لوں تو بتلایئے اس کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کلام الفاظ کے ساتھ کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ ہاں، آپ نے فرمایا کہ تمہاری نماز ٹوٹ گئی پھر دوبارہ نئے سرے سے پڑھو

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۴۰)

الجواب اولاً یہ تابعی کا قول ہے جو مرفوع احادیث اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معارض نہیں ہو سکتا۔

ثانیاً: سابقہ فصل میں گزر چکا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے وقفہ کے دوران کلام کیا پھر سابقہ نماز پر بناء کرتے ہوئے آخری رکعت پڑھی، امام عطاء بن ابی رباح نے جب اس کا تذکرہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ابن زبیر نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت سے ہٹ کر نہیں کیا، اس سے ثابت ہوا کہ امام عطاء بن ابی رباح کو ایک مدت تک اس مسئلہ کا علم نہ تھا۔ جب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا تو انہوں نے یقیناً سابقہ مؤقف سے رجوع کر لیا ہوگا ورنہ آپ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مناقشہ کرتے۔

ثالثاً: انقطعت کا معنی فاسد و باطل نہیں بلکہ منقطع ہونا ہے، جیسے حنفی حدث پر نماز کو منقطع تسلیم کرتے ہیں (درس ترمذی ص۱۵۱ ج۱) اور وضو کے بعد بناء کے قائل ہیں۔ اگر کہا جائے کہ اثر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ فعد لھا جدیداً، یعنی نئے سرے سے گنتی شروع کرو، تو جواب یہ ہے کہ یہ جواز کی صورت تو بنتی ہے مگر نماز کا فاسد ہونا اس سے ثابت نہیں ہوتا۔

رابعاً: اثر میں اس کی صراحت نہیں کہ یہ کلام مقدار تشہد بیٹھنے سے پہلے تھا، ممکن اور بالکل ممکن ہے یہ کلام بعد میں ہو، لہذا یہ حنفیہ کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے، مزید اثر میں اس بات کی بھی وضاحت نہیں کہ گھوڑے کو ہنکانے کتے بلے کو بلانے کی بجائے کسی انسان کو بلایا تھا۔

الغرض یہ حنفیہ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں

خامساً: اثر خاص فرضوں کے متعلق ہے۔ جبکہ حنفی سنن و نوافل میں بھی کلام کو مفسد نماز کہتے ہیں۔

فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

سادساً: امام عبدالرزاق مدلس بھی ہیں اور یہاں انہوں نے تحدیث کی صراحت نہیں کی لہذا روایت ضعیف ہے۔

سابعاً: نماز کے اندر کی بات ہے، اور یہ ہمارے خلاف نہیں

(۹) عن ابراھیم انه سئل عن رجل صلیٰ فتکلم وقد بقیت علیه رکعة قال یستقبل صلوٰة۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۳۰ ج۱)

حضرت ابراہیم نخعی سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال ہوا جس نے نماز میں کلام کر لیا تھا اور اس کی ایک رکعت باقی تھی (کہ وہ کیا کرے) آپ نے فرمایا نئے سرے سے نماز پڑھے (حدیث اور اہل حدیث ص۵۴۰)

الجواب اولاً: یہ فتویٰ ایک صغیر تابعی کا ہے جو احادیث صحیحہ مرفوعہ اور تعامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معارض نہیں ہو سکتا۔

ثانیاً: اس میں کلام لفظی اور معنوی کی تقسیم نہیں، ممکن ہے کہ اس نے کلام معنوی کیا ہو اور گھوڑے کتے بلے کو بلایا ہو، دریں صورت یہ قول حنفیہ کے مخالف ہے۔

ثالثاً: اس کی سند ضعیف ہے، امام ابراہیم سے نقل کرنے والے، مغیرہ بن مقسم ضبی کوفی ہیں اور یہ مدلس ہیں جیسا کہ امام نسائی وغیرہ نے صراحت کی ہے (طبقات المدلسین ص ۴۶)

دوسرا راوی امام سفیان ثوری ہیں اور یہ بھی مدلس ہے، تفصیل مسئلہ رفع الیدین میں گزر چکی ہے۔ اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں۔ الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے

خلاصہ کلام یہ کہ اگر امام کو سہو ہو جائے اور دوران نماز اس کی اصلاح نہ ہوسکے اور سلام پھیر دیا جائے تو اصلاح نماز کے لیے نماز شروع کرنے سے پہلے نماز کی رکعات وغیرہ کی تحقیق کے بارے کلام کیا جا سکتا اور تحقیق کے بعد سابقہ نماز پر بناء کرکے باقی ماندہ نماز پڑھ کر سجدہ سہو کر لیا جائے تو نماز ہو جاتی ہے، احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ایسا ہی اگر بھول کر کلام کیا جائے تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

اس کے برعکس حنفیہ کا جو مؤقف ہے کہ کلام جائز نہیں ہاں گھوڑے کو ہنکانے اور کتے بلے کو بلانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ آخری قعدہ میں مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد عمداً کلام کرنا ان کے نزدیک مفسد صلاۃ نہیں۔ چھینک یا ڈکار آنے پر لغوی کلام بن جانے سے بھی ان کے ہاں نماز باطل نہیں ہوتی، سہواً کسی کو نماز میں سلام عرض کرنے سے بھی نقض صلاۃ کے قائل نہیں (ان تمام چیزوں کی تفصیل گزر چکی ہے) انوار صاحب اپنے اس مؤقف پر قرآن و حدیث تو کجا آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی کوئی قول پیش نہیں کر سکے، بلکہ تابعین عظام سے بھی کسی کا قول اپنی تائید میں نقل نہیں کیا یہ ان کی کھلی عاجزی ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں جو بھی زیب رقم کیا ہے وہ غیر متعلقہ ہے۔ کیونکہ ہم ایک خاص صورت میں کلام کو مباح کہتے ہیں۔ اور وہ بھی سلام پھرنے پر اور اس پر ہم بفضلہ تعالیٰ حدیث و آثار کے دلائل رکھتے ہیں۔ اور ایسے دلائل جو تمام کے تمام نسخ کلام کے بعد کے ہیں، (تفصیل گزر چکی ہے)

ہم پورے جزم و یقین کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ سہواً سلام پھیرنے اور بناء کرنے کے درمیانی وقفہ میں کلام کرنے پر فساد نماز پر کوئی دلیل قرآن و سنت اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موجود نہیں، اگر ہے تو پیش کریں ہم اپنے مؤقف پر نظر ثانی کرنے کے لیے تیار ہیں، ان شاء اللہ۔

مگر قارئین کرام! یاد رکھئے! کہ سورج مغرب سے طلوع ہوسکتا ہے لیکن حنفی اس کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔

(۴۹) باب وتر فرض و واجب نہیں بلکہ سنت ہیں

فصل اول

(۱) عن سعيد بن يسار انه قال كنت أسير مع عبد الله بن عمر بطريق مكة فقال سعيد، فلما خشيت الصبح نزلت فاوترت ثم لحقته، فقال عبدالله بن عمر، أين كنت؟ فقلت، خشيت الصبح فنزلت فاوترت، فقال عبدالله، أما لك فى رسول الله (ﷺ) اسوة حسنة؟ فقلت، بلى والله، قال، فان رسول اللهﷺ كان يوتر على البعير،

امام سعید بن یسار فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کے راستے میں چل رہا تھا، جب مجھے طلوع فجر کا خدشہ ہوا تو میں سواری سے اترا اور وتر پڑھ کر ان کے ساتھ جا ملا، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کہاں رہ گئے تھے؟ میں نے کہا کہ مجھے طلوع فجر کا اندیشہ ہوا اور میں نے اتر کر وتر پڑھا، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ کیا آپ کے لیے رسول اللہ ﷺ اسوہ حسنہ نہیں؟ میں نے کہا کیوں نہیں اللہ کی قسم! سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اونٹ پر سوار رہ کر ہی وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الوتر باب الوتر على الدابة، الحديث ۹۹۹، و مسلم كتاب صلاة المسافرين باب جوازه صلاة النافلة على الدابة فى السفر حيث توجهت، الحديث ۱۶۱۵)

(۲) قال سالم كان عبدالله بن عمر يصلى على دابته من الليل وهو مسافر، ما يبالى حيث كان وجهه، قال ابن عمر وكان رسول اللهﷺ يسبح على الراحلة قبل اى وجه توجه ويوتر عليها غير انه لا يصلى عليها المكتوبة۔

امام سالم فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر کی حالت میں رات کے وقت جانور کے اوپر ہی نماز پڑھ لیتے تھے، اور کچھ پرواہ نہ کرتے کہ اس کا منہ کس طرف ہے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی نفل نماز اونٹنی پر ادا فرما لیا کرتے تھے خواہ اس کا منہ کس طرف ہی ہوتا۔ اور وتر بھی سواری پر ہی پڑھ لیا کرتے تھے صرف فرض نماز سواری پر نہ پڑھتے تھے۔

(بخاری کتاب التقصير باب ينزل للمكتوبة، الحديث ۱۰۹۸، مسلم كتاب صلاة المسافرين باب جواز صلاة النافلة على الدابة فى السفر حيث توجهت، الحديث ۱۶۱۸)

(۳) عن ابن عمر قال كان النبىﷺ يصلى فى السفر على راحلته حيث توجهت به، يومى ايماء صلاة الليل الا الفرائض و يوتر على راحلته۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں رات کو نماز (تہجد) اپنی اونٹنی پر

ہی اشارے سے پڑھا کرتے تھے مگر فرض نمازیں (اونٹنی سے اتر کر پڑھا کرتے اور) وتر سواری پر ہی پڑھتے تھے۔

(بخاری کتاب الوتر باب الوتر فی السفر، الحدیث ۱۰۰۰)

(۴) قال ابن حزم و انس بن مالك قال النبیﷺ ففرض الله علی امتی خمسین صلاة، فرجعت بذلك حتی مررت علی موسی فقال ما فرض الله لك علی امتك؟ فقلت فرض خمسین صلاة، قال موسیٰ، فارجع الی ربك، فان امتك لا تطیق ذلك، فراجعنی فوضع شطرها، فرجعت الی موسیٰ، قلت، وضع شطرها، قال، راجع ربك فان امتك لا تطبیق، فراجعت، فوضع شطرها، فرجعت الیه فقال، ارجع الی ربك فان امتك لا تطیق ذلك، فراجعته، فقال هن خمس وهن خمسون، لا یبدل القول لدی، فرجعت الی موسی، فقال، راجع ربك، فقلت، استحییت من ربی، ثم انطلق بی حتی انتهی بی الی سدرة المنتهی، وغشیها الوان لا ادری ماهی ثم ادخلت الجنة فاذا فیها حبائل اللؤلؤ، واذا ترابها المسك،، الحدیث۔

ابن حزم (اپنے شیخ سے) اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ) نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں، میں جب یہ حکم لیکر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا کہ پچاس نمازیں فرض کیں ہیں! انہوں نے کہا کہ اپنے رب کے پاس لوٹ جا، کیونکہ تیری امت اتنی طاقت نہیں رکھتی۔ میں لوٹا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اللہ نے کچھ نمازیں معاف کر دیں، میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نمازیں معاف کر دیں ہیں، انہوں نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ جا، تیری امت اتنی طاقت نہیں رکھتی، میں لوٹا پھر اللہ تعالیٰ نے کچھ نمازیں معاف کر دیں، پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، انہوں نے کہا کہ اپنے رب کے پاس لوٹ جا، تیری امت اتنی طاقت نہیں رکھتی، میں پھر لوٹا (ایسا ہی کئی بار ہوا) آخر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ پانچ نمازیں ہیں، اور درحقیقت پچاس ہیں، میرے پاس بات نہیں بدلتی، پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا انہوں نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ جا، میں نے کہا اب مجھے اپنے رب سے عرض کرنے میں شرم آتی ہے، پھر جبریل مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لیا گیا اور کئی طرح کے رنگوں نے اس کو ڈھانپ رکھا تھا۔ میں نہیں جانتا کیا تھے، پھر مجھے جنت میں لے گئے، کیا دیکھتا ہوں وہاں موتیوں کے ہار ہیں اور مٹی مشک (کی طرح معطر) ہے۔ الحدیث

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسرا...... الحدیث ۳۴۹، و مسلم کتاب الایمان باب الاسراء برسول الله صلی علیه وسلم ...... الحدیث ٤١٥)

(۵) عن ابن شهاب ان عمر بن عبدالعزيز اخر الصلاة يوما فدخل عليه عروة بن الزبير فاخبره ان المغيرة بن شعبة اخر الصلاة يوماوهو بالعراق فدخل عليه ابو مسعود الانصارى فقال ما هذا يا مغيره، اليس قد علمت ان جبريل صلوات الله و سلامه عليه نزل فصلى فصلى رسول الله ﷺ ثم صلى فصلى رسول الله ﷺ ثم صلى فصلى رسول الله ﷺ ثم صلى فصلى رسول الله ﷺ ثم صلى فصلى رسول الله ﷺ ثم قال بهذا امرت فقال عمر لعروة اعلم ما تحدث به، او ان جبريل هو اقام لرسول الله ﷺ وقوت الصلاة؟ قال عروة كذلك كان بشير بن ابى مسعود يحدث عن ابيه

امام ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے (عصر کی نماز اول وقت سے) دیر کی تو عروۃ بن زبیر ان کے پاس پہنچے اوران سے کہا کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ملک عراق میں نماز میں دیر کی تو ان کے پاس سیدنا ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ گئے اور ان سے کہا کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ تم یہ کیا کرتے ہو، کیا تم کومعلوم نہیں کہ (معراج کی صبح کو) سیدنا جبریل علیہ السلام (نماز سکھانے کے لیے اترے) انہوں نے نماز پڑھی اور رسول اللہ ﷺ نے (ان کی اقتدا میں) نماز پڑھی، پھر انہوں نے نماز پڑھی اور رسول اللہ ﷺ نے (ان کی اقتدا میں) نماز پڑھی، انہوں نے پھر نماز پڑھی اور رسول اللہ ﷺ نے (ان کی اقتدا میں) نماز پڑھی، پھر سیدنا جبریل علیہ السلام نے کہا کہ مجھے ایسا ہی حکم ہوا، سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سیدنا عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے کہا کہ آپ ذرا سمجھ لیں کہ تم حدیث بیان کرتے ہو کہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے لیے نمازوں کے اوقات مقرر کیے سیدنا عروہ رحمہ اللہ نے کہا کہ سیدنا بشیر اپنے والد سیدنا ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے ایسے ہی روایت کرتے تھے۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب مواقیت الصلوٰۃ و فضلها ......الحدیث ۵۲۱، و مسلم کتاب المساجد باب اوقات الصلوت الحدیث ۱۳۷۹)

(۶) عن عروة قال اخبرنى بشير بن ابى مسعود عن ابيه ان رسول الله ﷺ قال نزل جبريل فامنى حتى عد خمس صلوات۔

سیدنا ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبریل نے اتر کر میری امامت کروائی یہاں تک آپ علیہ السلام نے پانچ نمازوں کوشمار کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۱۹ ج۱)

(۷تا ۱۳) امامت جبریل علیہ السلام کی حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سیدنا ابو سعید (الخدری رضی اللہ عنہ) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، تفصیل کے لیے۔ (نصب الرایہ ص۲۲۱ ج۱، ارواء الغلیل ص۶۸ ج۱) کی مراجعت کریں۔

(۱۴) عبدالله بن بريدة ان يحيىٰ بن يعمر حدثه انه حج فلقى عبدالله بن عمر فقال

عبدالله بن عمر حدثنی عمر بن الخطاب انه كان جالسا مع رسول اللهﷺ فی قوم فاقبل رجل شاب عليه ثياب بيض حتى قام على القوم فسلم ثم قال بصوت عال يا محمد اسئلك قال رسول اللهﷺ نعم يجيبه بمثل صوته بالارتفاع قال يا محمد مالا سلام قال ان تشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده و رسوله تصلى الخمس وتوتى الزكوة وتحج البيت و تصوم رمضان قال فاذا فعلت ذلك فانا مسلم قال نعم۔

امام عبداللہ بن بریدہ راوی ہیں کہ ان سے یحییٰ بن یعمر نے بیان کیا کہ انہوں نے حج کیا اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ میں قوم کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک نوجوان شخص آیا اور وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں کے اوپر آ کر بلند آواز سے کہنے لگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے سوال کرتا ہوں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی مثل بلند آواز سے کہا کہ ہاں میں جواب دوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کیا ہے؟ آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ تو گواہی دے کہ کوئی الہ نہیں مگر اللہ، اس کا کوئی شریک نہیں، یا وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ پانچ نمازیں پڑھے زکوۃ ادا کرے، بیت اللہ کا حج کرے اور رمضان کے روزے رکھے، وہ شخص کہنے لگا کہ جب میں یہ کام کروں تو میں مسلمان ہوں، آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا۔ ہاں

(قيام الليل ص۱۹۳ باب الاخبار الدالة على ان الوتر سنة وليس بفرض)

(۱۵) عن طلحة بن عبيدالله يقول جاء رجل الى رسول اللهﷺ من اهل نجد ثائر الراس نسمع دوى صوته ولا نفقه مايقول حتى دنا فاذا هو يسال عن الاسلام، فقال رسول اللهﷺ خمس صلوٰت فى اليوم والليلة، فقال هل على غيرها؟ قال، لا،الا ان تطوع ، قال رسول اللهﷺ، وصيام رمضان، قال هل على غيره؟ قال، لا، الا ان تطوع، قال ، وذكرله، رسول اللهﷺ الزكاة، قال هل على غيرها؟ قال، لا، الا ان تطوع، قال، فادبر الرجل وهو يقول، والله لا ازيد على هذا ولا انقص، قال رسول اللهﷺ فافلح ان صدق۔

سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نجدوالوں میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، ہم اس کی آواز سنتے تھے مگر بات سمجھ نہیں آتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ قریب آیا، تو معلوم ہوا کہ وہ اسلام (کے ارکان وشرائع) پوچھ رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھنا، اس نے کہا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی نماز مجھ پر ہے؟ آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ نہیں، مگر یہ کہ تو نفل پڑھے (تو بات دیگر ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور رمضان کے روزے رکھنا، اس نے کہا کہ اور تو کوئی روزہ مجھ پر نہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا

کہ نہیں۔ مگر یہ کہ تو نفلی روزے رکھے (تو بات اور ہے) سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زکوۃ کا بیان کیا تو وہ کہنے لگا کہ بس اور تو کوئی صدقہ مجھ پر نہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ نفلی صدقہ دے تو اور بات ہے، راوی نے کہا کہ وہ شخص پھر پیٹھ موڑ کر چلا گیا اور کہتا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نہ اس سے بڑھاؤں گا اور نہ ہی گھٹاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ سچا ہے تو اپنی مراد کو پہنچ گیا۔

بخاری کتاب الایمان باب الزکاۃ من الاسلام، الحدیث ٤٦، مسلم کتاب الایمان باب بیان الصلوۃ التی ھی احد ارکان الاسلام، الحدیث ١٠٠)

(۱۶) عن انس بن مالك قال نهينا ان نسال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن شئي۔ فكان يعجبنا ان يجئى الرجل من اهل البادية، العاقل، فيساله و نحن نسمع، فجاء رجل من اهل البادية، فقال، يا محمد! أتانا رسولك فزعم لنا أنك تزعم ان الله ارسلك؟ قال، صدق، قال، فمن خلق السماء؟ قال، الله، قال، فمن خلق الارض؟ قال، الله ، قال۔ فمن نصب الجبال۔ وجعل فيها ما جعل؟ قال۔ الله، قال، فبا لذى خلق السماء و خلق الارض و نصب هذه الجبال الله ارسلك؟ قال، نعم، قال، وزعم رسولك ان علينا خمس صلوات فى يومنا وليلتنا، قال، صدق، قال، فبالذى ارسلك الله امرك بهذا؟ قال، نعم، قال وزعم رسولك ان علينا زكاة فى اموالنا، قال، صدق، قال، فبالذى ارسلك، الله امرك بهذا؟ قال، نعم، قال، وزعم رسولك ان علينا صوم شهر رمضان فى سنتنا قال، صدق، قال، فبالذى ارسلك، الله أمرك بهذا؟ قال۔ نعم قال، وزعم رسولك ان علينا حج البيت من استطاع اليه سبيلا، قال، صدق قال، ثم ولى قال والذى بعثك بالحق! لا ازيد عليهن ولا انقص منهن، فقال النبى صلی اللہ علیہ وسلم، لئن صدق ليد خلن الجنة۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے سے منع کر دیا گیا، اس لیے ہمیں اچھا معلوم ہوتا تھا کہ دیہات کے رہنے والوں میں سے کوئی سمجھ دار آدمی آئے اور آپ علیہ السلام سے کچھ سوالات کرے، اور ہم سنیں، چنانچہ دیہات کے رہنے والوں میں سے ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا قاصد، ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا، اس دیہاتی نے دریافت کیا بھلا آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیا) پھر اس نے پوچھا زمین کو کس نے پیدا کیا، آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیا) اس کے بعد اس نے سوال کیا کہ پہاڑوں کو کس نے قائم کیا اور ان میں جو چیزیں ہیں وہ کس نے پیدا کیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیں)

اس پر اس نے کہا قسم ہے، اس ذات کی جس نے آسمان پیدا کیا زمین بنائی اور پہاڑوں کو قائم کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں،، اس پر اس نے عرض کیا کہ آپ کے قاصد نے یہ بتایا ہے کہ دن رات میں ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چیز بھی اس نے صحیح بیان کی، وہ شخص بولا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان نمازوں کا حکم دیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں، دیہاتی بولا کہ آپ کے قاصد نے یہ چیز بھی بتلائی کہ ہمیں اپنے مالوں کی زکوۃ دینا ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ چیز بھی اس نے درست بیان کی، اس پر دیہاتی بولا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو معبوث کیا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو زکوۃ کا حکم دیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا "ہاں" پھر وہ دیہاتی بولا کہ آپ کے قاصد نے یہ چیز بھی بتلائی کہ ہم پر ہر سال رمضان کے روزے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس نے درست کہا، اس پر وہ بولا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو روزوں کا حکم دیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا "ہاں۔" دیہاتی نے کہا کہ آپ کے قاصد نے یہ بھی بتایا کہ جس کے پاس زادراہ اور طاقت ہو اس پر بیت اللہ کا حج فرض ہے، آپ نے فرمایا سچ کہا، یہ سن کر وہ دیہاتی پیٹھ پھیر کر چل دیا، اور کہنے لگا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں ان امور کی ادائیگی میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی نہ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ اپنے قول میں سچا ہے تو ضرور جنت میں جائے گا۔

(بخاری کتاب العلم باب القراۃ والعرض علی المحدث ، الحدیث ٦٣، ، صحیح مسلم کتاب الایمان باب السوال عن ارکان الاسلام، الحدیث ١٠٢ واللفظ للمسلم)

(١٧) عن انس قال سال رجل رسول اللہ ﷺ فقال یا رسول اللہ! کم افترض اللہ عزوجل علی عبادہ من الصلوٰت؟ قال، افترض اللہ علی عبادہ صلوات خمس، قال یا رسول اللہ! ھل قبلھن او بعد ھن شئیا؟ قال، افترض اللہ علی عبادہ صلوات خمس، فحلف الرجل لا یزید علیہ شئیا ولا ینقص منہ شئیا، قال رسول اللہ ﷺ، ان صدق لید خلن الجنۃ۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ وہ شخص بولا اے اللہ کے رسول! ان نمازوں کے آگے یا پیچھے اور کوئی نماز فرض ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اس شخص نے قسم اٹھائی کہ میں ان نمازوں میں نہ بڑھاؤں گا اور نہ گھٹاؤں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا تو جنت میں جائے گا۔

(سنن نسائی کتاب الصلوٰۃ باب کم فرضت فی الیوم واللیلة، الحدیث ٤٦٠ و مسند احمد ص٢٦٧ ج٣ و مستدرک ص٢٠١ ج١ و دار قطنی ص٢٣٠ ج١ و صحیح ابن حبان رقم الحدیث ١٤٤٤)

(۱۸) عن عوف بن مالك الا شجعی قال كنا عند رسول الله ﷺ تسعة اوثمانية او سبعة، فقال، ألاتبايعون رسول الله ﷺ؟ وكنا حديث عهد ببيعة فقلنا قدبا يعناك يا رسول الله! ثم قال، ألا تبايعون رسول الله ﷺ؟ قال، فبسطنا ايدينا وقلنا، قدبا يعناك يا رسول الله! فعلامة نبايعك؟ قال، على ان تعبدوا الله ولا تشركوابه شئيا، والصلوٰت الخمس، وتطيعوا الله، وأسركلمة خفية۔ ولا تسالوا الناس شئيا، فلقد رايت، كان بعض اولئك النفر يسقط سوط احدهم، فما يسال احدا يناوله اياه۔

سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس نو یا آٹھ یا سات افراد تھے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اللہ کے رسول کی بیعت نہیں کرتے، اور ہم انہیں دنوں بیعت کر چکے تھے، ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم نے تو بیعت کر لی ہے، پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اللہ کے رسول کی بیعت نہیں کرتے، ہم نے عرض کیا ہم نے تو بیعت کر لی ہے، پھر فرمایا کہ تم اللہ کے رسول کی بیعت نہیں کرتے، سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھ بڑھا دیئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم بیعت تو کر چکے اب کس چیز پر بیعت کریں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور پانچ نمازیں (پڑھنے) پر اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور ایک بات آہستہ سے فرمائی کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرو، البتہ میں نے اس جماعت میں سے بعض حضرات کو دیکھا کہ ان کا (سواری سے) کوڑا گر جاتا تھا تو کسی سے اس کے اٹھانے کا سوال نہیں کرتے تھے (یعنی خود سواری سے اتر کر کوڑا پکڑ لیتے)

(صحیح مسلم کتاب الزکاۃ باب کراھة المسالة للناس، الحدیث ٢٤٠٣)

(۱۹) عن ابن عباس رضی الله عنهما ان النبی ﷺ بعث معاذاً الی الیمن فقال، ادعهم الی شهادة ان لا اله الاالله وانی رسول الله، فان هم اطاعوا لذلك، فاعلمهم ان الله افترض علیهم خمس صلوات فی كل یوم ولیلة، فان هم اطاعوا لذلك فاعلمهم ان الله افترض علیهم صدقة فی اموالهم، توخذ من اغنیائهم وترد علی فقرأئهم۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو معاذ سے کہا کہ یمن والوں کو (سب سے) پہلے اس بات کی دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الہ نہیں اور میں (محمد ﷺ) اس کا رسول ہوں، اگر وہ اس بات کو تسلیم کر لیں تو ان سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کیں ہیں۔ پھر اگر وہ اس کو

تسلیم کرلیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے مال میں سے صدقہ فرض کیا ہے، جو ان کے مال داروں سے لیا جائے گا اور انہیں کے محتاج لوگوں کو دیا جائے گا۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب وجوب الزکوٰۃ ...... الحدیث ۱۳۹۵، و مسلم کتاب الایمان باب الدعاء الی الشھادتین و شرائع الاسلام، الحدیث ۱۲۱)

(۲۰) عن معاذ بن جبل ؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی الصلوات الخمس، حج البیت الحرام، وصام رمضان ولا ادری اذکر الزکاۃ ام لا، کان حقا علی اللہ ان یغفرلہ ان ھاجر فی سبیلہ او مکث بارضہ التی ولد بھا، الحدیث۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص پانچ نمازیں پڑھے، بیت الحرام کا حج کرے، رمضان کے روزے رکھے، اور مجھے معلوم نہیں کہ زکوٰۃ کا بھی ذکر آپ نے کیا یا نہیں، تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے بخش دے، خواہ اس نے ہجرت کی ہو یا اسی زمین میں رہے جہاں اس کی ولادت ہوئی تھی۔

(مسند احمد ص ۲٤۰ ج ۵)

(۲۱) عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ خمس من جاء بھن مع الایمان دخل الجنۃ، من حافظ علی الصلوٰات الخمس علی و ضوئھن ورکوعھن و سجودھن و مواقیتھن و صام رمضان وحج البیت ان استطاع الیہ سبیلا، واعطی الزکاۃ طیبۃ بھا نفسہ، وادی الامانۃ، قالوا، یا ابا الدرداء! وما أداء الامانۃ؟ قال، الغسل من الجنابۃ۔

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص پانچ چیزوں کے ساتھ بمع ایمان آیا (اللہ تعالیٰ کی عدالت میں) وہ جنت میں داخل ہوگا۔ جس شخص نے پانچ نمازوں کی حفاظت کی، ان کے وضو رکوع و سجود اور اوقات کے ساتھ اور رمضان کے روزے رکھے، بیت اللہ کا حج کیا اگر زاد راہ کی توفیق رکھتا تھا۔ اور زکوٰۃ ادا کی اپنے نفس کو پاک کرنے کے لیے اور امانت کو ادا کیا، (راوی کہتے ہیں کہ ہم نے) کہا کہ اے ابو درداء امانت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ غسل جنابت کرنا۔

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب المحافظۃ علی الصلوٰت، الحدیث ٤۲۹)

(۲۲) قال سعید بن المسیب ان ابا قتادۃ بن ربعی اخبرہ قال قال رسول اللہ ﷺ قال اللہ عزوجل انی فرضت علی امتک خمس صلوات و عھدت عندی عھداً۔ انہ من جاء یحافظ علیھن لوقتھن ادخلتہ الجنۃ، ومن لم یحافظ علیھن فلا عھد لہ عندی۔

سیدنا ابو قتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں نے آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اوران کے لیے میرے ہاں وعدہ ہے کہ جو شخص

(میرے حضور) ان کی حفاظت (صحیح طریقہ سے ادا) کرتے ہوئے اور وقت پر پڑھتے ہوئے آیا میں اسے جنت میں داخل کروں گا۔ اور جس نے ان نمازوں کی حفاظت نہ کی اس کے لیے میرے ہاں کوئی عہد نہیں۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب المحافظة على الصلوت، الحديث ٤٣٠)

(۲۳) عن ابی امامة قال سمعت رسول اللهﷺ يخطب فی جمعة الوداع فقال اتقوا الله ربكم و صلوا خمسكم و صوموا شهر كم وادوا زكاة اموالكم وأطيعوا ذا أمركم تدخلوا جنة ربكم، قال، قلت لابی امامة منذكم سمعت من رسول اللهﷺ هذا الحديث؟ قال سمعته وانا ابن ثلاثين سنة۔

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ سنا آپ فرما رہے تھے کہ اے لوگو! تم اپنے رب سے ڈرو اور اپنی پانچوں نمازیں پڑھو، اور اپنے مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو، اور اپنے مالوں کی زکوۃ ادا کرو، اور اپنے امراء (حکمرانوں) کی اطاعت کرو، تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (راوی حدیث امام سلیم بن عامر) فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ نے یہ حدیث کب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس وقت میری عمر تیس سال تھی۔

(سنن ترمذی کتاب الجمعة باب منه (ممايلی ما ذكر فی فضل الصلاة) الحديث ٦١٦) و مسند احمد ص٢٥١ و ٢٦٢ ج٥ و مستدرك حاكم ص٩، ٣٨٩ ج١ و ابن حبان (موارد) رقم الحديث ٧٩٥ ترمذی، حاکم و ذہبی ابن حبان اور علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے (الصحيحه ٨٦٧)

(۲۴) عن عبادة بن الصامت قال سمعت رسول اللهﷺ يقول، خمس صلوات افترضهن الله على عباده فمن احسن وضؤهن وصلاهن لوقتهن، وأتم ركوعهن وسجودهن وخشوعهن كان له عهد على الله ان يغفرله، ومن لم يفعل فليس له على الله عهد، ان شاء عذبه وان شاء غفرله۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کیں ہیں، جو ان کا اچھی طرح وضو کرے اور وقت پر پڑھے اور ان کا رکوع و سجود اور خشوع پورا کرے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور عہد ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے، اور جو شخص ایسا نہ کرے تو اس کے لیے اللہ کے ہاں کوئی عہد نہیں۔ چاہے تو اسے معاف کر دے یا عذاب دے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ص٣٣٣ ج٥ رقم الحديث ٤٦٥٥ ص١٤٧ ج١٠ رقم الحديث ٩٣١١)

(۲۵) عن عبدالله بن الصنابحی قال زعم ابو محمد ان الوتر واجب، فقال عبادة بن الصامت كذب ابو محمد، اشهد انی سمعت رسول اللهﷺ يقول خمس صلوات افترضهن الله عزوجل، من احسن وضوء هن و صلاهن لوقتهن وأتم ركوعهن وخشوعهن، كان له على الله عهد ان يغفرله، ومن لم يفعل فليس له على الله عهد، ان شاء غفرله، وان شاء عذبه،

امام عبداللہ بن صنابحی فرماتے ہیں کہ ابو محمد کا گمان ہے کہ وتر واجب ہے تو سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابو محمد نے خطا کی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کیں ہیں۔ جو شخص اچھی طرح ان کے لیے وضو کرے گا اور وقت پر ہرایک نماز پڑھے اور رکوع وسجود پورا کرے اور خشوع سے پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے عہد ہے کہ اسے بخش دے اور اگر ایسا نہ کرے گا تو اللہ پر کوئی عہد نہیں چاہے تو معاف کر دے یا عذاب کرے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب المحافظة على الصلوٰت، الحديث ۴۲۵، و مسند احمد ص۳۱۷و ۳۲۲ ج۵)

(۲۶) عن ابن محيريز، ان رجلا من بنی كنانة، يدعى المخدجی، سمع رجلا بالشام، يدعى ابا محمد، يقول، ان الوتر واجب، قال المخدجی، فرحت الى عبادة بن الصامت فاخبرته فقال عبادة، كذب ابو محمد سمعت رسول اللهﷺ يقول، خمس صلوات كتبهن الله على العباد، فمن جاء بهن لم يضيع منهن شيئا استخفافا بحقهن كان له عند الله عهد ان يدخله الجنة، ومن لم يات بهن فليس له عند الله عهد، ان شاء عذبه وان شاء ادخله الجنة،

امام ابن محیریز بیان کرتے ہیں کہ بنی کنانہ کے ایک شخص جسے مخدجی کہتے تھے شام میں ایک آدمی سے سنا جس کا نام ابو محمد تھا۔ وتر واجب ہے۔ مخدجی کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے بیان کیا۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابو محمد نے غلط کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ علیہ السلام فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کیں ہیں جو شخص ان کو ہلکا نہ جان کر ادا کرے گا تو اس کا اللہ کے ہاں عہد ہوگا کہ اللہ اسے جنت میں داخل کرے، اور جو شخص ان کو ادا نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے لیے کوئی عہد نہیں۔ چاہے اس کو عذاب دے یا جنت میں داخل کرے۔

(ابو داؤد کتاب الوتر باب فی من لم یوتر، الحديث ۱۴۲۰ و موطا امام مالك ص۱۰۷ و نسائی کتاب الصلاة باب المحافظة على الصلوٰت الخمس، الحديث ۴۶۲، و مسند احمد ص۳۱۵و ۳۱۹ ج۵ و بیهقی

ص۳٦١ ج۱ و ص۸و ٤٦٧ ج۲ و ص۲۱۷ ج۱۰ و مسند حمیدی رقم الحدیث ۳۸۸، و ابن ابی شیبه ص۲۹٦ ج۲ و ص۲۳۵ ج١٤ و عبدالرزاق ص۵ ج)

(۲۷) عن ابن عباس قال قال رسول اللهﷺ امرت برکعتی الضحی وبالوتر ولم یکتب۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے چاشت کی نماز اور وتر کا حکم دیا گیا ہے مگر فرض نہیں کی گئی۔

(مسند احمد ص۲۳۲ ج۱)

(۲۸) عن انس قال قال رسول اللهﷺ أمرت بالوتر والأضاحي ولم یعزم علي۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے وتر اور ضحیٰ کی نماز کا حکم دیا گیا ہے مگر مجھ پر لازم نہیں کی گئیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص۵ ج۳ رقم الحدیث ٤۵۷۲)

نمبر ۲۷و ۲۸ کی روایات سخت ضعیف ہیں، تفصیل کے لیے، (التلخیص الحبیر ص۱۸ ج۲) کی مراجعت کریں، ہمارا ان سے استدلال نہیں اور نہ ہی انہیں شواہد میں پیش کرتے ہیں یہ صرف انوار صاحب پر حجت ہیں کہ وہ بعض ضعیف روایات کا سہارا لیکر وجوب وتر کا دعوٰی کرتے ہیں لیکن صحیح اور ضعیف روایات کی بنا پر عدم وجوب آخر کیوں تسلیم نہیں کرتے؟

(۲۹) عن جابر بن عبدالله قال صلی بنا رسول اللهﷺ رمضان ثمان رکعات و اوتر فلما کانت اللیلة القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج فیصلی بنا فاقمنا فیه حتی اصبحنا فقلنا، یا رسول اللهﷺ رجونا ان تخرج فتصلی بنا قال انی کرهت او خشیت ان یکتب علیکم الوتر۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان المبارک میں نماز (تراویح) آٹھ رکعات اور وتر پڑھے۔ جب اگلی رات آئی تو ہم مسجد میں ٹھہرے رہے حتی کہ صبح ہوگئی، (صبح) ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ کے انتظار میں رہے کہ آپ آتے ہیں تو نماز با جماعت پڑھیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پسند نہیں یا فرمایا کہ مجھے خدشہ تھا کہ نماز وتر تم پر فرض نہ ہو جائے۔

(صحیح ابن حبان ص٦٤ ج۵ رقم الحدیث ۲٤۰٦ و صحیح ابن خزیمه ص۱۳۸ ج۲ رقم الحدیث ۱۰۷۰)

(۳۰) عن علی رضی اللہ عنہ قال الوتر لیس بحتم کهیئة المکتوبة ولکنه سنة سنها رسول اللهﷺ۔

سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر فرض نماز کی طرح لازم نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(سنن نسائی کتاب قیام اللیل باب الامر بالوتر، الحدیث ۱۶۷۷، و ترمذی کتاب الصلاۃ باب ما جاء ان الوتر لیس بحتم، الحدیث ٤٥٦ و مسند احمد ص۸٦و۹۸ ج۱)

(۳۱) عن علی قال الوتر لیس بحتم کصلاتکم المکتوبة ولکن سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ وتر یحب الوتر فا وتروا یا اهل القرآن۔

سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وتر فرض نماز کی طرح لازم نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور وتر (ایک عدد) کو پسند کرتا ہے، اے اہل قرآن تم وتر پڑھو،

(ترمذی باب سابق الحدیث ٤٥٥، ومسند احمد ص۱۰۰ ج۱ و ابن ماجة کتاب اقامة الصلوات باب ما جاء فی الوتر، الحدیث ۱۱٦۹)

(۳۲) عن عبادة بن الصامت وقدسئل عن الوتر فقال امر حسن جمیل قد عمل به النبی صلی اللہ علیہ وسلم والمسلمون من بعده ولیس بواجب

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے وتر کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ایک بہترین عمل ہے جو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد مسلمانوں نے کیا ہے، مگر واجب نہیں۔

(قیام اللیل ص۱۹۷ باب الاخبار الدالة علی ان الوتر سنة ولیس بفرض)۔

(۳۳) عن الشعبی الوتر تطوع وهو من اشرف التطوع

امام شعبی فرماتے ہیں کہ وتر نفل ہیں اور تمام نوافل سے شرف والے ہیں

(قیام اللیل ص۱۹۷)

(۳۴) عن محمد قال لم اعلم من التطوع شیئا کان اعز علیهم ان یترکوا من الوتر والرکعتین قبل صلوٰة الصبح وکانوا یحبون ما اخروا من الوتر وهومن اللیل وکانوا یحبون ان یبکروا بالرکعتین قبل صلوٰة الصبح وهما من النهار

امام محمد فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ نوافل میں ان سے زیادہ بھی کوئی محترم ہیں، وتر اور صبح کی نماز سے پہلے کی دو رکعات (سنت) کو خاص طور پر نہ چھوڑا جائے، وہ پسند کرتے تھے کہ رات کی نماز کے آخر میں وتر پڑھے اور دن کی نماز صبح سے پہلے دو رکعات (سنت) ادا کرے۔

(قیام اللیل ص۱۹۷)

(۳۵) عن ابن جریج قلت لعطاء اوتر وانا جالس من مرض قال نعم ان شئت انما هو تطوع۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے امام عطاء سے سوال کیا کہ کیا میں بیماری کی وجہ سے وتر کی نماز بیٹھ کر پڑھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں اگر تو چاہے، کیونکہ وتر نفل ہے۔

(قیام اللیل ص١٩٧)

(٣٦) عن ابن جریج قال قلت لعطاء أواجب الوتر والرکعتان امام الصبح اوشیء من الصلاۃ قبل المکتوبۃ او بعدھا؟ قال، لا۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے امام عطاء بن ابی رباح سے سوال کیا کہ کیا وتر اور صبح کی نماز سے پہلے کی دو رکعات (سنت) یا فرض نماز سے پہلے کوئی چیز یا بعد میں واجب ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص٣ ج٣ رقم الحدیث٤٥٦٧)

(٣٧) عن عبدربہ بن سعید انہ قال الوتر سنۃ امربہ رسول اللہ ﷺ وصلاھا المسلمون لا ینبغی ترکھا۔

امام عبد ربہ بن سعید فرماتے ہیں کہ وتر سنت ہیں رسول اللہ ﷺ نے انہیں پڑھنے کا حکم دیا ہے اور مسلمان انہیں پڑھتے رہے ہیں لہذا ان کا ترک جائز نہیں۔

(قیام اللیل ص١٩٨)

(٣٨) قال یحیٰی بن سعید لا نری ان یترك احد الوتر متعمدا فان فعل رأینا ان قد ترك سنۃ من سنن رسول اللہ ﷺ

امام یحیٰی بن سعید فرماتے ہیں کہ ہم (شرعی طور پر) کسی ایک کے لیے بھی وتر کو جان بوجھ کر ترک کرنے کا (جواز) نہیں دیکھتے، جس نے بھی ایسا کیا اس نے رسول اللہ ﷺ کی سنن میں سے ایک سنت کو ترک کیا۔

(قیام اللیل ص١٩٨)

(٣٩) عن مجاھد الوتر سنۃ معروفۃ۔

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ وتر معروف سنت ہے۔

(قیام اللیل ص١٩٧ و مصنف ابن ابی شیبہ ص٢٩٥ ج٢)

(٤٠) سعید بن المسیب قال سن رسول اللہ ﷺ الوتر کما سن الفطر والا ضحیٰ۔

امام سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ وتر رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، جیسا کہ عیدین۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص٢٩٥ ج٢)

(٤١) عن عامر انہ سئل عن رجل ینسی الوتر قال لا یضرہ کانما ھو فریضۃ۔

امام عامر شعبیؒ سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جو نماز وتر پڑھنا بھول گیا۔ آپ نے فرمایا کہ

اسے کوئی نقصان نہیں دے گا۔ جیسے فرض نماز رہ جانے سے نقصان ہوتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۶ ج۲)

(۴۲) عن الحسن انه کان لا یری الوتر فریضة۔

امام حسن نماز وتر کو فرض نہیں جانتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۶ ج۲)

(۴۳) عن عطاء و محمد بن علی قالا الاضحیٰ و الوتر سنة۔

امام عطاء بن ابی رباح اور محمد بن علی فرماتے ہیں کہ اضحیٰ اور وتر سنت ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۶ ج۲)

قارئین کرام مذکورہ احادیث و آثار اور اقوال تابعین سے ثابت ہے کہ وتر کی نماز فرض و واجب نہیں بلکہ نوافل راتبہ ہے۔ پوری بحث اور تمام دلائل کا ایک بار خلاصہ نکال دیا جائے تو عوام الناس کے لیے مفید رہے گا۔ ان شاء اللہ

الف، معراج کی رات میں نمازیں پانچ فرض کی گئیں۔ ب، معراج کی رات کے اگلے دن جب جبریل امین علیہ السلام تعلیم نماز کے لیے نازل ہوئے، تو پانچ ہی نمازوں کی تعلیم دی۔

ت، نبی علیہ السلام نے بھی پانچ نمازوں کی تعلیم دی، اور پڑھنے کا عہد کرنے والے کو جنت کی بشارت بھی سنائی۔ اور جب آخری دور نبوی میں آپ علیہ السلام نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں تلقین کی کہ کلمہ توحید کے بعد لوگوں کو پانچ نمازوں کی تعلیم دینا۔ انہیں احادیث کے پیش نظر معروف صحابی سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ وجوب وتر کی نفی کرتے ہیں۔ اور وجوب وتر کے قائلین پر انہیں احادیث کو بطور حجت پیش کرتے ہیں۔

ث، سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ وتر کی فرضیت کی نفی کرتے ہیں اور سنت بتاتے ہیں۔ یہ حدیث گو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے مگر حکماً مرفوع ہے۔

ج: جس رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز تراویح ادا کرنے کے لیے تشریف نہ لائے، سوال کرنے پر یہ عذر بیان کیا کہ مجھے وتر کے فرض ہونے کا خدشہ تھا لہذا ترک کر دی ہے، گویا ترک کا سبب نماز وتر کا فرض ہونا تھا۔

د: انہیں دلائل و براہین کی بنا پر صحابہ کرام تابعین عظام اور جمہور امت مرحومہ وجوب وتر کی بجائے وتر کے سنت ہونے کی قائل ہے۔

فرض اور واجب کا فرق جمہور امت کے نزدیک فرض و سنت کے درمیان مامور بہ کا کوئی درجہ نہیں، ان کے نزدیک فرض اور واجب ایک ہی چیز ہے، جبکہ حنفی ان میں فرق کے قائل ہیں ان کے ہاں فرض وہ ہے جس کا لزوم دلیل قطعی سے ثابت ہو اور واجب وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو پھر ان

کے نزدیک فرض کی دو قسمیں ہیں، فرض عملی اور فرض علمی۔ اور وتر کو فرض عملی کہتے ہیں اور علمی لحاظ سے واجب قرار دیتے ہیں (فتاوٰی شامی ص۳ ج۲)

گویا عملی لحاظ سے اسے فرض کہتے ہیں مگر دلیل قطعی کے عدم کی وجہ سے واجب کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انوار صاحب نے حدیث، ان اللہ امرکم بصلوٰۃ، سے دلیل پکڑی ہے، خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک وتر فرض عملی ہے، یہاں پر ایک لطیفہ ذکر کرنا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا تفصیل اس کی یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا اس نے فرض نمازوں کی تعداد پوچھی، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ پانچ نمازیں فرض ہیں، اس نے اس پر کہا کہ آپ کے نزدیک وتر کا حکم کیا ہے، امام صاحب نے فرمایا وتر فرض ہیں۔ اس نے کہا کہ فرض نمازیں کتنی ہیں۔ امام نے پانچ بتائیں اس نے کہا کہ ان کو شمار کرکے بتائیں امام صاحب نے، فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں گن دیں، اس نے مکرر پوچھا کہ فرض نمازوں کی تعداد کتنی ہے؟ امام صاحب نے پانچ بتائی۔ اس پر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ آپ کو تو حساب بھی اچھی طرح نہیں آتا۔ (قیام اللیل ص۱۹۸)

مولانا بنوری فرماتے ہیں کہ اس سے اگر فرض عملی مراد لیا جائے تو تب کوئی حرج نہیں ہے۔ (معارف السنن ص۱۷۲ ج۴)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیوں کے نزدیک وتر فرض ہی ہیں، لہذا حضرت شاہ صاحب کا اور ان کی پیروی میں مولانا عثمانی کا یہ کہنا کہ وجوب وتر اور سنیت وتر کا اختلاف محض لفظی ہے (فیض الباری ص۳۶۵ ج۲ و درس ترمذی ص۲۱۱ ج۲) غلط ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ وجوب وتر پر کوئی دلیل قرآن و سنت میں موجود نہیں، اور ایسا ہی فرض اور سنت کے درمیان مامور بہ کا درجہ وجوب بھی بلا دلیل اور غیر ثابت شدہ ہے۔

فصل دوم

(۱) عن عبداللہ بن بریدۃ عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا۔

(ابو داؤد ۲۰۱ ج۱، مستدرک ص۳۰۵ ج۱)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ فرما رہے تھے وتر حق (واجب) ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں وتر حق (واجب) ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر حق (واجب) ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں (حدیث اور اہل حدیث ص۵۴۴)

الجواب اولاً: لفظ حق بمعنی واجب نہیں بلکہ بمعنی ثابت ہے، کیونکہ یہی لفظ بول کر نبی کریم ﷺ نے ایک تین پانچ اور سات وتر پڑھنے کی اجازت دی ہے، (جیسا کہ آگے انوار صاحب کی پیش کردہ روایت نمبر۱۰ میں تفصیل آ رہی ہے) حق کے لفظ کو بمعنی ثابت لینے کے لیے یہ حدیث قرینہ ہے کیونکہ دلی خواہش پر وجوب میں کمی بیشی نہیں ہوتی، جبکہ سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اس کی رخصت ہے، ثابت ہوا کہ یہاں حق بمعنی واجب لینا قطعی طور پر غلط ہے

ثانیاً: اس کی سند میں، عبیداللہ بن عبداللہ ابو منیب راوی ہے امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کے پاس مناکیر ہیں۔ (تہذیب ص۲۷ ج۷) علامہ ذہبی ابن جوزی علامہ نووی اور البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (ارواء الغلیل ص۱٤٦ ج۱۷ ٤ البدر المنیر ص۳٤۸ ج٤)

(۲) عن عبداللہ بن عمر عن النبی ﷺ قال اجعلوا آخر صلوٰتکم باللیل وترا۔ (بخاری ص۱۳٦ ج۱ و مسلم ص۲٥۷ ج۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اپنی رات کی آخری نماز وتر بناؤ۔

(۳) عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال بادروا الصبح بالوتر۔

(مسلم ص۲٥۷ ج۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا صبح ہونے سے پہلے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔

(۴) عن ابی سعید أن النبی ﷺ اوتروا قبل ان تصبحوا۔

(مسلم ص۲٥۷ ج۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا صبح ہونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو۔

(۵) عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم آخرہ فلیوتر آخر اللیل فان صلوٰۃ آخر اللیل مشھود و ذالك افضل۔

(مسلم ص۲٥۸ ج۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جسے یہ اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں نہیں اٹھ سکے گا تو اسے چاہیے کہ وہ شروع رات ہی میں وتر پڑھ لے اور جسے یہ امید ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں اٹھ جائے گا تو اسے چاہیے کہ رات کے آخری حصہ ہی میں وتر پڑھے، کیونکہ رات کے آخری حصہ کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے اور یہ افضل ہے (حدیث اور اہل حدیث

ص۵۴۴ و ۵۴۵)

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ

آپ نے صحابہ کرام کو وتر پڑھنے کا حکم دیا ہے اور یہ قانون ہے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، جب تک کہ دوسرے معنیٰ مراد لینے کا قرینہ نہ ہو (حدیث اور اہل حدیث ص۵۵۱)

الجواب اولاً: انوار صاحب آپ نے حسب عادت یہاں ڈنڈی ماری ہے، کیونکہ امر نفس وتر کے متعلق نہیں بلکہ رات کے آخری حصہ میں اور نماز تہجد کے آخر میں پڑھنے کے متعلق ہے۔ چنانچہ حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

عن نافع ان ابن عمر قال من صلی من اللیل فلیجعل آخر صلاته وترا، فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر بذلك۔

امام نافع سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رات کی نماز (تہجد) پڑھے تو وہ وتر کو نماز کے آخر میں پڑھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی حکم دیا کرتے تھے

(مسلم کتاب صلاۃ المسافر باب صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ والوتر رکعة من آخر اللیل، الحدیث ۱۷۵٤)

راوی حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس وضاحت سے ثابت ہوا کہ امر نفس وتر کے متعلق نہیں بلکہ اس کے وقت کے بارے میں ہے، مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ نماز تہجد پڑھنے والے کو حکم ہے کہ وہ نماز کے آخر میں وتر پڑھے (فتح الملھم ص۳۱۳ ج۲)

یہی وجہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نقض وتر کے قائل تھے، یعنی اگر رات کو نماز عشاء کے وقت وتر پڑھ لیے جائیں اور پھر صبح کے وقت تہجد کے لیے اٹھا جائے تو ان کے نزدیک دوبارہ وتر ادا کیے جائیں (مسند احمد بحوالہ مجمع الزوائد ص۲۴۶ ج۲ و مصنف عبدالرزاق ص۲۹ ج۳) اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ امر کا لفظ وتر پڑھنے کے متعلق نہیں بلکہ وقت وتر کے بارے ہے، لیکن انوار صاحب اپنے تقلیدی مؤقف کو ثابت کرنے کے لیے حدیث نبوی میں معنوی تحریف کرتے ہوئے ذرا بھر حیا نہیں کرتے۔

ثانیاً: ملا علی القاری نے (مرقاۃ ص۱٦٤ ج۳) میں علامہ سندھی نے (حاشیہ سنن نسائی ص۳٤۷) میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے (اشعة اللمعات ص۵۷۰ ج۱) میں سید انور شاہ صاحب کاشمیری نے (عرف الشذی علی الترمذی ص۲۲۰ ج۱) میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے (بذل المجھود ص۲۳۲ ج۲) میں مولانا محمد یوسف بنوری نے (معارف السنن ص۱۲۷ ج٤) میں مولانا تقی عثمانی نے (درس ترمذی ص۲٤۰ ج۲) میں اکابرین احناف نے صراحت کی ہے کہ، اجعلوا آخر صلوتکم باللیل، میں امر وجوب پر نہیں بلکہ استحباب پر محمول ہے۔

ثالثاً: وجوب کے معنیٰ پر کونسا قرینہ ہے، اس کی بحوالہ صراحت کریں، محترم آپ کے پاس صرف

امر کا لفظ ہے اور اس سے آپ دعوٰی وجوب کرتے ہیں۔ دراصل آپ قرآن و سنت کے پیرو کار نہیں بلکہ مقلد اعمٰی ہیں، جیسے آپ کے مقتدا نے کہا ویسے آپ نے مان لیا۔ ورنہ امر کا لفظ تو اور بھی متعدد مقامات پر ہے مگر آپ اسے واجب نہیں کہتے۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ کریں۔

(۱) نبی مکرم ﷺ نے دائیں طرف سے وضو شروع کرنے کا حکم دیا ہے،

(مسند احمد ص۳۵٤ ج۲، و ابو داؤد کتاب اللباس باب فی الانتعال، الحدیث ٤١٤١) و ابن ماجه کتاب الطهارة باب التیمن فی الوضوء، الحدیث ٤٠٢)

اس حکم کے باوجود حنفی واجب تو کجا سنت بھی نہیں مانتے اور دائیں طرف سے شروع کرنے کو مستحب کہتے ہیں۔

(شرح نقایه ص۹ ج۱ و هدایه ص٦ ج۱ و اعلاء السنن ص۱۱۸ ج۱)

(۲) انسان عورت سے ہم بستری کرے اور مکرر کرنے کا اردہ کرے تو نبی مکرم ﷺ نے وضو کرنے کا حکم دیا ہے۔

(مسلم کتاب الحیض باب جواز نوم الجنب...... الحدیث ٧٠٧)

مگر حنفی اس کے وجوب کے منکر ہیں اور اس کو استحباب پر محمول کرتے ہیں۔

(فتح الملهم ص٤٦٥ ج۱)

(۳) میت کو غسل دینے والے کو نبی مکرم ﷺ نے غسل کرنے کا حکم دیا ہے۔

(ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی الغسل من غسل المیت، الحدیث ٣١٦١) و مسند احمد ص٤٣٣ ج۲) و بیهقی ص٣٠٣ ج۱)

مگر حنفی اس حکم سے وجوب تسلیم نہیں کرتے بلکہ استحباب کے قائل ہیں،

(الدر المختار مع فتاوی شامی ص۱۷۰ ج۱ و درس ترمذی ص۲۷۸ ج۳ واعلاء السنن ص۲۲۸ ج۱ و السعادیه ص۲۷۱ ج۱)

(۴) جو شخص جمعہ پڑھنے کے لیے آئے اسے نبی مکرم ﷺ نے غسل کرنے کا حکم دیا ہے۔

(بخاری کتاب الجمعة باب هل علی من لم یشهد الجمعة غسل من النساء والصبیان وغیرهم، الحدیث ٨٩٤ و مسلم کتاب الجمعة باب کتاب الجمعة، الحدیث ١٩٨٢)

مگر حنفیہ کے نزدیک اس امر سے وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ غسل جمعہ سنت کہتے ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۲۱۴)

(۵) سیدنا قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی علیہ السلام کے پاس اسلام قبول کرنے کے لیے آیا تو آپ علیہ السلام نے مجھے غسل کرنے کا حکم دیا۔

ابو داؤد کتاب الطهارة باب الرجل یسلم فیومر بالغسل، الحدیث ٣٥٥، و ترمذی کتاب الجمعة باب ما ذکر فی الاغتسال عند ما یسلم الرجل، الحدیث ٦٠٥ و نسائی کتاب الطهارة باب غسل الکافر اذا اسلم، الحدیث

۱۸۸، ومسند احمد ص۶۱ ج۵ و ابن حبان (موارد) رقم الحدیث ۲۳۴ و ابن خزیمہ رقم الحدیث ۲۵۴ و ۲۵۵)

اس حکم نبوی کے باوجود حنفیہ کے نزدیک کافر جب اسلام قبول کرے تو اس پر غسل واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ (اعلاء السنن ص۲۴۱ ج۱)۔

(۶) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کے جوٹھے برتن کو سات بار دھونے کا حکم دیا ہے،

(مسلم کتاب الطہارۃ باب حکم و لوغ الکلب، الحدیث ۶۵۱)

اس حکم کے باوجود حنفیہ کے نزدیک برتن کو سات بار دھونا واجب نہیں مستحب ہے۔

(اعلاء السنن ص۲۸۸ ج۱ و الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۹)

(۷) سفر میں جنابت کے علاوہ تین دن موزے نہ اتارنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔

(ترمزی کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم، الحدیث ۹۶)

اس حکم کے باوجود حنفیہ کے نزدیک واجب وسنت تو کجا صرف رخصت ہے۔

(اعلاء السنن ص۳۳۸ ج۱)

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زخم کی پٹی پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۶۱ ج۱ رقم الحدیث ۶۲۳، و دار قطنی ص۲۲۶ و ۱۲۷ ج۱، و بیھقی ص۲۲۸ ج۱)

مگر حنفیہ کے نزدیک یہ صرف رخصت ہے فرض و واجب اور سنت نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص پٹی اتار کر عضو وضو کو دھو لے تو اس میں کوئی حرج نہیں صاحب شرح الوقایہ فرماتے ہیں۔

یجوز المسح علی الجبیرۃ یعنی زخم کی پٹی پر مسح جائز ہے (شرح وقایہ ص۱۰۶ ج۱)

(۹) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کو جاتے ہوئے ساتھ تین ڈھیلے لے جانے کا حکم فرمایا ہے

(ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب الاستنجاء بالاحجار، الحدیث ۴۰)

مگر حنفیوں کے نزدیک ڈھیلے لے کر جانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

(بذل المجہود ص۲۶ ج۱) بلکہ ان کے نزدیک تو مطلقاً عدد بھی مسنون نہیں، تفصیل کے لیے (تحفہ حنفیہ ص۸۲ ج۱) کی مراجعت کریں، جہاں ہم نے اس پر متعدد حوالے نقل کیے ہیں۔

(۱۰) حضور علیہ السلام سے ایسے کپڑے کے بارے سوال ہوا جس کو حیض کا خون لگ جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے دھو ڈالا جائے اور اگر اس کا اثر اور رنگ زائل نہ ہو تو اسے کسی زرد چیز سے بدل (یعنی رنگ کر) دیا جائے۔

(ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب المراۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا (الحدیث ۳۵۷)

مگر حنفیہ کے نزدیک زرد چیز سے رنگنا واجب نہیں۔ (اعلاء السنن ص۴۰۷ ج۱)

تلک عشرة کاملة

انوار صاحب کو، اعلاء السنن، پر از حد فخر ہے اور اس سے انہوں نے استفادہ کرنے کا اعتراف بھی کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۱۳۶) ہم نے بھی ان دس مقامات کی نشاندہی ان کی معتمد کتاب کی جلد اول سے کی ہے۔ اگر ہم مزید تھوڑی سی محنت کریں تو بفضلہ تعالیٰ سینکڑوں مثالیں دے سکتے ہیں۔ مگر ہمارا مدعا ان چند مثالوں سے بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ امر سے وجوب کا دعوٰی ثابت نہیں ہوتا۔

(۶) عن ابی سعید قال قال رسول اللهﷺ من نام عن وتره او نسیه فلیصله اذا اصبح او ذکر (مستدرک حاکم ص ۳۰۲ ج ۱، دارقطنی ص ۲۲ ج ۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے یا پڑھنا بھول جائے اسے چاہیے کہ وہ صبح اٹھ کر یا جب یاد آئے وتر پڑھ لے (ص ۵۴۶) وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ

وتر رہ جانے کی صورت میں قضاء کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر واجب ہیں کیونکہ قضاء فرض و واجب ہی کی کی جاتی ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۵۲)

الجواب اولاً: محترم آپ پہلے قرآن و حدیث سے یہ اصول ثابت کریں کہ قضاء صرف فرض اور واجب کی ہوتی ہے۔ یہ محض آپ کا قیاس فاسد اور نظریہ باطل ہے، اور اس پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل موجود نہیں، ہم اپنے دین و ایمان کی محکمی کی بناء پر پورے جزم و یقین کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ قضاء سے وجوب ثابت نہیں ہوتا

ثانیاً: سنن رواتب کی قضاء کا نبی مکرم ﷺ نے حکم بھی دیا ہے اور خود بھی قضاء پڑھی ہیں۔ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے سنت فجر نہ پڑھی ہوں وہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لے، (ترمذی رقم الحدیث ۴۲۳) اور ایک حدیث میں ہے کہ جس کی سنت فجر رہ جائیں حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے تو وہ آفتاب طلوع ہونے کے بعد پڑھ لے (بیہقی ص ۴۸۴ ج ۲ و دارقطنی ص ۳۸۳ ج ۱) واقعہ تعریس میں خود رسول اللہ ﷺ نے فجر کی دو سنتوں کی قضاء پڑھی ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے (مسلم ص ۲۳۸ ج ۱) میں سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے (مسلم ص ۲۳۹ ج ۱) میں سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے (بخاری ص ۹۴ ج ۱ و مسلم ص ۲۴۰ ج ۱) میں سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے (ابوداؤد مع عون ص ۱۷۰ ج ۱) میں سیدنا ذمخبری حبشی رضی اللہ عنہ سے (ابو داؤد ص ۱۷۰ ج ۱) میں سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے (نسائی ص ۷۲ ج ۱) میں سیدنا ابی مریم رضی اللہ عنہ سے (نسائی ص ۷۲ ج ۱) میں مروی ہے۔ اور نماز ظہر کی پہلی چار سنتوں کو آپ علیہ السلام نے نماز ظہر کے بعد قضاء کیا ہے (ترمذی ص ۲۳۷ ج ۱) ظہر کے بعد والی دو رکعت کی

قضاء آپ نے عصر کے بعد کی ہیں۔

(بخاری الحدیث ۱۲۳۳) و مسلم، الحدیث ۱۹۳۳)

ایسا ہی جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز رہ جاتی تو آپ دن میں ۱۲۔رکعات پڑھ کر اس کی قضاء کرتے۔

(مسلم ص۲۵٦ و ابو داود ص٥٠٦ ج۱ و ترمذی ص٤٠٣ ج۱ و نسائی ص۲۰۸ ج۱ و ابن ماجة ص۱۳٥ و عبدالرزاق ص٥٠ ج۳ و بیهقی ص٤٨٤ ج۲)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ فجر ظہر کی سنتوں کی قضاء بھی حضور علیہ السلام نے کی ہے اور نماز تہجد کی قضاء بھی آپ نے پڑھی ہے، اگر قضاء سے وجوب ثابت ہوتا ہے تو انوار صاحب ان سنن و نوافل کو بھی واجب تسلیم کر لیں۔

(۷) عن الاشعث بن قیس قال تضیفت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فقام فی بعض اللیل فتناول امراته فضر بها ثم نادانی یا اشعث قلت لبیك قال احفظ عنی ثلثا حفظتهن عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا تسئل الرجل فیم یضرب امراته ولا تساله عمن یعتمد من اخوانه ولا یعتمدهم ولا تنم الاعلی وتر۔

(مستدرك حاكم ص١٧٥ ج١)

حضرت اشعث بن قیس فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر ایک دفعہ مہمان بنا۔ آپ رات کے کسی حصہ میں اٹھے بیوی کو بلا کر سرزنش کی، پھر مجھے آواز دی کہ اے اشعث، میں نے عرض کیا حاضر ہوں، فرمایا میری جانب سے تین باتیں یاد رکھو، یہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (سن کر) یاد کی تھیں، (۱) کسی سے یہ نہ پوچھو کہ وہ اپنی بیوی کو کیوں مار رہا ہے (۲) اور کسی سے یہ نہ پوچھو کہ اسے اپنے دوستوں میں سے کس پر اعتماد ہے، اور کس پر نہیں (۳) وتر پڑھے بغیر نہ سو، (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۴۷)

الجواب اولاً: محترم نے یہ وضاحت نہیں کی کہ اس حدیث سے وجوب وتر کا مسئلہ کیسے ثابت ہوتا ہے اگر انوار صاحب اس بات سے وجوب وتر ثابت کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی نصیحت کی ہے تو اس سے وجوب وتر ثابت نہیں ہوتا بلکہ حنفیہ کے استدلال کے موافق رات کو وتر پڑھ کر سونے کا وجوب ثابت ہوتا ہے، لیکن یہ ان کے بھی موافق نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک بھی آخری رات میں وتر پڑھنا مستحب ہے (فتاوی عالم گیری ص۱۱۱ ج۱)

ثانیاً: اس کی سند میں، عبدالرحمٰن المسلی راوی ہے۔ اسے ازدی نے ضعفاء میں شمار کرتے ہوئے کہا ہے کہ فیہ نظر یعنی اس میں کلام ہے (تہذیب ص۲۷۲ ج٦) اس کے

علاوہ اس کی کسی سے توثیق منقول نہیں، حافظ ابن حجرؒ نے تقریب، میں اسے مقبول قرار دیا ہے۔ یعنی متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث ہے، کما فی مقدمہ تقریب۔

الغرض یہ روایت المسلی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں اضطراب ہے، بعض راویوں نے، عن عبداللہ عن ابی عبدالرحمٰن المسلی کہہ کر نقل کیا ہے، (بیہقی ص۳۰۵ ج۷) جبکہ بعض نے، عن داؤد بن عبداللہ الاودی، کہہ کر نقل کیا ہے، (مسند احمد ص۲۰ ج۱ و مسند طیالسی ص۱۰ و مستدرک حاکم ص۱۷۵ ج۳)

الغرض یہ اضطراب ہے، جس کو دور کرنے کا کوئی قرینہ موجود نہیں۔

ثالثاً: امر سے وجوب ثابت نہیں ہوتا تفصیل پہلے عرض کر دی گئی ہے، علاوہ ازیں امر نفس وتر کے متعلق نہیں بلکہ وتر پڑھنے کے وقت کے بارے میں ہے۔

رابعاً: اس حدیث کے برعکس سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل تھا وہ یہ کہ آپ ہمیشہ وتر آخری رات میں پڑھا کرتے تھے۔ (ابو داؤد کتاب الوتر باب فی الوتر قبل النوم، الحدیث ۱٤۳٤)

(۸) عن خارجة بن حذافة قال ابو الوليد العدوى قال خرج علينا رسول الله ﷺ فقال ان الله قد امدكم بالصلوٰة هى خيرلكم من حمرالنعم وهى الوتر فيما بين العشاء الى طلوع الفجر۔

(ابو داؤد ص۲۰۱ ج۱ و ترمذی ص۱۰۳ ج۱ و مستدرك حاكم ص۳۰٦ ج۱)

حضرت خارجہ بن حذافہ عدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے مدد کی ہے، یا تمہارے لیے ایک نماز زائد کی ہے۔ جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے وہ نماز وتر ہے اسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے عشاء سے لیکر صبح صادق تک مقرر کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۵۴۷)

الجواب اولاً: امدکم کا معنی واجب نہیں، کیونکہ زائد یہاں جنس میں نہیں بلکہ غیر جنس میں ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ

عن ابی سعيد الخدری قال قال رسول الله ﷺ ان الله عزوجل زادكم صلوٰة الى صلوتكم خير لكم من حمره النعم ألا وهى الركعتان قبل صلوة الفجر۔

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نماز سے دوسری نماز تک ایک نماز زائد کی ہے، جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے، آگاہ رہو وہ نماز فجر سے پہلے کی دو رکعت ہیں (بیہقی ص۴۶۹ ج۲)

یہ روایت سنداً صحیح ہے جیسا کہ امام حاکم وغیرہ نے صراحت کی ہے، (نصب الرایہ ص۱۱۲ ج۱) اس

حدیث پر غور کریں کہ یہ انہیں الفاظ سے مروی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ انوار صاحب کی پیش کردہ حدیث میں، الوتر، کا لفظ ہے جبکہ اس میں، الرکعتان قبل الفجر، کے الفاظ ہیں۔ اگر انوار صاحب کے قاعدہ کو تسلیم کرلیا جائے تو صبح کی سنتیں بھی واجب قرار پاتی ہیں۔

ثانیاً: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وتر صرف طلوع فجر تک ہی انسان پڑھنے کا مجاز ہیں۔ کیونکہ الی طلوع الفجر، کہہ کر تحدید کردی ہے مگر حنفیہ کے نزدیک اس کے بعد بھی جائز ہے۔

(فتاوی عالم گیری ص ۱۱۱ ج ۱)

ثالثاً: یہ روایت ضعیف ہے اس میں ایک راوی عبداللہ بن راشد زوفی مجہول ہے، (میزان ص ۴۲۰ ج ۲) اس کی ابن حبان کے علاوہ اور کسی نے توثیق نہیں کی، جبکہ ابن حبان راویوں کی توثیق کرنے میں متساہل ہے، علاوہ ازیں خود ابن حبان فرماتے ہیں کہ

اس خبر کی سند میں اندھیرا ہے بعض راویوں کا بعض سے سماع معلوم نہیں (کتاب الثقات ص ۱۱۱ ج ۳) عبداللہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ، اسناد مشوشا، یعنی اس کی سند میں گڑ بڑ ہے،

(کتاب الثقات ص ۳۵ ج ۷ وتہذیب ص ۲۰۵ ج ۵)

علاوہ ازیں اس کی سند میں انقطاع ہے جیسا کہ امام بخاری نے صراحت کی ہے (ابن عدی ص ۹۳۰ ج ۳) ابن حبان بھی کہتے ہیں کہ اس کی سند میں انقطاع اور متن باطل ہے۔

(التلخیص الجبیر ص ۱۶ ج ۲)

الغرض یہ روایت ضعیف ہے

(۹) عن ابی تمیم الجیشانی ان عمرو بن العاص خطب الناس یوم جمعة فقال ان ابا بصرة حدثنی ان النبی ﷺ قال ان اللہ زادکم صلوٰة وھی الوتر فصلوھا فیما بین صلوٰة العشاء الی صلوة الفجر قال ابو تمیم فاخذ بیدی ابو ذر فسار فی المسجد الی ابی بصرة فقال لہ انت سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ما قال عمرو قال ابو بصرة سمعت من رسول اللہ ﷺ۔

(مسند احمد ص ۷ ج ۶ و مستدرک حاکم ص ۵۹۳ ج ۳)

حضرت ابوتمیم جیشانی سے روایت ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں کو خطبہ جمعہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ابو بصرہؓ نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک نماز زائد کی ہے جو وتر ہے، لہٰذا تم عشاء کی نماز کے بعد سے لیکر فجر کی نماز تک کے درمیان درمیان اسے پڑھا کرو، ابوتمیم کہتے ہیں کہ حضرت ابو ذرؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مسجد میں جا کر ابو بصرہ سے دریافت فرمایا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو وہ فرماتے سنا ہے جو

عمرو نے بیان کیا ہے، حضرت ابو بصرہ نے فرمایا جی ہاں یہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے۔
(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۴۸)

الجواب: مستدرک حاکم میں یہ حدیث بلا سند ہے ہاں البتہ مسند احمد میں اس کی سند موجود ہے اور صحیح ہے مگر، زادکم، کے لفظ سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، جیسا کہ ہم ماقبل کی حدیث کے جواب میں سیدنا ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کر چکے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ سنن ونوافل میں اضافہ کے متعلق ہے کہ ان میں ایک نماز زائد ہوئی ہے، اور لفظ، زاد، بھی اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ زیادہ اس اضافہ کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے پورا کرنے کے بعد بڑھایا جائے، اور یہ نوافل وغیرہ پر ہی صادق آتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ صحابی نے نبی علیہ السلام سے اسلام کے متعلق سوال کیا تو آپ نے اسے احکام اسلام بتلائے تو اس صحابی نے جاتے ہوئے کہا۔

واللہ لا أزید علی ھذا ولا انقص منه، یعنی اللہ کی قسم میں اس سے نہ بڑھاؤں گا اور نہ ہی کم کروں گا (بخاری کتاب الایمان باب الزکاۃ من الاسلام، الحدیث ٤٦ و مسلم کتاب الایمان باب بیان الصلوٰت التی ھی احد ارکان الاسلام، الحدیث ١٠٠)

اس حدیث میں لفظ، أزید، نوافل پر بولا گیا ہے، جیسا کہ اسماعیل بن جعفر کی روایت میں صراحت ہے، لا اتطوع شیئا ولا انقص مما فرض اللہ علی شیئا، یعنی میں نوافل سے کچھ بھی نہ پڑھوں گا اور جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرض کیا ہے نہ اس میں سے کچھ کم کروں گا۔

(بخاری کتاب الصوم باب وجوب صوم رمضان، الحدیث ١٨٩١)

اس سے ثابت ہوا کہ نبی علیہ السلام کی حین حیات میں ہی، زاد، کا لفظ نوافل پر بولا جاتا تھا، الغرض یہ روایت ہمارے موافق اور آپ کے مخالف ہے،

(۱۰) عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ ﷺ الوتر حق واجب علی کل مسلم۔

(مسند احمد ص و صحیح ابن حبان ص بحوالہ الدرایہ ص منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد ص١٩ ج ١، دار قطنی ص٢٢ ج ٢)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وتر حق ہیں واجب ہیں ہر مسلمان پر (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۴۸)

الجواب اولاً: ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت صرف دارقطنی میں ہے، باقی کتب حدیث میں قطعاً نہیں، تفصیل، تحفہ حنفیہ ص ۹۷ ج ۱ میں دیکھئے، ہاں البتہ مسند ابو داؤد طیالسی رقم الحدیث ۵۹۳ میں سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے جس میں، واجب، کا لفظ شک کے طور پر آیا ہے، قال

الوتر حق او واجب، اور اس کی سند میں، عبداللہ بن بدیل الخزاعی راوی ہے جو سند اور متن میں اضافہ کرتا تھا جیسا کہ امام ابن عدی نے صراحت کی ہے (تہذیب ص۱۵۵ ج۵) تقریب ص۱۶۸ میں ہے کہ صدوق یخطی، الغرض طیالسی کی روایت موقوف ہونے کے علاوہ منکر ہے

ثانیاً: غالباً ہمارے معاصر کو اس سے غلطی لگی ہے کہ امام ابوداؤد نے مذکورہ روایت کے بعد لکھا ہے کہ **وروی یزید بن ھارون عن سفیان بن حسین عن الزھری عن عطاء بن یزید عن ابی ایوب الانصاری عن النبی** ﷺ (مسند طیالسی ص۸۱ رقم الحدیث ۵۹۴)

انوار صاحب نے اس کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ یزید بن ہارون کی روایت کے الفاظ عبداللہ بن بدیل خزاعی کی طرح ہیں۔ حالانکہ امام ابو داؤد کا یہ مطلب نہیں اگر یہ ہوتا تو وہ مثلہ وغیرہ کے الفاظ بھی تحریر کرتے لیکن ایسا قطعاً نہیں۔ پھر امام یزید بن ہارون عن حسین عن الزہری، کی مرفوع حدیث تو امام احمد نے نقل کی ہے (مسند احمد ص۴۱۸ ج۵) مگر اس میں واجب اور حق کا لفظ نہیں۔ خلاصہ یہ نکلا کہ مسند طیالسی اور مسند احمد اور ابن حبان میں واجب کا لفظ نہیں یہ انوار صاحب کی بھول ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب نے متن روایت کو نقل کرنے میں بھی بددیانتی کی ہے، تفصیل کے لیے، تحفہ حنفیہ، کی مراجعت کریں۔

رابعاً: واجب کا لفظ صرف دارقطنی میں ہے اور امام دارقطنی نے آگے صراحت کی ہے کہ واجب کا لفظ غیر محفوظ ہے اور ابن حسان کا کوئی بھی متابع نہیں ہے (دارقطنی ص۲۲ ج۲)

خامساً: اس حدیث کے اگلے الفاظ جن کو ہمارے محترم نے نقل نہیں کیا یہ ہیں۔

فمن شاء اوتر بثلاث فلیوتر ومن شاء ان یوتر بواحدۃ فلیوتر بواحدۃ

یعنی جو تین پڑھنا چاہے وہ تین وتر پڑھ لے اور جو ایک پڑھنا چاہے وہ ایک رکعت وتر پڑھ لے، (سنن دارقطنی ص۲۲ ج۲)

ظاہر ہے کہ اگر وتر واجب ہوں تو ان میں کمی بیشی جائز نہیں، کیونکہ واجبات میں انسانی خواہش کے موافق کمی بیشی نہیں ہوتی۔ چونکہ یہ الفاظ انوار صاحب کے مخالف تھے اس لیے انہوں نے متن حدیث میں بددیانتی کر کے اپنا اُلو سیدھا کیا ہے۔

(۱۱) **عن عبداللہ عن النبی ﷺ قال الوتر واجب علی کل مسلم۔**

(کشف الاستار عن زوائد البزار ص۳۵۲ ج۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا وتر واجب ہیں ہر مسلمان پر (حدیث اور اہل حدیث ص۵۴۸)

الجواب ھیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں، النضر ابو عمرو، راوی سخت ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ص ۲٤۰ ج ۲)

امام بخاری فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے، امام احمد ضعیف الحدیث اور ہیچ محض کہتے ہیں ابن معین فرماتے ہیں۔ لیس بشئی، لا یحل لاحد ان یروی عنه، یعنی کچھ بھی نہیں کسی کے لیے جائز نہیں وہ اس سے روایت لے، ابوزرعہ لین الحدیث کہتے ہیں امام ابو حاتم منکر الحدیث ضعیف اور ذاہب الحدیث قرار دیتے ہیں۔ امام نسائی کہتے ہیں غیر ثقہ متروک ہے اس کی مرویات لکھی ہی نہ جائیں۔ ابن نمیر نے متروک اور دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے ابن حبان فرماتے ہیں۔ اس سے احتجاج کرنا باطل ہے۔

(تهذیب ص ٤٤٢ ج ۱۰، ابن عدی ص ۲٤۸٦ ج ۷، میزان ص ۲٦ ج ٤، المجروحین ص ٤۹ ج ۳ و تاریخ کبیر للبخاری ص ۹۱ ج ۸)

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

ملحوظہ: آخری پروف پڑھتے وقت ''کشف الاستار'' کی مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ حافظ ہیثمی کو یہاں پر غلطی لگی ہے دراصل انہیں الفاظ سے یہ روایت مسند بزار میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(کشف الاستار ص ۲۵۲ ج ۱، باب ماجاء فی الوتر رقم الحدیث ۷۳٤، و سنن دارقطنی ص ۳۰ ج ۲، والعلل المتناهية ص ٤۵۲ ج ۱)

اور النضر ابوعمر راوی بھی اس کی سند میں ہے جبکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کی سند میں النضر ابوعمر نہیں ہے بلکہ ایک راوی جابر ہے۔

(کشف الاستار ص ۳۵۲ ج ۱، باب سابق رقم الحدیث ۷۳۳)

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ یہ جابر جعفی ہے۔

(الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة ص ۱۹۰ ج ۱)

اور یہ معروف کذاب راوی ہے، عقیدہ کے لحاظ سے رافضی اور رجعت علی کا مؤقف رکھتا تھا، متعدد اہل علم کے علاوہ امام ابوحنیفہ نے کذب قرار دیا ہے (میزان ص ۳۸۰ ج ۱)

الغرض یہ روایت باطل ہے، تعریف ہے رب قدیر کے لیے جو بھولتا نہیں اور تمام عیبوں سے پاک ہے۔

(۱۲) عن عاصم بن ضمرة قال قال علی ان الوتر لیس بحتم کصلوتکم المکتوبة ولکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوتر ثم قال یا اهل القرآن اوتروا فان اللہ وتر یحب الوتر۔

(مستدرک حاکم ص ۳۰۰ ج ۱)

حضرت عاصم بن ضمرۃ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا وتر فرض نماز کی طرح تو ضروری نہیں ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھے پھر فرمایا اے قرآن والو وتر پڑھو بے شک اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہیں اور وتر (طاق عدد) کو پسند فرماتے ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۵٤۹)

الجواب: اولاً جس نالائق و نابکار کو، ان اللہ وتر، کا معنی نہیں آتا اس نے اہل حدیث کے رد کا ٹھیکا لیا ہوا ہے، ٹھیکے دار صاحب آپ نے جو، اللہ وتر ہے کا مفہوم بریکٹ میں طاق، بیان کیا ہے وہ نرا کفر ہے، کیونکہ طاق اس عدد کو کہتے ہیں جو دو پر تقسیم نہ ہو، جیسے ایک تین پانچ وغیرہ ہیں لہذا انوار صاحب کو یہاں طاق کی بجائے، اکیلا، یا ایک معنیٰ کرنا چاہئے تھا، ان اللہ وتر، کا معنی آئمہ لغت نے بھی منفرد اور واحد، کیا ہے (مجمع بحار الانوار ص۱۰ ج۵ و لسان العرب ص۲۷٤ ج۵ و تاج العروس ص۵۹۷ ج۳ و المفردات القرآن ص۲٦۳ و المعجم الوسیط ص۱۰۱۰)

لہذا انوار صاحب کو ہمارا برادرانہ مشورہ ہے کہ آپ بے شک وتر ایک نہ مانیں لیکن اللہ تعالیٰ کو ایک تسلیم کرتے ہوئے تجدید ایمان کرلیں، اگر مناسب خیال کریں تو اپنے کسی مفتی سے رجوع کرکے تجدید نکاح بھی کرلیں تو آپ کی اس میں بہتری ہے

ثانیاً: انوار صاحب نے یہ بیان نہیں کیا کہ اس اثر کو وجوب وتر سے کیا تعلق ہے، اگر امر سے استدلال ہے تو اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے اور اگر فرض نہ ہونے کا استدلال ہے، تو یہ ان کی بھول ہے کیونکہ فرض کی ضد واجب نہیں بلکہ نفل ہے، علاوہ ازیں اس اثر کے دوسرے طریق میں سنت کا لفظ ہے یعنی فرض نہیں سنت ہیں۔ جیسا کہ ہم فصل اول میں نقل کرچکے ہیں۔ لہذا انوار صاحب کا استدلال باطل ہے

(۱۳) عن مالك انه بلغه ان رجلا سال عبدالله بن عمر عن الوترؤاجب هو فقال عبدالله بن عمر قد اوتر رسول الله ﷺ واوتر المسلمون قال فجعل الرجل يردد عليه و عبد الله بن عمر يقول قد اوتر رسول الله صلى الله عليه وسلم واوتر المسلمون۔

(موطا امام مالك ص۱۰۹)

حضرت امام مالک سے مروی ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وتر کے بارے سوال کیا کہ کیا وتر واجب ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے اور مسلمان بھی وتر پڑھتے رہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ شخص آپ سے بار بار یہی پوچھتا رہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے اور مسلمان بھی پڑھتے رہے (حدیث اوراہل حدیث ص۵۵۰)

الجواب اولاً: یہ روایت مسند احمد ص۲۹، ۵۸ ج۲ میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، معلوم نہیں کہ انوار صاحب علل الحدیث میں اتنے کمزور کیوں ہیں، موصول کو چھوڑ کر منقطع کو پیش کرتے ہیں۔

ثانیاً: یہ تو ہماری دلیل ہے کہ کیونکہ سائل نے وجوب کے بارے سوال کیا ہے، اور آپ نے اسے جواب دیا ہے کہ یہ امت مرحومہ میں معمول بھا ہے اور طریقہ مسلوکہ ہے، اگر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ وتر کو

واجب جانتے تو سائل کو کہہ دیتے کہ واجب ہے۔

ثالثاً: رہا انوار صاحب کا مواظبت سے وجوب کا استدلال تو یہ غلط ہے، کیونکہ مواظبت سے وجوب اس وقت ثابت ہوتا ہے جب سنت و مستحب کی طرف نہ پھیرا جا سکتا ہو۔ انوار صاحب غور کریں کہ اذان حنفیہ کے نزدیک سنت ہے حالانکہ امت مرحومہ میں نسل در نسل اس پر تواتر اور مواظبت ہے۔ علاوہ ازیں احناف کے نزدیک سنن نماز ۲۴ عدد ہیں (نماز مسنون ص۳۱۰) ان چوبیس سنن پر ایک ایک حدیث پیش کر دیجیے کہ نبی ﷺ نے ان افعال نماز کو کبھی کبھار ترک بھی کیا ہے، اگر آپ پیش نہ کر سکے یقیناً پیش نہ کر سکے تو لازم آئے گا کہ آپ اپنے دعوے میں کاذب ہیں۔

(۱۴) عن ابی ایوب قال الوتر حق او واجب۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۷ ج۲)

حضرت ابو ایوب فرماتے ہیں کہ وتر حق ہیں یا واجب ہیں (حدیث اور اہل حدیث ص۵۵۰)

الجواب اولاً: ثابت ہوا کہ حق اور واجب آپس میں متضاد ہیں۔ جبکہ انوار صاحب کے نزدیک حق کا لفظ وجوب پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ انہوں نے اپنی دلیل اول میں حق کا معنی بریکٹ میں واجب کیا ہے (ص۵۴۴) اور اس اثر میں اس کی تردید ہوتی ہے۔

ثانیاً: اثر میں واجب کا لفظ شک کے طور پر آیا ہے، اور انوار صاحب نے کوئی ایسی دلیل درج نہیں کی جس میں انہوں نے حق (ثابت) کی بجائے واجب کو ترجیح دی ہے، جبکہ ایک جماعت حفاظ نے امام زہری سے حق کا لفظ ہی روایت کیا ہے۔ مثلاً۔

(۱) دوید بن نافع (نسائی رقم الحدیث ۱۷۱۱) (۲) اوزاعی (نسائی رقم الحدیث ۱۷۱۲) (۳) ابو معید (نسائی رقم الحدیث ۱۷۱۳) (۴) معمر (سنن دار قطنی ص۲۳ ج۲) (۵) بکر بن وائل (ابو داود رقم الحدیث ۱۴۲۲) (۶) یونس (ابن حبان رقم الحدیث ۲۴۰۲) (۷) ابی حفص (طبرانی کبیر ص۱۲۸ ج۴ حدیث نمبر ۳۹۶۷) (۸) محمد بن اسحاق (مستدرک حاکم ص۳۰۳ ج۱)

اس جماعت کے بالمقابل امام سفیان بن عیینہ شک کے طور پر امام زہری سے حق، او واجب، کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تردد والی روایت کو بغیر تردد والی پر محمول کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں امام سفیان بن عیینہ خود بھی جماعت حفاظ کے موافق اور بغیر شک کے امام زہری سے حق کا لفظ روایت کرتے ہیں۔

(طبرانی کبیر ص۱٤۸ ج٤ رقم الحدیث ۳۹٦٦، مستدرک حاکم ص۳۰۳ ج۱)

اس پوری تفصیل سے ثابت ہوا کہ متن میں، حق، کا لفظ محفوظ اور واجب کا لفظ شاذ ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہے۔ جب آپ نے اس قدر بات سمجھ لی ہے تو اب سنئے کہ حق کے لفظ سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، تفصیل گزر چکی ہے

(۱۵) عن مجاهد قال هو واجب ولم يكتب۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۷ ج۲)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ وتر واجب ہیں فرض نہیں کیے گئے (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۵۰)

الجواب اولاً: اس اثر میں، واجب، کا لفظ فقہی اصطلاح کے مطابق استعمال نہیں کیا گیا، بلکہ لغوی معنوں میں بولا گیا ہے، یعنی وتر ثابت ہیں اور اس کو نہ پڑھنے سے شرع میں قابل ملامت سمجھا گیا ہے۔

ثانیاً: اگر واجب کو فقہی اصطلاح کے موافق بھی کر لیا جائے، جو یقیناً غلط ہے، تو تب بھی اس سے وجوب وتر کا ثبوت نہیں ملتا، کیونکہ یہ تابعی کا قول ہے، جو احادیث مرفوعہ صحیحہ کا رد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

(۱۶) عن طاؤس الوتر واجب يعاد اليه اذا نسي۔

(مصنف عبدالرزاق ص۸ ج۳)

حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ وتر واجب ہیں اگر بھولے سے رہ جائیں تو قضاء پڑھے جائیں گے۔

الجواب اولاً: واجب کا لفظ لغوی معنوں میں بولا گیا ہے، فقہی اصطلاح مراد نہیں، ثانیاً: قضاء سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، ثالثاً: سند میں ابن جریج ہیں۔ جو زبردست مدلس ہیں (طبقات المدلسین ص ۴۱) اور زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں۔ لہذا سند ضعیف ہے۔

رابعاً: تابعی کا قول مرفوع احادیث کے معارض نہیں ہو سکتا۔

(۱۷) عن حماد قال او تروان طلعت الشمس۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۰ ج۳)

حضرت حمادؒ فرماتے ہیں کہ وتر پڑھو اگرچہ سورج طلوع ہو جائے (یعنی اگر قضاء پڑھنی پڑے تو پڑھو۔

(۱۸) عن وبرة قال سالت ابن عمر عن رجل اصبح ولم يوتر قال ارأيت لونمت عن الفجر حتى تطلع الشمس اليس كنت تصلى كانه يقول يوتر۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۰ ج۲)

حضرت وبرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص وتر پڑھے بغیر صبح کر دے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا بتلاؤ اگر تم صبح کی نماز پڑھے بغیر سوتے رہو حتی کہ سورج طلوع ہو جائے تو تم صبح کی نماز نہیں پڑھو گے، گویا آپ یہ فرما رہے تھے کہ وہ شخص وتر پڑھے۔

(۱۹) عن الشعبي و عطاء والحسن و طاؤس و مجاهد قالوا لا تدع الوتر وان طلعت الشمس۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۰ ج۲)

حضرت امام شعبی حضرت عطاء حضرت حسن بصری حضرت طاوس حضرت مجاہد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وتر کو نہ چھوڑو اگرچہ سورج طلوع ہو جائے

(۲۰) عن الشعبیؒ قال لا تدع الوتر ولو تنصف النهار۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۰ ج ۲)

حضرت امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ وتر کو نہ چھوڑ اگرچہ نصف النہار ہی کیوں نہ ہو جائے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۵۰ تا ۵۵۱)

الجواب اولاً: قضاء سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، ہم اس پر دلائل نقل کر چکے ہیں۔ ثانیاً آخری دونوں روایات ضعیف ہیں نمبر ۱۹ کی سند میں لیث بن ابی سلیم، ہے جو اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، اور ان کی مرویات میں تمیز نہیں ہو سکی (تقریب ص ۲۸۷) اور نمبر ۲۰ کی سند میں، ھیثم راوی مدلس ہے، (تقریب ص ۳۶۵) اور سماع کی صراحت نہیں۔

خلاصہ کلام انوار صاحب نے کل دلائل بیس نقل کیے ہیں۔ ۱۲ مرفوع احادیث ہیں مکررات کو حذف کیا جائے تو دس رہ جاتی ہیں۔ مرفوع میں سے، ۱، ۷، ۸، ۱۰، ۱۱ پانچ احادیث ضعیف ہیں۔ بقایا پانچ میں سے، ۲، ۳، ۴، ۵ کا تعلق وجوب وتر سے نہیں بلکہ تہجد کے ساتھ وتر پڑھنے کا حکم ہے اور آخری حدیث نمبر ۶ قضاء وتر کے بارے ہے۔ پھر ان میں سے ۸، ۹، ۱۲ سے وجوب کی نفی ہوتی ہے اور سنت ہونا ثابت ہوتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو قول نقل کیے ہیں ایک ضعیف ہے تو دوسرے سے وجوب کی نفی ہوتی ہے رہے آثار تابعین تو ان میں سے ۱۶، ۱۹، ۲۰ ضعیف ہیں اور بقایا دو میں قضاء وتر کا مسئلہ ہے۔

گویا انوار صاحب مرفوع و موقوف اور آثار تابعین میں سے کوئی دلیل بھی وجوب وتر کی نہیں دے سکے۔ مگر اس کے باوجود پوری ڈھٹائی سے فرماتے ہیں۔ مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے ص ۵۵۱) آگے چل کر فرماتے ہیں۔

اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ فرما رہے ہیں کہ وتر واجب ہیں۔ صحابہ کرام کے فرامین سے ثابت ہو رہا ہے کہ وتر واجب ہیں۔ تابعین کرام کہہ رہے ہیں کہ وتر واجب ہیں۔ لیکن غیر مقلدین کہہ رہے ہیں کہ نہیں صاحب وتر واجب نہیں ص ۵۵۲)

محترم ان میں سے کوئی بھی وجوب وتر کا قائل نہیں، یہ آپ کی غلط بیانی اور کذب ہے، امام ابوحنیفہ اور ان کے مقلدین کے علاوہ وجوب وتر کا کوئی بھی قائل نہیں۔ حتی کہ امام محمد اور قاضی ابو یوسف بھی وجوب کے قائل نہیں۔ بلکہ سنت کہتے ہیں (ہدایہ مع فتح القدیر ص ۳۶۹ ج ۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ والحق ان الوتر سنة، یعنی خالص حق یہی ہے کہ وتر سنت ہے۔ (حجة الله البالغة ص ۱۷ ج ۲)

(۵۰) باب رکعات وتر

فصل اول

(۱) عن ابن عمر ان رجلا سال رسول الله ﷺ عن صلاة الليل،، فقال ﷺ صلاة الليل مثنىٰ مثنىٰ فاذا خشى احدكم الصبح صلى ركعة واحدة تو تره ما قد صلى، وعن نافع ان عبد الله بن عمر كان يسلم بين الركعة والركعتين في الوتر حتي يامر ببعض حاجته۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے رات کی نماز کے متعلق سوال کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔اور جب تم میں سے کوئی صبح ہونے سے ڈرے تو ایک رکعت وتر پڑھ لے وہ (ایک وتر) اس کی پوری نماز کو طاق بنا دے گا۔امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب وتر کی تین رکعت پڑھتے تو دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے تھے یہاں تک کہ کسی ضرورت سے گفتگو بھی کرتے۔

(بخاری کتاب الوتر باب ماجاء فی الوتر، الحدیث ۹۹۰،۹۹۱ و مسلم کتاب صلاة المسافرین باب صلاة اللیل مثنیٰ مثنیٰ والوتر رکعة من آخر اللیل، الحدیث ۱۷۴۸)۔

(۲) عنا بن عمر قال قال النبی ﷺ صلاة الليل مثنى مثنى، فاذا اردت ان تنصرف فاركع ركعة توترلك ما صليت۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں۔ پھر جب تو نماز سے فارغ ہونے کا ارادہ کرے تو ایک رکعت وتر پڑھ لے۔ وہ تیرے لیے ساری نماز کو طاق کر دے۔

(بخاری کتاب الوتر باب ماجاء فی الوتر،الحدیث ۹۹۳)۔

(۳) عن ابن عمر عن النبی ﷺ انه قال صلاة الليل مثنى مثنى فاذا خفت الصبح فاوتر بواحدة واجعل آخر صلاتك وترا۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے پھر جب صبح ہوجانے کا خوف ہو تو ایک وتر پڑھ لو۔ اور اپنی نماز کے آخر میں وتر کرو۔

(ترمذی کتاب الصلاة ماجاء ان الصلاة اللیل مثنیٰ مثنیٰ ، الحدیث ۴۳۷،نسائی کتاب قیام اللیل باب کیف صلاة اللیل ، الحدیث ۱۶۷۲، ابن ماجه کتاب اقامة الصلاة باب ماجاء فی الصلاة اللیل رکعتین ۱۳۱۹)۔

(۴) حدثنا شعبة قال سمعت عقبة بن حريث قال سمعت ابن عمر يحدث ان رسول

اللهﷺ قال صلاة الليل مثنیٰ مثنیٰ، فاذا رایت ان الصبح يدركك فاوتر بواحده فقيل لابن عمر ما مثنیٰ مثنیٰ؟ قال ان تسلم فی كل ركعتين۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ پھر جب تم دیکھو کہ طلوع فجر ہوجائے گی تو ایک رکعت پڑھ لو، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ دو دو رکعت سے کیا مراد ہے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جائے۔

(صحيح مسلم كتاب صلاة المسافرين باب صلاة الليل مثنیٰ مثنى والوتر ركعة من آخرالليل، الحديث ۱۷۶۳)۔

(۵) عن انس بن سيرين قال قلت لابن عمر، ارأيت الركعتين قبل صلاة الغداة نطيل فيهما القراة؟فقال كان النبیﷺ يصلی من الليل مثنیٰ مثنیٰ ويوتر بركعة ويصلی ركعتين قبل صلاة الغداة وكان الأذان باذنيه۔

امام انس بن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں فجر کی سنتوں میں قرأت لمبی کیا کروں؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز دو دو رکعت پڑھا کرتے تھے گویا آپ کے کان میں تکبیر کی آواز پڑ رہی ہے۔ (یعنی جلدی پڑھتے)۔

بخاری كتاب الوتر باب ساعات الوتر، الحديث ۹۹۵، مسلم كتاب صلاة المسافرين باب صلاة الليل مثنیٰ مثنیٰ والوتر ركعة من آخر الليل الحديث ۱۷۶۱)۔

(۶) عن ابن عمر قال قال رسول اللهﷺ الوتر ركعة من آخر الليل۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ وتر ایک رکعت ہے رات کے آخر میں۔

مسلم كتاب صلاة الليل المسافرين باب صلاة الليل مثنیٰ مثنیٰ والوتر ركعة من آخر الليل الحديث ۱۷۵۷)و نسائی كتاب قيام الليل باب كم الوتر، الحديث ۱۶۹۰و ابو عوانه ص۳۳۳ ج۲)،وبيهقی ص۲۲ج۳ و مسند طيالسی ص(۱۹۲۶) و مسند احمد ص۳۱۱ ج۱)۔

(۷) عن ابن عمر قال قال رسول اللهﷺ صلاة الليل مثنیٰ مثنیٰ والوتر ركعة قبل الصبح۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور وتر ایک رکعت ہے صبح صادق سے پہلے۔

(ابن ماجه كتاب اقامة الصلات باب ماجاء فی الوتر بركعة الحديث ۱۱۷۵)۔

(۸) عن ابن عمر ان النبیﷺ قال صلاة الليل مثنیٰ مثنیٰ والوتر واحدة۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور وتر ایک رکعت ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۱ ج۲)،۱۱۹۲۔

(۹) عن ابی مجلز قال سالت ابن عباس عن الوتر؟ فقال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول رکعة من آخر اللیل۔ وسالت ابن عمر فقال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول رکعة من آخر اللیل۔

امام ابی مجلز فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے وتر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ وتر ایک رکعت ہے رات کے آخر میں۔ اور یہی سوال میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ وتر ایک رکعت ہے رات کے آخر میں۔

صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ والوتر رکعة من آخر اللیل ، الحدیث ۱۷۵۹) و ابو عوانه ص۳۳٤ ج۲ و مسند طیالسی (۲۷٦٤) و مسند احمد ص۳۱۱،۳٦۱ ج۱)۔

(۱۰) عن شریك بن ابی نمران کریبا اخبره انه سمع ابن عباس یقول بت لیلة عند رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فاضطجع مكانه ثم ثعار ثم اخذ سواكا فاستن ثم خرج فقضی حاجته ثم رجع الی شن معلقة فصب علی یده ثم توضاء ولم یوقظ احدا ثم قام فصلی رکعتین رکوعهما مثل سجودهما و سجودهما مثل قیامهما قال فأراه صلی مثل ما رقد قال ثم اضطجع مكانه فرقد حتی سمعت غطیطه ثم صنع ذلك خمس مرات فصلی عشر رکعات ثم اوتر بواحدة۔ واتاه بلال فاذنه بالصبح فصلی رکعتی الفجر ثم خرج الی الصبح۔

شریک بن ابی نمر کہتے ہیں کہ انہیں کریب (مولیٰ ابن عباس) نے خبر دی کہ انہوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات گزاری آپ علیہ السلام اپنی جگہ پر لیٹ گئے پھر بیدار ہوئے، مسواک کو پکڑا اس سے دانت صاف کیے۔ پھر رفع حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے پھر واپس آئے اور لٹکی ہوئی پرانی مشک کے پاس آکر ہاتھوں پر پانی ڈالا پھر وضو کیا۔ اور کسی کو بیدار نہ کیا پھر کھڑے ہوئے دو رکعت نماز پڑھی، ان دونوں رکعتوں کے رکوع سجود کے برابر تھے اور سجدے قیام کے برابر تھے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ سونے کی مقدار کے برابر نماز پڑھی، پھر آپ علیہ السلام اپنی جگہ لیٹ کر سو گئے حتیٰ کہ میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی، پھر آپ علیہ السلام نے دس رکعات نماز اسی طرح پڑھی، پھر ایک وتر پڑھا۔ (اتنے میں) سیدنا بلال رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے صبح کی اذان کہی تو آپ علیہ السلام نے فجر کی دو رکعتیں (سنتیں) پڑھی، پھر صبح

کی نماز کے لئے تشریف لے گئے۔

(مسند ابو عوانہ ص۳۱۵ ج۲)۔

(۱۱)"عن ابن عباس ان النبی ﷺ اوتر برکعة"

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے وتر ایک رکعت پڑھا۔

(صحیح ابن حبان (موارد) رقم الحدیث ۶۸۱)۔

(۱۲) عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی باللیل احدی عشرة رکعة یوتر منها بواحدة فاذا فرغ منها اضطجع علی شقه الایمن، حتی یاتیه المؤذن فیصلی رکعتین خفیفتین۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ ان میں سے وتر ایک رکعت پڑھتے تھے۔ جب اس سے فارغ ہوتے تو دائیں کروٹ لیٹ جاتے۔ حتیٰ کہ مؤذن آتا (اور صبح کی اذان کہتا) تو آپ علیہ السلام دو رکعت (صبح کی سنتیں) ہلکی پڑھتے تھے۔

(مسلم کتاب صلاة المسافرین باب صلاة اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل وان الوتر رکعة و أن الرکعة صلاة صحیحة، الحدیث۱۷۱۷)۔

(۱۳) عن عائشة رضی اللہ عنہا زوج النبی ﷺ قالت کان رسول اللہ ﷺ یصلی فیما بین ان یفرغ من صلاة العشاء، وهی التی یدعوالناس العتمة الی الفجر احدی عشرة رکعة، یسلم بین کل رکعتین ویوتر بواحدة ، فاذا سکت المؤذن من صلاة الفجر وتبین له الفجر، وجاء ه المؤذن قام فرکع رکعتین خفیفتین، ثم اضطجع علی شقه الایمن، حتی یاتیه المؤذن للاقامة،

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز (جنہیں لوگ عتمہ کہتے ہیں) سے فارغ ہونے کے بعد اور فجر کی نماز کے درمیان گیارہ رکعات پڑھتے تھے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے۔ اور وتر ایک رکعت پڑھتے تھے۔ جب مؤذن فجر کی اذان سے فارغ ہوجاتا اور آپ پر فجر ظاہر ہوجاتی تو مؤذن آتا (بغرض اطلاع) تو آپ علیہ السلام ہلکی سی دو رکعت پڑھتے پھر دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے حتیٰ کہ مؤذن اقامت کے لئے آتا۔

(صحیح مسلم باب سابق الحدیث ۱۷۱۸)۔

(۱۴) "عن عائشة ان النبی ﷺ اوتر برکعة"

ام المؤمنین سیدة عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بلاشبہ نبی مکرم ﷺ وتر کی ایک رکعت پڑھا کرتے تھے۔

(سنن دارقطنی ص۳۳ ج۲)۔

علامہ نیموی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن ص ۱۹۷)۔

(۱۵) عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يوتر بواحدة، ثم يركع ركعتين يقراء فيهما وهو جالس فاذا اراد ان يركع، قام فركع۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر ایک رکعت پڑھا کرتے تھے۔ پھر دو رکعت پڑھتے اور ان میں قرأت بیٹھ کر کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہو کر رکوع کرتے۔

(ابن ماجه كتاب اقامة الصلاة باب ماجاء فى الركعتين بعد الوتر جالسا، الحديث ۱۱۹۶)۔

(۱۶)" عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يسلم فى كل ثنتين ويوتر بواحدة

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور وتر ایک پڑھا کرتے تھے۔

ابن ماجه كتاب اقامة الصلات باب ماجاء فى الوتر بركعة۔ الحديث ۱۱۷۷۔

(۱۷)"عن عائشة ان النبى ﷺ كان يوتر بركعة وكان يتكلم بين الركعتين والركعة"

ام المؤمنین صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ وتر ایک رکعت پڑھا کرتے تھے اور (وتروں کی تین رکعتوں کے درمیان سلام پھیر کر) ایک رکعت اور دو رکعت کے درمیان کلام کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۱ ج ۲)۔

(۱۸)"عن ابى هريرة عن النبى ﷺ قال ان لله تسعة وتسعين اسماء، من حفظهما دخل جنة، والله وتر يحب الوتر"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام ہیں جس نے ان کو یاد کیا وہ جنت میں داخل ہو۔ اور اللہ تعالیٰ وتر (اکیلا) ہے اور وتر (اکیلے) کو پسند کرتا ہے۔

(بخارى الدعوات باب لله مائة اسم غير واحدة، الحديث ۶۴۱۰، مسلم كتاب الذكر والدعا والتوبه والاستغفار باب فى اسماء الله تعالىٰ...... الحديث ۶۸۰۹ واللفظ للمسلم)۔

(۱۹) "عن على قال قال رسول الله ﷺ يا اهل القران! اوتروا فان الله وتر يحب الوتر"

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے اہل قرآن وتر پڑھا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور ایک وتر کو پسند کرتا ہے۔

(ابو داؤد، كتاب الوتر باب استحباب الوتر،الحديث ۱۴۱۶، نسائى كتاب قيام الليل باب الامر بالوتر، الحديث ۱۶۷۶، ترمذى كتاب الوتر باب ماجاء ان الوتر ليس بحتم، الحديث ۴۵۳، ابن ماجه كتاب اقامة الصلاة باب ماجاء فى الوتر، الحديث ۱۱۶۹، مسند احمد ص ۱۱۰ ج ۱، مستدرك حاكم ص ۳۰۰ ج ۱،

بیهقی ص٤٦٨ ج٢، ابن خزیمه ص١٣٧ ج٢،رقم الحدیث١٠٦٧).

(۲۰)" عن ابی سعید الخدری قال کان رسول اللہﷺ یصلی من اللیل مثنیٰ مثنیٰ فاذا جاء الصبح اوتر بواحدة وقال ان الله واحد یحب الواحد"

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز دو دو رکعت پڑھا کرتے اور جب فجر قریب ہوتی تو وتر ایک پڑھتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور ایک ہی (وتر کو) پسند کرتا ہے۔

(المعجم الطبرانی الاوسط ص٢٩٦ ج٦ رقم الحدیث ٥٦٣٢).

ھیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عبداللہ بن ولید راوی ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ص۲۴۵ ج۲)۔

(۲۱) عن جابر بن عبد الله ان النبیﷺ اوتر برکعة۔ رواه البزار۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر ایک رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اسے بزار نے روایت کیا ہے۔

(کشف الاستار ص۳۵۶ ج۱)

ھیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں شرجیل بن سعد راوی ہیں جسے ابن حبان نے ثقہ اور ایک جماعت محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد ص۲۴۵ ج۲)۔

(۲۲)" عن سعد بن ابی وقاص ان النبیﷺ اوتر برکعة" سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر ایک رکعت پڑھا کرتے تھے،

(کشف الاستار ص۳۵۵ ج۱)

ھیثمی فرماتے ہیں کہ اسے بزار اور طبرانی نے، الاوسط، میں روایت کیا ہے اور اس میں جابر جعفی ہے جسے امام سفیان ثوری نے ثقہ اور آئمہ جرح اور تعدیل نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(مجمع الزوائد ص٢٤٥ ج٢).

(۲۳) "عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہﷺ الوتر حق علی کل مسلم فمن احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر بثلاث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدة فلیفعل"

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وتر ہر مسلمان پر لازم ہیں۔ جسے پانچ وتر پسند ہوں وہ پانچ پڑھ لے اور جسے تین رکعت وتر پسند ہوں وہ تین پڑھ لے۔ اور جسے ایک رکعت وتر پسند ہو وہ ایک رکعت پڑھ لے۔

(سنن ابو داؤد کتاب الوتر باب کم الوتر، الحدیث ١٤٢٢).

(۲۴)" عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسو ل اللهﷺ اوتر بخمس فان لم تَستَطع فبثلاث فان لم تَستَطع فبواحدة ولم تَستَطع فاومی ایماء"

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ وتر پانچ پڑھا کرو، اگر پانچ پڑھنے کی طاقت نہیں تو تین پڑھ لیا کرو، اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو ایک پڑھ لیا کرو، اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو (سواری پر) اشارہ (سے ہی ادا) کر لے۔

(سنن دارمی کتاب الصلاة باب کم الوتر، الحدیث ۱۵۸۲ ، مسند احمد ۴۱۸ ج۵)۔

(۲۵) "عن ابی ایوب الانصاری ان رسول اللهﷺ قال الوتر حق فمن شاء فلیوتر بخمس ومن شاء فلیوتر بثلاث ومن شاء فلیوتر بواحدة"

سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وتر حق ہے اور جس کا جی چاہے تو پانچ پڑھ لے اور جس کا جی چاہے تین پڑھ لے، اور جس کا جی چاہے ایک رکعت وتر پڑھ لے۔

(ابن ماجه کتاب الصلاة باب ماجاء فی الوتر بثلاث وخمس وسبع وتسع الحدیث ۱۱۹۰ ونسائی کتاب قیام اللیل باب ذکر الاختلاف علی الزهری فی حدیث ابی ایوب فی الوتر الحدیث ۱۷۱۲)

(۲۶)"عن ابی ایوب الانصاری قال الوتر حق فمن احب ان یوتر بخمس رکعات فلیفعل ومن احب ان یوتر بثلاث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدة فلیفعل"

سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر حق ہے جسے پانچ رکعات پسند ہوں وہ پانچ پڑھ لے اور جسے تین پسند ہوں وہ تین پڑھ لے اور جسے ایک رکعت پسند ہو وہ ایک رکعت ہی پڑھ لے۔

(سنن نسائی کتاب قیام اللیل باب ذکر الاختلاف علی الزهری فی حدیث ابی ایوب فی الوتر، الحدیث ۱۷۱۳)۔

(۲۷)" عن المطلب بن عبد الله قال سأل ابن عمر رجل فقال کیف اوتر؟ قال! اوتر بواحدة" قال انی اخشی ان یقول الناس، البتیراء، فقال سنة الله و رسوله، هذه سنة الله و رسوله صلی الله علیه وسلم۔

امام مطلب بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میں وتر کس طرح پڑھوں؟ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ایک رکعت (پڑھا کرو) اس شخص نے کہا کہ مجھے خدشہ ہے کہ لوگ اسے بتیرا (دم کٹی نماز) نہ کہیں سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک رکعت وتر پڑھنا اللہ تعالیٰ (کی ہدایت) اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلات باب ماجاء فی الوتر برکعة، الحدیث ۱۱۷۶)،

سند ضعیف ہے جیسا کہ علامہ البانی نے حکم لگایا ہے (ضعیف ابن ماجہ ص ۸۷)۔

(۲۸)عن ابی امامة قال قلت یا رسول اللهﷺ بکم اوتر؟ قال بواحدة، قلت یا رسول اللهﷺ انی اطیق أکثر من ذلك، قال فبثلاث، ثم قال، بخمس، ثم قال، بسبع، قال ابو امامه فوددت أنی کنت قبلت رخصة رسول اللهﷺ۔

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ وتر کتنے ہیں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ وتر ایک رکعت ہے، میں نے عرض کیا کہ مجھے اس سے زیادہ پڑھنے کی طاقت ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تین رکعات پڑھ لیا کرو۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے اس سے بھی زیادہ کی طاقت ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ پانچ رکعات (میں نے مکرر عرض کیا کہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سات رکعات پڑھ لیا کرو، سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی رخصت کو قبول کروں۔

(السنن دارقطنی ص۲٤ ج۲)

سند حسن ہے ابو غالب کو امام دارقطنی نے ثقہ کہا ہے (لسان المیزان ص۴۷۸ ج۷)۔

(۲۹)عن ابن عباس قال بت فی بیت خالتی میمونة بنت الحارث زوج النبی ﷺ وکان النبیﷺ عندها فی لیلتها، فصلی النبیﷺ العشاء ثم جاء الی منزله فصلی اربع رکعات ثم نام،ثم قام،ثم قال نام الغلیم،او کلمة تشبهها، ثم قام فقمت عن یساره فجعلنی عن یمینه فصلی خمس رکعات ثم صلی رکعتین ثم نام حتیٰ سمعت غطیطه او خطیطه، ثم خرج الی الصلاة۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے پاس رات بسر کی جو نبی مکرم ﷺ کی بیوی محترمہ تھیں، اور اس رات نبی مکرم ﷺ بھی انہی کے پاس تھے۔ (یعنی آپ کی باری تھی) آپ علیہ السلام نے عشاء کی نماز پڑھی پھر (مسجد سے) گھر تشریف لائے اور چار رکعتیں پڑھیں، پھر سوگئے پھر (بیدار ہو کر) اٹھے اور فرمایا کیا بچہ سوگیا ہے یا کچھ ایسے ہی فرمایا(پھر نماز کے لئے) کھڑے ہوئے میں بھی آپ علیہ السلام کے بائیں پہلو میں کھڑا ہوا۔ آپ علیہ السلام نے مجھے اپنی دائیں طرف کرلیا اور پانچ رکعات پڑھیں۔ پھر دو رکعت (فجر کی سنتیں) پڑھیں پھر آپ علیہ السلام سوگئے یہاں تک کہ میں نے خراٹے کی آواز سنی پھر (مسجد میں صبح کی) نماز کے لئے تشریف لے گئے۔

(بخاری کتاب العلم باب السمر بالعلم الحدیث ۱۱۷)۔

(۳۰) عن ابن عباس بت عند خالتی میمونة زوج النبی ﷺ فصلی رسول اللهﷺ العشاء ثم جاء فصلی اربعا ثم نام،ثم قام فصلی اربعا فقال نام الغلیم؟ او کلمة نحوها، قال فجئت فقمت عن یساره فجعلنی عن یمینه، ثم صلی خمس رکعات ثم رکعتین ثم نام حتی

سمعت غطیطه او خطیطه ثم خرج الی الصلاۃ۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی محترمہ اور اپنی خالہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات گزاری، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد سے) عشاء کی نماز پڑھ کر آئے، تو چار رکعت نماز پڑھی پھر سو گئے پھر (بیدار ہوئے) اور چار رکعات نماز پڑھی اور فرمایا کہ کیا بچہ سو گیا ہے؟ یا اس جیسا کوئی جملہ ارشاد فرمایا سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو آپ علیہ السلام نے مجھے اپنی دائیں طرف کیا پھر پانچ رکعات (وتر) پڑھے اور پھر (صبح کی سنتیں) دو رکعت پڑھ کر سو گئے حتی کہ میں نے آپ علیہ السلام کے خراٹے سنے، پھر صبح کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے۔ (مسند احمد ص ۳۴۱ ج ۱)۔

(۳۱) عن سعید بن جبیر ان ابن عباس حدثه فی هذه القصة، قال ، قام فصلی رکعتین رکعتین حتی صلی ثمانی رکعات ثم اوتر بخمس ولم یجلس بینهن۔

امام سعید بن جبیر سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اس واقعہ میں یہ بھی بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر دو دو رکعتیں کر کے آٹھ رکعات نماز پڑھی پھر پانچ وتر پڑھے جن کے درمیان تشہد نہ بیٹھے تھے۔

(ابو داؤد کتاب التطوع باب فی صلاۃ اللیل الحدیث ۱۳۵۸)۔

(۳۲) عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة یوتر من ذلك بخمس لا یجلس فی شیء الافی آخرها۔

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعات نماز پڑھتے تھے جن میں سے پانچ رکعات وتر ہوتے تھے اور (ان پانچوں رکعتوں میں) تشہد نہ بیٹھتے تھے مگر آخری رکعت میں۔

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل وان الوتر رکعة صلاۃ صحیحه الحدیث ۱۷۲۰)۔

(۳۳) عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة یوتر منها بخمس لا یجلس فی شئی من الخمس حتی یجلس فی الاخرۃ فیسلم۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعات نماز پڑھتے تھے جن میں سے پانچ رکعات وتر ہوتے تھے اور ان پانچوں رکعتوں کے درمیان میں قعدہ نہ کرتے تھے حتی کہ آخری رکعت میں قعدہ کرتے اور سلام پھیرتے تھے۔

(ابوداؤد کتاب التطوع باب فی صلاۃ اللیل، الحدیث ۱۳۳۸)۔

(۳۴) عن عائشة قالت كانت صلاة رسول الله ﷺ من الليل ثلاث عشرة ركعة يوتر من ذلك بخمس لا يجلس في شئي منهن الا في آخرهن فاذا اذن المؤذن قام فصلى ركعتين خفيفتين۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رات میں نماز تیرہ رکعات ہوتی تھی جن میں سے پانچ وتر ہوتے تھے۔ اور (ان پانچوں رکعتوں) میں تشہد نہ بیٹھتے تھے، مگر آخری رکعت میں اور جب مؤذن اذان کہتا تو صبح کی دو رکعت سنتیں ہلکی ہلکی پڑھتے تھے۔

ترمذی کتاب الوتر باب ماجاء فی الوتر بخمس، الحدیث ۴۵۸)۔

(۳۵) عن عائشة ان النبی ﷺ كان يوتر بخمس لا يجلس ولا يسلم الافی الأخرة منهن۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر پانچ رکعات پڑھتے تھے اور ان کے درمیان نہ تشہد بیٹھتے تھے اور نہ ہی سلام پھیرتے تھے مگر آخری رکعت میں۔

(مسند ابو عوانہ ص۳۲۶ ج۲)۔

(۳۶) عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يصلی من الليل ثلاث عشرة ركعة يوتر فيها بخمس، لايجلس من شئي من الخمس الافی آخرهن، ثم يجلس ثم يسلم۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعات نماز پڑھتے تھے، ان میں پانچ رکعتیں وتر ہوتی تھیں، ان کے درمیان میں قعدہ نہ کرتے، آخری رکعت میں قعدہ کرتے اور سلام پھیرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی ص۴۴۶ ج۱ رقم الحدیث ۱۴۲۰)۔

(۳۷) نبی مکرم ﷺ نو اور سات رکعات وتر بھی پڑھتے تھے، اس کی دلیل فصل دوم میں انوار صاحب کی دلیل نمبر ۱۵ کے تحت آرہی ہے۔

(۳۸) عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لاتوتروا بثلاث تشبهوا بصلوة المغرب ولكن اوتروا بخمس او بسبع او بتسع او باحدى عشرة ركعة او اكثر من ذلك۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز وتر کو مغرب کی نماز کے مشابہ تین رکعات نہ پڑھو، بلکہ پانچ یا سات یا نو یا گیارہ یا اس سے بھی زیادہ پڑھا کرو۔

(مستدرک حاکم ص۳۰۴ ج۱)۔

(۳۹) عن ابی هريرة عن رسول الله ﷺ انه قال لاتوتروا بثلاث اوتروا بخمس او بسبع ولا تشبهوا بصلاة المغرب۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وتر تین رکعت نہ پڑھا کرو پانچ

یا سات رکعات پڑھا کرو۔ اور وتروں کو نماز مغرب کے مشابہ نہ بناؤ۔

(صحیح ابن حبان ص٦٨ ج٤، رقم الحدیث ٢٤٢٠،دارقطنی ص٢٤،٢٧ ج ٢ ، مستدرک حاکم ص٣٠٤ ج١، بیہقی ص٣١ ج٣)۔

ابن حبان حاکم و ذہبی اور ابن ملقن نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے دار قطنی اور بیہقی فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں (البدر المنیر ص٣٠٢ ج٤)

(٤٠)عن بکر بن عبد الله المزنی ان ابن عمر صلی رکعتین ثم سلم ثم قال ادخلوا الی ناقتی فلان ثم قام فاوتر برکعۃ۔

امام بکر بن عبد اللہ المزنی فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دو رکعت نماز پڑھی پھر سلام پھیرا اور کہا کہ میری فلاں اونٹنی لے آؤ، پھر کھڑے ہوئے اور ایک رکعت وتر پڑھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص٢٩٢ ج٢،وقال الالبانی ھذا اسناد صحیح،ارواء الغلیل ص١٤٩ ج٢)۔

(٤١) عن بکر بن عبد الله المزنی قال صلی ابن عمر رکعتین ثم قال یا غلام ارحل لنا ثم قام فاوتر برکعۃ۔

امام بکر بن عبد اللہ مزنی فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دو رکعت نماز پڑھی (سلام کے) بعد فرمایا اے غلام! ہمارے لئے سواری پر کجاوہ ڈال دو، پھر کھڑے ہوئے اور ایک رکعت وتر پڑھا۔

(رواہ سعید بن منصور باسناد صحیح فتح الباری ص٣٨٦ ج٢،باب ماجاء فی الوتر)۔

(٤٢) عن ابن شقیق عن ابن عمر قال صلوۃ اللیل مثنی مثنی والوتر واحدۃ۔

امام ابن شقیق سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور وتر ایک رکعت ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص٢٩٢ ج٢)۔

(٤٣) عن عطاء بن یزید انه سمع ابا ایوب الانصاری یقول الوتر حق فمن أحب ان یوتر بخمس رکعات فلیفعل و من احب ان یوتر بثلاث فلیفعل و من احب ان یوتر بواحدۃ فلیفعل۔

امام عطاء بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے کہ وتر لازم و ثابت ہے، جسے پانچ وتر پسند ہوں وہ پانچ رکعات پڑھے اور جسے تین پسند ہوں وہ تین پڑھ لے اور جسے ایک رکعت وتر پسند ہو وہ ایک رکعت ہی پڑھ لے۔

(السنن للنسائی کتاب قیام اللیل باب ذکر الاختلاف علی الزھری فی حدیث ابی ایوب فی الوتر الحدیث ١٧١٣)۔

(۴۴) عن عبد الله بن ثعلبة بن صعير وكان رسول الله ﷺ قد مسح عينه، انه راى سعد بن ابى وقاص يوتر بركعة۔

سیدنا عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں پر دست مبارک پھیرا اور انہوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وتر ایک رکعت پڑھا کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الدعوات باب للصبیان بالبرکة ومسح روؤسهم، الحدیث ٦٣٥٦)۔

(۴۵) عن محمد بن شرجيل قا ل رأيت سعد بن ابى وقاص رضی اللہ عنہ يصلى العشاء، ثم صلى بعدها ركعة۔

امام محمد بن شرجیل فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ عشاء کی نماز کے بعد ایک رکعت وتر پڑھا۔

(بیہقی ص ۲۵ ج ۳)۔

(۴۶) عن مصعب بن سعد قال قيل لسعد انك توتر كعة قال نعم، سبع احب الى من خمس و خمس احب الى من ثلاث و ثلاث احب الى من واحدة ولكن اخفف عن نفسى۔

(سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے) امام مصعب بن سعد فرماتے ہیں کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ وتر ایک رکعت پڑھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں! مجھے پانچ وتروں سے سات وتر پسند ہیں اور تین وتروں سے پانچ پسند ہیں اور ایک وتر سے تین پسند ہیں لیکن میرے نفس پر ایک وتر ہی ہلکا ہے۔

(بیہقی ص ۲۵ ج ۳)۔

(۴۷) عن قيس بن ابى حازم قال رأيت سعدا صلى بعد العشاء ركعة فقلت ، ماهذه؟، قال رأيت رسو ل الله ﷺ يوتر ركعة ۔

امام قیس بن ابی حازم فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد ایک رکعت وتر پڑھتے، میں نے ان سے کہا کہ یہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ علیہ السلام وتر ایک رکعت پڑھتے۔ (دار قطنی ص ۲۷ ج ۲)۔

(۴۸)عن مصعب بن سعد عن ابيه انه كان يؤتر بركعة الحديث،

امام مصعب فرماتے ہیں کہ ان کے والد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وتر ایک رکعت پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۲ ج ۲)۔

(۴۹) عن ابن ابى مليكة قال اوتر معاوية بعد العشاء ركعة وعنده مولىٰ لابن عباس

فاتی ابن عباس، فقال دعه فانه قدصحب رسول اللہ ﷺ۔

امام ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز کے بعد ایک رکعت وتر پڑھا اور آپ کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا غلام تھا وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا (اور مسئلہ پوچھا تو) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسے چھوڑیئے انہوں نے (معاویہ رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے۔

(بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب ذکر معاویة رضی اللہ عنہ الحدیث ٣٧٦٤)۔

(۵۰) عن ابن ابی ملیکة قیل لابن عباس، هل لك فی امیر المؤمنین معاویة، فانه ما اوتر الا بواحدة؟ قال، انه فقیه۔

امام ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کیا آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر کچھ اعتراض رکھتے ہیں؟ کیونکہ وہ وتر ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: (اچھا کیا) وہ عالم دین ہیں۔

(بخاری باب سابق، الحدیث ۳۷۶۵)۔

(۵۱) عن عطاء ان معاویة اوتر برکعة فانکر ذلك علیه فسئل ابن عباس فقال اصاب السنة۔

امام عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک رکعت وتر پڑھا، اسی وجہ سے آپ پر نکیر کی گئی جب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ انہوں نے سنت کے موافق کیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۲ ج۲)۔

(۵۲) عن عبید اللہ بن ابی یزید رأیت معاویة صلی العشاء ثم اوتر بعدها برکعة فذکرت ذلك لابن عباس فقال اصاب۔

امام عبید اللہ بن ابی یزید کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد ایک رکعت وتر پڑھا، میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا معاویہ رضی اللہ عنہ نے درست کیا۔

(مصنف عبدالرزاق ص۲۴ ج۳ رقم الحدیث ۴۶۵۲)۔

(۵۳) عن قابوس بن ابی ظبیان ان اباہ حدثه قال مر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی مسجد النبی ﷺ فرکع واحدة ثم انطلق فلحقه رجل فقال یا امیر المؤمنین مارکعت الارکعة واحدة، قال هو التطوع فمن شاء زاد ومن شاء نقص۔

قابوس اپنے والد ابوظبیان سے روایت کرتے ہیں کہ وہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے تھے کہ آپ مسجد نبوی سے گزرے اور ایک رکعت وتر پڑھا۔ پھر آپ (مسجد سے) چلے گئے، آپ کو ایک شخص ملا اور کہنے لگا کہ اے امیر المؤمنین آپ نے صرف ایک رکعت وتر پڑھا ہے تو آپ نے فرمایا: کہ وتر نفل ہیں جس کا جی چاہے زیادہ پڑھے یا کم پڑھے۔ (بیہقی ص۲۴ ج۲)۔

(۵۴)عن عبدالرحمن بن عثمان قال قلت لاغلبن علی المقام اللیلة فسبقت الیه فبینما انا قائم اصلی اذا رجل وضع یده علی ظهری قال فنظرت فاذا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وهو یومئذ امیر فتنحیت عنه فقام فافتتح القرآن حتیٰ فرغ منه ثم رکع و جلس وتشهد وسلم فی رکعة واحدة لم یزد علیها فلما انصرف قلت یا امیر المؤمنین انما صلیت رکعة قال هی وتری۔

امام عبد الرحمٰن بن عثمان فرماتے ہیں کہ میں نے (دل میں) کہا کہ آج مجھ پر مقام ابراہیم پر نفل پڑھنے پر کوئی غالب نہ آئے گا میں اس حالت میں آگے بڑھا کہ نماز پڑھوں تو ایک شخص نے میری کمر پر ہاتھ رکھا، جب میں نے دیکھا تو وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے اور آپ انہیں دنوں میں امیر (خلیفہ) وقت بھی تھے آپ نے مجھے پیچھے کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہوئے قرآن کو ابتدا سے شروع کیا یہاں تک کہ وہ قرأت قرآن سے فارغ ہو گئے پھر رکوع کیا اور (سجدہ کے بعد) تشہد کے لئے بیٹھے اور سلام پھیر دیا۔ اور ایک رکعت سے زیادہ نماز نہ پڑھی۔ جب آپ پلٹے تو میں نے عرض کیا یا امیر المؤمنین آپ نے صرف ایک ہی رکعت نماز پڑھی ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرا وتر ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ص۲۵ ج۳)۔

(۵۵) عن السائب بن یزید ان رجلا سال عبد الرحمن بن عثمان التیمی عن صلاة طلحة بن عبید الله قال ان شئت أخبرتك عن صلاة عثمان بن عفان قال، نعم، قال قلت، لاغلبن اللیلة النفر علی الحجر یرید المقام، قال فلما قمت اذا رجل یزحمنی متقنعا، قال فنظرت فاذا هو عثمان فتاخرت عنه فصلی، فاذا هو یسجد سجود القرآن، حتی اذا قلت هذ هو اذان الفجر، اوتر برکعة لم یصلی غیره، ثم انطلق۔

امام سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے امام عبد الرحمٰن بن عثمان سے سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی نماز کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا اگر تو چاہے تو میں تجھے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی نماز کی خبر دوں، اس نے کہا ہاں دو! انہوں نے کہا کہ میں نے کہا کہ آج میں مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے والے تمام گروہ پر غالب آجاؤں گا جب میں کھڑا ہوا تو مجھے اس تنگ جگہ سے ایک شخص نے کپڑے سے پکڑا کر دھکیل دیا جب میں نے دیکھا تو وہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے مجھے پیچھے کر کے نماز پڑھی (وہ قرأت کرتے جاتے اور) سجدہ تلاوت کرتے جاتے حتی کہ میں نے کہا کہ یہ اذان فجر

ہے تو انہوں نے ایک رکعت نماز وتر پڑھی اس کے علاوہ اور کوئی (نفلی نماز رات کی) نہ پڑھی پھر تشریف لے گئے۔

(مصنف عبد الرزاق ص۲۴ ج۳) رقم الحدیث ۴۶۵۳)۔

(۵۶) عن ابن سیرین عن تمیم الداری انه قرأ القرآن فی رکعة۔

امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ نے پورا قرآن ایک رکعت (نماز وتر) میں پورا کیا۔

(بیہقی ص۲۵ ج۳)۔

(۵۷)عن ابی مجلز ان ابا موسیٰ الاشعری کان بین مکة والمدینة۔ فصلی العشاء رکعتین ثم قام فصلی رکعة اوتر بها فقرأ بمائة آیة من النساء۔ الحدیث۔

امام ابو مجلز فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے (حالت سفر میں) مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان عشاء کی دو رکعت نماز پڑھی۔ اور وتر ایک رکعت پڑھا جس میں سورۃ النساء سے ایک سو آیات کی قرآت کی۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص۲۵ ج۳)۔

(۵۸) عن عطاء بن ابی رباح قال صلیت الی جنب ابن عباس العشاء الآخرة فلما فرغ قال الااعلمك الوتر قلت بلیٰ فقام فرکع رکعة۔

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پہلو میں عشاء کی نماز پڑھی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے کہ کیا میں آپ کو نماز وتر نہ سکھاؤں؟ میں نے کہا سکھایئے، آپ کھڑے ہوئے اور ایک رکعت نماز وتر پڑھی۔

(بیہقی ص۲۶ ج۳)۔

(۵۹)عن ابن جریج قال اخبرنی عتبة بن محمد بن الحارث ان کریبا مولیٰ ابن عباس اخبره انه رای معاویة صلی العشاء ثم اوتر برکعة واحدة لم یزد علیها فاخبره ابن عباس فقال اصاب ای بنی لیس احدمنا اعلم من معاویة هی واحدة اوخمس او سبع او اکثر من ذلك الوتر ماشاء۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام امام کریب بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد ایک رکعت وتر پڑھا۔ اور ایک رکعت سے زیادہ نہ پڑھا، اس چیز کی میں نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خبر دی تو انہوں نے کہا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے درست کیا ہے اے بیٹے ہم میں سے کوئی ایک بھی معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ عالم نہیں، نماز وتر ایک رکعت یا

پانچ رکعت یا سات رکعت ہے یا اس سے بھی زیادہ جتنا کسی کا جی چاہئے۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص٢٦ ج٣)۔

(٦٠) عن ابن سیرین قال سمر عبد الله بن مسعود و حذیفة بن الیمان عند الولید بن عقبة بن ابی معیط ثم خرجا من عنده فقاما یتحاد ثان حتی رأیا تبا شیر الفجر فاوتر کل واحد منهما رکعة۔

امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ولید بن عقبہ کے پاس عشاء کی نماز کے بعد گفتگو کرنے لگے پھر جب اس کے پاس سے آئے تو کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے حتیٰ کہ انہوں نے طلوع فجر کے آثار پائے تو ان دونوں نے ایک ایک رکعت نماز وتر پڑھی۔

(مصنف عبدالرزاق ص۲۵ ج۳، مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۲ ج۲)۔

قارئین کرام: ہم نے خوف طوالت کی وجہ سے آثار تابعین عظام اور بعض آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مرفوع احادیث کو عمداً ترک کر دیا ہے مذکورہ احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک رکعت سے لے کر نو رکعات وتر کی مشروعیت ثابت ہے حدیث نمبر ۳۸ اور نمبر ۳۹ سے نماز مغرب کی طرح وتر کی تین رکعات پڑھنے کی ممانعت بھی موجود ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تین رکعات وتر میں تشہد نہیں ہے اور حدیث نمبر ۳۱ تا ۳۶ سے پانچ رکعات وتر میں صاف الفاظ میں درمیانی تشہد کی نفی ہے اور جب پانچ میں تشہد نہیں تو تین میں بالاولیٰ تشہد کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک رکعت وتر پر متواتر احادیث موجود ہیں۔ صحابہ کرام کا اس پر عمل بھی ثابت ہے، مگر انوار خورشید صاحب نے جھوٹ پر کمر باندھی ہے چار پانچ صفحات اہل حدیث کے رد میں تحریر کرتے ہیں، اور ایک رکعت وتر کو غیر مقلدین کا عمل قرار دیتے ہیں، حالانکہ ایک وتر پڑھنا جمہور امت کا مؤقف و مذہب ہے، ہم پوری ذمہ داری سے انوار خورشید صاحب سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایک ایسی صحیح صریح حدیث ثابت کریں جس میں تین وتر کا ثبوت حنفیہ کے طریقہ کے موافق ثابت ہو۔ یعنی درمیانی تشہد ہو، قنوت کے لئے علیحدہ تکبیر اور رفع الیدین کر کے مکرر ہاتھ باندھ لینے، وغیرہ اور اس کے ساتھ ساتھ ایک وتر کی نفی بھی ہو۔

اگر آپ یہ ثابت کر دیں تو ہم ماننے کے لئے تیار ہیں، یہ انوار خورشید کیا اگر اگلے پچھلے حنفی جمع ہو کر سر توڑ کوشش کریں تو تب بھی اپنے عمل کا ثبوت نہیں دے سکتے، باقی رہے انوار صاحب کے دلائل اور جوڑ توڑ تو ان کی تفصیل دوسری فصل میں مفصل آرہی ہے۔

فصل دوم

(۱)عن ابی سلمة بن عبد الرحمن انه اخبره انه سأل عائشة رضی اللہ عنہا کیف کانت صلاة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیره علیٰ احدی عشرة رکعة یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلثا۔

(الحدیث بخاری ص ١٥٤ ج ١، مسلم ص ٢٥٤ ج ١)۔

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے انہوں نے سعیذ بن ابی سعید مقبری کو خبر دی کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رمضان المبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیسی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان او رغیر رمضان گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعتیں پڑھتے کچھ نہ پوچھ کہ وہ کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں۔ پھر چار رکعتیں پڑھتے کچھ نہ پوچھو کتنی حسین اور طویل ہوتی تھیں۔ پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔(حدیث اور اہل حدیث ص۵۵۳)۔

الجواب: اولاً اس سے ثابت ہوا کہ نماز تراویح آٹھ رکعت ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے، کیونکہ امام ابوسلمہ نے پیاری امی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رمضان کی نماز کے متعلق ہی سوال کیا تھا۔ تفصیل مسئلہ تراویح میں آ رہی ہے۔

ثانیا: حنفیہ کے نزدیک وتر صرف تین ہیں، اس سے کم و بیش جائز نہیں، مگر یہ حدیث اس سے ساکت ہے۔لہذا یہ آپ کے دعوٰی پر تقریب تام نہیں، اور ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک تین وتر پڑھنا سنت ہے۔

ثالثا: اس میں پڑھنے کی کیفیت کا ذکر نہیں، یعنی اس میں حنفیہ کا درمیانی تشہد اور سلام نہ پھیرنا ثابت نہیں بلکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری احادیث کے پیش نظر تین وتر پڑھنے کا طریقہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دو رکعت پر سلام پھیرتے اور پھر ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔

عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یصلی احدی عشرة رکعة یسلم بین کل رکعتین ویوتر بواحد،

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی محترمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور وتر کی ایک رکعت پڑھتے۔

(مسلم کتاب صلاة المسافرین باب صلاة اللیل و عدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل......الحدیث ١٧١٨)۔

(۲) عن عبد الله بن عباس انه رقد عند رسول ﷺ فاستيقظ فتسوك وتوضاء وهو يقول ان في خلق السموٰت والأرض واختلاف الليل والنهار لايات لاولي الالباب فقرأ هٰولا الايات حتى ختم السورة ثم قام فصلى ركعتين فاطال فيهما القيام والركوع والسجود فنام حتى نفخ ثم فعل ذلك ثلث مرات ست ركعات كل ذلك يستاك ويتوضا ويقرأ هؤلاء الايات ثم اوتر بثلاث۔

(الحديث مسلم ص ۲۶۱ ج ۱)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں) سوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بیدار ہوئے مسواک کی وضو کیا اور یہ آیات تلاوت فرمائیں۔ ان في خلق السموٰات والارض واختلاف الليل والنهار لايات لاولي الالباب، سورت کے ختم تک، پھر آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی، دونوں رکعتوں میں قیام کیا، رکوع اور سجود کو خوب لمبا کیا پھر آپ فارغ ہوکر سوگئے، یہاں تک کہ خراٹے بھرنے لگے، آپ نے یہ عمل تین بار کیا۔ سوکر اٹھے مسواک اور وضو کر کے دو رکعت ادا فرماتے۔ اور ہر دفعہ سورۃ آل عمران کی آخری آیات تلاوت فرماتے، اس طرح چھ رکعات آپ نے ادا فرمائیں۔ پھر تین رکعات وتر پڑھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۵۵۴)۔

الجواب: اولاً اس کی سند میں، حبیب بن ابی ثابت راوی مدلس ہے۔ جیسا کہ امام دارقطنی ابن خزیمہ وغیرہ نے صراحت کی ہے (طبقات المدلسین ص ۳۷)۔

اور زیر بحث روایت کی سند میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ صیغہ عن سے مروی ہے۔

(مسلم ص ۲۶۱ ج ۱، ابو عوانه ص ۳۲۰ ج ۲، والمسند المستخرج على صحيح الامام مسلم ص ۳۶۲ ج ۲، ابو داؤد ۱۳۵۳)،

امام دارقطنی نے اس روایت پر نکیر کی ہے جس کا جواب دیتے ہوئے علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ یہ چیز صحیح مسلم میں قابل قادح نہیں کیونکہ امام مسلم اسے متابعات میں لائے ہیں۔

(فتح الملهم ص ۳۳۱ ج ۲)۔

علاوہ ازیں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ متعدد اسناد سے مروی ہے مگر حبیب بن ابی ثابت نے جو متن بیان کیا ہے وہ کسی دوسرے راوی نے بیان نہیں کیا تفصیل کے لئے (فتح الباری ص ۳۸۸ ج ۲) کی مراجعت کریں۔

ثانیا: اس روایت میں رکعات وتر کا ذکر ہے مگر اس کے پڑھنے کی کیفیت مذکور نہیں۔ جبکہ دوسری سند سے مروی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں صراحت ہے کہ آپ علیہ السلام نے دو دو کر کے دس رکعات نماز

پڑھی۔

ثم اوتر بواحدة، پھر ایک وتر پڑھا (ابوعوانہ ص۳۱۵ ج۲)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ (افتتاحی دو رکعات ملاکر) بارہ رکعات پڑھیں، "ثم اوتر بواحدة، پھر ایک رکعت وتر پڑھا۔ (ابوعوانہ ص۳۱۶ ج۲) اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ تین وتروں میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا۔ اور یہ ہمارے موافق اور آپ کے مخالف ہے کیونکہ ہمارے نزدیک وتر پڑھنے کا یہ افضل طریقہ ہے جبکہ آپ کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں۔

(۳) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان رسو ل الله صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل ثمان رکعت ویوتر بثلث ویصلی رکعتین قبل صلوٰة الفجر۔

(نسائی ص۱۹۲ ج۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو پہلے آٹھ رکعات پڑھتے پھر تین رکعات وتر پڑھتے، پھر دو رکعت (سنت) فجر کی نماز سے پہلے پڑھتے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۵۵)۔

الجواب: اولاً یہ روایت ہمارے مخالف نہیں اور آپ کے دعوٰی پر تقریب تام نہیں، وجہ یہ کہ گو اس میں عدد وتر کا ذکر ہے۔ مگر تشہد کا بیان نہیں۔ اور سابقہ حدیث کے جواب میں تفصیل گزر چکی ہے۔ یہ تین رکعت آپ علیہ السلام دو رکعت پر سلام پھیر کر پڑھتے تھے، اور یہ حدیث بھی اسی پر محمول ہے، اگر اس پر محمول نہ بھی کریں تب بھی مضائقہ نہیں۔ تشہد بیٹھے بغیر تین وتر کے ہم بھی قائل ہیں۔ لہٰذا آپ وہ حدیث بیان کریں جس میں تین وتر کا ذکر درمیانی تشہد کے ساتھ ہو۔

ثانیا: یہ حدیث ایک اور تین سے زیادہ وتر کی نفی نہیں کرتی۔ اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو حنفی نقطہ نظر کی ترجمانی کرتا ہو۔ پھر راوی حدیث نے بھی اس کا یہ مفہوم نہیں لیا جو انوار صاحب لینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک رکعت وتر میں موافقت کی ہے۔ جیسا کہ فصل اول میں گزر چکا ہے۔ اگر اس سے ایک وتر کی نفی ہوتی تو ابن عباس رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی موافقت نہ کرتے۔

ثالثاً: امام نسائی نے اس پر کلام کیا ہے اور کہا کہ عمرو بن مرہ نے یہی حدیث یحییٰ بن جزار کے واسطہ سے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے یہاں ایک نظر (دین الحق ص۴۳۶ ج۱) کی مراجعت کرلیں۔ پھر اس کا کوئی معقول جواب دیں۔

(۴) عن عامر الشعبی قال سالت ابن عمر کیف کان صلاة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فقال ثلث عشرة رکعة ثمان ویوتر بثلث و رکعتین بعد الفجر۔

(طحاوی ص۱۹۲ ج۱)۔

حضرت امام عامر شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کیسی ہوتی تھی۔ ان دونوں بزرگوں نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ پہلے آٹھ رکعت (تہجد) پھر تین وتر پھر دو رکعت (سنت) صبح صادق کے بعد، (حدیث اور اہل حدیث ص۵۵۵)۔

الجواب: اولاً اس کی سند میں ابو اسحاق راوی زبردست مدلس ہے (طبقات المدلسین ص۴۲) اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن مروی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً: تین رکعت پڑھنے کی کیفیت کا اس میں ذکر نہیں جتنی دیر تک اس میں تشہد کا ثبوت نہ ہو اتنی دیر تک یہ روایت انوار صاحب کے مفید مطلب نہیں کیونکہ تین وتر کے ہم بھی قائل ہیں۔

ثالثاً: صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ۔

عن ابی مجلز قال سالت ابن عباس عن الوتر؟ فقال سمعت رسول اللهﷺ يقول ركعة من آخر الليل۔ وسالت ابن عمر فقال سمعت رسول اللهﷺ يقول ركعة من آخر الليل۔

امام ابو مجلز فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے وتر کے متعلق سوال کیا تو آپ دونوں نے فرمایا: کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرما رہے تھے کہ وتر رات (کی نماز) کے آخر میں ایک رکعت ہے۔

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ الحدیث ۱۷۵۹)۔

یہ حدیث متعدد کتب احادیث میں معتبر اسناد سے مروی ہے دیکھئے! (ارواء الغلیل ص۱۴۸ ج۲)۔ اس صحیح صریح حدیث سے معلوم ہوا کہ انوار صاحب کی پیش کردہ روایت مکذوبہ ہے۔

(۵) اخبرنا ابو حنيفة حدثنا ابو جعفر قال كان رسول اللهﷺ يصلي ما بين صلوة العشاء الى صلوة الصبح ثلث عشرة ركعة ثمان ركعات تطوعا وثلث ركعات الوتر وركعتي الفجر۔

(موطا امام محمد ص۱۴۵)۔

حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے خبر دی اور وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت امام ابو جعفر نے حدیث بیان کی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر صبح کی نماز تک کے درمیان تیرہ رکعات پڑھا کرتے تھے، آٹھ رکعات نفل (تہجد) تین رکعات وتر اور دو رکعات فجر کی سنت (حدیث اور اہل حدیث ۵۵۶)۔

الجواب: اولاً یہ روایت مرسل ہے کیونکہ امام ابو جعفر تابعی ہیں۔اور امام محمد ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد پر سنگین قسم کی جرح ہے۔تفصیل مسئلہ فاتحہ وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

ثانیا: یہ روایت ہمارے مخالف نہیں اور انوار صاحب کے موافق نہیں۔ گو اس میں تین عدد وتر کا ذکر ہے۔مگر اس میں تشہد وغیرہ کا ذکر نہیں اور دو رکعت پر سلام پھیرنے کی نفی نہیں۔ جبکہ اس کے برعکس صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام وتروں کے درمیان سلام پھیرتے تھے۔چنانچہ یہی حدیث بخاری و مسلم میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔مسلم کے ایک طریق میں اس کی وضاحت ہے کہ۔

عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يصلي فيما بين ان يفرغ من صلاة العشاء وهي التي يدعو الناس العتمة، الى الفجر۔ احدى عشرة ركعة يسلم بين كل ركعتين ويوتر بواحدة فاذا سكت المؤذن من صلاة الفجر، وتبين له الفجر وجاء المؤذن، قام فركع ركعتين خفيفتين، ثم اضطجع على شقه الايمن، حتىٰ ياتيه المؤذن للاقامة۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی محترمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز اور فجر کی نماز کے درمیان گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور ایک رکعت وتر پڑھتے، پھر جب مؤذن صبح کی اذان دے چکتا اور آپ علیہ السلام پر صبح ظاہر ہو جاتی اور آپ کے پاس (بطور اطلاع کے) مؤذن آتا تو آپ کھڑے ہو کر دو ہلکی رکعت پڑھتے پھر داہنی کروٹ لیٹ جاتے یہاں تک مؤذن تکبیر کہنے کے لئے آتا۔

(صحيح مسلم كتاب صلاة المسافرين باب صلاة الليل و عدد ركعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ......الحديث ۱۷۱۸)۔

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ وتر فصل کر کے ادا کرتے تھے۔ اور یہ ہمارے مؤقف کی تائید ہے۔

(۶ تا ۱۲) ان نمبروں کے تحت انوار صاحب نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ ،سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ کی متعدد کتب احادیث اور مختلف الفاظ سے یہ حدیث مرفوع نقل کی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں **سبح اسم ربك الاعلىٰ**، دوسری رکعت میں **قل يا ايها الكافرون**، اور تیسری رکعت میں **قل هو الله احد**، پڑھا کرتے تھے، ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی روایت اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں آخری رکعت میں، سورہ فلق اور ناس پڑھنے کا ذکر بھی مروی ہے اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ درمیان میں سلام نہ پھیرتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۵۶ تا ۵۵۹)۔

الجواب: اولاً جس روایت میں صراحت ہے کہ سلام صرف آخر میں پھیرتے تھے۔ اس کی سند میں

عزرہ راوی ہے اس کی تعین میں راقم کو تامل ہے کہ یہ عزرہ بن عبدالرحمٰن ہے کہ عزرہ بن تمیم ہے۔ اگر عزرہ بن تمیم ہے تو ضعیف ہے، کیونکہ اس کی ابن حبان کے علاوہ کسی سے توثیق منقول نہیں۔ اگر ابن عبدالرحمٰن ہے تو ثقہ ہے مگر اس سے نیچے قتادہ راوی ہے جو زبردست مدلس ہے، تفصیل فاتحہ خلف الامام کی دوسری فصل میں گزر چکی ہے۔ الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔ ہمارے فاضل دوست محبی واخی الشیخ محمد زبیر علی زئی محدث حضرو حفظہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ثانیا: اس روایت میں تشہد بیٹھنے کا ذکر نہیں اور صرف ایک سلام سے وتر پڑھنا ہمارے خلاف نہیں کیونکہ تین وتر ایک سلام سے پڑھنا بھی مسنون ہے۔

ثالثا: یہ روایات تین وتر اکٹھے پڑھنے اور درمیان میں سلام نہ پھیرنے بلکہ تشہد پڑھ کر اٹھ پڑنے پر صریح نہیں، بلکہ ان احادیث کے طرق کو اگر سامنے رکھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ دو رکعت پر سلام پھیرا جائے اور پھر اٹھ کر تیسری رکعت الگ پڑھی جائے، ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ طاہرہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں ہیں۔

عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الرکعتین التی یوتر بعدھما بسبح اسم ربك الاعلیٰ وقل یا ایھا الکافرون، ویقرأ فی الوتر، بقل ھو اللہ احد، وقل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس،

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتیں ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دو رکعت وتر سے پہلے پڑھتے تھے ان دو رکعتوں میں سورہ الاعلیٰ اور سورہ کافرون پڑھتے تھے۔ اور وتر میں (آخری تینوں قل) سورہ اخلاص، سورہ فلق اور ناس پڑھتے تھے۔

(سنن دارقطنی ص۳۵ ج۱،بیهقی ص۳۷ ج۳،مستدرك حاكم ص۳۰۵ ج۱،ابن حبان ص۷۰ ج٤،راقم الحدیث ۲٤۲۳).

یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن درجہ سے کم نہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انوار صاحب کی پیش کردہ روایات بالمعنی ہیں۔ اور تشہد کو اختصار کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا جبکہ مفصل حدیث میں سلام پھیرنے کا ذکر ہے اور مجمل کو مفسر پر محمول کرنے کا مُسلّمہ اصول ہے۔

رابعا: ان روایات کا مقصود رکعات وتر نہیں بلکہ وتر میں قرأت کے متعلق ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ اہل حدیث اس سنت کو تسلیم کرتے ہوئے وتر میں انہیں سورتوں کی قرأت کرتے ہیں جبکہ حنفی اس کے منکر ہیں۔ تفصیل کے لئے راقم الحروف کی تالیف (تحفہ حنفیہ ص۹۹ ج۱) کی مراجعت کریں۔

(۱۳) عن عائشة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صلی العشاء دخل المنزل ثم صلی رکعتین ثم بعدھما رکعتین اطول منھما ثم اوتر بثلث لایفصل بینھن، الحدیث۔

(مسند احمد ص۱۵٦ ج٦).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو گھر میں تشریف لاتے پھر دو رکعت پڑھتے پھر ان سے لمبی دو رکعتیں اور پڑھتے پھر تین رکعات وتر پڑھتے اور ان تینوں رکعتوں میں فصل نہیں فرماتے (یعنی دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔(حدیث اور اہل حدیث ۵۶۰)۔

الجواب: اس کی سند میں یزید بن یعفر راوی ہے جو حجت نہیں جیسا کہ علامہ ذہبی نے صراحت کی ہے ۔ (میزان ص۴۴۲ ج۴)۔ علاوہ ازیں سند میں حسن بصری ہیں جو تدلیس کرتے ہیں (طبقات ۲۹)۔اور زیر بحث روایت کی سند میں تحدیث کی صراحت نہیں الغرض یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ علامہ البانی نے اس پر ضعف کا حکم لگایا ہے۔ (ارواء الغلیل ص۱۵۰ ج۲ ،،۴۲۱)۔

(۱۴) عن سعد بن هشام ان عائشة حدثته ان رسول الله ﷺ كان لايسلم فى ركعتى الوتر۔

(نسائی ص۱۹۱ ج۱،ابن ابی شیبه ص۲۵۹ ج۲)۔

حضرت سعد بن ھشام سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۱۵) عن عائشة قالت كان رسو ل الله ﷺ لايسلم فى الركعتين الاوليين من الوتر۔

(مستدرك حاكم ص۳۰٤ ج۱،دارقطنی ص۳۲ ج۲)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

حدیث اور اہل حدیث ۵۶۰۔

الجواب: اولاً دونوں احادیث کے تراجم میں انوار صاحب نے بددیانتی کی ہے۔ پہلی کا معنی یہ ہے کہ وتر میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔مگر انوار صاحب اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ دو رکعتوں کے بعد الخ ہمارا سوال یہ ہے کہ یہ نصف سطر عبارت کس لفظ کا معنی ہے؟ یہ آپ کی بددیانتی ہے،دوسری حدیث کا معنی یہ ہے کہ وتر کی پہلی رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔حدیث کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ یہاں پر تین رکعت سے زیادہ کی بات ہورہی ہے مگر انوار صاحب نے تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے، الاولیین کا معنی ترک کردیا ہے۔

ثانیا: کب اور کس مقام پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔آیئے ہم آپ کو مفصل حدیث دیکھاتے ہیں، امام زرارۃ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ امام سعد بن ھشام بن عامر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا چاہا تو وہ مدینہ منورہ آئے اور اپنی زمین وغیرہ فروخت کرنا چاہی تا کہ اس سے ہتھیار اور گھوڑے خریدیں اور روم سے مرنے تک لڑیں، پھر جب مدینہ میں آئے اور مدینہ کے لوگوں سے ملے تو انہوں نے اس

چیز سے منع کیا اور بتلایا کہ چھ آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی اس چیز کا ارادہ کیا تھا تو انہیں نبی مکرم ﷺ نے منع کر دیا تھا اور کہا کیا آپ کے لئے میں اسوہ حسنہ نہیں ہوں؟ جب ان سے (سعد بن ھشام) سے یہ چیز بیان کی گئی تو انہوں نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا حالانکہ وہ انہیں طلاق دے چکے تھے۔ اور اس کی رجعت پر گواہ بنائے، پھر وہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور رسول اللہ ﷺ کے وتر کے متعلق دریافت کیا سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی ذات نہ بتلاؤں کہ روئے زمین پر وہ رسول اللہ ﷺ کے وتر کو زیادہ جاننے والی ہے۔ انہوں نے کہا وہ کون ہے؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ صدیقہ کائنات ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ لہٰذا تم ان کے پاس جاؤ، اور ان سے دریافت کرو، اس کے بعد میرے پاس آؤ، اور وہ جو جواب دیں اس کی مجھے اطلاع دو۔ چنانچہ میں ان کی طرف چلا۔ اور امام حکیم بن افلح کے پاس آیا اور ان سے چاہا کہ وہ مجھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے چلیں، وہ بولے کہ میں ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے پاس تمہیں نہیں لے کر جاسکتا! اس لئے کہ میں نے انہیں منع کیا تھا کہ وہ ان دونوں گروہوں کے درمیان کچھ نہ بولیں۔ سو انہوں نے نہ مانا، مگر چلی گئیں، سعد بن ھشام بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام حکیم بن افلح کو قسم دی، غرضیکہ وہ آئے اور ہم سب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف چلے، انہیں اطلاع کی، انہوں نے اجازت دی، ہم سب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تب انہوں نے (آواز سن کر) فرمایا کیا یہ حکیم بن افلح ہیں؟ انہوں نے کہا جی ہاں! غرض کہ سیدہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے انہیں پہچان لیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ حکیم بولے، سعد بن ھشام، وہ بولیں کہ کون ھشام! حکیم نے جواب دیا کہ سیدنا عامر رضی اللہ عنہ کا بیٹا۔ تب انہوں نے بہت مہربانی کی اور نرمی کا معاملہ فرمایا (راوی حدیث امام)۔ قتادہ کہتے ہیں کہ سیدنا عامر رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ پھر میں (سعد بن ھشام) نے عرض کیا کہ اے ام المؤمنین مجھے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے متعلق خبر دیجئے! انہوں نے فرمایا: کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا: میں نے کہا کیوں نہیں! انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن ہی تھا، (یعنی قرآن کے احکام کی عملی تفسیر تھے)۔ پھر میں نے چلنے کا ارادہ کیا اور اس بات کا قصد کیا کہ مرنے تک کسی سے کوئی چیز دریافت نہ کروں گا۔ پھر میرے خیال میں آیا تو میں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کے متعلق خبر دیجئے، وہ بولیں کیا تو نے سورہ مزمل نہیں پڑھی، میں نے کہا کہ کیوں نہیں! انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رات کا قیام اس سورت کے ابتدا میں فرض کیا ہے۔ نبی مکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب ایک سال تک رات کو قیام کرتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخری حصہ کو ۱۲ مہینے آسمان پر روکے رکھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا آخری حصہ نازل کیا اور اس میں تخفیف کی، چنانچہ پھر رات کا قیام فرض ہونے کے بعد نفل ہوگیا۔ امام سعد بن ھشام فرماتے ہیں کہ

پھر میں نے عرض کیا کہ

أنبئینی عن وتررسول اللهﷺ فقالت، کنا نعدله سواکه وطهوره،فیبعثه الله ماشاء ان یبعثه من اللیل، فیتسوك ویتوضا ویصلی تسع رکعات،لایجلس فیها الافی الثامنة، فیذکر الله ویحمده ویدعوه، ثم ینهض ولایسلم، ثم یقوم فیصلی التاسعة ثم یقعد فیذکر الله ویحمده ویدعوه، ثم یسلم تسلیما یسمعنا، ثم یصلی رکعتین بعد ما یسلم وهو قاعد، فتلك احدی عشرة رکعة یا بنی!فلما أسن نبی ﷺ وأخذه اللحم، اوتر بسبع وصنع فی الرکعتین مثل صنیعه الاول،فتلك تسع، یا بنی! وکان نبیﷺ اذا صلی صلاة احب ان یداوم علیها وکان اذا غلبه نوم او وجع عن قیام اللیل صلی من النهار ثنتی عشرة رکعة ولا اعلم نبی اللهﷺ قرأ القرآن کله فی لیلة، ولا صلی لیلة الی الصبح، ولا صام شهر کاملة، غیررمضان قال! فانطلقت الی ابن عباس فحدثه بحدیثها، فقال صدقت لوکنت اقربها او ادخل علیها لأتیتها حتی تشافهنی به، قال، قلت، لو علمت انك لاتدخل علیها ما حدثتك حدیثها۔

مجھے رسول اللہ ﷺ کے وتر کے متعلق بتائیں تو ام المؤمنین صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم آپ علیہ السلام کے لئے مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے تھے۔اور جب اللہ تعالیٰ چاہتا آپ علیہ السلام کو بیدار کردیتا، آپ علیہ السلام مسواک کرتے اور وضو فرماتے اور نو رکعات پڑھتے، ان کے درمیان تشہد نہ بیٹھتے مگر آٹھویں رکعت میں (تشہد میں) اللہ تعالیٰ کا ذکر اور حمد کرتے اور دعا مانگتے تھے، پھر سلام پھیرے بغیر اٹھ کھڑے ہوتے۔ اور نویں رکعت پڑھتے ،پھر بیٹھتے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اور حمد کرتے اور دعا مانگتے تھے۔ پھر سلام اس طرح پھیرتے کہ ہمیں سنا دیتے تھے۔ سلام پھیرنے کے بعد بیٹھے بیٹھے دو رکعت پڑھتے تھے، میرے بیٹے (سعد بن ھشام) یہ گیارہ رکعات ہوئیں، پھر جب نبی مکرم ﷺ کی عمر زیادہ ہوگئی اور آپ علیہ السلام کے بدن اقدس پر گوشت آگیا تو سات رکعت وتر پڑھنے لگے (دو رکعتیں) ویسے ہی پڑھتے تھے، غرضیکہ بیٹے یہ نو رکعتیں ہوئیں، اور نبی مکرم ﷺ جب کوئی نماز شروع کردیتے تو اس پر ہمیشگی کو محبوب رکھتے تھے، اور جب آپ علیہ السلام پر نیند یا کسی درد کا غلبہ ہوتا تو رات کا قیام نہ کرسکتے تو دن کو ۱۲ رکعت نماز پڑھتے اور میں نہیں جانتی کہ نبی مکرم ﷺ نے رات بھر میں قرآن پڑھ لیا ہو یا صبح تک نماز پڑھتے رہے ہوں یا رمضان کے علاوہ پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں۔ (امام سعد بن ھشام فرماتے ہیں کہ) پھر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے ساری حدیث بیان کی انہوں نے فرمایا کہ بلاشبہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے درست کہا ہے۔ اگر میں ان کے پاس جاتا تو یہ تمام گفتگو براہ راست سنتا' امام زرارہ فرمانے لگے کہ اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ ان کے پاس نہیں جاتے تو میں ان کی باتیں آپ سے

بیان نہ کرتا۔

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب جامع صلاۃ اللیل، الحدیث ۱۷۳۹)، ابو عوانہ ص۳۲۱، ۳۲۳ ج۲؛ مسند احمد ص۵۴-۱۱۲-۲۲۸ ج٦ ،ابوداؤد رقم الحدیث ۱۳۴۲ ونسائی رقم الحدیث ۱۷۲۱و۱۷۲۲،والمسند المستخرج لابی نعیم ص۳۳۹ج۲ رقم ۱٦۹۰، ۱٦۹۱)۔

قارئین کرام ہم نے نقل حدیث میں بخل سے کام نہیں لیا، اسے پڑھئے مکرر پڑھئے اس کے ایک ایک لفظ پر غور کریں کہ کیا یہ حنفیہ کے مذہب کے موافق ہے؟ اس حدیث نے حنفیہ کے متعدد مسائل کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے، اگر ہم اس کے فوائد بیان کرنے لگ جائیں تو بات لمبی ہو جائے گی، ویسے بھی ہمارے مدعا سے ان چیزوں کا تعلق نہیں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث انوار صاحب کے تقلیدی مذہب و مسلک کے خلاف ہے، اس میں نو رکعات وتر پڑھنے کا بیان ہے اور آٹھویں رکعت میں پہلا تشہد بیٹھنے کا ثبوت ہے اور اس تشہد میں درود و دعا کرنی حضور علیہ السلام سے ثابت ہے پھر سلام پھیرنے کے بغیر نویں رکعت کو پڑھ کر سلام پھیرنا ذکر ہوا ہے ہم بفضلہ تعالیٰ اس کے قائل و فاعل ہیں۔ مگر حنفیہ کے نزدیک یہ صورت ممنوع ہے۔ انوار صاحب نے جو روایت پیش کی ہے وہ مختصر ہے جسے راوی سعید نے مختصر کیا ہے جیسا کہ امام مروزی نے، (قیام اللیل ص۲۰۹) میں صراحت کی ہے پھر اس مختصر روایت میں یہ ذکر نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر میں دو رکعت پر سلام نہ پھیرتے، اگر ایسا ہوتا ہے تو انوار صاحب کے لئے بلاشبہ دلیل و حجت ہوتی، حدیث کے الفاظ صرف اتنے ہیں کہ وتر میں سلام نہ پھیرتے، ہم کہتے ہیں کہ درست ہے۔ دوسری، تیسری، چوتھی، پانچویں، رکعت میں سلام نہ پھیرتے اور نہ ہی ہر دو رکعت پر تشہد کرتے جیسا کہ سلام نہ پھیرتے، ہاں آٹھویں رکعت پر تشہد بیٹھتے اور نویں رکعت پڑھ کر سلام پھیرتے تھے۔

(۱٦)عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلث لایسلم الافی آخرھن وھذا وتر امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وعنه أخذه اھل المدینة۔

(مستدرک حاکم ص۳۰٤)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ اور سلام فقط آخری رکعت میں پھیرتے تھے۔ اور یہی امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بھی وتر ہیں انہیں سے اہل مدینہ نے لئے ہیں۔(حدیث اور اہل حدیث ۵٦۱)۔

الجواب: اولاً اس روایت کو دلیل بناتے وقت انوار خورشید کو کچھ شرم اور حیاء کرنی چاہیے تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا معاصر حنفیت کی وکالت میں اندھا ہو چکا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس روایت میں حنفیوں نے بددیانتی کی ہے۔ روایت کے الفاظ، لایقعد (یعنی تشہد نہ بیٹھتے تھے)۔ کے تھے

جسے حنفی ناشرین نے بددیانتی کرتے ہوئے ''لایسلم'' بنادیا تھا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔تفصیل کے لئے راقم کی تالیف (تحفہ حنفیہ ص۵۰ج۱) کی مراجعت کریں۔

ثانیا: یہ روایت شاذ ہے۔ جیسا کہ علامہ البانی نے (ارواء الغلیل ص۱۵۱،۱۵۲ ج ۲)۔ میں صراحت کی ہے امام بیہقی نے اس روایت کو خطا قرار دیا ہے۔مولانا عبدالروف حفظہ اللہ نے اس پر نفیس بحث کی ہے فرماتے ہیں۔

اس حدیث کی سند یوں ہے۔ **قتادة عن زرارة بن أوفي عن سعد بن هشام عن عائشة**، یہ اس کی سند ہے۔قتادہ سے آگے اس کو معمر، ھشام، ہمام،اور شعبہ نے روایت کیا ہے اور ان سے ان کے مختلف شاگردوں نے روایت کیا ہے۔سعید بن ابی عروبہ سے اسے یحیٰ بن سعید، ابن ابی عدی، اور محمد بن بشیر وغیرہ نے روایت کیا ہے ان تمام نے نو اور سات وتروں کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ ابان بن یزید نے سعید سے اس کو روایت کرتے ہوئے تین وتروں کا ذکر کیا ہے۔مگر تین وتروں کے ذکر سے یہ روایت بلاشبہ شاذ ہے۔اس لئے کہ ابان اس کو سعید بن ابی عروبہ سے بیان کرنے میں منفرد ہے۔اسی طرح سعید کے جو ساتھی ہیں)معمر، ھشام، ھمام،اور شعبہ)ان میں سے کسی کی بھی روایت میں تین وتروں اور ان کے پڑھنے کی کیفیت ذکر نہیں ہوئی۔ بلکہ ان تمام روایات میں نو اور سات ہی وتروں کا ذکر ہے۔

نیز اس حدیث کی زرارۃ بن اوفی سے قتادہ کی سند کے علاوہ ایک دوسری سند بھی ہے اور یہ بہز بن حکیم کی سند ہے، اس سند سے اس کو ابو داؤد (۱۳۴۶،۱۳۴۹،۱۳۴۶) نے روایت کیا ہے، بلکہ زرارہ بن اوفی کے شیخ سعد بن ھشام سے بھی اس کی ایک دوسری سند ہے اور وہ حسن بصری کی سند ہے۔اس سند سے اس کو ۔ (ابو داؤد (۱۳۵۲) نسائی(۱۷۲۳،۱۷۲۴)۔ ابن خزیمہ (۱۱۰۴) ابن حبان (موارد) رقم ۶۶۸)عبدلرزاق (۴۷۱۳) ومسند احمد ۶/ ۱۶۸) نے روایت کیا ہے۔اس حدیث کی ان اسانید میں بھی نو اور سات وتروں کا ذکر ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند سعد بن ھشام، زرارہ بن اوفی یا قتادہ سے جتنی سندیں ہیں ان میں سے کسی میں بھی تین وتروں کا ذکر نہیں ان کا ذکر سعید بن ابی عروبہ سے صرف ابان بن یزید کی روایت میں ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی روایت شاذ ہے چنانچہ امام بیہقی ابان کی حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ،

كذافى هذه الرواية وقدروينا فى حديث سعد بن هشام وتر النبى ﷺ بتسع ثم بسبع والله اعلم۔

اس روایت میں یوں ہے مگر سعد بن ھشام کی حدیث میں تو نبی علیہ السلام کے نو اور پھر سات وتروں کا

ذکر ہے واللہ اعلم، آگے چل کر ایک دوسرے مقام پر ان کی روایت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ورواه الجماعة عن ابن ابی عروبة عن قتادة و همام بن یحییٰ عن قتادة کما سبق ذکره فی وتر بتسع وكذلك رواه بهز بن حکیم عن زرارة بن أوفى ...... أورواية ابان خطاء والله اعلم۔

ایک جماعت نے اس کو از ابن ابی عروبہ از قتادہ اورھمام بن یحیٰی نے بھی از قتادہ روایت کیا ہے جیسا کہ باب من اوتر بتسع او بسبع میں ذکر ہوا۔اسی طرح بہز بن حکیم نے زرارہ بن اوفی سے روایت کیا ہے اور اَبان کی روایت خطاء ہے اللہ اعلم۔

(السنن الکبریٰ للبیهقیص ۳۱ ج ۳)(تخریج صلاۃ الرسول ص ۵۷۴)

الغرض یہ روایت شاذ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۱۷) عن عبد الله بن عمر قال قال رسول اللهﷺ صلاة الليل مثنىٰ مثنىٰ فاذا اردت ان تنصرف فاركع ركعة توترلك ماصليت قال القاسم ورأينا اناسا منذ ادركنا يوترون بثلث۔ الحديث۔

(بخاری ص ۱۳۵ ج ۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہوتی ہے۔ پھر جب تمہارا فارغ ہو کر جانے کا ارادہ ہو تو ایک رکعت اور پڑھ لو یہ تماری پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنادے گی۔حضرت قاسم فرماتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو دیکھا جب سے ہم نے ہوش سنبھالا کہ وہ وتر تین رکعات ہی پڑھتے تھے۔(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۶۱)۔

الجواب: اولاً یہ حدیث صحیح صریح مرفوع ایک وتر کی دلیل ہے۔ اس میں امام الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور جب کسی کا نماز سے فارغ ہونے کو جی چاہے تو ایک رکعت وتر پڑھ لے۔ یہ ایک رکعت وتر گزشتہ نماز کو طاق بنا دے گا۔

لیکن انوار صاحب اس سے یہ استدلال کرتے ہیں یہ رکعت پہلی دو رکعتوں کو وتر بنادے گا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وتر کی دوسری رکعت میں قعدہ ہے۔ کیونکہ نماز تشہد پڑھ کر ہی ختم کی جاتی ہے۔ نہ کہ تشہد پڑھے بغیر اور ظاہر ہے کہ تشہد قعدہ ہی میں پڑھا جاتا ہے۔

(حدیث اوراهل حدیث ص ۵۷۶)۔

محترم **صلاة الليل مثنىٰ مثنىٰ**، کا معنی قعدہ نہیں بلکہ دو دو رکعت پڑھنا ہے۔ یعنی ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا مراد ہے۔راوی حدیث سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ **"فقيل لابن عمر" "ما مثنىٰ مثنىٰ قال" "ان تسلم فی كل ركعتين"** یعنی

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ ”مثنیٰ مثنیٰ“ سے کیا مراد ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرنا
(مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ والوتر رکعته من آخر اللیل، الحدیث ۱۷۶۳)۔

سیدنا مطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ”ان النبی ﷺ قال **الصلاۃ مثنیٰ مثنیٰ وتشھد وتسلم فی کل رکعتین**“۔ **الحدیث**۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ (رات کی) نماز دو دو رکعت اور ہر دو رکعت پر تشہد و سلام پھیرنا ہے۔ (مسند احمد ص۱۶۷ ج۴)۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ ”**یسلم من کل رکعتین**“ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے۔ (مسلم الحدیث ۱۷۱۸)۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”**یسلم من کل رکعتین**“ یعنی نبی مکرم ﷺ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے (صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث ۱۰۹۴)۔

سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”**یسلم من کل رکعتین**“ رسول اللہ ﷺ ہر دو رکعت کے درمیان سلام پھیرتے تھے۔ (مسند احمد ۴۱۷ ج۵)۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی تفسیر اور ان مرفوع احادیث سے ثابت ہوا کہ۔ **صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ**“ کا جو معنی انوار صاحب نے، قعدہ کرنا کیا ہے وہ غلط اور باطل ہے بلکہ اس کا معنی سلام پھیرنا ہے۔ اور اس کے بعد ’**فارکع رکعۃ**‘ ایک رکعت وتر پڑھنا ہے۔ لہذا یہ حدیث حنفیہ کے مؤقف کی تردید کرتی ہے۔

ثانیا: پھر محترم نے امام قاسم کا قول نقل کرنے میں بددیانتی کی ہے۔ مطلب کا حصہ نقل کر دیا ہے جب کہ مخالف ٹکڑے کو ہضم کر گئے ہیں۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔

”**وان کلا لواسع وارجو ان لایکون بشئی منہ باس**“

اور تین یا ایک سب جائز ہے اور مجھے امید ہے کہ کسی میں قباحت نہ ہوگی (بخاری کتاب الوتر باب ماجاء فی الوتر الحدیث ۹۹۳)۔ یہ الفاظ انوار صاحب کے خلاف ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ایک وتر جائز نہیں، جو قباحت کو مستلزم ہے افسوس اس بات کا ہے کہ اب تو انوار صاحب بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ریش میں چاندی آ چکی ہے۔ عمر کے اس حصے میں عقل و علم میں پختگی کے علاوہ انسان میں فطرتاً نیکی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ مگر اس بدنصیب کو اب بھی بددیانتی ہی مقدر میں آئی ہے اللہ توبہ کی توفیق دے۔

(۱۸) عن الفضل بن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ الصلاۃ مثنیٰ مثنیٰ تشھد فی رکعتین۔

(الحدیث (ترمذی ص۸۷ ج۱)۔

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا نماز دو دو رکعت ہوتی ہے ہر دو رکعت میں تشہد ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۶۲)۔

الجواب: اولا یہ روایت ضعیف ہے تفصیل فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، کی فصل دوم میں انوار صاحب کی دلیل نمبر ۹ میں گزر چکی ہے وہاں سے ایک نظر مکرر دیکھ لیا جائے۔

ثانیا: " تشهد فی کل رکعتین " سے کیا مراد ہے۔ اس سے محض تشہد مراد نہیں بلکہ سلام مراد ہے۔ جیسا کہ مطلب بن ربیعہ کی روایت میں صراحت ہے۔ (مسند احمد ص ۱۶۷ ج ۴)۔ بلکہ انوار صاحب نے جو دلیل درج کی ہے اس میں بھی سلام پھیرنے کا اشارہ موجود ہے مگر انوار صاحب نے متن روایت میں بددیانتی کرتے ہوئے مخالف حصے کو نقل نہیں کیا۔ اب پورے الفاظ ملاحظہ کریں۔

عن الفضل بن عباس قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الصلوة مثنیٰ مثنیٰ تشهد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیك یقول ترفعهما الی ربك مستقبلا ببطونهما وجهك وتقول یا رب یا رب من لم یفعل ذالك فهی کذا وکذا۔

(ترمذی ص ۸۷ ج ۱، رقم الحدیث ۳۸۵)۔

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز دو دو رکعت ہے، ہر دو رکعت کے بعد التحیات ہے اور ڈرنا، عاجزی کرنا مسکینی ظاہر کرنا ہے۔ اور اٹھائے تو اپنے دونوں ہاتھ۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ تو اپنے پروردگار کے حضور میں اس طرح ہاتھ اٹھا کر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں تیرے چہرے کی طرف ہوں دعا کرے اور کہے یا رب یا رب جس نے ایسا نہ کیا وہ ایسا ایسا ہے۔

(ترجمہ انوار خورشید صاحب مندرجہ حدیث اہل حدیث ص ۴۷۲)۔

اس حدیث میں ہاتھ اٹھانے سے کیا مطلب ہے، امام ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ تشہد میں ہاتھ اٹھانا مراد ہے۔ جبکہ بعض کا خیال ہے کہ اس حدیث میں، تشہد بمعنی سلام ہے، یعنی سلام پھیرنے کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے۔ مولانا محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں۔

استدل بالحدیث صاحبا الامام ابو یوسف و محمد والشافعی فی افضلیة الرکعتین علی الرباعی، واجاب عنه ابن الهمام فی الفتح، قبیل فصل القرأة فی عبارة طویلة متمسکا فی توجیهه بهذا الحدیث ما ملخصه بان المذکورة فی حدیث الباب التشهد فی کل رکعتین دون التسلیم ، فلو کان فیه التسلیم ایضا لکان حجة، قال الشیخ رحمه الله، جوابه غیره نافذ فان الغرض التشهد مع التسلیم کما فی مسند احمد فی الجزء الرابع ص ۱۶۷ فی حدیث المطلب من طریق شعبة قال الصلاة مثنیٰ مثنیٰ وتشهد وتسلم فی کل رکعتین الخ قا

ل الراقم ولفظ ، تقنع یدیك یكاد یكون دلیلا علی التسلیم فان الظاهر ان الدعاء باقناع الیدین بعد الفراغ من الصلاۃ والفراغ انما یكون بالتسلیم واللہ اعلم۔

یعنی اس حدیث سے قاضی ابو یوسف امام محمد اور امام شافعی نے چار رکعت پر دو دو رکعت کی افضلیت پر استدلال کیا ہے، اور ابن ھمام نے فتح القدیر میں انہیں طویل عبارت سے جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں ہر دو رکعت پر تشہد بغیر سلام پھیرے مراد ہے، اگر اس میں سلام پھیرنے کا ذکر ہوتا تو تب ان کی دلیل تھی، ہمارے شیخ سید انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ یہ جواب غیر متعلقہ ہے، اس لئے کہ تشہد سلام پھیرنے کے ساتھ ہے جیسا کہ مسند احمد ص ۱۶۷ ج ۴ میں امام شعبی کے طریق سے مطلب بن ربیعہ کی روایت میں صراحت ہے کہ نماز کی ہر دو رکعت پر تشہد اور سلام پھیرنا ہے الخ...... راقم (علامہ بنوری) کہتا ہے کہ تقنع یدیک (دونوں ہاتھوں کا اٹھانا) کے لفظ سے سلام پھیرنے کی دلیل ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہے، اور نماز سے فارغ ہونا سلام کے ساتھ ہے۔

(معارف السنن ص ۴۷۴ ج ۳)۔

خود انوار صاحب کے نزدیک بھی یہ حدیث سلام پھیرنے کے بعد پر محمول ہے جیسا کہ انہوں نے اس حدیث سے فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا پر استدلال کیا ہے۔ (ص ۴۷۲)۔

پھر آگے وضاحتی نوٹ میں فرماتے ہیں کہ حضرت فضل بن عباس اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم کی احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ صحابہ کرام کو بھی فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر ہی دعا مانگنے کی ترغیب دیتے ہیں (ص ۴۷۶)۔

مگر سو صفحہ بعد اسے نماز کے اندر باور کراتے ہیں اور تشہد کو قعدہ پر محمول کر کے وتر میں تشہد ثابت کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انوار صاحب وضاحت کریں ہم آپ کے کس بیان پر یقین کریں تشہد بمعنی سلام پھیرنے کے قول پر یا تشہد بمعنی قعدہ مراد لینے پر۔

ثالثاً: ہم صاف اور صریح احادیث پیش کر چکے ہیں کہ نبی علیہ السلام وتروں میں تشہد نہیں بیٹھتے تھے۔ جبکہ یہ حدیث خاص وتروں کے بارے نہیں بلکہ عام ہے۔ دلیل خاص کے بالمقابل عام سے حجت پکڑنا درست نہیں۔

(۱۹) عن ام سلمة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی کل رکعتین تشهد وتسلیم علی المرسلین وعلی من تبعهم من عباد اللہ الصالحین۔

(مجمع الزوائد ص ۱۳۹ ج ۲)۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دو رکعت میں تشہد ہے اور رسولوں

پر اور ان کی پیروی کرنے والے اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۵۶۲)۔

الجواب: اولاً اس کی سند میں علی بن زید جدعان راوی ہے۔

(طبرانی کبیر ص ۳۶۷ ج ۲۳ رقم الحدیث ۱۸۶۹)

مجمع الزوائد ص ۱۳۹ ج ۲، اور یہ متکلم فیہ ہے۔ ابن سعد، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، نسائی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ جوز جانی کہتے ہیں واہی الحدیث ہے، ابو زرعہ فرماتے ہیں قوی نہیں۔ ابوحاتم کہتے ہیں قوی نہیں اس کی روایت لکھی جائے مگر احتجاج نہ کیا جائے گا، ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ میں اس کے سوء حفظ کی وجہ سے اس سے احتجاج نہیں کرتا۔ (تہذیب ص ۳۲۳ ج ۷) الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیا: تشہد سے مراد یہاں سلام پھیرنا مراد ہے جیسا کہ سابقہ روایت میں تفصیل گزر چکی ہے۔ اور اگر اس روایت کو فرض نمازوں پر محمول کیا جائے تو تب ان کی دلیل نہیں ہے۔

(۲۰) عن عائشة قالت (فی حدیث طویل) وکان یقول فی کل رکعتین التحیة (مسلم ص ۱۹۴ ج ۱)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (ایک لمبی حدیث کے ذیل میں) فرماتی ہیں کہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ہر دو رکعت میں التحیات ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۶۲)۔

الجواب: اولا یہ حدیث اپنے پورے الفاظ کے ساتھ تورک کے باب میں انوار صاحب کی پانچویں دلیل میں گزر چکی ہے۔ اور اس حدیث میں متعدد الفاظ نبوی علیہ التحیۃ والسلام ایسے ہیں جو حنفیہ کے خلاف ہے تفصیل مسئلہ تورک میں گزر چکی ہے۔

ثانیا: یہ حدیث عام ہے کیونکہ وتروں کے بارے نہیں جبکہ وتروں میں تشہد نہ کرنے کی صریح حدیث موجود ہے، عام اور خاص میں تعارض نہیں ہوتا۔ مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ وتر کی تین رکعت اسانید معتبرہ کے ساتھ حضرت سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء سے تین طرح منقول ہے (۱) دو رکعتوں اور تیسری رکعت کے درمیان فصل سلام کے ساتھ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب سرور کائنات علیہ السلاۃ والصلوۃ دو رکعتوں اور ایک رکعت کے درمیان میں فصل کرتے تھے اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور احمد اور ابن حبان اور ابن سکن نے اپنے صحیحوں میں قوی کہا ہے۔ جیسا کہ تلخیص الحبیر میں ہے (۲) تین رکعتیں ایک تشہد سے پڑھتے تھے یعنی تیسری ہی رکعت میں تشہد پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعت پڑھتے تھے۔ اور ان کے آخر ہی میں تشہد فرماتے تھے۔ اس کو احمد نسائی اور بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ اور احمد کی روایت میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعتیں پڑھتے اور ان کے درمیان میں فصل نہیں کرتے تھے۔ اور حاکم کی روایت میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تینوں رکعتوں کے ختم ہونے کے بعد قعدہ

کرتے تھے۔ (۳) آپ تین رکعتیں دو قعدہ اور ایک سلام کے ساتھ نماز مغرب کی طرح پڑھتے تھے۔ یہ روایت خود حضور سرور عالم ﷺ سے بسند غیر قوی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معتبر سندوں کے ساتھ مروی ہے۔

(مجموعۃ الفتاوی ص۳۳۵ ج۱ طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۴ھ)

اس عبارت سے واضح ہوا کہ وتروں میں تشہد نہ کرنا آپ علیہ السلام سے قوی اسناد سے مروی ہے۔ جبکہ کرنے کی روایات غیر معتبر ہیں۔ انوار صاحب کی مذکورہ حدیث سند کے لحاظ سے گو منقطع ہے لیکن معنوی اعتبار سے صحیح ہے تفصیل کے لئے (ارواء الغلیل ص۲۰ ج۲) کی مراجعت کریں۔ اگر اس صحیح حدیث سے وتروں کا تشہد ثابت ہوتا تو علامہ لکھنوی صراحت کرتے کہ ایسا بھی ثابت ہے، مگر وہ صاحب علم تھے عام و خاص کے فرق کو جانتے تھے۔ اس لیے انہوں نے علمی دیانت کو پورا کیا اور کھلے الفاظ میں اعتراف کیا کہ وتروں میں تشہد نبی ﷺ سے ثابت نہیں۔

(۲۱) عن عبد الله (بن مسعود) مرفوعا الی النبی ﷺ قال اذا قعدتم فی کل رکعتین فقولوا التحیات لله۔

(الحدیث نسائی ص۱۳۰ ج۱)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعا بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب تم ہر دو رکعت میں قعدہ کرو تو التحیات للہ (آخر تک) پڑھو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۶۲)۔

الجواب: اولاً اس حدیث میں، تشہد پڑھنے کو قعدہ سے مشروط کیا ہے۔ محترم نے خود ہی اس کا معنی، جب تم ہر دو رکعت میں قعدہ کرو، اس فقرہ میں قعدہ میں تشہد پڑھنے کا بیان ہے نا کہ وتروں میں قعدہ کرنے کا۔ لہٰذا آپ پہلے وتروں میں قعدہ ثابت کریں پھر اس حدیث سے استدلال کریں۔ الغرض اس حدیث میں قعدہ میں تشہد پڑھنے کا ثبوت ہے۔

ثانیا: اس حدیث میں، دو اور چار رکعت والی نماز مراد ہے۔ کیونکہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **کنا لاندری ما نقول فی کل رکعتین، نسائی،** اور بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں۔ کنا اذا جلسنا بین الرکعتین فی الصلاۃ لاندری ما نقول، (بیہقی ص۱۴۸ ج۲) یعنی جب ہم دو رکعتوں کے درمیان بیٹھتے تو ہمیں علم نہ تھا کہ کیا کہیں بلکہ مرفوع حدیث کے الفاظ بھی ایک طریق میں یہ مروی ہیں۔ **اذا جلستم فی رکعتین۔**

اب ان الفاظ، **بین الرکعتین،** (دو رکعتوں میں) اور، **بین الرکعتین،** (دو رکعتوں کے درمیان) کے دو ہی مفہوم ہیں۔ الف۔ دو رکعتوں کا آخری تشہد، ب، چار رکعتوں کا درمیانی تشہد، انوار صاحب اگر اس سے درمیانی تشہد مراد لیتے ہیں تو رکعات چار بنتی ہیں اور اگر آخری تشہد مراد لیتے ہیں تو

رکعتیں دو بنتی ہیں۔ الغرض اس حدیث میں دو اور چار رکعات والی نماز مراد ہے

دیکھئے حاشیہ سندھی علی النسائی ص۱۷۵ ج۱)۔

لہٰذا انوار صاحب کا اس حدیث سے وتر کا قعدہ ثابت کرنا، حدیث میں معنوی تحریف ہے۔

ثالثاً: یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انوار صاحب نے مطلب برآری کے لئے پوری حدیث درج نہیں کی۔ اب پوری حدیث ملاحظہ کیجئے۔

عن عبد الله قال كنا لاندری مانقول فی كل ركعتين غير ان نسبح ونكبر ونحمد ربنا وان محمدا ﷺ علم فواتح الخير وخواتمه فقال اذا قعدتم فی كل ركعتين فقولوا التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبی ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الاالله واشهد ان محمدا عبده ورسوله، وليتخير احدكم من الدعاء اعجبه اليه فليدع الله عز وجل۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو معلوم نہ تھا کہ ہم ہر دو رکعت میں کیا کہیں۔ سوائے اس کے تسبیح وتکبیر اور تعریف کریں اپنے پروردگار کی۔ اور کہیں کہ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ وہ باتین سکھلائے گئے ہیں جن کا اول و آخر اچھا ہے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ جب تم بیٹھو تو ہر دو رکعت میں تم کہو۔ التحیات للہ آخر تک۔ پھر اختیار کرلو کوئی دعا جو تمہیں زیادہ پسند ہو اور مانگو اللہ عز وجل سے۔

سنن نسائی كتاب التطبيق باب كيف التشهدالاول الحديث.١١٦٤)،مسند احمد ص٤٣٧ ج١،مسند طيالسی ص رقم الحديث ٣٠٤)۔

اسرائیل عن ابی اسحاق کے طریق میں یہ الفاظ ہیں۔

ثم يبداء بالثناء على الله عز وجل والمدحة له بما هو اهله وبا لصلوة على النبی ﷺ ثم يسال بعد۔

یعنی تشہد کے بعد پھر اللہ عز وجل کی ثناء اور مدح سے ابتداء کرے۔ جو اس کے لائق ہے، اور نبی ﷺ پر درود پڑھے پھر اللہ تعالیٰ سے اس کے بعد سوال (دعا) کرے (بیہقی ص۱۴۸ ج۲)۔

عن الا عمش قال حدثنی شقيق عن عبد الله کی سند سے یہ الفاظ مروی ہیں **ثم ليتخير من الدعاء اعجبه اليه فيدعو**، پھر اپنی پسندیدہ دعا کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

(بخاری كتاب الاذان باب من يتخير من الدعاء بعد التشهد وليس بواجب، الحديث٨٣٥)۔

ابی وائل عن عبد اللہ کی سند میں یہ الفاظ ہیں **ثم يتخير من المسالة ماشاء**۔ یعنی پھر اسے اختیار ہے جو چاہے اللہ تعالیٰ سے سوال کرے۔

(مسلم كتاب الصلوة باب التشهد فی الصلوة ، الحديث٨٩٧)

قارئین کرام جب آپ نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ اس حدیث میں تشہد کے بعد درود

اور پسندیدہ دعا کرنے کا ذکر ہے تو اب سنئے کہ انوار صاحب نے ان الفاظ کو کیوں درج نہیں کیا۔ تو اس کی تین وجوہات ہیں۔ الف ، انوار صاحب کے نزدیک یہ حدیث درمیانی تشہد پر محمول ہے، کیونکہ انہوں نے اس حدیث سے وتروں کے درمیان قعدہ ثابت کیا ہے۔ جب کہ اس میں درود اور دعا کا بھی ذکر ہے، اور انوار صاحب کے تقلیدی مذہب میں پہلے قعدے میں تشہد سے آگے کچھ نہیں پڑھا جا سکتا، جیسا کہ خود انوار صاحب نے صفحہ ۴۶۱ میں پورا باب اس مسئلہ پر تحریر کیا ہے۔ جب کہ انوار صاحب کے استدلال سے ان کے اس مؤقف کی تردید ہوتی تھی، اس لئے انوار صاحب نے بددیانتی کر کے اپنا الو سیدھا کیا، ب، اس حدیث میں سرور کائنات امام الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے نمازی کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنی پسندیدہ دعا کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ تفصیل کے لئے۔
(فتح الباری ص ۲۵۶ وعون المعبود ص ۳۶۶) کی مراجعت کریں جبکہ حنفیہ کے نزدیک صرف قرآنی اور ماثورہ دعائیں ہی کی جا سکتی ہیں۔

دیکھئے (فتح الملہم ص ۴۳ ج ۲ وبذل المجہود ص ۱۱۸ ج ۲) احناف کے اس مؤقف کی ان الفاظ سے تردید ہوتی تھی، لہٰذا انوار صاحب نے یہودی کردار ادا کرتے ہوئے مخالف حصے کو چھپایا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ گویا انوار صاحب نے ایک تیر سے تین شکار کیے ہیں، (۱) حنفیہ کا وتروں میں تشہد ثابت ہو گیا، (۲) درمیانی تشہد سے درود و دعا کی نفی ہو گئی (۳) اختیاری دعا بھی ثابت نہ ہوئی۔ اے اللہ ہم تو تیرے عاجز بندے ہیں انوار صاحب کے حق میں دعا ہی کر سکتے ہیں کہ انہیں تقلیدی بیماری سے شفا عطا فرما۔ آمین۔

(۲۲) عن عبد الله قال ارسلت امي ليلة لتبيت عند النبي ﷺ فتنظر كيف يوتر فصلى ماشاء الله ان يصلى حتى اذا كان آخرا لليل واراد الوتر قرأ بسبح اسم ربك الاعلىٰ فى الركعة الاولىٰ وقرأ فى الثانية قل ياايها الكفرون، ثم قعده ثم قام ولم يفصل بينهما بالسلام ثم قرأ بقل هو الله احد حتى اذا فرغ كبر ثم قنت فدعا بما شاء الله ان يدعو ثم كبر ور كع الخ...... (الاستيعاب فى معرفة الاصحاب لابن عبد البر ص ۷۱ ج ٤).

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ کو ایک دفعہ رات گزارنے کے لئے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے یہاں بھیجا تا کہ وہ دیکھیں کہ آپ ﷺ وتر کیسے پڑھتے ہیں (آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ) آپ نے نماز پڑھی جتنی کہ اللہ تعالیٰ نے چاہی حتی کہ جب رات کا آخیر ہو گیا اور آپ نے وتر پڑھنے کا ارادہ کیا تو پہلی رکعت میں **سبح اسم ربك الاعلىٰ** اور دوسری میں **قل یا ایها الکافرون** پڑھیں، پھر قعدہ کیا پھر قعدہ کے بعد کھڑے ہوئے اور ان کے درمیان سلام کے ساتھ فصل نہیں کیا پھر آپ نے **قل هو الله احد** پڑھی جب آپ قرأت سے فارغ ہوئے تو تکبیر کہی اور دعا

قنوت پڑھی اور قنوت میں جو اللہ نے چاہا دعا مانگی پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۶۳)۔

الجواب: اولاً اس روایت سے ایک وتر اور تین سے زیادہ وتروں کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ احناف کا مسلک ہے۔

ثانیاً: اس کی سند میں ابان بن ابی عیاش راوی ہے جو ضعیف و متروک ہے امام شعبی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک گدھے کا پیشاب پینا زیادہ پسند ہے اس سے روایت کرنے سے اور ایک بار فرمایا: کہ اس سے روایت کرنے سے بہتر ہے کہ انسان زنا کرلے، امام احمد اور ابن معین فرماتے ہیں کہ متروک ہے، امام جوزجانی کہتے ہیں کہ ساقط (اعتبار سے گرا ہوا) ہے نسائی نے متروک قرار دیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی تمام مرویات منکر ہیں۔ یزید بن ھارون امام شعبی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میرے ہمسایہ میں مساکین صدقہ کے مستحق لوگ ہیں اگر ابان بن ابی عیاش نہ ہو۔ جو احادیث میں کذب بیانی کرتا ہے۔ جب امام شعبی سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے بطور دلیل یہی روایت قنوت وتر (انوار صاحب کی دلیل) کو پیش کیا۔ یعنی ابان نے یہ جھوٹی روایت بیان کی ہے)، (میزان ص ۱۰ ج ۱)۔

ابان سے اس روایت کو نقل کرنے والا راوی حفص بن سلیمان ہے، امام احمد فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ امام ابن معین کہتے ہیں ثقہ نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ترکوہ (محدثین نے اسے ترک کردیا تھا)۔ امام ابو حاتم کا کہنا ہے کہ متروک ہے امام ابن خراش فرماتے ہیں کذاب ہے احادیث وضع کرتا تھا۔ امام ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی عام مرویات غیر محفوظ ہیں۔ ابن حبان فرماتے ہیں۔ اسانید کو الٹ پلٹ کردیتا تھا۔ مراسیل کو مرفوع بنادیتا تھا۔ لوگوں کی کتب سے نقل کرتا اور بغیر سماع کے روایت کردیتا تھا۔ (میزان ص ۵۵۸ ج ۱)۔

حافظ ابن حجر نے اس روایت کو سخت ضعیف قرار دیا ہے۔

(الاصابه ص ٤٧٥ ج ٤ و التعليق المغني ص ٢٨ ج ٢)۔

(۲۳) عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال صلوٰة المغرب وتر النهار فاوتروا صلوٰة الليل۔

(مصنف عبدالرزاق ص ٢٨ ج ٣)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں۔ تم رات کی نماز کو وتر بناؤ۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۶۴)۔

الجواب: اولاً آپ نے حدیث کے الفاظ نقل کرنے میں بددیانتی کی ہے۔ پوری حدیث ملاحظہ کریں۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ صلاة الليل مثنى مثنى، والوتر ركعة من آخر الليل

قال قال رسول اللہﷺ المغرب وتر صلاۃ النھار، فاوتر واصلاۃ اللیل۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ اور وتر ایک رکعت ہے رات کے آخر میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ مغرب دن کی طاق نماز ہے اور رات کی نماز کو بھی طاق بناؤ۔

(مصنف عبدالرزاق ۲۸ ج ۳ راقم الحدیث ۴۶۷۵)۔

حدیث کے ان الفاظ پر غور کریں۔ اس میں آپ علیہ التحیۃ والسلام نے نماز وتر کو ایک رکعت قرار دیا ہے۔ اور مغرب کی نماز کو طاق بتایا ہے۔ اور فرمایا کہ رات کی نماز کو بھی طاق بناؤ، سوال پیدا ہوتا ہے کہ رات کی نماز کو طاق کیسے بنایا جائے؟ اس کے لئے حدیث میں، والوتر رکعۃ من آخر اللیل، کے الفاظ سے وضاحت آئی ہے۔ علاوہ ازیں یہ روایت ھشام بن حسان عن ابن سیرین سے مروی ہے۔ اور ھشام مدلس ہے جیسا کہ امام علی بن مدینی اور امام ابو حاتم نے صراحت کی ہے۔ (طبقات المدلسین ص۴۷) اور زیر بحث روایت کی سند میں تحدیث کی صراحت نہیں، جب کہ امام ابن سیرین سے یہی حدیث امام ھارون بن ابراھیم الاھوازی نے بھی روایت کی ہے۔ جس میں ترتیب الفاظ یہ ہے۔

عن ابن عمر ان النبیﷺ قال، صلاۃ المغرب وتر النھار، فاوتروا صلاۃ اللیل، وصلاۃ اللیل، مثنی مثنی والوتر رکعۃ من آخر اللیل۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دن کی طاق نماز مغرب ہے، رات کی نماز کو بھی طاق بناؤ، اور رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور وتر ایک رکعت رات کے آخر میں ہے۔ (مسند احمد ص۸۳، ۱۵۴ ج ۲)۔

حدیث کے ان الفاظ پر غور کریں، نماز مغرب کو وتر قرار دیا، فرمایا کہ رات کی نماز کو وتر بناؤ، کسی کے دل میں وہم آسکتا تھا کہ مغرب کی تو تین رکعات ہیں۔ تو کیا نماز تہجد بھی تین رکعت ہی ہے! اس وہم کے ازالہ کے لئے حدیث میں صراحت آئی ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے، اور سب سے آخر میں ایک رکعت وتر، اس سے ثابت ہوا کہ یہاں کلی موافقت نہیں بلکہ صرف صفت طاق سے مشابہت مقصود ہے, ورنہ کلام نبوی میں تناقض لازم آئے گا۔ اور یہ باطل ہے۔ الغرض اس حدیث کا مقصد صرف طاق بنانے میں مشابہت اختیار کرنے میں ہے کلی مشابہت مراد نہیں۔

ثانیا: یہ روایت آپ کے لئے تب مفید ہے جب آپ وتر کو بمعنی تین ثابت کریں ورنہ نہیں۔

(۲۴) عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسو ل اللہﷺ وتر اللیل ثلث کوتر النھار صلاۃ المغرب۔

(دارقطنی ص۲۸ ج ۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے وتر تین ہیں دن کے وتر یعنی نماز مغرب کی طرح، (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۶۴)

الجواب: اولاً اس کی سند میں یحییٰ بن زکریا کوفی راوی ہے امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے، امام دارقطنی، ابن جوزی اور ابن حجر نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا۔ (دارقطنی ص۲۸ ج ۲)، والعلل المتناهية ص ٤٥٥ ج ١، والتلخيص الحبير ص ١٠ ج ٢) اور دیوبندی مکتب فکر کے معروف عالم علامہ کاشمیری نے بھی اس پر ضعیف کا حکم لگایا ہے۔ (فیض الباری ص ۳۷۱ ج ۲)۔

ثانیاً: انوار صاحب، کو تر النهار صلاة المغرب، کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ وتروں کے درمیان قعدہ ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث، ۵۷۵)۔ حالانکہ یہاں مشابہت قعدہ میں بیان نہیں کی جارہی بلکہ عدد رکعات میں بیان ہوئی ہے۔ وتر اللیل ثلث، کے الفاظ پر انوار صاحب مکرر غور کریں، اور علامہ کاشمیری کی فیض الباری کو بھی ایک نظر دیکھ لیں جہاں انہوں نے فرمایا ہے کہ۔

ولكن الانصاف ان المراد منه ايضا ليس هو التشبه فى التشهد بل وجه الشبه هو الايتار المجرد لاغيره والله اعلم۔

یعنی انصاف یہ ہے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تشبہ سے مراد تشہد (بیٹھنا) نہیں بلکہ مشابہت صرف ایتار میں ہے۔ (فیض الباری ص ۳۷۱ ج ۲)۔

الغرض اس روایت سے انوار صاحب کا وتروں کے درمیانی قعدہ پر استدلال تحریف معنوی ہے، کیونکہ صحیح احادیث میں وتروں کی نماز کو مغرب کی طرح پڑھنے سے ممانعت آئی ہے تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲۵) عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الوتر ثلث كثلاث المغرب۔

(مجمع الزوائد ص ٢٤٢ ج ٢)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر کی تین رکعتیں ہیں، مغرب کی تین رکعتوں کی طرح۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۶۴)

الجواب: اولا جہاں سے آپ نے روایت نقل کی ہے وہاں ہی علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ

(رواه الطبراني فى الاوسط وفيه ابوبحر البكراوى وفيه كلام كثير، مجمع الزوائدص ٢٤٢ ج ٢) وفى نسخة الاخرى ص ٢٤٥ ج ٢)۔

یعنی اسے طبرانی نے، المعجم الاوسط ص ۸۳ ج ۸ میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ابو بحر بکراوی ہے جس میں بہت زیادہ کلام ہے۔ امام طبرانی فرماتے ہیں کہ اسے بیان کرنے میں ابو بحر، منفرد ہے (الاوسط رقم الحدیث ۷۱۶۶)۔

ثانیا: یہاں کلی مشابہت مراد نہیں جیسا کہ انوار صاحب ثابت کر رہے ہیں بلکہ صرف عدد میں مشابہت ہے پڑھنے کی کیفیت میں مشابہت نہیں کیونکہ اس کی تو حدیث میں ممانعت آئی ہے، علاوہ ازیں خود احناف کے نزدیک بھی، قرأت وتر اور قرأت مغرب میں فرق ہے۔ ایسا ہی قنوت ان کے ہاں وتر کا جزو ہے جب کہ مغرب کی نماز میں نہیں دیکھیے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۷۶)

آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ: انوار صاحب نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے تین روایات نقل کی ہیں کہ وہ تین وتر پڑھا کرتے تھے۔ اب ترتیب وار ان کی حقیقت ملاحظہ کریں۔

(۱) طحاوی ص ۲۰۲ ج ۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۳ ج ۱، مصنف عبد الرزاق ص ۲۰ ج ۳ میں ہے کہ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا، (فراغت پر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے وتر نہیں پڑھے، آپ کھڑے ہوئے تو ہم نے بھی آپ کے پیچھے صف باندھ لی آپ نے ہمیں تین رکعات نماز وتر پڑھائی اور سلام فقط ان کے آخر میں پھیرا (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۶۵)

الجواب: اولا تین وتر ایک سلام اور تشہد کے ساتھ پڑھنے کے ہم بھی قائل و فاعل ہیں، لہٰذا تین وتر دو قعدوں کے ساتھ پڑھنے کے آثار نقل کریں، جو آپ کا مذہب اور مسلک ہے، لہٰذا یہ آپ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں۔

ثانیا: سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ھ کو رات کے وقت ہوئی تھی (تاریخ اسلام ص ۱۴۸ ج ۱) اس سے ثابت ہوا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جمادی الثانی میں وتروں کی جماعت کروائی۔ جب کہ احناف کے نزدیک صرف رمضان میں وتروں کی جماعت جائز ہے۔

(ھدایہ ص ۱۰۰ ج ۱، شرح نقایہ ص ۱۰۵ ج ۱) دیوبندیوں کے مفتی خیر المدارس مولوی محمد انور صاحب فرماتے ہیں کہ وتروں کی جماعت صرف رمضان المبارک کے ساتھ خاص ہے۔ رمضان کے علاوہ باقی ایام میں وتر منفردا (اکیلے) پڑھے جائیں۔ (خیر الفتاویٰ ص ۵۱۶ ج ۲)

مبتدعین دیابنہ کے فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں وتر کی جماعت تراویح کی جماعت کے تابع ہے اس لئے یہ رمضان کے ساتھ مخصوص ہے۔

(احسن الفتاوی ص ۴۵۵ ج ۳)۔

الغرض یہ روایت جہاں حنفیہ کے خلاف ہے وہاں ان کے دعوی پر تقریب تام بھی نہیں۔

(۲) موطا امام محمد ص ۱۴۵ میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے پسند نہیں کہ

میں تین رکعات وتر چھوڑ دوں چاہے مجھے اس کے بدلے سرخ اونٹ کیوں نہ ملیں۔

(حدیث اور اھل حدیث ص ۵۶۵)

الجواب: اولاً یہ روایات آپ کے لئے تب مفید ہیں جب ان میں یہ تذکرہ بھی ہوتا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ دو قعدوں کے ساتھ تین رکعت وتر پڑھتے، اور قنوت وتر سے پہلے تکبیر کہتے، جیسا کہ احناف کا عمل ہے لہٰذا یہ روایت آپ کے مسلک کی ترجمانی نہیں کرتی کیونکہ تین وتر ایک قعدہ کے ساتھ ہمارے نزدیک بھی سنت سے ثابت ہیں۔

ثانیاً: یہ روایت مرسل ہونے کے علاوہ سنداً ضعیف بھی ہے۔ مرسل اس لیے ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی ابراہیم نخعی ہے اور ابراہیم کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں جیسا کہ امام علی بن مدینی اور امام ابو حاتم نے صراحت کی ہے اور امام ابو زرعہ اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ابراہیم کی روایات مرسل ہیں۔ (مراسیل ابن ابی حاتم ص۹، ۱۰) اس سے نیچے کا راوی امام ابو حنیفہؒ ہیں جو سئی الحفظ ہیں اور محمد بن حسن شیبانی ضعیف ہے تفصیل گزر چکی ہے۔ الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہونے کے علاوہ سنداً مرسل ہے۔

(۳) (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۴ ج۲) میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے تین رکعات وتر پڑھے اور تینوں میں سلام کے ذریعہ فصل نہیں کیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۶۵)

الجواب: اولاً یہ روایت بھی آپ کے دعوی پر تقریب تام نہیں کیونکہ اس میں دو قعدوں کا ذکر نہیں اور ایک سلام اور ایک ہی تشہد سے تین وتر پڑھنے ہمارے نزدیک سنت سے ثابت ہیں۔

ثانیاً: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے امام مکحول ہیں اور امام ابو زرعہ نے صراحت کی ہے کہ مکحول کی سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ سے روایات مرسل ہیں (مراسیل ابن ابی حاتم ص۲۱۳)۔ علاوہ ازیں سند میں، ابو زبیر، مدلس ہے (طبقات المدلسین ص۴۵) اور تحدیث کی صراحت نہیں۔ الغرض اس روایت سے حنفیہ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا اور سند بھی ضعیف ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ: مصنف بن ابی شیبہ ص۲۹۵ ج۲ میں ہے کہ حضرت زاذان سے مروی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے رات کے آخری حصہ میں بیٹھ کر۔

(۲) (مصنف عبد الرزاق ص۳۴ ج۳) میں ہے کہ حضرت زاذان حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ وتروں میں **انا انزلنا ہ فی لیلۃ القدر، اذا زلزلت الارض، قل ھو اللہ احد،** پڑھا کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث)

الجواب: اولا ابن ابی شیبہ کی روایت میں سلام بن عبدالرحمٰن راوی مجہول ہے تمام متداول کتب

رجال میں کوئی ایسا سلام بن عبد الرحمٰن موجود نہیں، جو امام زاذان کا شاگرد اور امام مالک بن مغول کا استاد ہو۔ پس جہالت راوی کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیا: مصنف عبد الرزاق کی روایت تین رکعت پر صریح نہیں کیونکہ یہ صراحت نہیں کی کہ یہ تین سورتیں ایک ہی رکعت میں قرأت کرتے تھے یا تین رکعات میں، عین ممکن ہے کہ وہ ایک ہی رکعت میں یہ تین سورتیں قرأت کرتے ہوں، جیسا کہ نبی مکرم ﷺ ایک وتر میں آخری تینوں قل کی قرأت کرتے تھے۔

(سنن دارقطنی ص۳۵ ج۱،بیهقی ص۳۷ ج۳،مستدرك حاكم ص۳۰۵ ج۱،وابن حبان ص۷۰ ج٤،رقم الحديث ۲٤۲۳)۔

ثالثا: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ روایات تین رکعات پر صریح ہیں تب بھی ہمارے موافق ہیں کیونکہ ایک قعدہ و سلام سے تین وتر پڑھنے سنت سے ثابت ہیں۔ لہٰذا تین رکعت کی کوئی ایسی روایت ثابت کریں۔ جس میں دو قعدوں کا ذکر ہو اور سلام نہ پھیرنے کا بیان ہو۔

رابعاً: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نماز وتر کو بیٹھ کر پڑھنے سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک وتر کا شمار نوافل میں ہوتا ہے کیونکہ فرض و واجب نماز میں قیام احناف کے نزدیک بھی فرض و واجب ہی ہے۔ الغرض یہ روایات جہاں احناف کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں ویسے ہی ان کے خلاف بھی ہیں۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: (۱) طحاوی ص۲۰۲ ج۱ میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر کی تین رکعات ہیں، دن کے وتر مغرب کی نماز کی طرح۔

(۲) موطا امام محمد ص۱۴۶ میں ہے کہ حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں خبر دی ہے کہ وتر کی کم سے کم تین رکعتیں ہیں۔

(۳) موطا امام محمد ص۱۴۶ میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر تین رکعتیں ہیں مغرب کی نماز کی طرح۔

(۴) معجم طبرانی کبیر ص۲۷۲ ج۹ میں ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ رات کے وتر دن کے وتر نماز مغرب کی طرح تین ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۶۷)

الجواب: اولاً پہلی تیسری اور چوتھی روایت کی سند ایک ہی ہے طحاوی کی سند اس طرح۔ حدثنا ابو بشر الرقي قال ثنا شجاع عن سليمان ابن مهران عن مالك بن الحارث عن عبدالرحمن بن يزيد عن عبد الله (شرح معانی الاثار ص۲۰۲ ج۲)

موطا امام محمد کی سند یہ ھے، قال محمد حدثنا ابو معاوية المكفوف عن الاعمش عن مالك بن الحارث

عن عبدالرحمن ابن یزید عن عبد الله (موطا ص ۱۳۶)
طبرانی کی سند یہ ہے۔ حدثنا اسحاق بن ابراهیم عن عبد الرزاق عن الثوری عن الاعمش عن مالك بن الحارث عن عبد الرحمن بن یزید قال قال ابن مسعود.(طبرانی کبیر ص ۲۸۲ رقم الحدیث ۹۴۱۹).
قارئین کرام! ان تینوں کتب کی سندوں پر غور کریں اس کے مرکزی راوی الاعمش ہیں۔ اور اعمش نے مالک بن حارث سے اور وہ عبد الرحمٰن بن یزید سے روایت کرتے ہیں۔ امام الاعمش سے نیچے کی سند میں تین راوی ہیں۔ طحاوی میں الاعمش سے شجاع روایت کرتا ہے، موطا امام محمد میں ابو معاویہ مکفوف نقل کرتا ہے اور طبرانی میں امام ثوری ہیں الغرض سلیمان بن مہران الاعمش اور اوپر کے راوی اس کے مرکزی راوی ہیں۔ جب آپ نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا ہے تو اب اس سند کی کھوٹ سنئے۔ سلیمان بن مہران الاعمش راوی مدلس ہے۔ جیسا کہ ابن حبان، نسائی، دارقطنی، کرابیسی، علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے بلکہ علامہ ذہبی تو فرماتے ہیں کہ کبھی یہ ضعیف راویوں سے بھی تدلیس کرتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ص۲۲۴ ج۲، تہذیب التہذیب ص۱۹۲ ج۴، تقریب ص ۱۳۶ وطبقات المدلسین ص۳۳)۔
اور زیر بحث راویت میں انہوں نے مالک بن حارث سے سماع کی صراحت نہیں کی بلکہ صیغہ عن سے بیان کی ہے۔ مدلس راوی جب سماع کی صراحت نہ کرے تو وہ راویت ضعیف ہوتی ہے، لہٰذا یہ روایت اصول حدیث کے مطابق ضعیف ہے۔
ثانیا: دوسری روایت جو موصوف نے موطا ۱۴۶ سے علقمہ کے واسطے سے ذکر کی ہے۔ یہ تین رکعات پر صریح نہیں، کیونکہ اس میں صراحت ہے کہ وتر کم از کم تین رکعتیں ہیں, معلوم ہوا کہ تین رکعتوں سے زیادہ وتر سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک ثابت ہیں۔ ورنہ یہ نہ کہتے بلکہ فرماتے وتر صرف تین ہیں، علاوہ ازیں علقمہ بن قیس سے روایت کرنے والے ابراہیم نخعی ہیں جو تدلیس کرتے ہیں اور کثرت سے ارسال کرتے ہیں۔ (طبقات المدلسین ص۲۸)، (تقریب ص۲۴)، اور سند میں سماع کی صراحت نہیں، لہٰذا یہ روایت بھی ضعیف ہے۔
سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما: طحاوی ص۱۹۲ ج۱ میں ہے کہ حضرت عقبہ بن مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وتروں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: کیا تم دن کے وتر جانتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں! نماز مغرب، آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا اور خوب کہا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۶۷)

الجواب: اولاً. آپ نے بددیانتی کی ہے آگے ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم مسجد میں تھے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز وتر کے متعلق سوال کیا تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ اور جب طلوع فجر کا خوف ہو تو فاوتر بواحدة، وتر

ایک رکعت پڑھ لو۔ امام طحاوی آگے اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فثبت ان قوله فاوتر بواحدة, ای مع شئی تقدمها بوتر بتلك الواحدة ماصليت قبلها وكل ذلك وتر۔

یعنی اس سے ثابت ہوا کہ آپ علیہ السلام کا ارشاد۔ فاوتر بواحدۃ کا مطلب ہے اس سے پہلے بھی کچھ پڑھ اور یہ ایک رکعت پہلی نماز کو وتر بنادے گی۔ اور یہ تمام وتر ہوں گے۔

(شرح معانی الآثار ص۱۹۲ ج۱)۔

امام طحاوی کی اس صراحت سے ثابت ہوا کہ وتروں کے درمیان میں سلام پھیرا جائے اور یہی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مؤقف تھا جیسا کہ پہلی فصل میں صحیح بخاری کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

الغرض یہ روایت انوار صاحب کے تقلیدی مذہب کے خلاف ہے۔ لیکن انوار صاحب نے بددیانتی کر کے اپنا الو سیدھا کیا ہے۔ یہ اسلام کی خدمت نہیں بلکہ گروہ بندی کی خدمت ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: (۱) موطا امام محمد ص۱۴۶ میں ہے کہ حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔

(۲) طحاوی ص۱۹۹ میں ہے کہ حضرت ابو یحییٰ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ حضرت مسور بن مخرمہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رات کو باتیں کرنے لگے یہاں تک کہ سرخ ستارہ (صبح صادق سے پہلے نکلا کرتا ہے)۔ نکل آیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سوگئے، اور پھر اہل زوراء کی آوازوں کی وجہ سے بیدار ہوئے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کیا خیال ہے۔ کیا مجھے اتنا وقت مل جائے گا کہ میں سورج نکلنے سے پہلے تین رکعات وتر، دو رکعت سنت، اور فجر کی نماز پڑھ سکوں؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں، چنانچہ آپ نے (یہ تمام) نماز پڑھی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ سوال فجر کے آخیر وقت میں تھا۔

(۳) طحاوی ص۱۹۹ ج۱ میں ہے کہ حضرت ابو منصور فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے وتروں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: تین (رکعات) ہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۶۸)

الجواب: پہلی روایت میں اسماعیل بن ابراہیم بجلی کوفی راوی ہے اسے امام معین، امام نسائی امام ابو داؤد امام ابن جارود نے ضعیف قرار دیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی مرویات میں نظر ہے، امام ابن حبان، فرماتے ہیں فاش غلطیاں کرتا ہے۔ ساجی کہتے ہیں اس میں کلام ہے۔

(تہذیب ص۲۴۴ ج۱، میزان ص۲۱۲ ج۱)۔

اسماعیل نے یہ روایت لیث سے لی ہے، اور لیث بن ابی سلیم کو ھیثمی نے (مجمع الزوائد ص۲۷ ج۳ ص۱۸۹ ج۵) میں اور بوصیری نے، (زوائد ابن ماجہ ص۴۳۸) میں مدلس قرار دیا ہے، اور زیر بحث روایت میں

سماع کی صراحت نہیں ہے لہٰذا ضعیف ہے۔

دوسری روایت کی سند میں، سفیان ثوری ہیں جو ثقہ ثبت اور حجت ہیں، مگر مدلس ہیں۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں، **یدلس عن الضعفاء** یعنی ضعفاء سے تدلیس کرتے ہیں

(میزان ص۱۶۹ ج۲)۔

مزید تفصیل مسئلہ رفع الیدین میں گزر چکی ہے۔ الغرض یہ روایت بھی ضعیف ہے، علاوہ ازیں تین پڑھنے سے ایک اور تین سے زیادہ کی نفی نہیں ہوتی۔ پہلے گزر چکا ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک پڑھنے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی موافقت کی تھی، خود خاکسار بھی کبھی ایک کبھی تین اور کبھی اس سے زیادہ وتر پڑھتا ہے۔ تو جس نے مجھے تین وتر پڑھتے دیکھا ہو۔ وہ بیان کرے کہ میں نے داؤد کو تین وتر پڑھتے ہوئے دیکھا ہے تو کیا اس سے یہ لازم آئے گا کہ میرے نزدیک ایک یا تین سے زیادہ وتر پڑھنے ناجائز ہیں۔ مزید یہ کہ ان روایات میں درمیانی قعدہ کا ذکر نہیں جو حنفیہ کے وتر کی اصلی جان ہے۔ تو پھر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حنفیہ کا مؤقف کس طرح ثابت ہوگا۔

اب تیسری روایت میں کھوٹ سنیئے۔ اس کا پہلا راوی ابو منصور مجہول ہے امام ابو حاتم نے۔ (الجرح والتعدیل ص۴۴۱ ج۸) میں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے (کتاب الکنی جزء من التاریخ الکبیر ص۷۱) میں اسے ذکر کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، اس سے نیچے کا راوی عبد العزیز بن صالح ہے، ازدی نے مجہول قرار دیا ہے۔ (لسان المیزان ص۳۱ ج۴) اس سے روایت کرنے والا راوی ابن لہیعہ ہے ان کی کتب جل جانے کے بعد اختلاط ہوگیا تھا (تقریب ص۱۸۶) اس سے نیچے کا راوی عبد اللہ بن محمد ہے، امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ احادیث وضع کرتا تھا۔ (میزان ص۴۹۱ ج۲) غور کیجئے کہ اول تا آخر سلسلہ سند مجہول و مجروح اور کذاب راویوں سے بھرا پڑا ہے مگر انوار صاحب، طحاوی کی تقلید میں اسے دلیل بنائے بیٹھے ہیں, انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ: کنز العمال ص۶۶ ج۸ میں ہے کہ حضرت ثابت فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابو محمد مجھ سے اخذ کر لو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے اخذ کیا ہے، اور تم ہرگز مجھ سے زیادہ ثقہ آدمی سے اخذ نہیں کر سکتے، حضرت ثابت فرماتے ہیں کہ پھر آپ نے مجھے عشاء کی نماز پڑھائی پھر چھ رکعات نفل بھی ادا کیئے ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے رہے پھر آپ نے تین رکعات وتر پڑھے اور ان کے آخر میں سلام پھیرا۔

(۲) طحاوی ص۲۰۲ میں ہے کہ حضرت ثابت فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجھے وتر کی تین رکعتیں پڑھائیں اس حال میں کہ میں ان کی دائیں جانب تھا اور ان کی ام ولد ہمارے پیچھے، آپ نے سلام فقط آخر میں پھیرا، میرا غالب گمان یہ ہے کہ آپ (مجھے وتر کا طریقہ سکھلا رہے تھے)۔

(۳) حضرت انس فرماتے ہیں کہ وتر تین رکعات ہیں اور آپ وتر تین رکعات ہی پڑھتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۷۰)

الجواب: پہلی روایت کنز العمال میں بحوالہ رویانی اور ابن عساکر منقول ہے گو صاحب کنز نے کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں، مگر ان کا یہ کہنا غلط ہے کیونکہ صاحب کنز العمال نے یہ روایت ، مسند رویانی ، اور تاریخ ابن عساکر کے حوالے سے بیان کی ہے۔ مسند رویانی کی سند سے یہ روایت ، (تاریخ ابن عساکر ص ۲۶۷، ۲۶۸ ج۹ مطبوعہ، دار احیاء التراث العربی ۱۴۲۱ھ) میں منقول ہے۔ اسی میں میمون بن عبد اللہ راوی مجہول ہے جیسا کہ علامہ ذہبی نے ، (میزان میں ص۲۳۴ ج۴) میں اور حافظ ابن حجر نے ، (تقریب ص۳۵۴) میں صراحت کی ہے۔ الغرض یہ جہالت راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیوبندیوں کے محدث کبیر علامہ کاشمیری نے ، (العرف الشذی ص۲۱۵) میں کہا کہ مجھے اس کا حال معلوم نہیں ہوسکا۔

دوسری اور تیسری روایت سنداً صحیح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ، (درایہ ص۱۹۲ ج۱) میں صراحت کی ہے، مگر ان تینوں راویات سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا، ان میں گو تین وتر ایک سلام سے پڑھنا ثابت ہیں مگر درمیانی قعدہ ثابت نہیں اور ہم متعدد بار صراحت کر چکے ہیں کہ تین وتر ایک قعدہ و سلام سے پڑھنا ہمارے نزدیک بھی سنت سے ثابت ہے، لہٰذا انوار صاحب کوئی ایسا اثر ثابت کریں جو حنفیہ کے مؤقف کی ترجمانی کرے، جب کہ مذکورہ آثار پر تو ہم بھی عمل کر لیا کرتے ہیں۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ: (۱) مصنف عبد الرزاق ص۲۶ ج۳ میں ہے کہ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے، اور سلام فقط تیسری رکعت میں پھیرتے تھے، مغرب کی نماز کی طرح۔

(۲) مصنف عبد الرزاق ۲۶ ج۳ میں ہے کہ حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۵۷۰)

الجواب: پہلی روایت مرسل ہے کیونکہ حسن بصری کا سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں علاوہ ازیں اس کی سند میں، قتادہ ، مدلس ہے (تفصیل مسئلہ فاتحہ میں گزر چکی ہے) اور سماع کی صراحت نہیں، جس کی وجہ سے یہ روایت سنداً ضعیف اور مرسل ہے۔

دوسری روایت کی سند میں، ابن جریج ہیں، جو زبردست مدلس ہے، امام دارقطنی فرماتے ہیں بدترین تدلیس ابن جریج کی ہے، وہ قبیح التدلیس ہیں صرف مجروح راوی کو ہی چھپاتے ہیں۔ (طبقات المدلسین ص۴۱)۔

یہاں انہوں نے تحدیث کی صراحت نہیں کی، الغرض یہ دونوں روایات ضعیف ہیں۔ پھر ان میں

درمیانی قعدہ کا بھی ذکر نہیں، بلکہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دو رکعت پر سلام پھیرنا ثابت ہے تفصیل گزر چکی ہے۔

سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ: طحاوی ص۲۰۰ ج۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۳ ج۲ میں ہے کہ حضرت ابو غالب سے روایت ہے کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۷۱)

الجواب: اس کی سند میں، سلیمان بن حبان، اور ابو غالب، دو ایسے راوی ہیں جن کی بعض نے تعدیل بیان کی ہے اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر نے انہیں صدوق یخطی لکھا ہے۔ (تقریب ص۱۳۳، ۴۲۱) اور ایسے راویوں کی روایات متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوا کرتیں، علاوہ ازیں اس روایت میں یہ صراحت نہیں کی کہ تین وتر درمیانی قعدہ کے ساتھ پڑھتے تھے، عین ممکن ہے کہ وہ درمیان میں سلام پھیرتے ہوں اور اگر سلام کے بغیر پڑھتے ہوں گے تو قعدہ نہ کرتے ہوں گے، جب یہ تمام احتمال موجود ہیں تو پھر یہ انوار صاحب کی دلیل کیسے بن گئی، الغرض یہ روایت حنفیہ کے موافق نہیں بلکہ مخالفت کا احتمال رکھتی ہے لہٰذا انوار صاحب کا اس سے استدلال باطل ہے۔

تابعین عظام کے اقوال

امام سعید بن جبیر کا قول: مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۴ ج۲ میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ وتر تین رکعات پڑھتے تھے اور دعاء قنوت وتر میں رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۷۱۔۱)

الجواب: اس کی سند میں اسماعیل بن عبد الملک راوی ہے جو کثیر الوہم ہے (تقریب ص۳۴۔) اور اس کا شاگرد زید بن حباب بھی صدوق قسم کا راوی ہے، سفیان ثوری کی احادیث میں خطاء کرتا تھا۔ (تقریب ص۱۱۲) ایسے راویوں کی روایات بلا متابعت قابل قبول نہیں ہوتیں۔ پھر اس روایت میں درمیانی قعدہ کا ذکر نہیں، دو سلاموں یا ایک سلام اور بغیر قعدہ اولیٰ کے تین وتر ہمارے نزدیک بھی سنت ہے، لہٰذا ہمارے مخالف نہیں اور انوار صاحب کے موافق نہیں۔

امام علقمہ کا قول: مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۴ ج۲ میں ہے کہ حضرت علقمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وتر تین رکعات ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۷۱)

الجواب: اس کی سند میں طلق بن معاویہ راوی مجہول ہے (تقریب ص۱۵۸)۔ الغرض یہ روایت ضعیف ہے علاوہ ازیں اس سے ایک اور تین سے زیادہ وتروں کی نفی نہیں ہوتی اور نہ ہی درمیانی قعدہ کا ذکر ہے عین ممکن ہے وہ درمیان میں سلام کے قائل ہوں یا ایک ہی تشہد سے تین وتر پڑھتے ہوں، جب

یہ تمام احتمال موجود ہیں تو پھر یہ حنفیہ کے موافق نہیں۔

امام مکحول کا قول: مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۴ ج۲ میں ہے کہ حضرت مکحول سے مروی ہے کہ وہ وتر تین رکعات پڑھا کرتے تھے اور دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرا کرتے تھے۔

الجواب: کیا وہ درمیان میں قعدہ بھی کرتے تھے اس کا اس میں ذکر نہیں سلام نہ پھیرنے سے قعدہ کا ثبوت نہیں ملتا، پھر تین پڑھنے سے ایک کی نفی ثابت نہیں ہوتی, تین وتر ایک سلام سے ہمارے نزدیک بھی ثابت ہیں ثابت یہ کیجئے کہ تین رکعات سے کم وبیش وتر پڑھنے جائز نہیں اور تین وتروں کے درمیان قعدہ ہے، اگر ایسا کوئی ثبوت ہے تو پیش کریں مطلقا تین رکعات کے اقوال ہی درج نہ کرتے جائیں۔ یہ خلط مبحث ہے۔

امام ابو العالیہ ریاحی کا قول: طحاوی ص۲۰۲ ج۱ میں ہے کہ حضرت ابو خالدہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ سے وتر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: کہ ہمیں حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعلیم دی یا فرمایا کہ انہوں نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ وتر مغرب کی نماز کی طرح ہے سوائے اس کے ہم وتر کی تیسری رکعت میں بھی قرأت کرتے ہیں یہ رات کے وتر ہیں اور وہ (مغرب) دن کے وتر ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۷۲)

الجواب: اولاً یہاں فقط عدد مراد ہے پوری مشابہت مراد نہیں۔ جیسا کہ انوار صاحب اس سے تشہد بھی ثابت کرتے ہیں، کیونکہ اس صورت میں احادیث صحیحہ و مرفوعہ اور اس اثر کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے، لہٰذا اس اثر کو احادیث کی موافقت پر محمول کر کے تین رکعتوں کو ایک قعدہ اور ایک سلام پر محمول کر لیا جائے گا اور یہ صورت ہمارے نزدیک بھی جائز ہے، اور خود امام ابو العالیہ کا بھی یہی موقف تھا، امام زیاد نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ ,, **لااصنع فيه كما يصنع في المغرب،** یعنی وتر کو نماز مغرب کی طرح نہ پڑھا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۴ ج۲)۔

ثانیا: اگر انوار صاحب کی بات کو تسلیم کرلیا جائے کہ اس اثر میں مماثلت سے کلی مشابہت ہے تو مغرب کی نماز میں قنوت لازم ہوگی کیونکہ حنفیہ کے نزدیک قنوت وتر واجب ہے, جیسا کہ اگلے باب میں تفصیل آرہی ہے۔ اگر انوار صاحب کسی خارجی دلیل سے قنوت کو نکال لیں تو دوسرے فریق کو تشہد نکالنے سے کیسے روک سکتے ہیں۔

ثالثا: موقوف روایت جب مرفوع کے خلاف ہو تو حجت نہیں ہوتی، تفصیل کے لئے دین الحق ص۴۴۰ ج۱ کی مراجعت کریں۔

امام عمر بن عبدالعزیز کا قول:

طحاوی ص۲۰۳ ج۱ میں ہے کہ ہمیں حدیث بیان کی ابن وہب نے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے خبر دی ابن ابو الزناد نے اپنے والد کے واسطے سے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ طیبہ میں فقہاء کے قول کے مطابق وتر تین رکعت مقرر کر دیے تھے، جن میں سلام صرف آخر میں پھیرا جاتا تھا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۷۲)

الجواب: اس کی سند میں عبد الرحمٰن بن ابی الزناد راوی ہے، امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ محدثین کرام اس کی مرویات سے احتجاج نہیں کرتے، یہ ہیچ محض ہے ایک روایت میں ضعیف قرار دیا ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ مضطرب الحدیث ہے۔ امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ اس نے جو روایات مدینہ میں بیان کی ہیں وہ مقارب ہیں اور جو عراق میں حکایت کی ہے وہ مضطرب ہیں، اور ہمارے اصحاب کے نزدیک ضعیف ہے، امام مالک نے اس پر کلام کیا ہے بوجہ فقہاء مدینہ (سبعہ) سے جو کتاب روایت کرتا ہے، امام یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کہ (فی نفسہ) ثقہ و صدوق ہے مگر اس کی مرویات میں ضعف ہے، امام عبد الرحمٰن مہدی اور امام دارقطنی نے اس کی مرویات پر خط نسخ کھینچ دیا تھا۔ امام دارقطنی اور ساجی فرماتے ہیں اس میں ضعف ہے امام نسائی کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج نہ کیا جائے. امام ابن سعد نے اسے اپنے والد کی مرویات میں ضعف قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ صدوق ہے جب بغداد آیا تو اس کے حافظے میں خرابی آ گئی۔

(تہذیب التہذیب ص۱۵۶ ج۶، تقریب التہذیب ص۲۰۲)۔

الغرض یہ روایت بوجہ ابن ابی الزناد ضعیف و ناقابل حجت ہے، علاوہ ازیں ہم بھی تین وتر ایک قعدہ وسلام سے پڑھنے کے قائل ہیں، لہٰذا یہ ہمارے مخالف نہیں، اور انوار صاحب کے موافق نہیں کیونکہ اس میں درمیانی قعدہ کا ذکر نہیں۔

مدینہ طیبہ کے سات فقہاء کا قول: طحاوی ص۲۰۴ ج۱ میں ہے کہ مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ تین رکعات وتر کے قائل ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۷۳)

الجواب: اولاً: یہ روایت بھی ناقابل حجت ہے، اس کی سند میں بھی عبد الرحمٰن بن ابی الزناد ہے اور پہلی روایت میں اس کا ضعف بیان کر دیا گیا ہے۔

ثانیاً: عبد الرحمٰن کا شاگرد خالد بن نزار ایلی راوی ہے اور یہ بھی مجروح ہے ابن حبان فرماتے ہیں کہ صدوق ہے مگر غریب روایتیں نقل کرتا ہے اور خطائیں کرتا ہے (تہذیب ص۱۲۳ ج۳)۔

یہی بات حافظ ابن حجر نے کہی ہے (تقریب ص۹۱) اور ایسے راویوں کی روایات متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوا کرتیں۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے امام قاسم کا قول: بخاری ص۱۳۵ ج۱ میں ہے کہ حضرت قاسم فرماتے ہیں کہ ہم نے بزرگوں کو دیکھا کہ جب سے ہوش سنبھالا کہ وہ وتر تین رکعات پڑھتے ہیں، بلاشبہ ہر ایک کی گنجائش ہے اور مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

(حدیث اور اہل حدیث ۵۷۴)

الجواب: اولاً "یوترون بثلث" سے کیا مراد ہے احناف کا دعوی ہے کہ تین رکعت اکھٹے پڑھے، اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو "والا واسع" کا معنی یہ بنے گا کہ دو رکعتوں پر سلام پھیر کر مفصول اور اکھٹے (موصول) دونوں میں وسعت ہے لہذا یہ اثر ہمارے مخالف نہیں۔

ثانیاً: اناسا، سے تمام لوگ مراد نہیں بلکہ بعض مراد ہیں کیونکہ ایک وتر پڑھنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام سے ثابت ہے، امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (جو جلیل القدر تابعی ہیں) فرماتے ہیں، ,کانوا یوترون بخمس وبثلاث وبركعة ويرون كل ذلك حسنا،،

صحابہ کرام اور تابعین عظام پانچ رکعت وتر تین رکعت وتر اور ایک رکعت وتر پڑھا کرتے تھے اور ان تمام صورتوں سے پڑھنے کو اچھا سمجھتے تھے۔

(سنن ترمذی کتاب الوتر باب ماجاء فی الوتر بثلاث، الحدیث ۴۶۰)

یہ اثر سنداً صحیح ہے جیسا کہ علامہ البانی نے (صحیح سنن ترمذی ۳۸۱-۳۶۴ میں صراحت کی ہے، اور تابعی جب، کانوا یفعلون، یا ،کانوا یقولون، کہے تو اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت مراد ہوتی ہے، جیسا کہ علامہ عثمانی نے اعلاء السنن کے مقدمہ۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص۱۲۸) میں صراحت کی ہے۔

ثالثاً: ہم نے تین رکعت وتر سے کب انکار کیا ہے کہ آپ اس سے استدلال کر کے ہمیں مطعون کر رہے ہیں بلکہ تین وتر حنفی طریقے سے پڑھنے کی کیفیت سے انکار ہے۔ گویا تین کے عدد سے اختلاف نہیں تین کی کیفیت سے انکار ہے، مگر اس اثر میں کیفیت مذکور نہیں۔

رابعاً: اگلی دلیل جو آپ کی سب سے آخری ہے آپ نے تین رکعت وتر پر اجماع کا جھوٹا دعوی کیا ہے مگر اس اثر سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

خامساً: حدیث و آثار سے یہ آپ کی آخری دلیل ہے، انوار صاحب اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اپنے دل کی گہرائی میں اتر کر جواب دیں کہ حنفیہ کے نزدیک ایک اور تین سے زیادہ وتر پڑھنے باطل ہیں، اس مؤقف پر آپ نے ایک دلیل بھی دی ہے، قطعاً نہیں دی، ہاں آخر میں ایک ایسی دلیل ضرور

درج کردی ہے جس سے آپ کے مذہب کا بطلان لازم آتا ہے۔

اجماع کا جھوٹا دعویٰ: مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۴ ج ۲ میں ہے کہ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعات ہیں جن میں صرف آخری رکعت میں ہی سلام پھیرا جائے گا، (حدیث اور اہل حدیث ص۵۷۴)

الجواب: اس کی سند میں عمرو بن عبید بن باب بصری راوی ہے جو سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر رہا ہے اور یہ معروف کذاب ہے، امام دارقطنی، امام ابو حاتم نے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ امام نسائی کہتے ہیں غیر ثقہ ہے اس کی روایات لکھی ہی نہ جائیں، امام احمد فرماتے ہیں کہ اس قابل ہی نہیں کہ اس سے روایت لی جائے، امام ابن معین کہتے ہیں ہیچ محض ہے، امام یونس بن عبید فرماتے ہیں کہ حسن بصری پر افترا کرتا ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتا تھا احادیث میں جھوٹ بولتا تھا، امام فلاس کہتے ہیں کہ متروک الحدیث ہے۔

(تہذیب ص۷۰-۷۱ ج ۸، میزان ص۲۷۴ ج ۳)۔ الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے۔

خلاصہ کلام: یہ کہ انوار صاحب کوئی ایسی صحیح صریح حدیث پیش نہیں کر سکے جس میں ایک اور تین سے زیادہ وتروں کی نفی ہو اور تین کا اثبات ہو اور درمیان میں قعدہ کرنے کا حکم و ارشاد یا بیان ہو، ہاں ادھر ادھر سے غیر متعلقہ احادیث کو نقل کر دیا ہے جن کی تعداد پچیس ۲۵ ہے۔ ان میں سے دس روایات ، ۴، ۵، ۱۳، ۱۶، ۱۸، ۱۹، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ضعیف ہیں۔ بلکہ بعض منکر و باطل اور من گھڑت ہیں۔ بقایا پندرہ روایات میں سے چار میں انوار صاحب نے بددیانتی کی ہے۔ دیکھئے نمبر ۱۴، ۱۵، ۲۱، ۲۳، ان میں نمبر ۲۳ ضعیف بھی ہے۔ گویا باقی روایات ۱۲ رہ جاتیں ہیں۔ ان میں سے دو احادیث نمبر ۱، ۲ میں بلاشبہ تین رکعات وتر کا ثبوت ہے مگر دو رکعت پر سلام پھیر کر تیسری الگ پڑھنے کا بیان ہے، باقی رہ جاتیں ہیں دس، ان دس میں سے نمبر ۳ ان کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں اور نمبر ۱۶ میں احناف نے بددیانتی کی ہے اور نمبر ۱۷ ایک رکعت وتر کی دلیل ہے نمبر ۱۸ میں تشہد کا نہیں دو رکعت پر سلام پھیرنا مراد ہے، نمبر ۲۰ تشہد کے متعلق ہے وتر کے بارے نہیں بقایا رہ جاتیں ہیں۔ سات (کیونکہ نمبر ۱۶ میں اگر تحریف کی ہے تو یہ ضعیف بھی ہے اور نمبر ۱۸ میں گو تشہد کا ذکر ہے مگر ضعیف بھی ہے اور ان کو ضعفاء میں شمار کر لیا تھا)، اور ان سات ۶ تا ۱۲ میں رکعات وتر کا بیان نہیں بلکہ قرأت وتر کا ذکر ہے اور اس کے بعض طرق میں دو رکعتوں پر سلام پھیرنا آیا ہے۔ اب مکرر جدول کی صورت میں ملاحظہ کیجئے۔

دس ضعیف ہیں۔ ۴، ۵، ۱۳، ۱۶، ۱۸، ۱۹، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵۔

دس روایات میں دو رکعت پر سلام پھیرنا ثابت ہے ۱، ۲، ۶ تا ۱۲ اور ۱۸۔

چار میں بددیانتی کی ہے۔ ۱۴، ۱۵، ۲۱، ۲۳۔

ایک روایت حنفیوں کی تحریف کردہ ہے نمبر ۱۶۔

آخر میں انوار صاحب نے آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اقوال تابعین عظام بھی نقل کیئے ہیں۔ ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے تین آثار نقل کیئے ہیں۔ دو ضعیف ہیں، اور ایک میں صرف تین رکعات کی جماعت کرانا آیا ہے، جو ایک کی نفی کو مستلزم نہیں مزید یہ کہ اس میں غیر رمضان میں وتر کی جماعت ثابت ہوتی ہے جو حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے دو آثار نقل کیے ہیں ایک ضعیف ہے تو دوسرا تین وتر پر صریح نہیں۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر میں بددیانتی کی ہے، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے نقل کردہ تمام آثار ضعیف و معلول ہیں۔ اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے تین آثار نقل کئے ہیں پہلا اثر ضعیف ہے بقایا میں تین کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔

تابعین عظام سے نقل کردہ آثار میں سے، سعید بن جبیر، علقمہ، عمر بن عبد العزیز، فقہاء سبعہ کے اقوال ضعیف ہیں۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پوتے امام قاسم رحمہ اللہ علیہ کے قول سے ایک وتر پڑھنے کا جواز ثابت ہے۔ امام مکحول کے قول سے ایک وتر کی نفی نہیں ہوتی۔

قارئین کرام: بحث آپ کے سامنے ہیں، انوار صاحب کوئی ایسی حدیث پیش نہیں کر سکے جس میں ایک رکعت وتر کی نفی ہو اور تین وتر کا اثبات ہو اور اس کے ساتھ دو تشہد بھی مروی ہوں، اس عاجزی لاچاری اور بے بسی کے باوجود پوری ڈھٹائی سے اہل حدیث کو مطعون کرتا ہے۔ ص ۵۷۴ سے لے کر ۵۷۹ تک لعن وطعن کرتے ہوئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا وتروں کے درمیان قعدہ کرنے کے سلسلہ میں جو روایت نقل کی ہے وہ من گھڑت باطل اور سخت ضعیف ہے مگر اس کے باوجود ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ام عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث سے تو وتر کی دوسری رکعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قعدہ فرمانا صراحت کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے لیکن غیر مقلدین کی تحقیق یہ ہے کہ تین رکعات وتر دو تشہد اور ایک سلام کے ساتھ پڑھنا منع آیا ہے ص ۵۷۸۔

محترم جو آپ نے روایت نقل کی ہے وہ سخت ضعیف ہے اس کے دو راوی مجروح ہیں ان پر جھوٹ بولنا اور حدیث نبوی میں بددیانتی کرنا، جیسے سنگین الزمات ہیں جب کہ تشہد نہ کرنے کی احادیث صحیح و حسن ہیں۔ صحیح کے بالمقابل ضعیف بالاتفاق قابل قبول نہیں ہوتی۔

(۵۱) باب قنوت وتر کا مقام

فصل اول

(۱) عن عائشة رضی اللہ عنہا عن الحسن ابن علی رضی اللہ عنہما قال علمنی رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وتری اذا رفعت راسی ولم یبق الا السجود اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارك لی فیما اعطیت وقنی شر ما قضیت انك تقضی ولا یقضی علیك انہ لایذل من والیت ولا یعز من عادیت تبارکت ربنا وتعالیت۔

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت وتر سکھائی کہ میں اسے رکوع کے بعد پڑھوں جب صرف سجدہ باقی رہ جائے (وہ دعاء یہ ہے کہ)۔ اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارك لی فیما اعطیت وقنی شر ما قضیت انك تقضی ولا یقضی علیك انہ لایذل من والیت ولا یعز من عادیت تبارکت ربنا وتعالیت۔

(بیہقی ص۳۹ ج۳، مستدرك حاکم ص ۱۷۲ ج۳)۔

(۲) عن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقنت بعد الرکعة وابو بکر و عمر حتی کان عثمان قنت قبل الرکعة لیدرك الناس۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ قنوت رکوع کے بعد پڑھا کرتے پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے رکوع سے پہلے پڑھنی شروع کردی تاکہ لوگ رکعت کو پالیں۔

(قیام اللیل ص۲۲۸ قال العراقی اسناد جید بحوالہ مرعاة ص۲۸٦ ج٤)۔

(۳) عن عروة بن الزبیر ان عبد الرحمن بن عبد القاری وکان فی عھد عمر بن الخطاب مع عبد اللہ بن الارقم علی بیت المال، ان عمر خرج لیلة فی رمضان فخرج معه عبد الرحمن بن عبدالقاری فطاف بالمسجد واھل المسجد او زاع متفرقون، یصلی الرجل لنفسه، ویصلی الرجل فیصلی بصلاته الرھط، فقال عمر، واللہ انی اظن لوجمعنا ھؤلاء علی قاریء واحد لکان أمثل، ثم عزم عمر علی ذلك، وامر ابی بن کعب ان یقوم لھم فی رمضان فخرج عمر علیھم والناس یصلون بصلاة قارئھم، فقال عمر، نعم البدعة ھی، والتی تنامون عنھا افضل من التی تقومون، یرید آخر اللیل، فکان الناس یقومون اوله، وکانوا

يلعنون الكفرة في النصف، اللهم قاتل الكفرة الذين يصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك ولا يؤمنون بو عدك و خالف بين كلمتهم والق في قلوبهم الرعب والق عليهم رجزك وعذابك اله الحق، ثم يصلى على النبیﷺ ويدعو للمسليمن بما استطاع من خير ثم يستغفر للمؤمنين، قال وكان يقول اذا فرغ من لعنة الكفرة وصلاته, على النبى واستغفاره للمؤمنين والمؤمنات ومسالته، اللهم اياك نعبد ولك نصلى ونسجد واليك نسعى ونحفد، ونرجو رحمتك ربنا، ونخاف عذابك الجد، ان عذابك لمن عاديت ملحق، ثم يكبر ويهوى ساجداً۔

یعنی عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ عبد الرحمٰن بن عبد القاری سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عبد اللہ بن ارقم کے ساتھ بیت المال پر مقرر (افسر) تھا۔ رمضان کی ایک رات سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن کے ساتھ باہر نکلے اور مسجد نبوی میں چکر لگایا تو مسجد میں لوگ متفرق جماعتوں میں (نماز پڑھ رہے تھے) کوئی شخص منفرد تھا اور کوئی شخص گروہ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ میرا گمان ہے اگر انہیں ایک قاری پر جمع کردوں تو بہتر ہوگا، پھر آپ نے اس کا ارادہ کیا اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں نماز پڑھائیں، پھر آپ ایک دن باہر تشریف لائے لوگ نماز پڑھ رہے تھے، تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ نئی بات اچھی ہے اور اول رات کے قیام سے پچھلی رات کا قیام بہتر ہے (اور وتر میں قنوت) نصف رمضان کے بعد کرتے اور کہتے ہیں کہ

اللهم قاتل الكفرة الذين يصدون عن سبيلك ويكذبون رسلك ولا يومنون بوعدك، وخالف بين كلمتهم. وائق في قلوبهم الرعب، والق عليهم رجزك وعذابك اله الحق،

پھر نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتے حسب توفیق مسلمانوں کے لئے استغفار اور دعائے خیر کرتے، جب کفار پر لعنت اور علیہ السلام پر درود اور مومنوں کے لئے استغفار و دعاء سے فارغ ہوتے تو کہتے۔

اللهم اياك نعبد ولك نصلى ونسجد واليك نسعى ونحفد، ونرجو رحمتك ربنا، ونخاف عذابك الجد، ان عذابك لمن عاديت ملحق۔

پھر تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے۔

(صحيح ابن خزيمه ص١٥٦ ج٢ رقم الحديث ١١٠٠)۔

قارئین کرام یہ تین مرفوع احادیث ہیں جن سے وتروں کی قنوت رکوع کے بعد پڑھنا ثابت ہے، خلفاء الراشدین سے بھی بعد از رکوع قنوت کا پڑھنا ثابت ہے، اور قنوت نازلہ کا تو بالاتفاق رکوع کے بعد پڑھنا ثابت ہے۔ خوف طوالت کی وجہ سے ہم نے انہیں ترک کردیا ہے۔ انوار صاحب نے یہ شکوہ کیا تھا کہ اہل حدیث کا استدلال صرف قنوت نازلہ کی احادیث ہیں اور

انہیں پر ہی قنوت وتر کو قیاس کرتے ہیں۔ ہم نے یہ تین احادیث پیش کر کے انوار صاحب کا دعویٰ باطل ثابت کر دیا ہے، لہٰذا رکوع کے بعد بھی قنوت وتر جائز ہے اور رکوع سے پہلے پڑھنا بھی ثابت ہے (جیسا کہ آگے فصل دوم میں آرہا ہے)۔ قنوت وتر میں تکبیر کہنا اور معروف طریقہ سے رفع الیدین کرنا نبی علیہ السلام سے ثابت نہیں اور جن آثار سے ہاتھ اٹھانا ثابت ہے اس سے مراد رفع الیدین نہیں بلکہ دعا کی طرح ہاتھ اٹھانے مطلوب ہیں، الغرض تکبیر اور رفع الیدین قنوت وتر میں غیر ثابت شدہ عمل ہے ہاں البتہ قنوت وتر کو رکوع سے پہلے اور بعد دونوں جگہوں پر مانگا جا سکتا ہے، یہی حق وصواب اور مرفوع احادیث کے موافق عمل ہے۔ رکوع کے بعد کی احادیث کو راقم نے درج کر دیا ہے اور قبل از رکوع کی حدیث کو انوار صاحب نے ۱۵، ۱۶ میں بحوالہ نسائی اور ابن ماجہ درج کیا ہے، اس کے علاوہ انواری دلائل درحقیقت غیر متعلقہ اور خلط مبحث ہیں، قنوت وتر کے وجوب پر بھی دلیل قرآن وسنت سے ثابت نہیں۔ بلکہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قنوت وتر کا محض رمضان کے نصف آخر میں ثابت ہے جیسا کہ آخری حدیث کا مفاد ہے۔

فصل دوم

(۱) عن عبدالرحمن بن ابی لیلی انه سئل عن القنوت فقال حدثنا البراء بن عازب قال سنة ماضية،

(اخرجه السراج بحواله آثار السنن ص۲۰۷)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے قنوت وتر کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا کہ ہمیں براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی ہے فرمایا کہ یہ جاری وساری سنت ہے۔

(یعنی ایسا طریقہ ہے جو دین میں رواج پذیر ہے۔) (حدیث اور اہل حدیث ص۵۷۹)

الجواب: پہلے تو انوار صاحب نے ترجمہ میں بددیانتی کی ہے حدثنا بمعنی بیان کرنا آتا ہے۔ خواہ وہ حدیث ہو یا کوئی اور بات اور، حدثنا البراء کا مفہوم یہ ہے کہ ہم سے سیدنا براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔

ثانیاً: آپ کے نزدیک قنوت واجب ہے، مگر آپ وجوب کی دلیل دینے کی بجائے سنت ثابت کر رہے ہیں، پھر اس لفظ سنت کو بھی اصطلاحی معنی سے الگ کر کے بمعنی دینی رواج لے رہے ہیں۔ جو قطعاً غلط ہے، اگر اسے درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دینی رواج سے کس نے انکار کیا ہے۔ انکار اس کے وجوب سے ہے۔ اس کی دلیل دیجئے رہا رواج سے آپ کا استدلال تو محترم غور کیجئے کیا دیوبندیت میں تبلیغی چلہ لگانے کا رواج نہیں؟ دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے کا پوری امت مرحومہ میں رواج ہے۔ مگر حنفی اسے سنت بھی تسلیم نہیں کرتے۔ وضو سے پہلے مسواک کرنے کا رواج

ہے۔ صبح و شام کے اذکار اور تمام مسنون دعائیں، وغیرہ کا امت مرحومہ میں رواج ہے تو کیا یہ تمام کام آپ کے نزدیک واجب ہیں، جواب یقیناً نفی میں ہے۔ انوار صاحب اسی لفظ رواج کو لے کر قنوت کو واجب ثابت کرتے ہوئے اہل حدیث کو مطعون کر رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ رجعون۔

ثالثاً: اس کی سند میں علاء بن صالح تیمی راوی ہے (مسند السراج ص ۴۰۸ رقم الحدیث ۱۳۴۳)۔

امام ابن مدینی فرماتے ہیں کہ یہ مناکیر روایت کرتا ہے۔ (تہذیب ص ۱۸۲ ج ۸)۔

جب کہ اس کے برعکس علاء بن صالح کے استاذ، زبید سے یہی روایت امام سفیان شعبہ اور شریک بھی روایت کرتے ہیں مگر یہ تمام اسے ابن ابی لیلیٰ کا قول روایت کرتے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۱۲ ج ۲، تہذیب الآثار ص ۲۹ ج ۲)۔

الغرض یہاں پر ابن ابی لیلیٰ کی بجائے سیدنا براء بن عازب کا قول بیان کرنے میں علاء بن صالح، سے غلطی ہوئی ہے۔

رابعاً: مذکورہ روایت میں یہ صراحت نہیں کہ کون سی قنوت کے متعلق سوال ہوا۔ قنوت نازلہ یا قنوت وتر؟ ہاں دوسری روایت میں صراحت ہے کہ صبح کی نماز میں قنوت کے متعلق سوال ہوا۔

عن زبید بن الحارث النامی قال سالت ابن ابی لیلیٰ عن القنوت فی الفجر فقال سنة ماضیة۔

یعنی زبید فرماتے ہیں کہ میں نے امام عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے نماز فجر میں قنوت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: کہ یہ جاری و ساری سنت ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۱۲ ج ۲)۔

اس مفصل روایت سے ثابت ہوا کہ مذکورہ روایت میں قنوت سے مراد قنوت نازلہ ہے لہٰذا اگر انوار صاحب **سنة ماضیة** سے وجوب ثابت کرتے ہیں تو قنوت نازلہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے نا کہ قنوت وتر کا۔

(۲) عن انس ان رسول اللہ ﷺ قنت حتی مات وابو بکر قنت حتی مات وعمر حتی مات۔

(مجمع الزوائد ص ۱۳۹ ج)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک (دعاء) قنوت پڑھتے رہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وفات تک قنوت پڑھتے رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ وفات تک قنوت پڑھتے رہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۸۰)

الجواب: اولاً یہ روایت ضعیف ہے، سند میں ابو جعفر رازی اور ربیع بن انس دو راوی ہیں (کشف الاستار ص ۲۶۹، ج ۱) جو ضعیف و متروک ہیں، تفصیل تراویح کے باب میں انوار صاحب کی تیسری دلیل

کے جواب میں آرہی ہے۔

ثانیاً: کون سی قنوت وفات تک نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفاء مانگتے رہے قنوت وتر یا قنوت نازلہ؟ اس روایت میں اس کی صراحت نہیں۔ اور انوار صاحب کا لفظ قنت، سے قنوت وتر مراد لینا دعویٰ بلا دلیل ہے، محترم سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی اسی روایت میں صراحت ہے کہ قنوت نازلہ وفات تک مانگتے رہے۔ ربیع بن انس فرماتے ہیں۔

عن انس بن مالك مازال رسول الله ﷺ يقنت فى الفجر حتى فارق الدنيا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر میں قنوت پڑھتے رہے حتی کہ اس دنیا سے تشریف لے گے۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۱۰ ج۳ رقم الحديث ۴۹۶۴، و بیهقی ص۲۰۱ ج۲ و مسند احمد ص۱۶۲ ج۳، و دارقطنی ص۳۹ ج۲، و طحاوی ص۱۶۸ ج۱)۔

علامہ ہیثمی نے (مجمع الزوائد ص۱۳۹) میں اس روایت کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے ہم معنی بزار نے بھی اور اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ علامہ ہیثمی نے آگے ہم معنی (بنحوہ) کے الفاظ کی وضاحت کے لئے مسند بزار کا متن درج کیا ہے۔ جو انوار صاحب نے نقل کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ علامہ ہیثمی کے نزدیک یہ دونوں روایات ہم معنی ہیں، جس سے ہمارے مؤقف کی تائید ہوتی ہے کہ انوار صاحب کی پیش کردہ راویت کا تعلق قنوت وتر سے نہیں بلکہ قنوت نازلہ سے ہے۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ مازال الخ...... کے الفاظ کا یہ معنی نہیں کہ ہمیشہ قنوت نازلہ مانگتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ضرورت کے وقت مانگا کرتے تھے، اور یہ حکم منسوخ نہیں، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابن حبان میں اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بغدادی نے کتاب القنوت میں مرفوعاً نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قنوت نہ مانگتے، مگر جب کسی قوم کے لئے دعا کرنا یا کسی قوم پر دعا کرنا مقصود ہوتا تو تب قنوت پڑھتے تھے۔

(بحوالہ نصب الرایہ ص۱۳۰ ج۲)۔

خلاصہ کلام یہ کہ انوار صاحب کی پیش کردہ روایت کا تعلق قنوت نازلہ سے ہے اور اگر اس سے ہمیشہ قنوت مانگنا ثابت ہوتا ہے تو وہ قنوت نازلہ ہے۔ لہٰذا انوار صاحب کا اس سے قنوت وتر ثابت کرنا بددیانتی ہے۔

(۳) عن ابرهيم ان ابن مسعود كان يقنت السنة كلما فى الوتر قبل الركوع۔

(كتاب الاثار للامام ابى حنيفة بروايت الامام محمد ص۴۲)

حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وتر میں سارا سال قنوت

پڑھتے تھے رکوع میں جانے سے پہلے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۸۰)

الجواب: اولاً کسی چیز کا ہمیشہ کرنا، اس کے وجوب کی دلیل نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو کجا عامۃ المسلمین بھی پورا سال پانچ نمازوں کے ساتھ بارہ رکعات سنتیں ادا کرتے ہیں، بعض خوش قسمت ہمیشہ تہجد پڑھتے ہیں، مگر یہ تمام چیزیں فرض واجب نہیں۔

ثانیاً: یہ روایت مرسل ہے کیونکہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابراہیم نخعی کی ملاقات ثابت نہیں، علاوہ ازیں سند میں امام ابوحنیفہؒ ہیں جن پر سیئ الحفظ جیسی سنگین جرح موجود ہے، تفصیل فاتحہ کی بحث میں گزر چکی ہے۔

ثالثاً: اختلافات صحابہ میں صحابی کا قول حجت نہیں ہوتا (راجع مقدمہ) اور زیر بحث مسئلہ میں بعض اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قنوت نہ پڑھنا ثابت ہے۔

(۴) عن ابراھیم قال عبد اللہ لا یقنت السنۃ کلھا فی الفجر فی الوتر کل لیلۃ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۰۲ ج۲)۔

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تمام سال فجر کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے بلکہ ہر رات وتر میں قنوت پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۸۰)

الجواب: اولاً: مصنف کے مذکورہ صفحہ وجلد سے ہمیں یہ اثر دستیاب نہیں ہوا۔ بلکہ آگے پیچھے سے بھی دیکھ لیا گیا ہے۔ مگر نہیں ملا، ممکن ہے مصنف کے کسی نسخہ میں یہ روایت ہو، ہمیں یہ روایت بحوالہ ابن ابی شیبہ (الجوہر النقی ص۴۰ ج۳) اور (ارواء الغلیل ص۱۶۲ ج۲) سے ملی ہے مگر سند میں اشعث بن سوار راوی ضعیف ہے۔ (تقریب ص۳۷)

علامہ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

ثانیاً: لایقنت السنۃ کلھا فی الفجر، کا مفاد یہ ہے کہ نماز فجر میں ہمیشہ تو نہیں البتہ کبھی کبھار مانگ لیا کرتے تھے۔ اور یہ چیز انوار صاحب کے تقلیدی مذہب کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک نماز فجر میں قنوت نازلہ مانگی مصیبت کے ساتھ خاص ہے، مگر یہاں بلاسبب کا ذکر ہے۔

ثالثاً: یہ روایت مرسل ہے کیونکہ ابراہیم نخعی کی سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔

(میزان الاعتدال ترجمہ ابراہیم)۔

(۵) عن ابراھیم ان القنوت فی الوتر واجب فی رمضان وغیرہ قبل الرکوع واذا اردت ان تقنت فکبر واذا اردت ان ترکع فکبر ایضا۔

(کتاب الآثار للامام ابی حنیفۃ بروایت الامام محمد ص۴۲)۔

حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ (دعاء) قنوت وتر میں واجب ہے رمضان میں بھی اور رمضان کے علاوہ دنوں میں بھی رکوع میں جانے سے پہلے جب تیرا ارادہ قنوت پڑھنے کا ہو تو تکبیر کہہ اور جب رکوع میں جانے کا ارادہ ہو تو بھی تکبیر کہہ۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۵۸۱)

الجواب: اولاً یہ صغیر تابعی کا قول ہے جو دین میں حجت نہیں متعدد مسائل میں حنفیہ نے امام ابراہیم نخعی کی مخالفت کی ہے تفصیل کے لئے 'اللمحات' کا مطالعہ کریں۔

ثانیا: سند میں امام ابوحنیفہؒ ہیں جو سئی الحفظ ہیں لہٰذا یہ روایت ہی ضعیف ہے۔

(۶) عن جعفر حدثنی ابو عثمان قال کنا نحن وعمر یؤم الناس ثم یقنت بنا عند الرکوع یرفع یدیه حتی یبدو کفاه ویخرج ضبعیه۔

(جزء رفع الیدین للامام البخاری ص۱۸)۔

حضرت جعفر بن میمون رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوعثمان نے حدیث نقل کی، فرمایا: کہ ہم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کی امامت کرتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیں قنوت پڑھاتے تھے، آپ (قنوت کے لئے) رفع الیدین کرتے، اپنی ہتھیلیوں کو کھولتے اور بازو نکالتے۔

(۷) عن ابی عثمان قال کان عمر یرفع یدیه فی القنوت۔

(جزء رفع الیدین ص۱۸)۔

حضرت ابوعثمان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قنوت کے لئے رفع الیدین کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۸۱)

الجواب: اولا جسے عن جعفر حدثنی ابو عثمان، کا معنی نہیں آتا وہ اہل حدیث کا رد کرنے بیٹھا ہے، محترم کسی قابل استاد سے حدیث کی ابتدائی کتاب ہی پڑھ لیں وہ آپ کو اس کا معنی سمجھا دے گا۔ انوار صاحب اس کا معنی ہے کہ ہم (جعفر) سے ابوعثمان نے حدیث بیان کی ہے۔ مگر آپ اس کا جو معنی کررہے ہیں اس کی رو سے جعفر استاد بن جاتا ہے۔ اور ابوعثمان شاگرد، حالانکہ سند میں جعفر شاگرد ہے اور ابوعثمان استاد ہے کسی اہل حدیث کے مدرسہ میں داخلہ لے کر کم از کم سنن نسائی (جو صحاح میں سب سے آسان ہے) ہی پڑھ لیں اس کے علاوہ بھی ترجمہ میں اغلاط ہیں جن سے ہم چشم پوشی کرتے ہیں۔

ثانیا: سابقہ روایت نمبر ۶ کے ترجمہ میں جناب نے قنوت کو بریکٹ میں دعا قرار دیا ہے، اور دعا میں ہاتھ کیسے اٹھائے جاتے ہیں۔ شرعی طریقہ کو ہر بچہ جانتا ہے، مگر انوار صاحب بوڑھے ہوگئے ہیں مگر انہیں دعا میں ہاتھ اٹھانے کا طریقہ معلوم نہیں اس لئے ،یرفع یدیہ، کا معنی رفع یدین کرتے ہیں، پھر اس سے مراد معروف رفع یدین لیتے ہیں، نا کہ ہاتھ اٹھانا محترم دعا میں ہاتھ کیسے اٹھائے جاتے ہیں، کسی

ناخواندہ سے ہی پوچھ لیا ہوتا۔ افسوس آپ کا دعویٰ تو علماء سے تربیت پانے کا ہے، مگر آپ دینی مسائل میں نہایت سطحی معلومات رکھتے ہیں، آپ کی مساجد میں عموماً نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جاتی ہے۔ اس پر غور کرلیں کیسے ہاتھ اٹھاتے ہیں پھر کسی جاننے والے سے پوچھ لینا کہ عربی زبان میں ان اٹھائے ہوئے ہاتھوں کو کیا کہتے ہیں۔

ثالثاً: یہ دونوں روایات ضعیف ہیں، سند میں جعفر بن میمون زاوی ضعیف ہے۔

(۸) عن عبد الله انه كان يقرأ فى آخر ركعة من الوتر قل هوالله احد، ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة۔

(جزء رفع اليدين ص۱۸، مصنف ابن ابی شیبه ص۳۰۷ ج۱).

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ وتر کی آخری رکعت میں، قل هو الله احد، پڑھتے پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے اور رکوع میں جانے سے پہلے دعا قنوت پڑھتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۸۱)

الجواب: محترم اس اثر کے ترجمہ میں بھی آپ نے تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھا کر اپنا الو سیدھا کیا ہے۔ حضرت جی متن میں الفاظ ہیں۔ یرفع یدیہ، اس کا معنی ہے ہاتھوں کو اٹھاتے، مگر آپ نے اس کا معنی کیا ہے۔ دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے، وضاحت کیجئے کہ کانوں تک، کسی لفظ کا معنی ہے۔ یہ آپ کی بددیانتی ہے اور معنوی تحریف ہے، باقی رہا ہاتھوں کو کیسے اٹھاتے ہیں۔ تو جناب نے ہی ترجمہ میں قنوت کو دعا قرار دیا ہے۔ اور دعا میں کیسے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں یہ ساری دنیا جانتی ہے، مگر انوار صاحب اس حقیقت کے برعکس اس سے معروف رفع یدین مراد لیتے ہیں، پھر بددیانتی کرتے ہوئے اپنی طرف سے ,,کانوں تک،، کا اضافہ کرتے ہیں۔ انا لله وانا اليه راجعون۔ حالانکہ (تاریخ یحییٰ بن معین،، ۴۱۰۲ روایۃ الدوری) میں اس روایت میں صراحت ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اپنے ہاتھ سینے تک اٹھاتے تھے، یہ بات ملحوظ رہے کہ سند میں راوی لیث بن ابی سلیم ہے جو مختلط ہے تفصیل روایت نمبر۱۲ میں آرہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۹) عن ابراهيم النخعي قال ترفع الايدى فى سبع مواطن فى افتتاح الصلاة فى التكبير للقنوت فى الوتر وفى العيدين وعند استلام الحجر وعلى الصفا والمروة و بجمع وعرفات وعند المقامين عند الجمرتين۔

(طحاوی ص۴۵۵ ج۱).

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ سات مقامات پر ہاتھ اٹھائے جائیں نماز کے شروع میں۔ وتر میں قنوت کی تکبیر کے لیے، دونوں عیدوں کی نماز میں، حجر اسود کے استلام کے وقت، صفا و مروہ، مزدلفہ عرفات اور دونوں جمروں کے پاس رمی کے مقام کے وقت۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۸۲)

الجواب: اولاً یہ صغیر تابعی کا قول ہے جو دین میں قطعی طور پر حجت نہیں، تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے۔
ثانیاً: سند میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کا شاگرد قاضی ابو یوسف دو راوی مجروح ہیں۔ لہٰذا یہ قول سنداً ضعیف ہے۔

(۱۰) عن عبد اللہ الخ...... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ کو ایک دفعہ رات گزارنے کے لئے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے یہاں بھیجا تا کہ وہ دیکھیں کہ آپ وتر کیسے پڑھتے ہیں۔ (آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ) آپ نے نماز پڑھی جتنی اللہ کو منظور ہوئی حتی کہ جب رات کا اخیر ہوگیا اور آپ نے وتر پڑھنے کا ارادہ کیا تو پہلی رکعت میں۔ **سبح اسم ربك الاعلیٰ**، دوسری میں **قل یاایها الکافرون** پڑھیں، پھر قعدہ کیا پھر آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت اور تیسری رکعت میں سلام سے فصل نہیں کیا پھر **قل هوا الله احد**، پڑھی یہاں تک کہ جب آپ قرأت سے فارغ ہوئے تو تکبیر کہی اور دعا قنوت پڑھی، اور جو اللہ کو منظور ہوا دعائیں کیں، پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا۔

(الاستیعاب ص ۴۷۱ ج ۴) (حدیث اور اهل حدیث ص ۵۸۳)

الجواب: سابقہ باب کی فصل دوم میں انوار صاحب کی دلیل نمبر ۲۲ میں تفصیل گزر چکی ہے۔ یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

(۱۱) عن طارق بن شهاب قال صلیت خلف عمر صلوة الصبح فلما فرغ من القرآة فی الرکعة الثانیة کبر ثم قنت ثم کبر فرکع۔

(طحاوی ص ۱۷۱ ج ۱)۔

حضرت طارق بن شہاب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی، جب آپ دوسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہوئے تو آپ نے تکبیر کہی پھر دعاء قنوت پڑھی پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا۔ (حدیث اوراہل حدیث ص ۵۸۳)

الجواب: یہ روایت قنوت نازلہ کے متعلق ہے اور انوار صاحب قنوت نازلہ اور قنوت وتر میں فرق کے قائل ہیں۔ جیسا کہ آگے انہوں نے تفصیل سے لکھا ہے۔ ص ۵۹۳ پر فرماتے ہیں کہ، غیر مقلدین کا ایک جھوٹ اور صفحہ ۵۹۴ پر، صادق سیالکوٹی صاحب کا دھوکہ اور خیانت کا عنوان قائم کر کے علماء اہل حدیث کو برا بھلا کہا ہے، وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے قنوت نازلہ سے قنوت وتر کا محل تعین کیا ہے۔ اس تعاقب سے بھی پہلے اس گناہ کا خود بھی ارتکاب کرتے ہیں اور قنوت نازلہ کی روایت سے قنوت وتر کے لیے تکبیر ثابت کرتے ہیں۔ ہم یہاں پر انوار صاحب کے الفاظ نقل کر دینا ہی کافی خیال کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ۔ حکیم صاحب نے قنوت نازلہ والی احادیث کو قنوت وتر کے متعلق کر کے اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے دھوکے سے کام لیا ہے، **یحرفون الکلم عن مواضعه**، کا پورا پورا ثبوت دیا

ہے ص ۵۹۴۔ قارئین کرام اوپر حکیم کی جگہ پر انوار کا لفظ پڑھ لیں اس بدبخت کے لئے یہی کافی ہے۔

(۱۲)عن عبد الله كان يكبر حين يفرغ من القرأة ثم اذ فرغ من القنوت كبر وركع۔

(معجم طبرانی كبير ص ۲۳٤ ج ۹)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ (وتر کی نماز میں) قرأت سے فارغ ہوتے تو تکبیر کہتے پھر جب دعا قنوت پڑھ کر فارغ ہوتے تو تکبیر کہہ کر رکوع میں جاتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۸۴)

الجواب: اس کی سند میں، لیث بن ابی سلیم راوی ہے۔ جو بلاشبہ عابد و زاہد اور سنت سے محبت رکھتے تھے، مگر آخری عمر میں حافظہ خراب ہوگیا۔ متعدد اہل علم نے انہیں سیئی الحفظ، کثیر الغلط اور ضعیف قرار دیا ہے۔ بلکہ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے۔ (تہذیب التہذیب ص ۴۶۸ ج ۸)۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ صدوق ہے آخری عمر میں اختلاط ہوگیا تھا اور ان کی روایات میں تمیز نہیں ہو سکی۔ (تقریب ص ۴۸۷)۔

الغرض لیث بن ابی سلیم کے اختلاط کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

(۱۳) عن عاصم قال سالت انس بن مالك عن القنوت فقال قد كان القنوت، قلت قبل الركوع اوبعده،؟ قال قبله قال فان فلانا اخبرني عنك انك قلت بعد الركوع فقال كذب انما قنت رسول الله ﷺ بعد الركوع شهرا اراه كان بعث قوما يقال لهم القرأء زهاء سبعين رجلا الى قوم من المشركين دون، اولئك وكان بينهم وبين رسول الله ﷺ عهد فقنت رسول الله ﷺ شهرا يدعو عليهم۔

(بخاری ص ۱۳٦ ج ۱، مسلم ۲۳۷ ج ۱)۔

حضرت عاصم احول فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے قنوت (وتر) کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: قنوت تو تھی۔ میں نے عرض کیا رکوع سے پہلے یا بعد میں؟ آپ نے فرمایا: پہلے، حضرت عاصم کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے مجھے آپ کی جانب سے خبر دی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رکوع کے بعد ہے، آپ نے فرمایا اس نے غلط کہا ہے یقیناً رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے بعد ایک مہینے قنوت پڑھی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ستر کے قریب افراد کی ایک جماعت کو جنہیں قراء کہا جاتا تھا، مشرکین کی طرف بھیجا تھا۔ یہ مشرکین ان کے علاوہ تھے (جن کے لئے آپ نے بددعا کی تھی) ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان معاہدہ تھا، پس رسول اللہ ﷺ ایک مہینے تک (رکوع کے بعد) قنوت پڑھی آپ ان کے لیے بددعاء فرماتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۸۵)

الجواب: یہ حدیث رکوع سے پہلے اور بعد میں قنوت کرنے کی دلیل ہے۔ خاص رکوع سے پہلے

کے متعلق نہیں ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے بھی اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ انہوں نے اس حدیث کو، **باب القنوت قبل الرکوع و بعدہ**، کے تحت درج کیا ہے پھر یہ حدیث بھی خالص قنوت نازلہ کے متعلق ہے اس میں قنوت وتر کا قطعا ذکر نہیں (جیسا کہ انوار صاحب بریکٹ میں اس کی صراحت کرتے ہیں) اور انوار صاحب قنوت وتر اور نازلہ میں فرق کے قائل ہیں اور اس حدیث میں قنوت نازلہ کو رکوع سے پہلے پڑھنے اور بعد میں مانگنے کا ذکر ہے۔ علامہ نیموی نے آثار السنن ص ۲۰۷ میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ حدیث قنوت وتر کے متعلق ہے جس کا رد کرتے ہوئے علامہ کاشمیری فرماتے ہیں۔

ولیس فی لفظ الحدیث انها فی الوتر، یعنی حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں کہ یہ قنوت نماز وتر میں تھی۔ (فیض الباری ص ۳۷۷ ج ۲)۔

علمائے اہل حدیث اگر قنوت نازلہ کی احادیث سے قنوت وتر کی جگہ کا تعین کریں تو انوار صاحب کی رگ حمیت جاگ اٹھتی ہے اور بدتہذیبی کرتے ہوئے غیر مقلدین کا ایک جھوٹ سراسر جھوٹ دروغ گوئی، دور گوئیوں، دھوکہ اور خیانت وغیرہ الفاظ تحریر کرتے ہیں مگر خود بھی اس کا ارتکاب کرتے ہیں، آخر آپ کے ہاں دوھرا معیار کیوں ہے؟

(۱۴) قال عبد العزیز وسال رجلا انسا عن القنوت ابعد الرکوع او عند فراغ من القرأة قال لابل عند فراغ من القرأة۔

(بخاری ص ۵۸٦ ج ۲)۔

حضرت عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا کہ رکوع کے بعد پڑھی جائے یا قراءت سے فارغ ہو کر؟ آپ نے فرمایا قرأت سے فارغ ہو کر

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۷۵)

الجواب: اس کا جواب گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے قنوت نازلہ کے متعلق ہے۔ اور انوار صاحب وتر اور نازلہ میں فرق کے قائل ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ قنوت دونوں طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

عن انس بن مالك قال سئل عن القنوت فی صلاة الصبح، فقال کنا نقنت قبل الرکوع وبعده۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے صبح کی نماز میں قنوت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کہ ہم (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) رکوع سے پہلے اور بعد قنوت کرتے تھے۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوات باب ماجاء فی القنوت قبل الرکوع وبعده الحدیث ۱۱۸۳)۔

عن حمید قال سمعت انس بن مالك قد کان قبل وبعده یعنی فی القنوت قبل الرکو

وبعده۔

امام حمید فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ قنوت رکوع کے پہلے اور بعد تھی۔ (مسند السراج ص۲۱۴ رقم الحدیث ۱۳۴۹)۔

عن حمید قال سئل انس بن مالك قبل الركوع او بعده قال، كل ذلك كنا نفعل۔

امام حمید فرماتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کے متعلق سوال ہوا کہ رکوع سے پہلے ہے یا بعد میں؟ آپ نے فرمایا: کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام طریقوں (قبل الرکوع اور بعد الرکوع) سے قنوت مانگا کرتے تھے۔ (مسند السراج ص۲۱۴ رقم الحدیث ۱۳۵۰)۔

(۱۵) عن ابی بن كعب ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان يوتر بثلث كان يقرأ فى الاولىٰ بسبح اسم ربك الاعلىٰ وفى الثانية بقل يا ايها الكافرون وفى الثالثة بقل هو الله احد۔ ويقنت قبل الركوع۔ (نسائی ۱۹۱ ج ۱)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر تین رکعات پڑھتے پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلىٰ، دوسری میں، قل يا ايها الكفرون، تیسری میں قل هو الله احد، پڑھتے تھے۔ اور دعائے قنوت رکوع میں جانے سے پہلے پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۸۵)

الجواب: گو اس روایت کو بعض اکابر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، مگر یہ حدیث صحیح ہے اور قنوت وتر کو رکوع سے پہلے مانگنے پر صریح بھی ہے لیکن بعض احادیث و آثار میں قنوت وتر کا رکوع کے بعد پڑھنا بھی ثابت ہے۔ اور قنوت نازلہ کا بھی رکوع کے بعد پڑھنا ثابت ہے۔ لہٰذا ان احادیث میں موافقت کے لیے یہی راستہ ہے کہ دونوں طریقے مشروع ہیں۔ اور تعامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی دونوں طرح تھا جیسا کہ گزشتہ حدیث کے تحت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا قول ہم نقل کر چکے ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث ہمارے مخالف نہیں ہے۔

(۱۶) آگے چل کر انوار صاحب نے یہی حدیث مکرر ابن ماجہ ص۸۴ سے نقل کی ہے، حالانکہ سنن نسائی اور ابن ماجہ کی ایک ہی سند ہے اور یہ **علی بن میمون الرقی ثنا مخلد بن یزید عن سفیان** کے طریق سے مروی ہے، امام مزی نے (تحفۃ الاشراف ص۲۸ ج۱ رقم الحدیث ۵۴) میں اسے ذکر کیا ہے اور ایک ہی روایت قرار دیا ہے، غالباً انوار صاحب تفصیل اور اجمال کی وجہ سے انہیں دو احادیث باور کرا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک ہی ہے۔

(۱۷) عن ابن عباس قال اوتر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقنت فيما قبل الركوع۔

(حلية الاولياء ص۹۲ ج۵)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے وتر پڑھے تو دعا قنوت

رکوع میں جانے سے پہلے پڑھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ۵۷۶)

الجواب: اس کی سند میں حبیب بن ابی ثابت راوی ہے جو کثرت سے ارسال و تدلیس کرتا ہے۔ (تقریب ص۶۳)۔

دوسرا راوی عطاء بن مسلم خفاف ہے جو نیک و صالح آدمی تھا مگر بوجہ کتب دفن ہونے، حفظ سے روایات بیان کرتے جن میں خطائیں کرتے تھے جیسا کہ امام ابو زرعہ نے صراحت کی ہے۔ (تہذیب ص۲۱۲ ج۷)۔

امام بیہقی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (السنن الکبریٰ ص۴۱ ج۳)۔

(۱۸) عن ابن عمران النبی ﷺ کان یوتر بثلث رکعات ویجعل القنوت قبل الرکوع۔

(مجمع الزوائد ص۱۳۸ ج۲)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وتر تین رکعات پڑھتے تھے اور دعاء قنوت رکوع میں جانے سے پہلے پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۸۶)

الجواب: صاحب مجمع الزوائد نے آگے ہی لکھا ہے **رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ سھل بن عباس الترمذی قال الدار قطنی لیس بثقة،** یعنی اسے طبرانی نے، (المعجم الاوسط ص۴۳۰ ج۸ رقم الحدیث ۷۸۸۱) میں روایت کیا ہے اور سند میں سہل بن عباس ترمذی راوی ہے، امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ ثقہ نہیں، حافظ ابن حجر نے (الدرایہ ۱۹۴ ج۱) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔اور مولانا عبد العزیز صاحب دیوبندی نے (حاشیہ نصب الرایہ ۱۲۴ ج۲) میں اس فیصلہ کو نقل کر کے سکوت کیا ہے۔جس سے ثابت ہوا کہ وہ بھی اسے ضعیف تسلیم کرتے ہیں۔

(۱۹) عن عبد اللہ بن مسعود عن ام عبد اللہ قالت رایت رسول اللہ ﷺ قنت فی الوتر قبل الرکوع۔

(جامع المسانید ص۳۱۷ ج۱)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے وتر میں دعاء قنوت رکوع میں جانے سے پہلے پڑھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۸۷)

الجواب: سند میں ابان بن ابی عیاش راوی متروک الحدیث (تقریب ص۱۸) اور اس سے روایت کرنے والا راوی امام ابو حنیفہؒ ہیں جو سیئی الحفظ ہیں لہٰذا روایت ضعیف ہے مزید تفصیل کے لئے سابقہ باب کی روایت نمبر۲۲ کی مراجعت کریں۔

(۲۰) عن عبد الرحمن بن الاسود عن ابیه قال کان عبد اللہ لا یقنت فی شئی من الصلوٰۃ

الا فی الوتر قبل الرکعة۔

(معجم طبرانی کبیر ص۲۳۸ ج ۲)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد اسود نے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وتر کے علاوہ کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے اور وتر میں بھی رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۸۷)

الجواب: بلاشبہ سنداً یہ روایت صحیح ہے مگر موقوف ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعد الرکوع بھی قنوت کرنا ثابت ہے۔ اور ہم بھی رکوع سے پہلے اور بعد دونوں طریقوں کے قائل ہیں۔

ثانیاً: اس روایت سے وتروں میں قنوت واجب ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ انوار صاحب کا مؤقف ہے بلکہ نفی ہوتی ہے، سنئے اسی روایت کے ایک طریق میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں۔

کان عبد اللہ لا یقنت فی صلاۃ الغداۃ، واذا قنت فی الوتر قنت قبل الرکعة۔

یعنی سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صبح کی نماز میں قنوت نہ پڑھا کرتے تھے اور جب وتر میں قنوت پڑھتے تو رکوع سے پہلے پڑھا کرتے۔

(طبرانی کبیر ص ۲۳۸ ج ۹ رقم الحدیث ۹۱۶۶)

ھیثمی مجمع الزوائد ص ۱۲۷ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے) اس اثر کے الفاظ ، واذا قنت ، دلالت کرتے ہیں کہ آپ وتروں میں قنوت ہمیشہ نہیں کرتے تھے۔

ثالثاً: اس روایت کا بھی یہی مطلب ہے کہ صبح کی نماز میں بلاسبب قنوت نہیں پڑھتے تھے۔

(۲۱) عن علقمة ان ابن مسعود و اصحاب النبی ﷺ کانوا یقنتون فی الوتر قبل الرکوع۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۰۲ ج ۲)۔

حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیگر صحابہ کرام وتر میں دعاء قنوت رکوع میں جانے سے پہلے پڑھتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۵۸۷)

الجواب: سند میں ابراہیم نخعی ہے جو مدلس ہے (طبقات المدلسین ص ۲۸) اور سماع کی صراحت نہیں اور اس کا شاگرد حماد بن ابی سلیمان متکلم فیہ راوی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ صدوق ہے مگر لہ اوہام (تقریب ص ۸۲) الغرض یہ روایت بوجہ ابراہیم کی تدلیس اور حماد کے اوہام کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں اور ایسے راویوں کی روایات بدون متابعت قابل قبول نہیں ہوا کرتی۔

(۲۲) عن ابن عمر قال ارأیتم قیامکم عند فراغ الامام عن السورۃ ھذا القنوت واللہ انہ لبدعة مافعلہ رسول اللہ ﷺ غیر شھر ثم ترکہ ارایتم رفعکم ایدیکم فی الصلوٰۃ انہ لبدعة

مازاد رسول الله ﷺ علی هذا قط فرفع يديه حيال منكبيه۔

(مجمع الزوائد ص١٣٧ ج ٢)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دیکھو یہ جو تم (فجر کی نماز میں) امام کی سورت سے فارغ ہونے کے بعد کھڑے ہو کر دعاء قنوت پڑھتے ہو خدا کی قسم یہ بدعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینے کے علاوہ ایسا نہیں کیا، (صرف ایک ماہ کیا) پھر اسے چھوڑ دیا، دیکھو یہ جو تم نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعاء قنوت پڑھتے ہو واللہ یہ بدعت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے زیادہ کبھی نہیں کیا، پھر آپ نے رفع یدین کندھوں تک کر کے دکھایا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۸۸)

الجواب: اولا سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے قنوت کو بدعت قرار دیا ہے، کس صورت میں بدعت قرار دیا ہے، یقیناً بلا سبب قنوت پڑھنے کو بدعت قرار دیا ہے، ورنہ حنفی بھی بدعتی قرار پائیں گے کیونکہ کم از کم کسی مصیبت کے وقت نماز فجر میں قنوت کا پڑھنا ان کے ہاں بھی مسنون ہے۔

ثانیا: رفع ایدی کو آپ نے بدعت کہا پھر آگے اس کی وضاحت فرما دی کہ حیال منکبیہ بدعت میں شامل نہیں کیونکہ اسے وہ فعل نبوی علیہ التحیۃ والثناء قرار دیتے ہیں۔اور الفاظ مازاد سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حیال منکبیہ سے زیادہ ہاتھ اٹھانے کو بدعت قرا ردیتے ہیں۔ اور ماشاء اللہ حنفی کندھوں سے اوپر کانوں تک ہی ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اس صورت میں حنفی بدعتی قرار پاتے تھے تو انوار صاحب نے یہ نہایت عالمانہ بددیانتی کی ہے رفع ایدی، سے مراد دعاء کی طرح ہاتھ اٹھانا مراد لیا اور، رفع یدیہ، سے معروف رفع الیدین قرار دیا، اس خیانت سے انوار صاحب نے ایک تیر سے دو شکار کیے اہل حدیث کے عمل کی نفی کی تو اپنے رفع الیدین کا ثبوت بنا لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حالانکہ اثر کے الفاظ مازاد اس انواری خیانت کو رد بھی کرتے تھے، مگر صداقت اور تقلید دو متضاد چیزیں ہیں۔

ثالثا: اس کی سند میں پہلا راوی بشر بن حرب ہے(میزان ص۳۱۵ ج۱،ابن عدی ۴۴۲ ج۱) جو لین الحدیث ہے (تقریب ص۴۴) اور دوسرا راوی جبارۃ بن مغلس ضعیف ہے (تقریب ص۵۳) الغرض یہ روایت ہی ضعیف ہے، اگر کہا جائے کہ جبارۃ بن مغلس کا، ابو ربیع، راوی سنن الکبریٰ للبیہقی ص۲۱۳ ج ۲ میں متابع موجود ہے اور بشر کو بعض نے لاباس بہ کہا ہے لہٰذا روایت حسن درجہ کی ہے تو جوابا عرض ہے کہ ابو ربیع کو متابع قرار دینا اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی چلانا ہے کیونکہ ابو ربیع اور جبارۃ کے متن میں اختلاف ہے کیونکہ ابو ربیع کی بیان کردہ روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھنی بدعت ہے اصل الفاظ ملاحظہ کریں۔

عن بشر بن حرب قال سمعت ابن عمر يقول ارأيت قيامهم عند فراغ القارى من

السورة هذا القنوت انها لبدعة ما فعله رسول الله ﷺ الاشهر ثم تركه۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص۲۱۳ ج۲)۔

الغرض متابعت ثابت کرتے کرتے فریق ثانی نے متن میں اضطراب ثابت کردیا ہے۔ جو روایت کے ضعیف ہونے کے لئے کافی ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ روایت ضعیف ہے اور جس روایت میں ایک راوی ضعیف ہو دوسرا متکلم فیہ ہو اور متن میں بھی اضطراب ہو اس کے ضعیف ہونے میں کیا شک و شبہ ہوسکتا ہے؟۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل ۲۲ دلائل نقل کئے ہیں ان میں سے ۹ مرفوع احادیث ہیں دس موقوفات صحابہ ہیں اور تین آثار تابعین ہیں۔ مرفوع احادیث میں سے نمبر ۱۰، ۱۷، ۱۸، ۱۹، چار روایات ضعیف ہیں اور باقی پانچ میں سے صرف سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق قنوت وتر سے ہے، باقی تین احادیث نمبر ۲، ۱۳، ۱۴ کا تعلق قنوت وتر سے قطعاً نہیں بلکہ قنوت نازلہ سے ہے۔ آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال بھی سن لیجئے ان کی کل تعداد دس ہے، اور ان دس میں سے بھی نمبر ۳، ۴، ۵، ۱۲، ۲۱، ۲۲ چھ آثار ضعیف ہیں اور ایک آٹھواں جس کو انوار صاحب نے نمبر ۱۱ پر نقل کیا ہے میں قنوت نازلہ کا ذکر ہے اور تین میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے انوار صاحب کا دعویٰ ہے کہ یہاں معروف رفع یدین کرنا مراد ہے جو قطعاً درست نہیں تفصیل نمبر ۶، ۷، ۸، میں گزر چکی ہے۔

قارئین کرام: انوار صاحب نے جس قدر دلائل نقل کئے ہیں وہ تمام کے تمام ان کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں کسی ایک بھی دلیل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قنوت وتر واجب ہے اور قنوت کے لئے رفع الیدین کر کے مکرر ہاتھ باندھ لئے جائیں، بلکہ آخری دلیل تو ایسی درج کر گئے ہیں جس کی رو سے ان کے کانوں تک ہاتھ اٹھانے بدعت ثابت ہوتے ہیں، ہاں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے قنوت وتر کا رکوع سے پہلے پڑھنا ثابت ہے جو ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک رکوع سے پہلے اور بعد میں قنوت پڑھنا سنت سے ثابت ہے۔

انوار خورشید کا تجاہل عارفانہ: خورشید صاحب ص ۵۹۳ اور ۵۹۴ پر علمائے اہل حدیث اور حکیم محمد صادق مرحوم کو کاذب و خائن قرار دینے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے قنوت نازلہ کی احادیث سے قنوت وتر پڑھنے کی جگہ متعین کی ہے۔ حالانکہ تمام اہل علم جانتے ہیں کہ محدثین کرام میں سے بعض اکابر کا یہ مؤقف ہے کہ قنوت نازلہ اور قنوت وتر میں کوئی فرق نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ کا مؤقف تو زبان زد عام ہے اسی وجہ سے بعض علمائے اہل حدیث کا بھی یہی خیال ہے کہ قنوت وتر اور نازلہ میں کوئی فرق نہیں، اور قرآن وسنت کے دلائل سے فرق ثابت بھی نہیں جو اس کا مدعی ہے وہ ثبوت پیش کرے۔

لہٰذا فتاویٰ علماء حدیث میں جو بخاری کا حوالہ ہے اور حکیم صاحب نے جو حوالہ نقل کیا ہے اس میں

خیانت قطعاً نہیں، اگر یہ جھوٹ ہے تو صراحت کیجئے کیا امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی خیانت کی ہے؟۔ نہیں قطعاً نہیں، آخر میں ہم انوار صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ آپ کے نزدیک تو قنوت وتر اور نازلہ میں فرق ہے، مگر آپ نے بھی متعدد ایسی روایات نقل کی ہیں جو خالص قنوت نازلہ کے متعلق ہیں۔ محترم یہ بدترین علمی خیانت ہے کہ آپ جو مؤقف رکھتے ہیں اس کے برعکس دلائل نقل کرتے ہیں، جھوٹ اور خیانت کی یہی تعریف ہے کہ اپنے مافی ضمیر کے خلاف اظہار کیا جائے، ضمیر کے موافق اظہار خیال کو جھوٹ نہیں کہتے، خواہ فی الواقعہ بات غلط ہو، بلکہ اسے سہو اور غلطی سے تعبیر کیا جاتا ہے، گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ انوار خورشید خود کاذب و خائن ہے، نا کہ علمائے اہل حدیث، ہاں اگر انوار صاحب کو علمائے اہل حدیث کے مؤقف سے اتفاق نہیں تو ان کا علمی رد کریں اور ان کی غلطی اور علمی لغزش کو واضح کریں، مگر انہیں بدذیانت اور یہودی قرار دینے کا قطعاً حق نہیں آخر انوار صاحب نے کون سے دلائل دیئے ہیں کہ قنوت نازلہ اور قنوت وتر میں فرق ہے، ایک دلیل بھی ایسی درج نہیں کی اور نہ ہی آئندہ اس پر کوئی دلیل نقل کی جاسکتی ہے۔

(۵۲) باب اقامت کے بعد سنت فجر پڑھنی جائز نہیں

فصل اول

(۱) عن ورقاء عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ۔

سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب اقامت ہو جائے تو (جماعت والی) فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔

(مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب کراھۃ الشروع فی نافلۃ الراتبہ کسنۃ الصبح والظھر وغیرھما وسواء علم انہ یدرک الرکعۃ مع الامام ام الا الحدیث ۱٦٤٤)۔

(۲) عن زکریا بن اسحاق حدثنا عمرو بن دینار قال سمعت عطاء بن یسار یقول عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ انہ قال، اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کی اقامت ہوجائے تو (جماعت والی) فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔

(مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب سابق الحدیث ۱٦٤٦)۔

(۳) عن ایوب عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ھریرۃ قا ل قال رسول اللہ ﷺ بمثلہ اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اقامت ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث ٤٢٦١)۔

(۴) عن حماد بن سلمۃ عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کی اقامت ہوجائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔

(سنن دارمی کتاب الصلاۃ باب اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ ، الحدیث ١٤٥٠)

(۵) حدثنا الحسن بن علی حدثنا ابو عاصم عن ابن جریج عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کی اقامت ہو جائے تو

فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔
(ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب اذا ادرک الامام ولم یصلی رکعتی الفجر الحدیث ۱۲۶۶)

(۶) عن عمر بن قیس بن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الاالمکتوبۃ۔
(مسند ابی عوانہ ص۳۳ ج۲)۔

(۷)عن ابراھیم بن اسمعیل بن مجمع عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الاالمکتوبۃ
(مسند ابی عوانہ ص۳۳ ج۲)۔

(۸) ثنا ابان العطار عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ۔
(مسند ابی عوانہ ص۳۳ ج۲)

(۹) ثنا محمد بن جحادۃ عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ۔
(مسند ابی عوانہ ص۳٤ ج۲)،صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۲۱۸۷)۔

(۱۰)حدثنا سفیان عن اسماعیل بن مسلم عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ۔
(تاریخ بغداد ص۱۹۷ ج۵)۔

(۱۱) عن علی بن صالح عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ۔
(طبرانی صغیر ۳۲۰ ج۱ رقم الحدیث ۵۲۹)۔

(۱۲)حدثنا محمد بن مسلم عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ۔
(المعجم الاوسط للطبرانی ص۷۹ ج۹ رقم الحدیث ۸۱٦٦،مسند ابو یعلی ص۳٦ ج٦ رقم الحدیث ٤۹ ٦۳)۔

(۱۳)عن عبدالرحمن بن ثابت بن ثوبان عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ۔
(المعجم الاوسط للطبرانی ص۱۵۰ ج۳، رقم الحدیث ۲۳۰٦)۔

(۱۴) عن الزہری عن عطاء عن ابی ہریرۃ قا ل قال رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلاۃ

فلا صلاۃ الا المکتوبۃ۔

(ابن عدی ص ۲۳٤ ج ۱)۔

(۱۵) ابو حنیفة عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ۔

(جامع المسانید ص ٤٤٢ ج ۱ للخوارزمی)۔

(۱۶) عن ابی ھریرۃ قا ل قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ۔ قیل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اقامت ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی، آپ علیہ السلام سے کہا گیا کیا صبح کی سنتیں بھی نہیں ہوتی؟ تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا صبح کی سنتیں بھی نہیں ہوتیں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص ٤٨٣ ج ۲)۔

(۱۷)حدثنا عبد العزیز بن عبداللہ قا ل حدثنا ابراھیم بن سعد عن ابیہ عن حفص بن عاصم عن عبد اللہ بن مالك ابن بحینة قا ل مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم برجل، قال وحدثنی عبد الرحمن قال حدثنا بھز بن اسدقال حدثنا شعبة قال اخبرنی سعد بن ابراھیم قال سمعت حفص بن عاصم قال سمعت رجلا الازد یقال لہ، مالك ابن بحینة، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا وقد اقیمت الصلاۃ یصلی الرکعتین، فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاث بہ الناس فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آلصبح اربعا؟ آلصبح اربعا؟

ہم سے عبد العزیز بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ ہم سے ابراہیم بن سعد نے انہوں نے اپنے والد سعد بن ابراہیم سے انہوں نے حفص بن عاصم سے انہوں نے عبد اللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص پر گزرے (امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) ہم سے عبد الرحمٰن نے بیان کیا کہ ہم سے بہز بن اسد نے کہا کہ مجھے شعبی نے خبر دی مجھے سعد بن ابراہیم نے خبر دی کہ میں نے حفص بن عاصم سے سنا کہ میں نے ازد قبیلے کے ایک شخص سے سنا جس کا نام (عبد اللہ بن) مالک ابن بحینہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دو رکعتیں (صبح کی سنتیں) پڑھ رہا تھا، جب کہ اقامت ہو رہی تھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ اس کے ارد گرد ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کیا صبح کی چار رکعتیں پڑھتا ہے؟ صبح کی چار رکعتیں (پڑھتا ہے)؟

(بخاری کتاب الاذان باب اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ الحدیث ٦٦٣)۔

(۱۸)عن عبد اللہ بن مالك ابن بحینة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر برجل یصلی۔ وقد اقیمت

صلاة الصبح، فكلمه بشئی لا ندری ما هو، فلما انصرفنا أحطنابه تقول ماذا قال لك رسول اللهﷺ؟ قال قال لیَ یوشك ان یصلی احدکم الصبح اربعا؟

سیدنا عبداللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک شخص پر گزرے اور وہ نماز پڑھ رہا تھا، جب کہ تکبیر ہو رہی تھی، آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے کچھ فرمایا جو میری سمجھ میں نہ آیا۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے اسے گھیر لیا اور پوچھا کہ نبی مکرم ﷺ نے آپ سے کیا فرمایا تھا؟ تو اس نے کہا کہ مجھے نبی مکرم ﷺ نے کہا کہ قریب ہے کہ اب تم سے ایک صبح کی چار رکعتیں پڑھے۔

(صحيح مسلم كتاب صلاة المسافرين باب كراهية الشروع فی نافلة بعد شروع المؤذن فی اقامة الصلاة سواء السنة الراتبة كسنة الصبح والظهر وغيرهما وسواء علم انه يدرك مع الامام ام لا۔الحديث ١٦٤٩)۔

(۱۹) عن ابن بحينة قا ل اقيمت صلاة الصبح، فرأى رسول اللهﷺ رجلا يصلی والمؤذن يقيم، فقال أتصلی الصبح اربعا۔

سیدنا ابن بحینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صبح کی نماز کھڑی ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے جب کہ مؤذن اقامت کہہ رہا ہے، تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ تم صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟۔

(صحيح مسلم كتاب صلاة المسافرين باب سابق الحديث ١٦٥٠)۔

(۲۰) عن عبد الله بن سرجس قال ، دخل رجل المسجد و رسول اللهﷺ فی الصلاة الغداة فصلی ركعتين فی جانب المسجد ثم دخل مع رسول اللهﷺ فلما سلم رسو ل اللهﷺ قال يا فلان بای الصلاتين اعتددت؟ أبصلاتك وحدك، ام بصلاتك معنا؟

سیدنا عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اس شخص نے مسجد کے ایک کونے میں دو رکعت سنت فجر پڑھیں پھر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ نماز میں شریک ہوگیا، جب رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا تو فرمایا اے فلاں! تم نے دونوں نمازوں میں سے کسے شمار کیا؟ آیا جو اکیلے پڑھی یا جو ہمارے ساتھ پڑھی؟۔(مسلم باب سابق الحدیث ۱۶۵۱)۔

(۲۱)عن عبد الله بن سرجس قال جاء رجل و النبیﷺ يصلی الصبح فصلی الركعتين ثم دخل مع النبیﷺ فی الصلاة فلما انصرف قال يافلان! ايتهما صلاتك التی صليت وحدك او التی صليت معنا؟

سیدنا عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آیا جب کہ نبی مکرم ﷺ صبح کی نماز

(باجماعت) پڑھ رہے تھے، آنے والے نے پہلے دو رکعت نماز پڑھی پھر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوگیا، جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے سلام پھیرا تو فرمایا اے فلاں! دونوں نمازوں میں سے کون سی تیری نماز ہے آیا جو اکیلے پڑھی ہے یا جو ہمارے ساتھ ادا کی ہے؟۔

(سنن ابو داؤد کتاب التطوع باب اذا ادرك الامام ولم یصلی رکعتی الفجر ، الحدیث ١٢٦٥)۔

(۲۲)عن عبد الله بن سرجس قال جاء رجل و رسول الله صلى الله عليه وسلم فی صلاة الصبح فرکع الرکعتین ثم دخل ، فلما قضی رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاته قال، یا فلان! ایهما صلاتك، التی صلیت معنا، او التی صلیت لنفسك؟

سیدنا عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص (مسجد نبوی میں) آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔تو اس نے دو رکعتیں (صبح کی سنتیں) پڑہیں پھر فرض نماز میں داخل ہوا، جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نماز پڑھ لی تو فرمایا اے فلاں! تیری نماز کون سی تھی؟ وہ جو ہمارے ساتھ پڑھی ہے یا وہ جو تو نے اکیلی پڑھی ؟

(سنن نسائی کتاب الامامة باب فیمن رکعتی الفجر والامام فی الصلاة الحدیث ٨٦٩)۔

(۲۳)عن عبد الله بن سرجس رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رأی رجلا یصلی الرکعتین قبل صلاة الغداة ، وهو فی الصلاة،فلما صلی قال له بای صلاتك اعتددت۔

سیدنا عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کراتے ہوئے دیکھا کہ ایک شخص نے (جماعت سے علیحدہ صبح کی سنت) دو رکعتیں پڑھ رہا ہے جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام نماز سے فارغ ہوئے تو اس سے کہا کہ تو نے دونوں نمازوں میں سے کس نماز کا اعتبار کیا ہے؟

سنن ابن ماجه کتاب اقامة الصلوات باب ما جاء فی اذا اقیمت الصلاة فلا صلاة الاالمکتوبة ، الحدیث ١١٥٢)۔

(۲۴)عن عبد الله بن سرجس قال اقیمت الصلاة صلاة الصبح فرأی رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا یصلی رکعتی الفجر فقال له۔ بای صلاتك احتسبت؟ بصلاتك وحدك أو صلاتك التی صلیت معنا؟

سیدنا عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صبح کی جماعت کھڑی ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص صبح کی سنتیں پڑھ رہا ہے۔تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے اسے کہا کہ تو نے کون سی نماز کو شمار کیا ہے؟ آیا اکیلی پڑھی ہوئی یا ہمارے ساتھ پڑھی کو؟

(مسند احمد ص۸۲ ج ٥)۔

(۲۵)عن عبد الله بن سرجس قال دخل رجل المسجد و رسول الله صلى الله عليه وسلم فی صلاة

الصبح فصلی رکعتین قبل ان یصل الی الصف، فلما انصرف رسول الله ﷺ قال له یا فلان! بای صلاتك اعتددت التی صلیت وحدك او التی صلیت معنا؟

سیدنا عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، اور نبی مکرم ﷺ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، تو اس نے صف میں شامل ہونے سے پہلے دو رکعات (سنت فجر) پڑھیں، جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے سلام پھیرا تو اس سے کہا کہ اے فلاں! تو نے کون سی نماز پر اعتماد کیا ہے۔ آیا وہ جو اکیلے پڑھی ہے یا وہ جو ہمارے ساتھ ادا کی ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص٤٨٢ ج ٢)۔

(۲۶) عن عبد الله بن سرجس ان رجلا جاء و رسول الله ﷺ فی صلاة الصبح فرکع رکعتین ثم دخل مع النبی ﷺ فی الصلاة فلما قضی النبی ﷺ صلاته قال له رسول الله ﷺ یا فلان! ایهما صلاتك؟ التی صلیت معنا او التي صلیت لنفسك۔

سیدنا عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، تو اس نے دو رکعات سنتیں پڑھی، پھر نبی مکرم علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ شریک نماز ہوگیا، جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے سلام پھیرا تو اسے فرمایا کہ اے فلاں! تیری کون سی نماز ہے، آیا جو ہمارے ساتھ پڑھی ہے یا جو اکیلے پڑھی ہے۔

(المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم ص٣٠٨ ج٢ رقم ١٦٠٥)۔

(۲۷)عن ابی هریرة قال رأی رسول الله ﷺ رجلا یصلی والمؤذن یقیم، فقال له رسول الله ﷺ اصلاتان معا؟

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے۔ جبکہ مؤذن اقامت کہہ رہا تھا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اسے فرمایا کیا تو ایک ساتھ دو نمازیں پڑھے گا؟

(مسند ابو یعلی ص٣٦٩ ج٥ رقم الحدیث ٥٩٥٩)۔

(۲۸)عن ابی تمیم الزهری عن ابی هریرة، قال قال رسول الله ﷺ اذا اقیمت الصلاة فلا صلاة الا التی أقیمت۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب جماعت کھڑی ہوجائے تو کوئی نماز نہیں ہوتی مگر وہی جس کے لئے اقامت ہوئی ہے۔

(مسند احمد ص۳۵۲ ج۲)۔

(۲۹) عن ابی سلمة بن محمد الرحمن بن عوف عن ابی هریرة عن رسول الله ﷺ قال اذا

أقيمت صلاة فلا صلاة إلا التي أقيمت۔

(ترجمہ وہی ہے جو مذکورہ حدیث کا ہے)۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ص۲۹۷ ج۹ رقم الحدیث ۸٦٤۹،وطحاوی ص۲٥٦ ج۱)۔

(۳۰) عن انس قال خرج النبی ﷺ حین أقیمت الصلاۃ فرأی ناسا یصلون رکعتین بالعجلۃ، فقال أصلاتان معا؟ فنهی ان یصلی فی المسجد اذا أقیمت الصلاۃ۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ باہر نکلے (گھر سے) جب تکبیر ہوگئی تھی۔ تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ دو رکعتیں نماز (صبح کی سنتیں) جلدی جلدی پڑھ رہے ہیں۔اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ کیا ان کی ایک ساتھ دو نمازیں ہیں؟ اور آپ ﷺ نے اقامت کے بعد مسجد میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

(صحیح ابن خزیمہ ص۱۷۰ ج۲ رقم الحدیث ۱۱۲٦)۔

(۳۱)عن انس بن مالك يقول خرج رسول الله ﷺ حين قامت الصلاة والناس يصلون ركعتين حين قامت الصلاة فقال ايهاالناس أصلاتين معا؟

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اقامت کے وقت باہر تشریف لائے اور لوگ اقامت کے وقت میں دو رکعت نماز مسجد میں پڑھ رہے تھے اس پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے لوگو! کیا آپ ایک ساتھ دو نمازیں ہیں۔

(ابن عدی ص۲۲۳۵ ج٦)۔

(۳۲)عن ابی سلمة بن عبد الرحمن انه قال سمع قوم الاقامة فقاموا يصلون و خرج عليهم النبی ﷺ فقال الصلاتان معا؟ وذلك فی صلاة الصبح فی الركعتين اللتين قبل الصبح۔

امام ابوسلمہ عبد الرحمٰن بن عوف (تابعی مرسلا) بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے اقامت سنی تو کھڑے ہوئے سنتیں پڑھنے کے لئے اور رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے آئے اور فرمایا کیا یہ دو نمازیں ایک ساتھ؟ اور آپ کا ارشاد ان دو رکعتوں کے متعلق تھا جو صبح کی نماز سے پہلے پڑھی جاتی تھیں۔

(موطا امام مالک مع اوجز المسالک ص۴۵۳ ج۱)۔

(۳۳) عن انس بن مالك ان ناسا من اصحاب رسول الله ﷺ سمعوا الاقامة فقاموا يصلون فخرج عليهم رسول الله ﷺ فقال أصلاتان معا؟

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بعض لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اقامت سننے کے بعد نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، تو ان پر نبی علیہ السلام تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا: کیا

ایک ساتھ دو نمازیں؟

(التمهيد لما فى الموطا من المعانى والاسانيد ص٦٧ ج ٢٢)۔

(۳۴) عن ابى بكر بن ابى موسىٰ عن ابيه عن رسول الله ﷺ راى رجلا صلى ركعتى الغداة، حين اخذ المؤذن يقيم فغمز النبى ﷺ منكبه وقال ألا كان هذا قبل هذا؟۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو صبح کی سنتیں پڑھ رہا تھا۔ اس حالت میں کہ مؤذن نے اقامت کہہ دی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کندھے کو چوک لگا کر فرمایا کہ خبردار یہ اس سے پہلے (پڑھی جاسکتی) تھیں۔

(المعجم الصغير للطبرانى مع الروض الدانى ص١٠٤ ج١ رقم الحديث ١٤٦، وقال الهيثمى رواه الطبرانى فى الكبير والاوسط ورجال موثقون (مجمع الزوائد ص٧٨ ج٢)۔

(۳۵) عن ابن عباس قال اقيمت الصلاة ولم اصل الركعتين، فرآنى وأنا اصليهما فنهانى فجذبنى، وقال، تريد ان تصلى للصبح اربعا؟ قيل لابى عامر النبى ﷺ ؟ قال نعم۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جماعت کھڑی ہوگئی اور میں نے دو رکعتیں نہ پڑھی تھیں، تو مجھے دیکھا کہ میں دو رکعات پڑھ رہا ہوں، تو مجھے کھینچا اور فرمایا کہ تو صبح کی چار رکعتیں پڑھے گا۔ راوی حدیث ابی عامر سے سوال ہوا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا؟ تو انہوں نے کہا ہاں۔

(صحیح ابن خزیمہ ص۱۶۹ ج۲ رقم الحدیث ۱۱۲۴)۔

(۳۶) عن ابن عباس قال اقيمت صلاة الصبح فقمت لاصلى الركعتين فاخذ بيدى النبى ﷺ وقال أتصلى الصبح اربعا؟

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز کھڑی ہوگئی اور میں دو رکعت سنتیں پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہاتھ سے پکڑ لیا اور فرمایا کیا تو صبح کی چار رکعات فرض نماز پڑھے گا۔ (صحیح ابن حبان ص۸۲ ج۵ رقم الحدیث ۲۴۶۰)۔

(۳۷) عن ابن عباس قال اقيمت الصلاة ولم اصلى الركعتين، فرآنى وانا أصليهما فدنا وقال أتريدان تصلى الصبح اربعا؟ فقيل لابن عباس، عن النبى ﷺ؟ قال نعم۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ تکبیر ہوگئی، اور میں نے دو رکعات نماز (سنت فجر) نہیں پڑھی تھیں، مجھے آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ میں دو رکعتیں پڑھ رہا ہوں، تو آپ علیہ السلام میرے قریب آئے اور مجھے فرمایا کہ صبح کی چار رکعتیں پڑھنے کا ارادہ ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ آیا یہ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں۔

(مسند احمد ص٣٥٥ ج١ ومسند ابو يعلى ص٩١ ج٣ رقم الحديث ٢٥٦٨)۔

(۳۸) عن ابن عباس قال اقیمت الصلاۃ فقمت اصلی الرکعتین فجذ بنی رسول اللہ ﷺ فقال اتصلی الصبح اربعا؟

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نماز کھڑی ہوگئی اور میں (صبح کی سنتوں کی) دو رکعتیں پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا تو مجھے رسول اللہ ﷺ نے کھینچا اور فرمایا کیا تو صبح کے چار فرض پڑھے گا۔ (مستدرک حاکم ص ۳۰۷ ج ۱)۔

(۳۹) عن ابن عباس قال کنت اصلی واخذ المؤذن فی الاقامۃ فجذبنی النبی ﷺ وقال اتصلی الصبح اربعا۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور مؤذن نے اقامت کہنی شروع کردی تو نبی مکرم ﷺ نے مجھے (اپنی طرف کھینچا اور فرمایا کہ کیا تو صبح کی چار رکعتیں پڑھے گا۔

(مسند ابو داؤد طیالسی ص ۳۵۸ رقم الحدیث ۲۷۳۶، بیھقی ص ۴۸۲ ج ۲)۔

(۴۰) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا التی اقیمت۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جماعت کھڑی ہوجائے تو کوئی اور نماز نہیں ہوتی۔ مگر وہی جس کے لیے جماعت کھڑی ہوئی ہو۔

(مسند احمد ۳۵۲ ج ۲)۔

(۴۱) عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ ﷺ قال اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا التی اقیمت لھا۔

امام ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب جماعت کھڑی ہوجائے تو اورکوئی نماز نہیں ہوتی مگر وہی جس کے لئے جماعت کھڑی کی گئی ہے۔

(طحاوی شرح معانی الآثار ص ۲۵۶ ج ۱)۔

(۴۲) عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ ﷺ قال اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا التی أقیمت۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب جماعت کھڑی ہوجائے تو اور کوئی نماز نہیں ہوتی مگر وہی جس کے لئے جماعت کھڑی کی گئی ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ص ۲۹۷ ج ۹ رقم الحدیث ۸۶۴۹)۔

(۴۳) عن عائشۃ زوج النبی ﷺ ان النبی ﷺ خرج حین أقیمت الصلاۃ صلاۃ الصبح فرأی ناسا یصلون فقال أصلاتان معا۔

نبی مکرم ﷺ کی بیوی محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام گھر سے اس وقت نکلے جب صبح کی نماز کی اقامت ہو چکی تھی، تو آپ علیہ السلام نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا کیا یہ ایک ساتھ دو نمازیں ہیں؟

(التمهيد لما في الموطا من المعاني والاسانيد ص٦٨ ج٢٢)۔

(۴۴) عن ابن عمر يقول سمعت النبي ﷺ يقول لاصلاة لمن دخل المسجد والا مام قائم يصلي فلا ينفرد وحده بصلاته ولكن يدخل مع الامام في الصلاة۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ سے سنا آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ اس شخص کی نماز نہیں جو مسجد میں داخل ہوا اور امام (جماعت کے ساتھ) کھڑا نماز پڑھا رہا تھا لہٰذا آنے والا شخص اکیلے نماز نہ پڑھے بلکہ امام کے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے۔

(طبرانی کبیر ص۳۴۰ ج۱۲)۔

(۴۵) عن زيد بن ثابت يقول دخل رسول الله ﷺ وبلال يقيم للصبح، فرأى رجلا يصلي ركعتي الفجر فقال له أصلاتان معا؟

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں اس وقت داخل ہوئے جب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ صبح کی نماز کے لئے اقامت کہہ رہے تھے، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صبح کی سنتیں پڑھ رہا تھا تو آپ ﷺ نے اسے کہا کیا ایک ساتھ دو نمازیں پڑھ رہا ہے؟

(المعجم الاوسط للطبراني ١٨٧ ج١ رقم الحديث ٢٥٣)۔ سند سخت ضعیف ہے۔

(۴۶) عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ اذا اقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جماعت کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔

(ابن عدي بسند ضعيف ص١٥٦٣ ج٤)۔

(۴۷) عن ابي هريرة عن النبي ﷺ قال اذا سمعتم الاقامة فامشوا الى الصلوٰة وعليكم السكينة والوقار ولا تسرعوا فما ادركتم فصلوا وما فاتكم فاتموا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب تم تکبیر کی آواز سنو تو نماز کے لئے چلتے ہوئے اور آہستگی اور سہولت کو اپنے اوپر لازم کرو۔ دوڑو نہیں پھر جتنی نماز ملے وہ پڑھ لو جو باقی رہے اس کو پورا کرلو۔

(بخاري كتاب الاذان باب ما ادركتم فصلوا و مافاتكم فاتموا، الحديث ٦٣٦)۔

(۴۸) عن سعيد بن المسيب ان عمر راى رجلا يصلي ركعتين والمؤذن يقيم فانتهزه

وقال لاصلاة والمؤذن يقيم الاالصلوٰة التی تقام لها الصلوٰة۔

امام سعید بن مسیّب بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ جو دو رکعتیں نماز پڑھ رہا تھا۔ اور مؤذن اقامت کہہ رہا تھا، تو آپ نے اس شخص کو ڈانٹا اور کہا کہ جب مؤذن اقامت کہہ دے تو کوئی نماز نہیں ہوتی، مگر وہی نماز جس کے لئے اقامت ہوئی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۷۷ ج۲)۔

(۴۹) عن سويد بن غفلة قال كان عمر بن الخطاب يضرب على الصلاة بعد الاقامة۔

سوید بن غفلۃ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اقامت کے بعد (منفرد علیحدہ) نماز پڑھنے پر مارا کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق ص٤٣٦ ج٢، رقم الحديث ٣٩٨٨)،بيهقى ص٤٨٣ ج٢)۔

(۵۰)عن ابن عمر انه ابصر رجلا يصلى الركعتين والمؤذن يقيم فحصبه وقال اتصلى الصبح اربعا۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا وہ (صبح کی) دو رکعتیں (سنتیں) پڑھ رہا ہے جب کہ مؤذن اقامت کہہ رہا تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے کنکری مار کر فرمایا کیا تو صبح کی چار رکعتیں پڑھے گا۔

(السنن الكبرىٰ للبيهقى ص٤٨٣ ج٢)۔

(۵۱) عن ابى هريرة قال اذا اقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب جماعت کھڑی ہوجائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔

(مصنف ابن ابى شيبه ٧٧ ج٢)۔

(۵۲) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ

والعمل على هذا عند اهل العلم من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم وغيرهم اذا اقيمت الصلاة ان لا يصلى الرجل الاالمكتوبة، وبه يقول سفيان الثورى وابن مبارك والشافعى واحمد واسحاق۔

یعنی اسی پر اہل علم کا عمل ہے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ کے نزدیک جب جماعت کھڑی ہوجائے تو کوئی شخص فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہ پڑھے یہی قول ہے امام سفیان ثوری، امام عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد، اور امام اسحاق بن راھویہ وغیرہ کا،

ترمذى باب ما جاء اذا اقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة۔

قارئین کرام: مذکورہ دس احادیث مرفوع جو متعدد اسناد سے مروی ہیں ان میں واضح اور کھلے الفاظ

میں ہمارے پیارے رسول سیدنا محمد مصطفی ﷺ نے جماعت کے ہوتے ہوئے صبح کی سنتیں پڑھنے سے منع فرمایا ہے بلاشبہ ان میں سے بعض احادیث سنداً ضعیف ہیں، مگر ان کو ہم نے بطور شاہد پیش کیا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہ فرماتے ہیں بلکہ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا عمل تو اقامت ہونے پر نماز توڑ کر جماعت میں شریک ہونے کا ہے۔

(الکنی للدو لابی ص ۸۲ ج ۱)۔

تابعین عظام میں سے امام سعید بن جبیر امام ابراہیم نخعی امام ابن سیرین امام طاؤس امام مسلم بن عقیل بھی اقامت کے بعد نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۴۳۷، ۴۴۰ ج ۲ و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۷۷ ج ۲)

آئمہ اربعہ میں سے امام احمد اور امام شافعی بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں۔ ان تمام احادیث و آثار کے برعکس انوار صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اور فجر کی جماعت کھڑی ہوجائے تو اسے چاہیے کہ اگر اسے دوسری رکعت ملنے کا یقین ہو تو وہ مسجد سے باہر کسی جگہ ورنہ مسجد کے دروازے کے پاس یا مسجد کے کسی گوشے یا ستون کی آڑ میں جماعت کی صفوں سے ہٹ کر ان سنتوں کو ادا کرلے اور پھر جماعت کے ساتھ شریک ہوجائے (حدیث اور اہل حدیث ۶۰۶)۔

انوار صاحب نے اپنے اس مؤقف پر کوئی دلیل قرآن و سنت سے پیش نہیں کی کہ اگر ایک رکعت ملنے کا یقین ہو تو پھر مذکورہ مقامات میں سے کسی ایک جگہ پر سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو جائے، ہم پورے جزم و یقین کے ساتھ یہ بات عرض کردینا چاہتے ہیں کہ کوئی دیوبندی علامہ فہامہ اس کا ثبوت نہیں دے سکتا، محترم سنئے ہم نمبر ۴۷ میں بخاری سے حدیث لکھ آئے ہیں کہ اقامت سننے کے بعد جماعت میں شریک ہونے کا پیارے نبی ﷺ نے حکم دیا ہے۔

پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صاف وضاحت ہے کہ اقامت کے بعد کوئی اور نماز نہیں ہوتی، علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ اس کی نفی میں نہی ہے جیسا کہ قرآن کی آیت فلا رفث، ولا فسوق ولا جدال فی الحج (البقرۃ ۱۹۷)۔ یعنی حج (کے دنوں) میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی برا کام کرے نہ کسی سے جھگڑے (۲-۱۹۷) میں نفی بمعنی نہی ہے لہٰذا اقامت کے بعد سنتوں میں مشغول ہونے کی ممانعت ہے۔ (التعلیق السندھی علی ابن ماجہ ص ۱۶۴)۔ پھر آپ علیہ السلام نے اقامت کے بعد سنتیں پڑھنے والے کو صبح کی چار رکعات پڑھنے والا قرار دیا، اس لیے کہ اقامت کے بعد سنتیں پڑھنا سنتوں کو فرض کی جگہ پر رکھنا ہے گویا چار فرض پڑھنے کے برابر ہیں اور حدیث نمبر ۲۰ میں صراحت آگئی ہے کہ صفوں کے قریب ہو یا مسجد کے کسی گوشے میں ہو، بہر حال اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے اور اسے ایک ساتھ دو نمازیں پڑھنے والا قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابی

سے فرمایا کہ تو نے ان دونوں نمازوں میں سے کس کو شمار کیا ہے لیکن انوار صاحب ان تمام احادیث کو تقلیدی آری سے ذبح کرتے ہوئے جماعت کے ہوتے ہوئے سنن پڑھنے کا فتویٰ صادر کرتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین کرام فیصلہ آپ خود کریں کہ یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت ہے۔

فصل دوم

(۱)عن عائشة قالت قال رسول اللهﷺ ركعتا الفجر خير من الدنيا وما فيها۔

(مسلم ص ۲۵۱ ج ۱)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا فجر کی دو رکعتیں دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے سب سے بہتر ہیں۔

(۲) عن عائشة قالت لم يكن النبيﷺ على شئى من النوافل اشد تعاهدا منه على ركعتي الفجر۔

(بخاری ص ۱۵۶ ج ۱، مسلم ص ۲۵۱ ج ۱)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کسی نفل کی اتنی زیادہ پابندی اور حفاظت نہیں کرتے تھے، جتنی فجر کی دو رکعتوں کی۔

(۳) عن ابی هريرة قال قال رسول اللهﷺ لاتدعوهما وان طردتكم الخيل۔

(ابو داؤد ص ۱۷۸ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ فجر کی دو رکعتوں کو نہ چھوڑو اگر چہ گھوڑے تمہیں روند ڈالیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۵۹۶)

<u>الجواب</u>: <u>اولاً</u> ان احادیث میں سنت فجر کی عظمت اور تاکید ہے اور ان چیزوں سے کسے انکار ہے؟ رہا انوار صاحب کا عظمت و تاکید سے بوقت جماعت پڑھنا ثابت کرنا، تو یہ ان کا باطل قیاس ہے جو سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی احادیث کا مخالف و معارض ہے، علاوہ ازیں کسی چیز کی عظمت و تاکید سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ بوقت جماعت بھی جائز ہے۔ اگر انوار صاحب اس حقیقت سے انکار کریں گے تو ہم اس پر مفصل بحث بھی کردیں گے۔ یہاں ان کے اوہام باطلہ کے لئے صرف ایک ہی مثال عرض کردی جاتی ہے۔ نماز وتر اور عشاء کی نماز کی عظمت و تاکید ثابت ہے، تو کیا ان کو بوقت جماعت صبح پڑھنا بھی جائز ہے، نہیں قطعاً نہیں، ایسا ہی سنت الفجر کا معاملہ ہے۔ گو ان کی عظمت ثابت ہے مگر بوقت جماعت انہیں ادا کرنا خلاف احادیث ہے، جیسا کہ فصل اول میں تفصیل گزر چکی ہے۔

ثانیاً: ان کی عظمت و تاکید جس قدر بھی ہے بہر حال صبح کی فرض نماز سے کم ہے لہٰذا اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کو پڑھنا، خلاف حدیث ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب کی پیش کردہ تیسری روایت ضعیف ہے، سند میں ابن سیلان راوی مجہول ہے تفصیل کے لیے، (ارواء الغلیل ص۱۸۴ ج۲ (۴۳۸) کی مراجعت کریں۔

رابعاً: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ صبح کی سنتیں دنیاوی چیزوں سے بہتر ہیں، یہ معنی نہیں کہ بقیہ دینی چیزوں سے بھی بہتر ہے، حقیقت یہ ہے کہ فرض نماز اہم ہے۔

(۴) عن ابی اسحاق قال حدثنی عبد الله بن ابی موسیٰ عن ابیه حین دعاهم سعید بن العاص دعا ابا موسیٰ و حذیفة و عبد الله بن مسعود قبل ان یصلی الغداة ثم خرجوا من عنده وقد اقیمت الصلاة فجلس عبد الله الی اسطوانه من المسجد فصلی الرکعتین ثم دخل فی الصلاة۔ (طحاوی ص۲۰۷)۔

حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو موسیٰ (اشعری رضی اللہ عنہ) کے صاحبزادے عبد اللہ نے اپنے والد کے واسطے سے یہ حدیث بیان کی جب کہ ان کو حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے بلایا کہ حضرت سعید بن العاص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری حضرت حذیفہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو فجر کی نماز سے پہلے بلایا، پھر جب یہ حضرات ان کے پاس سے نکلے تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شریک ہو گئے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۵۹۷)۔

الجواب: ابو اسحاق کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا اور یہ روایت ابو اسحاق سے بیان کرنے والا راوی زہیر بن معاویہ ہے اور آئمہ جرح و تعدیل نے صراحت کی ہے کہ زہیر کی ابو اسحاق سے ملاقات اس دور میں ہوئی جب وہ یاداشت کھو بیٹھے تھے، الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔ مفصل، دین الحق ص۴۸۳ ج۱ کی مراجعت کریں۔

(۵) عن عبد الله بن ابی موسیٰ قال جاء ابن مسعود والا مام یصلی لصبح فصلی رکعتین الی سارية ولم یکن صلی رکعتی الفجر۔

(معجم طبرانی کبیر ص۲۷۷ ج۹)۔

حضرت عبد اللہ بن ابی موسیٰ (اشعری رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا، آپ نے ایک ستون کی اوٹ میں فجر کی دو رکعت سنتیں ادا کیں، جو آپ پہلے ادا نہیں کر سکے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۵۹۸)

الجواب: اس کی سند میں امام سفیان ثوری ہیں، جو مدلس ہیں (تفصیل مسئلہ رفع الیدین میں گزر

چکی ہے، اورزیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں لہٰذا سند ضعیف اور یہ روایت نا قابل حجت ہے۔

(۶) عن عبد الله بن ابی موسیٰ عن عبد الله انه دخل المسجد والامام فی الصلاۃ فصلی رکعتی الفجر۔

(طحاوی ص۲۵۷)۔

حضرت عبد اللہ بن ابی موسیٰ (اشعری) سے روایت ہے اور وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (فجر کے وقت) مسجد میں تشریف لائے تو امام نماز میں تھا تو (پہلے) آپ نے فجر کی دو سنتیں پڑھیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۹۸)

الجواب: سند میں سفیان کی تدلیس کے علاوہ، خالد بن عبد الرحمٰن، راوی متروک ہے تفصیل کے لئے دین الحق ص۴۸۴ ج۱ کی مراجعت کریں، الغرض یہ سند بھی سخت ضعیف ہے۔

(۷) عن حارثة بن مضرب ان ابن مسعود و ابا موسیٰ خرجا من عند سعید بن العاص فاقیمت الصلاۃ فرکع ابن مسعود رکعتین ثم دخل مع القوم فی الصلوٰۃ واما ابو موسیٰ فدخل فی الصف۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۵۱ ج۲)۔

حضرت حارثہ بن مضرب سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اورحضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکلے تو فجر کی جماعت کھڑی ہوگئی، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ توفجر کی دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سیدھے صف میں داخل ہوگئے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۵۹۹)

الجواب: اولاً بلاشبہ اس کی سند صحیح ہے، مگر حنفیہ کا اس سے استدلال غلط ہے تفصیل حسب ذیل ہے، الف، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سنتیں کس مقام پر پڑھیں، گھر میں یا راستہ میں یا مسجد میں، روایت میں اس کا ذکرنہیں، ممکن ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ دو رکعات راستہ میں یا گھر میں ادا کی ہوں، جب یہ احتمال موجود ہے تو حنفیہ کے مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ مسجد میں ہی صف کے متصل یا صحن میں ادا کرتے ہیں ،ب، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ دونوں ہی سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرکے اکھٹے اٹھ کر آتے ہیں۔ مگر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا سنتیں پڑھنا ثابت نہیں جس سے لازم آتا ہے کہ وہ اس فعل کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ کیا وجہ ہے کہ انوار صاحب سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے عمل کو دلیل و حجت بناتے ہیں مگر سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے فعل کوتسلیم نہیں کرتے، ت، مُسلّمہ اصول ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف ہوں وہاں آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حجت نہیں، (راجع مقدمہ) جب کہ اس روایت میں دوصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہے۔ اور ایک

صحابی کا عمل ان کے خلاف ہے، لہٰذا حنفی اصول کے موافق یہ روایت قابل حجت نہیں ہے۔

ثانیا: یہ قول احادیث صحیحہ و مرفوعہ کے خلاف ہے اور موقوفات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احادیث نبویہ کے بالمقابل حجت نہیں ہوا کرتے۔ راجع مقدمہ۔

(۸) عن مالك بن مغول قال سمعت نافعا يقول ايقظت ابن عمر لصلاة الفجر وقد اقيمت الصلوة فقام فصلى ركعتين۔

(طحاوی ص۲۵۸ ج۱)۔

حضرت مالک بن مغول فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو فجر کی نماز کے لیے جگایا جب کہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی آپ اٹھے اور (پہلے) دو رکعتیں پڑھیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۹۹)

الجواب: یہ سنتیں کہاں پڑھی گئیں؟ روایت میں اس کی صراحت نہیں انوار صاحب کی اگلی دلیل کے پیش نظر صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ خارج مسجد سنن پڑھ لیا کرتے تھے، اور یہ حنفیہ کے موافق نہیں کیونکہ ان کا عمل مسجد میں جماعت کے متصل پڑھنے کا ہے۔

(۹) عن محمد بن كعب قال خرج عبد الله بن عمر من بيته فاقيمت صلوة الصبح فركع ركعتين قبل ان يدخل المسجد وهو فى الطريق ثم دخل المسجد فصل الصبح مع الناس۔

(طحاوی ص۲۵۸ ج۱)۔

حضرت محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھر سے تشریف لے گئے تو فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی، آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے راستہ ہی میں دو رکعت (فجر کی سنتیں) ادا کیں پھر مسجد میں داخل ہوئے اور فجر کی نماز لوگوں کے ساتھ ادا کی۔

(حدیث اور اہل حدیث ۵۹۹)

الجواب: اولاً اس سے حنفیہ کا مذہب ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خارج مسجد راستہ میں سنتیں ادا کیں جبکہ حنفی مسجد میں ادا کرتے ہیں۔

ثانیا: اس کی سند میں، عبد اللہ بن صالح کاتب اللیث راوی ہے جو کہ سئی الحفظ ہے اور آئمہ جرح و تعدیل نے اس پر شدید نکیر کی ہے، جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔ تفصیل کے لئے (دین الحق ص۴۸۷ ج۱)۔ کی مراجعت کریں۔

(۱۰) عن زيد بن اسلم عن ابن عمر انه جاء والامام يصلى الصبح ولم يكن صلى الركعتين قبل الصبح فصلاهما فى حجرة حفصة ثم انه صلى مع الامام۔

(طحاوی ص۲۵۸ ج۱)۔

حضرت زید بن اسلم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (فجر کی نماز کے لئے) تشریف لائے تو امام نماز پڑھا رہا تھا، اور آپ نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھیں تھیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں سنتیں ادا کیں پھر امام کے ساتھ نماز پڑھی۔

(حدیث اور اہل حدیث ۶۰۰)

الجواب: اولا اس سے حنیفہ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔

ثانیا: سند میں طحاوی کا استاد، علی بن شیبہ راوی غیر معروف ہے۔ فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ اس کی بحوالہ عدالت وثقات ثابت کرے۔ ثم ظہر لی،، خطیب نے (تاریخ ص ۴۳۵ ج ۱۱) اور ذہبی نے (تاریخ الاسلام ص ۱۷۶ ج ۷) میں اس کا تذکرہ کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی۔

ثالثا: سند میں یحییٰ بن ابی کثیر راوی مدلس ہے (طبقات المدلسین ص ۳۶ وتقریب ص ۳۷۸) اور سماع کی صراحت نہیں بلکہ لفظ عن سے روایت کر رہا ہے۔ الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

(۱۱) عن ابی مجلز قال دخلت المسجد فی الصلاۃ الغداۃ مع ابن عمر وابن عباس والامام یصلی فاما ابن عمر فدخل فی الصف واما ابن عباس فصلی رکعتین ثم دخل مع الامام فلما سلم الامام قعد ابن عمر مکانہ حتی طلعت الشمس فقام فرکع رکعتین۔

(طحاوی ص ۲۵۷ ج ۱)۔

حضرت ابومجلز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ فجر کی نماز کے لئے مسجد میں آیا تو امام نماز پڑھا رہا تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تو صف میں داخل ہو گئے لیکن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دو رکعت (سنت) پڑھ کر امام کے ساتھ شریک ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی جگہ پر بیٹھے رہے حتیٰ کہ جب سورج نکل آیا تو اٹھ کر دو رکعتیں پڑھیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۰۱)

الجواب: اولا دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما میں سے ایک نے سنتیں پڑھ لیں جب کہ دوسرے نے سنتیں پڑھنے کے بغیر جماعت میں شمولیت اختیار کر لی، انوار صاحب کس دلیل سے پہلے صحابی کے عمل کو قبول کرتے ہیں اور دوسرے کے عمل کو رد کرتے ہیں؟۔

ثانیا: فصل اول میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوع حدیث گزر چکی ہے اور یہ ممکن نہیں کہ صحابی مرفوع حدیث کی مخالفت کرے اور مذکورہ روایت کی سند میں طحاوی کا استاد، احمد بن عبد المؤمن خراسانی راوی مجہول ہے فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ اس کی بحوالہ ثقات ثابت کرے۔

ثالثا: اقوال صحابہ کرام تب حجت ہیں جب سنت سے اس کی نفی نہ ہوتی ہو مزید یہ کہ جس مسئلہ میں اختلاف صحابہ ہو وہاں بھی آثار صحابہ کرام حجت نہیں ہوا کرتے، تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

(۱۲) عن ابی عثمان الانصاری قال جاء عبد الله بن عباس والامام فی صلوة الغداة ولم یکن صلی الرکعتین فصلی عبد الله بن عباس الرکعتین خلف الامام ثم دخل معهم۔ (طحاوی ص ۲۵۸ ج ۱)۔

حضرت ابوعثمان انصاری فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (فجر کی نماز کے لے مسجد) تشریف لائے تو امام نماز میں تھا، اور آپ نے دو رکعتیں (سنت کی) نہیں پڑھیں تھیں چنانچہ آپ نے دو رکعت سنت امام کے پیچھے پڑھیں پھر لوگوں کے ساتھ شریک (جماعت) ہوگئے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۰۱)

الجواب: اولاً ابوعثمان انصاری راوی مقبول ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے (تقریب ص۲۱۶) میں صراحت کی ہے یعنی متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث ہے جیسا کہ خود حافظ ابن حجر نے، مقدمہ تقریب، میں صراحت کی ہے، اس کے علاوہ سند میں ابوعمر الضریر راوی بھی متکلم فیہ ہے۔ پھر انقطاع کا شبہ بھی موجود ہے تفصیل دین الحق میں عرض کردی گئی ہے۔

ثانیاً: یہ روایت حنفیہ کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے کیونکہ ان کے نزدیک بھی جماعت سے دور صحن مسجد وغیرہ میں سنتیں ادا کرنا چاہئے، جماعت کی صفوں سے متصل جائز نہیں، جیسا کہ طحاوی نے، شرح معانی الاثار ص۲۵۶ ج۱ میں صراحت کی ہے۔ جب کہ اس روایت میں متصل پڑھنے کا ذکر ہے، اور الفاظ، خلف الامام، کا یہی مقصود ہے۔

(۱۳) عن ابی الدرداء انه کان یدخل المسجد والناس صفوف فی صلوٰة الفجر فصلی الرکعتین فی ناحیة المسجد ثم دخل مع القوم فی الصلوة۔ (طحاوی ص۲۵۸ ج ۱)۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ مسجد میں تشریف لاتے تو لوگ فجر کی نماز کی صف باندھے کھڑے ہوتے۔ آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعت (سنت) ادا کرتے پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوجاتے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۶۰۱)

الجواب: سند میں طحاوی کا استاد ابو بشر الرقی اور اس سے اوپر کا راوی ابو معاویہ کی عدالت وثقات مطلوب ہے، ہم نے رقی کی عدالت کے لئے طحاوی کے ابتدائی صفحات کا مطالعہ کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ یہ ہستی کون ہے مگر امام طحاوی نے یہاں پر اپنی عادت سے ہٹ کر سب سے پہلے ص۴۲ پر حدثنا ابو بشر الرقی قال ثنا ابومعاویہ کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے، مگر صراحت نہیں کی کہ ابو بشر اور ابو معاویہ کون ہیں، خود راقم نے بھی کتب رجال کی مراجعت کی ہے، مگر ان کے حالات معلوم نہیں ہوسکے، لہٰذا جو شخص اس روایت کی صحت کا مدعی ہے، وہ ان دونوں راویوں کی عدالت ثابت کرے۔

(۱۴) عن ابو عثمان النهدی قال کنا ناتی عمر بن الخطاب قبل ان نصلی الرکعتین قبل

الصبح وھو فی الصلوٰۃ فنصلی فی آخر المسجد ثم ندخل مع القوم فی الصلوٰتھم۔
(طحاوی ص۲۵۸ ج ۱)۔

حضرت ابوعثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں صبح کی دوسنتیں پڑھنے سے پہلے حاضر ہوتے تو آپ نماز پڑھا رہے ہوتے ہم مسجد کے آخر میں دوسنتیں پڑھ کر لوگوں کے ساتھ ان کی نماز میں شریک ہوجاتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۰۲)

الجواب: اولاً یہ تابعی کا عمل ہے جو حدیث مرفوعہ کا معارض نہیں ہوسکتا ہے۔

ثانیا: پہلی فصل میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عمل گزر چکا ہے وہ جماعت کے وقت سنن پڑھنے والے کو ڈانٹا کرتے تھے۔

ثالثا: سند میں جعفر نامی راوی کی عدالت مطلوب ہے کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ الغرض روایت جہالت راوی کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔

(۱۵) عن حصین قال سمعت الشعبی یقول کان مسروق یجئی الی القوم وھم فی الصلوٰۃ ولم یکن یرکع رکعتی الفجر فیصلی الرکعتین فی المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلوٰتھم۔

(طحاوی ۲۵۸ ج ۱)۔

حضرت حصین فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شعبیؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے پاس تشریف لاتے اس حال میں کہ لوگ نماز میں ہوتے اور آپ نے فجر کی دو رکعت سنت نہ پڑھی ہوتیں تو آپ مسجد میں دو رکعت سنت پڑھ کر لوگوں کے ساتھ ان کی نماز میں شریک ہوجاتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۰۲)

الجواب: اولاً یہ تابعی کا قول ہے جو نبی مکرم سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کے بالمقابل کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔

ثانیا: سند میں سعید بن ابی عروبہ راوی مدلس ہے۔ (تقریب ص۱۲۴) اور تحدیث کی صراحت نہیں، علاوہ ازیں سند میں حصین بن عبدالرحمٰن حارثی راوی مجہول ہے اور اس کی مرویات مناکیر ہیں۔ جیسا کہ امام احمد نے صراحت کی ہے۔

(تہذیب ص۳۳۰ ج ۲، میزان ص۵۵۲ ص ۱)۔

(۱۶) عن الحسن انہ کان یقول اذا دخلت المسجد ولم تصلی رکعتی الفجر فصلھما و ان کان الامام یصلی ثم ادخل مع الامام۔

(طحاوی ص۲۵۸ ج ۱)۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ جب تم مسجد میں داخل ہو اور تم نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو (پہلے) وہ سنتیں پڑھ لو اگرچہ امام نماز ہی پڑھا رہا ہو پھر امام کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔

(۱۷) انا یونس قال کان الحسن یقول یصلیها فی ناحیة المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلوٰتهم

(طحاوی ص۲۵۸)۔

حضرت ھشیم کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت یونس نے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ فجر کی دو سنتیں مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ کر پھر لوگوں کے ساتھ انکی نماز میں شریک ہو جائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۰۳)

الجواب: یہ دونوں روایات صغیر تابعی کے اقوال ہیں۔ جن کی حیثیت دین میں فقط ایک عالم دین اور امتی کی ہے۔ بھلا ایسے شخص کے اقوال سے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو کیسے ترک کیا جاسکتا ہے۔ محترم ممکن ہے کہ ان بزرگ ہستیوں تک فصل اول میں مذکورہ احادیث ہی نہ پہنچی ہوں، وہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بری الذمہ ہوئے، اور تم لوگ جن کو یہ احادیث معلوم ہیں، محدثین کی جماعت نے محنت شاقہ کر کے امت مرحومہ تک پہنچا دی ہیں۔ حتیٰ کہ علماء نے اردو میں تراجم کر کے عامۃ الناس پر بھی اس حقیقت کو کھول دیا ہے۔ مگر انوار صاحب ابھی تک ان خلاف احادیث فتاویٰ کو پلّے باندھے پھرتے ہیں۔ محترم وضاحت کیجئے آپ لوگ ایمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر لائے ہیں یا کسی بصری کوفی پر؟ پھر ذرا اصول فقہ پر بھی ایک نظر ڈال لینا۔ وہاں ادلہ شرعی چار ہیں۔ قرآن و سنت، اوراجماع اور قیاس۔ گویا کہ کسی بصری مصری کا نام ادلہ شرعی میں نہیں، مگر انوار صاحب ایسے اناڑی ہیں کہ ان بزرگوں کے اقوال بھی خصم پر بطور حجت نقل کر رہے ہیں۔

(۱۸) عن سعید بن جبیر انه جاء الی المسجد والامام فی صلوٰة الفجر فصلی الرکعتین قبل ان یلج المسجد عند باب المسجد۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۲۵۱ ج ۲)۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں تشریف لائے تو امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا، آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے مسجد کے دروازے کے پاس دو رکعت سنت ادا کیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ۶۰۳)

الجواب: اولاً یہ تابعی کا قول ہے جو مرفوع احادیث کے بالمقابل ناقابل حجت ہے۔ جیسا کہ گزشتہ روایت میں راقم نے تفصیلا لکھا ہے علاوہ ازیں اس سے حنفیہ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان

کا عمل خارج مسجد نہیں بلکہ مسجد میں سنن پڑھنے کا ہے۔

ثانیا: سند میں حصین، راوی ہے اور قاسم بن ابی ایوب کے ترجمہ میں حافظ ابن حجر نے (تہذیب میں) صراحت کی ہے کہ یہی حصین بن عبد الرحمٰن ہے کتب رجال کو دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ حارثی ہے اور یہ مجہول ہے۔ جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ الغرض یہ روایت بوجہ جہالت راوی ضعیف ہے۔

(۱۹) عن مجاهد قال اذا دخلت المسجد والناس فی صلوٰة الصبح ولم ترکع رکعتی الفجر فارکعهما وان ظننت ان الرکعة الاولیٰ تفوتك۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۲۵۱ ج ۲)۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تم مسجد میں داخل ہو اور لوگ صبح کی نماز پڑھ رہے ہوں اور تم نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو (پہلے) وہ پڑھ لو اگرچہ تمہارا خیال ہو کہ تم سے پہلی رکعت فوت ہو جائے گی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۰۴)

الجواب: اولاً یہ تابعی کا قول ہے جو احادیث مرفوعہ کے بالمقابل قابل ذکر ہی نہیں۔

ثانیا: سند میں، عبد اللہ بن موسیٰ ہے اگر یہ عبید اللہ نہیں تو مجہول ہے، فریق ثانی پر لازم ہے کہ وہ اس کی بحوالہ عدالت وثقاہت ثابت کرے۔

(۲۰) عن علی قال کان النبی ﷺ یصلی الرکعتین عند الاقامة۔

(ابن ماجه ص ۸۱)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دو رکعت اقامت کے وقت پڑھا کرتے تھے۔

(۲۱) عن علی رضی اللہ عنہ قال کان رسول الله ﷺ یصلی رکعتی الفجر عندالاقامة۔

(مسند احمد ص ۷۷ ج ۱)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی دو رکعت (سنت) اقامت کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ حدیث اور اہل حدیث ص ۶۰۴۔

الجواب: اولاً اس کے متن میں اضطراب ہے، ابن ماجہ نے امام ابو بکر کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے، اور امام ابو بکر کی مصنف میں یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے کہ۔

کان یصلی الرکعتین عند الاذان قال احدهما ویوتر عند الاقامة،

یعنی نبی مکرم ﷺ دو رکعتیں اذان کے وقت پڑھتے تھے، (ابو اسحاق سے روایت کرنے والے، (ابو الاحوص اور شریک) دونوں میں سے ایک کہتا ہے کہ وتر اقامت کے وقت پڑھا کرتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۴۲ ج ۲)۔

لہٰذا انوار صاحب کسی خارجی دلیل سے یہ ثابت کریں کہ اذان کی بجائے اقامت کا لفظ ہے اور وتروں کی جگہ رکعتی الفجر کے الفاظ صحیح ہیں۔

ثانیاً: عند الاقامۃ، سے مراد دوران اقامت نہیں بلکہ قبل اقامت ہے جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں صراحت ہے کہ، **کان یصلی الرکعتین عند الاقامۃ بین الاذان والاقامۃ**، یعنی آپ علیہ السلام دو رکعتیں اقامت کے وقت پڑھتے تھے یعنی اذان و اقامت کے درمیان ادا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۴۱ ج ۲)۔

ثالثاً: یہ روایت ضعیف ہے، سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی، حارث الاعور ہے۔ اسے امام الشافعی نے کذاب کہا ہے عقیدتاً رافضی تھا۔ (تقریب ص ۶۰)

مزید یہ کہ ابو اسحاق تدلیس میں مشہور ہے (طبقات المدلسین ص ۴۲ اور سماع کی صراحت نہیں الغرض یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ بوصیری نے صراحت کی ہے۔

(بحواله حاشیه سندھی علی ابن ماجه ص ١٦٤)۔

(۲۲) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ صبح کی اقامت کہی جا چکی ہو اور میں وتر پڑھ رہا ہوں۔ (موطا امام مالک ص ۱۱۱)۔

(۲۳) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ایک قوم کی امامت کرتے تھے آپ ایک دن صبح کی نماز پڑھانے کے لئے نکلے تو مؤذن نے صبح کی نماز کی اقامت کہہ دی آپ نے اسے چپ کروایا یہاں تک کہ وتر پڑھے پھر انہیں صبح کی نماز پڑھائی، (موطا امام مالک ص ۱۱۱)۔

(۲۴) حضرت عبد الرحمٰن بن قاسم سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں وتر پڑھوں گا اگرچہ میں اقامت سن رہا ہوں یا فجر کے بعد، حضرت عبد الرحمٰن بن قاسم کی جانب سے شک ہوا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ نے کیا کہا ہے

(حدیث اور اہل حدیث ص ۶۰۵، ۶۰۶)

الجواب: اولاً قضاء نماز میں ترتیب ضروری نہیں اسے نماز فجر کے بعد بھی پڑھا جاسکتا ہے، خود حنفیہ کے نزدیک بھی فجر کے بعد قضاء نماز پڑھنے کی رخصت ہے، لہٰذا جماعت کے ہوتے ہوئے قضاء نماز میں مشغول ہونے کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔

ثانیاً: ان تمام آثار کی صحت کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی یہ قابل حجت نہیں کیونکہ یہ مرفوع حدیث کے خلاف ہیں، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ جب نماز کی اقامت ہوجائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی، ایک طریق میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ مگر وہی نماز جس کے لئے اقامت ہوئی ہو، تفصیل فصل اول میں گزر چکی ہے۔

ثالثاً: خود اکابر احناف کے نزدیک بھی یہ روایات قابل قبول نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک بھی جماعت ہوتے ہوئے صرف فجر کی سنتیں پڑھنے میں رخصت ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ **یکرہ اذا اقیمت الصلوۃ ان یصلی الرجل تطوعا غیر رکعتی الفجر خاصۃ...... وھو قول ابی حنیفہ۔** یعنی جب جماعت کھڑی ہوجائے تو مکروہ ہے کہ انسان فرض سے زوائد نماز پڑھے سوائے فجر کی سنتیں اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ کا (موطا امام محمد ص۸۶)۔

رابعاً: سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا قول خالص پیش امام کے متعلق ہے۔ جو جماعت کی نفی کو مستلزم ہے اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک پیش امام تاخیر نماز میں اختیار رکھتا ہے، پھر یہ روایت بھی منقطع ہے کیونکہ سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی یحییٰ بن سعید کی آپ سے ملاقات وسماع نہیں ہے۔ جیسا کہ مولانا ظفر احمد تھانوی نے بحوالہ (تہذیب ص۲۲۳ ج۱۱)۔ صراحت کی ہے (اعلاء السنن ص۱۰۷ ج۷) تیسری روایت عبد اللہ بن عامر کی ہے اور یہ تابعی ہیں، پھر اس میں شک بھی ہے کہ جماعت کے ہوتے ہوئے پڑھیں جائیں یا بعد از نماز، مگر انوار صاحب نے کوئی دلیل خاص جماعت کے ہوتے ہوئے پر قائم نہیں کی، ہاں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی سند صحیح ہے مگر یہ حنفیہ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اثر میں صراحت ہے کہ وتر پڑھ رہا ہو تو جماعت کھڑی ہوجائے ۔ جب کہ حنفی جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنتیں پڑھتے ہیں۔ خواہ اس سے جماعت فوت ہی ہو جائے، یہ بھی ملحوظ رہے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک وتر پڑھا کرتے تھے جیسا کہ رکعات وتر کی بحث میں تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲۵) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ اذا اقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ الا رکعتی الصبح،

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۴۸۳ ج۲)،قال الشیخ العثمانی بعد البحث عن اسنادہ فھذا الاسناد (ایضا حسن، اعلاء السنن ص۹۵ ج۷)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اقامت ہوجائے تو سوائے فرض نماز کے اور کوئی نماز نہیں ماسواء فجر کی دو رکعت سنت کے (کہ وہ جائز ہیں) (حدیث اور اہل حدیث ۶۰۶)

الجواب :امام بیہقی نے آگے ہی لکھا ہے کہ **وھذا الزیاد لا اصل لھا وحجاج بن نصیر وعبادہ بن کثیر ضعیفان ۔** یعنی اس زیادت (سوائے رکعت فجر کے) کی کوئی اصل نہیں اور حجاج بن نصیر اور عبادہ بن کثیر (دو راوی اس کی سند کے) ضعیف ہیں۔ (بیہقی ۴۸۳ ج۲)۔

علاوہ ازیں حجاج بن نصیر سے نیچے کی سند امام بیہقی نے درج نہیں کی جس سے ثابت ہوا کہ یہ من گھڑت اور بے اصل ہے ، اور صاحب اعلاء السنن، کا اس کی سند کو حسن کہنا قطعی طور پر غلط ہے ان سے

قبل متعدد دیوبندی اہل علم نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مثلاً مولانا عبد الحی لکھنوی نے التعلیق المجد ص۸٦ میں مولانا نیموی نے آثار السنن ص۲۲٦ میں اور ان سے بھی پہلے علامہ عینی نے، عمدہ القاری ص۱۸۵ ج۵ میں بلکہ دیوبند کے شیخ الحدیث اور خاتمۃ الحفاظ مولانا محمد انور شاہ کاشمیری نے تو ڈنکے کی چوٹ یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ الفاظ راوی کی طرف سے مدرج ہیں۔ (فیض الباری ص۲۰۱ ج۲)، اور عرف الشذی ص۲۰۹ میں انہوں نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ امام بیہقی کا اسے لااصل لھا کہنے سے یہی مراد ہے کہ یہ الفاظ راوی کے ہیں حدیث نبوی نہیں۔ علامہ کاشمیری کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ اس کا راوی حجاج بن نصیر، لقمہ کو قبول کر لیتا تھا، (تقریب ص٦۵) یہی وجہ ہے کہ دور حاضر کے عظیم حنفی ناصر مولوی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ یہ روایت نہایت درجہ کی ضعیف ہے۔ (درس ترمذی ص۱۹۸ ج۲)۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے اپنے مؤقف پر کل ۲۵ دلائل نقل کیے ہیں ان میں صرف نمبر۱، ۲، ۳، ۲۰، ۲۱، ۲۵ کی نقل کردہ روایات مرفوع ہیں۔ بقایا موقوف ومقطوع ہیں مرفوع احادیث میں دو صحیح ہیں مگر ان میں جماعت کے ہوتے ہوئے سنن پڑھنے کا بیان نہیں بلکہ سنت فجر کی فضیلت بیان ہوئی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ سنن کی جس قدر بھی فضیلت ہو تب بھی وہ جماعت فرائض اور اصلی نماز سے کم تر ہیں، مزید یہ کہ فضیلت سے حنفیہ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا۔ تفصیل گزر چکی ہے، نمبر۳، ۲۰، ۲۱، میں نقل کردہ روایات ضعیف ہونے کے علاوہ مرفوع احادیث کے مخالف بھی ہیں اور انوار صاحب نے ان میں معنوی تحریف بھی کی ہے، آخری روایت سخت ضعیف ہے موقوف روایات میں تین کا تعلق نماز وتر سے ہے، صبح کی سنتوں سے نہیں، بقایا دلائل میں آثار صحابہ کرام ہیں اور پانچ اقوال تابعین عظام کے ہیں۔ آثار صحابہ کرام میں صرف سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اقوال سنداً صحیح ہیں مگر یہ حنفیہ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں تفصیل نمبر ۷، ۸، ۹، ۱۲، میں گزر چکی ہے، بقایا آثار صحابہ کرام ضعیف ہیں دیکھئے نمبر ۴، ۵، ٦، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳،) تابعین کے اقوال میں نمبر۱۴، ۱۵، ۱۸، ۱۹، ضعیف ہیں صرف حسن بصری کا قول ثابت ہے راجع نمبر ۱۷، ۱٦،) گویا انوار صاحب قرآن وسنت سے کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کر سکے جو حنفی نقطہ نظر کی ترجمانی کرے، جب کہ ہم فصل اول میں مرفوع احادیث کے علاوہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے متعدد آثار پیش کر کے مسئلہ کو صاف کر چکے ہیں، مگر انوار صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو فجر کی جماعت کھڑی ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اگر اسے دوسری رکعت ملنے کا یقین ہو تو وہ مسجد سے باہر کسی جگہ ورنہ مسجد کے دروازے کے پاس یا مسجد کے کسی گوشے یا ستون کی آڑ میں جماعت کی صفوں سے ہٹ کر ان سنتوں کو ادا کر لے اور پھر جماعت کے ساتھ شریک ہو جائے کیونکہ اول تو حضور علیہ السلام نے ان کی تاکید بہت فرمائی ہے (حدیث اور اہل حدیث ص٦۰٦)۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جس چیز کی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تاکید کریں

اسے جماعت کھڑی ہونے پر بھی لازمی کیا جائے خواہ اس سے پہلی رکعت فوت ہی ہو جائے، محترم آپ کا مسواک کے متعلق کیا خیال ہے، اس کی بھی شرع میں تاکید ہے کہ نہیں؟ اگر ہے یقیناً ہے تو پہلی رکعت مسواک میں گزار دی اور دوسری سنتیں پڑھتے ہوئے ہاتھ سے چلی گئی، چلو چھٹی ہوئی، ہم یہاں پر انوار صاحب سے یہ سوال بھی کرنا چاہتے ہیں کہ جماعت میں شامل ہونے کی بھی کہیں تاکید ہے کہ نہیں؟اگر اس سے انکار کرتے ہو تو اپنی کتاب کا صفحہ ۵۲۹ بغور پڑھنا وہاں آپ نے بروایت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث نبوی علیہ التحیۃ والسلام نقل کی ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ اپنی جگہ پر کسی کو امامت کے لئے کھڑا کروں اور جماعت سے پیچھے رہنے والوں کے گھروں کو آگ لگا دوں، سنت فجر کی تاکید اور اس تہدید کا تقابل کریں تو جماعت کی تاکید زیادہ ہے کیونکہ سنن کی تاکید میں ترغیب ہے جب کہ جماعت سے پیچھے رہنے میں سرزنش ہے، محترم اگر آپ غور کریں تو ترغیب زائد چیز میں ہوتی ہے جب کہ دھمکی کسی حکم کی نافرمانی پر ہوتی ہے، فقہ کا راگ الاپنے والو غور کرو، کہاں بھکے بھکے بھٹک رہے ہو، آخر عقل تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دی ہے۔آپ اس نعمت کی قدر کیوں نہیں کرتے ، اندھا اعتماد (تقلید) تو آپ نے کیا ہی تھا، مگر یہاں آپ نے اسے بھی چھوڑ دیا ہے۔انوار صاحب نے ادلہ اربعہ، (قرآن وسنت، اجماع اور قیاس شرعی) میں سے کوئی دلیل اپنے مؤقف پر قائم نہیں کی کہ۔صبح کی سنن مسجد میں پڑھی جاسکتی ہیں خواہ اس سے جماعت کی پہلی رکعت ہی فوت ہو جائے، یہ بات ملحوظ رہے کہ جہاں اس پر کوئی دلیل نہیں وہاں امام ابوحنیفہ کا یہ مسلک بھی نہیں، دیوبند کے جید اور نامور عالم دین محمد انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ **وقال ابو حنیفة رحمه الله علی تقرر عندی من مذهبه انه یرکعهما خارجة بشرط ادراك رکعت ولا روایة عنه فی داخل المسجد وهذا هوالمذهب عندی کما فی الجامع الصغیرو البدائع أما أنا فأعمل بمذهب ابی حنیفة وقد افتی به الناس غیرانی لا انازع من صلاهما فی المسجد۔**

اور امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے اور میرے نزدیک ان کا یہی مذہب مقرر ہے کہ مسجد سے باہر سنن کو ادا کرے اس شرط کے ساتھ کہ اسے ایک رکعت مل جائے، اور مسجد کے اندر پڑھنے کی روایت امام ابوحنیفہؒ سے نہیں ہے اور میرے نزدیک یہی آپ کا مذہب ہے جیسا کہ جامع الصغیر اور البدائع میں ہے۔اور میں امام صاحب کے مذہب کے موافق ہی عمل کرتا ہوں اور اسی پر ہی لوگوں کو فتویٰ دیتا ہوں، ہاں جو مسجد میں پڑھے اس سے جھگڑا نہیں کرتا۔(ملخصا: فیض الباری ص۱۹۸ ج۲، مطبوعه مکتبه حقانیه پشاور)

انوار صاحب کے نزدیک تمام گمراہیوں کی جڑ ترک تقلید ہے مگر یہاں خود بھی اسے خیر باد کہہ دیا ہے، معلوم نہیں کہ وہ ابھی تک اس گمراہی میں مبتلا ہیں یا اسے چھوڑ کر اپنے مؤقف پر نظر ثانی کر چکے ہیں۔

(۵۴) باب سنت فجر پڑھ کر دائیں کروٹ لیٹنا مسنون ہے

فصل اول

(۱) عن ابی الاسود عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی رکعتی الفجر اضطجع علی شقہ الایمن۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایہ ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی سنتیں پڑھ کر فارغ ہوتے تو دائیں کروٹ لیٹ جایا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب التہجد باب الضجعۃ الشق الایمن بعد الرکعتی الفجر الحدیث ۱۱۶۰)۔

(۲) حدثنا ابو الیمان قا ل ا خبرنا شعیب عن الزھری عن عروۃ ان عائشۃ رضی اللہ عنہا اخبرتہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی احدی عشرۃ رکعۃ کانت تلک صلاۃ تعنی باللیل، فیسجد السجدۃ من ذلک قدر ما یقرأ احدکم خمسین آیۃ قبل ان یرفع راسہ ویرکع رکعتین قبل صلاۃ الفجر ثم یضطجع علی شقہ الایمن حتی یاتیہ المؤذن للصلاۃ۔

ہم سے ابو الیمان نے بیان کیا کہ ہم کو شعیب نے خبر دی انہوں نے امام زہری سے انہوں نے عروہ بن زبیر سے اور انہوں نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، رات کی نماز آپ کی یہی تھی، ان میں سجدہ اتنا لمبا کرتے کہ آپ علیہ السلام کے سر اٹھانے سے پہلے تم میں سے کوئی ایک پچاس آیات پڑھ لے، اور فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں سنت پڑھا کرتے پھر دائیں پہلو پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ مؤذن نماز کے لئے بلانے کو آپ کے پاس آتا۔

(بخاری کتاب الوتر ماجاء فی الوتر، الحدیث ۹۹۴)۔

(۳) حدثنا عبد اللہ بن محمد حدثنا ھشام بن یوسف اخبرنا معمر عن الزھری عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل احدی عشرۃ رکعۃ، فاذاطلع الفجر صلی رکعتین حفیفتین ثم اضطجع علی شقہ الایمن حتی یجئی المؤذن فیوذنہ۔

ہم سے عبد اللہ بن محمد نے بیان کیا انہوں نے ہشام بن یوسف سے انہوں نے معمر سے انہوں نے زہری سے انہوں نے عروہ بن زبیر سے روایت کی کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گیارہ رکعات نماز پڑھا کرتے تھے جب طلوع فجر ہوتی تو ہلکی پھلکی دو رکعتیں پڑھتے پھر دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے، یہاں تک کہ مؤذن آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو بلانے کے لئے آتا۔

(بخاری کتاب الدعوات باب الضجع علی الشق الایمن الحدیث ۶۳۱۰)۔

(۴) عن عمرو بن الحارث عن ابن شهاب عن عروة بن الزبير عن عائشة رضی اللہ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يصلی فيما بين ان يفرغ من صلاة العشاء، وهی التی يدعو الناس العتمة، الى الفجر احدى عشرة ركعة يسلم بين كل ركعتين، ويوتر بواحدة، فاذا سكت المؤذن من صلاة الفجر وتبين له الفجر، وجاء ه المؤذن، قام فركع ركعتين خفيفتين، ثم اضطجع على شقه الايمن، حتى ياتيه المؤذن للاقامة۔

امام عمرو بن حارث نے ابن شہاب زہری سے نقل کیا ہے وہ عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز (اور یہ وہی نماز ہے جسے لوگ عتمہ کہتے ہیں) سے فجر کی نماز تک گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے، اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور وتر ایک رکعت پڑھتے تھے۔ پھر جب مؤذن صبح کی اذان ختم کرتا اور آپ پر صبح واضح ہوجاتی اور آپ علیہ السلام کے پاس (بعرض اطلاع) مؤذن آتا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کھڑے ہوکر دو ہلکی پھلکی رکعت سنتیں پڑھتے، پھر داہنی کروٹ لیٹ جاتے یہاں، تک کہ مؤذن تکبیر کہنے کے لئے آتا۔

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... الحدیث ۱۷۱۸)۔

(۵) اخبرنی یونس عن ابن شهاب بهذا الاسناد، وساق حرملة الحديث بمثله غير ان لم يذكر، الاقامة،وسائر الحديث بمثل حديث عمرو ، سواء۔(صحیح مسلم باب سابق الحدیث ۱۷۱)۔

(۶) عن ابن ابی ذئب والاوزاعی، عن الزهری عن عروة عن عائشة قالت كان رسو ل الله صلی اللہ علیہ وسلم يصلی فيما بين ان يفرغ من صلاة العشاء الى ان ينصدع الفجر احدى عشرة ركعة يسلم من كل ثنتين، و يوتر بواحدة، ويمكث فی سجوده قدر ما يقرأ احدكم خمسين آية قبل ان يرفع راسه فاذا سكت المؤذن بالاولى من صلاة الفجر قام فركع ركعتين خفيفتين ثم اضطجع على شقه الايمن حتى ياتيه المؤذن۔

امام ابن ابی ذئب اور امام اوزاعی امام زہری سے اور وہ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہونے اور طلوع فجر تک گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور سجدہ میں اتنی دیر ٹھہرتے کہ تم میں سے کوئی ایک پچاس آیات کی قرأت سجدہ سے سر اٹھانے سے پہلے کرلیتا، جب مؤذن اذان کہتا تو آپ کھڑے ہوکر دو رکعتیں ہلکی پھلکی پڑھتے پھر دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ مؤذن آپ علیہ التحیۃ والسلام کو اطلاع دینے کی غرض سے آتا۔

(ابو داؤد کتاب التطوع باب فی صلاۃ اللیل، الحدیث ۱۳۳۶)۔

(۷) حدثنا شعیب عن الزھری قال اخبرنی عروۃ عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا سکت المؤذن بالاولیٰ من صلاۃ الفجر قام فرکع رکعتین خفیفتین قبل صلاۃ الفجر بعد ان یتبین الفجر ثم یضطجع علی شقہ الایمن۔

امام شعیب امام زہری سے وہ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب مؤذن صبح کی اذان سے فارغ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ طلوع فجر کے بعد اور فجر کی فرض نماز سے پہلے ہلکی پھلکی دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، پھر دائیں کروٹ لیٹ جاتے۔

(سنن نسائی کتاب قیام اللیل باب الاضطجاع بعد رکعتی الفجر، الحدیث ۱۷۶۳)۔

(۸) عن عبد الرحمن بن اسحاق عن الزھری عن عروۃ عن عائشۃ قالت کان النبی ﷺ اذا صلی رکعتی الفجر اضطجع علی شقہ الایمن۔

امام عبد الرحمٰن بن اسحاق امام زہری سے اور وہ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی سنتیں پڑھ کر لیٹ جایا کرتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات باب ماجاء فی الضجعۃ بعد الوتر وبعد رکعتی الفجر، الحدیث ۱۱۹۸)۔

(۹) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا صلی احدکم الرکعتین قبل الصبح فلیضطجع علی یمینہ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک صبح کی سنتیں پڑھ لے تو وہ داہنی کروٹ پر لیٹ جائے۔

(سنن ابو داؤد کتاب التطوع باب الاضطجاع بعدھا، الحدیث ۱۲۶۱)۔ ترمذی کتاب الصلاۃ باب ماجاء فی الاضطجاع بعد الرکعتی الفجر، الحدیث ۴۲۰، صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۲۴۵۹، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث ۱۱۲۰، بیہقی ص۴۵ ج۳، مسند احمد ص۴۱۵ ج۲، المحلی لابن حزم ص۲۲۸ ج۲)۔

(۱۰) عن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا صلی رکعتی الفجر اضطجع۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب صبح کی سنتیں پڑھ لیتے تو (داہنی کروٹ) لیٹ جایا کرتے تھے۔

(سنن ابن ماجۃ کتاب اقامۃ الصلوات باب ما جاء فی الضجعۃ بعد الوتر وبعد رکعتی الفجر الحدیث، ۱۱۹۹)۔

(۱۱) عن عبد اللہ بن عمرو، ان رسول اللہ ﷺ کان اذا رکع رکعتی الفجر اضطجع علی شقہ الایمن۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی دو سنتیں پڑھ لیتے تو (داہنی کروٹ) لیٹ جایا کرتے تھے۔

(مسند احمد ص۱۷۳ ج۲ رقم الحدیث ٦٥٨٢)۔

(۱۲) عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صلی رکعتی الفجر اضطجع۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی سنتیں پڑھتے تو لیٹ جایا کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص٤٥ ج٢)۔

(۱۳) عن ابن عباس قال زرت خالتی فوافقت لیلۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکر الحدیث وقال ثم صلی رکعتین ثم اضطجع حتی سمعت ضفیزہ، ثم اقیمت الصلاۃ فخرج فصلی۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ کے ہاں رات گزاری اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھی پھر آپ نے حدیث مفصل بیان کی اور فرمایا کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی دو سنتیں پڑھیں، اور پھر لیٹ گئے حتی کہ میں نے آپ علیہ السلام کے خراٹوں کی آواز سنی، پھر اقامت ہوئی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کے لئے تشریف لائے۔

(صحیح ابن خزیمه ص١٦٨ ج٢ رقم الحدیث ١١٢١)۔

(۱۴) عن محمد ان اباموسیٰ الاشعری ورافع بن خدیج وانس بن مالك کانوا یضطجعون بعد رکعتی الفجر۔

امام محمد بن سیرین تابعی فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ صبح کی سنتوں کے بعد لیٹا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۴۷ ج۲)۔

(۱۵) عن ابن سیرین ان ابا موسیٰ الاشعری ورافع بن خدیج وانس بن مالك کانوا یضطجعون عند رکعتی الفجر ویا مرون بذلك۔

امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ صبح کی سنتوں کے بعد لیٹا کرتے اور اس کا حکم بھی فرمایا: کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق ص٤٢ ج٣ رقم الحدیث ٤٧١٩)۔

(۱۶) عن ثابت البنانی ان ابا موسیٰ الاشعری واصحابه کانوا اذا صلوا رکعتی الفجر اضطجعوا۔

امام ثابت البنانی فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو موسیٰ الاشعری اور آپ کے دوست صبح کی سنتیں پڑھنے کے بعد لیٹا کرتے تھے۔

(المحلی لابن حزم ص ٢٣٠ ج٢ مسالة ٣٤١).

(١٧) حدثنا هشام قال اخبرنا غيلان بن عبد الله قال رأيت ابن عمر صلى ركعتين الفجر ثم اضطجع۔

امام غیلان بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ نے صبح کی دو رکعت سنتیں پڑھ کر اضطجاع کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٢٤٧ ج٢).

(١٨) وذكر عبد الرحمن بن زيد فى، كتاب السبعة، انهم يعنى سعيد بن المسيب، والقاسم بن محمد بن ابى بكر، وعروة بن الزبير، وابا بكر بن عبد الرحمن وخارجة بن زيد بن ثابت، وعبيد الله بن عتبة، وسليمان بن يسار كانوا يضطجعون على أيمانهم بين ركعتى الفجر وصلاة الصبح۔

اور امام عبد الرحمٰن بن زید نے اپنی تصنیف، کتاب السبعۃ ، میں ذکر کیا ہے کہ امام قاسم بن محمد بن ابی بکر، عروہ بن زبیر، ابا بکر بن عبد الرحمٰن، خارجۃ بن زید، عبید اللہ بن عتبہ اور سلیمان بن یسار، رحمہم اللہ تعالیٰ، صبح کی نماز اور سنتوں کے درمیان لیٹا کرتے تھے۔

(بحواله المحلى بالاثار ص ٢٣٠ مسالة ٣٤١).

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ سنت فجر پڑھ کر لیٹنا مسنون ہے اللہ کے پیارے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی لیٹا کرتے اور لیٹنے کا حکم بھی دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۹ میں صاف اور صریح الفاظ میں آپ علیہ التحیۃ والسلام کا ارشاد موجود ہے، اور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ خیر القرون کے نامور اور جید آئمہ کرام بھی اس پر عمل کرتے تھے۔ مگر انوار صاحب اسے گھوڑے گدھے کا فعل قرار دیتے ہیں، اور کبھی اسے بدعت کہتے ہیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

قارئین کرام: فیصلہ کریں یہ سنت کی موافقت ہے یا مخالفت ہے۔

فصل دوم

(١) عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى بالليل احدى عشرة ركعة يوتر منها بواحد، فاذا فرغ منها، اضطجع على شقه الايمن حتى ياتيه المؤذن فيصلى ركعتين

خفیفتین۔

(مسلم ص۲۵۳ ج ۱)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گیارہ رکعات پڑھتے تھے، جن میں سے ایک رکعت کے ساتھ وتر بنا لیتے تھے۔ جب آپ فارغ ہوجاتے تو دائیں پہلو پر لیٹ جاتے حتی کہ آپ کے پاس مؤذن آتا تو آپ دو رکعتیں ہلکی سی پڑھتے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۶۰۹)۔

الجواب: اولاً اس حدیث سے ایک رکعت وتر کا ثبوت ہے مگر انوار صاحب بوجہ تقلید ایک رکعت وتر کا انکار کرتے ہیں۔

ثانیا: فصل اول میں اس روایت کی مفصل تخریج گزر چکی ہے۔ جس میں امام زہری کے متعدد شاگردوں نے یہی روایت آپ سے نقل کی ہے۔ جن میں دائیں کروٹ پر لیٹنا بعد سنت فجر بیان ہوا ہے۔ وتروں کے بعد لیٹنے کو صرف امام مالک بیان کرتے ہیں لہذا یہ روایت شاذ ہے۔ امام محمد بن یحیٰی فرماتے ہیں کہ درست جماعت کی روایت ہے امام مالک کی نہیں (التمہید ص۱۲۱ ج ۸)۔ یہی بات حافظ ابن حجر نے کہی ہے (فتح الباری ص۳۴ ج ۳)۔ مولانا محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں کہ اکثر علماء نے امام مالک کی روایت کی بجائے دوسرے آئمہ کی روایت کو بوجہ کثرت اور متابعت کے ترجیح دی ہے اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ جماعت کی روایت ہی محفوظ ہے، اور بعض نے اسے مختلف احوال پر محمول کیا ہے۔

(معارف السنن ص ۷۰ ج ٤)۔

پھر امام مالک کے استاذ امام زہری نے یہ حدیث امام عروۃ بن زبیر سے روایت کی ہے اور امام زہری کے علاوہ ابو الاسود محمد بن عبد الرحمٰن نے بھی یہی حدیث امام عروہ بن زبیر سے روایت کی ہے۔ (بخاری رقم الحدیث ۱۱۶۰) اور اس میں اضطجاع (لیٹنے) کا ذکر فجر کی سنتوں کے بعد ہی ہے۔ مزید یہ کہ امام عروہ کے علاوہ یہی حدیث سیدہ ام المؤمنین صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا سے امام ابو سلمہ نے بھی نقل کی ہے، جس میں لیٹنے کا بیان سنتوں کے بعد ہے۔ (بخاری رقم الحدیث ۱۱۶۱)۔

الغرض وتروں کے بعد لیٹنے کا ذکر کرنے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سہو ہوا ہے۔

ثانیا: اگر اس کو شاذ تسلیم نہ بھی کیا جائے تو تب بھی یہ ہمارے مخالف نہیں کیونکہ وتروں کے بعد لیٹنے سے سنت فجر کے بعد اضطجاع کی نفی نہیں ہوتی۔

(۲) عن عائشہ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی رکعتی الفجر اضطجع علی شقه الایمن۔

(بخاری ص۱۵۵)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فجر کی دو رکعت سنت پڑھ لیتے تو دائیں پہلو پر لیٹ جاتے۔

(۳) عن عائشة ان النبی ﷺ کان اذا صلی سنت الفجر فان کنت مستیقظة حدثنی والا اضطجع حتی یؤذن بالصلوٰة۔

(بخاری ص ۱۵۵ ج ۱)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فجر کی سنتیں پڑھ چکتے اگر تو میں جاگ رہی ہوتی تو آپ مجھ سے باتیں کرنے لگتے ورنہ لیٹ جاتے حتی کہ آپ کو نماز کی اطلاع کی جاتی۔ (حدیث اوراہل حدیث ۶۱۰)۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کبھی تو تہجد کی نماز پڑھ کر اور کبھی فجر کی سنتیں پڑھ کر آرام کی غرض سے لیٹ جاتے تھے، اور کبھی نہیں بھی لیٹتے تھے۔ اور آپ کا یہ لیٹنا بطور عبادت کے نہیں بلکہ بطور عادت کے تھا۔ (ملخصا ص ۶۱۳)۔

الجواب: اولاً وتروں کے بعد لیٹنا ایک الگ مسئلہ ہے۔ تہجد کے بعد بلکہ دوران تہجد نبی مکرم ﷺ سے سونا بھی ثابت ہے۔ (بخاری رقم الحدیث ۱۱۷) تہجد کے بعد کے آرام پر سنت فجر کے بعد کے لیٹنے کو قیاس کرنے کی کوئی شرعی دلیل محترم نے درج نہیں کی اگر کرتے تو ہم اس کا مکمل محاسبہ کرتے۔

ثانیا: عبادت اور عادت کی تقسیم بھی غلط ہے، ہم حدیث نقل کر آئے ہیں جس میں سنت فجر کے بعد لیٹنے کا ارشاد نبوی علیہ التحیۃ والسلام موجود ہے۔ رہا یہ امر کہ اگر ہماری والدہ ماجدہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جاگ رہی ہوتی تو آپ لیٹنے کی بجائے ان سے باتیں کرنے لگتے، یہ حدیث انوار خورشید کے تقلیدی مذہب کے خلاف ہے تفصیل کے لئے راقم کی تالیف، تحفہ حنفیہ کی مراجعت کریں۔ سرے دست ہم یہ بتادینا چاہتے ہیں کہ ترک سے وجوب کی نفی ہوتی ہے سنت کی نہیں، کتنے ہی کام ہیں جو نبی کریم ﷺ نے ترک کے بغیر کئے ہیں، لیکن حنفی انہیں سنت تسلیم کرتے ہیں، الغرض سنت کی تعریف میں ہمیشہ کی قید فضول ہے۔ مولانا عبدالحی نے اس پر متعدد مثالیں دیں ہیں، ا، اس سے وہ کام خارج ہوجائے گا جو آپ نے خود نہیں کیا مگر کرنے کا حکم دیا ہے۔ ب، اذان نماز کے لئے دینا بالاتفاق سنت ہے مگر آپ علیہ السلام سے ایک بار بھی دینا ثابت نہیں، ت، اعضاء وضو کو تین بار دھونا سنت ہے مگر آپ علیہ السلام سے ایک ایک بار دھونا ثابت ہے، ج، یہ تراویح وغیرہ پر صادق نہیں آتی۔

(تحفه الاخیار فی احیاء سنة سید الابرار ص ۲۲، ۲۳)۔

علامہ لکھنوی نے ۲۲ اقوال سنت کی تعریف پر نقل کرتے ہوئے آخر میں اپنا فیصلہ ان الفاظ میں

بیان کیا ہے۔

السنة ما واظب عليه النبی مع الترك احيانا، فان كانت المواظبة المذكورة على سبيل العباداة فسنن الهدى، وان كانت على سبيل العادة، فسنن الزوائد كلبس الثياب والاكل باليمين وتقديم الرجل اليمنى فى الدخول ونحو ذلك، وكلامنا فى اول، مواظبة النبى على التيامن من قبيل الثانى۔

یعنی سنت وہ ہے جسے نبی مکرم ﷺ نے ہمیشہ کیا کبھی کبھار ترک کے ساتھ۔ اگر یہ ہمیشگی بطور عبادت کے ہو تو سنت ہدی ہے، اور اگر بطور عادت ہو تو اضافی ہے۔ جیسے لباس پہننا، دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا، داخل ہوتے ہوئے دائیں پاؤں کو پہلے رکھنا، اور ہماری گفتگو پہلی صورت کے متعلق ہے، اور نبی ﷺ کا دائیں طرف سے کام کرنے پر ہمیشگی کرنا دوسری شق میں داخل ہے۔

(تحفة الاخیار ص۳۲ ومندرجه مجموعه رسائل الكنوى ص۲۸۲ ج٤)۔

اس تعریف کو اگر ملحوظ رکھا جائے اور انوار صاحب کی بات کو بھی تسلیم کرلیا جائے کہ لیٹنا عادت تھا تو تب بھی یہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے اعضاء وضو کو دائیں طرف سے شروع کرنا وغیرہ جیسی سنن زوائد میں اس کا شمار ہوگا۔ لہٰذا انوار صاحب کا اسے گھوڑے گدھے کی طرح لیٹنا اور پتھر مارنے کے فتاویٰ نقل کرنا کسی طرح بھی درست نہیں کیونکہ نبی مکرم ﷺ کے فعل کو گو وہ بطور عادت ہی ہو گھوڑے گدھے کے لیٹنے سے تشبیہ دینا بہت بڑی دلیری اور نہایت درجہ کی گستاخی اور عظمت مصطفی ﷺ سے لاعلمی کا نتیجہ ہے، آخر کیا وجہ ہے کہ انوار خورشید نے اس عادت کے رد پر تو ایک مستقل باب لکھا ہے، مگر کتاب میں دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے اور اعضاء وضو کو دائیں طرف سے شروع کرنے کے رد پر کوئی باب نہیں لکھا؟ اگر فقط ہمارا ہی رد کرنا مقصود تھا تو کتاب الطہارۃ کے تحت ان کا بھی رد کرتے کیونکہ ہمارے نزدیک یہ بھی سنت ہیں۔

ان فقہاء نما جہلا سے کون پوچھے کہ حضرت اگر لباس پہننا سنت نہیں تو کیا ننگے رہنا سنت ہے؟ غالبا برصغیر میں ملنگوں کا گروہ اس فتویٰ کی روشنی میں معرض وجود میں آیا ہے۔ الغرض آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افعال میں عبادت اور عادت کا فرق کرنا خودساختہ اصطلاح ہے، جس کے ثبوت پر ان کے پاس قرآن و سنت سے کوئی دلیل موجود نہیں، حقیقت یہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے تمام اعمال اقوال اور تقریرات سنت میں داخل ہیں، مگر وہی ان سے خارج ہیں جس کی تخصیص خود آپ نے کردی ہے۔

(۴) عن ابن جريج قال اخبرنى من اصدق ان عائشة قالت كان رسول الله ﷺ اذا طلع الفجر يصلى ركعتين خفيفتين، ثم يضطجع على شقه الايمن حتى ياتيه المؤذن فيوذنه بالصلوٰة لم يضطجع لسنة ولكنه كان يدأب ليلة فيستريح قال فكان ابن عمر يحصبهم اذا

رأهم يضطجعون على ايمانهم۔

(مصنف عبد الرزاق ص٤٣ ج٣)۔

حضرت ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے خبر دی اس شخص نے جس کی میں تصدیق کرتا ہوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ ﷺ صبح صادق کے بعد ہلکی سی دو رکعتیں پڑھ کر دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تھے۔ حتی کہ مؤذن آ کر آپ کو نماز کی اطلاع کرتا آپ اس لئے نہیں لیٹتے تھے کہ یہ سنت ہے بلکہ اس وجہ سے لیٹتے تھے کہ رات کو آپ تھک جاتے تھے، اب کچھ آرام کرلیں، ابن جریج فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب لوگوں کو اپنے دائیں پہلو پر لیٹا ہوا دیکھتے تو انہیں پتھر مارتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۱۱)

الجواب: اس کی سند من اصدق، راوی مبہم ہے، فریق مخالف پر لازم ہے کہ وہ اس کی بحوالہ نشان دہی کرے اور پھر اس کی ثقات بھی ثابت کرے، مگر ایسا ممکن نہیں، راوی جب مبہم ہو خواہ تابعی ہی ہو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی روایت ساقط الاعتبار ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے (التعلیق الممجد ۳۳۱) کی مراجعت کریں، دیوبندی مکتب فکر کے شیخ الحدیث مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر فرماتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ہرگز اس کا مکلّف نہیں ٹھہرایا کہ ہم اپنا دین مجہول شخصیتوں سے لیتے پھریں (راہ سنت ص۲۸۷)۔ الغرض یہ روایت بوجہ جہالت راوی قابل اعتماد نہیں۔

(۵) عن سعيد بن المسيب قال رأى ابن عمر رجلا يضطجع بين الركعتين فقال احصبوه۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٢٤٨ ج٢)۔

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو فجر کی دو رکعتیں پڑھ کر لیٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اسے پتھر مارو۔ حدیث اور اہل حدیث ۶۱۱۔

الجواب: اولاً مرفوع کے بالمقابل موقوف حجت نہیں ہوتی۔ راجع مقدمہ۔

ثانیا: آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ فجر کی سنتوں کے بعد نبی مکرم ﷺ آرام کی غرض سے تھوڑی دیر دائیں کروٹ لیٹا کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۱۳) اور آپکے اکابرین کو اعتراف ہے کہ اگر کوئی شخص اب بھی اس پر عمل کرے تو موجب ثواب ہے۔

(دیکھیے درس ترمذی ص۱۸۴ ج۲، معارف السنن ص۱۷ ج۴، والعرف الشذی ص۲۰۸)۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو عمل پتھر مارنے کے قابل ہو وہ موجب ثواب کیسے ہوگا؟

الغرض یہ قول جناب کے مسلک و مذہب کے بھی خلاف ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب نے بددیانتی کی ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں

عن سعید بن المسیب قال رای عمر رجلا اضطجع بعد الرکعتین فقال احصبوہ او الاحصبتموہ،

(مصنف ابن ابی شیبۃ ص۲۴۸ ج۲)

قارئین کرام: ان الفاظ اور انوار صاحب کے نقل کردہ الفاظ کا تقابل کریں، پھر غور کریں محترم نے متن نقل کرنے میں کئی ایک غلطیاں کی ہیں، جو ہم نظر انداز کرتے ہیں، صرف ایک ایسی غلطی جو جان بوجھ کر کی گئی ہے، اس کی نشاندہی کرتے ہیں، وہ یہ کہ انوار صاحب نے ،عمر، سے ابن عمر بنایا ہے، وجہ یہ کہ آئمہ جرح و تعدیل نے صراحت کی ہے کہ امام سعید بن میب کی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے ملاقات وسماع نہیں، دیکھئے (مراسیل ابن ابی حاتم ص۷۱، ۷۳) انوار صاحب نے انقطاع کو دور کرنے کے لئے، عمر، سے ابن عمر بنا لیا، تاکہ منقطع متصل ہو جائے، الغرض انوار صاحب نے یہاں بددیانتی کی ہے، اور مذکورہ روایت بوجہ منقطع ہونے کے ضعیف ہے۔

(۲)عن ابی الصدیق الناجی رأی ابن عمر قوما اضطجعوا بعد رکعتی الفجر فارسل الیھم فنھا ھم فقالوا ترید بذالك السنةفقال ابن عمر ارجع الیھم فاخبرھم انھا بدعة۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۴۹ ج۲)۔

ابو صدیق ناجی فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کچھ لوگوں کو فجر کی سنتوں کے بعد لیٹے ہوئے دیکھا تو ان کی طرف پیغام بھیجا کہ ایسا نہ کریں۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم سنت پر عمل کرنا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا ان کے پاس دوبارہ جاؤ، اور انہیں بتلاؤ کہ یہ بدعت ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۶۱۲)

الجواب: اولاً مرفوع کے بالمقابل موقوف حجت نہیں ہوا کرتی، راجع مقدمہ، اور زیر بحث مسئلہ میں مرفوع احادیث ہیں اور تعامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود ہے۔

ثانیاً: آپ بھی اسے سنت عادیہ تسلیم کرتے ہوئے لیٹنے والے کو اجر وثواب کا مستحق مانتے ہیں، اور یہ مؤقف بدعت کی نفی کو مستلزم ہے، کیونکہ بدعت گمراہی ہوا کرتی ہے۔ اس کا فاعل اجر وثواب کی بجائے موجب عقاب ہوتا ہے۔ الغرض یہ روایت جناب کے بھی خلاف ہے۔

ثالثاً: اس کی سند میں زید العمی راوی ضعیف ہے اسے ابن معین ابو حاتم نسائی ابن عدی ابن سعد ابن مدینی، عجلی وغیرہ آئمہ جرح و تعدیل نے ضعیف قرار دیا ہے (تہذیب ص۴۰۸ ج۳)۔ علامہ ابن ترکمانی حنفی نے (الجوہر النقی ص۴۶ ج۳) میں اس اثر کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(۷) عن عبد الله بن عمر انه رأى رجلا ركع ركعتي الفجر ثم اضطجع فقال ابن عمر ماشانه فقال نافع فقلت يفصل بين صلوته قال ابن عمر واى فصل افضل من السلام۔
(موطا امام محمد ص۱٤۲)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ فجر کی سنتیں پڑھ کر لیٹ گیا ہے، تو آپ نے فرمایا اسے کیا ہوا ہے؟ حضرت نافع کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہ سنتوں اور فرضوں کے درمیان فصل کر رہا ہے، آپ نے فرمایا سلام سے بڑھ کر فصل والی چیز کون سی ہوگی؟۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۱۲)

الجواب: اولا یہ فصل کے طریقے سے انکار ہے اضطجاع (لیٹنے) سے انکار نہیں۔
ثانیا: اس کی سند میں محمد بن حسن شیبانی راوی ہیں جس پر شدید قسم کی جرح ہے تفصیل گزر چکی ہے۔ قارئین کرام مسئلہ فاتحہ خلف میں اسے دیکھ سکتے ہیں۔
ثالثا: اگر اسے لیٹنے پر ہی محمول کیا جائے تو تب بھی قابل قبول نہیں۔ مولانا عبد الحی لکھنوی اس روایت پر حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ اضطجاء کی احادیث صحیحہ قولیہ وفعلیہ موجود ہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کا انکار ان کے نہ جاننے پر محمول ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی سنتیں گھر میں پڑھا کرتے تھے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنتوں کے بعد لیٹتے ہوئے دیکھا ہے جب کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہیں ہوا کرتے تھے لہٰذا نہ جاننے والے پر جاننے والے کا قول حجت ہوا کرتا ہے (التعلیق الممجد ص۱۴۲)۔

(۸) عن ابراهيم قال قال عبد الله مابال الرجل اذا صلى الركعتين يتمعك كما يتمعك الدابة والحمار، اذا سلم فقد فصل۔
(مصنف ابن ابی شیبه ص۲٤۸ ج۲)۔

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آدمی کو کیا ہوگیا کہ (فجر کی) دو رکعت (سنت) پڑھ کر گھوڑے گدھے کی طرح لوٹتا ہے جب سلام پھیر چکے تو بیٹھ جائے پھر نماز پڑھ لے (حدیث اور اہل حدیث ص۶۱۲)

الجواب: اولاً پہلے تفصیل گزر چکی ہے کہ لیٹنا آپ کے نزدیک بھی موجب ثواب ہے اور جو چیز قابل اجر وثواب ہو وہ گھوڑے گدھے کے عمل جیسی نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ فعل نیکی اور کار خیر ہوتا ہے۔ جب کہ جانوروں کے اعمال پر انہیں اجر نہیں ملتا، الغرض یہ اثر آپ کے بھی خلاف ہے۔
ثانیا: یہ روایت مرسل ہے کیونکہ ابراہیم نخعی کی سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور سماع ثابت نہیں (دیکھئے مراسیل ابن ابی حاتم ص۹) ابراہیم سے روایت کرنے والا راوی حماد بن ابی سلیمان

مدلس ہے (طبقات المدلسین ص۳۲) اور سماع کی صراحت نہیں، الغرض یہ روایت جہاں انوار صاحب کے تقلیدی مؤقف کے خلاف ہے وہاں ہی سنداً ضعیف ہے۔

(۹) عن مجاهد قال صحبت ابن عمر فی السفر والحضر فما رأيته اضطجع بعد ركعتی الفجر۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۴۸ ج۲)۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر و حضر میں رہا ہوں میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ فجر کی سنتیں پڑھ کر لیٹے ہوں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۱۳)

الجواب: اولاً یہ روایت موقوف ہے اور آثار صحابہ کرام کے معارض ہے، اور جس مسئلہ میں صحابہ کرام مختلف فیہ ہوں وہاں اقوال صحابہ کرام حجت نہیں ہوا کرتے، راجع مقدمہ۔

ثانیاً: امام مجاہد نے اپنا دیکھا بیان کیا ہے جو نفی کو مستلزم نہیں۔ جب کہ غیلان بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ۔

رأيت ابن عمر صلى الركعتين الفجر ثم اضطجع۔

یعنی میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے صبح کی دو رکعت سنتیں پڑھ کر اضطجاع (لیٹنا) کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۴۷ ج۲)۔

ان دونوں روایات کے پیش نظر ثابت یہ ہوا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کبھی لیٹا کرتے تھے اور کبھی کبھار نہ بھی لیٹا کرتے، گویا وہ اسے فرض و واجب نہیں جانتے تھے۔ سنت یا مستحب کے درجہ کے قائل تھے اور یہ ہمارے موافق اور آپ کے مخالف ہے۔

(۱۰) عن سعيد بن جبير قال لا يضطجع بعد الركعتين قبل الفجر واضطجع بعد الوتر۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۴۸ ج۲)۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فجر کی سنتیں پڑھ کر فجر کی نماز سے پہلے نہ لیٹو، ہاں وتر کے بعد لیٹ جاؤ، (حدیث اور اہل حدیث ص۶۱۳)

الجواب: اولاً یہ تابعی کا قول ہے جو احادیث صحیحہ مرفوعہ اور آثار صحابہ کرام کے بالمقابل حجت نہیں، بالخصوص جب کہ ایک گروہ تابعین عظام اضطجاع کی مسنونیت کا قائل ہے۔

ثانیاً: سند میں سفیان ثوری ہیں جو تدلیس کرتے ہیں (تفصیل مسئلہ رفع الیدین میں گزر چکی ہے) اور زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ صیغہ عن سے مروی ہے، الغرض روایت ضعیف ہے۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل دس دلائل عدم اضطجاع کے نقل کئے ہیں، تین مرفوع احادیث ہیں، چھ صحابہ کرام کے اقوال کی اسناد ہیں، اور ایک تابعی کا قول ہے۔مرفوع احادیث میں سے پہلی حدیث شاذ ہے مزید یہ کہ عدم اضطجاع کی دلیل نہیں، دوسری حدیث ہمارے مؤقف کی مؤید ہے تیسری میں وجوب کی نفی ہے آثار صحابہ کرام کی چھ اسناد میں سے دو آثار سنداً ضعیف ہیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال کی اسناد صحیح ہیں، مگر ان کا عمل اس کے برعکس بھی ثابت ہے۔ تابعی کا قول جہاں سنداً ضعیف ہے وہاں دین میں حجت بھی نہیں، اس کی مفصل بحث پہلے گزر چکی ہے۔ انوار صاحب آخر میں بطور نتیجہ فرماتے ہیں کہ انہیں احادیث و آثار کے پیش نظر فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بطور عادت کے فجر کی سنتیں پڑھ کر لیٹ جاتا ہے تو کوئی حرج نہیں (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۱۴)

محترم اگر فقہاء کی بجائے بعض فقہاء احناف لکھتے تو درست تھا، علی الاطلاق اس مؤقف کو پوری امت مرحومہ کے فقہاء کی طرف منسوب کرنا درست نہیں کیونکہ آئمہ محدثین کرام کے نزدیک اس مسئلہ کے متعلق تقریباً آٹھ مسلک ہیں۔

(۱) مستحب ہے۔ یہ قول ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، اور ایک روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ تابعین کرام میں سے ابن سیرین، سعید بن مسیّب، محمد بن قاسم بن ابی بکر، عروہ بن زبیر، ابو بکر بن عبدالرحمٰن خارجہ بن زید، عبید اللہ بن عبد اللہ، سلیمان بن یسار، اور بعض آئمہ شافعیہ وغیرہ کا ہے۔

(۲) فرض و واجب ہے، یہ قول امام ابن حزم وغیرہ کا ہے۔

(۳) مکروہ و بدعت ہے یہ منقول ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ایک روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ اسود بن یزید، ابراہیم نخعی، سعید بن مسیّب، بعض آئمہ مالکیہ سے۔

(۴) خلاف اولیٰ ہے یہ قول حسن بصری وغیرہ کا ہے۔

(۵) جو شخص رات کو تہجد پڑھنے کے لئے بیدار ہو تو وہ آرام کی غرض سے لیٹ جائے تو کوئی حرج نہیں، یہ ابن العربی نے اختیار کیا ہے۔

(۶) لیٹنا مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ صبح کی سنتوں اور فرض کے درمیان فصل کے لئے اضطجاع کیا ہے۔ امام بیہقی نے، امام شافعی سے یہ قول نقل کیا ہے (نیل الاوطار ص ۲۵ ج ۳)۔ مولانا یوسف بنوری نے دو قول مزید بھی بیان کئے ہیں۔

(۷) یہ سنت ہے امام شافعی اور ان کے پیروکاروں کا یہ مؤقف ہے۔
(۸) گھر میں سنتیں پڑھنے والے کے لئے مستحب ہے جب کہ مسجد میں نہیں۔
(معارف السنن ٤٩ ج ٤).

ان اقوال و مذاہب پر غور کریں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس کے متعلق کوئی قول منقول نہیں۔
بعد کے فقہاء احناف میں اس مسئلہ کی مشروعیت میں اختلاف ہے۔ درس ترمذی کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ اگر سنت عادیۃ جان کر بھی عمل کرے تو موجب ثواب ہے جب کہ انوار صاحب ثواب کی نفی کرتے ہیں جیسا کہ ان کے الفاظ، کوئی حرج نہیں، سے ثابت ہوتا ہے۔ جب کہ بعض تردد کے شکار ہیں۔

ملا علی القاری حنفی مسند امام اعظم کی شرح میں تحریر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی سنتیں پڑھ کر دائیں پہلو پر لیٹا کرتے تھے، لہٰذا صبح کی سنتوں اور نماز فجر کے فرضوں کے درمیان لیٹنا مسنون ہے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے جیسا کہ امام ابو داؤد نے بسند لاباس بہ (بغیر غبار ونقصان والی سند سے) روایت کیا ہے اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اس میں جھگڑا کرتے ہیں۔ اور یہ حدیث مسجد میں لیٹنے کے مستحب ہونے پر صریح ہے، اور ان لوگوں کے خلاف ہے جو گھر میں اضطجاع کو مخصوص کرتے ہیں، اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول کہ یہ بدعت ہے اور ابراہیم نخعی کا قول کہ یہ شیطانی لیٹنا ہے، اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس سے انکار اس بات پر محمول ہے کہ ان کو یہ احادیث نہ پہنچی تھیں، اور ابن حزم نے افراط سے کام لیا ہے کہ اسے واجب قرار دیا ہے۔ (بحوالہ فتاویٰ شامی ص ۲۱ ج ۲)۔

مولانا عبد الحی لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

ظاهر الاحاديث القولية والفعلية تقتضى مشروعية الضجعة بعد الركعتى الفجر فلا اقل ان يكون مستحبا ان لم يكن سنة۔

یعنی قولی و فعلی احادیث کے ظاہری الفاظ اس بات کے متقضی ہیں کہ صبح کی دو رکعت سنت کے بعد لیٹنا مشروع ہے۔ اگر یہ مسنون نہیں تو درجہ استحباب سے کم نہیں (التعلیق المجد ص ۱۴۲)۔

ان اقوال سے ثابت ہوا کہ بعض اکابر احناف کے نزدیک بھی یہ مستحب اور کار خیر ہے اور اس کا ثبوت احادیث نبویہ سے ہے۔ مگر ہمارے انوار صاحب بھی عجیب انسان ہیں کہ وہ اس کے برعکس یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ۔ اسے صحابہ کرام اور تابعین عظام نے بدعت اور گھوڑے گدھے کے عمل سے تشبیہ دی ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۱۵)

اس مقام پر انوار صاحب کے کلام میں تناقض ہے پہلے قول میں، حرج نہ ہونے، کا کہہ رہے ہیں

جب کہ اس میں بدعت اور گھوڑے گدھے سے تشبیہ دے رہے ہیں جو حرج نہیں کی نفی کو مستلزم ہے، محترم غور کریں کیا آپ کے نزدیک عبادات میں بھی بدعات پر کوئی حرج نہیں، کا فتویٰ ہے؟ انوار صاحب اگر حرج نہ ہونا تسلیم کرلیا جائے تو بدعت کی نفی ہوتی ہے اور اگر بدعت مان لیا جائے تو حرج، کی نفی ہوتی ہے، پھر آپ کے اکابرین کا اسے سنت عادیہ تسلیم کر کے عامل کو اجر وثواب کا مستحق قرار دینا، بدعت اور حرج نہیں، دونوں کی نفی ہے، آپ یہاں اپنے قارئین کو یہ بھی بتادیں کہ تحقیق کس کی درست ہے۔ آپ کی یا آپ کے بزرگوں کی؟ ہمارے مدعاء کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ علمائے دیوبند اسے نیکی تسلیم کرتے ہیں، (کیونکہ اجر وثواب تو نیکی پر ہی ملتا ہے بدعت پر نہیں)، آخر میں یہ بھی وضاحت کریں کہ آپ کو نیک اعمال یا آپ کے الفاظ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادات مبارکہ کے رد میں کتاب لکھنے کا شوق کیوں پیدا ہوا؟

(۵۴) باب فجر کی سنتیں فرضوں کے بعد اور طلوع آفتاب سے قبل پڑھنا ثابت ہیں

فصل اول

(۱) عن قيس بن عمرو قال رأى رسول الله ﷺ رجلا يصلى بعد الصلاة الصبح ركعتين فقا ل رسول ﷺ صلاة الصبح ركعتين فقال الرجل، انى لم أكن صليت الركعتين اللتين قبلهما فصليتهما الآن، فسكت رسول الله ﷺ ـ

سیدنا قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو صبح کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھ رہا تھا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا صبح کی نماز دو رکعتیں ہیں! تو اس شخص نے کہا کہ میں نے صبح کی سنتیں فرضوں سے پہلے نہ پڑھیں تھیں۔ اور ان دونوں کو اب پڑھا ہے، نبی مکرم ﷺ یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے۔

(سنن ابو داؤد كتاب التطوع باب من فاتته متى يقضيها الحديث ١٢٦٧).(ابن ماجه كتاب اقامة الصلوات باب ماجاء فيمن فاتته الركعتان قبل صلاة الفجر متى يقضيهما الحديث ١١٥٤،مصنف ابن ابى شيبه ٢٥٤ ج٢).

(۲) عن قيس ابن عمرو انه صلى مع رسول الله ﷺ ولم يكن ركع ركعتى الفجر فلما سلم رسول الله ﷺ قام فركع ركعتى الفجر ورسول الله ﷺ ينظر اليه فلم ينكر ذلك عليه۔

سیدنا قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی جب کہ انہوں نے صبح کی سنتیں نہ پڑھی تھیں۔ جب آپ علیہ التحیۃ والسلام نے سلام پھیرا تو وہ کھڑے ہوئے اور صبح کی سنتیں پڑھنے لگے، اور آپ ﷺ ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور آپ علیہ التحیۃ والسلام نے ان کو اس سے منع نہ کیا۔

(صحيح ابن خزيمه ص١٦٤ ج٢، رقم الحديث ١١١٦، وصحيح ابن حبان ص٨٢ ج٥،رقم الحديث ٢٤٦٢، دارقطنى ٣٨٥ ج١).

(۳) عن يحيىٰ بن سعيد عن ابيه عن جده انه جاء والنبى ﷺ يصلى صلوة الفجر فصلى معه فلما سلم قام فصلى ركعتى الفجر فقال له النبى ﷺ ماهاتان الركعتان؟ فقال لم اكن صليتهما قبل الفجر فسكت ولم يقل شيئا۔

امام یحییٰ بن سعید اپنے والد سے اور وہ اپنے جد امجد سیدنا قیس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ (مسجد میں) تشریف لائے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے بھی آپ علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو انہوں نے کھڑے ہو کر صبح کی دو رکعت سنتیں پڑھیں، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ یہ دو رکعتیں کیا ہیں؟ تو سیدنا قیس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے صبح کی سنتیں نہ پڑھیں تھیں، یہ جواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے اور کچھ بھی نہ کہا۔

(مستدرك للحاكم ص٢٧٥ ج١، دارقطني ص٣٨٤ ج١)۔

(۴) عبد الرزاق عن ابن جريج قال سمعت عبد ربه بن سعيد اخو يحيىٰ بن سعيد يحدث عن جده قال خرج الى الصبح فدخل النبى صلى الله عليه وسلم فى الصبح، ولم يكن ركع ركعتى الفجر، فصلى مع النبى صلى الله عليه وسلم ثم قام حين فرغ من الصبح، فركع ركعتى الفجر فمربه النبى صلى الله عليه وسلم فقال ماهذه الصلاة؟ فاخبره فسكت النبى صلى الله عليه وسلم ومضى ولم يقل شيئا۔

امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید کے بھائی سے سنا وہ اپنے جد امجد قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تھے کہ وہ صبح کی نماز کے لیے مسجد کی طرف نکلے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں تھے۔ اور میں نے صبح کی سنتیں نہ پڑھیں تھیں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے صبح کی سنتیں پڑھیں، میرے پاس سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور فرمایا یہ نماز کون سی ہے؟ میں نے آپ علیہ السلام کو تفصیل بتائی تو نبی علیہ السلام خاموش ہو کر گزر گئے اور کچھ نہ کہا۔

(مصنف عبد الرزاق ص٤٤٢ ج٢، رقم الحديث ٤٠١٦ واللفظ له ومسند احمد ص٤٤٧ ج٥)۔

(۵) عن عطاء بن ابى رباح عن رجل من الانصار قال، راى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا يصلى بعد الغداة ركعتين، فقال، يا رسول الله صلى الله عليه وسلم لم أكن صليت ركعتى الفجر، فصليتهما الآن؟ فلم يقل له عليه السلام شياء۔

امام عطاء بن ابی رباح ایک انصاری صحابی سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا جو صبح کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھ رہا تھا۔ اس انصاری صحابی نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے صبح کی سنتیں نہ پڑھیں تھیں جنہیں میں نے اب پڑھا ہے۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے کچھ نہ کہا۔

(المحلى بالآثار ص١٥٤ ج٢ رقم مسالة ٣٠٨)۔

(٦) عن سهل بن سعد الساعدى يقول دخلت المسجد ورسول الله صلى الله عليه وسلم فى الصلاة ولم أكن صليت الركعتين، فدخلت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الصلاة فصليت معه وقمت اصلى الركعتين، فقالِ ألم تكن صليت معنا؟ قلت بلىٰ ولم أكن صليت الركعتين فصليت

الآن، فسكت و كان اذا رضى شيئا سكت و ذلك فى صلاة الصبح۔

سیدنا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صبح کی) نماز میں تھے۔ اور میں نے (صبح کی) سنتیں نہ پڑھیں تھیں، اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک ہوگیا اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی، (بعد سلام) میں (صبح کی) سنتیں پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا تو آپ علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں بلکہ میں نے (صبح کی) سنتیں نہیں پڑھیں تھیں، جنھیں اب پڑھنے لگا ہوں۔ اس پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور جس چیز پر آپ راضی ہوتے اس پر خاموش رہتے۔ اور یہ نماز صبح کے وقت ہوا۔

(التمهيد لما فى الموطا من المعانى والاسانيد ص۳۹ ج۱۳)۔

(۷) عن عبد الرحمن بن عبد القارى قال سمعت عمر بن الخطاب يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من نام عن حزبه او عن شئى منه، فقراء فيما بين صلاة الفجر وصلاة الظهر كتب له كانما قرأ من اليل۔

سیدنا عبد الرحمٰن بن عبد القاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص اپنی رات (کی نماز کے) سارے حصے یا اس میں سے کچھ حصے سے سو جائے تو وہ فجر اور ظہر کے درمیان پڑھ لے تو گویا کہ اس نے رات کو ہی پڑھی ہے۔

(صحيح مسلم كتاب صلاة المسافرين باب جامع صلاة الليل ومن نام عنه اومرض الحديث ۱۷٤٥)۔

(۸) عن عطاء ان رجلا صلى مع النبى صلى الله عليه وسلم الصبح فلما قضى النبى صلى الله عليه وسلم الصلوة قام الرجل فصلى الركعتين فقال النبى صلى الله عليه وسلم ماها تان الركعتان؟ فقال يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) جئت وانت فى الصلوٰة ولم أكن صليت الركعتين قبل الفجر فكرهت أن اصليهما وانت تصلى فلما قضيت الصلوٰة قمت فصليت الصلوٰة، فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يا مره ولم ينهه۔

امام عطاء بن ابی رباح (تابعی) سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی، جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل کی، تو وہ شخص کھڑا ہوا اور دو رکعتیں پڑھیں، نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ دو رکعتیں کیا ہیں۔ تو اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مسجد میں آیا تو آپ علیہ السلام نماز صبح میں تھے اور میں نے نماز صبح کی پہلی دو سنتیں نہ پڑھی تھیں۔ اور میں نے مکروہ جانا کہ میں ان کو پڑھوں جب کہ آپ نماز پڑھا رہے تھے۔ جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نماز کو مکمل کر لیا تو میں نے کھڑے ہو کر دو صبح کی سنتیں پڑھ لی ہیں (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور حکم دیا نہ منع فرمایا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۵٤ ج۲، سند مرسل صحیح ہے)۔

(۹) عن عطية قا ل رايت ابن عمر فقضا هما حين سلم ـ

امام عطیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد صبح کی دوسنتوں کو قضا کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۵۵ ج۲، والمحلی بالآثارص۱۰۵ ج۲)۔

(۱۰) عن عطاء قال اذا أخطات ان تر كعهما قبل الصبح فار كعهما بعد الصبح۔

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ جب آپ نماز صبح سے قبل دورکعتیں پڑھنا بھول جائیں تو نماز صبح کے بعد پڑھ لیں۔

(مصنف عبد الرزاق ص٤٤٢ ج٢، رقم الحديث ٤٠١٣، والمحلى بالآثار ص١٠٥ ج٢)۔

(۱۱) عن ابن طاؤس عن ابيه قال اذا أقيمت الصلاة ولم تر كع ركعتي الفجر، صلى مع ، فاذا فرغ اركعهما بعد الصبح۔

امام طاؤس تابعی فرماتے ہیں کہ جب نماز کھڑی ہوجائے اور آپ نے صبح کی سنتیں نہ پڑھیں ہوں تو پیش امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوجائیں، پھر جب نماز سے فارغ ہوں تو ان دو رکعتوں کو پڑھ لیں۔

(مصنف عبد الرزاق ص٤٤٢ ج٢ رقم الحديث ٤٠١٤)۔

(۱۲) عن الشعبى قال اذا فاتته ركعتا الفجر صلاهما بعد صلاة الفجر۔

امام شعبی فرماتے ہیں کہ جب صبح کی سنتیں فوت ہوجائیں تو انہیں نماز فجر کے بعد پڑھ لیا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۵۵ ج۲)۔

(۱۳) قال عبدا لرزاق رأيت ابن جريج يركع ركعتي الفجر في مسجد صنعاء بعد ماسلم ـ

امام عبد الرزاق فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابن جریج کو دیکھا کہ انہوں نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد صبح کی دو رکعت سنتیں مسجد صنعاء میں ادا کیں۔

(المحلى بالآثار ص١٠٥ ج٢،ومصنف عبد الرزاق ص٤٤٢ ج٢ رقم الحديث ٤٠١٥)۔

قارئین کرام: مذکورہ احادیث و آثار سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نماز فجر کی سنتیں اگر رہ جائیں، تو انہیں جماعت کے بعد اور طلوع آفتاب سے قبل پڑھا جاسکتا ہے، صحابی نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ان کو ادا کیا ہے، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کے فعل پر سکوت کیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس فعل پر سکوت کریں وہ تقریری سنت ہوا کرتا ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس کی رات کی نماز کا کچھ حصہ رہ جائے ، وہ اسے نماز فجر کے بعد اور ظہر سے قبل پڑھ لے، تو اسے پورا اجر وثواب ملتا ہے،

امام بیہقی نے اس حدیث سے صبح کی سنتیں طلوع آفتاب سے قبل ادا کرنے پر استدلال کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ ص۴۸۴ ج۲)۔

جلیل القدر صحابی سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ان احادیث پر عمل کرتے ہوئے سورج کے نکلنے سے پہلے پڑھ لیا کرتے تھے، امام عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ عظیم الشان محدث وفقیہ ہیں، جن کے متعلق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میں نے ان سے افضل کسی کو دیکھا نہیں، (کتاب القراۃ للبیہقی ص۱۳۴)۔ وہ بھی بعد نماز فجر سنتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ امام شعبی اور ابن جریج جیسی ہستیاں بھی یہی نظریہ رکھتی ہیں۔ آئمہ اربعہ میں امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔ (التمہید ص۳۹ ج۱۳) اس کے برعکس انوار صاحب کراہت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر اس کی کراہت پر ایک بھی حدیث پیش نہیں کرتے کہ نماز فجر کے بعد صبح کی سنتیں پڑھنا مکروہ ہیں۔ ادھر ادھر سے غیر متعلقہ احادیث نقل ضرور کیں ہیں، جو ان کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں، کیونکہ اگر ان کا وہی مفہوم لیا جائے جو انوار صاحب بیان کرتے ہیں تو یہ خود ان کے مذہب وموقف کے خلاف ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک بھی نماز فجر کے بعد قضا نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں، بلکہ یہ نماز جنازہ پڑھ لینے کے بھی قائل ہیں۔ تفصیل کے لئے حصہ اول میں طلوع آفتاب اور غروب شمس کے وقت نماز ادا کرنا، کی فصل دوم کی مراجعت کریں، قدرے تھوڑی سی تفصیل باب ہذا کی فصل دوم میں آرہی ہے۔ ان روایات کے علاوہ مزید جو ثبوت نقل کئے ہیں ان کی اسنادی حیثیت پر ہم گفتگو کر چکے ہیں کہ وہ سب کی سب قابل استدلال نہیں ہیں، مگر انوار صاحب اس کے باوجود پوری ڈھٹائی سے فرماتے ہیں کہ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمارہے ہیں کہ فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہ پڑھی جائے اور ساتھ ہی یہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ اگر کسی کی سنتیں رہ جائیں تو وہ انہیں سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے خود آپ کا بھی یہی معمول تھا، لیکن غیر مقلدین حضور علیہ السلام کے قول وفعل کے ہوتے ہوئے بھی یہ کہتے ہیں کہ فجر کے فرضوں کے بعد سنتیں پڑھنے سے روکنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۶۲۳)

آپ علیہ السلام کے قول کا مفہوم تو یہ ہے کہ اگر کوئی طلوع آفتاب تک بھی سنتیں نہ پڑھ سکا تو وہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لے، فعل کی احادیث کے متعلق عرض ہے کہ یہ مروان فزاری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ممانعت والی احادیث عام نوافل پر محمول ہیں، تفصیل فصل دوم میں آرہی ہے۔ علاوہ ازیں خود اکابر احناف نے بھی ان احادیث کو عام نہیں سمجھا، کیونکہ بعد نماز فجر یہ حضرات قضاء نماز کے علاوہ کے بھی قائل ہیں۔ حالانکہ انوار صاحب کی پیش کردہ احادیث میں قضاء نماز کو مستثنیٰ قرار [illegible] کے باوجود تخصیص کے قائل ہیں۔ فرض نماز کے علاوہ وتروں کو پڑھنا بھی [illegible] طرح بھی وتروں سے عظمت و بزرگی اور تاکید کے لحاظ سے کم

نہیں ہیں، وتر بھی صبح کی سنتوں کی طرح سنت ہی ہیں تفصیل ابواب وتر میں گزر چکی ہے، مگر کتنے ہی افسوس کا مقام ہے کہ حنفی تین رکعات وتر پڑھنے کی اجازت تو عنایت کرتے ہیں مگر دو رکعات صبح کی سنتوں کی رخصت دینے کے لئے تیار نہیں! حالانکہ اس کے ثبوت میں ہم احادیث مرفوعہ کے علاوہ آثار صحابہ کرام اور اقوال تابعین بھی پیش کرتے ہیں۔ جب کہ یہ وتر پڑھنے کے ثبوت میں عمومات سے استدلال کرتے ہیں کوئی خاص دلیل بیان نہیں کرتے، انہیں اپنی آنکھ کا شہتیر تو نظر نہیں آتا، مگر غیر کی آنکھ کا تنکا بھی انہیں رڑکتا ہے۔ الغرض یہ تقلید کی وجہ سے احادیث کو مخصوص کرلیں تو قابل تعریف اور ہم احادیث کی وجہ سے وہی کام کریں تو قابل مزمت ٹھہرے، غور کریں! دونوں فریق ان احادیث میں تخصیص کے قائل ہیں، ایک فقیہ ٹھہرا تو دوسرا ظاہر پرست علم دین کے علاوہ عقل وفہم سے کورا اور خلاف احادیث عمل کرنے والا قرار پایا کیا عدل و انصاف کا یہی میزان ہے؟ بلاشبہ تقلیدی مذہب اسی طرح کا ہی بے اصولا اور بے ڈھنگا اور فضولیات کا مجموعہ ہے۔

فصل دوم

(۱) عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ نهى عن الصلوٰة بعد العصر حتى تغرب الشمس وعن الصلوٰة بعد الصبح حتى تطلع الشمس۔

(بخاری ص۸۲ ج۱، مسلم ص۲۷۵ ۃ واللفظ لمسلم)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک اور فجر کے بعد سورج نکلنے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

(۲) عن ابن عباس قال سمعت غير واحد من اصحاب رسول الله ﷺ منهم عمر بن الخطاب وكان احبهم الى ان رسول الله ﷺ نهى عن الصلوٰة بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب الشمس۔

(بخاری ص۸۲ ج۱ مسلم ص۲۷۵ ج۱ واللفظ لمسلم)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے بہت سے صحابہ کرام سے کہ جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ سنا کہ رسول ﷺ نے فجر کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

(۳) عن عطاء بن يزيد الليثى انه سمع ابا سعيد الخدرى يقول قال رسول [illegible] صلاة بعد صلاة العصر حتى تغرب الشمس ولا صلوٰة [illegible]

الشمس۔

(بخاری ص۸۲ ج۱ مسلم ص۲۷۵ ج۱ واللفظ لمسلم)

حضرت عطاء بن یزید اللیثی سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابوسعید الخدری کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک اور فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک کوئی نماز جائز نہیں ہے۔

(۴) عن عمرو بن عبسة السلمی (فی حدیث طویل) فقلت یا نبی الله اخبرنی عما علمك الله واجهله اخبرنی عن الصلوٰة قال صل صلاة ثم اقصر عن الصلوٰة حتي تطلع الشمس حتی ترتفع فانها تطلع حین تطلع بین قرنی شیطان وحینئذ یسجد لها الکفار ثم صلی فان الصلوٰة مشهودة محضورة حتي یستقبل الظل بالرمح ثم اقصر عن الصلوٰة فان حینئذ تسجر جهنم فاذا اقبل الفئی فصلي فان الصلوة مشهودة محضورة حتی تصل العصر ثم اقصر عن الصلوٰة حتی تغرب الشمس فانها تغرب بین قرني شیطان وحینئذ یسجد لها الکفار۔

(مسلم ص۲۷٦ ج۱ مسند احمد ص۱۱ ج٤)۔

حضرت عمرو بن عبسہ سلمی سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس چیز کے بارے میں بتلائیے جو اللہ نے آپ کو سکھلائی اور میں اس سے ناواقف ہوں، مجھے نماز کے بارے میں بتلائیے آپ نے فرمایا صبح کی نماز پڑھ پھر نماز سے رک جا حتی کہ سورج نکل کر بلند ہوجائے کیونکہ جب سورج نکلتا ہے تو شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے نکلتا ہے، اور اس وقت اسے کفار سجدہ کرتے ہیں، پھر نماز پڑھ کیونکہ فرشتے نماز میں گواہی کے لئے حاضر ہوتے ہیں یہاں تک کہ سایہ نیزے کا نیزے پر قائم ہوجائے۔ (یعنی ٹھیک دوپہر ہوجائے) تو پھر نماز سے رک جاء کیونکہ اس وقت جہنم بھڑکائی جاتی ہے۔ پھر جب سایہ ڈھل جائے تو نماز پڑھ کیونکہ فرشتے نماز میں گواہی کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ تو عصر کی نماز پڑھ لے پھر نماز سے رک جا یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے کیونکہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے۔اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔

(حدیث اوراہل حدیث ص٦١٦ تا ٦١٨)

الجواب: اولا یہ تمام احادیث عام نوافل پر محمول ہیں, قضاء اور وقتی فرض نماز اور نوافل رواتب مستثنیٰ ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

(i) عن جابر بن یزید بن الاسود العامری عن ابیه قال شهد مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم حجته فصلیت معه صلاة الصبح فی مسجد الخیف، قال، فلما قضی صلاة انحرف، فاذا هو بر

جلین فی اخری القوم لم یصلیا معه، فقال علی بهما، فجی بهما ترعد فرائصهما، فقال، مامنعکما ان تصلیا معنا؟ فقال یا رسول الله انا کنا قد صلینا فی رحالنا، قال فلا تفعلا، اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما مسجد جماعة فصلیا معهم فانها لکما نافلة۔

جابر بن یزید (تابعی) اپنے والد سیدنا یزید بن اسود عامری رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میں حج کے موقعہ پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، اور فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد خیف میں پڑھی، جب آپ علیہ السلام نے نماز سے فارغ ہو کر پیچھے کی طرف منہ کیا تو دو آدمیوں کو دیکھا جو قوم کے آخر میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے آپ علیہ السلام کے ساتھ نماز باجماعت نہ پڑھی تھی۔، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں میرے سامنے پیش کرو، ان کے کندھے کانپ رہے تھے آپ علیہ السلام نے فرمایا آپ کو ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اپنے گھروں میں نماز پڑھ چکے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے نہ کیا کرو، اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھ کر مسجد کی طرف آؤ اور وہاں جماعت ہو رہی ہو تو تم ان کے ساتھ بھی نماز پڑھو، وہ تمہارے لئے نفل ہوگی۔

(سنن ترمذی کتاب الصلاة ما جاء فی الرجل یصلی وحده ثم یدرك الجماعة، الحمدیث ۲۱۹)، ابو داؤد رقم الحدیث ۵۷۵، ۵۷٦، نسائی رقم الحدیث ۱۵۹؛ سنن دارمی ص۳٦٦ ج۱ رقم الحدیث ۱۳٦۷ ج۲) مسند احمد ص۱٦۰ ج٤، ومصنف ابن ابی شیبه۲۷۵ ج۲، بیهقی ص۳۰۰، ۳۰۱ ج۲، سنن دارقطنی ص۴۱۳ ج۱، مصنف عبد الرزاق ص۴۲۱ ج۲، رقم الحدیث ۳۹۳٤، طحاوی ص۲۵۰ ج۱، صحیح ابن خزیمه ۱٦۳۸)، ابن حبان (موارد) ٤۳٤، مستدرك للحاکم ص۲٤٤، ۲٤۵ ج۱)۔

امام ترمذی، امام ابن حبان، امام ابن خزیمہ، امام ابن السکن، علامہ ذہبی، اور البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (تحقیق مشکوٰۃ ۱۱۵۴)۔

(ii) عن کریب ان ابن عباس والمسور بن مخرمة وعبد الرحمن بن الازهر رضی اللہ عنہم ارسلوا الی عائشة رضی اللہ عنہا فقالوا، اقرأ علیها السلام منا، جمیعا وسلها عن الرکعتین بعد الصلاة العصر، وقل لها انااخبرنا انك تصلینهما وقال بلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عنها، وقال ابن عباس وکنت اضرب الناس مع عمر بن الخطاب عنها، قا ل کریب، فدخلت علی عائشة رضی اللہ عنہا فبلغتها ما ارسلونی، فقالت، سل ام سلمة، فخرجت الیهم فاخبرتهم بقولها فردونی الی ام سلمة بمثل مارسلونی به الی عائشة رضی اللہ عنہا فقالت ام سلمة رضی اللہ عنہا سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینهی عنها ثم رایته یصلیهما حین صلی العصر ثم دخل وعندی نسوة من بنی حرام من الانصار فارسلت الیه الجاریة فقلت، قومی بجنبه قولی له، تقول لك ام سلمة، یا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم سمعتك تنهی عن هاتین واراك تصلیهما، فان أشار بیده فاستا خری عنه، ففعلت

الجاریة فاشار بیده فاستاخرت عنه، فلما انصرف قال، یا ابنة ابی امیة، سالت عن الرکعتین بعد العصر، وانه أتانی ناس من عبد القیس فشغلونی عن الرکعتین اللتین بعد الظهر، فهما هاتان۔

امام کریب بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس سیدنا مسور بن مخرمہ اور سیدنا عبد الرحمٰن بن ازہر رضی اللہ عنہم نے مجھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور کہا کہ ہم سب کی طرف سے انہیں سلام کہنا اور ان سے عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا کیسا ہے، کے متعلق سوال کرو کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ آپ انہیں پڑھتی ہیں، اور ہم کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس سے منع کیا ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر ان دو رکعتوں کے پڑھنے پر لوگوں کو مارا کرتا، امام کریب بیان کرتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور میں نے انہیں پیغام پہنچایا انہوں نے فرمایا کہ اس کے متعلق سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھیئے، میں لوٹ کر آیا اور جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا وہ ان سے کہہ دیا، انہوں نے پھر مجھے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور وہی پیغام دیا جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تھا، ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کرتے تھے پھر میں نے دیکھا کہ آپ علیہ السلام نے یہ دو رکعتیں عصر کے بعد پڑھیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اس وقت قبیلہ انصار میں سے بنی حرام کی کئی عورتیں میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، میں نے ایک لڑکی کو آپ کے پاس بھیجا اور تاکید کردی کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جانب کھڑی ہوکر یہ سوال کر کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ کہتی ہیں کہ آپ تو ان دو رکعتوں سے منع کیا کرتے تھے؟ اور اب میں دیکھتی ہوں کہ آپ علیہ السلام ان کو پڑھ رہے ہیں۔ اگر (تیرا یہ کلام سن کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہاتھ سے اشارہ کریں تو پیچھے ہٹ جانا، لڑکی نے جا کر وہی عرض کیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہاتھ سے پیچھے ہٹ جانے کا اشارہ کیا اور وہ پیچھے کو ہٹ گئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی تو (سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا کہ اے امیہ کی بیٹی تو نے عصر کے بعد دو رکعتوں کا سوال کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ قبیلہ عبد القیس کے کچھ لوگ میرے پاس آگئے تھے ان سے مصروفیت کی وجہ سے میں ظہر کے بعد والی دو رکعت سنت نہ پڑھ سکا لہٰذا یہ وہی دو رکعتیں ہیں۔

(بخاری کتاب السهو باب اذا کلم وهو یصلی فاشار بیده واستمع، الحدیث ۱۲۳۳، مسلم کتاب صلاة المسافرین باب معرفة الرکعتین اللتین کان یصلیهما النبی ﷺ بعد العصر، الحدیث ۱۹۳۳)۔

(iii) عن عائشة قالت والذی ذهب به ماترکهما حتی لقی الله وما لقی الله تعالیٰ حتی ثقل عن الصلاة، وکان یصلی کثیرا من صلاة قاعدا، تعنی الرکعتین بعد العصر وکان

النبی ﷺ یصلیھما ولا یصلیھما فی المسجد مخافة، ان یثقل علی امته وکان یحب ما یخفف عنھم۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم ہے جس نے آپ علیہ السلام کو (اس دنیا سے) اٹھا لیا ہے آپ ﷺ نے وفات تک ان دو رکعتوں کو نہیں چھوڑا، اور آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے نہیں ملے یہاں تک کہ نماز سے بوجھل ہو گئے، (یعنی جسم اقدس فربہ ہو گیا اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے تکلیف ہونے لگی) اور آپ اپنی اکثر (نفلی) نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے، دو رکعتوں سے مراد عصر کی نماز کے بعد کی دو رکعتیں ہیں اور نبی ﷺ ان کو پڑھا کرتے تھے، لیکن مسجد میں اس خوف کی وجہ سے نہیں پڑھتے تھے۔ کہ آپ کی امت پر بوجھ نہ ہو، آپ کو اپنی امت کا ہلکا رکھنا پسند تھا۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب مایصلی بعد العصر من الفوائت ونحوھا الحدیث ۵۹۰)۔

(iv) قالت عائشة ابن اختی ماترك النبی ﷺ السجدتین بعد العصر عندی قط۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے بھانجے (سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ) نبی مکرم ﷺ نے عصر کے بعد کی دو رکعتیں میرے یہاں کبھی ترک نہیں کیں۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب سابق الحدیث ۵۹۱، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب معرفة الرکعتین اللتین کان یصلیھما النبی ﷺ بعد العصر الحدیث ۱۹۳۵)۔

(v) عن عائشة قالت رکعتان لم یکن رسول الله ﷺ یدعھما سرا ولا علانیة رکعتان قبل الصبح ورکعتان بعد العصر۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ دو رکعتوں کو رسول اللہ ﷺ نے کبھی ترک نہیں فرمایا: پوشیدہ ہو یا عوام الناس کے سامنے صبح کی نماز سے پہلے کی دو رکعتیں اور عصر کی نماز کے بعد دو رکعتیں۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ سابق الحدیث ۵۹۲، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب سابق الحدیث ۱۹۳۶)۔

(vi) عن ابی اسحاق قال رایت الاسود ومسروقا شھدا علی عائشة قالت ما کان النبی ﷺ یاتینی فی یوم بعد العصر الا صلی رکعتین۔

امام ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے امام اسود بن یزید اور امام مسروق بن اجدع کو دیکھا کہ انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس کہنے پر گواہی دی کہ نبی ﷺ جب بھی میرے گھر میں عصر کے بعد تشریف لائے تو دو رکعتیں ضرور پڑھتے تھے۔

(بخاری باب سابق الحدیث ۵۹۳، مسلم باب سابق الحدیث ۱۹۳۷)۔

(vii) عن علی ان النبی ﷺ نھی عن الصلاۃ بعد العصر الا والشمس مرتفعة۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے مگر یہ کہ

سورج بلند ہو (تب ممانعت نہیں)۔

(سنن ابوداؤد کتاب التطوع باب من رخص فیهما اذا کانت الشمس مرتفعة، الحدیث ۱۲۷۴)۔

(viii) **عن علی قال نهی رسول اللهﷺ عن صلاة بعد العصر الا ان تکون الشمس بیضاء نقیة مرتفعة۔**

سیدنا علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ مگر یہ کہ سورج چمکتا ہوا بلند ہو تو پھر منع نہیں فرمایا۔

(سنن نسائی کتاب المواقیت باب الرخصة فی الصلاة بعد العصر الحدیث ۵۷۴)۔

(ix) **عن علی عن النبی ﷺ قال لا تصلوا بعد العصر الا ان تصلوا والشمس مرتفعة۔**

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ عصر کے بعد نماز نہ پڑھو! ہاں البتہ جب سورج بلند ہو (تو پڑھ لیا کرو)۔

(السنن الکبریٰ للنسائی ص۴۸۵ ج۱ ، کتاب مواقیت الصلاة باب ذکر الرخصة فی الصلاة بعد العصر الحدیث ۱۵۵۲)۔

(x) **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا ادرک احدکم سجدة من صلاة العصر قبل ان تغرب الشمس فلیتم صلاته واذا ادرک سجدة من صلاة الصبح قبل ان تطلع الشمس فلیتم صلاته۔**

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر عصر کی ایک رکعت بھی سورج غروب ہونے سے پہلے تم میں سے کوئی پا سکا تو وہ (نمازی) اپنی نماز کو پورا کرے اور اگر سورج طلوع ہونے سے پہلے ایک رکعت بھی صبح کی نماز کی پالے تو وہ اپنی نماز پوری کرے۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلاة باب من ادرک رکعة من العصر قبل الغروب، الحدیث۵۵۶)۔

(xi) **عن ابی هریرة ان رسول اللهﷺ قال من ادرک رکعة من الصبح قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح ومن ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر۔**

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ بلاشبہ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے صبح کی ایک رکعت بھی آفتاب طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لی اس نے فجر کی نماز پالی اور جس نے سورج غروب ہونے سے قبل عصر کی ایک رکعت پالی اس نے عصر کی نماز پالی۔

(مسلم کتاب المساجد باب من ادرک رکعة من الصلاة فقد ادرک الصلاة، الحدیث ۱۳۷۴۔

(xii) **عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ من ادرک من العصر سجدة قبل ان تغرب الشمس او من الصبح قبل ان تطلع، فقد ادرکها، والسجدة انما هی الرکعة۔**

ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے آفتاب غروب ہونے سے پہلے ایک سجدہ بھی پالیا اس نے عصر کی نماز پالی اور جس نے سورج طلوع ہونے سے قبل ایک سجدہ پالیا اس نے صبح کی نماز کا وقت پالیا سجدہ سے مراد رکعت ہے۔

(صحیح مسلم باب سابق الحدیث ۱۳۷۵)۔

(xiii) عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی سجدة واحدة من العصر قبل غروب الشمس، ثم صلی مابقی بعد غروب الشمس فلم تفته العصر، قال ومن صلی سجدة واحدة من الصبح قبل طلوع الشمس، ثم صلی ما بقی بعد طلوع الشمس فلم تفته الصبح۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نماز عصر کی ایک رکعت بھی سورج غروب ہونے سے پہلے پڑھ لی اور باقی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھی تو اس کی نماز عصر فوت نہ ہوئی، اور جس شخص نے صبح کی ایک رکعت بھی طلوع آفتاب سے پہلے پڑھ لی اور بقیہ نماز سورج نکلنے کے بعد پڑھی تو اس کی نماز صبح فوت نہ ہوئی۔

(مسند السراج ص ٣٠٤ رقم الحديث ٩٣٦)۔

(xiv) عن ابن عباس عن ابی هریرة عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال من ادرك ركعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادركها ومن ادرك ركعة من الفجر قبل ان تطلع الشمس و ركعة بعد ما تطلع الشمس فقد ادركها۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بواسطہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے نماز عصر سے ایک رکعت بھی غروب آفتاب سے پہلے پالی اس نے نماز عصر کا وقت پالیا اور جس شخص نے ایک رکعت بھی فجر کی نماز سے طلوع آفتاب سے قبل پڑھ لی اس نے نماز فجر کا وقت پالیا۔

(صحیح ابن حبان ص ۵۷ ج ۴ رقم الحدیث ۱۵۸۰)۔

(xv) عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا ادرك احدكم اول سجدة من صلاة العصر قبل ان تغرب الشمس فليتم صلاته واذا ادرك اول سجدة من صلاة الصبح قبل ان تطلع الشمس فليتم صلاته۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک نماز عصر کا سورج غروب ہونے سے قبل پہلا سجدہ (یعنی پہلی رکعت) پالے تو وہ بقیہ نماز پوری کرلے، اور تم میں سے کوئی ایک سورج طلوع ہونے سے پہلے اگر پہلا سجدہ (یعنی رکعت اول) پالے تو

وہ اپنی نماز پوری کرے۔

(سنن نسائی کتاب المواقیت باب من ادرک رکعتین من العصر، الحدیث ۵۱۷)۔

(xvi) عن ابی ہریرۃ ان نبی ﷺ قال اذا صلی احدکم رکعۃ من صلاۃ الصبح ثم طلعت الشمس فلیصل الیہا اخری۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک صبح کی نماز سے ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لے تو وہ بقیہ نماز بھی پڑھ لے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی ص۱۷۶ ج۱، کتاب الصلاۃ باب عدد صلاۃ الصبح، الحدیث ۴۶۳، بیہقی ص۳۷۹ ج۱، سنن دارقطنی ص۳۸۲ ج۱)۔

(xvii) عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ قال من صلی رکعۃ من صلاۃ الصبح ثم طلعت الشمس فلیتم صلاتہ۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے طلوع آفتاب سے قبل ایک رکعت صبح کی نماز سے پڑھ لی وہ اپنی نماز کو پورا کرلے۔

(مستدرک حاکم ۲۷۴ ج۱، بیہقی ص۳۷۹ ج۱، دارقطنی ۳۸۲ ج۱، مسند احمد ۴۸۹ ج۲)۔

(xviii) عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ ﷺ قال من ادرک من الصبح رکعۃ قبل ان تطلع الشمس ورکعۃ بعد ماتطلع فقد ادرک الصبح ومن ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس وثلاثا بعد ما تغرب فقد ادرک العصر۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے صبح کی نماز سے ایک رکعت سورج طلوع ہونے سے پہلے پالی اور دوسری رکعت آفتاب نکلنے کے بعد تو اس نے صبح کی نماز پالی، اور جس شخص نے غروب آفتاب سے قبل ایک رکعت بھی نماز عصر سے پڑھ لی اور بقیہ تین رکعتوں کو سورج غروب ہونے کے بعد ادا کیا تو اس نے عصر کی نماز پالی۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص۳۷۸ ج۱)۔

(xix) عن انس بن مالک عن النبی ﷺ قال من نسی صلاۃ فلیصل اذا ذکر لا کفارۃ لہا الاذلک، واقم الصلاۃ لذکری۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز بھول جائے، جب اسے یاد آئے تو نماز پڑھ لے، اس (نماز) کا کوئی کفارہ نہیں، مگر یہ کہ نماز پڑھی جائے) اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ میرے ذکر کے لئے نماز قائم کی جائے۔

صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ من نسی صلاۃ...... الحدیث ۵۹۷، مسلم کتاب المساجد باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ واستحباب تعجیل قضائہا، الحدیث ۱۵۶۶)۔

(xx) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من نسی الصلاۃ فلیصلھا اذا ذکرھا فان اللہ تعالیٰ قال واقم الصلاۃ لذکری، الحدیث۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز کو بھول گیا جب اسے یاد آئے تو نماز پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد باب سابق ۱۵٦٠)۔

(xxi) عن ابی قتادۃ قا ل قال رسول اللہ ﷺ اما انہ لیس فی النوم تفریط انما التفریط علی من لم یصلی الصلاۃ حتی یجئی وقت الصلاۃ الآخری، فمن فعل ذلک فلیصلھا حین ینتبہ لھا، فاذا کان الغد فلیصلھا عند وقتھا، الحدیث۔

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سو جانے میں کوئی تفریط نہیں، قصور تو یہ ہے کہ انسان نماز نہ پڑھے حتی کہ دوسری نماز کا وقت آجائے لہٰذا اگر کسی سے ایسا ہو جائے تو بیدار ہونے پر نماز پڑھ لے اور جب اگلا روز آئے تو (اس دن کی) نماز کو وقت پر پڑھے۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد باب سابق الحدیث ۱۵٦٢)۔

قارئین کرام: مذکورہ احادیث پر غور کریں تو ان سے حسب ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) صبح کی نماز اگر گھر میں پڑھنے کے بعد نمازی مسجد میں آئے تو اسے جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھنی چاہئے اور اس کی یہ نماز نفل ہوگی (حدیث نمبر ۱)۔

(۲) اگر بوجہ سنتیں قضاء ہو جائیں تو انہیں مکروہ اوقات میں بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۲ سے ثابت ہو رہا ہے کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے ظہر کی آخری دو سنتوں کو نماز عصر کے بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پڑھا ہے، اور یہ حنفیہ کے نزدیک مکروہ وقت ہے۔

(۳) بلکہ آنحضرت ﷺ نماز عصر کے بعد دو رکعت نوافل پڑھا کرتے تھے۔ (حدیث نمبر ۳)۔ اور ان کو کبھی بھی چھوڑا نہیں (حدیث نمبر ۴)۔

پوشیدہ و اعلانیہ ہر دو طرح سے پڑھا کرتے تھے (حدیث نمبر ۵)۔

اور جب تک سورج بلند اور چمکتا ہوا ہو تب تک ان رکعات کو پڑھا جاسکتا ہے۔

(حدیث نمبر ۷ تا ۹)۔

(۴) صبح اور عصر کی نماز میں سے اگر ایک رکعت بھی طلوع آفتاب اور غروب سے پہلے پڑھ لی جائے، تو دونوں نمازوں میں سے کوئی ایک بھی ہو تو اسے مکمل کیا جائے، آفتاب نکلنے سے یا غروب ہونے سے اس کی نماز باطل ہونا تو کجا قضاء بھی شمار نہ ہوگی۔ (حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۷)۔

(۵) اگر کوئی نماز پڑھنا بھول جائے اسے جب یاد آئے اسی وقت نماز پڑھ لے، (حدیث نمبر ۱۸

،۱۹)۔ اس سے ثابت ہوا کہ بھولا ہوا مکروہ اوقات میں بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔

(۶) جس کی نماز بوجہ نیند رہ جائے وہ بیدار ہونے پر اسی وقت نماز پڑھ سکتا ہے (حدیث نمبر ۲۰) اور اس کے حق میں کوئی بھی وقت مکروہ نہیں ہے، اس ساری تفصیل سے ثابت ہوا کہ انوار صاحب کی پیش کردہ احادیث علی الاطلاق نہیں بلکہ ان کی بعض احادیث مخصصات بھی ہیں۔ خود حنفیہ کے نزدیک بھی ان تین اوقات مکروہہ میں بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں مثلاً عصر کی نماز بوقت کراہت بھی ادا ہوجاتی ہے (ہدایہ ص۵۲ ج۱، شرح نقایہ ص۵۶ کبیری ص۲۳۶)۔

عصر اور مغرب کے درمیان سورج کے متغیر ہونے سے پہلے نماز جنازہ فرض نماز کی قضاء اور وتر بھی پڑھنے ان کے نزدیک جائز ہیں (نماز مسنون ۲۰۸)۔

یہاں پر ایک نظر (تحفۃ حنفیہ ص۱۰۱ ج۱) کی مراجعت کرلینا جہاں خاکسار نے حنفیہ کے عملی تضاد کو ثابت کیا ہے کہ ان کے نزدیک نماز فجر کے بعد عشاء کی نماز تو پڑھی جاسکتی ہے جب کہ جماعت فجر کے بعد سنتوں کی اجازت نہیں دیتے۔ حالانکہ انوار صاحب کی پیش کردہ احادیث میں فرض ونوافل کی تقسیم ثابت نہیں، اگر انوار صاحب کسی خارجی دلیل سے یہ تخصیص پیدا کرتے ہیں تو وہ ہمارے پاس بھی بفضلہ تعالیٰ سیدنا قیس بن فہد رضی اللہ عنہ کی حدیث موجود ہے فلا اعتراض۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انوار صاحب کی پیش کردہ روایات عام نوافل پر محمول ہیں سنن رواتب وغیرہ ان سے مستثنیٰ ہیں۔ فتاویٰ دار العلوم میں ہے کہ، **قضاء فائته بعد الصلاة العصر والفجر** جائز ہے۔ اورحدیث **لا صلاة بعد الفجر حتى تطلع الشمس ولا صلاة بعد العصر حتى تغيب الشمس**، میں نہی نوافل پر محمول ہے (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص۳۳۹ ج۴) لہٰذا صبح کی سنتیں ان احادیث سے مستثنیٰ ثابت ہوئیں، کیونکہ یہ عام نوافل نہیں بلکہ وتروں کی طرح تاکید ہے کما مر۔

(۵) عن ابی هريرة قال كان النبی ﷺ اذا فاتته ركعتا الفجر صلاهما اذا طلعت الشمس۔

(مشكل الاثار ص ج بحواله المعتصر من المختصر ص۶۵ ج ۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی فجر کی سنتیں رہ جاتیں تو آپ انہیں سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۱۹)

الجواب: اولاً اس کی سند میں مروان بن معاویہ فزاری راوی ہے (تحفۃ الاخیار ترتیب مشکل الاثار ص۲۶۵، ۲۶۶ ج۲ رقم الحدیث ۸۹۹)۔ اور یہ مدلس ہے جیسا کہ امام دارقطنی نے صراحت کی ہے۔ (طبقات المدلسین ص۴۵)۔ اور زیر بحث راویت میں سماع کی صراحت نہیں، الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً: سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ تو امامت خود فرماتے تھے اس لیے عقلاً ناممکن ہے، آپ علیہ التحیۃ

والسلام کی سنن فجر رہ بھی جایا کرتی تھیں، صرف واقعہ تعریس میں صبح کی نماز قضاء ہوئی تھی، جسے آپ نے طلوع آفتاب کے بعد پڑھا تھا اذان و اقامت کہلوا کر آپ نے جماعت کروائی تھی، اور سنن جماعت سے قبل ادا فرمائی تھیں، جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ کتب احادیث میں تفصیل موجود ہے۔

ثالثا: مروان فزاری نے یہ روایت یزید بن کیسان کے واسطے سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، اور یزید کی روایت (صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۵۶۱)۔ میں موجود ہے جس میں لیلۃ التعریس کا واقعہ ہے، علاوہ ازیں خود مروان فزاری کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ لیلۃ التعریس کا ہے، سنن ابن ماجہ میں ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نام عن رکعتی الفجر قضاء ھما بعد طلعت الشمس۔

(سنن ابن ماجه كتاب اقامة الصلوات باب ماجاء فيمن فاتته الركعتان قبل صلاة الفجر متى يقضهما، (الحديث ١١٥٥)۔

طحاوی کی روایت میں مروان فزاری کا شاگرد یحییٰ بن معین ہیں اور اسی سند سے یہ روایت امام ابن حزم نے محلی میں نقل کی ہے۔

حدثنا حمام حدثنا عباس بن اصبغ ثنا محمد بن عبد الملك بن أيمن ثنا ابن وضاح ثنا یحییٰ بن معین ثنا مروان بن معاویۃ الفزاری عن یزید بن کیسان عن ابی حازم عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نام عن رکعتی الفجر، فصلاھما بعد ما طلعت الشمس۔

(المحلى بالاثار ص١٥٤ ج٢ رقم مساله ٣٠٨)۔

اس پوری تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ فزاری کی روایت میں اختصار ہے، یہ اختصار کس نے کیا ہے؟ اس کے متعلق بہتر تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، ہاں ممکن اور بالکل ممکن ہے کہ جس راوی کو فزاری نے تدلیس کے پردہ میں رکھا ہے وہ کاذب و خائن ہو، اس نے یہ اختصار مذہب کی پاس داری میں کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

رابعا: اس روایت کے متن میں اضطراب ہے طحاوی کی روایت میں ہے کہ جب کبھی رہ جاتی تو طلوع آفتاب کے بعد پڑھا کرتے جب کہ ابن ماجہ اور محلی کی روایت سے ثابت ہوا کہ ایک دفعہ بوجہ نیند رہ گئی تھیں، ظاہر ہے کہ یہ کھلا ہوا اضطراب ہے۔

خامسأ: اگر اس کا وہی مفہوم تسلیم کر لیا جائے جو انوار صاحب بیان کر رہے ہیں تو یہ خود حنفیہ کے خلاف ہے۔ اس لئے انوار صاحب کے استدلال کے موافق بات یہ ثابت ہوئی کہ فجر کی جماعت کے وقت سنتیں نہ پڑھنا چاہیے بلکہ جماعت میں شامل ہونا چاہیے اور سنتوں کو طلوع آفتاب کے بعد ادا کرنا چاہیے، حالانکہ احناف کا عمل اس کے برعکس ہے یہ جماعت کے ہوتے ہوئے سنتیں پڑھنے کے قائل

ہیں، بلکہ مشاہدہ یہ ہے کہ بعد میں آنے والا پڑھتا ہی بوقت جماعت ہے۔طلوع آفتاب کے بعد کا عمل ان کے ہاں نادر ہے جو معدوم کا حکم رکھتا ہے۔

(۶) عن زرارة بن اوفى ان المغيرة بن شعبة قال تخلف رسول اللهﷺ فذكر هذه القصة قال فاتينا الناس و عبدالرحمن بن عوف يصلي بهم الصبح فلما رأى النبیﷺ اراد ان يتاخرفا وما اليه ان يمضى فصليت انا والنبیﷺ خلفه ركعة فلما سلم قام النبیﷺ فصلى الركعة التي سبق بها ولم يزد عليها شيئا۔

(ابو داؤد ص ۲۰ ج ۱)۔

حضرت زرارۃ بن اوفی سے روایت ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پیچھے رہ گئے اس سفر کا پورا قصہ ذکر کیا اور فرمایا کہ ہم (ان) لوگوں کے پاس (جو شریک سفر تھے) پہنچے تو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ انہیں فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، جب انہوں نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو دیکھا تو پیچھے ہٹنا چاہا، آپ نے انہیں اشارہ کیا کہ نماز پڑھاتے رہیں، پس میں نے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے پیچھے ایک رکعت پڑھی، پھر جب انہوں نے سلام پھیرا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوگئے اور جو رکعت رہ گئی تھی وہ پڑھی اور اس سے زیادہ کوئی نماز نہیں پڑھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۲۰)

الجواب: اولاً: **ولم يزد عليها شيئا** ''کا معنی'' اور اس سے زیادہ کوئی نماز نہیں پڑھی'' لغت کی کس کتاب میں ہے؟ بحوالہ صراحت کریں محترم ان الفاظ کا معنی ہے، اور اس پر کسی چیز کی زیادتی نہ کی'' پس منظر کو سامنے رکھا جائے تو مفہوم خود واضح ہوجاتا ہے کہ صرف ایک رکعت ہی پڑھی، کیونکہ آپ علیہ التحیۃ والسلام نے ایک رکعت جماعت کے ساتھ پڑھی تھی، اور دوسری رکعت کو سلام پھیرنے کے بعد اٹھ کر پڑھا تھا۔ یہی بفضلہٖ تعالیٰ ہمارا مؤقف ہے کہ اگر امام ایک رکعت پڑھ چکا ہو اور مقتدی دوسری رکعت میں ملا ہو تو مسبوق کی ایک رکعت ہوگئی دوسری رکعت کو اٹھ کر پڑھ لیا جائے اس پر مزید کسی چیز کا اضافہ نہیں کرنا چاہیے، مگر افسوس کہ انوار صاحب شرم و حیاء کو بالائے طاق رکھ کر شیئا کا معنی نماز اور یزد بمعنی پڑھی باور کراتے ہیں، لا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم، شاید عربی کی یہ جدید ڈکشنری دار العلوم دیوبند میں تیار ہوئی ہے، یا ممکن ہے انوار صاحب نے جامعہ مدنیہ کے اساتذہ کے تعاون سے کوئی ایسی گرائمر مرتب کر لی ہو جس میں حرف نافیہ کے بعد'' یزد'' اور'' شیئا' کے الفاظ آنے سے معنی یہ بنتا ہو کہ اور اس سے زیادہ اور کوئی نماز نہ پڑھی۔ محترم سنئے جو ہم نے پڑھا اور ہمارے پڑھنے سے قبل عربی قواعد میں تحریر ہوچکا ہے، وہ یہ ہے کہ ''**ولم يزد عليها شيئا**'' راجع ہے **فصلى الركعة التي سبق بها**۔ کی طرف'' جس سے معنی یہ بنتا ہے کہ دوسری رکعت میں مزید کسی چیز کا اضافہ

نہ کیا، یہی مفہوم امام ابو داؤد جیسے عظیم الشان محدث نے سمجھا، چنانچہ آپ متن حدیث کے بعد فرماتے ہیں کہ **قال ابو داؤد ابو سعید الخدری وابن الزبیر وابن عمر یقولون من ادرك الفرد من الصلوٰة علیه سجدتا السهو**، یعنی ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص امام کے ساتھ ایک (یا تین رکعت) پائے وہ سجدہ سہو کرے۔ (سنن ابی داؤد ص۲۱ ج۱)

امام ابو داؤد کی اس صراحت سے ثابت ہوا کہ، **ولم یزد علیها شیئا** کے الفاظ سے ان بزرگوں کے مؤقف کا رد ہوتا ہے ان الفاظ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے دیوبندی مکتب فکر کے جلیل القدر محدث اور شارح سنن ابی داؤد مولانا خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں۔ **ای لم یسجدتی السهو به قال جمهور العلماء انه لیس علی المسبوق سجود۔**

یعنی **ولم یزد علیها شیئا** کا مطلب ہے کہ نبی علیہ السلام نے سجدہ سہو نہیں کیا تھا اور یہی جمہور علماء نے کہا ہے کہ مسبوق پر سجدہ سہو نہیں ہے۔ (بذل المجہود ص۹۲ ج۱)۔

ثانیا: یہ استدلال آپ کے لئے تب مفید ہے جب آپ کسی خارجی دلیل سے یہ ثابت کر دیں کہ اس دن نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر سے قبل سنتیں نہیں پڑھیں تھیں۔

ثالثا: حدیث میں صاف وضاحت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت نماز میں اشارہ کیا تھا اور احناف کے نزدیک اشارہ مفہم کرنا مکروہ ہے۔

(۷)عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من لم یصلی رکعتی الفجر فلیصلهما بعد ما تطلع الشمس۔

(ترمذی ۹۶ ج ۲)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں وہ سورج کے نکلنے کے بعد پڑھے۔ (حدیث اوراہل حدیث ۶۲۰)

الجواب: اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ جو جماعت سے پہلے نہ پڑھ سکا تو وہ طلوع آفتاب سے قبل پڑھ نہیں سکتا اس حدیث کا مقصود یہ ہے کہ جو شخص طلوع آفتاب تک صبح کی سنتیں نہ پڑھ سکا ہو وہ سورج طلوع ہونے کے بعد بھی پڑھ لے، اسی حدیث کے دوسرے طرق سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من لم یصلی رکعتی الفجر حتی تطلع الشمس فلیصلهما۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح کی سنتیں نہ پڑھ سکا حتی کہ سورج طلوع ہوگیا تو وہ ان دونوں سنتوں کو پڑھ لے۔

(سنن دارقطنی ص۳۸۳ ج۲،بیهقی ص٤٨٤ ج۲،مستدرك حاكم ص٤٧٤ ج۱)۔

اس حدیث نے انوار صاحب کی پیش کردہ روایت کی وضاحت کردی کہ نہ پڑھنے سے مراد جماعت سے قبل تک پڑھنا نہیں بلکہ سورج کے طلوع ہونے تک پڑھنا ہے۔ اس سے حنفیہ کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا بلکہ غور کیا جائے تو اس سے ان کا رد ہوتا ہے کیونکہ حتی تطلع الشمس کا یہ مفاد ہے کہ جماعت کے بعد طلوع آفتاب تک ان دونوں رکعتوں کو پڑھا جاسکتا ہے۔ ورنہ اس تخصیص کا کوئی مقصد ہی نہیں رہ جاتا۔

(۸) عن ابن سیرین عن ابن عمر انه صلاهما بعد اضحی۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۲۰۵ ج۲)۔

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فجر کی سنتیں چاشت کے بعد پڑھیں۔

الجواب: اولاً اگر نماز فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے قبل نہ پڑھنے'' سے ہمارا رد ہوتا ہے' تو اسی روایت سے حنفیہ کا بھی ہوتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک طلوع آفتاب کے بعد پڑھنے کا دستور ہے جب کہ سیدنا ابن عمر نے چاشت کے بعد ان کو پڑھا ہے، لہٰذا اگر یہ ہمارے خلاف ہے تو محترم یہ آپ کے بھی موافق نہیں کیونکہ آپ بھی چاشت کے بعد کا مؤقف نہیں رکھتے، یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ لفظ, ضحیٰ، عربی میں ایسے وقت پر بولا جاتا ہے جب قدرے دھوپ میں تیزی آگئی ہو اور زمین پر گرمی محسوس ہونے لگے، اور اس وقت ادا کرنا حنفیہ کا مذہب نہیں۔

(۹) عن مالك انه بلغه ان عبد الله بن عمر فاتته ركعتا الفجر فقضاهما بعد ان طلعت الشمس۔

(موطا امام مالك ص۱۱۲)۔

حضرت مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی فجر کی سنتیں رہ جاتیں تو سورج نکلنے کے بعد پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۲۰)

الجواب: اولاً یہ روایت بلاغات مالک سے ہے جو شخص اس کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی صحیح سند بیان کرے۔

ثانیاً: انوار صاحب نے متن روایت کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ فاتتہ، کا یہ معنی کہ، رہ جائیں، درست نہیں بلکہ، رہ گئیں، صحیح ہے جس سے ثابت ہوا کہ ہمیشہ ایسا نہیں کرتے تھے، بلکہ ایک دفعہ ایسا کیا تھا، انوار صاحب متن روایت میں لفظ ,اذا, قطعاً نہیں مگر افسوس آپ ترجمہ میں اسے داخل کر کے تحریف معنوی کر رہے ہیں۔

جائیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۲۲)

محترم ہمارا عمل احادیث و آثار کے خلاف قطعاً نہیں بلکہ ہم اپنے مؤقف پر احادیث و آثار نقل کر چکے ہیں، اور آپ کے دلائل کا مفصل رد بھی لکھ چکے ہیں۔

انوار صاحب کا دعویٰ تقلید جھوٹا ہے: انوار صاحب کے دلائل کا دوحرفی خلاصہ یہ ہے کہ فجر کی سنتیں رہ جائیں تو انہیں سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھا جائے، اس پر وہ بزعم خود دلائل بھی دیتے ہیں (جن کی حقیقت گزر چکی ہے) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مؤقف ہے جواب نفی میں ملتا ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں۔

لا یقضی سنة الفجر الا اذا فاتت مع الفجر فیقضیها تبعا لقضائه لو قبل الزوال، وما اذا فاتت وحده فلا تقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع، لکراهة النفل بعد الصبح واما بعد طلوع الشمس فکذلك عندهما۔

یعنی فجر کی سنتوں کی قضاء نہ پڑھے مگر یہ کہ وہ فرضوں کے ساتھ قضا ہوئی ہوں تو انہیں فرضوں کے تابع قضاء کرے، خواہ زوال سے پہلے پڑھے، اور جب اکیلی سنتیں ہی قضا ہوں تو سورج طلوع ہونے سے قبل بالاجماع قضاء نہ کرے، اس وجہ سے کہ صبح کی نماز کے بعد نوافل پڑھنے مکروہ ہیں، اور اسی طرح طلوع آفتاب کے بعد پڑھنا بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ ہیں۔ (فتاویٰ شامی ص۵۷ ج۲)۔

مولوی سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں کہ۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جب فجر کی سنتیں چھوٹ جائیں تو ان کی قضاء نہیں۔ **لاقبل طلوع الشمس ولا بعده** (نہ سورج طلوع ہونے سے پہلے اور نہ ہی بعد میں (خزائن السنن ص۱۵۰ ج۲)۔

(۵۵) باب اذان مغرب کے بعد دو رکعت نفل ثابت ہیں

فصل اول

(۱) عن عبد الله بن مغفل قال قال رسول الله ﷺ بین کل اذانین صلاۃ بین کل اذانین صلاۃ ثم قال فی الثالثة لمن شاء۔

سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر اذان و اقامت کے درمیان نماز (نفل) ہے ہر اذان و اقامت کے درمیان نماز ہے، تیسری بار فرمایا جو چاہے (وہ پڑھ لے)۔

(بخاری کتاب الاذان باب بین کل اذانین صلاۃ لمن شاء الحدیث ۶۲۷، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب بین کل اذانین صلاۃ ،الحدیث ۱۹۴۰)۔

(۲) عن عبد الله المزنی عن النبی ﷺ قال صلوا قبل صلاۃ المغرب قال فی الثالثة لمن شاء کراهیة ان یتخذها الناس سنة۔

سیدنا عبد اللہ مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ نماز مغرب سے پہلے (نفل) نماز پڑھو، تیسری بار فرمایا جس کا جی چاہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ لوگ انہیں ضروری سمجھ بیٹھیں۔

(بخاری کتاب التہجد باب الصلاۃ قبل المغرب الحدیث ۱۱۸۳)۔

(۳) عن عبد الله المزنی قال قال رسول الله ﷺ صلوا قبل صلاۃ المغرب رکعتین ثم قال صلوا قبل صلاۃ المغرب رکعتین لمن شاء خشیة ان یتخذها الناس سنة۔

سیدنا عبد اللہ مزنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز مغرب سے پہلے دو رکعات نفل پڑھو پھر فرمایا نماز مغرب سے پہلے دو رکعات نفل جس کا جی چاہے پڑھے، یہ بات آپ نے اس خوف کی وجہ سے فرمائی کہ کہیں لوگ اسے لازم ہی نہ کرلیں۔

(ابو داؤد کتاب التطوع باب الصلاۃ قبل المغرب الحدیث ۱۲۸۱)۔

(۴) عن عبد الله بن بریرة ان عبد الله المزنی حدثه ان رسول الله ﷺ صلی قبل المغرب رکعتین۔

سیدنا عبد اللہ المزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھے ہیں۔

(صحیح ابن حبان (موارد) ص۱۶۳ رقم الحدیث ۶۱۷)۔

(۵) عن انس بن مالك قال كان المؤذن اذا أذن قام الناس من اصحاب النبیﷺ یبتدرون السواری حتی یخرج النبیﷺ وهم كذلك، یصلون الركعتین قبل المغرب ولم یكن بینهما شئی۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مؤذن اذان کہتا تو نبی مکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض لوگ کھڑے ہوتے اور مسجد کے ستونوں کی طرف لپکتے جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے تو لوگ اسی طرح مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھتے ہوتے، اور اذان مغرب اور اقامت کے درمیان کوئی زیادہ وقفہ نہ ہوتا تھا۔

(صحیح بخاری كتاب الاذان باب كم بین الاذان والاقامة ومن ینتظر اقامة الصلاة الحدیث ٦٢٥)۔

(٦) عن انس بن مالك قال كنا بالمدینة فاذا اذن المؤذن لصلوة المغرب ابتدروا السواری، فركعوا ركعتین حتی ان الرجل الغریب لیدخل المسجد فیحسب ان الصلاة قد صلیت من كثرة من یصلهما۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ہم لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا، تو ستونوں کی آڑ میں ہو کر دو رکعتیں پڑھتے تھے، حتی کہ اگر کوئی مسافر مسجد میں آتا تو بکثرت لوگوں کا ان نوافل کو پڑھنے کی وجہ سے وہ سمجھتا کہ نماز مغرب (کی جماعت) ہو چکی ہے۔

(صحیح مسلم كتاب صلاة المسافرین باب استحباب ركعتین قبل صلاة المغرب، الحدیث ص ١٩٣٩)۔

(۷) عن انس قال كنا نصلی علی عهد رسول اللهﷺ ركعتین بعد غروب الشمس قبل صلاة المغرب، فقلت له أكان رسول اللهﷺ صلاهما؟ قال كان یر انا نصلیهما، فلم یا مرنا ولم ینهنا، الحدیث۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ہم نبی مکرم ﷺ کے زمانہ میں غروب آفتاب کے بعد اور نماز مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھا کرتے تھے،
(امام مختار بن فلفل کہتے میں نے) عرض کیا آیا رسول اللہ ﷺ یہ دو رکعت پڑھا کرتے تھے؟
(سیدنا انس رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں پڑھتے دیکھتے تھے تو نہ منع کرتے اور نہ ہی پڑھنے کا حکم فرماتے تھے۔

(صحیح مسلم باب سابق رقم الحدیث ١٩٣٨)

(۸) عن مرثد بن عبد الله الیزنیی قال، أتیت عقبة بن عامر الجهنی، فقلت ألا اعجبك من ابی تمیم؟ یركع ركعتین قبل صلاة المغرب، فقال عقبة، انا كنا نفعله علی عهد

النبی ﷺ فقلت فما یمنعك الان؟ قال الشغل۔

امام مرثد بن عبداللہ یزنی بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ آپ کو ابوتمیم عبداللہ بن مالک پر تعجب نہیں آتا کہ وہ نماز مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے ہیں؟ سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم بھی نبی مکرم ﷺ کے زمانہ میں پڑھا کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اب کون سی چیز مانع ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ دنیا کے کاروبار کی وجہ سے نہیں پڑھتا۔

(بخاری کتاب التهجد باب الصلاة قبل المغرب، الحدیث ١١٨٤)۔

(۹) عن عبد الله بن الزبير قال قال رسول الله ﷺ ما من صلاة مفروضة الاوبين يديها ركعتان۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی فرض نماز ایسی نہیں مگر اس سے پہلے دو رکعت نماز (نفل) نہ ہوں۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث ٢٤٧٩)۔

(۱۰) عن عبد الله بن الزبير ان النبی ﷺ قال مامن صلاة مكتوبة الا بين يديها ركعتان۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ایسی فرض نماز نہیں جس سے پہلے دو رکعت نماز (نفل) نہ ہوں۔

(سنن دارقطنی ص٢٦٧ ج ١)۔

(۱۱) عن انس بن مالك قال لقد رأيت اللباب من اصحاب النبی ﷺ اذا نودی بالمغرب ابتدروا السواری ليصلوا ركعتين قبل المغرب۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم ﷺ کے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے کہ جب نماز مغرب کی اذان ہوتی تو وہ ستونوں کی طرف (سترہ کے لئے) لپکتے تاکہ نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھیں۔

(مصنف عبد الرزاق ص٤٣٥ ج٢، رقم الحدیث ٣٩٨٦ واللفظ له وبخاری ص٧٢ ج١ رقم الحدیث ٥٠٣)۔

(۱۲) عن ابان عن انس انه سئل عن ركعتين قبل المغرب قال ، رايت اللباب من اصحاب محمد ﷺ يصلونهما۔

امام ابان فرماتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے نماز مغرب سے پہلے دو رکعت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے سیدنا محمد ﷺ کے جید اور نامور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھتے دیکھا ہے۔

(مصنف عبد الرزاق ص٤٣٤ ج١ رقم ٣٩٨٠)۔

(۱۳) عن ثمامة بن عبد الله بن انس قال كان ناس من اصحاب النبی ﷺ يصلون

الرکعتین قبل المغرب۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے پوتے امام ثمامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض لوگ نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق ص٤٣٤ ج٢ رقم الحديث ٣٩٨٢)۔

(۱۴) عن ابن ابی لیلیٰ قال ادرکت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یصلون عند کل تاذین۔

امام عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا کہ وہ ہر اذان و اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٣٥٦ ج٢)۔

(۱۵) عن حمید عن انس قال سئل عن الرکعتین قبل المغرب فقال رایتهم اذا اذن المؤذن ابتدورا السواری فصلوا۔

امام حمید بیان کرتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے انہیں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو) دیکھا کہ جب مؤذن اذان کہتا تو وہ ستونوں کی طرف ان دو رکعتوں کو پڑھنے کے لئے لپکتے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٣٥٦ ج٢)۔

(۱۶) عن راشد بن یسار قال اشهد علی خمسة من اصحاب رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اصحاب الشجرة أنهم کانوا یصلون رکعتین قبل المغرب۔

امام راشد بن یسار فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے پانچ صحابہ کرام جو بیعت رضوان میں شامل تھے۔ وہ نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں نفل ادا کرتے تھے۔

(المحلی بالاثار ص٢٤ ج٢ مسالة ٢٨٣)۔

(۱۷) عن طاؤس ان ابن ایوب الانصاری صلی مع ابی بکر بعد غروب الشمس قبل الصلوة ثم لم یصل مع عمر ثم صلی مع عثمان فذکر ذلک له فقال انی صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم صلیت مع ابی بکر وفرقت من عمر فلم اصلی معه وصلیت مع عثمان انه لین۔

امام طاؤس فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غروب آفتاب کے بعد اور نماز مغرب سے پہلے (دو رکعت) نماز پڑھی، پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ (یہ نماز) نہ پڑھی پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی، جب اس کا تذکرہ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ نماز نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی پھر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھی، اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سیکھی، مگر ان کے ساتھ پڑھی نہیں، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے

ساتھ یہ نماز پڑھی کیونکہ وہ میرے رفیق تھے۔

(قیام اللیل ص٤٧)۔

(۱۸) عن حمید عن انس ان ثابتا سال انسا عن الرکعتین قبل المغرب فقال انس کان المؤذن یؤذن فیبارد ناس من اصحاب رسول اللهﷺ فیصلون الرکعتین قبل المغرب فلا یعاب علیهم۔

امام حمید بیان کرتے ہیں کہ امام ثابت نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے نماز مغرب سے پہلے دو رکعت کے متعلق سوال کیا تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب مؤذن اذان کہتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے بعض لوگ جلدی جلدی نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اور ان پر کوئی نکتہ چینی نہیں کرتا تھا۔

(مسند السراج ص٢١٣ رقم الحدیث ٦١٥)

(۱۹) عن زر بن حبیش قال کان عبد الرحمن بن عوف وابی بن کعب یصلیان الرکعتین قبل المغرب۔

امام زر بن حبیش فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق ص٤٣٤ ج٢، مصنف ابن ابی شیبه ٣٥٦ ج٢، والمحلی بالاثار ٢٣ ج٢)۔

(۲۰) عن سعید بن المسیب ما رایت فقیها یصلي الرکعتین قبل المغرب الا سعد بن مالك،

امام سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ میں نے کسی فقیہ کو نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، سوائے سیدنا سعد بن مالک کے۔

(المحلی بالاثار ص٢٤ ج٢، مصنف ابن ابی شیبه ص٣٥٧ ج٢)۔

(۲۱) عن الزهری عن انس انه کان یصلی رکعتین قبل صلاة المغرب۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔

(المحلی بالاثار ص٢٣ ج٢)۔

(۲۲) عن جعفر ابن ابی وحشیة ان جابر بن عبد الله کان یصلی قبل المغرب رکعتین۔

امام جعفر فرماتے ہیں کہ بلاشبہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔

(المحلی بالاثار ص٢٤ ج٢)۔

(۲۳) عن طاؤس سالت ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب فلم ینه عنهما۔

امام طاؤس فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مغرب سے پہلے دو رکعت نماز نفل کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ان دونوں رکعات سے منع نہ کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۳۵۷ ج۲)۔

(۲۴) سال رجل ابن عمر فقا ل ممن انت قال من اهل الکوفة قال من الذین یحافظون علی رکعتی الضحیٰ؟ فقال وانتم تحافظون علی الرکعتین قبل المغرب، فقال ابن عمر کنا نحدث ان ابواب السماء تفتح عند کل اذان۔

ایک شخص نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا آپ نے اسے کہا کہ کس جگہ کا رہنے والا ہے؟ اس نے عرض کیا میں اہل کوفہ سے ہوں! آپ نے اسے کہا کہ ان لوگوں میں سے جو نماز چاشت کو پابندی سے پڑھتے ہیں؟ اس شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ بھی تو نماز مغرب سے پہلے دو رکعت کی پابندی کرتے ہیں! سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم تو بیان (روایت) کرتے ہیں کہ اذان کے وقت آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

(قیام اللیل ص٤٧ طبع مکتبه اثریه)۔

(۲۵) وعن خالد بن معدان انه کان یرکع رکعتین بعد غروب الشمس قبل صلاة المغرب لم یدعهما حتی لقی الله وکان یقول ان ابا الدرداء کان یرکعهما ویقول لا ادعهما وان ضربت بالسیاط۔

امام خالد بن معدان غروب آفتاب کے بعد اور نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھا کرتے اور کبھی ترک نہ کرتے حتی کہ ان کی وفات ہوگئی اور کہا کرتے تھے کہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بھی یہ دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ میں ان کو کبھی بھی نہ چھوڑوں گا خواہ مجھے کوڑوں سے مارا جائے۔

(قیام اللیل ص٤٧)۔

(۲۶) سئل قتادة عن الرکعتین قبل المغرب فقال کان ابو برزة یصلیهما۔

امام قتادہ سے نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا: سیدنا ابو برزۃ رضی اللہ عنہ ان کو پڑھا کرتے تھے۔

(قیام اللیل ٤٧)۔

<u>قارئین کرام:</u> مذکورہ حدیث و آثار سے غروب آفتاب کے بعد اور نماز مغرب سے قبل دو رکعت نماز نفل کی مشروعیت ثابت ہو رہی ہے۔ اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خود پڑھے ہیں اور پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان نوافل کو پڑھا کرتے تھے, اور اتنی کثرت سے پڑھنے

والے ہوا کرتے تھے کہ اگر کوئی نو وارد مسجد نبوی میں آتا تو اسے شک پڑ جاتا کہ کہیں نماز مغرب کی جماعت تو نہیں ہوگئی! پھر نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تابعین عظام نے پڑھتے دیکھا، اور امت مرحومہ کی ان مقدس و بزرگ ہستیوں نے ان کے پڑھنے کا فتویٰ دیا ہے اور تابعین عظام میں سے جلیل القدر بزرگ مثلاً امام عبد الرحمٰن ابن ابی لیلیٰ، سوید بن غفلہ، امام عبد اللہ بن بریدہ، امام حسن بصری، امام سعید بن مسیّب، امام اعرج، امام مکحول، امام عراک بن مالک، امام علیا بن احمر، امام عبید اللہ بن عمر وغیرہ بھی ان کو پڑھا کرتے تھے۔

(دیکھئے قیام اللیل ص ۴۸)۔

مگر انوار صاحب ان احادیث و آثار کے برعکس ان نوافل کو مکروہ کہتے ہیں پھر جو اس کی دلیل عنایت کرتے ہیں وہ عذر گناہ بدتر از گناہ مصداق ہیں۔ فرماتے ہیں کہ۔

اگر کوئی ان نفلوں میں لگ کر مغرب کی نماز میں تعویق و تاخیر کرے گا تو تاخیر مغرب کی وجہ سے بھی یہ مکروہ ہوں گے،

(حدیث اور اہل حدیث ص ۶۲۹)

حالانکہ بقدر دو نوافل کے تاخیر کرنا بالاتفاق مکروہ نہیں مفتی رشید احمد صاحب جو دیوبندی مکتب فکر میں، فقیہ العصر مفتی اعظم کے لقب سے مشہور ہیں فرماتے ہیں۔ نماز مغرب میں اتنی تاخیر کرنا جس میں دو رکعت ادا کی جاسکیں بالاتفاق بلا کراہت جائز ہے۔ اس سے زیادہ تاخیر میں اختلاف ہے۔ عند البعض بلا کراہت جائز ہے۔ اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے البتہ اتنی تاخیر کہ ستارے بکثرت چمکنے لگیں بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔ رمضان میں اگر بھوک لگی ہو اور کھانا تیار ہو تو پندرہ بیس منٹ تک تاخیر میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(احسن الفتاویٰ ص ۱۳۸ ج ۲)۔

الغرض انوار صاحب کا ان نوافل کو مکروہ کہنا اور کراہت کی دلیل تاخیر نماز درج کرنا ان کی کوتاہ فہمی ہے، سنئے آپ کے شیخ الہند فرماتے ہیں۔ جواز میں امام صاحب کو کلام نہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم نہ منع کرتے نہ حکم کرتے ہیں۔ (الورد الشذی ص ۴۱)۔

مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں بہرحال دو رکعتیں قبل المغرب روایات کی رو سے جائز ہیں...... کوئی پڑھے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں۔ (درس ترمذی ص ۴۳۳ ج ۱)۔

لیکن انوار صاحب مقلد ہو کر کراہت کا فتویٰ لگاتے ہیں اور اپنے اکابر کے برعکس ہمیں ملامت بھی کر رہے ہیں۔

فصل دوم

(۱) عن طاؤس قال سئل ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب فقال ما رأیت احدا علی عھد رسول اللہ ﷺ یصلیھا ورخص فی الرکعتین بعد العصر۔

(ابو داؤد ص۱۸۲)۔

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کے بارے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کسی کو بھی یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور یہ نہ دیکھا کہ کسی نے بھی عصر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۲۴)

الجواب: اولاً آپ نے پوری روایت کے معنی ومفہوم کو بگاڑ کر اپنا مقصود حاصل کیا ہے اب ترتیب وار اپنی بددیانتیاں ملاحظہ کرتے جایئے، ا، قبل المغرب کا معنی مغرب کی نماز سے پہلے نہیں بلکہ آفتاب غروب ہونے سے پہلے ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ ان دو رکعتوں کو سورج غروب ہونے سے پہلے نہیں بلکہ بعد میں پڑھا جاتا ہے۔

جیسا کہ حدیث ، بین کل اذانین صلاۃ، (ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے) سے ثابت ہوتا ہے، اور بفضلہ تعالیٰ اہل حدیث کی مساجد میں غروب آفتاب کے ساتھ ہی اذان دی جاتی ہے۔ درود و دعا کے بعد نوافل کو پڑھا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ روایت ہمارے خلاف نہیں اور آپ کے مدعا کے لئے تقریب تام نہیں، ب، ورخص فی الرکعتین بعد العصر، کا معنی بھی انوار صاحب نے غلط کیا ہے اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ، اور نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کی اجازت ہے، دیکھئے اعلاء السنن ص۶۴ ج ۲، لیکن انوار صاحب نے متن روایت کا غلط ترجمہ کر کے ایک تیر سے دو شکار کئے، ممانعت ثابت ہوئی اور رخصت کی نفی ہوگئی، انا للہ وانا الیہ رجعون۔

ثانیا: اگر آپ کے غلط معنی کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی یہ مسلمہ اصول ہے کہ ثبوت نفی پر مقدم ہوتا ہے (دیکھئے احسن الکلام ص۲۵۹ ج۱)۔

ثالثا: سیدنا انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایات اپنا مشاہدہ ہے جب کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں اپنا مشاہدہ ہے، ان کے درمیان قطعاً تعارض نہیں جیسا کہ مولانا ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے لکھا ہے (اعلاء السنن ص۶۹ ج۲)۔ انوار صاحب پر واضح رہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں پڑھنے کی نفی ہے۔ نہی نہیں لہٰذا اس سے آپ کا مسلک کراہت ثابت نہیں ہوتا، مولانا محمد تقی عثمانی حنفی دیوبندی فرماتے

ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان روایات سے سنت کی نفی تو ثابت کی جاسکتی ہے لیکن عدم جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ان روایات میں پڑھنے کی نفی ہے، نہی نہیں جب کہ جواز پر شافعیہ کے پاس مضبوط دلائل موجود ہیں۔ (درس ترمذی ص۴۳۲ ج۱)۔

رابعا: اس کی سند میں شعیب الطیالسہ، راوی متکلم فیہ ہے اور اسے بیان کرنے میں منفرد بھی ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ علامہ البانی نے صراحت کی ہے۔ (ضعیف ابو داؤد ص۱۲۶)۔

(۲) عن حماد قال سالت ابراهيم عن الصلاة قبل المغرب فنهانى عنها وقال ان النبى ﷺ وابا بكر و عمر لم يصلوها۔

(كتاب الآثار للامام ابى حنيفه بروايت محمد ۳۲)۔

حضرت حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مغرب سے پہلے نماز پڑھنے کے بارے سوال کیا تو انہوں نے مجھے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام، حضرت ابو بکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہم یہ نہیں پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۲۴)

الجواب: اولاً سند میں محمد بن حسن اور امام ابوحنیفہ سیئی الحفظ اور ضعیف ہیں تفصیل فاتحہ کے مسئلہ میں گزر چکی ہے، علاوہ ازیں حماد بن ابی سلیمان سے امام صاحب نے کتب حماد نہیں پڑھیں اس کی تفصیل بھی پہلے عرض کردی گئی ہے۔

ثانیا: سلسلہ سند بھی مرسل ہے۔ مرسل روایت ضعیف ہوا کرتی ہے۔ راجع مقدمہ۔

رابعا: نہ پڑھنے سے اس کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ بعض لوگ پوری زندگی میں ایک دفعہ بھی نماز تہجد، اشراق وغیرہ نہیں پڑھتے! کیا ان حضرات کے نزدیک یہ نمازیں غیر مسنون اور ناجائز ہیں؟ پہلی دلیل کے جواب میں مولانا عثمانی کا کلام ہم درس ترمذی سے نقل کرآئے ہیں کہ نہ پڑھنے سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ فتدبر۔

(۳) عن ابراهيم قال لم يصل ابو بكر ولا عمر ولا عثمان الركعتين قبل المغرب۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۳۵ ج۲)۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں نہیں پڑھیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۲۴)

الجواب: اولاً سند میں امام سفیان ثوری ہیں جو کہ مدلس ہیں اور روایت بھی معنعن ہے تفصیل مسئلہ رفع الیدین میں گزر چکی ہے، پھر یہ روایت مرسل ہے کیونکہ ابراہیم نخعی کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں جیسا امام علی بن مدینی اور امام ابو حاتم نے صراحت کی ہے۔ (کتاب المراسیل لابن ابی حاتم ص۹)۔

ثانیا: مولانا عثمانی نے (درس ترمذی ص۴۳۲ ج۲) میں صراحت کی ہے نہ پڑھنے سے نہی ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا انوار صاحب کا اس روایت کو اپنے دعویٰ کراہت کی دلیل قرار دینا سینہ زوری اور محض تحکم ہے۔

(۴) عن ابن المسیب قال کان المهاجرون لا یرکعون الرکعتین قبل المغرب و کانت الانصار ترکع بهما۔(مصنف عبد الرزاق ص٤٣٥ ج٢).

حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات مہاجرین مغرب سے پہلے دو رکعت نفل نہیں پڑھتے تھے حضرات انصار پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۲۵)

الجواب: یہ روایت انوار کے تقلیدی دعویٰ اور مسلک کا رد کرتی ہے۔ پہلے ان کا دعویٰ ملاحظہ کریں، وبعدہ مذکورہ، روایت سے اس کا رد بیان ہوگا۔ انوار صاحب اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ دور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین ہی میں یہ نفل متروک ہوگئے تھے، (حدیث اور اہل حدیث ۶۲۸)

انواری دعویٰ مذکورہ روایت سے باطل ثابت ہوا، وجہ استدلال یہ ہے کہ انصار ان نوافل کو پڑھا کرتے تھے، بیان کون کرتا ہے؟ امام سعید بن میسّب اور یہ بزرگ کون ہیں؟ یہ جلیل القدر امام اور کبار تابعین سے ہیں۔ بلفظ دیگر امام ابن میسّب کے دور تک انصار صحابہ کرام یہ نوافل پڑھا کرتے تھے، لہٰذا مذکورہ انواری دعویٰ باطل ثابت ہوا۔ یہاں پر ہم اس بات کا تذکرہ کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ انصار کون تھے۔ یہ ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دینے والے تھے۔ آپ علیہ السلام کے زمانہ میں قرآن کو جمع کرنے والے چار اصحاب انصار تھے۔ (مسلم رقم الحدیث ۶۳۴۰) یہی انصار تھے جنہوں نے مہاجرین کو اپنی جائیداد آبائی سے حصہ دیا یہی انصار تھے جنہوں نے غزوہ خندق کے موقع پر خندق کھودتے وقت یہ رجز متواتر پڑھا تھا۔

نحن الذین بایعوا محمد
علی الجهاد ما حیینا ابدا۔

(بخاری رقم الحدیث ۳۷۹۶)۔

انہیں کے متعلق میرے پیارے آقا سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے محبت ایمان کی نشانی اور بغض منافقت کی علامت ہے ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے تین بار یہ کلمہ دہرایا کہ انصار مجھے لوگوں سے زیادہ پیارے ہیں۔(بخاری ص۵۳۴ ج۱)۔ گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ انصار کا گروہ کوئی بیگانہ نہیں بلکہ ہمارے اسلاف ہیں, اورامت مرحومہ کے عظیم تر افراد میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ لہٰذا انوار صاحب نے کس دلیل سے انصار کے عمل پر مہاجرین کے عدم عمل کو ترجیح دی ہے؟ ہم نے تو آج تک

یہی پڑھا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہو تو وہاں اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم حجت نہیں ہوتے، راجع مقدمہ۔

(۵) عن عبد الله بن بريدة عن ابيه ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بين كل اذانين صلاة الاالمغرب۔

(كشف الاستار عن زوائد مسند البزار ص ٣٣٤ ج ١)۔

حضرت عبد اللہ بن بریدۃ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا۔ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے سوائے مغرب کے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۲۵)

الجواب: اس کی سند میں حیان بن عبید اللہ بصری راوی ہے جو مختلط ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بحوالہ محدث الصلت صراحت کی ہے۔ (میزان ص ۶۲۳ ج ۱) امام بیہقی نے المعرفۃ السنن والآثار میں صراحت کی ہے کہ حیان نے سند اور متن میں غلطی کی ہے سند میں غلطی یہ ہے کہ بخاری اور مسلم میں حدیث ہے کہ امام سعید جریری اور امام کھمس نے امام عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جس میں وہ یہی روایت سیدنا عبید اللہ بن مغفل سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ بین کل أذانین صلاۃ، اور متن میں غلطی یہ ہے کہ اس میں استثنا نہیں اور مغرب کی اذان و اقامت کے درمیان نماز نہ ہونے کا استثنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے جب کہ امام عبد اللہ بن مبارک عن کہمس کے طریق میں صراحت ہے کہ امام ابن بریدہ نماز مغرب سے قبل دو رکعات نفل پڑھا کرتے تھے۔

(المعرفة السنن ص ٢٨٧ ج ٢ وكذافی نصب الرايه ١٤٠ ج ١)۔

یہی بات امام بیہقی نے امام ابن خزیمہ سے بھی نقل کی ہے (السنن الکبریٰ ص ۴۷۴ ج ۲)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ روایت منکر ہے اور حیان بن عبید اللہ کے اختلاط کا نتیجہ ہے۔ دیوبندی مکتب فکر کے محدث کبیر علامہ کاشمیری نے تو ڈنکے کی چوٹ سے لکھا ہے کہ الا المغرب کے الفاظ حیان کی طرف سے مدرج ہیں مرفوع حدیث نہیں۔ ان کے الفاظ ہیں، **قلت ولعل الحديث كان بدون الا ستثناء الا أن الراوی لما لم يشاهد بهما العمل الحق به الاستثناء من قبل نفسه۔** (فيض البارى ص ١٨١ ج ٢)۔

امام ابن خزیمہ بھی یہی کہتے ہیں کہ (الا المغرب) حیان کی طرف سے مرفوع حدیث میں مدرج ہیں (السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۴۷۴ ج ۲) سیوطی نے (اللآلی المصنوعہ ص ۱۴ ج ۲) میں اور مولانا بدر عالم نے (البدر الساری ص ۱۸۲ ج ۲) میں امام ابن خزیمہ کے اس فیصلہ کو نقل کر کے سکوت کیا ہے۔ الغرض روایت میں (الا المغرب) کے الفاظ راوی کے اختلاط کے سبب مدرج ہیں اور امام دارقطنی نے السنن ص ۲۶۶ ج ۲ میں حافظ ابن حجر نے (التلخیص الحبیر ص ۱۳ ج ۲) میں ابن جوزی نے (موضوعات کبیر

ص ۹۲ ج ۲) میں علامہ فتنی نے (تذکرہ ص ۳۶) میں اس روایت کو ضعیف و معلول قرار دیا ہے اور دور حاضر کے محدث ناصر الدین البانی نے منکر قرار دیا ہے۔ (الضعیفہ ۲۱۳۹)۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت سرے سے قابل التفات ہی نہیں راوی نے (الا المغرب) کے الفاظ بوجہ اختلاط اپنی طرف سے متن روایت میں داخل کیئے ہیں، جیسا کہ امام ابن خزیمہ اور بیہقی نے صراحت کی ہے اور علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ درست بات یہی ہے۔

(فتح الملهم ص۳۷۹ ج ۲)۔

(۶) عن جابر قال سألنا نساءً رسو ل اللهﷺهل رايتن رسول اللهﷺ يصلى الركعتين قبل المغرب فقلن لاغيران ام سلمة قالت صلاهما عندى مرة فسالته ما هذه الصلوٰة فقال نسيت الركعتين قبل العصر فصليتهما الآن ۔

(رواه الطبرانى فى كتاب مسند الشامين بحواله نصب الرايه ص١٤١ ج٢)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھتے دیکھا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ایک مرتبہ آپ نے دو رکعتیں میرے پاس پڑھیں تو میں نے آپ سے سوال کیا کہ یہ کون سی نماز ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھنی بھول گیا تھا وہ میں نے اب پڑھیں ہیں۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ٦٢٦)

الجواب: اولاً اس کی سند میں یحییٰ بن ابی الحجاج الاھتمی المنقری راوی ہے اس کے متعلق امام یحییٰ بن معین اور امام نسائی فرماتے ہیں۔ لیس بشئی (ہیچ محض ہے) تہذیب ص ۱۹۶ ج ۱۱)۔ دوسرا راوی اس کا استاد عیسیٰ بن سنان ابو سنان ہے اسے امام احمد، امام ابن معین، امام نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ مختلط اور ضعیف ہے، ابن خراش کہتے ہیں کہ صدوق ہے مگر اس کی روایات میں نکارت ہے ساجی اور عقیلی نے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔

(تهذيب ص ٢١٢ ج ٨)۔

خلاصہ کلام یہ کہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیا: یہ روایت زیر بحث مسئلہ کے متعلق نہیں بلکہ نماز ظہر کی آخری دو رکعت کو نماز عصر کے بعد قضاء کرنے کے بارے ہے۔ جیسا کہ گزشتہ باب کی فصل دوم میں بخاری و مسلم کے حوالے سے مفصل روایت گزر چکی ہے اور اس روایت میں قبل المغرب، سے مراد، قبل الشمس ہے، مولانا شبیر احمد عثمانی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ۔

قبل المغرب ای قبل غروب الشمس لا قبل صلاۃ المغرب وبعد غروب الشمس۔

(یعنی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت مسند الشامیین میں) قبل المغرب کا معنی ہے آفتاب غروب ہونے سے پہلے نا کہ نماز مغرب سے پہلے اور غروب آفتاب کے بعد (فتح الملہم ص۳۷۸ ج۲)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ انوار صاحب کا نماز مغرب سے پہلے نوافل کا رد اس روایت سے کرنا سینہ زوری اور تحریف معنوی ہے۔

(۷) عن عبد الله بن بریدة قال حدثنی عبدالله المزنی عن النبی ﷺ قال صلوا قبل صلاۃ المغرب قال فی الثالثة لمن شاء کراهیة ان یتخذها الناس سنة۔

(بخاری ص۱۵۷ ج۱)۔

حضرت عبد اللہ بن بریدۃ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ حدیث نقل کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مغرب سے پہلے نماز پڑھو! تیسری بار آپ نے فرمایا: جو چاہے اس بات کو پسند کرتے ہوئے کہ لوگ اسے سنت بنالیں۔ (ص۶۲۶)۔

وجہ استدلال میں انوار صاحب فرماتے ہیں مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھنا مسنون نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے خود انہیں سنت سمجھ کر پڑھنے کو مکروہ جانا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۶۲۸)

الجواب: محترم یہاں سنت سے مراد ایسا طریقہ ہے جو لازم ہو اور اس کا ترک جائز نہ ہو اور اس سے استحباب کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ امام المحب طبری نے صراحت کی ہے۔ (فتح الباری ص۴۶ ج۳)، اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ سنن رواتب نہیں بلکہ نفل ہیں اور مستحب کے درجے میں ہیں، لہٰذا یہ ہمارے خلاف نہیں، انوار صاحب غور کریں، حدیث ایک ہی ہے" (صلوا قبل المغرب) میں امر ہے جو اثبات کی دلیل ہے۔ اگر کراہیۃ میں مطلق نفی ہو تو کلام نبوی میں کھلا ہوا تناقض ہے، اس اختلاف کا حل یہی ہے کہ امر سے استحباب ثابت ہوا اور کراہت سنت پر محمول ہے یعنی انہیں لازم وضروری نہ جانا جائے، ورنہ امر کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے۔

(۸) عن مرثد بن عبد الله الیزنی قال اتیت عقبة بن عامر الجهنی فقلت الا اعجبك من ابی تمیم یرکع رکعتین قبل صلاۃ المغرب فقال عقبة انا کنا نفعله علی عهد رسول الله ﷺ قلت فما یمنعك الآن قال الشغل۔

(بخاری ص۱۵۸ ج۱)۔

حضرت مرثد بن عبد اللہ یزنی فرماتے ہیں کہ میں حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، میں

نے عرض کیا میں آپ کو ابو تمیم کی تعجب انگیز بات سناؤں؟ وہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دور رسالت میں ہم بھی پڑھا کرتے، میں نے عرض کیا تو اب کیا رکاوٹ آگئی آپ نے فرمایا مصروفیت۔ (۶۲۷)۔

وجہ استدلال میں انوار خورشید صاحب فرماتے ہیں کہ۔

اس روایت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ دور صحابہ تابعین ہی میں یہ نفل متروک ہو گئے تھے۔ ورنہ ان کے پڑھے جانے پر کسی کو تعجب نہ ہوتا۔

الجواب: اولاً آپ نے اپنے استدلال میں یہ تسلیم کر لیا ہے کہ دور رسالت میں ان نوافل کو پڑھا جاتا تھا، اور امت مرحومہ میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارکہ میں معمول بہ تھے۔ اور اگر آپ کے استدلال کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی بعد کا عمل پہلے عمل کا رد نہیں کرتا، بلکہ پہلا عمل ہی فائق رہے گا۔

ثانیاً: ابو تمیم عبد اللہ بن مالک جیشانی جلیل القدر اور تابعی کبیر ہیں مخضرم ہیں یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں اسلام قبول کیا تھا مگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نہ کی تھی۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے قرآن پڑھا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ تشریف لائے تھے (فتح الباری ص ۴۶ ج ۳)۔ لہٰذا آپ کا یہ دعویٰ کہ دور صحابہ و تابعین ہی میں یہ نفل متروک ہو گئے تھے۔ غلط و باطل ٹھہرا، کیونکہ ابو تمیم کا زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ تھا۔ جلیل القدر صحابہ کرام زندہ موجود تھے، پھر مرثد بن عبد اللہ کے جواب میں سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے یہ قطعاً نہیں کہا کہ ان کا پڑھنا ناجائز اور مکروہ ہے یا کم از کم خلاف اولیٰ ہے بلکہ عذر یہ بیان کیا کہ میرے ترک کا سبب میری مصروفیت ہے بلفظ دیگر انہوں نے اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا ہے اور امام ابو تمیم کے عمل پر نکیر نہیں کی۔ رہا مرثد بن عبد اللہ کا تعجب کرنا تو یہ سرے سے قابل ذکر ہی نہیں۔ کیونکہ عملی تساہل دلیل نہیں ہوا کرتا، انوار صاحب بغور ملاحظہ کریں کہ امام عکرمہ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ میں ایک بوڑھے کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ مجھے احمق معلوم ہوتا ہے۔ وہ نماز میں تکبیرات انتقال کہتا ہے۔ (بخاری رقم الحدیث ۷۸۷، ۷۸۸) بعض روایات میں صراحت ہے کہ یہ بوڑھے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (فتح الباری ص ۲۱۹ ج ۲)

کیا انوار صاحب اس روایت کے پیش نظر یہ کہنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں کہ تکبیرات انتقال، خیر القرون میں متروک ہو گئی تھیں؟ نہیں ہرگز نہیں! محترم اگر کوئی شخص مسئلہ سے لاعلم رہے تو اس سے نفس مسئلہ پر کوئی قدغن نہیں آتا بلکہ اسے قصور علم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غور کریں آپ نے خود نمبر ۴ پر امام سعید بن مسیّب جیسے تابعی کبیر کا قول نقل کیا کہ انصار ان نوافل کو پڑھا کرتے تھے۔ امام سعید بن مسیّب اور ابو تمیم کے زمانہ تک تو یہ متروک نہ ہوئے۔ ایک نے انصار صحابہ کو پڑھتے دیکھا تو دوسرا خود

عامل تھا۔ متروک کب ہوئے۔ لہٰذا آپ کا اس حدیث سے مذکورہ دعویٰ محض سینہ زوری اور تحکم ہے بلکہ تحریف معنوی ہے۔

(۹) عن السائب بن یزید ان رسول اللہ ﷺ قال لاتزال امتی علی الفطرۃ ما صلوا المغرب قبل طلوع النجم۔

(مجمع الزوائد ص ۳۱۰ ج ۱)۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت ہمیشہ فطرت پر رہے گی۔ جب تک کہ مغرب کی نماز ستارہ نکلنے سے پہلے پڑھتی رہے گی۔

(۱۰) عن ابی ایوب قال قال رسول اللہ ﷺ صلوا المغرب لفطرۃ الصائم وبادروا طلوع النجم رواہ احمد ولفظ عند الطبرانی صلوا صلاۃ المغرب مع سقوط الشمس۔

(مجمع الزوائد ۳۱۰ ج ۱)۔

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مغرب کی نماز روزہ دار کے افطار کے وقت پڑھ لو اور ستارے کے نکلنے پر سبقت کرو۔ (یعنی ستارہ نکلنے سے پہلے پہلے پڑھ لو) یہ روایت امام احمد نے ذکر کی ہے اس روایت کے الفاظ طبرانی میں اس طرح ہیں کہ تم مغرب کی نماز سورج ڈوبتے ہی پڑھ لو۔ (ص ۶۲۷)۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ مغرب کی نماز جلدی ادا کرنے کی تاکید ہے۔

(حدیث اور اھل حدیث ۶۲۸)۔

الجواب: اولاً اگر کسی نماز کو جلدی ادا کرنے کا یہ مفہوم ہے کہ اس سے قبل نوافل وسنن وغیرہ کی نفی ہوتی ہے تو پھر مغرب کے ساتھ ساتھ فجر اور ظہر اور عصر بھی شامل کریں کہ ان میں بھی جلدی کرنا اور اول وقت پر نمازیں پڑھنا شرعی مسئلہ ہے تفصیل کے لئے اوقات نماز کے ابواب کی مراجعت کریں۔

ثانیاً: اگر جلدی سے یہ مقصود ہے کہ نماز مغرب کو ستارے طلوع ہونے سے قبل پڑھ لیا جائے،، تو یہ بھی نوافل کی نفی کو مستلزم نہیں۔ کیونکہ ہماری مساجد میں نماز مغرب سے قبل دو رکعت نفل پڑھے جاتے ہیں اور بعد میں جماعت ہوتی ہے مگر ستاروں کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ ہم (ستمبر میں) اس کا مشاہدہ کرنے کے بعد یہ بات پوری ذمہ داری سے لکھ رہے ہیں۔

ثالثاً: اگر بالفرض ایک آدھا تارا نظر بھی آجائے تو تب بھی مضائقہ نہیں کیونکہ انوار صاحب کی نقل کردہ روایات کے تمام علل کو اگر سامنے رکھا جائے تو اس کا مطلب و مقصد یہ ہے کہ نماز مغرب کو اس قدر لیٹ نہ کیا جائے کہ آسمان پر تارے خوب روشن ہوجائیں، انوار صاحب ہماری گزارشات کو ٹھنڈے دل سے بغور ملاحظہ کریں۔

ا، سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ میں گو صاحب مجمع الزوائد، نے قبل طلوع النجم (صیغہ واحد) کے الفاظ نقل کر کے مسند احمد ص۴۴۹ ج۳، اور طبرانی کبیر ص۱۵۴ ج۷ کا حوالہ دیا ہے مگر مسند اور طبرانی کے الفاظ (قبل طلوع النجوم) (صیغہ جمع) کے ساتھ ہیں جس سے ثابت ہوا کہ تارا طلوع ہونا مراد نہیں بلکہ تارے طلوع ہونا مقصود ہیں، ب، سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں، (حتی یشتبک النجوم) کے الفاظ بھی مروی ہے، (مستدرک حاکم ص۱۹۱ ج۱، مسند احمد ص۱۴۷ ج۴ وطبرانی کبیر ص۱۸۳ ج۴، بیہقی ص۳۷۰، ۴۴۸،) اور سنن ابو داؤد (راقم الحدیث ۴۱۸)۔ میں الی ان تشتبك النجوم کے الفاظ آتے ہیں۔ اور ان الفاظ کا مفاد یہ ہے کہ نماز مغرب کو خوب تارے نکلنے سے پہلے پہلے پڑھ لیا جائے، آپ کے محدث عظیم مولانا خلیل احمد سہارنپوری، الی ان تشتبك النجوم کے الفاظ کا معنی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ای ظهرت جميعا واختلط بعضها ببعض لكثرة ما ظهر منها واشتبا كها، ظهور نورها۔

یعنی تشتبک النجوم کا معنی ہے تمام تاروں کا نکل آنا اور ان کا بوجہ کثرت آسمان پر ہونے سے ایک دوسرے سے مل جانا، اور ان کی روشنی پھیل جانا۔ (بذل المجهود ص۲۴۳ ج۱).

مولانا فخر الحسن گنگوہی فرماتے ہیں کہ

تشتبك النجوم، ای تظهر جميعا و تختلط بعضها ببعض لكثرة ما ظهرمنها وهو كناية عن الظلال۔

یعنی تشتبك النجوم کا معنی ہے تمام تاروں کا نکل آنا اور آسمان پر کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے سے ان کا مل جانا، اور یہ رات کے اندھیرے سے کنایہ ہے۔ (حاشیہ سنن ابو داؤد ۶۰ ج۱) مفتی دار العلوم دیوبند اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جب تک ستارے زیادہ تعداد میں آسمان پر نکل کر نہ پھیل جائیں تاخیر میں کوئی مضائقہ نہیں (فتاوی دار العلوم ۴۵ ج۲)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ انوار صاحب کی پیش کردہ احادیث کا مطلب ہے کہ رات کا اندھیرا چھا جانے سے پہلے پہلے نماز مغرب کو ادا کر لیا جائے، اور یہ ہمارے مخالف نہیں اور آپ کے استدلال باطل کے موافق نہیں۔

رابعا: حنفی اذان مغرب کو تقریبا سات آٹھ منٹ لیٹ کہتے ہیں یہاں کوٹلی ورکاں میں ہم اذان مغرب کے بعد نوافل پڑھ کر جماعت کی پہلی یا دوسری رکعت میں ہوتے ہیں تو تب ارد گرد کی حنفی اذانیں ہوتی ہیں، علاوہ ازیں ان کی مساجد میں عموما اذان مغرب کے بعد پانچ منٹ کا وقفہ ہوتا۔ لاہور

میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی مسجد میں تو باضابطہ ٹائم ٹیبل پر لکھا ہوا ہے کہ نماز مغرب کی اذان کے پانچ منٹ بعد جماعت ہوتی ہے۔ خاکسار راقم الحروف ایک دفعہ سانگلہ ہل السید عبد الشکور اثری حفظہ اللہ تعالیٰ مدیر المکتبہ الاثریہ کے پاس رمضان المبارک میں کتابیں لینے گیا، واپسی پر ریلوے اسٹیشن پر ہی روزہ افطار ہوگیا وہاں احناف کی مسجد تھی مؤذن نے پہلے اعلان کیا کہ روزہ افطار کرلیں، بعدہ اس نے خوب سیر ہو کر افطاری کی اور تقریبا پندرہ منٹ بعد اذان دی، جب وہ اذان کہہ رہا تھا تو ناچیز نماز مغرب ادا کرکے پلیٹ فارم پر چہل قدمی کر رہا تھا۔ مزید یہ کہ یہ باب تحریر کرتے وقت راقم نے نمازی حضرات سے اس کا تذکرہ کیا تو سب نے گواہی دی کہ رمضان میں احناف کی مساجد میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ مزید براں کہ ہم فصل اول کے آخر میں، احسن الفتاویٰ ص ۱۳۸ ج ۲، سے مفتی رشید احمد صاحب کا فتویٰ بھی نقل کر آئے ہیں، کہ اگر کھانا تیار ہو اور بھوک بھی لگی ہو تو پندرہ بیس منٹ تک نماز مغرب کو لیٹ کیا جا سکتا ہے۔حالانکہ نماز مغرب کو کھانے کے لئے اس قدر لیٹ کرنا حضور نبی مکرم ﷺ اور تعامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز پڑھنے سے قبل کھجور وغیرہ سے روزہ افطار کرتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الصیام باب مایفطر علیه الحدیث ۲۳۵۶).

اور اس حدیث کے متعدد شواہد ہیں جس کی وجہ سے علامہ البانی نے حسن قرار دیا ہے۔
(ارواء الغلیل ۹۲۲).

امام حمید بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما یفطران بعد الصلاۃ۔
نماز کے بعد کامل افطاری کرتے تھے۔ (موطا امام مالک ص ۲۲۸)۔

واضح رہے کہ مذکورہ روایت امام زہری سے امام مالک نے روایت کی ہے جب کہ امام معمر نے بھی یہ روایت امام زہری سے نقل کی ہے۔ جس کے الفاظ ہیں **کانا یفطران قبل ان یصلیها** یعنی عمر فاروق رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ نماز سے پہلے افطاری کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۷-۱ ج ۴)۔

امام مالک کی روایت کھانے پر اور امام معمر کی روایت کھجور وغیرہ پر محمول ہے۔
(دیکھئے التعلیق المجد ص ۱۸۴، خیر الفتاویٰ ص ۵۴ ج ۴)۔

الغرض صحیح اور مسنون طریقہ یہی ہے کہ کھجور وغیرہ سے روزہ افطار کر کے نماز مغرب پڑھ لی جائے اور بعد میں کھانا کھایا جائے۔ مگر پیٹ کے پجاریوں کو نوافل سے دشمنی ہے اور کھانے سے پیار ہے۔ جس کی وجہ سے یہ حضرات دو رکعت کے منکر اور کھانے کے وقفہ کے قائل ہیں۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل دس دلائل ذکر کئے ہیں، مگر کسی دلیل سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غروب آفتاب کے بعد اور نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نوافل ناجائز اور مکروہ ہیں۔ یہاں پر مکرر

انواری دلائل کا مختصر محاسبہ نقل کیا جاتا ہے۔

(۱) سنداً ضعیف ہے پھر اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ غروب آفتاب سے تھوڑی دیر قبل نوافل پڑھنے جائز نہیں، جیسا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم ص ۳۷۸ ج ۲ میں اور ظفر احمد تھانوی نے (اعلاء السنن ص ۶۴ ج ۲) میں صراحت کی ہے۔

(۲-۳) ضعیف ہونے کے علاوہ ان میں ممانعت کا ذکر نہیں بلکہ توقف ہے؟۔ (دیکھئے فتح الملهلم ص ۳۷۷ ج ۲)۔

(۴) اس میں انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ان نوافل کو پڑھنا بیان ہوا ہے جو حنفیہ کے خلاف ہے۔

(۵) سنداً ضعیف ہے انوار صاحب کا جن الفاظ سے استدلال ہے وہ مدرج ہیں۔

(۶) ضعیف ہونے کے علاوہ اس میں نماز عصر کے بعد ظہر کی آخری دو رکعت سنت کی قضاء کا ذکر ہے۔

(۷و۸) یہ دونوں احادیث ان نوافل کے جواز کو ثابت کرتی ہے جو حنفیہ کے خلاف ہے۔

(۹-۱۰) ان احادیث میں رات کے اندھیرے سے قبل نماز مغرب پڑھنے کا ذکر ہے جو دو رکعت نفل کی نفی کو مستلزم نہیں۔

(۵۶) باب رکعات تراویح

فصل اول

(۱) عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن انه سال عائشۃ رضی اللہ عنہا ، کیف کانت صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان؟ فقالت ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلا تسئال عن حسنهن وطولهن، ثم یصلی اربعا فلاتسال عن حسنهن وطولهن، ثم یصلی ثلاثا، فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أتنام قبل ان توتر؟ قال یا عائشۃ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی۔

امام ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ آپ علیہ السلام کی نماز رمضان میں کتنی رکعتیں تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے، پہلے (دو دو کرکے) چار رکعتیں پڑھتے تھے ان کی خوبی اور طویل کا کیا پوچھنا، پھر چار پڑھتے ان کی خوبی اور لمبے (قیام وغیر) کا کیا پوچھنا پھر تین رکعتیں پڑھتے تھے۔ میں (عائشہ رضی اللہ عنہا) نے ایک بار آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

(بخاری کتاب التراویح باب فضل من قام رمضان الحدیث ۲۰۱۳، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات ...... الحدیث ۱۷۲۳)۔

انوار صاحب کا پہلا اعتراض: آئمہ مجتہدین آئمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی اس حدیث سے تراویح مراد نہیں لیں۔ ورنہ آئمہ اربعہ میں سے کوئی نہ کوئی امام تو آٹھ رکعات تراویح کا قائل ہوتا حالانکہ آئمہ اربعہ میں سے کوئی امام بھی آٹھ رکعات تراویح کا قائل نہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ترمذی شریف میں تراویح کی تعداد کے متعلق مختلف اقوال ذکر کئے لیکن آٹھ رکعات کے متعلق کوئی قول ذکرنا کرنا تو درکنار اشارہ تک نہیں کیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۷۰)

الجواب: اولاً امام ترمذی نے اگر آٹھ رکعت کا مذہب بیان نہیں کیا تو کیا انہوں نے اس کی نفی بھی کی ہے قطعاً نہیں، بلکہ انہوں نے امام احمد کا قول نقل کرکے آپ کے مسلک کا رد بھی کر دیا ہے تراویح ہے ہی بیس رکعات۔

ثانیاً: امام مالک وغیرہ آٹھ رکعات کے قائل تھے، لہٰذا آپ کا مذکورہ دعویٰ باطل ہے۔

ثالثاً: آئمہ اربعہ اور امام ترمذی سے بھی قبل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے رکعات قیام رمضان

ثابت کیا ہے جیسا کہ انہوں نے سائل کے جواب میں ارشاد فرمایا اور اہل علم نے اس حدیث سے نماز تراویح کی رکعات ثابت کیں۔اور ابوشیبہ کو ضعیف قرار دے کر اس کے بالمقابل اسے راجح قرار دیا ہے تفصیل اگلے اعتراض کے جواب میں آ رہی ہے۔

دوسرا اعتراض: اکثر محدثین کرام نے اس حدیث کو اپنی اپنی احادیث کی کتابوں میں تہجد کے تحت ذکر کیا۔بعض محدثین مثلاً امام بخاریؒ امام محمدؒ وغیرہ نے اس حدیث کو قیام رمضان میں بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں کہ انہوں نے اس سے مراد تراویح ہی لی ہے

الجواب: اولاً۔ جن محدثین کرام نے اس حدیث کو تہجد کے ابواب میں ذکر کیا ہے، جس دلیل سے آپ ثابت کرتے ہیں کہ ان کی مراد صرف تہجد ہی ہے۔تراویح نہیں اسی دلیل سے ہم کہتے ہیں کہ جنہوں نے اسے تراویح کے ابواب میں ذکر کیا ہے ان کی مراد اس سے تراویح ہی ہے۔

ثانیا: امام بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ ص۴۹۵ ج۲ میں یہ باب باندھا ہے، **باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان** اس باب کے تحت وہ مختلف روایات لائے ہیں سب سے پہلے انہوں نے یہی حدیث درج کی ہے۔حنفیوں کے امام محمد نے بھی، موطا ص۱۴۱ میں **باب قیام شهر رمضان وما فیه من الفضل**، کے تحت یہ حدیث درج کی ہے۔

مولانا نیموی مرحوم حنفی دیوبندی جو ماضی قریب میں حنفیت کے نامور وکیل گزرے ہیں انہوں نے بھی (**آثار السنن** ص۲۴۸) میں سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو **باب التراویح بثمان رکعات**، کے تحت لکھ کر اسے تراویح کے متعلق تسلیم کیا ہے۔ اور اس کے حاشیہ التعلیق الحسن میں اس پر کوئی کلام نہیں کیا، اگر اس کا تراویح کے ساتھ سرے سے کوئی جوڑ نہیں تو علامہ نیموی نے اسے اس سلسلہ میں کیوں بیان کیا؟ اگر کہا جائے کہ انہوں نے فقط فریق مخالف کی دلیل کو نقل کیا ہے وبس، محترم ان کی کتاب پر غور کریں ان کا طریقہ یہ ہے کہ فریق مخالف کی دلیل پر وہ نقد وجرح کرتے ہیں اس کا عقلی ونقلی دلائل سے رد کرتے ہیں مگر انہوں نے اس پر کوئی نکیر نہیں کی، جس سے ثابت ہوا کہ وہ اسے تراویح کے متعلق تسلیم کرتے تھے۔ ورنہ اس کا رد ضرور کرتے۔ حیرت ہے کہ انوار صاحب صفحہ ۱۳۶ پر اعتراف کرتے ہیں کہ سب سے زیادہ استفادہ دو کتابوں ، اعلاء السنن، اور آثار السنن سے کیا ہے۔لیکن محترم آپ کے ان اعتراضات سے مولانا نیموی متفق نہیں۔

ثالثا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو متعدد اماموں نے بیس رکعات والی موضوع ومنکر روایت کے بالمقابل بطور معارضہ پیش کیا ہے۔

(۱) امام زیلعی حنفی — نصب الرایہ ص۱۵۳ ج۱،

(۲) امام ابن حجر — الدرایہ ص۲۰۳ ج۱۔

(۳) امام ابن ھمام حنفی   فتح القدیر ص ۴۶۷ ج ۱۔

(۴) امام عینی حنفی   عمدۃ القاری ص ۱۲۸ ج ۱۱۔

(۵) امام سیوطی   الحاوی للفتاویٰ ص ۳۴۸ ج ۱۔

تیسرا اعتراض: تراویح اس نماز کو کہتے ہیں جو رمضان کی راتوں میں جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ اور جس نماز کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں ہے وہ، وہ نماز ہے جو رمضان اور غیر رمضان بارہ مہینے پڑھی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ یہ تہجد ہی کی نماز ہوسکتی ہے، نہ کہ تراویح کی کیونکہ تراویح تو صرف رمضان ہی میں پڑھی جاتی ہے۔

(۲) پھر تراویح ایک سلام سے دو دو رکعت کر کے پڑھی جاتی ہے، جب کہ اس حدیث میں ایک سلام سے چار چار رکعتیں پڑھنے کا ذکر ہے۔

(۳) اس حدیث میں گیارہ رکعات تنہا پڑھنے کا ذکر ہے نہ کہ جماعت کے ساتھ۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۶۷۱)

الجواب: اولاً محترم آپ نے بیس رکعات پر جو روایت ابن عباس نقل کی ہے وہ بھی جماعت کے بغیر ہی ہے۔ جیسا کہ سنن بیہقی وغیرہ میں صراحت ہے۔ اور فصل دوم میں جناب کی دلیل نمبر ۱ کے تحت تفصیل درج کردی گئی ہے، لہٰذا جو تعریف آپ نے نماز تراویح کی بیان کی ہے وہ اس پر بھی صادق نہیں آتی ہے۔ فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

ثانیا: محترم آپ کا کہنا ہے کہ یہ تہجد کی نماز ہوسکتی ہے مگر ہوسکتی ہے سے مسائل ثابت نہیں ہوتے ان کے لئے دلائل کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ جو آپ کے پاس قطعاً نہیں، حدیث کے الفاظ آپ کے وسواس کو رد کرتے ہیں کیونکہ سائل نے سوال قیام رمضان کے متعلق کیا ہے۔ تہجد کے بارے سوال ہی نہیں لہٰذا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب بھی قیام رمضان کے متعلق ہے۔

ثالثاً: رہا آپ کا یہ اعتراض کہ اہل حدیث چار رکعت اکھٹی نہیں پڑھتے، تو گزارش ہے کہ متن حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ اس کیفیت کے خلاف نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پڑھا کرتے تھے۔ جیسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تعداد کے متعلق تصریح کردی ہے کہ گیارہ سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے، اگر اس کیفیت پر ہیشگی کا لفظ ہوتا تو ہم اسے بھی لازم العمل نہ سہی کم از کم احسن و افضل ہی کہہ دیتے تاہم سنت تو اب بھی سمجھتے ہیں۔ (دیکھیئے عون المعبود ص ۵۱۲ ج ۱)۔ ہاں دو دو کر کے پڑھنا ہمارے نزدیک افضل ہے (دیکھیئے مرعاۃ ص ۱۶۵ ج ۴)۔ کیونکہ **صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ**، (رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ (بخاری ۹۹۳ مسلم ۱۷۴۸) آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے اور خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی فرماتی ہیں کہ **یسلم بین کل رکعتین**، ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے (مسلم ۱۷۱۸)۔

کاش انوار صاحب نے کسی اہل حدیث سے حدیث پڑھی ہوتی تو انہیں یہ سوال اٹھانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی، لیکن محترم کو صرف ایک سال دورہ پڑا تھا جس میں حدیث فہمی کی بجائے انہیں رد حدیث کا طریقہ سکھایا گیا تھا۔

رابعا: آپ کے معتمد خاص اور دیوبندی مکتب فکر کے محدث شہیر جناب علامہ محمد انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ راوی نے دراصل اختصار کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چار رکعت کے بعد تھوڑی دیر آرام کرتے گویا چار پڑھنے کا یہ مفہوم نہیں کہ چار پڑھ کر سلام پھیرتے تھے۔ ان کے الفاظ ہیں۔

ولا دليل فيه للحنفية فی مسالة افضلية الاربع فان الانصاف خير الاوصاف وذلك لان الاربع هذه لم تكن بسلام واحد بل جمع الراوی بين الشفعين لتناسب بينهما نحوكو نهما فی سلسلة واحدة بدون جلسة فی البين كالترويحة فی التراويح فانها تكون بعد اربع ركعات هكذا شرح به ابو عمر فی التمهيد وشهد له رواية صريحة فی السنن الكبرىٰ للبيهقی ۔ يصلی اربعا ثم يتروح۔

(فيض البارى ص ۴۲۱ ج ۲)۔

چوتھا اعتراض: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوسلمہ کا سوال حضور علیہ السلام کی نماز کی کیفیت کے متعلق تھا، تعداد سے متعلق نہ تھا، اگر سوال تعداد رکعات کے متعلق ہوتا تو وہ لفظ کم، سے سوال کرتے، کیونکہ عدد مقولہ کم سے، ہے نہ کہ کیف، سے دوسرے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے سوال کے مطابق تعداد رکعات بتلا کر بس کر دیتیں آگے یہ نہ فرماتیں کہ ان کے حسن اور درازی کا سوال ہی نہ کر، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا ہی کہ ان کے حسن اور درازی کا سوال نہ کر، یہ بتلاتا ہے کہ ابوسلمہ کا سوال کیفیت ہی کے بارے میں تھا۔ تعداد کے بارے میں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب, قیام اللیل، میں ایک باب اس عنوان سے قائم کیا ہے۔

باب عدد الركعات النبی يقوم الامام للناس فی رمضان،

اس باب میں امام محمد بن نصر مروزی تراویح کی رکعات بتانے کے لئے بہت سی روایات لائے ہیں, لیکن عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا لانا تو درکنار اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۶۷۲)

الجواب: اولاً آپ کی پوری تقریر کا حاصل یہ ہوا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال تو کیفیت کے متعلق ہوا تھا، لہٰذا جواب بھی کیفیت کے بارے میں ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس نالائق کو اتنا بھی علم و شعور نہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا تفصیلی جواب تو عدد کے بارے میں ہی ہے، کیفیت کے متعلق تو انہوں نے سوال کرنے سے ہی منع کر دیا ہے۔ اگر سوال کیفیت کے بارے ہوتا تو عدد کا ذکر نہ کرتیں بلکہ

کیفیت کی تفصیل بیان کرتیں، مگر انہوں نے تفصیل کیفیت کی نہیں عدد کی بیان کی ہے، ثابت ہوا کہ سوال بھی عدد کے متعلق تھا، رہا آپ کا یہ کہنا کہ اگر عدد کے متعلق سوال تھا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ کیوں فرمایا کہ حسن و درازی کا سوال ہی نہ کر۔

محترم آپ ماشا اللہ مدرس ہیں شاید اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ بسا اوقات شاگرد کے سوال پر جب ایک قابل استاد جواب دیتا ہے تو شاگرد کے مافی الضمیر بھانپ کر اثناء جواب میں ہی اس کی تشفی کر دیا کرتا ہے، کہ اس کے متعلق آپ کو فکر کرنے اور سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ثانیا: محترم کو یہ ساری غلط فہمی اس بناء پر ہوئی ہے کہ کیف، کا لفظ کیفیت پر آتا ہے، عدد پر نہیں آتا، حالانکہ کیف کا لفظ اسم استفہام ہے، جو عدد پر بھی آتا ہے نبی مکرم ﷺ سے ایک دیہاتی نے سوال کیا **کیف صلاۃ اللیل**؟ رات کی نماز کیسی ہے۔ تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ **صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ**، یعنی رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔

(مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ الحدیث ۱۷۵۱)۔

اس حدیث پر غور کریں کہ عدد پر کیف کا لفظ بولا گیا ہے۔ معروف لغوی علامہ محمد طاہر فتنی مرحوم اس کا معنی کرتے ہیں۔

ای کیف صلاۃ عددا یعنی تہجد کی نماز کی رکعات کیسی ہیں۔ (مجمع بحار الانوار ص ۴۶۴ ج ۴)۔

آپ کے امام العصر مولانا رشید گنگوہی فرماتے ہیں کہ دراصل سائل کے سوال کا منشاء یہ تھا کہ آیا رسول اللہ ﷺ بوجہ رمضان تہجد کی رکعات میں اضافہ تو نہ کر لیا کرتے تھے اس کا جواب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نفی میں دیا کہ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات ہی پڑھا کرتے تھے۔ (بحوالہ فتح الملہم ۲۹۱ ج ۲)۔

اس سے ثابت ہوا کہ مولانا گنگوہی بھی ، کیف، کو عدد پر ہی محمول کرتے ہیں۔

مگر انوار صاحب بوجہ مطلب برآری انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ کیف کا لفظ اپنے اندر وسعت رکھتا ہے جس میں کیفیت اور صفت دونوں شامل ہوا کرتی ہیں۔ عربی کا معروف مقولہ ہے۔ کیفیۃ الشئی، اس کا معنی ہے حالہ وصفتہ، (المصباح المنیر ص ۵۴۶)۔

جب اس کا استعمال حالات وصفات دونوں پر ہوتا ہے تو کسی چیز کا عدد بھی اس میں خود بخود شامل ہو جایا کرتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ، کیف زید، تو اس کا صرف یہ معنی نہیں کہ ہم اس کی صحت کے متعلق ہی سوال کر رہے ہیں۔ دیگر حالات کو ہم نظر انداز کر رہے ہیں، اگر کوئی کیف زید، کہہ کر سوال کرے او رجواب دینے ولا یہ جواب دے کہ اس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی ہے یا ایک ٹانگ ٹوٹ گئی ہے، تو کیا انوار صاحب لغت لے کر بیٹھ جائیں گے کہ، کیف، کا لفظ دو آنکھوں اور دو ٹانگوں پر نہیں، بولا جاتا، محترم اللہ کا خوف نہیں تو بدنامی سے ہی ڈر جائیں۔

ثالثا: رہا امام مروزی نے، قیام اللیل، کے مذکورہ باب میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث درج نہیں کی، جواباً عرض ہے کہ انہوں نے آپ کی پیش کردہ پہلی روایت ابن عباس اوردوسری روایت جابر بھی نقل نہیں کی، فما کان جوابکم فہو جوابنا، ہاں امام مروزی نے، قیام اللیل ص۱۵۷، **باب عدد رکعات التی یقوم الامام للناس فی رمضان،** میں سب سے پہلے جومرفوع حدیث درج کی ہے، وہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں آٹھ رکعات تراویح کا ذکر ہے۔

پانچواں اعتراض بہت سے آثار صحیحہ سے ثابت ہے کہ خلفاء راشدین کے دور میں تراویح بیس رکعات پڑھی جاتی رہیں۔ اس زمانہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حیات تھیں اگر آپ کی مذکورہ حدیث میں تراویح کا ذکر ہوتا تو ناممکن تھا کہ وہ خاموشی سے مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں بیس رکعات تراویح پڑھتے پڑھاتے دیکھتی رہتیں اور یہ نہ کہتیں کہ آنحضرت ﷺ تو آٹھ رکعات تراویح پڑھتے تھے، تم لوگ بیس رکعات کیوں پڑھتے ہو؟ لیکن کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے علاوہ کسی بھی صحابی کا بیس رکعات پڑھنے والوں کو روکنا یا ان پر اعتراض کرنا ثابت نہیں، یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا تراویح سے کوئی تعلق نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۷۳)

الجواب: یہ ساری تقریر آپ کی غلط بیانی اور کذب پر مبنی ہے۔ ہم پوری ذمہ داری سے عرض کرتے ہیں کہ بہت سے آثار، تو کجا او رصرف ایک ہی اثر ثابت کردیں کہ خلفاء راشدین کے دور میں بیس رکعات تراویح باجماعت پڑھی پڑھائی جاتی تھی، اگر آپ ثابت کردیں اور اصول حدیث کے مطابق وہ روایت صحیح ہوتو ہم بیس رکعات کو سنت خلفاء راشدین تسلیم کرنے کے علاوہ آپ کی قرآن دانی اور حدیث فہمی کے قائل ہوجائیں گے، اور آپ کو حق محنت میں وہی کتاب (جس سے آپ روایت دکھائیں گے) دے دیں گے ان شاء اللہ، اور بطور انعام آپ کی پر تکلف دعوت کریں گے جس میں آپ کی مرغوب غذائیں ہونگی، ان شاء اللہ، تعالیٰ، مگر قارئین کرام: مجھے میری زندگی کے مالک کی قسم ہے انوار خورشید کیا اگر پوری دنیا کے حنفی علامہ فہامہ اکھٹے ہوجائیں اور سر توڑ کوشش کریں تب بھی ایسی کوئی روایت ثابت نہیں کی جاسکتی اگر آپ ثابت نہ کرسکیں تو معلوم ہوا کہ آپ کی مذکورہ تمام تحریر لیکچر وفضول اور دعویٰ بہ دعویٰ بلادلیل ہے، فصل دوم میں آپ کی تمام روایات کا مکمل ومفصل جواب عرض کر دیا گیاہے۔ ان میں کوئی بھی درجہ صحت کونہیں پہنچتی۔

انکار حدیث کے لئے مزید عذرات

فرماتے ہیں:

(۱) اس میں چار چار کے پڑھنے کا ذکر ہے آپ دو دو کر کے ادا کرتے ہیں۔

(۲) اس میں اکیلے پڑھنے کا ذکر ہے اور آپ باجماعت ادا کرتے ہیں۔

(۳) اس میں گھر پڑھنے کا ذکر ہے جب کہ آپ مسجد میں ادا کرتے ہیں۔

(۴) اس میں سونے کے بعد وتر پڑھنے کا ذکر ہے مگر آپ سونے سے پہلے پڑھتے ہیں۔

(۵) اس میں وتر کو بغیر جماعت پڑھنے کا بیان ہے آپ باجماعت پڑھتے ہیں۔

(۶) اس میں تین رکعات وتر کا بیان ہے۔ آپ ایک پڑھتے ہیں۔ ملخصا: (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۷۴)

الجواب: اولاً اگر آپ کے جواب میں یہ کہہ دیا جائے کہ ہم آپ کے تمام اعتراضات کو قبول کرتے ہوئے ان پر عمل کرتے ہیں اور انہیں بھی مسنون جانتے ہیں تو آپ کے پلے کیا رہ جائے گا؟ مگر ہم آپ کے فضول اعتراضات کے جواب میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔

عن ابی سلمة عن عائشة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خرج لیلة من رمضان الی المسجد بعد العشاء فصلی فرأه الناس ، فصلوا بصلاته فلما کانت الثانية خرج ایضا فرأة الناس فشابوا وکثروا وصلوا بصلاته، فلما کانت اللیلة الثالثه ملئی المسجد، فلم یخرج علیهم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فجعلوا کانهم یؤذنونه لیخرج الیهم فقال یا عائشة ما بال الناس؟ فقلت یا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم صلوا معك هاتین اللیلتین فاحبوا ان تخرج الیهم، ثم خرج الیهم فقال ، ایها الناس علیکم من الاعمال ماتطیقون فان الله لایمل حتی تملوا، وان احب الاعمال الی الله ادو مها وان قل، مازلتم حتی خشیت ان یکتب علیکم، قالت عائشة فکان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یصلی احدی عشرة قائما ورکعتین جالسا، فاذا اراد ان یرکع فقام فقرأ ثم رکع ثم یوتر بواحدة، قال ابو سلمة فقلت فکیف کانت صلاة فی شهر رمضان؟ قالت، ما کان یزید فی شهر رمضان علی هذا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات رمضان میں گھر سے مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے، جب لوگوں نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھا تو وہ بھی ساتھ شامل ہو گئے، جب دوسری رات آئی تو تب بھی تشریف لے گئے اور لوگوں نے دیکھ کر آپ کے ساتھ نماز پڑھی، اس روز لوگوں کی کثرت ہو گئی جب تیسری رات آئی تو لوگوں سے مسجد بھر گئی آپ گھر میں سے مسجد میں نہ گئے،

لوگوں نے ایسی (حرکات کرنی شروع کردیں کی) گویا وہ آپ کو بلا رہے ہیں، تا کہ آپ مسجد میں تشریف لائیں، اس پر آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟ تب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ نے ان کے ساتھ دو راتیں نماز پڑھی ہے اور انہیں پسند ہے کہ آپ تشریف لائیں (تا کہ نماز پڑھیں) تب آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ لوگو آپ پر وہی اعمال (لازم وضروری) ہیں جن کی تم طاقت رکھتے ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں تھکتا مگر تم تھک جاؤ گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ اعمال وہ ہیں جو ہمیشہ کئے جائیں، خواہ وہ کم ہی ہوں۔تم زچ نہیں ہوئے حتی کہ مجھے خوف پیدا ہوگیا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ کردی جائے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام گیارہ رکعات کھڑے ہوکر پڑھتے تھے۔ (اور ان میں سے) دو رکعات بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ اور جب رکوع کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہوجاتے اور مختصر قرأت کرکے پھر رکوع کرتے تھے۔ پھر ایک رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔ ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رمضان میں نماز کس قدر تھی، تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ رمضان میں بھی اس سے زیادہ (رکعات) نہ پڑھتے تھے۔

(مسند ابو یعلی ص۳۹۶ ج٤، رقم الحدیث ٤٧٦٩).

اس روایت کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں اور انوار خورشید کے تمام سوالات کا اس میں جواب بھی ہے۔

ثانیا: انوار صاحب کتاب کا حجم بڑھانے کے لئے احادیث تو مکرر نقل کرتے ہی تھے۔ اعتراضات کو بھی مکرر نقل کیا ہے۔ محترم غور کریں ان عذرات میں پہلا اور دوسرا سوال پہلے بھی کر چکے ہیں جن کے ہم بفضلہ تعالیٰ جوابات عرض کر چکے ہیں۔

(۲) عن جابر بن عبد الله قال صلی بنا رسول الله ﷺ فی شهر رمضان ثمان رکعات واوتر۔ الحدیث۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باجماعت نماز (تراویح) رمضان المبارک میں آٹھ رکعات اور وتر پڑھے۔ الحدیث۔

(صحیح ابن حبان ص٦٤ ج٤ رقم الحدیث ٢٤٠٦، صحیح ابن خزیمه ص١٣٨ ج٢ رقم الحدیث ١٠٧٠، مسند ابو یعلی ص٣٢٦ ج٢، رقم الحدیث ١٧٩٦، طبرانی صغیر ١٩٠ ج١، طبرانی الاوسط ص٤٤١ ج٤).

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں درج کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اسے صحیح قرار دیتے ہیں، انوار صاحب کے معتمد محدث کبیر جناب علامہ نیموی نے (آثار السنن

ص۳۰۵ باب فی المنع من الکلام والصلاۃ عن الخطبۃ، رقم الحدیث ۹۶۱) میں مسند ابو یعلی سے ایک روایت نقل کر کے کہا ہے، و اسنادہ صحیح،، یعنی اس کی سند صحیح ہے۔ اور اس کی سند بعینہ وہی ہے جو مذکورہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ علامہ ذہبی نے، میزان، میں عیسیٰ بن جاریہ کے ترجمہ میں اس کی سند کو وسط (حسن) درجے کی قرار دیا ہے۔

(۳) عن جابر بن عبد الله قال جاء ابی بن کعب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم انه کان منی اللیلة شئ، یعنی فی رمضان، قال وما ذلك یا ابی قال ، نسوة داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی بصلاتك قال فصلیت بهن ثمانی رکعات ثم اوترت قال فکان شبه الرضاء ، ولم یقل شیئا۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابی بن کعب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آج رمضان المبارک کی رات میں، میں نے ایک کام کیا ہے، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے ابی وہ کیا کام ہے؟ تو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ گھر کی عورتوں نے کہا کہ ہم آج آپ کا قرآن نماز (تراویح) میں سنیں گیں، چنانچہ میں نے ان کو آٹھ رکعات (تراویح) پڑھائیں اور وتر بھی، یہ سن کر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے اور کچھ نہ فرمایا: اور یہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راضی ہونے کی دلیل تھی۔

(صحیح ابن حبان ص۱۱۱ ج۵ رقم الحدیث ۲۵۴۱، واللفظ له، ومسند ابو یعلی ص۳۲۶ ج۲، رقم الحدیث ۱۷۹۵).

علامہ ھیثمی فرماتے ہیں کہ اسے طبرانی نے، المعجم الاوسط ص۴۴۰ ج۴، رقم الحدیث ۳۷۴۳)۔ میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے (مجمع الزوائد ص۷۷ ج۲)۔

(۴) عن السائب بن یزید انه قال امر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ابی بن کعب وتمیم الداری ان یقوما للناس باحدی عشرة رکعة، الحدیث۔

امام سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو قیام رمضان گیارہ رکعات کرائیں۔

(موطا امام مالك ص۹۸ ، بیهقی ص۴۹٦ ج۲).

یہ روایت سنداً صحیح ہے اور اس پر تمام اعتراضات کا مفصل جواب ہم دین الحق میں عرض کر چکے ہیں۔

(۵) عن السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ باحدی عشرة رکعة، الحدیث۔

امام سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ ہم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قیام رمضان گیارہ رکعات کرتے تھے۔

(سنن سعید بن منصور بحوالہ الحاوی للفتاویٰ ص۳٤۹ ج۱ وحاشیہ آثار السنن ص۲۵۰)۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ اس کی سند بہت زیادہ صحیح ہے۔

(۶) عن محمد بن یوسف ان السائب اخبرہ ان عمر جمع الناس علی ابی وتمیم فکانا یصلیان احدی عشرۃ رکعۃ، الحدیث۔

امام محمد بن یوسف فرماتے ہیں کہ مجھے سائب بن یزید نے خبر دی کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ پر جمع کیا اور وہ دونوں گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۲ ج۲)۔

اس کی سند صحیح ہے اور راوی تمام کے تمام بخاری و مسلم کے ہیں۔

(۷) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعات تراویح قطعا ثابت نہیں۔

(۸) خلفاء راشدین میں سے بھی ثابت نہیں۔

(۹) کسی صحابی سے بھی بیس رکعات تراویح ثابت نہیں۔

(۱۰) اب ترتیب وار علماء امت کے اقوال ملاحظہ کیجئے۔ امام ابو بکر العربی متوفی ۵۴۳ھ فرماتے ہیں۔

والصحیح ان یصلی احدی عشرۃ رکعۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقیامہ فاما غیر ذلک من الاعداد فلا اصل لہ۔

اور صحیح یہ ہے کہ گیارہ رکعات پڑھنی چاہیئے یہی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور قیام ہے اور اس کے علاوہ اعداد ہیں ان کی کوئی اصل نہیں۔

(عارضۃ الاحوذی ص۱۹ ج۴)۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ:

ان قیام رمضان سنۃ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر فی جماعۃ فعلہ علیہ السلام۔

یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گیارہ رکعات تراویح مع وتر ہی ثابت ہے اور یہی سنت ہے

(فتح القدیر ص۴۰۷ ج۱)۔

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ:

یکون المسنون علی اصول مشائخنا ثمانیۃ، یعنی ہمارے اکابر کے اصول کے موافق

مسنون رکعات تراویح آٹھ ہی ہیں۔ (البحرالرائق ص ۶۷ ج ۲)۔

علامہ طحطاوی فرماتے ہیں۔ **ان النبی ﷺ لم یصلیھا عشرین بل ثمانیا۔**

یعنی نبی مکرم ﷺ نے بیس رکعات نہیں بلکہ آٹھ رکعات تراویح پڑھی ہیں۔

(حاشیہ درمختار ص ۴۹۵ ج ۱)۔

ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ۔

ان التراویح فی الاصل احدی عشرۃ رکعۃ فعلہ رسول اللہ ﷺ فیکون سنۃ۔

یعنی نماز تراویح کی اصلی رکعات مع وتر گیارہ رکعات ہیں اور یہی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فعل اور سنت ہے

(مرقاۃ بحوالہ حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۱۵)

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ۔

ان مقتضی الدلیل کون المسنون منھا ثمانیۃ۔

یعنی دلیل کے لحاظ سے (بیس) میں سے آٹھ رکعات ہی سنت ہیں

(فتاویٰ شامی ص ۴۵ ج ۲)۔

ان احادیث و آثار اور علمائے امت کی تصریحات کے برعکس انوار صاحب بیس رکعات پر اجماع امت اور متواتر عمل کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حالانکہ ان کے بزرگ اور محدث کبیر جناب علامہ کاشمیری فرماتے ہیں کہ:

ولامناص من تسلیم ان تراویحہ علیہ السلام کانت ثمانیۃ رکعات۔

یعنی یہ تسلیم کئے بغیر ہمارے لئے کہیں پناہ نہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تراویح تو آٹھ رکعات ہی تھی۔

(العرف الشذی علیٰ حاشیہ ترمذی ص ۲۷۶ مطبوعۃ فاروقی کتب خانہ ملتان)۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام آٹھ ہی پڑھا کرتے تھے تو سنت کے خلاف نہ اجماع ہوسکتا ہے نہ ہی قیاس۔

باوجود اس کے ہم فصل دوم میں انوار صاحب کے تمام دلائل کا مکمل محاسبہ کرتے ہوئے دلائل سے ثابت کر رہے ہیں کہ بیس رکعات تراویح پر قرآن و سنت اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی اصل نہیں ہے واللہ یہدی من یشاء۔

فصل دوم

(۱) عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۴ ج۲ ، بیہقی ۴۹۶ ج۲ معجم طبرانی کبیر ص۳۹۳ ج۱۱ مسند عبد بن حمید ص۲۱۸)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۳۵)

الجواب: اولاً یہ روایت سخت ضعیف بلکہ موضوع ہے جیسا کہ علامہ البانی نے مفصل لکھا ہے۔ (الضعیفہ ۵۶۰) اس کے باطل ہونے کی کئی ایک وجوہات ہیں اس کا راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان واسطی اسے بیان کرنے میں منفرد ہے جیسا کہ امام بیہقی نے (السنن الکبری ص۴۹۶ ج۲) میں صراحت کی ہے۔ اور یہ راوی ضعیف ومتروک ہے جیسا کہ میزان اور تہذیب وغیرہ کتب رجال میں اس کی تفصیل ہے کوئی ادنی کلمہ توثیق اس کے حق میں منقول نہیں۔

(راجع دین الحق ص۵۲۷ ج۱) یہی وجہ آئمہ محدثین کرام نے اس روایت کو سخت ضعیف ومنکر قرار دیتے ہوئے ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔

(۱) امام ابن عدی المتوفی ۳۶۵ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال ص۲۴۰ ج۱۔

(۲) امام بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ، السنن الکبریٰ ص۴۹۶ ج۲۔

(۳) امام مزی المتوفی ۷۴۲ھ ، تہذیب الکمال ص۱۲۴ ج۱

(۴) علامہ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ، میزان الاعتدال ص۴۸ ج۱۔

(۵) حافظ ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ص۲۰۵ ج۴۔

(۶) علامہ ھیثمی المتوفی ۸۰۷ھ ، مجمع الزوائد ص۱۷۲ ج۳۔

(۷) علامہ سیوطی شافعی المتوفی ۹۱۱ھ، الحاوی للفتاویٰ ص۴۱۳ ج۱۔

(۸) ابن حجر ھیثمی المتوفی ـــھ، الفتاویٰ الکبریٰ بحوالہ ارواء الغلیل ص۱۹۱ ج۲ الضعیفۃ ۵۶۰۔

(۹) علامہ ناصر الدین البانی ـــھ حوالہ سابق۔

ان محدثین کے علاوہ خود اکابر احناف نے اس روایت کو ضعیف تسلیم کیا ہے۔

(۱) علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر ص۴۰۷ ج۱۔

(۲) علامہ زیلعی نے نصب الرایہ ص۱۵۳ ج۲۔

(۳) طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح ص۴۱۱۔

(۴) اکابرین دیوبند میں سے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے، الرای النجیح مندرجہ مجموعہ رسائل ص۱۸۰ میں،

(۵) مفتی کفایت اللہ نے کفایت المفتی ص۳۵۱، ۳۵۴، ۳۵۹، ۳۶۳، ج۳ میں۔

(۶) مولانا عبدالحی الکھنوی نے، التعلیق الممجد ص۱۴۲ وتحفہ الاخیار ص۵۰ میں۔

(۷) علامہ نیموی نے، آثار السنن ص۲۵۴ میں۔

(۸) مولانا شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم ۳۲۰ ج۲۔

(۹) خیر محمد جالندھری نے خیر المصابیح مندرجہ خیر الفتاویٰ ص۵۸۷ ج۲ میں۔

(۱۰) مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری نے، العرف الشذی ص۱۰۱ میں۔

(۱۱) مولانا محمد زکریا نے، اوجز المسالک ص۳۹۷ ج۱ میں۔

(۱۲) مولانا محمد یوسف بنوری نے، معارف السنن ص۵۴۶ ج۲۔

(۱۳) مولانا محمد تقی عثمانی نے، درس ترمذی ص۶۵۹ ج۲ میں۔

(۱۴) مولوی غلام رسول سعیدی بریلوی نے، شرح صحیح مسلم ص۴۹۶ ج۲۔

(۱۵) مولوی محمد شریف بریلوی نے، دلائل المسائل ص۹۱ میں۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اس روایت کو بالاتفاق ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

ثانیا: یہ روایت صحیح حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف ہے، جس کا اعتراف اکابر احناف نے بھی کیا ہے۔ (راجع دین الحق ص۵۲۷ ج۱)۔

ثالثا: یہ روایت انوار صاحب کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں کیونکہ بقول انوار خورشید صاحب۔ تراویح اس نماز کو کہتے ہیں جو رمضان کی راتوں میں جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۷۱) جب کہ اس روایت میں منفرد پڑھنے کا ذکر ہے۔ بیہقی کی روایت میں صاف الفاظ میں صراحت ہے۔ یعنی بیس رکعات بغیر جماعت کے پڑھتے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ص۴۹۶)۔

امام ابن عدی نے، الکامل ص۲۴۰ ج۱ میں بھی یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔ گویا یہ رکعات بغیر جماعت کے پڑھا کرتے تھے۔ پھر کب پڑھتے تھے؟ روایت میں اس کا بھی ذکر نہیں۔ حالانکہ انوار صاحب کے نزدیک تراویح کہتے ہی اس نماز کو ہیں جو رمضان کی راتوں میں جماعت کے ساتھ قیام کیا جائے۔ بلفظ دیگر تراویح کے لئے، رمضان، رات، اور جماعت لازم ہے۔ مگر ان کی دلیل صرف رمضان ہے۔ رات کا بیان نہیں اور جماعت کی نفی ہے، اس کے باوجود انوار صاحب اسے اپنے عمل کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

اور فرماتے ہیں کہ امت کی تلقی بالقبول حاصل ہے، اس لئے یہ صحیح لغیرہ کے درجے کی احادیث

ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۵۸)

اس خبط کو ملاحظہ کیجئے کہ انوار صاحب کیسی بے تکی ہانک رہے ہیں، غور کریں ان کے ذمہ کس چیز کا ثبوت ہے؟ رمضان کی راتوں میں بیس رکعات نماز باجماعت پڑھنا! اس دعویٰ پر یہ دلیل قائم کرتے ہیں کہ رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعات پڑھتے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان سے پوچھئے کہ حضرت یہ تو آپ کے عمل کے اور تعریف تراویح کے منافی ہے۔ اس بے ڈھبے استدلال کے باوجود تلقی بالقبول کا اصول ذکر کرتے ہیں۔ اسے کوئی عقل مند قبول کرے گا؟ قطعاً نہیں! انوار صاحب کی دلیل بالکل اس دیوانے کی دلیل کی طرح ہے جس نے دعوٰی کیا کہ زمین گول ہے، جب اس سے دلیل مانگی گئی تو کہا چاول سفید ہیں، یہ زمین کے گول ہونے کی دلیل ہیں۔

(۲) عن جابر بن عبد الله قال خرج النبی ﷺ ذات لیلة فی رمضان فصلی بالناس اربعة وعشرین رکعة و اوتر بثلثة۔

(تاریخ جرجان لابی قاسم حمزة بن یوسف السهمام ۷۲۷ ص ۲۷۵)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں ایک رات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف لائے اور صحابہ کرام کو چوبیس رکعتیں (۴ عشاء کی اور ۲۰ تراویح کی) پڑھائیں۔ اور تین رکعات وتر پڑھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۳۶)

الجواب: اولاً اس کی سند میں، حمید محمد بن رازی اور اس کا شیخ عمر بن ھارون دو راوی کذاب ہیں، اور تاریخ جرجان کے مصنف سے لے کر محمد بن حمید رازی تک متعدد راوی مجہول ہیں جیسا کہ علامہ البانی نے لکھا ہے۔ (الضعیفہ ص ۳۶ ج ۲) گویا اس روایت کی سند میں تین مقامات پر نقص ہے۔ دو جگہ راوی کذاب ہیں، اور تیسری جگہ بعض راویوں کے حالات معلوم نہیں۔

اب ترتیب وار ان کھوٹوں کو بیان کیا جاتا ہے۔

محمد بن حمید رازی کے متعلق آئمہ جرح و تعدیل نے نہایت سخت جرح کی ہیں۔

امام ابو زرعہ امام اسحاق کوسج امام ابن خراش نے کذاب کہا ہے، امام صالح جزرہ فرماتے ہیں کہ میں نے شاذکونی اور ابن حمید سے بڑھ کر کسی کو جھوٹ پر دلیر نہیں دیکھا، امام یعقوب کہتے ہیں کثیر المناکیر ہے امام بخاری رحمہ اللہ، فیہ نظر، کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ص ۵۳۰ ج ۳)

مولانا عبد الرشید نعمانی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

محمد بن حمید رازی قابل اعتبار نہیں کیونکہ ان کی بہت سی روایات ثقات کے خلاف ہیں حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ علم کے سمندروں میں سے تھے۔ مگر غیر معتمد ہیں کیونکہ منکر روایات بہت لاتے ہیں۔

(ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۱۰۰)۔

دوسرا راوی عمر بن ہارون البلخی ہے اسے امام یحیٰی اور صالح جزرہ نے کذاب قرار دیا ہے۔ امام ابن مہدی، امام احمد، امام نسائی نے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ امام ابو داؤد نے غیر ثقہ، امام دارقطنی اور امام ابن مدینی نے سخت ضعیف کہا ہے۔ (میزان ص ۲۲۸ ج ۲)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے۔

ثانیاً: روایت میں ۲۴ رکعات کا ذکر ہے، امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ اسی کے ہی قائل تھے (عمدۃ القاری ص ۳۵۶ ج ۵)۔ مگر انوار صاحب بریکٹ میں وضاحت کرتے ہیں کہ چار رکعتیں عشاء کی نماز تھی۔ مگر اس تاویل پر کوئی دلیل درج نہیں کرتے، نہ ہی متن روایت میں کوئی ایسا لفظ ہے اور نہ ہی خارجی کوئی دلیل اس پر موجود ہے صرف سینہ زوری سے روایت کو اپنے موافق بنا رہے ہیں۔

(۳) عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب امره ان یصلی باللیل فی رمضان فقال ان الناس یصومون النهار ولا یحسنون ان یقرؤا فلو قرأت علیهم باللیل فقال یا امیر المؤمنین هذا شئی لم یکن فقال قد علمت ولکنه حسن فصلی بهم عشرین رکعة۔

(رواہ ابن منیع کنز العمال ۴۰۹ ج ۸)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم دیا کہ وہ رمضان میں رات کو لوگوں کو نماز پڑھایا کریں، آپ نے فرمایا کہ لوگ دن میں روزہ تو رکھتے ہیں مگر اچھی طرح قراءت نہیں کر سکتے اگر تم رات کو ان پر قرآن پڑھا کرو تو اچھا ہو۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی کیا کہ امیر المؤمنین پہلے ایسا نہیں ہوا؟ آپ نے فرمایا مجھے بھی معلوم ہے تاہم یہ ایک اچھی چیز ہے چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعات پڑھائیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۳۸)

الجواب: اولاً یہ روایت کنز العمال میں مسند احمد بن منیع کے حوالے سے مذکور ہے اور امام ابن منیع کی مسند تو ہمارے پاس نہیں ہاں البتہ امام مقدسی نے اسے مسند احمد بن منیع سے نقل کیا ہے (المختارۃ ص ۳۶۷ ج ۳)۔ اس میں جو سند درج ہے اس میں، ابو جعفر الرازی عن الربیع بن انس عن العالیة ہے اور ربیع بن انس کے متعلق امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ:

الناس یتقون من حدیثه ما کان من روایة ابی جعفر عنه لان فی احادیثه عنه اضطرابا کثیرا۔

یعنی اس کی مرویات سے محدثین کرام بچتے تھے جو اس سے ابوجعفر رازی کے واسطے سے ہیں کیونکہ ابوجعفر نے جو اس سے روایات نقل کی ہیں ان میں سے کثرت سے اضطراب ہیں۔

(تہذیب ص ۲۳۹ ج ۳) وتاریخ ثقات ص ۲۲۸ ج ۴)۔

اور یہ روایت بھی ابو جعفر کے طریق سے مروی ہے اور ابو جعفر کو امام عمرو بن علی اور ابن خراش نے، صدوق سئی الحفظ، قرار دیا ہے، اور امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ مشاہیر سے مناکیر روایت کرتا ہے اور اس کی مرویات سے احتجاج نہ کیا جائے، مگر ان روایات میں جن میں ثقات نے اس کی موافقت کی ہو، (تہذیب ۵۷ ج۱۲)۔

ابو جعفر الرازی عن الربیع بن انس کے طریق سے ایک روایت مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ صبح کی نماز میں وفات تک ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے۔

(عبد الرزاق ص۱۱۰ ج ۳ ودارقطنی ص۳۹،۴۱، ج۲ ومسند احمد ص۱۶۳ ج۳ وابن ابی شیبه ص۳۱۲ ج۲ ،بیهقی ص۲۰۱ ج ۲)۔

اس روایت کو تمام حنفی اکابر بوجہ ابو جعفر ضعیف قرار دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ روایت سخت ضعیف ہے، تفصیل کے لیے، زاد المعاد ص۹۲ ج۱ مطبوعہ مکتبہ و مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۹۷۰ھ کی مراجعت کریں۔

ابن ترکمانی حنفی امام بیہقی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قلت کیف یکون سنده صحیحا وراویة عن الربیع ابو جعفر عیسیٰ ابن ماهان الرازی متکلم فیه قال ابن حنبل والنسائی لیس بالقوی وقال ابو زرعة یهم کثیرا وقال الفلاس سیئی الحفظ وقال ابن حبان یحدث بالمناکیر عن المشاهیر۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ روایت صحیح کس طرح ہوئی جب کہ ربیع بن انس سے روایت کرنے والا ابو جعفر رازی راوی متکلم فیہ ہے امام احمد اور امام نسائی نے کہا ہے کہ قوی نہیں ابو زرعہ یہم کثیر کہتے ہیں فلاس فرماتے ہیں سیئی الحفظ ہے ابن حبان کا کہنا ہے کہ مشاہیر سے مناکیر روایت کرتا ہے۔ (الجوہر النقی ص۲۰۱ ج۲)

علامہ زیلعی حنفی نے (نصب الرایہ ص۱۳۲ ج۲) میں علامہ ابن ہمام نے، (فتح القدیر ص۳۷۶ ج۱) مذکورہ جرحیں نقل کر کے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیوبندی مکتب فکر کے محدث کبیر علامہ نیموی نے (آثار السنن ص۲۱۱) میں اور مولانا محمد زکریا نے، (اوجز المسالک ص۱۲۳ ج۲) میں مذکورہ روایت کو بوجہ، ابو جعفر رازی ضعیف قرار دیا ہے اور بریلوی مکتب فکر کے معروف مؤلف مولوی غلام رسول سعیدی نے علامہ زیلعی کا (نصب الرایہ ص۱۳۲ ج۲) سے مفصل کلام نقل کر کے آخر میں بطور نتیجہ لکھا ہے کہ سند کے اس شدید ضعف کی وجہ سے یہ حدیث لائق استدلال نہیں۔

(شرح صحیح مسلم ص۳۲۷ ج۲ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور ۱۹۹۴ھ)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ خود اکابر احناف کے نزدیک بھی ابو جعفر رازی متکلم فیہ ہے اور اس کی

روایت نماز فجر میں ہمیشہ قنوت کرنے والی کو حنفی بوجہ ابو جعفر رازی قبول نہیں کرتے۔ مگر انوار صاحب اس کی روایت کو قبول کرتے ہیں بلکہ خصم پر بطور حجت نقل کرتے ہیں، انصاف شرط ہے آیا ابو جعفر ان روایات میں ضعیف ہے جو حنفی مسلک کے خلاف ہیں یا علی الاطلاق ضعیف ہے۔ ممکن ہے کہ انوار صاحب نے مطلب برآری کے لئے اسے قبول کرلیا ہو کہ اس طرف کس کا خیال جائے گا یا میٹھے کے لالچ میں جوٹھا کھالیا ہو اور بیس رکعات تراویح کے ساتھ صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت بھی پڑھتے ہوں، اگر حنفی صبح کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے ہیں، یقیناً نہیں پڑھتے، تو وجہ فرق بیان کریں۔

(۴) عن الحسن ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع علی ابی بن کعب فکان یصلی لھم عشرین رکعۃ۔ الحدیث

(ابوداؤد ص۲۰۲ ج۱ سیر اعلام النبلاء ص۴۰۰ ج۱ جامع المسانید والسنن للحافظ ابن کثیر ص۵۵ ج۱)۔

حضرت حسن سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر اکٹھا کردیا، آپ انہیں بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۳۸)

الجواب: اولاً یہ روایت ,عشرین رکعتہ، کے الفاظ سے قطعی طور پر ثابت نہیں بلکہ مبتدعین دیابنہ نے یہ ابو داؤد میں تحریف کی ہے، تفصیل کے لئے تحفہ حنفیہ کی مراجعت کریں۔

ثانیاً: متن روایت میں صحیح الفاظ ,عشرین رکعتہ، (بیس رات) کے ہیں رہا یہ مسئلہ کہ جامع المسانید اور سیر اعلام النبلاء میں رکعۃ کا لفظ ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ سیر میں تصحیف ہے اور مسانید میں کتابت کی غلطی ہے، حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ اور علامہ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ سے قبل امام بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ نے، (السنن الکبریٰ ص۴۹۸ ج۲) میں اور علامہ ابن ہمام حنفی المتوفی ۶۸۱ھ نے، (فتح القدیر ص۳۷۵ ج۱) میں، ,عشرین لیلۃ، کے الفاظ نقل کئے ہیں اور حافظ ابن کثیر اور علامہ ذہبی کے معاصر امام مزی المتوفی ۷۴۲ھ نے، (تحفۃ الاشراف ص۱۲ ج۱)، علامہ ابن ملقن المتوفی ۸۰۴ھ نے، (البدر المنیر ص۳۶۶ ج۴) میں، علامہ زیلعی حنفی المتوفی ۷۶۲ھ نے، (نصب الرایۃ ص۱۲۶ ج۲) میں، اور خطیب تبریزی المتوفی ۷۳۷ھ نے، (المشکوٰۃ (۱۲۹۳) میں مذکورہ روایت کو لیلۃ کے الفاظ سے ہی ابو داؤد سے نقل کیا ہے۔ اور بعد میں علامہ ابن نجیم حنفی المتوفی ۹۷۰ھ نے (البحر الرائق ص۴۰ ج۲) میں، علامہ حلبی المتوفی ۹۵۶ھ حنفی نے، (مستملی ص۴۱۶) میں، لیلۃ کے الفاظ سے ہی ذکر کیا ہے ابو داؤد کے شارحین مثلا امام خطابی نے، معالم السنن ص میں اور مولانا محمد شمس الحق عظیم آبادی نے، (عون المعبود ص۵۳۸ ج۲) میں اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے، (بذل المجہود ص۳۲۸ میں لیلۃ) کے الفاظ ہی لکھے ہیں گو مؤخر الذکر نے، حاشیہ میں رکعۃ کا لفظ لکھ کر شاہ محمد اسحاق محدث دھلوی

کے نسخے کا حوالہ دیا ہے۔ مگر متن میں، لیلۃ کے الفاظ ہی درج ہیں جس سے معلوم ہوا کہ علامہ سہارنپوری کے نزدیک بھی صحیح نسخہ میں، لیلۃ، کے الفاظ ہی ہیں، ورنہ وہ بعد کے محرفین دیابنہ کی طرح، رکعۃ کا لفظ ہی متن میں درج کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحیح الفاظ، عشرین لیلۃ، کے ہی ہیں، اور رکعۃ کا لفظ غلط ہے، اور اس پر اندورنی و بیرونی شہادات ہیں۔ بیرونی شہادات کا ذکر تو پہلے گزر چکا ہے کہ ایک درجن کے قریب علماء نے ابو داؤد سے یہ روایت لیلۃ کے لفظ سے نقل کی ہے اب اندرونی گواہی متن روایت سے بیان کی جاتی ہے۔ وضاحت سے پہلے مکمل متن روایت ہم آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

عن الحسن ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی لهم عشرین لیلة ولا یقنت بهم الافی النصف الباقی فاذا کانت العشرة الا و آخر تخلف فصلی فی بیته فکانوا یقولون ابقی ابی۔

امام حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کردیا اور انہیں بیس راتیں نماز پڑھاتے اور قنوت صرف آخری نصف میں پڑھا کرتے اور آخری دس دنوں میں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نماز گھر میں ہی پڑھتے اور لوگ کہتے ابی بھاگ گئے۔

(سنن ابو داؤد کتاب الوتر باب القنوت فی الوتر۔ الحدیث ۱۴۲۹ مطبوعه مکتبه دار السلام)

متن روایت پر غور کریں اس میں رمضان کے مہینے کو تین عشروں پر تقسیم کیا گیا آخری دس دنوں میں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نماز گھر میں پڑھا کرتے، جب کہ رمضان کی پہلی بیس راتوں میں سے قنوت صرف نصف آخر میں پڑھا کرتے تھے۔ بلفظ دیگر رمضان کے صرف درمیانی دس دنوں میں ہی قنوت مانگا کرتے تھے۔ اگر یہاں لیلۃ کی بجائے رکعۃ کا لفظ رکھا جائے تو متن روایت کا یہ مفہوم بن جائے کہ بیس رکعات میں سے آخری دس رکعتوں میں قنوت پڑھا کرتے تھے، حالانکہ بیس رکعات تراویح کے قائلین بھی آخری دس رکعتوں میں ہر رکعت تو کجا ایک بار بھی قنوت کے قائل نہیں۔

ثابت ہوا کہ لفظ رکعۃ نہیں بلکہ لیلۃ، ہے اس اندرونی گواہی کو چھپانے کے لئے انوار خورشید صاحب نے یہ چال چلی ہے کہ متن روایت کو تقلیدی آری سے ذبح کرتے ہوئے مکمل نقل ہی نہیں کیا، انا للہ وانا الیہ رجعون۔

ثالثا: علم حدیث سے تھوڑا بہت مس رکھنے والے حضرات بھی جانتے ہیں کہ متن روایت کی تصحیح کے لئے علل الحدیث ایک اہم ذریعہ ہے اور استاد سے اگر ایک شاگرد کوئی لفظ ایسا بیان کرے جو بقایا شاگرد نہ بیان کرتے ہوں، تو اس کی تین صورتیں ہوا کرتی ہیں، الف، وہ اضافہ متن روایت کے مخالف نہ ہو بلکہ صرف زائد چیز بیان کی گئی ہو تو اسے ثقہ کی زیادت کے نام سے قبول کرلیا جاتا ہے۔ ب، اگر راوی بھی ثقہ ہو اور اوثق کی مخالفت بھی کر رہا ہو تو اس کا اضافہ شاذ کہلاتا ہے۔ ت، اگر راوی ضعیف ہو تو

اس کا اضافہ منکر کہلاتا ہے، اس اصول کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ابو داؤد کی روایت حسن بصری سے نقل کرنے والے راوی، یونس بن عبید، ہیں، جب کہ یہی روایت حسن بصری سے امام قتادہ بھی نقل کرتے ہیں ان کے الفاظ ہیں۔

عن الحسن ان ابیا ام الناس فی خلافة عمر فصلی بهم النصف من رمضان لا یقنت فلما مضی النصف قنت بعد الرکوع فلما دخل العشر ابقی وخلی عنهم فصلی بهم العشر معاذ القاری فی خلافة عمر۔

امام حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ خلافت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں لوگوں کو نصف رمضان نماز پڑھایا کرتے تھے اور اس میں قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے جب نصف گزر جاتا تو قنوت رکوع کے بعد پڑھا کرتے تھے جب (آخری) عشرہ داخل ہوتا تو آپ ان سے الگ ہوجاتے اور سیدنا معاذ القاری رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے خلافت فاروقی میں۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۳۰۵ ج ۲)۔

یہی روایت امام ابن سیرین رحمہ اللہ بھی بیان کرتے ہیں، ان کے الفاظ ہیں

عن ابن سیرین قال کان ابی یقوم للناس علی عهد عمر فی رمضان، فاذا کان النصف جهر بالقنوت بعد الرکعة، فاذا تمت عشرون لیلة انصرف الی اهله وقام للناس ابو حلیمة معاذ القاری وجهر بالقنوت فی العشر الا و اخر، حتی کانوا مما یسمعونه یقول، اللهم قحط المطر، فیقولون، أمین، فیقول ما اسرع ما تقولون أمین، دعونی حتی ادعو۔

امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز تراویح پڑھایا کرتے تھے، جب رمضان کا نصف ہوجاتا تو آپ قنوت کو بلند آواز سے رکوع کے بعد پڑھا کرتے اور جب بیس راتیں ہوجاتیں تو وہ گھر والوں کے پاس لوٹ آتے اور لوگوں کو سیدنا ابو حلیمہ معاذ القاری رضی اللہ عنہ نماز پڑھایا کرتے اور آخری عشرہ رمضان میں قنوت کو بلند آواز سے پڑھا کرتے، حتی کہ جب مقتدی آپ سے یہ سنتے کہ اللهم قحط المطر، (الٰہی بارش کا قحط ہے) تو لوگ اٰمین کہہ دیتے، تو آپ نے فرمایا کہ لوگو! آپ کو کیا جلدی ہے کہ اٰمین کہتے ہو! مجھے چھوڑ دو یہاں تک میں دعا مانگ لوں۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۲۵۹ ج ۳ رقم الحدیث ۷۷۲۴)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ متن روایت میں درست الفاظ عشرین لیلة کے ہی ہیں اور رکعة کا لفظ قطعی طور پر غلط ہے۔

رابعا: یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے امام حسن بصری ہیں اور حسن بصری کی ولادت دور فاروقی کے آخری دو سالوں میں ہوئی تھی یہی وجہ ہے کہ اکابر احناف

نے اس روایت کو منقطع قرار دیتے ہوئے ضعیف لکھا ہے, دیکھئے نصب الرایہ ص۱۲۶ ج۲ فتح القدیر ص۳۷۵ ج۱، البحر الرائق ص۴۰ ج۲، مستملی ص۴۱۶ بذل المجہود ص۳۲۹ ج۲ وغیرہ۔

(۵) عن یحییٰ بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا یصلی بھم عشرین رکعۃ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۳ ج۲)۔

حضرت یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۳۸)

الجواب: یہ روایت سنداً منقطع ہے کیونکہ امام یحییٰ بن سعید صغیر تابعی ہیں امام ابن مدینی فرماتے ہیں کہ صرف سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع ہوا ہے۔ (تہذیب ص۲۲۳ ج۱۱)۔

علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ یہ مرسل ہے اور اس پر حاشیہ میں وضاحت کرتے ہیں کہ یحییٰ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ (آثار السنن ص۲۵۳)۔

الغرض یہ روایت بوجہ مرسل ہونے کے ضعیف ہے۔

(۶) عن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ ویوتر بثلث۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۳ ج۲)۔

حضرت عبد العزیز بن رفیع فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں مدینہ طیبہ میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھاتے تھے۔ اور وتر تین رکعات۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۳۹)

الجواب: یہ روایت بھی بوجہ مرسل ہونے کے ضعیف ہے، علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ عبد العزیز نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ (حاشیہ آثار السنن ص۲۵۳)۔

(۷) عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعۃ۔

(موطا امام مالک ص۹۸، سنن کبریٰ، بیہقی ص۴۹۶ ج۲)۔

حضرت یزید بن رومان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں تیئس رکعات پڑھا کرتے تھے۔ (۲۰ تراویح ۳ وتر)۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۳۹)

الجواب: یہ روایت بھی بوجہ منقطع ہونے کے ضعیف ہے کیونکہ یزید بن رومان نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا، جیسا کہ علامہ زیلعی نے، (نصب الرایہ ص۱۵۴ ج۲) میں نووی نے، (شرح المہذب ص۳۳ ج۴) میں اور علامہ نیموی نے، (آثار السنن ص۲۵۳) میں صراحت کی ہے مفصل دیکھئے۔

(دین الحق ص ۵۴۱ جلد ۲) الغرض یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

(۸) قال محمد بن کعب القرظی کان الناس فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعة یطیلون فیها القرأة ویوترون بثلث۔

(مختصر قیام اللیل ص ۱۵۷)۔

حضرت محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں رمضان المبارک میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے، جن میں خوب لمبی قرأت کرتے تھے اور وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۳۹)

الجواب: امام مروزی کی تالیف، قیام اللیل، کو علامہ مقریزی نے مختصر کیا ہے۔ جس میں انہوں نے اکثر وبیشتر روایات کی اسناد کو حذف کردیا ہے، اورمذکورہ روایت کی سند بھی حذف شدہ ہے، لہٰذا اس کی سند پیش کرنا فریق مخالف پر لازم ہے۔ مزید برآں کہ محمد بن کعب قرظی کی ولادت خلافت فاروقی کے اکیس سال بعد سنہ ۴۴ھ میں ہوئی تھی، (تقریب ص ۳۱۶)۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت بھی منقطع ہے۔ لہٰذا یہ حجت نہیں۔

(۹) عن ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شهر رمضان بعشرین رکعة قال و کانوا یقرؤن بالمئین و کانوا یتوکؤن علی عصیهم فی عهد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدة القیام۔

(سنن کبریٰ بیہقی ص ۴۹۶ ج ۲)۔

حضرت ابن ابی ذئب بواسطہ حضرت یزید بن خصیفہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رمضان المبارک میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ تراویح میں مئین سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگ شدت قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۴۰)

الجواب: اولاً سند میں یزید بن خصیفہ راوی متکلم فیہ ہے امام احمد نے اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔

(میزان ص ۴۳۰ ج ۴)۔ اور علامہ ذہبی کا میزان میں اس کا ذکر کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ متکلم فیہ راوی ہے، امام احمد جب منکر الحدیث کا لفظ بولتے ہیں تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے کہ یہ راوی کبھی کبھی ایسی روایات بھی بیان کرتا ہے جن کو ثقہ راوی بیان نہیں کرتے۔ (الرفع والتکمیل ص ۲۰۲)

تفصیل کے لئے دین الحق ص ۱۵۷ ج ۱، کی مراجعت کریں، امام احمد کی اس جرح کے پیش نظر دیکھ

لیا جائے کہ سائب بن یزید سے بیس رکعات نقل کرنے میں یزید بن خصیفہ منفرد ہے یا نہیں! حقیقت یہ ہے کہ سائب سے یہی روایت امام محمد بن یوسف نے بھی روایت کی ہے جس میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے۔(موطاامام مالک ص۹۸)۔

اور محمد بن یوسف یزید بن خصیفہ سے اوثق ہے جیسا کہ ابن حجر نے تقریب میں یزید بن خصیفہ کو ثقہ لکھا ہے جب کہ محمد بن یوسف کو ثقہ ثبت تحریر کیا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ محمد بن یوسف، یزید بن خصیفہ سے اوثق ہے اور ثقہ جب اوثق کی مخالفت کرے تو اس کی روایت شاذ ہوتی ہے۔ (مقدمہ اعلاء السنن ص۴۲)۔لہٰذا یہ روایت شاذ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ثانیا: سند میں ابن فنجویہ راوی ہے جس کے متعلق علامہ شیرویہ فرماتے ہیں کہ کثرت سے مناکیر روایت کرتے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ص۳۸۴ ج۱۳، رقم الترجمہ ۳۸۵۸)

اس سے ثابت ہوا کہ یزید بن خصیفہ کی طرف اس روایت کی نسبت ہی صحیح نہیں اور ابن فنجویہ کی وجہ سے یہ روایت منکر ہے۔اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اگر بیس رکعات بیان کرنے میں یزید بن خصیفہ سے سہو ہوا ہے تو شاذ ہے۔ اور اگر ابن فنجویہ سے ہوا ہے تو منکر ہے۔

ثالثا: اس روایت میں بیس رکعات ادا کرنے کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے۔ وہ احناف کے متواتر عمل کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ حضرات اتنی تیز رفتاری سے تراویح ادا کرتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ جب اہل حدیث آٹھ رکعات پڑھ کر فارغ ہوتے ہیں تو یہ حضرات تب تک بیس رکعات ادا کر کے گہری نیند سو چکے ہوتے ہیں۔

(۱۰) محمد بن جعفر قال حدثنی یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر۔

(معرفة السنن والآثار ص۴۲ ج۴)۔

محمد بن جعفر کہتے ہیں کہ ہمیں حدیث بیان کی حضرت یزید بن خصیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعات تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۴۰)

الجواب: پہلے تفصیل گزر چکی ہے کہ یہ روایت شاذ ہے، کیونکہ یزید بن خصیفہ سے اوثق محمد بن یوسف نے سائب بن یزید سے یہ روایت کی ہے جس میں رکعات کی تعداد آٹھ ہے، خاکسار نے دین الحق ص۵۳۲ ج۱، میں اس کی سند کے دو راوی، ابو طاہر اور ابو عثمان کو مجہول قرار دیا تھا، اس سے راقم رجوع کرتا ہے کیونکہ یہ ثقہ محدث ہیں، دراصل دین الحق تحریر کرتے وقت خاکسار کے پاس علامہ ذہبی کی ''تاریخ'' اور ،، سیر، نہ تھی، اور بعض علماء کی تحقیق پر اعتماد کی وجہ سے یہ غلطی ہوئی،، اللہ معاف

فرمائے۔ آمین یا الہ العلمین

(۱۱) عن ابی عبد الرحمن بن ا لسلمی عن علی رضی اللہ عنہ قال دعی القرأ فی رمضان فامر منهم رجلا يصلی بالناس عشرين ركعة قال و كان علی رضی اللہ عنہ يوتر بهم۔

(سنن کبریٰ بیہقی ص٤٩٦ ج ٢)۔

حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں قراء حضرات کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو ۲۰ رکعات تراویح پڑھائے حضرت ابوعبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں وتر پڑھاتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ٦٤٢)

الجواب: ابوعبد الرحمٰن سلمی سے نقل کرنے والے عطاء بن سائب ہیں اور یہ مختلط ہیں اور آئمہ فن مثلا امام احمد بن حنبل امام یحییٰ بن سعید اور امام نسائی وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ اختلاط سے پہلے صرف امام شعبی امام سفیان اور حماد بن زید نے سماع کیا ہے اور باقی کا حالت اختلاط میں سماع ہے۔ (میزان ص۷۱ ج ۳)۔

جب کہ زیر بحث روایت کو مذکورہ تینوں کے علاوہ حماد بن شعیب نے عطاء بن سائب سے روایت کیا ہے مزید برآں حماد بن شعیب ضعیف ہے۔ امام ابن معین فرماتے ہیں ضعیف ہے اس کی مرویات لکھی ہی نہ جائیں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی کثرت روایات کا کوئی متابع نہیں امام عقیلی فرماتے ہیں کہ اس کا کوئی متابع نہیں مگر اس سے بھی بدتر۔ (میزان ص۵۹۶ ج۱)۔

امام ابو زرعہ کہتے ہیں ضعیف ہے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منکر الحدیث ہے اور محدثین نے اس کی روایات کو ترک کردیا تھا۔ ساجی فرماتے ضعیف ہے۔

(لسان المیزان ص ۳۴۸ ج ۲)۔

علامہ نیموی حنفی نے اس روایت کو ضعیف تسلیم کیا ہے۔ (آثار السنن ص۲۵۴)۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ راوی جس کے متعلق میں نے، منکر الحدیث کہا ہے اس سے روایت لینا جائز نہیں۔

(میزان الاعتدال ص٦ ج١ ص ٢٠٢ ج٢ وقواعد فی علوم الحدیث ص٢٥٨ والرفع والتکمیل ص٢٠٨ وتدریب الراوی ص٢٣٥، فتح المغیث ص١٦٢)۔

بلکہ امام ابن ہمام نے التحریر، میں صراحت کی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جس راوی کے بارے فیہ نظر کہیں، اس کی روایت سے احتجاج نہ کیا جائے، اور نہ ہی بطور شاہد ذکر کی جائے بلکہ اس پر یکسر اعتبار ہی نہ کیا جائے۔ (بحوالہ تحفۃ الاحوذی ص۷۵ ج۲)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے اس پر اعتبار کرنا تو درکنار اسے بطور شاہد

بھی پیش نہیں کیا جا سکتا مگر انوار خورشید صاحب پر حیرت ہے کہ انہوں نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات کو ثابت کرنے کے لئے بنیادی استدلال ہی اس روایت سے کیا ہے، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(۱۲)عن ابی الحسناء ان علیا امر رجلا ان یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳۹۳ ج ۲)۔

حضرت ابو الحسناء سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعات تراویح پڑھایا کرے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۵۲)

الجواب: اولاً حضرت آپ کی عینک پرانی ہوچکی ہے اسے تبدیل کرلیں آپ نے جو الفاظ بحوالہ ابن ابی شیبہ ذکر کیے ہیں وہ بیہقی کی روایت کے ہیں۔(السنن الکبریٰ ص۴۹۷ ج۲)۔

اس بے بصیرت شخص نے اصل کتاب کی مراجعت کرکے الفاظ اثر نقل نہیں کئے ورنہ ایسی غلطی نہ ہوتی، غالبا انہوں نے ماسٹر امین صاحب کے رسالہ تحقیق مسئلہ تراویح سے یہ روایت دیکھ کر درج کی ہے اور بینائی کی کمزوری کی وجہ سے یہ اختلاط ہوگیا ہے کہ شروع تو اوپر والی روایت کی تھی، مگر رجلا کے لفظ کے بعد نظر تین چار سطر نیچے آگئی تو اگلے الفاظ بیہقی کے نقل کر دیئے چونکہ دماغ میں مصنف تھی اس لئے آخر میں اس کا حوالہ جڑ دیا۔اگر اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر انوار صاحب نے بددیانتی کی ہے، اس لئے کہ الفاظ تو بیہقی سے نقل کئے لیکن حوالہ مصنف کا دے دیا،، کیوں؟ اسلئے کہ آگے امام بیہقی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا تھا۔خورشید صاحب نے اس جرح کو چھپانے کی غرض سے متن بیہقی کا نقل کیا اور حوالہ مصنف کا جڑ دیا۔

ثانیا: اس روایت کا مدار ابو الحسناء راوی پر ہے اور یہ مجہول ہے جیسا کہ علامہ ذہبی نے (میزان ص۵۱۵ ج۴ میں اور حافظ ابن حجر نے،تقریب ص۴۰۱ میں صراحت کی ہے۔مزید تفصیل کے لئے دین الحق ص۵۳۶ ج۱،کی مراجعت کریں۔

الغرض یہ روایت بوجہ جہالت راوی ضعیف ہے۔

(۱۳) عن زید بن وهب قال کان عبد اللہ بن مسعود یصلی بنا فی شهر رمضان فینصرف وعلیه لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعة ویوتر بثلث ۔

(مختصر قیام اللیل للمروزی ص۱۵۷)۔

حضرت زید بن وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہم کو رمضان میں نماز پڑھاتے تھے، جب فارغ ہوکر واپس ہوتے تو ابھی رات رہتی تھی ، امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ

(حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے، اور تین رکعات وتر۔ حدیث اوراہل حدیث ۶۴۳۔

الجواب: یہ روایت منقطع ہے کیونکہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۳۲ھ میں فوت ہوئے (تقریب ص۱۸۹) جب کہ امام اعمش ۶۱ھ میں پیدا ہوئے تھے (تقریب ص۱۳۶) گویا امام اعمش کی پیدائش کے وقت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کو ۲۹ برس بیت چکے تھے۔ الغرض یہ روایت بوجہ انقطاع ضعیف ہے۔اس سے نیچے کی سند کیسی ہے یہ اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کیونکہ مختصر قیام اللیل، میں اس کی سند مذکورہ نہیں۔

(۱۴) سنن کبریٰ بیہقی ص۴۹۶ ج۲ میں ہے کہ سوید بن غفلہ بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے۔

الجواب: اولاً اس کی سند میں ابو الخصیب، راوی مجہول ہے جیسا کہ امام ذہبی نے (میزان ص۵۲۰ ج۴) میں صراحت کی ہے۔لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

(۱۵) مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۳ ج۲ میں ہے ابوالبختری ۲۰ تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۶۴۵)

الجواب: اولاً سند میں خلف نام کا راوی ہے اس کی بحوالہ عدالت وثقات ثابت کی جائے انوار صاحب کے محدث شہیر جناب علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ اسے میں نہیں جانتا کون ہے (حاشیہ آثار السنن ص۲۵۵)۔ الغرض یہ راوی مجہول ہے لہٰذا یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

ثانیاً: تابعی کا قول دلیل شرعی نہیں، حنفیہ کے نزدیک بھی ادلہ اربعہ ہی ہیں اور تابعی کا قول اس میں نہیں آتا۔

(۱۶) مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۳ ج۲ میں ہے کہ علی بن ربیعہ بیس تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۶۴۵)

الجواب: بلاشبہ اس کی سند صحیح ہے، مگر علی بن ربیعہ تابعی ہیں، اور اقوال تابعین دین میں حجت نہیں ہوتے، انوار صاحب نے جہاں سے یہ روایت نقل کی ہے اس سے اگلی روایت امام سعید بن جبیر تابعی کے متعلق ہے کہ وہ رمضان کے پہلے بیس دن ۲۴ رکعات جب کہ آخری عشرہ میں ۲۷ رکعات پڑھا کرتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ۳۹۳ ج۲)۔فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

(۱۷) مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۳ ج۲ میں ہے کہ شتیر بن شکل ۲۰ رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۴۶)۔

الجواب: اس کی سند میں عبد اللہ بن قیس راوی ہے جو محتاج عدالت ہے انوار صاحب کے محقق شہیر جناب علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کون ہے۔ (حاشیہ آثار السنن ص۲۵۵)۔

الغرض یہ روایت بوجہ جہالت راوی ضعیف ہے۔

(۱۸) مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۳ ج۲ میں ہے کہ حضرت حارث اعور بھی بیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۴۶)

الجواب: اولاً سپاہ صحابہ بنانے والو، حارث اعور رافضی تھا امام شعبیؒ نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ (تقریب ص۶۰) اس کے ساتھ حضرت اور رحمۃ اللہ علیہ لکھتے وقت کچھ تو شرم کی ہوتی۔

ثانیاً: حارث سے روایت کرنے والے ابو اسحاق (عمرو بن عبد اللہ ہمدانی) ہیں جو کہ مختلط اور مدلس ہیں (تقریب ص۲۶۰ و طبقات المدلسین ص۴۲) اور ابو اسحاق سے حجاج بن ارطاۃ نے روایت نقل کی ہے، اور ابن ارطاۃ زبردست مدلس ہے۔ (تقریب ص۶۴ و طبقات ص۴۹) اور دونوں استاد شاگرد نے سماع کی صراحت نہیں کی بلکہ عن عن کر کے روایت نقل کی ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

(۱۹) مختصر قیام اللیل للمروزی ص۵۸ میں ہے کہ عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ سعید بن ابی الحسن اور عمران عبدی ۲۰ رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۴۶)

الجواب: اولاً محترم مختصر قیام اللیل امام مروزی کی نہیں بلکہ امام مروزی کی کتاب قیام اللیل کو علامہ مقریزی نے مختصر کیا ہے۔ (کتاب کا ٹائیٹل اور مقدمہ توجہ سے پڑھا کریں) جس میں انہوں نے اکثر و بیشتر روایات کی اسانید حذف کر دی ہیں اور مذکورہ سند بھی حذف ہے۔ معلوم نہیں یہ صحیح یا حسن یا ضعیف ھے و اللہ اعلم۔

ثانیاً: یہ روایت آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس میں صراحت ہے کہ مذکورہ تینوں بزرگ آخری عشرہ میں ایک ترویحے کا اضافہ کر دیا کرتے تھے۔ اور قنوت وتر رمضان کے نصف آخر میں کرتے تھے۔ (قیام اللیل ص۱۵۸)۔ اس کا مفہوم یہ بنا کہ وہ آخری عشرے میں ۲۴ رکعات پڑھتے تھے حالانکہ حنفی بیس ہی پڑھتے ہیں جب کہ وہ قنوت بھی نصف آخر میں کرتے تھے۔ جبکہ یہ حنفیہ کے خلاف ہے۔ جیسا کہ خود انوار صاحب نے صفحہ ۵۷۹ پر مفصل باب تحریر کیا ہے کہ قنوت وتر سارا سال پڑھی جائے۔ الغرض اگر اس کی صحیح سند ثابت بھی ہو جائے تو تب بھی یہ حنفیہ کے خلاف ہی ہے۔ فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

(۲۰) کتاب الآثار لامام ابی حنیفہ بروایت ابی یوسف ص۴۱ میں ہے کہ ابراہیم نخعی رمضان میں پانچ ترویحے (۲۰ رکعات) پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۴۷ ز۔)

الجواب: یہ روایت عن ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم کی سند سے مروی ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حماد سے کتب حماد نہیں پڑھیں بلکہ موصوف کی وفات کے بعد کتب حماد کو محمد بن جابر یمامی کے ہاں سے چوری کی تھیں اور ان سے روایات حماد بیان کرتے تھے۔ (الجرح والتعدیل ص۴۵۰ ج۸)۔

مزید یہ کہ امام ابو حنیفہؒ بحیثیت راوی سیئ الحفظ ہیں، تفصیل مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں گزر چکی ہے

اور ابو حنیفہ سے روایت کو اخذ کرنے والے قاضی ابو یوسف ہیں اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ابو یوسف میری طرف وہ باتیں منسوب کرتا ہے جو میں نے نہیں کہیں بلکہ ایک روایت کے الفاظ ہیں مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ (ابن عدی ص۲۶۰۳ ج ۷، تاریخ صغیر ص۱۰ ج ۲)۔ الغرض یہ روایت بھی سنداً ضعیف ہے۔

(۲۱) مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۳ ج ۲ میں ہے کہ امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ و تابعین کو بمع وتر ۲۳ رکعات پڑھتے دیکھا ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۴۸)

الجواب: سند میں ابن جریج راوی مدلس ہیں۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں سب سے بدتر تدلیس ابن جریج کی ہے کیونکہ یہ قبیح التدلیس ہے صرف مجروح راوی سے ہی تدلیس کرتے ہیں۔ (طبقات المدلسین ص۴۱)۔ اور تحدیث کی صراحت نہیں،

(۲۲) مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۳ ج ۲ میں مروی ہے کہ حضرت نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں ہمیں ۲۰ رکعات پڑھایا کرتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۴۸)

الجواب: اولاً مصنف میں نافع ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے۔ آپ کے علاوہ نیموی نے بھی نافع بن عمر ہی نقل کیا ہے۔ (حاشیہ آثار السنن ۲۵۴) مگر انہوں نے متن میں نافع عن ابن عمر نقل کیا ہے معلوم یوں ہوتا ہے کہ انوار صاحب کو اس سے ہی اشتباہ ہوا ہے واضح رہے کہ یہ نافع سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مولیٰ نہیں بلکہ نافع بن عمر بن جمیل الجمعی المکی ہیں یہی ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں دیکھئے۔ سیر اعلام النبلاء ص۴۲۸ ج ۷ رقم الترجمۃ ۱۱۶۴ مطبوعۃ دار الفکر بیروت) اس پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نافع سے روایت کرنے والے امام وکیع بن الجراح ہیں۔ اور امام وکیع کا شمار اس طبقہ میں ہوتا ہے جو صغیر اتباع تابعین سے ہیں ۱۲۹ھ کو پیدا ہوئے (سیر اعلام النبلاء ص۸۷ ج ۸ وتذکرہ ص۳۰۶ ج ۱ وکاشف ص۲۰۸ ج ۳) جب کہ امام نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کی پیدائش سے تقریباً ۱۲ برس قبل ۱۱۷ھ کو فوت ہو چکے تھے۔

(تهذيب ص٤١٤ ج ١٠، و سيراعلام النبلاء ص٥٦٧ ج ٥ رقم الترجمه ٦٤٨.

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام وکیع نے نافع مولیٰ ابن عمر سے یہ روایت ان کی وفات کے بعد اخذ کی تھی، لہٰذا صحیح نافع بن عمر ہے اور نافع مولیٰ ابن عمر قرار دینا قطعی طور پر غلط اور طبقات رجال سے لاعلمی پر مبنی ہے۔

ثانیاً: بلاشبہ یہ روایت سنداً صحیح ہے مگر تابعی کا قول دین میں حجت نہیں تابعین کرام سے تو بیس سے زیادہ بھی ثابت ہیں۔ امام عبد الرحمٰن بن اسود جو کبار تابعین سے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں پیدا ہوئے (تقریب ص۱۹۸)۔ چالیس رکعات تراویح اور سات وتر پڑھا کرتے تھے

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳۹۳ ج ۲) امام عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور خلافت میں ۳۶ رکعات تراویح اور تین وتر پڑھے جاتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۹۳ ج ۲) امام سعید بن جبیر ۲۴ رکعات بھی پڑھا کرتے تھے (ایضاء) بلکہ ایک روایت میں ہے کہ پہلے ۲۰ دن ۲۴ رکعات اور آخری عشرہ میں ۲۸ رکعات پڑھتے تھے، (قیام اللیل ص ۱۵۸) امام نافع فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو بمع تین وتر ۳۹ رکعات پڑھتے ہی پایا ہے، ایضا ص ۱۵۸) امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ ۴۱ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ امام صالح فرماتے ہیں کہ واقعہ حرہ سے پہلے میں نے لوگوں کو ۴۱ رکعات ہی پڑھتے پایا ہے ان میں ۵ رکعات وتر ہوتے تھے امام عمرو بن مہاجر فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز پندرہ سلاموں سے (یعنی ۳۰ رکعات) پڑھا کرتے تھے

(مختصر قیام اللیل ص ۱۵۸).

الغرض تابعین کے اقوال صرف ہمارے ہی خلاف نہیں محترم آپ کے مؤقف کو بھی رد کرتے ہیں۔ فما کان جوابکم فهو جوابنا۔

خلاصہ کلام: انوار خورشید صاحب نے بیس رکعات تراویح ثابت کرنے کے لئے دو مرفوع اور گیارہ موقوف روایات جب کہ آٹھ آثار تابعین پیش کئے ہیں ان تمام دلائل میں سے صرف علی بن ربیعہ اور ابن ابی ملیکہ تابعین کے اقوال صحیح سند سے ثابت ہیں بقایا کل دلائل غیر ثابت شدہ اور ضعیف و منقطع بلکہ بعض من گھڑت اور باطل ہیں۔ تفصیل گزر گئی ہیں مگر اس کے باوجود انوار صاحب پوری ڈھٹائی سے فرماتے ہیں کہ:

خیر القرون سے لے کر اب سے کچھ پہلے تک تمام مسلمانان عالم کم از کم بیس رکعتوں کے قائل تھے، مشرق و مغرب میں ہر جگہ تراویح بیس رکعت ہی پڑھائی جاتی رہیں (حدیث اور اہل حدیث ۶۵۹)

یہ جتنا بڑا دعویٰ ہے اس سے کہیں زیادہ یہ جھوٹ کا پلندہ اور کذب صریح ہے انوار صاحب نے اس سلسلہ میں جو بھی زیب رقم فرمایا ہے وہ محض داستان سرائی اور بے کار و فضول بھرتی ہے۔

بیس رکعات پر اجماع کا جھوٹا دعویٰ

تعداد قیام رمضان میں متعدد اقوال ہیں خاکسار نے، دین الحق ص ۵۴۲ ج ۱ میں علامہ عینی حنفی کا مفصل کلام نقل کیا ہے جس میں علامہ عینی نے دس مذاہب بیان کئے ہیں گیارہ رکعات سے لے کر اکتالیس رکعات تک کے پڑھنے والے موجود ہیں۔ دیکھئے عمدۃ القاری ص ۳۵۶ تا ۳۵۷ ج ۵) لیکن انوار صاحب، المغنی لابن قدامہ ص ۱۶۷ ج ۲، اور ارشاد الساری ص ۵۱۵ ج ۳ سے عبارات نقل کرتے ہیں اور اس پر، تراویح کے بیس رکعات ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع، کی سرخی قائم کرتے ہیں، حالانکہ

مغنی اور ارشاد الساری کے الفاظ ہیں کالاجماع (اجماع کی مانند ہیں) کے ہیں ان الفاظ کا مفاد یہ ہے کہ بیس پر اجماع نہیں بلکہ اجماع کی مثل ہے، لیکن مؤلف حدیث اور اہل حدیث، اس قدر نالائق ہے کہ اسے اصل اور مثل کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت بھی نہیں شاید یہ، زید کالاسد، میں بھی زید کو شیر ہی قرار دے گا، لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم جب کہ خود ہی آگے چل کر امام ترمذی کا قول نقل کرتا ہے کہ اہل مدینہ اکتالیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی ص۱۶۶ بحوالہ حدیث اور اہل حدیث ۶۵۱)۔

امام ترمذی کے کلام میں تحریف

انوار صاحب نے ص۶۵۰ پر امام ترمذی کا قول نقل کیا ہے اور باور یہ کرایا ہے کہ بیس رکعات پر آئمہ اربعہ کا اتفاق واتحاد ہے حالانکہ امام ترمذی کی اسی عبارت سے ہی اس دعویٰ کی نفی ہوتی ہے جتنی عبارت انوار صاحب نے درج کی ہے اس سے آگے کی عبارت کامفہوم یہ ہے کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ مختلف روایات ہیں میں اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ نہیں کرتا امام اسحاق اور ابی بن کعب چالیس رکعات کے قائل تھے۔ مفصل دیکھئے دین الحق ص۵۴۶ ج۱)۔

اس سے ظاہر ہوا کہ بیس رکعات پر قطعی طور پر اجماع نہیں ورنہ اس کا امام احمد کو ضرور علم ہوتا۔ پھر امام ترمذی مدینے والوں کا عمل ۴۱ رکعات بیان کرتے ہیں۔ اجماع کہاں ہوا۔

امام ابن تیمیہ کے کلام میں بددیانتی: امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حوالے سے انوار صاحب نے ایک عبارت نقل کی ہے لیکن اس میں بددیانتی کرتے ہوئے اپنے مخالف حصے کو ترک کر دیا ہے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

واستحب آخرون، تسعة وثلاثين ركعة، بنا على انه عمل اهل المدينة القديم وقال طائفة قد ثبت فى الصحيح عن عائشة، ان النبى صلى الله عليه وسلم لم يكن يزيد فى رمضان ولا غيره على ثلاث عشرة ركعة واضطرب قوم فى هذا الاصل، لما ظنوه من معارضة الحديث لما ثبت من سنة الخلفاء الراشدين، وعمل المسلمين، والصواب ان ذلك جميعه حسن، كما قد نص على ذلك الامام احمد رضي الله عنه وأنه لا يتوقت فى قيام رمضان عدد۔

اور دوسرے لوگ ۳۹ رکعات کو مستحب جانتے ہیں۔ یہ بنیاد بناتے ہوئے کہ قدیم سے ہی اہل مدینہ کا عمل ۳۹ پر ہے۔ اور ایک گروہ کا کہنا ہے کہ صحیح بخاری میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک قوم اضطراب کا شکار ہوئی ہے جو انہوں نے خیال کیا ہے کہ حدیث صحیح اور سنت خلفاء الراشدین اور عمل مسلمانوں میں تعارض ہے۔ اور خالص حق بات یہ ہے کہ یہ تمام طرح ہی خوب ہے جیسا کہ امام احمد کا

المراسیل ص ۶۱۰) الغرض یہ روایت بوجہ ارسال ضعیف ہے جیسا کہ علامہ البانی نے اس پر ضعیف، کا حکم لگایا ہے (الضعیفة ۲۳۴۶، ص ۳۶۹ ج ۵)۔

دوسری روایت کی سند میں، احمد بن علی الجرار، اور، محمد بن عبدالحمید التمیمی کی عدالت وثقات مطلوب ہے، اس سے نیچے کا راوی ابن قانع ہے، جو گو ثقہ ہیں مگر عمر کے آخری دو سال میں انہیں اختلاط ہوگیا تھا۔ (میزان ص ۵۳۲ ج ۲ سیر اعلام النبلاء ص ۱۵۳ ج ۱۱ تاریخ بغداد ص ۸۹ ج ۱۱) دلائل سے ثابت کیا جائے کہ مروی عنہ نے ان سے مذکورہ روایت اختلاط سے پہلے سنی تھی واضح رہے کہ شعب الایمان میں احمد بن علی الجرار ہی ہے مگر یہ درست نہیں، صحیح احمد بن علی الخراز ہے جیسا کہ خطیب نے، تاریخ، میں اس کے شاگرد، عبدالباقی بن قانع کے ترجمہ میں صراحت کی ہے، اگر ہمارا یہ اندازہ درست ہے تو احمد بن علی الخراز کو علامہ ذہبی نے، تاریخ الاسلام ص ۲۴۸ ج ۷ میں ذکر کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، جس سے معلوم ہوا کہ موصوف مجہول ہیں، اگر کہا جائے کہ امام بیہقی نے اس کی ایک دوسری سند امام محمد بن سیرین کے واسطے سے بھی بیان کی ہے، جوابا عرض ہے کہ سند میں، خلف بن ایوب، راوی ضعیف ہے (تقریب ص ۹۴) اوراس کا شاگرد عباس بن حمزہ اورابن ھانی کی عدالت و ثقات مطلوب ہے الغرض یہ روایت جہالت رواۃ اور اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۳) عن عائشة قالت کان النبی ﷺ اذا دخل العشر شد میزرہ واحیی لیلة وایقظ اھله۔

(بخاری ص ۲۷۱ ج ۱، مسلم ص ۳۷۲ ج ۱ مسند حمیدی ص ۹۷ ج ۱)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آجاتا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری مستعدی ظاہر فرماتے، رات کو زندہ کرتے (یعنی رات عبادت میں گزارتے) اور ازواج مطہرات کو بھی جگاتے، (حدیث اور اہل حدیث ۶۷۸)

الجواب: رات بھر جاگنے اور جگانے کا یہ معنی لغت کی کس کتاب میں لکھا ہے کہ تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھی تھیں۔ محترم آپ نے خود ص ۶۳۳ پر ابو داؤد کے حوالے سے حدیث درج کی ہے کہ۔

فلما کانت الثالثة جمع اھله ونساء والناس فقام بنا حتی خشینا ان یفوتنا الفلاح، قال قلت ماالفلاح قال السحور۔

جب تین دن باقی رہ گئے تو آپ نے اپنے گھر والوں، عورتوں اور دیگر لوگوں کو جمع کیا اور نماز پڑھائی۔ (یعنی ستائیسویں رات میں) اتنی لمبی نماز پڑھائی کہ ہمیں یہ اندیشہ ہونے لگا کہ ہم سے فلاح رہ جائے گی حضرت جبیر بن نفیر کہتے ہیں میں نے عرض کیا فلاح رہ جانے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا سحری مراد ہے۔

(ابو داؤدکتاب تفریع ابواب شھر رمضان، الحدیث، ۱۳۷۵ وترمذی کتاب الصوم باب ماجاء فی قیام شھر

رمضان، الحدیث ۸۰۶، ونسائی کتاب قیام اللیل باب قیام شهر رمضان الحدیث ۱۶۰۶، وابن ماجه کتاب اقامة الصلوات باب ما جاء فی قیام شهر رمضان ، الحدیث ۱۳۲۷)۔

ہم نے اس حدیث کا ترجمہ بھی انواری ہی درج کیا ہے تا کہ انکار کی گنجائش نہ رہے،اس حدیث کا تعلق نماز تراویح سے ہے،خود انوار خورشید صاحب نے بھی اسے نماز تراویح کے متعلق بیان کا ہے ، اس حدیث میں تمام چیزیں موجود ہیں۔ مثلا: الف، رمضان کا آخری عشرہ،ب، پوری رات قیام، ت، اہل و عیال کو جمع کرنا، ج، جماعت کروانا، اس کے باوجود یہ تہجد نہیں تراویح ہے۔ بلکہ یہ تہجد نہ پڑھنے کو مستلزم ہے۔ کیونکہ سحری فوت ہونے کا خدشہ ہو گیا تھا۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ساری رات عبادت کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ رکعات کو زیادہ کیا تھا، بلکہ قیام رمضان یعنی تراویح میں قیام طویل تھا۔ مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ ستائیسویں شب کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ، **فقام بنا حتی تخوفنا الفلاح**، یہ اس وجہ سے نہیں کہ تراویح آخر شب میں پڑھی گئی تھی، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس روز آپ نے تراویح کو طویل فرما دیا تھا۔

(درس ترمذی ٦٦١ ج ٢)۔

آخری عشرہ میں اہل وعیال کو جمع کر کے اول شب سے لے کر سحری کے فوت ہونے کے خدشے تک نماز تراویح ہی پڑھی گئی تو تہجد کب ادا کی گئی ثابت ہوا کہ آخری عشرہ میں رکعات کی تعداد زیادہ نہ ہوتی تھی، بلکہ قرأت لمبی کر کے قیام طویل ہوتا تھا، یہی مطلب ہے انوار صاحب کی پیش کردہ چوتھی حدیث کا کہ آخری عشرہ میں جو کوشش فرماتے تھے اتنی اس کے علاوہ رمضان کے دیگر عشروں میں نہیں فرماتے تھے۔

(مسلم شریف ص ۳۷۲ ج ۱) بحواله حدیث اور اهل حدیث ٦٧٩)۔

(۴) عن انس قال کان رسول اللهﷺ یصلی فی رمضان فجئت فقمت الی جنبه وجاء رجل فقام ایضا حتی کنا رهطا فلما حس النبیﷺ أنا خلفه جعل یتجوز فی الصلوٰة ثم دخل رحله فصلی صلاة لا یصلیها عندنا قال قلنا له حین اصبحنا افطنت لنا اللیة قال فقال نعم ذلك الذی صنعت حملنی علی الذی صنعت۔

(مسلم ۳۵۲ ج ۱)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں (ایک رات نماز پڑھ رہے تھے، میں آیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا ایک دوسرے صاحب آئے وہ بھی ساتھ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ ہم ایک گروہ بن گئے جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محسوس فرمایا کہ ہم لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہیں تو آپ نے نماز کو مختصر کر کے ختم کیا اور اپنے حجرہ مبارکہ میں تشریف لے گئے وہاں

آپ نے وہ نماز پڑھی جو آپ ہمارے پاس نہیں پڑھتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو ہم نے آپ کے سامنے عرض کیا کہ حضور! کیا آپ نے رات ہماری کیفیت اور حالت کو سمجھ لیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں اسی چیز نے مجھے اس پر آمادہ کیا تھا جو میں نے کی۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۸۰)

الجواب: حدیث میں فصلی صلاۃ لا یصلیھا عندنا، واقع ہوا ہے، یتجوز فی الصلاۃ، کے بالمقابل۔ لہٰذا اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ گھر جا کر ایسی نماز پڑھی جیسی ہمارے ساتھ نہ پڑھتے تھے۔ یہی معنی دیوبندی مکتب فکر کے معروف عالم مولانا عابد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی صاحب نے (ترجمہ صحیح مسلم ص۳۷ ج۲ مطبوعہ قرآن محل کراچی) میں اور مولوی غلام رسول سعیدی بریلوی نے، شرح صحیح مسلم ص۸۸ ج۳ (مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور ۱۹۹۵ھ) میں کیا ہے بلکہ دیوبندی مولوی محمد زکریا اقبال صاحب نے اس کا ایسا تشریحی معنیٰ کیا ہے کہ آپ گھر تشریف لے گئے اور ایسی طویل نماز پڑھی کہ ہمارے ساتھ ایسی نہ پڑھتے (تفہیم المسلم ص۱۲۳ ج۲، طبع دار الاشاعت کراچی ۲۰۰۵ء) اس ترجمہ پر غور کریں کہ انہوں نے انوار صاحب کی تحریف کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔ الغرض آپ نے معنوی تحریف کر کے اپنا مدعا ثابت کرنے کی فضول اور بے کار کوشش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حنفیت کی گاڑی چلتی ہی اسی طرح کی ہیرا پھیریوں کے پٹرول سے ہے، ہماری تو دعا ہے کہ اللہ انہیں ہدایت دے۔ آمین یا الہ العلمین

(۵) انوار صاحب فرماتے ہیں۔ صحابہ کرام کے ساتھ جو نماز پڑھی تھی۔ وہ تراویح تھی جو اس سے فارغ ہو کر حجرہ مبارکہ میں جا کر تنہا پڑھی تھی وہ تہجد تھی کیونکہ آپ کا معمول تھا کہ آپ تہجد اپنے حجرہ مبارکہ ہی میں پڑھا کرتے تھے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

کان رسول اللہ ﷺ یصلی من اللیل فی حجرتہ

(الحدیث بخاری ص۱۰۱ ج۱)۔

رسول اللہ ﷺ رات کے وقت اپنے حجرہ مبارکہ ہی میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ حدیث اور اہل حدیث ۶۸۰۔

الجواب: اولاً انوار صاحب کا متن روایت درج کرنے سے پہلے کا کلام باطل و مردود ہے ہم سابقہ روایت کے جواب میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ انوار صاحب نے بے نور تحریف کی ہے۔

ثانیا: اگر اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تہجد گھر میں ہی ادا کرتے تھے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کے تراویح تہجد ہی ہے، پوری حدیث ہمارے مؤقف کی ترجمانی کرتی ہے، ملاحظہ کیجئے۔

عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ ﷺ یصلی من اللیل فی حجرتہ وجدار الحجرۃ

قصیر فرأی الناس شخص النبی ﷺ فقام ناس یصلون بصلاته فاصبحوا فتحدثوا بذلك فقام لیة الثانیة فقام معه الناس یصلون بصلاته صنعوا ذلك لیلتین اوثلثا حتی اذا کان بعد ذلك جلس رسول الله ﷺ فلم یخرج فلما اصبح ذکر ذلك الناس فقال انی خشیت ان تکتب علیکم صلوة اللیل۔ (بخاری ص۱۰۱ ج۱)۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو اپنے حجرے میں نماز پڑھا کرتے تھے اور حجرے کی دیوار پست تھی۔ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کا جسم اطہر دیکھ لیا اور کچھ لوگ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھتے رہے جب صبح ہوئی تو اس کا چرچا کرنے لگے پھر دوسری رات آپ علیہ التحیۃ والسلام کھڑے ہوئے تب بھی چند لوگ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نماز پڑھتے رہے، دو یا تین راتوں تک وہ ایسا ہی کرتے رہے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ بیٹھے رہے اور نماز کے مقام پر تشریف نہیں لائے، جب صبح ہوئی تو لوگوں نے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا میں ڈر گیا کہیں رات کی نماز تم پر فرض نہ ہوجائے،

(بخاری کتاب الاذان باب اذا کان بین الامام و بین القوم حائط اور سترہ، الحدیث ۷۲۹)۔

اس حدیث پر غور کریں انوار صاحب کا اقرار ہے یہ نماز تہجد تھی۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں تہجد ہی تھی مگر باجماعت ہوئی، دو دن جماعت کرائی اور تیسرے دن بوجہ نہیں کروائی۔ علل الحدیث پر اگر نگاہ رکھی جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رمضان المبارک کا ہے۔ جیسا کہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التہجد میں مفصل روایت لاکر اس کی وضاحت کردی ہے انوار صاحب نے بھی صفحہ ۶۳۲ پر بخاری و مسلم کے حوالے سے اس روایت کو درج کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رمضان میں واقعہ پیش آیا تھا۔ خورشید صاحب نے جس حدیث کا نصف حصہ درج کیا ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ,, خشیت ان تکتب علیکم،، ان الفاظ کا مفاد بھی یہی ہے آپ کے محدث شہیر جناب علامہ کاشمیری فرماتے ہیں۔

,,فمعناه خشیت ان تکتب علیکم صلاتکم هذه فی رمضان ،،۔ یعنی خشیت کا معنی ہے کہ تمہاری یہ نماز رمضان کے مہینے میں فرض نہ کردی جائے، مجھے اس کا خدشہ ہے۔ (فیض الباری ص۲۳۹ ج۲ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ آپ گھر میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ اسے آپ علیہ السلام نے ایک بار رمضان میں گھر کے صحن میں ادا کیا تو لوگوں نے اقتداء کرلی۔ آپ علیہ السلام نے دوسرے دن جماعت کروائی مگر تیسرے روز بوجہ نہیں کرائی اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ نماز تراویح تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے۔ مگر انوار صاحب اسے تہجد تو تسلیم کرتے ہیں مگر تراویح کی نفی

کرتے ہیں پھر اثبات مدعا کے لئے پوری حدیث درج نہیں کرتے کہیں بھانڈا چوراہے میں نہ پھوٹ جائے، یہ اہل علم کا شیوہ نہیں بلکہ شعبدہ بازی ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ انوار صاحب کی اس دلیل سے تہجد اور تراویح کا ایک ہی نماز ہونا ثابت ہے، اگر ان کا دل نہیں مانتا تو بہانے ہزار ہیں۔

(۶) عن قیس بن طلق قال زار نا طلق بن علی فی یوم من رمضان وامسیٰ عندنا وافطر ثم قام بنا تلک اللیة واوتر بنا ثم انحدر الیٰ مسجده فصلی باصحابه حتی اذا بقی الوتر قدم رجلا فقال اوتر باصحابك فانی سمعت رسول اللهﷺ یقول لا وتران فی لیلة۔

(ابو داؤد ص۲۰۳ ج۱)۔

حضرت قیس بن طلق فرماتے ہیں کہ (ہمارے والد) طلق بن علی رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں ایک روز ہمارے گھر تشریف لائے اورشام کو ہمارے ہاں ہی روزہ افطار کیا آپ نے اس رات ہمیں نماز پڑھائی اور وتر بھی پڑھائے پھر آپ اپنی مسجد میں چلے گئے اور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی حتی کہ جب وتر باقی رہ گئے تو ایک صاحب کو آگے کر دیا اور فرمایا کہ اپنے ساتھیوں کو وتر پڑھاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک رات میں دو دفعہ وتر پڑھنے جائز نہیں۔ وجہ استدلال میں ارشاد فرماتے ہیں اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ نماز جو وتر سمیت پڑھی تھی وہ تراویح تھی اور دوسری نماز جو آپ نے اپنی مسجد میں جا کر پڑھی تھی وہ تہجد تھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۸۱)

الجواب: اولاً انوار صاحب کے نزدیک تہجد اور تراویح میں یہ فرق ہے کہ تراویح رات کے ابتداء میں جب کہ تہجد رات کے آخری حصہ میں پڑھی جاتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۸۶) مگر انوار صاحب نے جو دلیل درج کی ہے اس میں اس کی وضاحت نہیں کہ پہلی جماعت رات کے پہلے پہر میں جب کہ دوسری جماعت آخری شب میں ہوئی تھی، بلکہ روایت کے ظاہری الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دونوں جماعتیں اول شب میں کرائی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ سندھی نے اس کو فرض اور نفل دونوں پر محمول کیا ہے۔اور اس سے نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض ادا کرنے کا مسئلہ مستنبط کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ

الظاهر انه صلی بهم الفرض والنفل جمیعا فیکون اقتداء القوم به فی الفرض اقتداء المفترض بالمتنفل۔

(حاشیہ سندھی علی النسائی ص۲۴۷ ج۱طبع مجتبائی دہلی ۱۳۵۰ھ)۔

علامہ سندھی کا منشاء یہ ہے کہ سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ کو جس عقیدت کی وجہ سے امام بنایا گیا۔ اس کا تقاضا ہے کہ فرض اور نفل دونوں نمازیں انہوں نے ہی پڑھائی ہوں اگر فرض اور نوافل الگ الگ

اماموں کی اقتدا میں ادا کی گئی ہوتیں تو راوی اس کی خبر دیتا کہ جیسا اس نے وتر کے متعلق وضاحت کی ہے۔

ثانیا: اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ دوسری جماعت آخری شب کو ہوئی تھی تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ہر آخری شب کو پڑھی گئی نماز تہجد ہی ہوتی ہے نبی مکرم ﷺ نے تین دن تراویح کی جماعت کروائی ہے اس کو خود انوار صاحب نے ص۶۳۲ پر بخاری ص۲۶۹ ج۱، مسلم ص۲۵۹ ج۱ کے حوالے سے نقل کی ہے ہم صرف انواری ترجمہ نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ درمیانی رات میں گھر سے تشریف لے گئے آپ نے مسجد میں نماز پڑھی اور آپ کے پیچھے لوگوں نے بھی وہی نماز پڑھی جب صبح ہوئی تو لوگوں نے (پچھلی رات کی نماز کا) آپس میں تذکرہ کیا چنانچہ دوسری رات پہلے سے زیادہ تعداد ہوگئی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۲۳)

محترم نے جس حدیث کا ترجمہ کیا ہے وہ بخاری و مسلم میں مروی ہے اور اس میں جوف اللیل، کے الفاظ ہیں جس کا موصوف نے معنی، درمیانی رات، کیا ہے۔ اور آگے چل کر ،،درمیان،، کی وضاحت بریکٹ میں، پچھلی رات کی نماز، کی ہے انوار صاحب کے اس اقبال دعویٰ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ نبی مکرم ﷺ نے جن ایام میں تراویح پڑھائی تھیں اس میں پہلی رات آخری شب میں پڑھائی تھیں بلفظ دیگر آخری شب میں بھی تراویح جائز اور سنت سے ثابت ہے۔ خود فقہ حنفی کی عام متداول کتب میں اس کی صراحت ہے۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے۔

والصحیح أن وقتهاما بعد العشاء الی طلوع الفجر قبل الوتر وبعد، یعنی درست اور خالص حق بات یہ ہے کہ نماز تراویح کا وقت عشاء کے بعد طلوع فجر تک ہے نماز وتر سے پہلے یا بعد (دونوں طرح جائز ہے)۔ (فتاویٰ عالم گیری ص۱۱۵ ج۱)۔

یہی عبارت ہدایہ مع فتح القدیر ۴۰۸ ج۱ میں ہے بلکہ آگے لکھا ہے ,,**لانها نوافل** ،،کیونکہ یہ نفلی عبادت ہے، درمختار میں ہے۔ **ووقتها بعد صلاة العشاء الیٰ الفجر قبل الفجر،** اس کے حاشیہ میں ابن عابدین فرماتے ہیں۔ **الی فجر هذا آخر وقتها ولا خلاف فیه کما فی النهر،** (فتاویٰ شامی ص۴۴ ج۲)۔ حنفیہ کے امام اسماعیل زاہد المتوفی ۴۰۲ھ فرماتے ہیں کہ، **ان جمیع اللیل الی طلوع الفجر وقت لها،** (بحوالہ فتاویٰ قاضی خاں ص۲۳۵ ج۱)۔

ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں کہ اس میں تین قول ہیں (۱) پوری رات نماز تراویح کا وقت ہے یہ اسماعیل الزاہد وغیرہ کا قول ہے۔ (۲) عام مشائخ بخارا کا قول ہے کہ اس کا وقت نماز عشاء، اور وتر کے درمیان ہے۔ (۳) آخری قول یہ ہے کہ وتر کے بعد بھی تراویح کا وقت ہے۔ کافی میں اسے جمہور حنفیہ

کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس کی تصحیح ہدایہ، خانیہ، محیط، وغیرہ میں کی گئی ہے
(البحر الرائق ص٦٧ ج٢)۔

علامہ کا سانی فرماتے ہیں کہ بعض کا خیال ہے کہ نصف رات کے بعد تک اس کی تاخیر کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ عشاء کی نماز کے تابع ہے اور عشاء کی نماز کو نصف رات کے بعد تک لیٹ کرنا مکروہ ہے لہٰذا تراویح بھی نصف رات کے بعد تک مکروہ ہے۔

والصحیح لا یکرہ لانھا، قیام اللیل وقیام اللیل فی آخر اللیل افضل، اور صحیح بات یہ ہے کہ مکروہ نہیں کیونکہ تراویح، قیام اللیل ہے اور قیام اللیل کا رات کے، آخر میں پڑھنا افضل ہے (بدائع الصنائع ص۲۸۸ ج۱)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اکابر احناف کے نزدیک تراویح کا وقت پوری رات ہے اور اسی پر اکابر علمائے دیوبند کا فتویٰ ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ وقت تراویح کا نماز عشاء کے بعد ہے فجر تک وتر سے پہلے اور پیچھے اصح مذہب میں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص۲۶۰ ج۴)۔

مفتی رشید احمد صاحب لدھیانی فرماتے ہیں۔ **قال فی التنویر ووقتھا بعد صلاۃ العشاء قبل الوتر وبعدہ،** (احسن الفتاویٰ ص۴۹۷ ج۳)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ نماز تراویح کا وقت حنفیہ کے نزدیک بعد نماز عشاء ہے۔ جو طلوع فجر تک باقی رہتا ہے۔ خواہ اسے وتر سے پہلے پڑھا جائے یا بعد میں پڑھ لیا جائے، گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ اگر بالفرض سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے دوسری بار جماعت آخری شب میں بھی کی ہو تب بھی یہ تراویح ہی ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب کا اسے تہجد پر محمول کرنا حنفی مذہب کے بھی خلاف ہے۔ کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک تراویح کے علاوہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے، **التنفل بالجماعۃ غیر التراویح مکروہ عندنا،** یعنی تراویح کے علاوہ نوافل کی جماعت ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔

(فتاویٰ قاضی خاں برحاشیہ عالم گیری ص۲۳٤ ج۱ فصل فی مقدار التراویح)۔

یہی وجہ ہے کہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب حدیث طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

واما اداء طلق بن علی صلاۃ التراویح مرتین فیمکن ان یوجہ انہ صلی عند ابنہ قیس بن طلق بعضھا مع الوتر ثم صلی ما بقی منھا باصحابہ فی مسجد۔

اور رہا سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ کا نماز تراویح دوبارہ پڑھنا تو یہ ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ انہوں نے اپنے بیٹے قیس بن طلق کے ہاں تراویح کا کچھ حصہ بمع وتر پڑھا ہو اور باقی رکعات تراویح مسجد میں اپنے دوستوں کے ساتھ ادا کی ہوں۔ (بزل المجہود ص۳۳۳ ج۲)۔

(۷) تہجد کی مشروعیت قرآن سے ہوئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ومن اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک۔ ۱۷-۷۹)۔

اور رات کے ایک حصہ میں تہجد پڑھا کیجئے یہ خالص آپ کے لئے۔ایک زائد چیز ہے،، تراویح کی مشروعیت حدیث سے ہوئی ہے حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کا تذکرہ کیا اور فرمایا:

شھر کتب اللہ علیکم صیامہ وسنت لکم قیامہ ۔ (ابن ماجہ ص۹۵)۔

رمضان المبارک ایسا مہینہ ہے جس کے روزے کو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیا ہے اور اس کے قیام (تراویح) کو میں نے تمہارے لئے مسنون کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۸۶)

الجواب: اولاً قیام رمضان کی مسنونیت حضور علیہ السلام نے اپنی طرف منسوب کی، محترم اس سے اگر ثابت ہوتا ہے تو قیام رمضان کی ترغیب ثابت ہوتی ہے نہ کہ قیام رمضان اور تہجد کا علیحدہ علیحدہ ہونا جیسے آپ علیہ السلام نے قیام رمضان کی ترغیب دی ہے ویسے ہی لیلۃ القدر کی رات کے قیام کی بھی ترغیب دی ہے۔(بخاری ۱۹۰۱ مسلم ۱۸۷۱) تو کیا قیام رمضان اور قیام لیلۃ القدر الگ الگ دو چیزیں ہیں ۔

ثانیا: پانچ نمازیں معراج کی رات کو مکہ مکرمہ میں فرض ہوئیں جب کہ جمعہ کی فرضیت اس کے بعد ہوئی اور جمعہ ظہر کا قائم مقام ہے جس نے جمعہ پڑھ لیا اس پر ظہر کی فرضیت نہ رہی۔ گو جمعہ اور ظہر کی تعریف و احکام میں فرق ہے مگر ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ فرائض میں تداخل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح نوافل میں بھی تداخل ہو جانا مسلمہ حقیقت ہے۔ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی فرماتے ہیں چونکہ نوافل میں تداخل ہوجاتا ہے، اور ایک نماز دوسری کے قائم مقام ہوجاتی ہے اس لئے اگر کسی شب میں تمام رات تراویح پڑھے تو تہجد بھی اس میں ادا ہوجاتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند مدلل ومکمل ص۲۸۵ ج۴)۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر ساری رات قیام ہو تو تب دیوبندیوں کے نزدیک تراویح وتہجد ایک ہی چیز ہے۔ ایک کے ادا ہونے سے دوسری خود بخود ادا ہوجاتی ہے اور یہ کہ نوافل میں تداخل بھی ممکن ہے۔ گو فی نفسہ علیحدہ علیحدہ ہوں لہٰذا اگر تراویح وتہجد کو بھی ایک دوسرے میں ضم تسلیم کرلیا جائے تو تقلیدی مذہب پر کوئی آفت نہیں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

ثالثاً: آپ کی پیش کردہ روایت منقطع وضعیف ہے تفصیل حسب ذیل ہے۔ امام ابوسلمہ ۲۹ھ کو

پیدا ہوئے اور ۹۴ھ میں فوت ہوئے ۔ (تقریب ۴۰۹) اور ان کے والد سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا انتقال ۳۲ھ میں ہوا (تقریب ص ۲۰۸) گویا ابوسلمہ اپنے والد کی وفات کے وقت تین چار سال کے بچے تھے، یہی وجہ ہے کہ امام علی بن مدینی امام احمد امام ابن معین امام ابو حاتم امام یعقوب امام ابو داؤد کہتے ہیں کہ ابوسلمہ کی اپنے والد سے روایات مرسل ہیں۔ امام ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ ان کا اپنے والد سے سماع نہیں اور جو روایات نضر بن شیبان (انوار صاحب کی نقل کردہ) نے ذکر کی ہے اور اس میں سماع کی صراحت ہے وہ مذکورہ آئمہ ومحدثین کرام کے نزدیک صحیح نہیں۔

(تہذیب التہذیب ص ۱۱۷ ج ۱۲)۔ الغرض یہ روایت مرسل ہے۔ مزید برآں ابوسلمہ سے روایت کرنے میں، نضر بن شیبان، منفرد ہے۔ جیسا کہ امام دارقطنی نے صراحت کی، (العلل الواردۃ فی الاحادیث النبویہ ص ۲۸۳ ج ۴، رقم الحدیث ۵۶۵) حافظ ابن حجر نے (النکت الظراف ص ۲۱۵ ج ۷ رقم الحدیث ۹۷۲۹) میں امام دارقطنی کا یہ محدثانہ فیصلہ نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اسے بیان کرنے میں نضر منفرد ہے اور نضر بن شیبان عند المحدثین ضعیف ہے۔ امام ابن معین فرماتے ہیں کہ اس کی مرویات ہیچ محض ہیں۔ (تہذیب ص ۴۳۷ ج ۱۰)۔

امام دارقطنی نے، العلل، میں صراحت کی ہے کہ ابوسلمہ سے یہی راویت امام زہری نے بھی روایت کی ہے جس میں **وسنت للمسلمین قیامه** کے الفاظ نہیں ہیں، (العلل ص ۲۸۴ ج ۴)۔ امام نسائی نضر بن شیبان کی روایت درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ خطا ہے، درست ابوسلمہ عن ابی ہریرہ ہے۔ سنن نسائی مجتبیٰ کتاب الصیام باب ذکر اختلاف یحییٰ بن ابی کثیر والنضر بن شیبان فیہ الحدیث ۲۲۱۰) نضر کی روایت سے قبل امام نسائی نے یحییٰ کی روایت کو درج کیا ہے۔ اور زھری کی روایت کو امام مسلم نے (کتاب صلاۃ المسافرین بالترغیب فی قیام رمضان الحدیث ۱۷۸۰) میں روایت کیا ہے اس میں، **وسنت لکم قیامه**، کے الفاظ نہیں ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ انوار صاحب نے جن الفاظ سے استدلال کیا ہے۔ وہ متن حدیث میں منکر ہیں۔

(۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد ہمیشہ اخیر رات میں پڑھا کرتے تھے چنانچہ مسروق فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا **متی کان یقوم قالت کان یقوم اذا سمع الصارخ** (بخاری ص ۱۵۲ ج ۱) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کس وقت اٹھا کرتے تھے آپ نے فرمایا: جب کہ مرغ کی اذان سنتے تھے۔ اس کے برعکس نماز تراویح آپ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین، دیگر صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین اور علماء امت ہمیشہ شروع رات میں پڑھی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۸۶)

الجواب: اولاً مذکورہ حدیث سے تہجد کو رات کے آخیر پر خاص کرنا درست نہیں اس لئے کہ مرغ کی اذان آدھی رات کے قریب ہوتی ہے۔ کبھی پہلے دے دیتا اور کبھی کبھار بعد میں دیتا ہے، دیہات

کے رہنے والے حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں۔
اور امام محمد بن ناصر بھی فرماتے ہیں کہ مرغ اذان آدھی رات کو کہتا ہے (فتح الباری ص۱۳ ج۴)۔
اگر اسے رات کے آخری حصے پر محمول کریں تو تب بھی یہ اکثر احوال پر محمول ہے۔
ثانیا: قرآن مجید کی سورۃ مزمل میں قیام اللیل کا اندازہ دو ثلث رات بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اور دو ثلث تب ہی ممکن ہے جب اول رات سے شروع ہو اور تراویح میں اول شب سے مراد یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سورج غروب ہوتے ہی شروع کر دیتے تھے۔ بلکہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد ہے جس میں ایک حصہ رات کا گزر جاتا ہے۔ لہٰذا مراد اول شب سے نصف رات سے پہلے ہے اور وہی قرآن سے ثابت ہے۔ کیونکہ دو تہائی تب ہوگی جب نصف سے پہلے شروع کرے، پس تہجد اور تراویح میں فرق نہ رہا۔ پھر ایک دلیل تو وہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گیارہ رکعت والی ہے جو فصل اول میں گزر چکی ہے اس کے علاوہ کئی اور احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) عن عائشة قالت كل الليل اوتر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وانتهى وتره الى السحر۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر رات کے ہر حصے میں پڑھا ہے اور آخیر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے وتر کی انتہاء سحری تک تھی۔

(بخاری كتاب الوتر باب ساعات الوتر الحديث ۹۹۶)، مسلم كتاب صلاة المسافرين باب صلاة الليل وعدد ركعات...... الحديث ۱۷۳۶)۔

(۲) عن عائشة قالت من كل الليل قد اوتر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من اول الليل وا وسطه وآخره، فانتهى وتره الى السحر۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رات کے ہر حصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھا، رات کے شروع میں، درمیان میں، آخر میں اور آپ علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وتر کی انتہاء سحری تک تھی۔ (مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب سابق الحدیث ۱۷۳۷)۔

(۳) عن جابر قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من خاف ان يقوم من آخر الليل فليوتر اوله ومن طمع ان يقوم آخره فليوتر آخر الليل، فان صلاة آخر الليل مشهودة وذلك افضل۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو خوف ہو کہ وہ رات کے آخر میں اٹھ نہیں سکتا، وہ وتر رات کے پہلے حصے میں پڑھ لے اور جسے یہ طمع و لالچ ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں اٹھے گا وہ رات کو اٹھ کر وتر پڑھے، بے شک رات کے آخری حصے کی نماز حاضر کی گئی ہے اور یہ افضل ہے۔

(مسلم كتاب صلاة المسافرين باب من خاف ان لايقوم من آخر الليل فليوتر اوله الحديث ۱۷۶۶)۔

(۴) عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت کان رسول اللہ ﷺ یصلی فیما بین ان یفرغ من صلاة العشاء الی الفجر، احدی عشرة رکعة یسلم بین کل رکعتین ویوتر بواحدة الحدیث۔

نبی مکرم ﷺ کی بیوی محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے درمیان سے لے کر نماز فجر تک گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے۔ اور وتر ایک پڑھتے تھے۔ الحدیث

(مسلم کتاب صلاة المسافرین باب صلاة اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل، و ان الوتر رکعة وان الرکعة صلاة صحیحة، الحدیث ۱۷۱۷)۔

(۵) عن ابن عباس قال بت فی بیت خالتی میمونة بنت الحارث زوج النبی ﷺ وکان النبی ﷺ عندها فی لیلتها فصلی النبی ﷺ العشاء ثم جاء الی منزله فصلی اربع رکعات ثم نام ثم قام، ثم قال، نام الغلیم، اوکلمة تشبهها، ثم قام فقمت عن یساره فجعلنی عن یمینه فصلی خمس رکعات ثم صلی رکعتین ثم نام حتی سمعت غطیطة او خطیطة، ثم خرج الی الصلاة۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ سیدہ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے پاس رات بسر کی جو نبی مکرم ﷺ کی بیوی محترمہ تھیں، اور اس رات آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی انہی کے پاس تھے۔ آپ علیہ السلام نے عشاء کی نماز پڑھی پھر گھر تشریف لائے اور چار رکعتیں پڑھیں پھر سوگئے۔ پھر (بیدار ہوکر) اٹھے اور فرمایا کہ کیا بچہ سو گیا ہے؟ یا کچھ ایسا ہی فرمایا: پھر (نماز کے لے) کھڑے ہوئے میں بھی آپ علیہ السلام کے بائیں پہلو میں کھڑا ہوا۔ آپ علیہ السلام نے مجھے اپنی دائیں طرف کردیا۔ اور پانچ رکعات پڑھیں۔ پھر دو رکعت (فجر کی سنتیں) پڑھیں اور سوگئے۔ یہاں تک کہ میں نے خراٹے کی آواز سنی پھر (مسجد میں صبح کی) نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ (بخاری کتاب العلم باب السمر بالعلم الحدیث ۱۱۷)۔

ان احادیث پر غور کریں تو ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے رات کے ہر حصے میں وتر پڑھا ہے اور ان احادیث میں وتر بمعنی تہجد ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز عشاء سے فارغ ہونے سے لے کر طلوع فجر تک گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان سے ثابت ہوا کہ درمیان میں سو بھی جایا کرتے تھے۔ پھر آپ علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ کیا بچہ سو گیا ہے؟ اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ یہ اول شب کا واقعہ ہے اگر آخر شب کا ہوتا تو یہ سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی ،خود انوار صاحب کو مسلم ہے کہ نماز تہجد پر بھی وتر کا لفظ بولا گیا

ہے۔ چنانچہ سنن ابوداؤد ص ۱۹۳ ج ۱ وغیرہ سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چار اور تین چھ اور تین آٹھ اور تین دس اور تین کے ساتھ آپ کی وتر کی رکعتیں نہ سات سے کم ہوتی تھیں، اور نہ تیرہ سے زیادہ ،اس کے بعد فرماتے ہیں۔اس روایت میں تہجد اور وتر دونوں پر وتر کا اطلاق کیا گیا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۶۸۸)

(۶) عن حمید انه سمع انسا رضی اللہ عنہ یقو ل کان رسول اللہ ﷺ یفطر من الشهر حتی نظن ان لا یصوم منه ویصوم حتی نظن ان لایفطر منه شئیا، وکان لاتشاء تراه من اللیل مصلیا الا رایته ولا نائما الا رایته۔

امامؒ حمید بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ مہینہ سے افطار کرتے حتی کہ ہم گمان کرتے کہ اب (اس ماہ سے) روزہ نہیں رکھیں گے اور آپ علیہ السلام روزہ رکھتے حتی کہ ہم خیال کرتے کہ اب (اس ماہ سے) افطار نہیں کریں گے اور تو چاہتا کہ آپ علیہ السلام کو رات میں نماز نہ پڑھتے دیکھے۔مگر دیکھ لیتا اور اگر تو نہ چاہتا کہ رات کو سوئے ہوئے دیکھے، دیکھ لیتا۔

(بخاری کتاب الصوم باب مایذکر من صوم النبی ﷺ وافطاره الحدیث ۱۹۷۲)۔

حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا قول کہ تو نہ چاہتا کہ آپ کو رات میں نماز پڑھتا دیکھے مگر دیکھ لیتا، اس کا مطلب ہے کہ آپ علیہ السلام کی نماز اور نیند مختلف ہوتی تھی، اس کا ایک معین وقت نہ تھا بلکہ جیسا اتفاق پڑا کر لیتے۔ اورسیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ آپ مرغ کی اذان سن کراٹھتے تھے، یہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں۔ کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کی خبر دی ہے جس کا انہیں علم تھا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی رات کی نماز اکثر گھر میں ہوتی تھی۔ اورسیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث باہر پرمحمول ہے۔ (فتح الباری ص ۱۷۵ ج ۴)۔

(۷) سیدنا جابر بن عبد اللہ سے سفر حدیبیہ سے واپسی کی ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ۔

فقام فصلی العتمة، ثم صلی بعدها ثلاث عشرة سجدة ، نبی مکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور عشاء کی نماز پڑھی پھر تیرہ رکعات (تہجد) پڑھیں۔

(مسند احمد ص ۳۸۰ ج ۳، ابو یعلی ص ۴۵۱ ج ۲)۔

حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ (المطالب العالیہ ص ۲۳۶ ج ۴)۔

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ نماز تہجد کو اول شب بھی پڑھا جاسکتا ہے اور نبی مکرم ﷺ نے خود بھی پڑھا ہے۔ گو افضل رات کے آخری حصے میں پڑھنا ہے لیکن یہاں بحث فاضل ومفضول کی نہیں بلکہ

کیفیت میں فرق آتا ہے کہ جنس میں آتا ہے، محترم بعض افراد کا جنازہ چند حضرات پڑھتے ہیں جب کہ بعض کے جنازہ پر بہت زیادہ افراد ہوتے ہیں، تو کیا پہلے کو جنازہ نہ قرار دیں گے۔ پھر غور کریں اور سادی زبان میں اس طرح سمجھ لیں کہ عصر کی نماز کے وقت دیوبندی مسجد میں امام سمیت تین نمازی تھے۔ جب کہ بریلوی مسجد میں تین سو نمازی تھے۔ تو کیا انوار صاحب اس افرادی فرق کو پلے باندھ کر دونوں مساجد کی نمازوں کو الگ الگ قرار دیں گے۔

ثالثاً: پھر یہ بھی خالصا جھوٹ ہے کہ نماز تراویح کو جماعت کثیرہ کے ساتھ ادا کیا ہے۔ محترم آپ اپنا لکھا ہوا بھول گئے ہیں۔ مگر ہم نہیں بھولے، آپ نے بخاری ص۲۶۹ ج۱ و مسلم ص۲۵۹ ج۱ سے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ درمیان رات میں گھر سے تشریف لے گئے۔ فصلی فی المسجد وصلی رجال بصلوٰته، آپ نے مسجد میں نماز پڑھی اور آپ کے پیچھے لوگوں نے بھی وہی نماز پڑہی، (حدیث اوراہل حدیث ۶۳۲)

یہ پہلی رات کا واقعہ ہے۔ اس میں، رجال، کا لفظ ہے جو چند افراد پر دلالت کرتا ہے اگر جماعت کثیرہ ہوتی تو حدیث میں طائفة سیاسیة، حذب، عصابه ، فرقة، فئة، جماعته وغیرہ الفاظ ہوتے الغرض آپ کا جماعت کثیرۃ کی قید لگانا محض دھوکہ اور غلط بیانی ہے۔

(۱۰) تراویح وہ نماز ہے جو عشاء کے بعد سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۸۷)۔

الجواب: اولاً نماز تہجد کا سونے سے پہلے پڑھنے کا ثبوت ہم موصوف کی دلیل نمبر ۸ میں دے چکے ہیں، اسے وہاں سے دیکھ لیا جائے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ثانیا: نماز تراویح سونے کے بعد پڑھنا بھی ثابت ہے۔ محترم آپ نے خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بحوالہ بخاری ص۲۶۹ ج۱ مسلم ص۲۵۹ ج۱ درج کی ہے جس میں پہلی رات کے متعلق یہ الفاظ مروی ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج لیلة من جوف اللیل فصلی فی المسجد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ درمیانی رات میں گھر سے تشریف لے گئے آپ نے مسجد میں نماز پڑھی۔

(حدیث اور اہل حدیث ۶۳۲)

محترم حدیث پر غور کریں اس میں، جوف اللیل کے الفاظ ہیں، عربی زبان میں یہ لفظ آدھی رات پر بولا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے دن تراویح ادا کرنے کے لئے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کو گھر سے مسجد میں تشریف لائے۔ جب کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عام معمول جو تھا وہ نماز عشاء کے فورا

بعد سو جانے کا تھا۔

علامہ شبلی فرماتے ہیں۔

عام معمول یہ تھا کہ آپ اول وقت نماز عشاء پڑھ کر آرام فرماتے تھے...... آدھی رات یا پہر رات رہے جاگ اٹھتے۔ (سیرۃ النبی ص ۲۹ ج ۲ مطبوعۃ مکتبہ الفیصل لاہور ۱۹۹۱ء)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

کان ینام اوله ویقوم آخره۔

یعنی رات کے پہلے حصے میں سو جاتے تھے اور آخری میں بیدار ہوتے تھے۔

(بخاری رقم الحدیث ۱۱۴۶ مسلم رقم الحدیث ۱۷۲۸)۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ **کان ینام اول اللیل ثم یقوم۔** یعنی رات کے پہلے حصے میں سو جاتے پھر اٹھ جاتے۔ (نسائی رقم الحدیث ۱۶۸۱)۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ رات کے تین حصے ہوتے ہیں۔ اول و آخر اور درمیانی، جب کہ جوف اللیل، رات کا درمیانی حصہ ہے۔ اور اسی درمیانے حصے میں ہی آپ نے پہلے دن تراویح پڑھائی ہے اس سے ثابت ہوا کہ آرام کرنے کے بعد نماز تراویح پڑھائی، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عام معمول سے ہٹ کر کسی خارجی دلیل قطعی یا ظنی سے انوار صاحب ثابت کریں کہ تراویح پڑھانے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام نہیں کیا۔ قرآن نے قیام اللیل کا اندازہ دو ثلث بیان کیا ہے۔ اور حدیث جوف اللیل سے ثابت ہوا کہ دوسرے اور تیسرے ثلث میں قیام کیا تھا جیسا کہ انوار صاحب کو بھی مسلم ہے چنانچہ انہوں نے بریکٹ میں وضاحت کی ہے کہ لوگوں نے (پچھلی رات کی نماز کا) آپس میں تذکرہ کیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۳۲)۔

عمومی دلائل سے سونا بھی ثابت ہوا قیام بھی نصف آخر میں ہوا تو تہجد کس بلا کا نام ہے۔ یہی تراویح تھی۔ الغرض تہجد و تراویح کا جو انوار صاحب نے مصنوعی فرق بتایا ہے وہ غلط ہے۔

(۱۱) تہجدؒ کی رکعات کم زیادہ ہوتی رہتی ہیں حتمی طرح پر متعین نہیں اس کے برعکس تراویحؒ کی کم از کم بیس رکعات مسنون ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۸۸)

<u>الجواب</u>: تہجد کی عمومی رکعات آٹھ ہی ہوتی تھیں جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے۔ ہاں وقت کی تنگی کی وجہ سے اس میں کمی کر لی جائے تو جائز ہے جس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

عن ابن عمران رجلا سال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن صلاۃ اللیل، فقال علیہ السلام صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ فاذا خشی احدکم الصبح صلیٰ رکعة واحدة توتر له ما قد صلی۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کے متعلق

سوال کیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور جب تم میں سے کسی ایک کو صبح ہونے کا ڈر ہو تو ایک رکعت وتر پڑھ لے اس کی یہ ایک رکعت پہلی نماز کو طاق کر دے گی۔

(بخاری کتاب الوتر با ب ماجاء فی الوتر، الحدیث ۹۹۰ مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ والوتر رکعۃ من آخر اللیل ۱۷۴۸)۔

اس کے برعکس نماز تراویح میں کمی اس لئے جائز نہیں کہ اس میں وقت خاصہ ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ اورخلفاء راشدین سے بھی آٹھ رکعت پڑھنا ثابت ہیں جیسا کہ فصل اول میں تفصیل گزر چکی ہے۔

(۱۲) تراویح سال بھر میں صرف ایک مہینے پڑھی جاتی ہے لیکن تہجد بارہ مہینے پڑھی جاتی ہے۔

(حدیث اوراہل حدیث ۶۸۸)۔

الجواب: تہجد بارہ مہینے پڑھی جاتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ رمضان میں نماز عشاء کے فوراً بعد پڑھی جاتی ہے۔ یہ ان کے علیحدہ علیحدہ ہونے کی دلیل نہیں۔ جیسے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء پورا سال اپنے اوقات میں پڑھی جاتیں ہیں مگر حج میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کر کے ادا کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوران حج ظہر اور مغرب کی نمازیں ہی علیحدہ ہیں۔ بالاتفاق عرفات میں عصر کی نماز ظہر کے وقت میں پڑھی جاتی ہے۔ ثابت ہوا کہ وقت کی تبدیلی اور وقتی حکم سے کسی چیز کی اصلیت میں فرق نہیں پڑتا۔

(۱۳) تراویح کے بعد وتر کا جماعت کے ساتھ پڑھنا خلفا راشدین کی سنت ہے، لیکن اگر وتر تہجد کے بعد پڑھیں تو ان کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا صحیح نہیں۔ (حدیث اوراہل حدیث ص۶۸۸)۔

الجواب اولاً: محترم آپ نے خود ص۵۲۵ پر روایت درج کی ہے۔

عن المسور بن مخرمۃ قال دفنا ابا بکر لیلا فقال عمر انی لم اوتر فقام وصففنا وراء ہ فصلی بنا ثلاث رکعات لم یسلم الا فی آخرھن۔

(طحاوی ص۲۰۲ ج۱ مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۳ ج۲، مصنف عبد الرزاق ص۲۰ ج۳)۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا (فراغت پر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے وتر نہیں پڑھے، آپ کھڑے ہوئے تو ہم نے بھی آپ کے پیچھے صف باندھ لی، آپ نے ہمیں تین رکعات وتر پڑھائے اور سلام فقط ان کے آخر ہی میں پھیرا (حدیث اوراہل حدیث ص۵۶۵)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ھ کو بوقت شب ہوئی تھی۔

(تاریخ اسلام ص۱۴۸ ج۱ مولفہ شاہ معین الدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی)۔

گویا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جمادی الثانی میں نماز وتر کی جماعت کروائی تھی، لہٰذا آپ کا یہ دعویٰ قطعی طور پر باطل ہے کہ غیر رمضان میں نماز وتر کی جماعت درست نہیں۔

ثانیاً: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ گیارہ رکعات پڑھایا کرتے تھے جس میں تین رکعات وتر کی ہوتیں، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس جماعت میں خود شامل نہیں ہوا کرتے تھے۔ تفصیل انوار صاحب کی دلیل نمبر۱۵ میں آرہی ہے۔

(۱۴) نماز تراویح دیگر نمازوں کی طرح اسلام کے ظاہری شعار میں داخل ہے لیکن نماز تہجد اسلام کے ظاہری شعار میں داخل نہیں (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۸۸)

الجواب: اولاً موصوف نے تراویح کو ظاہری شعار قرار دینے پر کوئی دلیل درج نہیں کی, اگر کرتے تو ہم اس پر غور ضرور کرتے، جب کہ دلائل سے ثابت ہے کہ تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہے تو ایک کو شعار قرار دینا اور دوسرے کی نفی کرنا، دلیل کا محتاج ہے۔

ثانیاً: نماز بلاشبہ شعار اسلام ہے۔ (حجۃ اللہ ص ۷۰ ج ا)۔ مگر نماز سے مراد فرض نماز ہے نوافل وغیرہ اس میں شامل نہیں۔ کیونکہ ان کا انسان مکلّف نہیں اور جس چیز کا انسان مکلّف نہ ہو وہ شعار نہیں ہوا کرتی۔

ثالثاً: اگر شعار سے موصوف کی مراد علامت ہے، تو بھی ظاہر ہے کہ تراویح اسلام اور ایمان کی علامت نہیں، ورنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی تہجد سے علیحدہ باجماعت پڑھی جاتی۔ اورخود نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب ہی نہ دیتے بلکہ حکم فرماتے، مگر حدیث میں صاف وضاحت ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام حکم نہ دیا کرتے تھے۔ محض ترغیب دلائی ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۱۷۸۰)۔

(۱۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں تراویح پڑھنے والوں سے فرمایا:

والتی تنامون عنها افضل من التی تقومون۔ (بخاری ص ۲۶۹ ج ۱)۔

جس نماز کو سوتے میں رہ کر گزار دیتے ہو (تہجد) وہ اس نماز سے بہتر ہے جو پڑھ کر سوتے ہو۔ (تراویح)۔ اس سے بھی تہجد اور تراویح کا فرق واضح ہے۔ (حدیث اور اہل ص ۶۸۹)

الجواب: محترم آپ نے متن حدیث نقل کرنے میں بددیانتی کی ہے اس سے آگے لکھا ہوا ہے **یرید آخر اللیل و کان الناس یقومون اوله** اس عبارت کو آپ کی نقل کردہ عبارت کے ساتھ ملایا جائے تو معنی یہ بنتا ہے۔

اور رات کا وہ حصہ جس میں تم سوئے رہتے ہو (یعنی آخیر رات) وہ اس حصے سے افضل ہے جس میں نماز پڑھتے ہو اور لوگ شروع رات میں تراویح پڑھ لیتے تھے۔

یہی معنی مولوی عبد القیوم حقانی حنفی دیوبندی نے (توضیح السنن ص۴۳۰ ج۲)۔ میں کیا ہے ثابت ہوا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول کا مقصد یہ ہے کہ تراویح رات کے آخری حصہ میں پڑھنا افضل ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

هذا تصريح منه بان الصلاة فى آخر الليل افضل من اوله۔

یعنی اس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے وضاحت ہے کہ نماز تراویح کو رات کے آخری حصے میں پڑھنا افضل ہے۔ (فتح الباری ص۲۰۴ ج۴)۔

یہی معنی ملا علی القاری نے (مرقاۃ ص۱۹۲ ج۳) میں شاہ عبد الحق دہلوی نے (اشعۃ اللمعات ص۵۸۵ ج۱) میں اور دیوبندی مکتب فکر کے نامور عالم اور محدث شہیر جناب علامہ کاشمیری نے (فیض الباری ص۴۲۰ ج۲) میں کیا ہے۔ الغرض سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول کا یہ مقصد نہیں کہ تراویح سے تہجد افضل ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تراویح کو رات کے آخری حصے میں پڑھنا افضل ہے اس معنی کو ملحوظ رکھا جائے تو مطلب صاف ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے۔ علامہ کاشمیری فرماتے ہیں۔

ويؤيده فعل عمر رضی اللہ عنہ فانه كان يصلى التراويح فى بيته فى آخر الليل مع انه كان أمرهم ان يودوها بالجماعة فى المسجد ومع ذلك لم يكن يدخل فيها و ذلك لا نه كان يعلم ان عمل النبى صلی اللہ علیہ وسلم كان بادائها فى آخر الليل ثم نبهم عليه قال ان الصلاة التى تقومون بها فى اول الليل مفضولة منها لو كنتم تقيمونها فى آخر الليل۔

(تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے) اس کا مؤید ہے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فعل کہ آپ تراویح کو رات کے آخری حصے میں گھر میں پڑھا کرتے تھے، حالانکہ آپ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو مسجد میں تراویح باجماعت پڑھانے پر مقرر کیا ہوا تھا۔ اس کے باوجود آپ ان کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے۔اس لئے کہ وہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک کو جانتے تھے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام رات کے آخر میں پڑھا کرتے تھے۔

اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے باجماعت پڑھنے والوں کو اس پر خبر بھی دی تھی کہ رات کے پہلے حصے میں نماز پڑھنا مفضول ہے کاش تم رات کے آخیری حصے میں قیام کرو۔ (فیض الباری ص۴۲۰ ج۲)۔

لیکن انوار صاحب نے دیوانہ بیکار خویش ہشیار پر عمل کرتے ہوئے معنوی تحریف کرکے متن روایت کا مفہوم ہی بگاڑ دیا ہے۔ مزید دکھ کی بات یہ ہے کہ اپنے مخالف حصے کو نقل ہی نہیں کیا کہیں چوری پکڑی نہ جائے۔ مگر بفضلہ تعالیٰ ہم آپ کے مکائد کو سمجھنے میں اجتہاد کا درجہ رکھتے ہیں۔

(۱۶) تہجد میں تداعی (لوگوں کو تہجد کی نماز باجماعت کے لئے بلانا) جائز نہیں اور تراویح میں

تداعی ہوتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۸۹)۔

الجواب: اولاً انوار صاحب کی تحریر پر غور کریں تہجد میں تداعی کو جماعت کے لئے ناجائز کہتے ہیں۔ جب کہ تراویح میں جماعت کی قید نہیں لگاتے۔ بلفظ دیگر انوار صاحب تراویح کی جماعت کے لئے بھی تداعی ناجائز جانتے ہیں۔ جب دونوں کی جماعت کے لئے آپ تداعی کو ناجائز کہتے ہیں تو وجہ فرق کیا رہا، آخر عقل تو اللہ نے ہر ایک کو دی ہے محترم اس تحریر کے لکھتے وقت آپ کی کیا مراد تھی، ذرا وضاحت تو کریں۔

ثانیا: تداعی سے آپ کی کیا مراد ہے۔ اگر دعوت کی نفی مقصود ہے تو یہ بات قطعی طور پر غلط ہے۔ اور اگر تداعی سے مراد آپ کی اذان ہے یہ تراویح کے لئے بھی جائز نہیں۔

کیا امام بخاری رحمہ اللہ تہجد اور تراویح میں فرق کے قائل تھے

انوار صاحب فرماتے ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

كان محمد بن اسماعيل البخارى اذا كان اول ليلة من شهر رمضان يجتمع اليه اصحابه فيصلى بهم و يقرأ فى كل ركعة عشرين آية و كذلك الى ان يختم القرآن و كان يقرأ فى السحر ما بين النصف الى الثلث من القرآن فيختم عند السحر فى كل ثلاث ليال۔

(هدى السارى مقدمه فتح البارى ص۲۵۳ ج۲)

رمضان کی چاند رات حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے یہاں ان کے شاگرد و اصحاب اکٹھے ہو جاتے آپ انہیں نماز تراویح پڑھاتے ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے ایسے ہی ختم قرآن تک سلسلہ چلتا رہتا اور سحر کے وقت (تہجد میں) نصف سے تہائی قرآن تک پڑھتے اور سحر کے وقت ہر تین رات میں ایک قرآن ختم کرتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۶۸۴)

الجواب اولاً: انوار صاحب نے مذکورہ عبارت کا معنیٰ غلط کیا ہے، محترم آپ کی نقل کردہ عبارت کے دو حصے ہیں، پہلے کا تعلق اول شب سے ہے، دوسرے کا سحری سے ہے، اول شبؑ کا معمول نماز اور سحری کے وقت میں تلاوت قرآن بتایا گیا ہے۔

پھر پہلے حصے میں نماز میں قرأت کی کیفیت کا بھی ذکر ہے کہ ہر رکعت میں بیس آیات کے لگ بھگ تلاوت کی جاتی، جبکہ سحری کے وقت صرف تلاوت قرآن کا ذکر ہے لیکن انوار اپنی طرف سے تہجد کا اضافہ کرتے ہیں، حالانکہ یقرأ بمعنی تہجد یا نماز لغت کی کسی کتاب میں نہیں لکھا، یہ انوار صاحب کا خبط بے ربط ہے۔

ثانیاً: اس روایت سے ثابت ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے موافق گیارہ رکعات پڑھا کرتے تھے جن میں آٹھ تراویح اور تین وتر ہوا کرتے تھے، اور ہر رکعت میں بیس آیتیں قرأت کرتے تھے، بلفظ دیگر یومیہ قرأت نماز تراویح میں دوسوبیس آیات کی ہوا کرتی تھی، اگر کوئی دیوبندی ہمارے حساب میں غلطی نہ نکالے تو پورے رمضان میں نماز تراویح میں، ۶۶۰۰، آیات تلاوت ہوا کرتی تھیں، اور قرآن کی کل آیات ۶۶۶۶ ہیں۔ اگر یہ بات تسلیم نہ کی جائے تو تلاوت کی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی، کیونکہ بیس رکعات تراویح میں بمع وتر قرأت کی مقدار، ۳۱۸۰۰ آیتیں بنتی ہے، الغرض انوار صاحب کی مُسلّمہ روایت کے مطابق امام بخاری رحمہ اللہ آٹھ رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔

ثالثاً: اس واقعہ کی سند مخدوش ہے، حافظ ابن حجر نے امام حاکم کی سند سے نقل کیا ہے، اور اسے بیان کرنے والا مقسم ابن سعید، راوی ہے۔

(ہدیۃ الساری ص۴۸۲ مطبوعہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ)

جبکہ تاریخ بغداد ص۱۲ ج۲ کے قدیم مطبوعہ نسخہ میں، نسج بن سعید، راوی ہے اور محشی نے صراحت کی ہے کہ طبقات شافعیہ میں بھی نسج ہی ہے، اس کے برعکس تاریخ بغداد کے جدید مطبوعہ نسخہ میں اور، تاریخ دمشق لابن عساکر ص۵۸ ج۵۵ میں اور تہذیب الکمال ص۲۳۱ ج۶ میں مسبح بن سعید ہے۔

انوار صاحب وضاحت کریں کہ راوی، مقسم ہے یا مسبح ہے یا نسج ہے، پھر جس کا بھی انتخاب کریں اس کی کتب رجال سے عدالت و ثقات بیان کریں، ہمارے فاضل بھائی الشیخ زبیر علی زئی محدث حضرو حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

ان ناموں کا کوئی راوی اسماء الرجال کی کتابوں میں نہیں ملا، لہذا یہ مجہول ہے، خلاصہ یہ واقعہ باطل و بے اصل ہے، امام بخاری رحمہ اللہ سے ثابت ہی نہیں،

(ماہنامہ، الحدیث ص۸ دسمبر ۲۰۰۵ء)

(۵۸) باب قصداً چھوڑی ہوئی نماز کی قضاء نہیں توبہ ہے

فصل اول

(۱) فویل اللمصلین لذین هم عن صلاتهم ساهون، (الماعون ٤ — ٥)۔
تو ایسے نمازیوں کے لئے خرابی ہے جو نماز کی طرف سے غافل ہیں۔ ۱۰۷-۴،۵۔

(۲) فخلف من بعد هم خلف اضاعوا الصلاة واتبعوا الشهوات فسوف یلقون غیا (مریم ٥٩)۔
پھر ان کے بعد چند ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو کھو دیا اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے۔ سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی، (۱۹-۵۹)۔

(۳) عن عبد الرحمن بن عبد الله قال قیل لعبد الله ان الله عز وجل یکثر ذکر الصلاة الذین هم علی صلاتهم یحافظون، و الذین هم علی صلاتهم دائمون، فقال عبد الله ذلك المواقیتها، قلنا ما کنا نراه الاترکها، قال فان ترکها الکفر۔
امام عبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے نماز (پڑھنے) کا کثرت سے ذکر کیا ہے، **الذین هم علی صلاتهم یحافظون،** (جو نماز کا التزام رکھتے اور بلاناغہ پڑھتے ہیں) اور، **والذین هم علی صلاتهم دائمون** (جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں) تو سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیات نماز کے اوقات کے متعلق ہیں آپ سے کہا گیا کہ ہم تو ان سے نماز کا ترک مراد لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا (نہیں ایسا نہیں کیونکہ) نماز ترک کر دینا تو کفر ہے۔
(طبرانی کبیر ص۱۹۱ ج۹ رقم الحدیث ۸۹٤۰)۔

(۴) عن مصعب بن سعد عن سعد قال السهو الترك عن الوقت۔
سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ السھو کا مطلب ہے کہ بے وقت نماز پڑھتے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ۳۱۶ ج۱، بیہقی ص۲۱۴ ج۲)۔

(۵) عن مصعب بن سعد عن سعد قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قوله الذین هم عن صلوتهم ساهون، قال هم الذین یؤخرون الصلوٰة عن وقتها۔
سیدنا سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد **الذین هم عن صلاتهم ساهون،** کے متعلق سوال کیا تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا وہ لوگ ہیں جو نماز کو اس

کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھتے ہیں۔

(بیهقی ص٢١٤ ج١،ابویعلی ص٣٧٨ ج١ رقم الحدیث ٨١٨ والمعجم الاوسط للطبرانی ص١٤٥ ج٣، رقم الحدیث ٢٢٩٧)۔

(٦) عن مصعب بن سعد قال قلت لابی یا ابتاه ارایت قوله، الذین هم عن صلاتهم ساهون اینا لایسهو؟ اینا لا یحدث نفسه؟ قال لیس ذلك انما هو اضاعة الوقت یلهو حتی یضیع الوقت۔

امام مصعب کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابا جی کیا آپ، **الذین هم عن صلاتهم ساهون**، کونہیں دیکھتے، ہم سے کون ہے؟ جو بھولتا نہیں اور کون ہے جونفس سے کلام نہیں کرتا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ مراد نہیں بلکہ ساھون کا مطلب ہے نماز کے وقت کو ضائع کر دینا، مشغول رہنا حتی کہ وقت ضائع ہو جائے۔

(مسند ابو یعلی ص٣٣٦ ج١، بیهقی ص٢١٤ ج٢،ابن جریر ص٣١١ ج٣٠)۔

ھیثمی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے (مجمع الزوائد ۳۲۵ ج۱) امام ابو زرعہ کہتے ہیں اس کا مرفوع ہونا، خطاء ہے اور درست موقوف ہے (علل الحدیث ٥٣٦)۔

امام بیہقی اور حاکم نے بھی مرفوع کو ضعیف اور موقوف کو صحیح قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص۵۵۵ ج۴)۔

(٧) عن جابر یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول بین الرجل وبین الشرك والكفر ترك صلاة۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ (مسلمان) آدمی اور کفر وشرک کے درمیان فرق نماز کو چھوڑنا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب بین اطلاق اسم الكفر علی ترك الصلاة، الحدیث ٢٤٧)۔

(٨) عن جابر ان النبیّ ﷺ قال بین الكفر والایمان ترك الصلاة۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کفر و ایمان کے درمیان فرق نماز چھوڑنا ہے۔

(سنن ترمذی کتاب الایمان باب ماجاء فی ترك الصلاة الحدیث ٢٦١٨)۔

(٩) عن بریدة رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول العهد الذی بیننا وبینهم الصلاة فمن تركها فقد كفر۔

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ ہمارے اور ان کے درمیان نماز پڑھنے کا عہد ہے جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔

(مسند احمد ص٣٤٦،٣٥٥ ج٥، ترمذی کتاب الایمان باب ماجاء فی ترك الصلاة، الحدیث ٢٦٢١، ونسائی

کتاب الصلاۃ باب الحکم فی تارک الصلاۃ الحدیث ٤٦٤، وابن ماجه کتاب اقامة الصلاة باب ماجاء فی من ترك الصلاة ، الحدیث ١٠٧٩،ابن حبان رقم الحدیث ١٤٥٢ ،دارقطنی ص٥٢ ج ٢ ، ابن ابی شیبه ص ٣٤ ج ١١، بیهقی ص٣٦٦ ج٣، مستدرك حاكم ص٧ ج ١)۔

(١٠) عن عبد الله بن عمرو عن النبی ﷺ انه ذکر الصلاة یوما فقال من حافظ علیها کانت له نورا وبرهانا ونجاة یوم القیامة ومن لم یحافظ علیها لم یکن له نور ولا برهان ولا نجاة،وکان یوم القیامة مع قارون و فرعون و ابی بن خلف۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز کا ذکر کیا اور فرمایا جو شخص اس کی حفاظت کرتا ہے تو یہ قیامت کے دن اس کے لئے نور ہوگی اور ایمان کی دلیل ہو گی، اور قیامت کے دن اس کے لئے نجات کا ذریعہ بنے گی، اور جس نے حفاظت نہ کی تو اس کے لئے نہ نور ہوگی نہ ایمان کی دلیل ہوگی اور نہ بخشش کا ذریعہ ہوگی اور وہ قیامت کے دن قارون فرعون اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

(مسند احمد ص١٦٩ ج٢ وسنن دارمی ص٣٩٠ ج٢ رقم الحدیث ٧٢٢١، ابن حبان رقم الحدیث ١٤٦٥، طبرانی الاوسط ص٤٥٦ ج٢ رقم الحدیث ١٧٨٨)

سند حسن درجہ کی ہے، منذری نے، الترغیب ص۳۸۶ ج ۱ میں جید کہا ہے،

(١١) عن عبد الله بن شقیق العقیلی قال کان اصحاب محمد ﷺ لایرون شیئا من الاعمال ترکه کفر غیر الصلاة۔

امام عبد اللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اعمال میں سے کسی کو ترک کرنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے سوائے نماز کے۔

(سنن ترمذی کتاب الایمان باب ماجاء فی ترک الصلاۃ الحدیث ٢٦٢٢)۔

(١٢) عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال الذی تفوته صلاة العصر کانها وتر اهله وماله۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کی نماز عصر فوت ہوگئی گویا اس کا اہل و مال تباہ ہوگیا۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد باب التغلیظ فی تفویت صلاۃالعصر الحدیث ١٤١٧)۔

(١٣) عن عبدا للہ بن خراش قال را ی ابن عمر رجلا یقرأ صحیفة فقال له، یا هذا القاری انه لاصلاة لمن لم یصل الصلاة لوقتها، فصل ثم اقراء ما بدالك۔

عبد اللہ بن خراش بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا جو صحیفہ پڑھ

رہا تھا، آپ نے فرمایا: پڑھنے والے، جو شخص وقت پر نماز نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی لہٰذا پہلے نماز پڑھ لو پھر جو جی پڑھنا۔

(المحلی بالاثار ص۱۳ ج۲)۔

(۱۴) عن الضحاك بن عثمان أن عمر بن الخطاب قال فی خطبته بالجابية الا وان الصلاة لها وقت شرطه الله لا تصلح الابه۔

ضحاک بن عثمان فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ خبر دار نماز کے لئے ایک وقت ہے اور اللہ تعالیٰ نے شرط یہ رکھی ہے، نماز درست نہیں مگر مقرر وقت کے ساتھ۔ (المحلی بالاثار ص۱۳ ج۲)۔

(۱۵) عن سالم بن الجعد قال قال سلمان هو صاحب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ، الصلاة مكيال، فمن وفى وفى له، ومن طفف، فقد علمتم ما قيل فی المطففين قال علی ، من آخر الصلاة عن وقتها فقد طفف۔

امام سالم بن جعد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز ایک میزان وترازو ہے جس نے پورا تولا اسے پورا اجر و ثواب ملے گا اور جس نے کمی کی تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ کمی کرنے والوں کے بارے میں کیا کہا ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ جس نے نماز کو وقت سے مؤخر کردیا اس نے کمی کی ہے۔

(المحلی بالاثار ص۱۳ ج۲ واللفظ له, وعبد الرزاق ص۳۷۳ ج۲)۔

(۱۶) ان ابن مسعود كان يقول ان صلا وقتا كوقت الحج، فصلوا الصلاة لميقاتها۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز کے لئے بھی ایک وقت مقرر ہے۔ جیسے حج کا وقت مقرر ہے لہٰذا نماز کو بر وقت پڑھا کرو۔

(المحلی ص۱۳ ج۲ ، عبدالرزاق ص۵۳۵ ج۱ وطبرانی كبير ص۲۷۵ ج۹)۔

مذکورہ آیات قرآن اور فرمان سید خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا کہ اگر عمداً نماز ترک کردی جائے تو اس کی قضاء نہیں۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ ہمارا استدلال ان آیات سے یہ ہے کہ اگر جان بوجھ کر نماز ترک کرنے والے کی خروج وقت کے بعد نماز درست ہوتی تو اس کے لئے یہ تباہی و بربادی کی نوید کیوں ہوتی، اور وہ جہنم رسید کیوں ہوتا۔ کیونکہ ویل و غی اس شخص کے لئے نہیں جو نماز کی آخر وقت میں ادائیگی کرتا ہے، کیونکہ وہ تو بہرصورت ادائیگی ہے، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ہر فرض کے لئے وقت مقرر کیا ہے۔ جس کا باقاعدہ آغاز و اختتام ہے اس متعین وقت میں اگر ادا نہ کی جائے تو پھر کسی دوسرے وقت میں اس کی ادائیگی باطل ہوتی ہے، یعنی جو شخص وقت سے پہلے پڑھے یا بعد از وقت

دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ دونوں نے بے وقت نماز پڑھی ہے ہم ان میں سے کسی کو ایک پر قیاس کرتے ہوئے، یہ نہیں کہہ رہے بلکہ ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حدود الٰہی کی خلاف ورزی میں یہ دونوں یکساں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه۔ (الطلاق)۔

جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا (المحلی ص۱۰ ج۲)۔

حدیث نمبر ۷ تا ۱۱ سے ثابت ہو رہا ہے کہ عمداً نماز کو ترک کرنے والا کافر ہے اس کا کفر اعتقادی نہیں بلکہ عملی ہے۔ لیکن ہے بہر حال کفر۔ اور کفر کا توبہ کے بغیر کوئی حل نہیں ہوا کرتا۔ اور حدیث نمبر ۱۲ میں نماز عصر کو نہ پڑھنے والے کی نماز پر فوت کا لفظ خود نبی مکرم ﷺ نے بولا ہے امام ابن حزم فرماتے ہیں۔

جو چیز فوت ہو جائے اس کے دوبارہ حاصل کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ اور اگر دوبارہ حصول کی کوئی صورت ہو تو وہ فوت شدہ نہیں ہے۔ اور اس پر پوری امت کا قولا وحکما اجماع ہے کہ جب نماز کا وقت ختم ہو جائے تو وہ فوت ہو جاتی ہے۔ اگر اس کی قضاء یا ادائیگی ممکن ہوتی تو اسے فوت شدہ قرار دینا کذب وباطل ہوتا تو یقینی طور پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ فوت شدہ نماز کی قضاء ممکن ہی نہیں۔ (المحلی ص۱۲ ج۲)۔

یہی قول سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور آپ کے والد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہی فتویٰ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ دیتے ہیں۔ اسی کو ہی سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا ہے اور ان سے کسی صحابی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ لہٰذا اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی ہے۔ جو اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے وہ کسی صحیح دلیل سے ہمارے مؤقف کا رد کرے ہم ان شاء اللہ اس پر غور کریں گے۔ ہاں جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا توبہ استغفار کرے اور کثرت سے نوافل ادا کرے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

فخلف من بعدهم خلف اضاعوا الصلاة واتبعوا الشهوات فسوف يلقون غيا الا من تاب وامن وعمل صالحا فاولئك يدخلون الجنة

(مریم ۵۹–۶۰)۔

پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو کھو دیا اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے۔ سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی ہاں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل نیک کیے تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے۔

یہ بھی ارشاد ہے۔

والذين اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذكروا الله فاستغفروا لذنوبهم، (آل

كفارة لها الا ذلك قال قتادة واقم الصلاة لذكرى،

(بخاری ص۸٤ ج۱، مسلم ۲٤۱ ج۱ واللفظ لمسلم).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے یا سوتارہ جائے تو اسے چاہیے کہ جب یاد آجائے تو پڑھ لے اس کا کوئی کفارہ نہیں سوائے اس کے، اس حدیث میں حضرت قتادہ نے یہ الفاظ بھی ذکر کئے ہیں۔ **واقم الصلاة لذكرى**، کہ نماز قائم کر میری یاد کے لئے۔

(۲) عن انس بن مالك قال قال نبى الله صلى الله عليه وسلم من نسى صلاة او نام عنها فكفارتها ان يصلها اذا ذكرها۔

(مسلم ۲٤۱ ج۱).

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے یا سوتا رہ جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے تو پڑھ لے۔

(۳) عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا رقد احدكم عن الصلاة اوغفل عنها فليصلها اذا ذكرها فان الله عز وجل يقول اقم الصلوٰة لذكرى۔

(مسلم ۲٤۱ ج۱).

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی سوتا رہ جائے یا غفلت کی وجہ سے نماز رہ جائے تو اسے چاہیئے کہ جب یاد آئے پڑھ لے کیونکہ عزوجل فرماتے ہیں کہ نماز قائم کر میری یاد کے لئے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۹۳)۔

<u>الجواب:</u> اولاً آپ نے جو معنی حدیث کے الفاظ ،، **اوغفل عنها**،، یا غفلت کی وجہ سے نماز رہ جائے کیا ہے،، غلط ہے۔ کیونکہ آپ اس سے کشید کرنا چاہتے ہیں کہ نماز تو یاد تھی مگر پڑھنے میں لاپرواہی کی۔ جیسا کہ آگے آپ نے لکھا ہے کہ حدیث صحیح سے ثابت ہورہا ہے کہ اگر کسی کی نماز فوت ہوجائے کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر اس کی قضا ضروری۔ حضور علیہ السلام اس کی ادائیگی کا حکم فرمارہے ہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ۷۰۶)۔

حدیث کے الفاظ،، **اوغفل عنها**،،، آپ کے استدلال کے خلاف ہیں کیونکہ یہ ذکر کے بالمقابل آئے ہیں ان کا صحیح معنی،، یا نماز بھول گیا،، کے ہیں۔ اور آپ کی درج کردہ پہلی اور دوسری روایت میں، **من نسى**، کے الفاظ بھی اس معنی کے درست ہونے پر دلیل ہیں۔ اور متن حدیث کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ جس کی نماز سونے کی حالت میں رہ جائے وہ بیدار ہونے پر اور بھول جانے والا یاد آنے پر پڑھ لے، مگر افسوس کہ آپ معنوی تحریف کر کے ان احادیث سے قصداً چھوڑی ہوئی نماز کے قضاء پڑھنے پر استدلال کررہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ثانیا: آپ کا عمداً اور قصداً نماز چھوڑنے والے کو بھولے ہوئے پر قیاس کرنا قیاس فاسد ہے، کیونکہ قیاس صحیح تو یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی نظیر پر محمول کر لیا جائے۔

کسی چیز کو اس کی ضد پر محمول کرنا قیاس نہیں بلکہ وسواس شیطانی ہے اور کون نہیں جانتا کہ قصد و ارادہ نسیان کی ضد ہے، یہاں آپ کے لئے ایک فقہی نظیر پیش کی جاتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک قصدا جھوٹی قسم کھانے سے کفارہ لازم نہیں آتا، بلکہ بوجہ گناہ کبیرہ ہونے کے صرف توبہ و استغفار ہی ہے ۔(فتاوی شامی ص ۷۰۶ ج ۳ واعلاء السنن ص ۳۲۵ ج ۱۱)۔ وفتاوی دارالعلوم دیو بند ص ۸۷ ج ۱۲)۔

مولوی اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔

جو بات ہو چکی ہے۔ اس پر جھوٹی قسم کھانا بڑا گناہ ہے اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ بس دن رات اللہ سے توبہ و استغفار کر کے اپنا گناہ معاف کرائے سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا (بہشتی زیور ص ۲۳۷ مطبوعہ مکتبہ العلم لاہور ۲۰۰۰ ھ۔

مولوی امجد علی بریلوی لکھتا ہے کہ۔ جان بوجھ کر جھوٹی قسم کو غموس کہتے ہیں اور غموس میں سخت گناہ گار ہوا استغفار و توبہ فرض ہے مگر کفارہ لازم نہیں (بہار شریعت ص ۱۶ حصہ نہم)۔ دیکھئے جھوٹی قسم پر کفارہ ساقط قرار دیتے ہیں! کیوں؟ اس لئے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے، جس کا کفارہ کوئی نہیں بلکہ توبہ و استغفار ہی ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ قصدا نماز چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے لہٰذا اس کی قضاء نہیں بلکہ توبہ و استغفار ہی ہے۔

(۴) عن جابر بن عبد الله ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جاء یوم الخندق بعد ما غربت الشمس فجعل یسب کفار قریش قال یا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ما کدت اصلی العصر حتی کادت الشمس تغرب قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما صلیتها فقمنا الی بطحان فتوضاء للصلاة وتوضانا لها فصلی العصر بعد ما غربت الشمس ثم صلی بعدها المغرب۔

(بخاری ص ۸۳ ج ۱ مسلم ۲۲۷ ج ۲)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ غزوہ خندق کے موقع پر جس دن خندق کھودی جا رہی تھی۔ سورج غروب ہونے کے بعد آئے اور کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عصر کی نماز نہیں پڑھ سکا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی عصر نہیں پڑھی۔ ہم مقام بطحان میں پہنچ کر ٹھہرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا: ہم نے بھی اس نماز کے لئے وضو کیا۔ آپ نے عصر کی نماز سورج غروب ہونے کے بعد پڑھی پھر مغرب اس کے بعد ادا فرمائی۔

(۵) عن ابی عبیدة بن عبدالله بن مسعود قال قال عبد الله ان المشرکین شغلوا رسول

الله ﷺ عن اربع صلوٰت یوم الخندق حتی ذهب من اللیل ماشاء الله فامر بلال فاذن ثم اقام فصلی الظهر ثم اقام فصلی العصر ثم اقام فصلی المغرب ثم اقام فصلی العشاء۔

(ترمذی ص۴۳ ج۱)

حضرت ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ غزوہ خندق کے دن مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو چار نمازیں پڑھنے سے روکے رکھا یہاں تک کہ رات کا اتنا حصہ چلا گیا جتنا اللہ نے چاہا پھر آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان دی پھر اقامت کہی تو پس ظہر پڑھی، پھر اقامت کہی تو عصر کی پڑھی، پھر اقامت کہی تو مغرب کی نماز پڑھی، پھر اقامت کہی تو عشاء پڑھی، (حدیث اور اہل حدیث ص۶۹۵)

الجواب: اولاً غزوہ خندق کے موقع پر نمازیں اضطراری حالت میں قضاء ہوئیں ہیں۔ قصداً قضا نہیں ہوئیں۔ اضطراری حالت میں نماز قضاء ہونے پر اس کی قضا کے ہم بھی قائل ہیں۔ اختلاف اس میں نہیں بلکہ قصداً چھوڑی ہوئی نماز کی قضاء کے متعلق اختلاف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جان بوجھ کر نماز نہ پڑھنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہے اس کا علاج فقط توبہ و استغفار ہے۔

مگر انوار صاحب ایک ایسی دلیل درج کر رہے ہیں جس میں مجبوری اور عذر موجود ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ۔

لما کان یوم الاحزاب قال رسول الله ﷺ ملاء الله قبورهم وبیوتهم نارا، کما حبسونا وشغلونا عن الصلاة الوسطی حتی غابت الشمس۔

نبی مکرم ﷺ نے غزوہ احزاب (خندق) کے دن فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان مشرکین کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے جس طرح (جنگ میں) مشغول کر کے انہوں نے ہمیں نماز عصر سے روک دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد باب الدلیل لمن قال الصلاة الوسطی هی صلاة العصر الحدیث ۱٤۲۰)۔

اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جان بوجھ کر ارادۃً قضاء نہیں کی بلکہ جہاد میں مشغول ہونے کی وجہ سے قضاء ہوئی۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جان بوجھ کر نمازیں قضاء کی اس کا یہ کہنا صریحاً کفر ہے اس لئے کہ پوری امت اس پر متفق ہے کہ جو شخص قصداً و ارادۃً نماز کو اس حد تک ترک کردے کہ وقت ہی ختم ہوجائے وہ فاسق ہوجاتا ہے۔ اس کی شہادت قبول نہیں وہ سزا کا مستحق ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص نبی مکرم ﷺ کے متعلق ایسی بات کہتا ہے تو وہ یہود و نصاریٰ کی طرح کافر و مشرک ہے اس کا مال و خون مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔

(المحلی بالآثار ص۱۵ ج۲ مسئالہ نمبر ۲۷۹ مطبوعو دار الکتب العلمیة بیروت ۱۹۸۸ھ)۔

ثانیا: اگر کہا جائے کہ حالت جہاد میں تو نماز خوف مشروع ہے لہٰذا ہر حالت میں نماز ادا کی جا سکتی تھی۔ اور آنحضرت ﷺ نے قصداً و ارادۃً نماز کو لیٹ کیا تھا، ثابت ہوا کہ قصداً چھوڑی ہوئی نماز کی بھی قضاء ثابت ہے جواباً عرض ہے کہ معترض کی جہالت ہے۔ کیونکہ غزوہ خندق کے بعد نماز خوف کا حکم نازل ہوا تھا، سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ خندق کی لڑائی میں مشرکوں نے ہمیں نماز ظہر سے روکے رکھا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا اور یہ اس وقت کا ذکر ہے جب تک لڑائی کی نماز کے متعلق قرآن میں حکم نازل نہ ہوا تھا۔

(نسائی رقم الحدیث ٦٦٢، وبیهقی ص٤٠٢ ج١ ومسند طیالسی، رقم الحدیث ٢٢٣١ ومسند احمد ٢٥ و ص٤٩، ٦٧ ج٣)۔

یہ روایت سند کے لحاظ سے صحیح ہے۔ جیسا کہ علامہ البانی نے صراحت کی ہے۔ (ارواء الغلیل ص۲۵۷ ج۱ زیر حدیث نمبر ۲۳۹)۔

مولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی لکھتے ہیں۔

غزوہ خندق واقع ہونے تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی۔ **فان خفتم فرجالا اور کبانا** (بقرہ ۲۳۹) اگر جنگ میں کفار کے حملہ کا خوف ہو تو سواری کی حالت میں یا پاپیادہ نماز پڑھ لو، کفار سے جنگ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو غروب آفتاب تک عصر کی نماز کی مہلت نہ ملی، اور غروب آفتاب کے بعد آپ نے نماز قضاء کی اب چونکہ حالت جنگ میں سوار اور پیادہ دونوں حالتوں میں نماز پڑھنے کی رخصت دی گئی ہے۔ اسلئے نماز قضاء کرنا جائز نہیں ہے۔

(شرح صحیح مسلم ص٢٤٩ ج٢)۔

(٦) عن عبد الله بن عمر انه كان يقول من نسي صلاة فلم يذكرها الا وهو مع الامام فاذا سلم الا مام فليصل الصلاة التي نسي ثم ليصلي بعدها اخرى (موطاامام مالك ص١٥٥)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے، جو شخص نماز پڑھنی بھول جائے پھر امام کے ہمراہ دوسری نماز پڑھتے ہوئے اسے یاد آئے تو جب امام سلام پھیرے تو اسے چاہئے کہ پہلے وہ بھولی ہوئی نماز پڑھے پھر اس کے بعد دوسری نماز پڑھے۔ (حدیث اور اہل حدیث)۔

الجواب: یہ روایت بھی قصدا چھوڑی ہوئی نماز کی قضاء کی دلیل نہیں کیونکہ اس میں صاف الفاظ ہیں کہ جو شخص نماز پڑھنی بھول جائے اس کے متعلق ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس سے آپ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا محترم قصد اور نسیان ضد ہیں اگر کوئی شخص جان بوجھ کر روزہ توڑ دے تو اسے بھول کر کھانے پینے والے پر قیاس کر کے یہ کہنا کہ وہ روزہ مغرب تک پورا کرے۔ درست نہیں۔

(۷) فرماتے ہیں کہ دوسری بات یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد، **اقیمو الصلاۃ**، نماز قائم

کرو، ان صورتوں کو بھی شامل ہے جب نماز کا وقت آجائے اور ان صورتوں کو بھی شامل ہے جب کہ نماز کسی بھی وجہ سے قضاء ہوجائے نماز بہرحال پڑھنی پڑے گی چاہے ادا پڑھے یا قضا پڑھے۔ اگر ادا نہیں پڑھی تو قضاء پڑھے، کیونکہ نماز نہ پڑھنے کی صورت میں بندہ پر اللہ کا ایک قرض باقی رہے گا اور ظاہر ہے کہ قرضہ ادائیگی کے بغیر ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا لہٰذا نماز بھی جب تک پڑھ نہ لے ذمہ سے ساقط نہیں ہوگی اداء پڑھے یا قضاء حضور علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں۔

فاقضوا الله فهو احق بالوفاء (نسائی ص ۲ ج ۲)۔

اللہ کا قرض ادا کرو وہ ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے، مزید ارشاد فرماتے ہیں۔

فدين الله احق ان يقضى۔ (بخاری ص ۲۶۲ ج ۱)۔

اللہ تعالیٰ کا قرض زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۹۷)۔

الجواب: اولاً آپ کی تحریر کا ماحاصل تو یہ ہوا کہ قصداً نماز ترک کرنے والا عاصی نہیں اس نے امر الٰہی، اقیمو الصلاۃ، کو سرانجام دیا ہے بلفظ دیگر قصداً نماز کو اس حد تک ترک کرنے والا کہ نماز کا وقت ختم ہوجائے گناہ گار اور قابل ملامت نہیں ہے۔ حالانکہ کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہیں لہٰذا آپ کا استدلال باطل ہوا، اس کے باطل ہونے کی متعدد دیگر بھی وجوہات ہیں بغور ملاحظہ کریں۔

الف: اقیموا لصلاۃ، میں اوقات نماز بھی آتے ہیں کہ نماز کو وقت پر ادا کرے اور نماز کو مقرر وقت پر ادا کرنا شرائط نماز سے ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، ان للصلاة اولا و آخرا، بلاشبہ نماز کے وقت کی ابتداء اور انتہا ہے۔

(ترمذی کتاب الصلاة باب ماجاء فی مواقيت الصلاة، الحديث ۱۵۱، مسند احمد ۲۳۲ ج ۲، بيهقی ص ۳۷۵ ج ۱ دار قطنی ۲۶۲ ج ۱ ابن ابی شيبه ص ۳۱۷ ج ۱ والتمهيد ص ۸۷ ج ۸)۔

یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ علامہ البانی نے (الصحیحہ ۱۶۹۶) میں صراحت کی ہے اس کا واضح مفاد یہ ہے کہ نماز صرف وقت پر ہی ادا کی جاسکتی ہے اگر کوئی قصداً نماز وقت سے پہلے ادا کرلے تو بالاتفاق اس کی نماز باطل ہے۔ اسی طرح جو شخص جان بوجھ کر نماز کو چھوڑ دیتا ہے حتی کہ اس کا وقت ختم ہوجاتا ہے تو اس کی نماز باطل ہے اگر ایسے شخص کی نماز کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ نماز کے اوقات میں آخری حد مقرر کرنے کے کیا معنی؟ اس سے تو نبی مکرم ﷺ کے کلام کا لغو ہونا لازم آئے گا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ قصداً چھوڑی ہوئی نماز کی قضاء کا مسئلہ ہی لغو ہے الغرض قصداً نماز کو ترک کرنا پھر اس کی قضاء کرنا، اقیمو الصلاۃ، میں داخل نہیں لہٰذا آپ کا یہ کہنا کہ ادا پڑھے یا قضا پڑھے۔ قطعی طور پر باطل و مردود ہے۔

ثانیا: آپ نے جو روایات پیش کی ہیں نسائی کی حدیث حج کے متعلق ہے اور بخاری کی نذر کے روزوں کے بارے میں ہے پہلی حدیث میں صراحت ہے کہ ایک عورت نے نذر مانی تھی کہ وہ حج کرے گی لیکن عمر نے وفاء نہ کی اس کا بھائی ،آیا اور اس کے متعلق سوال کیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آپ کی بہن پر قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا۔ اس نے کہا ہاں! تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کا قرض ادا کرو وہ ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے۔ (نسائی ص۲ ج۲ رقم الحدیث ۲۶۳۳)۔

بخاری کی حدیث بھی صاف ہے اس میں ہے کہ ایک آدمی نے آپ علیہ السلام سے سوال کیا کہ میری ماں وفات پاگئی ہے اور اس پر ایک مہینے کے روزے تھے۔ کیا میں والدہ کی طرف سے ان کو قضاء کروں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! اللہ کا قرض زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

(بخاری ص۲۶۲ ج۱)

ان احادیث پر غور کیا جائے تو ان سے نیابت کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ میت کا وارث اس کی طرف سے حج ادا کرے اور روزے رکھے، سوال یہ ہے کہ وارث پر حج کرنا روزے رکھنا فرض و واجب ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک جو عبادات محض مالی ہیں ان میں نیابت درست ہے۔ جو محض بدنی ہیں ان میں نیابت درست نہیں، اور جو عبادات مالی اور بدنی ہو ان میں عند العجز نیابت درست ہے۔ (معارف السنن ص۲۸۶ ج۵، درس ترمذی ص۲۰۰ ج۲)۔

اس تفصیل کو ملحوظ رکھا جائے تو بخاری کی حدیث صحیح کا حنفی انکار کررہے ہیں کیونکہ روزہ بدنی عبادت ہے اور اس میں میت کی طرف سے روزے رکھنے کا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے ہیں، مگر کتنے ستم کی بات ہے کہ انوار خورشید خود تو اس فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام کا منکر ومکذب ہے لیکن خصم پر بطور حجت نقل کر رہا ہے، رہی نسائی کی حدیث؟ تو ہم انوار صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ نماز کو حج پر قیاس کر رہے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو آپ حج کی قضاء کے بھی قائل ہیں؟ یعنی وقت گزر جانے کے بعد کسی اور مہینے مثلا شوال یا رمضان میں بھی حج کرنے کے قائل ہیں۔ اگر نہیں یقیناً نہیں تو ثابت ہوا کہ آپ کا قیاس غلط و باطل ہے۔

ثالثا: اللہ تعالیٰ کے قرض کو ادا کرنے اور نہ کرنے کے متعلق بحث نہیں بلکہ ادائیگی وقت کے بارے ہے۔ مثلا آپ سے کوئی شخص قرض لیتا ہے وعدہ کرتا ہے دو سال کے بعد ادا کروں گا، دو سال کے بعد اس کے پاس قرض ادا کرنے کے لئے پیسے بھی موجود ہیں مگر وہ جان بوجھ کر قرض ادا نہیں کرتا، مزید ایک سال کی مہلت مانگتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا وہ مہلت طلب کرنی جائز ہے؟ نہیں قطعا نہیں، بالکل اسی طرح نماز اللہ تعالیٰ کا بندے پر قرض ہے بندہ اسے ادا کرنے پر قادر ہے مگر وہ جان بوجھ کر ادا نہیں کرتا، آیا وہ اس قرض کو دوسرے وقت پر ادا کرسکتا ہے کہ نہیں، محترم یہ ہے مسئلہ زیر بحث، مگر

آپ حاطب اللیل کی طرح یہی کہتے جاتے ہیں کہ قضاء پڑھے یا ادا پڑھے بہر حال پڑھے ضرور، لیکن افسوس کہ آپ غور نہیں کرتے کہ قضاء کرنے کی کیا دلیل ہے۔ آخر عبادت کا معاملہ ہے جو ممنوع الاصل ہے اس کی کیفیت وطریقہ اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیا جاسکتا ہے، بلکہ منقول طریقہ ہی واحد راستہ ہے۔ آپ عمداً چھوڑی ہوئی نماز کی قضاء پر صریحا حدیث کیوں پیش نہیں کرتے؟ اِدھر اُدھر کی احادیث نقل کرنا ہی آپ کے مؤقف کے کمزور ہونے کی دلیل ہے۔ محترم حدیث کے الفاظ فدین الله احق، محض مسئلہ سمجھانے کے لئے ہیں۔ ورنہ تمام کا اتفاق ہے کہ میت پر جو عبادت کا قرض ہوا سے وارث ادا کرنے کا پابند نہیں۔ یہ اس کی صواب دید پر ہے۔ کہ وہ میت کی طرف سے حج کرے یا نہ کرے۔ روزوں کے بارے اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک بوجہ بدنی عبادت ہونے،، وارث میت کی طرف سے روزے رکھے ہی نہ، اور اگر میت پر مالی قرض ہو تو آپ کے نزدیک میت کے وارث پر فرض و واجب نہیں کہ وہ قرض ادا کرے صرف مندوب ہے۔ (فتح الملهم ص ۱٦٠ ج ۳)۔

اس تفصیل کے بعد اب ہم فدین الله احق، کا مطلب بھی آپ کو سمجھاتے ہیں انوار صاحب اس کا یہ مقصد نہیں کہ اللہ کا قرض ادا کرنا میت کے وارث پر فرض و واجب ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ میت پر جو قرض ہے اس میں سے پہلے انسان کا قرض ادا کیا جائے یا اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کیا جائے؟ حق یہ ہے کہ پہلے اللہ کا قرض ادا کیا جائے۔ (دیکھئے فتح الملہم ص۱۶۱ ج۳)۔ گویا اس حدیث میں بندے اور رب کے قرض کو ادا کرنے کی اولیت مطلوب ہے فدین الله احق، میں یہی بتایا گیا ہے اور اس پر ہی آپ نے زندہ شخص کی عمداً چھوڑی ہوئی نماز کو قیاس کیا ہے۔ آپ کے اس قیاس کا نتیجہ صاف ہے کہ قضاء فرض نہیں صرف مندوب ہے حالانکہ آپ کا یہ مسلک نہیں آپ قضاء کو فرض کہتے ہیں۔ آپ اپنے الفاظ پر غور کریں۔

بہر حال نماز پڑھنی پڑھے گی چاہے ادا پڑھے یا قضاء پڑھے، اگر ادا نہیں پڑھی تو قضاء پڑھے، کیونکہ نماز نہ پڑھنے کی صورت میں بندہ پر اللہ کا ایک قرض باقی رہے گا اور ظاہر ہے کہ قرضہ ادائیگی کے بغیر ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ لہٰذا نماز بھی جب تک پڑھ نہ لے ذمہ سے ساقط نہیں ہوگی۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۹۶)۔

ثابت ہوا کہ آپ کا قیاس باطل ہے کیونکہ قیاس تو یہ ہے کہ نظیر کو نظیر پر محمول کیا جائے مگر آپ فرض کو مندوب پر قیاس کر رہے ہیں مزید ستم یہ ڈھاتے ہیں کہ زندہ کے عمل کو میت کے وارث پر قیاس کر رہے ہیں۔ فقاہت کے ٹھیکے دارو! آخر مر کر مٹی میں دفن ہونا ہے، اللہ تعالیٰ کو ان خرافات کا کیا جواب دو گے۔

رابعا: احکام شریعت کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم ان احکام کی ہے، جو وقت کے ساتھ معلق نہیں انہیں

جب بھی ادا کر دیا جائے جائز ہے۔ مثلاً جہاد، عمرہ، نفلی صدقہ، دعاء، وغیرہ، اگرچہ انہیں جب بھی ادا کیا جائے جائز ہے لیکن جلدی ادائیگی کرنا افضل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وسارعو الی مغفرة من ربکم وجنة عرضها**، (آل عمران ۱۳۳)۔ اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض (آسمان و زمین کے برابر ہے)۔ دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جن کی اول وقت کی تو حد بندی کی گئی ہے لیکن آخر وقت کی کوئی حد مقرر نہیں جیسا کہ زکوٰۃ اس کی قبل از وقت ادائیگی جائز نہیں، وجوب کے بعد یہ فریضہ ساقط نہیں ہوسکتا اس کے آخری وقت کی کوئی حد مقرر نہیں، تاہم اس کی جلدی ادائیگی کرنا مذکورہ دلیل کے باعث افضل ہے۔ تیسری قسم ان احکام کی ہے جن کے لئے وقت کے اول و آخر کی حد مقرر کر دی گئی ہے ان احکام کی ادائیگی نہ قبل از وقت جائز ہے اور نہ بعد از وقت جائز ہے مثلاً نماز، حج اور رمضان کے روزے۔ ہم اپنے مخالفین سے عرض کریں گے کہ آپ نے اس بارے میں تو ہمارے ساتھ اتفاق فرمایا کہ فریضہ حج کی ادائیگی مقرر وقت کے علاوہ درست نہیں، روزہ بھی دن کے علاوہ اور کسی وقت جائز نہیں، لیکن نماز کے بارے میں آپ نے یہ کیسے جائز قرار دے دیا ہے کہ یہ وقت کے بعد بھی جائز ہے۔

خلاصہ کلام: یہ کہ عمداً و قصداً چھوڑی ہوئی نماز کی قضاء پڑھنے پر انوار صاحب قرآن و سنت سے کوئی بھی دلیل نہیں دے سکے، اس سلسلہ میں جو بھی زیب رقم فرمایا ہے وہ بھولی ہوئی اور عذر شرعی کی وجہ سے تاخیر کی احادیث ہیں اور عذر کی وجہ سے اگر نماز وقت پر ادا نہ ہوسکے تو اسے بعد میں پڑھا جائے، اور اس کا وہی وقت ہے جب اسے یاد آئے یا نیند سے بیدار ہو یا جب عذر شرعی ختم ہوجائے گویا عذر شرعی کی وجہ سے نماز کا وقت دراز ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ معذور تاخیر کے باعث گناہگار نہیں ہوتا۔ جب کہ قصداً نماز کو ترک کرنے والے نے نماز کی شرائط میں سے ایک شرط (وقت) کو جان بوجھ کر ترک کر دیا ہے لہٰذا اس کی نماز نہیں ہوتی، جیسے نماز کے فرائض میں سے کوئی شخص طہارت کے فرض کو عمداً ترک کر دے تو اس کی نماز جائز نہیں ہے باقی رہا امام نووی کا قول کہ یہ ادنیٰ سے اعلیٰ پر تنبیہ کے باب سے ہے تو اس کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ قیاس فاسد ہے کیونکہ نظیر کو نظیر پر محمول کیا جاتا ہے نظیر کو ضد پر محمول نہیں کیا جاتا، مزید یہ کہ امام نووی کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ قضاء نماز کو تاخیر سے پڑھنے کے بھی قائل ہیں، یاد آنے پر پڑھنے کو وہ استحباب پر محمول کرتے ہیں۔ بلفظ دیگر وہ قضاء نمازوں میں ترتیب کو لازم نہیں جانتے جب کہ آپ اسے فرض کے قریب قرار دیتے ہیں جیسا کہ جناب نے خود لکھا ہے کہ اگر کوئی فوت شدہ نماز کو قضاء پڑھے بغیر وقتیہ نماز پڑھے گا تو اس کی وقتیہ نماز نہیں ہوگی۔

(حدیث اور اہل حدیث ۶۹۹)۔

اس سے ثابت ہوا کہ امام نووی کے کلام کو پیش کرنا انوار صاحب کا خبط بے ربط ہے۔

(۵۹) باب سجدہ سہو سلام سے قبل کرنا بھی سنت ہے

فصل اول

(۱) عن عبد الله بن بحينة رضی اللہ عنہ انه قال صلى لنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ركعتين من بعض الصلوات ثم قام فلم يجلس، فقام الناس معه فلما قضى صلاته ونظرنا تسليمه كبر قبل التسليم فسجد سجدتين وهو جالس ثم سلم۔

سیدنا عبد اللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی (چار رکعتی) نماز میں دو رکعت پڑھائیں پھر اٹھ کر کھڑے ہوئے پہلا قعدہ نہیں کیا لوگ بھی آپ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے جب نماز پوری کر چکے تو ہم آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے سلام پھیرنے کے منتظر تھے آپ نے اللہ اکبر کہا اور سلام سے پہلے دو سجدے سہو کے کیئے بیٹھے بیٹھے پھر سلام پھیرا۔

(صحيح بخارى كتاب السهو باب ماجاء فى السهو اذا قام من ركعتى الفريضة، الحديث ۱۲۲٤، مسلم كتاب المساجد باب السهو فى الصلاة والسجود له الحديث ۱۲٦۹)۔

(۲) عن عبد الله بن بحينة رضی اللہ عنہ انه قال ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قام من اثنتين من الظهر لم يجلس بينهما، فلما قضى صلاته سجد سجدتين، ثم سلم بعد ذلك۔

سیدنا عبد اللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی دو رکعتیں پڑھ کر کھڑے ہوگئے اور ان کے درمیان بیٹھے نہیں۔ (یعنی قعدہ اولیٰ نہیں کیا) جب نماز پوری کر چکے تو سہو کے دو سجدے کئے پھر ان کے بعد سلام پھیرا۔

(صحيح بخارى باب سابق الحديث ۱۲۲۵)۔

(۳) عن ابى سعيد الخدرى قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا شك احدكم فى صلاته فلم يدر كم صلى؟ ثلاثا ام اربعا؟ فليطرح الشك وليبن علىٰ ما استيقن، ثم يسجد سجد تين قبل ان يسلم، فان كان صلى خمسا، شفعن له صلاته وان كان صلى اتمام لاربع كانتا ترغيما للشيطان۔

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شک کرے اور معلوم نہ ہو سکے کہ تین پڑھیں ہیں یا چار تو شک کو دور کرے اور جس قدر کا یقین ہو، اسے قائم کرے اور (سہو کے) دو سجدے سلام پھیرنے سے پہلے کرے۔ اب اگر اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں تو یہ دو سجدے اس کی نماز کو جفت کردیں گے، اور اگر پوری چار پڑھیں تو یہ دونوں سجدے

شیطان کی رسوائی اور ذلت کے لئے ہو جائیں گے۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد باب السهو فی الصلاة والسجود له، الحديث ۱۲۷۲)۔

(۴) عن عبد الله قال صلى بنا رسول اللهﷺ خمسا فلما انفتل توشوش القوم بينهم، فقال ماشانكم؟ قالوا يا رسول اللهﷺ !هل زيد فى الصلاة؟ قال، لا، قالوا فانك قد صليت خمسا فانفتل ثم سجد سجدتين ثم سلم، الحديث۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پانچ رکعتیں پڑھائیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ آواز سے کلام شروع کر دیا، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا تمہیں کیا ہوا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں،، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آپ نے پانچ رکعتیں پڑھائی ہیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبلہ کا رخ کیا اور سہو کے دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا'' الحدیث۔

(مسلم کتاب المساجد باب سابق الحديث ۱۲۸۳)۔

(۵) عن عبد الرحمن بن عوف قال سمعت رسول اللهﷺ يقول، اذا شك احدكم فى صلاته فلم يدرأ واحدة صلى ام ثنتين، فليجعلها واحدة، واذا لم يدر ثنتين صلى ام ثلاثا فليجعلها ثنتين واذا لم يدر أثلاثا صلى ام اربعا فليجعلها ثلاثا، ثم يسجد اذا فرغ من صلاته وهو جالس قبل ان يسلم سجدتين۔

سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ کہہ رہے تھے کہ جب انسان کو اپنی نماز میں شک پڑے کہ آیا اس نے ایک رکعت پڑھی ہے یا دو رکعتیں پڑھی ہیں، تو وہ اسے ایک رکعت شمار کرے یا اسے شک پڑے کہ اس نے دو پڑھی ہیں یا تین تو وہ ان کو دو شمار کرے یا اسے شک پڑے کہ اس نے تین پڑھی یا چار تو وہ انہیں تین شمار کرے اور جب نماز کو مکمل کر لے تو بیٹھے بیٹھے دو سہو کے سجدے سلام پھیرنے سے پہلے کرے۔ (مسند احمد ص ۱۹۰ ج ۱، ترمذی كتاب الصلاة باب فيمن يشك فى الزيادة والنقصان، الحديث ۳۹۸، ابن ماجه كتاب اقامة الصلوٰت باب ماجاء فيمن شك فى صلاته فرجع الى اليقين، الحديث ۱۲۰۹، طحاوى ص۲۹٤ ج۱، مستدرك حاكم ص۳۲٤ ج۱، بيهقى ص۳۳۲ ج۲)۔

امام ترمذی حاکم وذہبی اور البانی نے صحیح کہا ہے۔ (الصحیحۃ ۱۳۵۶)۔

(٦) عن ابى هريرة ان رسول اللهﷺ قال ان احدكم اذا قام يصلى جاءه الشيطان فلبس عليه حتى لا يدرى كم صلى فاذا وجد احدكم ذلك فليسجد سجدتين وهو جالس

قال ابو داؤد وکذا رواہ ابن عیینة ومعمر واللیث، حدثنا حجاج بن ابی یعقوب حدثنا یعقوب اخبرنا ابن اخی الزہری عن محمد بن مسلم بهذا الحدیث باسنادہ، وهو جالس قبل التسلیم۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو شیطان آتا ہے اور اس پر نماز خلط ملط کر دیتا ہے حتیٰ کہ اسے یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھیں ہیں لہٰذا جب تم میں سے کوئی ایسی صورت پائے تو وہ بیٹھے ہوئے سہو کے دو سجدے کرے سلام پھیرنے سے پہلے۔

(سنن ابو داؤد کتاب الصلاة باب من قال یتم علی اکثر ظنه, الحدیث ۱۰۳۰، ۱۰۳۱)۔

(۷) عن ابی هریرة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الشیطان یدخل بین ابن آدم وبین نفسه فلا یدری کم صلی فاذا وجد ذلك فلیسجد سجدتین قبل ان یسلم۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ شیطان ابن آدم اور اس کے دل میں سما جاتا ہے، پھر یاد نہیں رہتا کتنی رکعتیں پڑھیں، جب ایسا ہو تو دو سجدے سہو کے سلام پھیرنے سے پہلے کرے۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوٰت ما جاء فی السهو قبل السلام ، الحدیث ۱۲۱۷)۔

(۸) عن ابی هریرة قال قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی احدکم فلم یدر ازاد أم نقص فلیسجد سجدتین وهو جالس ثم یسلم۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی نماز پڑھے اور اسے یاد نہ رہے کہ رکعتیں زیادہ یا کم پڑھی ہیں تو وہ بیٹھے بیٹھے سلام پھیرنے سے پہلے دو سہو کے سجدے کرے۔

(سنن دارقطنی ص ۳۷٤ ج ۱)۔

(۹) عن ابی هریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا وجد ذلك فلیسجد سجدتین وهو جالس ثم یسلم الحدیث۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے (کوئی نماز میں شک کی) صورت پائے تو وہ بیٹھے بیٹھے دو سجدے کرے پھر سلام پھیرے۔

(المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم للامام ابونعیم اصبهانی ص۱٦۷ ج ۱ رقم الحدیث ۱۲٤۸)۔

(۱۰) عن عبد الرحمن بن شماسة المهدی یقول صلی بنا عقبة بن عامر الجهنی فقام وعلیه جلوس فقال الناس سبحان اللہ فلم یجلس ومضی علی قیامه فلما کان فی آخر

صلاته سجد سجدتين وهو جالس فلما سلم قال انى سمعتكم آنفا تقولون سبحان الله لكيما اجلس لكن السنة الذى صنعت۔

امام عبد الرحمٰن بن شماسہ المہدی فرماتے ہیں کہ ہمیں سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی آپ کھڑے ہوگئے جب کہ آپ پر بیٹھنا تھا۔(یعنی قعدہ اولیٰ میں) لوگوں نے سبحان اللہ کہا مگر آپ نہ بیٹھے اور قیام پر ہی رہے جب نماز کا آخیر ہوا تو دو سہو کے سجدے بیٹھے بیٹھے کئے، جب سلام پھیرا تو فرمایا کہ میں نے آپ سے تھوڑی دیر پہلے سبحان اللہ سنا تھا جو آپ نے اس لئے کہا تھا کہ میں بیٹھ جاؤں لیکن سنت یہی ہے جو میں نے کیا ہے۔

(مستدرك حاكم ص٣٢٥ ج١، بيهقى ص٣٤٤ ج٢)۔

(۱۱) ان محمد بن يوسف حدثه عن ابيه عن معاوية بن ابى سفيان صلى بهم فنسى فقام وعليه جلوس فلم يجلس، فلما كان فى آخر الصلاة سجد سجدتين قبل ان يسلم ثم قال هكذا رايت رسول الله ﷺ يفعل۔

امام محمد بن یوسف مولیٰ عثمان اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہم کی اقتداء میں نماز پڑھی، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھول گئے آپ کھڑے ہوگئے جب کہ آپ پر بیٹھنا تھا، مگر آپ بیٹھے نہیں، جب نماز کے آخر میں پہنچے تو سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کئے، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

(المعجم الكبير للطبرانى ص٣٣٦ ج١٩، رقم الحديث ٧٧٤، بيهقى ص٣٣٤ ج٢، طحاوى ص٢٩٧ ج١)۔

(۱۲) عن شرجيل بن حسنة ان رسول الله ﷺ قام فى الركعتين من الصلاة فلم يقعد حتى فرغ من صلاته ثم سجد سجدتين، ثم سلم۔

سیدنا شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں پہلے قعدہ پر کھڑے ہوگئے بیٹھے نہیں حتی کہ نماز سے فارغ ہوگئے تو سلام پھیرنے سے پہلے دو سہو کے سجدے کئے۔

(طبرانى كبير ص٣٠٥ ج٧، ابن عدى ص١٠١٦ ج٣، سند ضعيف ہے)۔

قارئین کرام مذکورہ احادیث و آثار میں صرف آخری حدیث ہی ضعیف ہے بقایا تمام احادیث و آثار صحیح ہیں، ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے خود نبی مکرم ﷺ نے سلام پھیرنے سے پہلے سہو کے سجدے کئے ہیں جیسا کہ حدیث نمبر ۱، ۲ میں بیان ہے اور اسی چیز کا نبی مکرم ﷺ نے حکم دیا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابوسعید الخدری اور سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کی روایات میں صراحت ہے، یہی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے ہاں ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سلام پھیرنے کے بعد بھی سجدہ سہو کرنے کی احادیث صحیح ہیں، اور یہ بھی سنت ہے اور ہم کسی کو بھی افضل اور غیر افضل قرار نہیں

دیتے۔ ہاں البتہ ہم حنفیہ کے طریقہ سجدہ سہو کو بدعت ضرور کہتے ہیں، یہ کسی حدیث میں بھی نہیں آیا کہ درود تک تشہد پڑھ کر دائیں طرف سلام پھیرا جائے پھر دو سجدے کئے جائیں، بعدہ پورا تشہد پڑھ کر سلام پھیرا جائے۔ ہم پوری ذمہ داری سے عرض کرتے ہیں کہ یہ طریقہ بدعت سیئہ ہے، قرآن وسنت تو کجا کسی صحابی سے بھی ثابت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی حنفی خواہ دیوبندی ہو یا بریلوی اپنے مؤقف کو قرآن و سنت اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت کرسکتا ہے۔ اگر کوئی ہماری تحقیق کو ناقص ثابت کردے تو ہم اس کے شکر گزار ہوں گے اس کی قرآن فہمی اور تبحر فی الحدیث کو تسلیم کرنے کے علاوہ ہم اپنے فتویٰ بدعت کو معذرت کے ساتھ واپس لے لیں گے اور حق محنت میں وہی کتاب (جس سے وہ ثبوت دے گا) اسے بطور انعام دے دیں گے ان شاء الرحمٰن۔

کوئی ہے حنفی علامہ فہامہ جو حنفیت کی لاج رکھ لے مگر ایسا ممکن نہیں۔

فصل دوم

(۱) عن ابن مسعود مرفوعا واذا شك احدكم فى صلاته فليتحر الصواب فليتم عليه ثم يسلم ثم يسجد سجدتين۔

(بخاری ص۵۸ ج۱)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم میں سے کسی کو جب اپنی نماز میں شک ہوجائے تو اسے چاہیئے کہ صحیح کے لئے سوچ و بچار کرے اور اس پر اپنی نماز کو پورا کرے پھر سلام پھیر کر دو سجدے کرے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۱۰۷)

<u>الجواب</u>: اولاً آپ نے حدیث کا مکمل متن درج نہیں کیا پہلے پوری حدیث درج کی جاتی ہے بعد میں وضاحت کی جائے گی کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے۔

عن علقمة قال، قال عبد الله صلى النبي ﷺ، قال ابراهيم، لا ادرى، زاد او نقص، فلما سلم قيل له يا رسول الله ﷺ! احدث فى الصلاة شئى؟قال وما ذاك؟ قالوا صليت كذا وكذا، فثنى رجله واستقبل القبلة وسجد سجدتين ثم سلم فلما اقبل علينا بوجهه قال، انه لو حدث فى الصلاة شئى لنباتكم به، ولكن انا بشر مثلكم، انسى كما تنسون، فاذا نسيت فذكرونى، واذا شك احدكم فى صلاته فليتحر الصواب فليتم عليه، ثم يسلم ثم يسجد سجدتين۔

امام علقمہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے نماز پڑھائی۔ ابراہیم نخعی (راوی حدیث) نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے اس میں کچھ بڑھا دیا یا گھٹا دیا جب

سلام پھیرا تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا نماز میں کوئی نیا حکم آیا ہے آپ نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اتنی اتنی رکعتیں پڑھیں ہیں، یہ سن کر آپ نے اپنے پاؤں پھیرے اور قبلہ رخ منہ کر کے (سہو کے) دو سجدے کیے پھر سلام پھیرا پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا اگر نماز میں کوئی نیا حکم آتا تو میں آپ سے ضرور بیان کرتا بات یہ ہے کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں جیسے آپ بھول جاتے ہیں میں بھی بھول جاتا ہوں، پھر جب میں بھولوں تو مجھے یاد دلایا کرو۔ جب کوئی تم میں سے اپنی نماز میں شک کرے تو ٹھیک بات سوچ لے پھر اسی پر اپنی نماز پوری کرے، پھر سلام پھیرے اور (سہو کے) دو سجدے کرے۔

(بخاری کتاب الصلاۃ با ب التوجہ نحو القبلۃ حیث کان، الحدیث ۴۰۱، مسلم کتاب المساجد باب السھو فی الصلاۃ والسجود لہ ،الحدیث) ۱۲۷۴)۔

گو اس روایت میں راوی کو شک ہے کہ نماز کم یا زیادہ پڑھی تھی مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی صفحہ نمبر ۵۸ پر ہی ایک دوسری حدیث درج کی ہے۔

عن عبد اللہ قا ل صلی النبی ﷺ الظھر خمسا فقالوا ازید فی الصلاۃ قال وما ذاک قالوا صلیت خمسا فثنی رجلہ فسجد سجدتین۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ظہر کی (بھولے سے) پانچ رکعتیں پڑھ لیں، لوگوں نے کہا کیا نماز بڑھ گئی ہے، آپ نے فرمایا یہ کیا بات ہے۔؟ صحابہ کرام نے عرض کیا آپ نے پانچ رکعتیں پڑھیں ہیں۔ یہ سن کر آپ نے اپنا پاؤں موڑا اور (سہو کے) دو سجدے کیئے۔

(بخاری باب سابق الحدیث ۴۰۴ ومسلم باب سابق الحدیث ۱۲۸۱)۔

حدیث کے متون کو مکرر ایک نظر دیکھ لیں اس میں حنفیہ کے کئی مسائل باطل قرار پاتے ہیں۔ ان کا مسلک ہے اگر نمازی چار کی بجائے پانچ رکعت پڑھ لے اور آخری تشہد بھی نہ بیٹھا ہو تو اس کی نماز باطل ہوگئی (ھدایہ ص۱۰۷ ج ا والبحر الرائق ص۱۰۳ ج ۲ ونماز مسنون ص ۵۱۵)۔

جب کہ اس حدیث میں ظہر کی پانچ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے اور چوتھی رکعت پر نہ بیٹھنا بھی طبرانی کی روایت میں آیا ہے۔ (بحوالہ فیض الباری ص۴۳۹ ج۲)۔

لہٰذا انوار خورشید صاحب کے تقلیدی مذہب میں تو نبی علیہ السلام کی نماز ہی باطل ٹھہری لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

چونکہ امام ابن خزیمہ اور ابن حزم وغیرہ نے حنفیہ پر یہ اعتراض کر رکھا تھا (بحوالہ فتح الباری ص۷۳ ج۳)۔ اس کے لئے انوار صاحب نے بددیانتی کا مخلص تلاش کیا اور پوری حدیث جان بوجھ کر درج نہ کی کہ کہیں ہماری فقہ کا بھانڈا چوراہے میں نہ پھوٹ جائے۔

حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی نے بڑی دو ون کی لی ہے امام بیہقی کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسے اسماعیل بیان کرنے میں منفرد نہیں بلکہ ابن ابی شیبہ میں اس کا متابع ہثیم بن حمید موجود ہے (حاشیہ مصنف عبد الرزاق ص۳۲۲ ج ۲)۔

بلاشبہ امام ھشیم نے بھی، عبید اللہ بن عبید، سے یہ روایت نقل کی ہے مگر اس میں بعد ما یسلم کے الفاظ قطعاً نہیں جن سے حنفیہ کا استدلال ہے (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۳ ج ۲)۔ہم اعظمی صاحب کے مشکور ہیں کہ انہوں نے ایک بات نئی بتائی تو ہم نے مراجعت کرلی جس کا فائدہ یہ ہوا کہ ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ روایت سند کی طرح متن میں بھی مضطرب ہے۔

ثالثاً: یہ ہمارے خلاف نہیں ہم سلام پھیرنے کے بعد بھی سجدہ سہو کو مسنون تسلیم کرتے ہیں لیکن آپ کا مؤقف اس سے ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ آپ صرف دائیں طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرتے ہیں پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں۔ اور حدیث میں ان چیزوں کا ذکر نہیں۔

(۴) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ سلم ثم سجد سجدتی السھو وھو جالس ثم سلم۔

(نسائی ص۱٤٩ ج ۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا پھر بیٹھے بیٹھے دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۰۲)۔

الجواب: اولاً یہ روایت تو (بخاری ۱۲۲۹ مسلم ۱۲۸۸) میں بھی تھی، مگر محترم نے اسے نسائی سے نقل کیا ہے۔ وجہ؟ اس لئے کہ نسائی کی روایت مختصر تھی اور بخاری و مسلم کی مفصل تھی اور اس میں صراحت ہے کہ ظہر کی نماز میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا۔

اور سیدنا ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے توجہ دلانے سے آپ علیہ السلام نے باقی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرا پھر سجدہ سہو کئے (حدیث کا متن نماز میں کلام کرنے کے باب کی فصل اول میں گزر چکا ہے) وہاں سے ایک بار اس کو مکرر دیکھ لیا جائے، اس سے حنفیہ کے مؤقف کا چونکہ بطلان ہوتا ہے اس لئے انوار صاحب نے مفصل کی بجائے مختصر حدیث درج کی ہے تاکہ بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔ پھر اس مختصر کو نقل کرنے میں بھی بددیانتی کی ہے امام نسائی نے، **قال ذکر فی حدیث ذی الیدین** کہہ کر مفصل حدیث کی طرف توجہ دلائی تھی۔ (نسائی رقم الحدیث ۱۳۳۱) جسے انوار صاحب بے ڈکار ہضم کر گئے ہیں فان للہ وانا الیہ راجعون۔

الغرض اس حدیث کا مفاد تو یہ تھا کہ اگر غلطی سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا جائے اور مکرر نماز شروع کرنے سے پہلے اصلاح نماز کے لئے کلام کرنا مباح ہے اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ مزید برآں لہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متاخر اسلام ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نماز میں کلام کی ممانعت سے

بعد کا ہے۔ چونکہ مفصل حدیث انوار صاحب کے تقلیدی مذہب کے خلاف تھی اس لئے انہوں نے حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے ایسا کیا ہے۔

ثانیا: یہ ہمارے خلاف نہیں اور آپ کے موافق نہیں کیونکہ عند الحنفیہ صرف دائیں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو ہے پھر تشہد پڑھا جاتا پھر دونوں طرف سلام پھیرا جاتا ہے۔ جب کہ حدیث زیر بحث میں اس کا ذکر نہیں۔

(۵) عن عمران بن حصین ان النبی ﷺ صلی ثلثا ثم سلم فقال الخرباق انك صليت ثلث فصلی بهم الركعة الباقية ثم سلم ثم سجد سجدتی السهو ثم سلم۔

(نسائی ص۱٤۹ ج۱)۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (ایک مرتبہ بھولے سے) تین رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ حضرت خرباق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ نے تین رکعتیں پڑھائی ہیں چنانچہ آپ نے انہیں باقی (چوتھی) رکعت پڑھا کر سلام پھیرا پھر دو سجدہ سہو کئے پھر سلام پھیرا (حدیث اور اہل حدیث ۷۰۳)۔

الجواب: اولا سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح مسلم ۱۲۹۳، ۱۲۹۴)، ابو عوانہ ص ۱۹۸ ج۲، ابوداوٗد (۱۰۱۸)، ابن ماجہ (۱۲۱۵)، بیہقی ص ۳۳۵ ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۹ ج ۲ ومسند طیالسی (۸۴۷) ومسند احمد ص ۴۲۷، ۴۴۱ ج ۴ وغیرہ میں بھی موجود تھی۔ اور نسائی کی روایت سے مفصل بھی تھی۔ آخر وہ کون سی مجبوری تھی کہ انوار صاحب نے مفصل کی بجائے مختصر کو ترجیح دی ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نماز میں قبلہ سے منہ پھر جانے سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔ (درمختار ص۹۰ ج۱ و نماز مسنون ۴۹۰)۔

اور سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی مفصل حدیث میں منہ کا قبلہ سے پھر جانا ثابت ہوتا تھا کیونکہ حدیث میں یہ بیان بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھ کر گھر تشریف لے گئے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر سہو سے منہ قبلہ سے پھر جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی اور یہ حدیث حنفیہ پر حجت تھی۔ یہ وجہ تھی کہ انوار صاحب نے مسلم وغیرہ کی بجائے نسائی سے روایت نقل کی۔

ثانیا: یہ ہمارے مخالف نہیں۔ اور آپ کے موافق نہیں کیونکہ اس میں صرف ایک طرف (دائیں) سلام پھر سجدہ سہو کرنے اور بعد میں تشہد پڑھ کر سلام پھیرنے کا ذکر نہیں۔

(٦) عن عمران بن حصین ان النبی ﷺ صلی بهم فسهى فسجد سجدتين ثم تشهد ثم سلم۔

(ابو داؤد ص۱٤۹ ج۱، ترمذی ۹۰ ج۱)۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی تو آپ کو سہو ہوگیا۔ آپ نے دو سجدہ سہو کیے پھر التحیات پڑھی پھر سلام پھیرا۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۰۳)

الجواب: اولاً یہ روایت شاذ ہے۔ امام خالد الحذا سے متعدد آئمہ حدیث نے یہ روایت کی ہے مثلاً امام شعبیؒ امام ابن علیہ امام عبدالوہاب ثقفی امام ہشیم امام حماد بن زید امام یزید بن زریع وغیرہ نے (بیہقی ص ۳۵۵ ج ۲) مگر کسی ایک نے بھی تشہد کا ذکر نہیں کیا یہ صرف اشعث بن عبدالملک نے امام محمد بن سیرین کے واسطے سے امام خالد الحذا سے نقل کیا ہے جب کہ اسی سند (ترمذی اور ابوداؤد والی) سے امام نسائی نے بھی روایت کی ہے، مگر اس میں تشہد کا ذکر نہیں۔ (نسائی رقم الحدیث ۱۲۳۷) امام ابن عبدالبر امام بیہقی حافظ ابن حجر اور البانی نے تشہد کے ذکر کو ضعیف و شاذ قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ص ۷۶ ج ۳، ارواء الغلیل ص ۱۲۸ ج ۲)۔

ثانیاً: یہ روایت آپ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں کیونکہ آپ دائیں طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرتے ہیں پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں جبکہ اس روایت میں ایک سلام کا ذکر ہے، سجدہ سہو سے قبل دائیں طرف سلام پھیرنا ثابت نہیں۔ پھر المعتمر بن سلیمان عن خالد الحذا کی روایت میں صراحت ہے کہ تشہد پڑھنا سجدہ سہو سے پہلے تھا۔ **فصلی رکعة ثم تشهد وسلم ثم سجد سجدتی السهو ثم سلم۔**

(چھوٹی ہوئی) رکعت پڑھی پھر تشہد پڑھا اور سلام پھیرا پھر سجدہ سہو کیا اور سلام پھیرا۔
(صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۲۶۶۳)۔

یہ روایت سند کے لحاظ سے حسن درجہ کی ہے۔ ثابت ہوا کہ اشعث کی روایت میں جس تشہد کا ذکر ہے وہ سجدہ سہو سے پہلے کا ہے۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مذکورہ روایت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو صرف اتنا کہ اگر ایک رکعت سہواً رہ جائے تو اسے پڑھا جائے تشہد بھی بیٹھا جائے (صرف ایک رکعت ہی ادا نہ کی جائے) جب تشہد سے فارغ ہو تو سلام پھیر کر سجدہ سہو کیے جائیں پھر سلام پھیرا جائے، اور یہ چیز ہمارے خلاف نہیں اور انوار صاحب کے بدعی مسلک کے موافق نہیں۔

(۷) عن زيادة بن علاقة قال صلى بنا المغيرة بن شعبة فنهض فى الركعتين قلنا سبحان الله قال سبحان الله ومضى فلما اتم صلاته وسلم سجد سجدتى السهو فلما انصرف قال رايت رسول الله ﷺ يصنع كما صنعت۔

(ابو داؤد ص ۱۴۸ ج ۱ ترمذی ص ۸۳ ج ۱، مسند احمد ص ۲۴۷ ج ۴)۔

حضرت زیادہ بن علاقہ فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں نماز پڑھائی (بھولے

سے) دوسری رکعت پڑھ کر کھڑے ہوگئے ہم نے سبحان اللہ کہا تو آپ نے بھی سبحان اللہ کہا، اور اپنی نماز پوری کرلی، اور سلام پھیرا تو دو سجدہ سہو کئے پھر نماز سے فارغ ہو کر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے جیسا کہ میں نے کیا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۰۴)

الجواب: بلاشبہ یہ روایت متعدد طرق کی وجہ سے صحیح ہے (راجع ارواء الغلیل رقم الحدیث ۳۸۸) لیکن حنفیہ کے مؤقف پر یہ تقریب تام نہیں کیونکہ یہ صرف دائیں طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرتے ہیں پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں۔ جب کہ حدیث میں صرف سجدہ سہو سے پہلے سلام پھیرنے کا ذکر ہے۔ باقی امور سے حدیث ساکت ہے۔

ثانیا: ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم سلام پھیر کر سجدہ سہو کو بھی مسنون کہتے ہیں۔

(۸) عن علقمة ان ابن مسعود سجد سجدتی السهو بعد السلام و ذکر ان النبی ﷺ فعل ذلك۔ (ابن ماجه ص۸۶)۔

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو سجدہ سہو کیئے سلام پھیرنے کے بعد اور ذکر کیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

(حدیث اور اہل حدیث ۷۰۴)۔

الجواب: محترم یہ ہمارے مخالف نہیں اور آپ کے موافق نہیں، کیونکہ اس میں صرف دائیں ہی طرف سلام پھیرنا اور سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ جب کہ یہ آپ کے دعویٰ پر تقریب تام ہی نہیں تو خصم پر حجت کیسی۔

(۹) عن ابی عبیدة قال قال عبد الله بن مسعود اذا قام احدکم فی قعود او قعد فی قیام او سلم فی الرکعتین فلیتم ثم یسلم ثم یسجد سجدتین یتشهد فیها ویسلم۔

(المدونة الکبریٰ ص۱۳۶ ج۱)۔

حضرت ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میں سے کوئی جب قعدہ کی جگہ قیام کرلے یا قیام کی جگہ قعدہ کرلے یا دو رکعتوں میں سلام پھیر لے تو اسے چاہیے کہ نماز پوری کر کے سلام پھیرے پھر دو سجدہ سہو کر کے التحیات پڑھے اور سلام پھیرے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۰۴)

الجواب: اولاً صرف معمولی سی کسر رہ گئی ہے، اگر وہ بھی پوری ہوتی تو یہ اثر حنفیہ کے مؤقف کی ترجمانی کرتا تھا۔ وہ کسر یہ ہے کہ ثم یسلم، کی جگہ ثم یسلم عن یمینه، (پھر دائیں طرف سلام پھیرے)۔ کے الفاظ ہوتے، لیکن اثر میں یہ الفاظ نہیں ہیں، لہٰذا حنفیہ کا مسلک وعمل تا حال بے ثبوت ہی رہا۔

ثانیا: اس کی سند میں سفیان ثوری ہیں جو مدلس ہیں۔ میزان میں ہے کہ یدلس عن الضعفاء ، ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے ہیں۔ (ص ۱۶۹ ج۱) دوسرا راوی خصیف بن عبد الرحمٰن ہیں جو کہ صدوق ہیں مگر سیئی الحفظ ہیں آخری عمر میں اختلاط ہوگیا تھا۔ (تقریب ص ۹۲)۔

پھر ابو عبیدہ کا اپنے والد سے سماع ثابت نہیں۔ (تقریب ص ۴۱۶) مزید برآں کتاب مدونہ کبریٰ کی سند اور توثیق محل نظر ہے، خلاصہ کلام یہ کہ جس روایت میں تدلیس کا شبہ ہو اور ایک راوی سئ الحفظ ہو پھر اس کا طریق بھی مرسل ہو اور جس کتاب میں پائی جاتی ہو اس کی صحت بھی ناقابل اعتبار ہو، اس روایت کے باطل ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔۔

(۱۰) عن عبد الله بن عباس قال سجدتا السهو بعد السلام ۔

(طحاوی ص ۲۹۹ ج ۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سجدہ سہو سلام پھیرنے کے بعد ہیں۔ (حدیث اوراہل حدیث ص ۷۰۵)

الجواب: علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے (آثار السنن) مگر حنفیہ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ **بعد السلام عن یمینه**، کے الفاظ نہیں، تشہد کا ذکر نہیں دوسرے سلام سے اثر ساکت ہے، صرف سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرنا ہمارے خلاف نہیں۔ یہ انوار صاحب کا وہم اور خبط بے ربط ہے۔

(۱۱) عن عطاء بن ابی رباح قال صليت خلف ابن الزبير فسلم فی الركعتين فسبح القوم فقام فاتم الصلوٰة، فلما سلم سجد سجدتين بعد السلام قال عطاء فانطلقت الى ابن عباس فذكرت له ما فعل ابن الزبير فقال احسن واصاب ۔

(طحاوی ص ۲۹۸ ج ۱)۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی، انہوں نے (بھولے سے) دو رکعتوں ہی پر سلام پھیر دیا، لوگوں نے سبحان اللہ کہا تو آپ کھڑے ہوگئے اور نماز پوری کی پھر آپ نے سلام پھیر کر دو سجدہ سہو کیے۔ سلام کے بعد حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا اور ان سے ذکر کیا کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایسے کیا ہے آپ نے فرمایا: انہوں نے اچھا کیا اور درست کیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۰۵)

الجواب: اولاً یہ روایت آپ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں اور ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم بھی سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنے کو مسنون تسلیم کرتے ہیں۔

ثانیا: سند میں جابر بن یزید الجعفی ہے جو کذاب ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جابر سے بڑھ کر میں نے کسی کو جھوٹا نہیں دیکھا (تہذیب) الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

(۱۲) عن ابی عبد الرحمن بن حنظلة بن الراهب ان عمربن الخطاب صلى صلاة المغرب فلم يقرأ فى الركعة الاولىٰ شيئا فلما كانت الثانية قرأ فيها بفاتحة الكتاب وسورة مرتين فلما سلم سجد سجدتى السهو۔

(طحاوی ص۲۹۸ ج۱)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن حنظلہ بن راہب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (ایک مرتبہ) مغرب کی نماز پڑھائی تو پہلی رکعت میں بالکل قرأت نہیں کی دوسری رکعت میں آپ نے سورہ فاتحہ دو مرتبہ پڑھیں پھر آپ نے سلام پھیر کر دو سجدہ سہو کئے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۰۶)

الجواب: اولاً پہلی دو رکعت میں قرأت تو حنفیہ کے نزدیک بھی فرض ہے اور فرض چھوٹ جانے پر حنفی سجدہ سہو کے قائل نہیں مولوی اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں۔

اگر بھولے سے نماز کا کوئی فرض چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کرنے سے نماز درست نہیں ہوتی پھر سے پڑھے، (بہشتی زیور ص۳۳ حصہ دوم)۔

اگر کہا جائے کہ دوسری رکعت میں انہوں نے پہلی رکعت کی بھی قرات کی تھی لہٰذا پہلی رکعت کی فرض قرأت بھی ادا ہوگئی جواباً عرض ہے کہ یہ صورت بھی آپ کے نزدیک جائز نہیں۔ کیونکہ پہلی دو رکعتوں میں تو مطلق قراۃ آپ کے نزدیک بھی فرض ہے۔

الغرض آپ کے نزدیک سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز ہی نہیں ہوئی، فما کان جوابکم فهو جوابنا۔

ثانیا: سند میں، عکرمہ بن عمار۔ راوی مدلس ہے جیسا کہ امام نسائی امام احمد، امام دارقطنی نے صراحت کی ہے، (تہذیب ص۲۶۲ ج۷، طبقات ص۴۲)۔ اور روایت بھی معنعن ہے جب کہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز لوٹائی تھی۔

(كتاب المسائل للامام صالح بن احمد بحواله تغليق التغليق ص۴۴۸ ج۲ وفتح البارى ص۶۹ ج۳)۔

ثالثا: ہم متعدد بار عرض کر چکے ہیں کہ سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کی روایات سے آپ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا، مولانا تھانوی سجدہ سہو کا طریقہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ سجدہ سہو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اخیر رکعت میں فقط التحیات پڑھ کر ایک طرف (یعنی داہنی طرف) سلام پھیر کر دو سجدے کرے، پھر بیٹھ کر التحیات اور درود شریف اور دعا پڑھ کے دونوں طرف سلام پھیرے۔

(بہشتی زیور ص۳۴ حصہ دوم)۔

قارئین کرام! اس تفصیل کو ملاحظہ کریں، اور انواری دلائل کو مکرر ملاحظہ کریں، تو آپ خود جان

جائیں گے کہ اس مؤقف کو انوار صاحب کے تمام دلائل مل کر بھی ثابت نہیں کرتے، لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ مؤلف حدیث اوراہل حدیث۔

دھڑا دھڑ غیر متعلقہ احادیث و آثار نقل کرتا جاتا ہے مگر اصل اختلاف پر ایک حدیث اور اثر بھی نقل کرنے کی زحمت گوارہ کرنے کو تیار نہیں، محترم یہ دلائل نہیں بلکہ آپ کا خبط بے ربط ہے۔

(۱۳) عن عمران بن حصین قال فی سجدتی السهو یسلم ثم یسجد ثم یسلم۔

(طحاوی ۲۹۹ ج ۱)۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سجدہ سہو میں پہلے سلام پھیرے پھر سجدہ سہو کرے پھر سلام پھیرے۔ (حدیث اوراہل حدیث ۷۰۶)

(۱۴) عن انس انه قال فی الرجل یهم فی صلاته لایدری ازاد ام نقص قال یسجد سجدتین بعد ما یسلم ۔

(طحاوی ص۲۹۹ ج ۱)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کے بارے میں جسے نماز میں وہم ہوتا ہے اور پتہ نہیں چلتا کہ زیادتی کی ہے یا کمی کی ہے۔ فرمایا وہ سلام پھیرنے کے بعد دو سجدہ سہو کرے۔

(۱۵) عن قیس بن ابی حازم قال علی صلی بنا سعد بن مالك فقام فی الرکعتین الاولین فقالوا سبحان الله فقال سبحان الله فمضی فلما سلم سجد سجدتی السهو۔

(طحاوی ص۲۹۸ ج ۱)۔

حضرت قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تو آپ (بھولے سے) پہلی دو رکعتوں ہی میں کھڑے ہوگئے لوگوں نے سبحان اللہ کہا تو آپ نے بھی سبحان اللہ کہا، اور کھڑے ہی رہے، (اور نماز پوری کرکے) سلام پھیرا اور سجدہ سہو کئے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۰۶, ۷۰۷)

الجواب: محترم اختلاف اس میں نہیں کہ سلام کے بعد سجدہ سہو جائز ہے کہ نہیں ہم بھی اسے سنت تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ اختلاف حنفی نقطہ نظر سے ہے۔ آپ نے خود مولانا خالد گھرجاکھی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔

لیکن احناف میں جو رائج ہے کہ ایک طرف سلام پھیر کر پھر سہو کے سجدے کرنے کے بعد التحیات پڑھنا تو یہ سنت سے ثابت نہیں۔ (صلاۃ النبی ص۳۵۲)۔

یہ ہے جناب ہمارا اور آپ کا بنیادی اختلاف، مگر افسوس کی بات تو یہ ہے کہ جس مسئلہ میں نزاع ہے اس پر دلائل نہیں دیتے جب کہ اتحادی میں نقل کرتے ہیں۔ پھر کتنی ڈھٹائی سے مولانا گرجاکھی کی

عبارت پر تبصرہ کرتے ہیں کہ لیکن غیر مقلدین اس قدر احادیث و آثار کی موجودگی میں بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے ہی کرنا چاہیے اور سجدہ سہو کے بعد التحیات نہیں پڑھنی چاہیے کہ سنت سے ثابت نہیں، یہ ہے عمل بالحدیث کے دعویداروں کا علم و عمل۔

(حدیث اور اہل حدیث ۷۰۹)۔

پہلے اعتراض دیکھئے پھر مولانا کا دل آزار جواب ملاحظہ کریں اعتراض حنفیہ کے مسلک پر ہے جو اب محل سجدہ سہو کا ہے، کوئی دانا کہہ سکتا ہے کہ یہ اعتراض کا جواب ہے۔ محترم آپ نے جو دلائل نقل کئے ہیں ان میں سے کسی دلیل پر انگلی رکھیے کہ یہ ہمارے مؤقف کی ترجمانی کرتی ہے کہ۔ درود تک تشہد پڑھ کر دائیں طرف سلام پھیرا جائے پھر سجدہ سہو کر کے مکمل تشہد پڑھا جائے پھر دونوں جانب سلام پھیرا جائے، اگر آپ اس پر صرف ایک ہی حدیث نقل کر دیں صحیح کا مطالبہ بھی نہیں کرتے، حسن ہی دکھا دیں مزید رعایت دیتے ہیں کسی صحابی کا فتویٰ ہی پیش کر دیں، اگر اب بھی اپنے مسلک کو ثابت نہ کر سکے تو معلوم ہوا کہ آپ نے غلط بیانی کی ہے۔ اور آپ کا مسلک بے ثبوت ہے۔

افسوس خواجہ محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا شکوہ بھی کیا تھا کہ حنفیہ نے سجدہ سہو کرنا ہو تو اولاً صرف تشہد تک پڑھ کر صرف دائیں جانب سلام پھیرتے ہیں، یہ بھی حنفیہ کی خصوصی اختراع ہے جس کا کسی حدیث سے ثبوت نہیں ملتا، پھر مکمل التحیات پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیرتے ہیں۔ (حدیث اور غیر اہل حدیث ص ۱۱۷)

خواجہ صاحب کے اس اعتراض کے بعد حدیث اور اہل حدیث کے ۱۴ ایڈیشن شائع ہوئے ہیں مگر کیا مجال کہ اس وزنی اعتراض کو اٹھایا ہو اٹھانا تو بجا محترم نے اسے ہاتھ لگانا بھی گوارہ نہیں کیا۔ جان من یہ تحقیق نہیں بلکہ تقلید ہے۔

<u>خلاصہ کلام</u>: انوار صاحب نے کل پندرہ دلائل درج کئے ہیں، ان میں سے نمبر ۲، ۳، ۹، ۱۱، ۱۲ ضعیف ہیں۔ نمبر ۶ شاذ ہے اور نمبر ۴، ۵، ۱۲، حنفیہ کے خلاف ہیں تفصیل: گزر چکی ہے ان تمام چیزوں کو بھی نظر انداز کیجئے انوار صاحب ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود کوئی ایسی دلیل درج نہیں کر سکے جس کا یہ معنی و مفہوم ہو کہ درود تک تشہد پڑھ کر صرف دائیں طرف سلام پھیرا جائے پھر سجدہ سہو کئے جائیں بعدہ مکمل التحیات پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیرا جائے۔

(۶۰) باب مقتدی کا سہو

(۱)عن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس علی من خلف الامام سهو فان سها الامام فعلیه وعلی من خلفه السهو،وان سها من خلف الامام فلیس علیه سهو والامام کافیه۔

(دارقطنی ص۳۷۷ ج۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے ہے۔ اس پر سجدہ سہو نہیں ہے۔ اگر امام کو سہو ہوجائے تو اس پر اور جو اس کے پیچھے ہے اس پر سجدہ سہو ہے اور اگر مقتدی کو سہو ہوجائے تو اس پر سجدہ سہو نہیں ہے اس کو امام ہی کافی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۱۰)

الجواب: اس کی سند میں خارجہ بن مصعب ،راوی متروک الحدیث ہے امام احمد کہتے ہیں کہ اس کی روایات لکھی ہی نہ جائیں امام ابن نمیر فرماتے ہیں ضعیف و کذاب اور غیر ثقہ ہے۔ امام ابن معین ہیچ محض قرار دیتے ہیں، امام یحییٰ کہتے ہیں کہ غیاث بن ابراہیم سے تدلیس کرتا ہے اور غیاث ذاہب الحدیث، اور امام نسائی ضعیف و غیر ثقہ اور متروک کہتے ہیں۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ مضطرب الحدیث غیر پختہ ہے اس کی مرویات سے احتجاج نہ کیا جائے۔ امام ابن خراش امام حاکم ، امام ابواحمد نے متروک الحدیث کہا ہے امام دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے۔امام یعقوب کہتے ہیں کہ (ہمارے دوست) تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔امام ابن مدینی امام ابوداؤد نے ضعیف قرار دیا ہے، امام ابن حبان کہتے ہیں کہ غیاث بن ابراہیم سے تدلیس کرتا ہے اور خارجہ نے غیاث سے اس کی وضع کردہ روایات کو سنا تھا اس لئے خارجہ کی روایات میں موضوع روایات بھی ہیں۔ لہٰذا ان سے احتجاج کرنا جائز نہیں، امام ابن جارود، امام عقیلی ، امام سعید بن سکن امام ابو زرعہ، امام ابو العرب صقلی نے اسے ضعیف راویوں میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ص۷۷،۷۸ ج۳)۔

الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے امام بیہقی ، حافظ ابن حجر، اور علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(السنن الکبریٰ ص۳۵۲ ج۲، والتلخیص الحبیر ص۶ ج۲ ، ارواء الغلیل ص۱۳۱ ج۲)۔

ثانیا: خود انوار صاحب کے تقلیدی مذہب میں بھی اگر مقتدی رکوع و سجود تکبیر اولیٰ وغیرہ بھول جائے یا سہوا بے وضو ہوجائے تو اس کا یہ سہو امام نہیں اٹھاتا، لہٰذا اس روایت کو علی الاطلاق آپ تسلیم نہیں کرتے۔

(۲) عن ابراهیم انه قال اذا سهوت خلف الامام و حفظ الامام فلیس علیك سهو وان

سها وحفظت فعليك السهو وان لم يسجد الامام فلا تسجد وكذلك اذا سها جميع من مع الامام اوسها الامام۔

(کتاب الاثار للامام ابو حنیفة بروایت الامام ابی یوسف ص۳۷)۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تم امام کے پیچھے بھول جاؤ اور امام محفوظ رہے تو تم پر سجدہ سہو نہیں ہے اور اگر امام بھول جائے تو تم محفوظ رہو تو تم پر بھی سجدہ سہو ہوگا اور اگر امام سجدہ نہ کرے تو تم بھی سجدہ نہ کرو، اور اسی طرح اگر سارے مقتدی بھی بھول جائیں تو کسی پر بھی سجدہ سہو نہیں ہوگا، اور اگر امام بھول جائے تو سب پر ہوگا۔ (حدیث اور اہل حدیث ۱۱۷)

الجواب: اولاً سند میں امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد قاضی ابو یوسف دونوں مجروح و متکلم فیہ راوی ہیں مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں تفصیل گزر چکی ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے یہ روایت حماد سے روایت کی ہے اور حماد سے امام صاحب نے کتب حماد نہیں پڑھی (الجرح والتعدیل ص۴۵۰ ج۸)۔

ثانیا: آپ کے نزدیک بھی بعض صورتوں میں امام مقتدی کا سہو نہیں اٹھاتا۔ مثلا مقتدی بھول کر مصافحہ یا سلام کا جواب دے دیتا ہے نماز میں دنیاوی حاجت مانگتا ہے۔ نماز میں قہقہ لگاتا ہے نماز میں برہنہ ہو جاتا ہے۔ تکبیر میں لفظ اللہ کے ہمزہ کو لمبا کر دیتا ہے وغیرہ لہٰذا یہ اثر ہمارے ہی نہیں جناب کے بھی خلاف ہے۔

الغرض انوار صاحب مقتدی پر سجدہ سہو نہ ہونے پر کوئی صحیح حدیث مرفوع یا موقوف پیش نہیں کر سکے، تیسری دلیل انوار صاحب نے اجماع کو پیش کیا ہے۔ جو کہ غلط ہے، کیونکہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے حالت اقتداء میں بھول جانے پر سجدہ سہو کرنے کی روایت آئی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۴۰ ج۲)۔

امام ابن سیرین اور امام ابی سلیمان اور امام ابن حزم وغیرہ کا بھی یہی مؤقف ہے۔

(المحلی بالاثار ص۸۱ ج۳ رقم مسلہ ۴۸۰)۔

ہمارے نزدیک بھی صحیح اور درست بات یہی ہے کہ مقتدی کے بھول جانے پر مقتدی پر سجدہ سہو نہیں ہے جس کی دلیل سیدنا معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے لاعلمی کی وجہ سے نماز میں کلام کیا تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز لوٹانے یا سجدہ سہو کرنے کا حکم نہیں فرمایا تھا۔

(مسلم ۲۰۳ ج۱)۔

حدیث کا مکمل متن نماز میں کلام کرنے کی بحث میں فصل دوم کی پہلی حدیث میں گزر چکا ہے۔ قارئین کرام وہاں سے ایک نظر دیکھ لیں، امام بیہقی نے، السنن الکبریٰ ص۳۵۱ ج۲ میں اس سے ہی استدلال کیا ہے۔ بلاشبہ اہل حدیث میں سے بعض کا یہی مؤقف ہے کہ اگر مقتدی بھول جائے تو اس پر

بھی سجدہ سہو ہوگا۔

جیسا کہ انوار صاحب نے بھی نواب صاحب کا ، بدور الاہلہ ص ۶۸ سے کلام نقل کیا ہے کہ اگر مقتدی کو امام کے پیچھے خود اپنی طرف سے سہو ہو جائے تو اس پر سجدہ سہو اس سہو میں داخل ہونے کی بناء پر واجب ہوگا کیونکہ سجدہ سہو کے دلائل مقتدی کو بھی شامل ہیں۔ اور مقتدی سے امام کی ہمراہی میں خود اپنے سہو سے سجدہ سہو کے ساقط ہونے کی کوئی دلیل نہیں آئی۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۱۲)

مگر انوار صاحب نواب صاحب کی دلیل کا رد نہیں کر سکے کیونکہ انہوں نے جو بھی زیب رقم فرمایا ہے وہ سند کے لحاظ سے سخت ضعیف ہے۔ جو نواب صاحب کے استدلال کے بالمقابل ناقابل قبول ہے، ہاں ہم نے نواب صاحب کے استدلال کو صریح حدیث سے بفضلہ تعالیٰ غلط ثابت کر دیا ہے۔ اس لئے خالص حق اور درست بات یہی ہے کہ نماز میں اگر مقتدی معمولی غلطی سہواً کرے تو اس پر سجدہ سہواً نہیں ہے۔لیکن اگر اس کی غلطی سنگین ہے مثلاً قرأت کرنی بھول گیا، رکوع وسجود رہ گیا تکبیرات انتقال یا کوئی بھی نماز کا رکن یا مسنون اذکار ترک کر دے تو ایسا سہو امام نہیں اٹھاتا، خود حنفیہ کے نزدیک بھی صرف مقتدی کی وہی بھول ہی امام اٹھاتا ہے جن صورتوں میں ان کے نزدیک سجدہ سہو ہے، رہے وہ حصص نماز جو فرض ہیں یا مفسد صلاۃ ہیں تو ان میں امام مقتدی کا سہو نہیں اٹھاتا۔

چنانچہ مولانا محمود حسن خاں صاحب دیوبندی کے شاگرد خاص جناب ابو القاسم محمد رفیق دلاوری فرماتے ہیں۔

اگر مقتدی جماعت میں سو گیا اور امام کے ساتھ اس کا ایک سجدہ رہ گیا تو جب تک یہ سجدہ نہ کرے گا، نماز نہ ہوگی، اس کو چاہیئے کہ بیدار ہونے کے بعد فی الفور اس سجدہ کو کر کے امام کے ساتھ ہو جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک سجدہ کر کے سجدہ سہو کر لے، اس فوت شدہ سجدہ کے ادا کئے بغیر نماز نہ ہوگی،

(عماد الدین ص ۵۹۶ طبع شیخ غلام علی اینڈ سنز فصل ۱۲۳ جماعت کے متفرق مسائل)

(۶۱) باب سجدہ تلاوت بغیر وضو بھی جائز ہے

فصل اول

كان ابن عمر يسجد على غير وضوء۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سجدہ تلاوت بے وضوء کیا کرتے تھے۔(بخاری ۱۴۶ ج ۱)۔

قرآن کریم نے نماز کے لئے وضو شرط قرار دیا ہے۔ اور سنت میں کہا گیا کہ نماز وضو کے بغیر نہیں ہوتی۔ (ابو داؤد رقم الحدیث ۱۰۱)۔

اگر وضوء سجدہ تلاوت کے لئے بھی شرط ہوتا تو قرآن وسنت میں اس کی وضاحت آتی، کیونکہ بھول جانا اللہ تعالیٰ کی ذات کی صفات کے خلاف ہے، لہٰذا یہ اپنی طرف سے اضافہ ہے اور ہر وہ چیز جو اپنی طرف سے اضافہ ہو وہ قابل رد ہے، سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر وہ عمل جس پر ہماری طرف سے کوئی ثبوت نہیں وہ مردود ہے۔ (مسلم رقم الحدیث ۴۴۹۳)۔

لہٰذا سجدہ تلاوت کے لئے وضو کو، شرط قرار دینا،، باطل ہے ہاں اگر کوئی وضو کرے تو اچھا ہے مگر شرط قرار دینا باطل ہے۔

فصل دوم

(۱) عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تقبل صلاۃ بغیر طھور۔

(ترمذی ص۱۳ ج ۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ (آپ نے فرمایا) کوئی نماز بغیر طہارت کے قبول نہیں ہوتی۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ سجدہ تلاوت من جملہ صلاۃ ہے، کیونکہ اس میں نماز کی طرح نیت بھی شرط ہے۔ستر عورت بھی شرط ہے۔ استقبال قبلہ بھی ضروری ہے اس میں تکبیر بھی ہے تسبیح بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی نماز بھی طہارت کے بغیر قبول نہیں ہوتی، تو جب نماز کے لئے طہارت ضروری ہوئی تو سجدہ تلاوت کے لئے بھی جو کہ من جملہ نماز ہے، طہارت ضروری ہوگی اور جس طرح کوئی نماز طہارت کے بغیر جائز نہیں اسی طرح سجدہ تلاوت بغیر طہارت کے جائز نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۱۳)

الجواب: اولاً نماز کم از کم ایک رکعت ہوتی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا۔ **الوتر رکعة من آخر اللیل**، وتر ایک رکعت ہے رات کے آخر میں۔

(مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنی ...... الحدیث ۱۷۵۷)۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **صلاۃ اللیل والنھار مثنیٰ مثنیٰ**، دن اور رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔

(ابو داؤد (۱۲۹۵) ترمذی (۵۹۷) ابن ماجه (۱۳۲۲) نسائی (۱٦٦۷) مسند احمد ۲/۲٦، ۵۱ بیهقی ص۴۸۷ ج۲، ابن حبان (موارد) ٦۳٦، ابن خزیمه (۱۲۱۰) دار قطنی ۱/۴۱۷)۔

ثابت ہوا کہ جو ایک رکعت یا دو رکعت مکمل نہیں، وہ نماز نہیں جب کہ سجدہ تلاوت رکعت ہے اور نہ ہی دو رکعت ہے لہٰذا نماز نہیں، معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت بلا وضو جائز ہے جس طرح دیگر اذکار جائز ہیں اسی طرح یہ بھی جائز ہے۔

ثانیا: اگر کہا جائے کہ سجدہ نماز کا ایک حصہ ہے لہٰذا نماز ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے کیونکہ کوئی بھی حصہ تب تک نماز نہیں جتنی دیر تک اسے مکمل نہ کرے جس طرح شریعت میں حکم ہے، مثلاً کوئی شخص تکبیر اولیٰ کہے یا رکوع کرے پھر اسے جان بوجھ کر توڑ دے تو کوئی بھی اسے نماز نہیں کہتا، ہاں مگر یہ کہ وہ جمعہ کی دو رکعت یا صبح کی نماز کی دو رکعت یا سفر میں دوگانہ ادا کرے یا دن اور رات میں دو رکعت ادا کرے تو وہ اس کی نماز ہے مکرر عرض ہے کھڑا ہونا، بیٹھنا، تکبیر کہنا، قراءت سورہ فاتحہ، بھی نماز کا ایک حصہ ہیں تو کیا آپ کے نزدیک کھڑا ہونا، بیٹھنا، تکبیر (اللہ اکبر) کہنا، سلام عرض کرنا، اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے لئے بھی وضو شرط ہے۔ اگر نہیں یقیناً نہیں تو کیا وجہ ہے کہ آپ سجدہ تلاوت کو تو بلا وضو ناجائز کہتے ہیں جب کہ اذان کو بغیر وضو کہنے کی اجازت عنایت کرتے ہیں۔

(قدوری ص۲۱، ھدایہ ص۲۱۹ ج۱)۔

حالانکہ اذان میں، اللہ اکبر کا لفظ بھی ہے۔ جو نماز کا ایک حصہ ہے اور حنفیہ کے نزدیک تو تکبیر اولیٰ فرض ہے اور رسول اللہ ﷺ زندگی کے آخر تک نماز کو اللہ اکبر سے شروع کرتے رہے۔

(بخاری رقم الحدیث ۸۰۳)۔

اگر انوار صاحب کے استدلال کو درست تسلیم کرلیا جائے تو لازم آئے گا کہ، اللہ اکبر، بھی وضو کے بغیر کہنا جائز نہیں بلکہ کھڑا ہونا، بیٹھنا سلام عرض کرنا، بھی بغیر وضو کے ناجائز ہی ہے اور یہ کوئی بھی نہیں کہتا لہٰذا انوار صاحب کا استدلال باطل ٹھہرا۔

(حک و اضافہ کے ساتھ منقول از المحلی لابن حزم مسلہ نمبر۱۱٦)۔

(۲) عن نافع عن ابن عمر انه قال لا یسجد الرجل (سجدة التلاوة) الا وهو طاهر۔

(بیهقی ص۳۲۵ ج۲)۔

حضرت نافع حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کوئی شخص بھی سجدہ تلاوت طہارت کے بغیر نہ کرے۔

(حدیث اوراہل حدیث ص۷۱۳)

الجواب: اولاً سند میں لیث بن ابی سلیم مختلط ہے، اور اس کی روایات میں تمیز نہیں ہوسکی جس کی جہ سے یہ ترک کر دیا گیا ہے۔ (تقریب ص۲۸۷) جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ کسی دلیل خاص سے ثابت کرے کہ مروی عنہ نے اختلاط سے قبل سماع کیا ہے۔

ثانیا: اس روایت سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ہم بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ طہارت کے بغیر سجدہ تلاوت جائز نہیں مگر طہارت سے مراد وضو نہیں بلکہ حالت جنابت اور حیض وغیرہ ہے۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے سجدہ تلاوت کے لئے وضو کے شرط ہونے کے لئے دو دلیلیں درج کی ہیں۔ پہلی دلیل کبریٰ صغریٰ کو ملا کر بطور نتیجہ وضو کا اثبات کیا ہے کہ چونکہ سجدہ بھی نماز کا ایک حصہ ہے لہٰذا سجدہ تلاوت کے لئے نماز کی طرح وضو شرط ہے۔ یہ دلیل احناف کو تب مفید تھی، جب نماز کے تمام ارکان کو علیحدہ علیحدہ کرنے پر بھی وضو کے قائل ہوتے حالانکہ ایسا قطعاً نہیں، ان کے نزدیک تکبیر تحریمہ، قیام مطلق قرأت، رکوع سجدہ، اور تشہد آخری، فرائض نماز ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آیا ان کے نزدیک اگر کوئی شخص، اللہ اکبر کہے یا تلاوت قرآن کرے، یا قیام کرے تو ان کے لئے وضو کو شرط قرار دیتے ہیں، نہیں قطعاً نہیں۔ پھر نماز کا ایک اہم جزو دعا بھی ہے، اور سلام پھیرنا تو ان کے نزدیک بھی واجب ہے کیا یہ دعا کے لئے اور سلام کہنے کے لئے وضو کو شرط قرار دیتے ہیں قطعاً نہیں! ثابت ہوا کہ انوار صاحب کا یہ تمام صغریٰ و کبریٰ غلط اور باطل ہے۔

دوسری دلیل میں صرف طہارت کا ذکر ہے، یہ انوار صاحب کے لئے تب مفید ہے جب یہ کسی دلیل سے ثابت کریں کہ بے وضو ہونے سے انسان نجس ہوتا ہے۔ الغرض انوار صاحب اپنے مؤقف پر کوئی صریح دلیل پیش نہیں کر سکے۔

(۶۲) باب مسافت قصر

فصل اول

(۱) عن یحییٰ بن یزید الھنائی قال سالت انس بن مالك عن قصر الصلاۃ؟ فقال كان رسول اللهﷺ اذا خرج مسیرۃ ثلاثة أمیال او ثلاثة فراسخ، شعبة الشاك،صلی رکعتین۔

امام یحییٰ بن یزید الھنائی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نماز قصر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فرسخ (۹ میل امام شعبی راوی حدیث کو شک ہے) سفر کرتے تو دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔

(مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ المسافرین وقصرھا۔ الحدیث ۱۵۸۳)۔

(۲) عن یحییٰ بن یزید الھنائی قال سالت انس بن مالك عن قصر الصلاۃ وکنت اخرج الیٰ الکوفة فاصلی رکعتین حتی ارجع، فقال انس کان رسول اللهﷺ اذا خرج مسیرۃ ثلاثة امیال، او ثلاثة فراسخ،شك شعبة،قصر الصلاۃ۔

امام یحییٰ بن یزید الھنائی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میرے لئے کیا حکم ہے کہ میں کوفہ کی طرف جاتا ہوں اور راستہ میں دو دو رکعت پڑھتا، حتی کہ واپس لوٹ آتا، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا، رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فراسخ (۹ میل ۲۲ کلو میٹر) کی مسافت پر نکلتے تو نماز کو قصر کر کے پڑھتے تھے (راوی حدیث کو شک ہے تین میل یا تین فراسخ)۔

(بیہقی ص۱٤٦ ج۳، مسند احمد ص۱۲۹ ج۳)۔

قارئین کرام مذکورہ حدیث صحیح ہے اور اس کے موافق ہی سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے امام یحییٰ کو فتویٰ دیا ہے اوردور حاضر کے سلفی علماء نے اس سے ہی مسافت قصر پر استدلال کیا ہے۔ اور اس میں فراسخ کودلائل شرعیہ سے ترجیح حاصل ہے (راجع دین الحق)۔

اگر ہم اس پر ڈنڈی مارتے تو انوار صاحب کی طرح متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار نقل کرتے جو حنفیہ کے خلاف ہیں۔ مگر بفضلہ تعالیٰ ہم اس عادت سیئہ میں قطعا مبتلا نہیں ہیں۔ انوار صاحب نے ہیر پھیر کر کے ان اقوال صحابہ کرام کو بھی نقل کر دیا ہے۔ جو حنفیہ کے خلاف ہیں، یہاں پر ہم صرف اس غرض کے لئے نقل کر رہے ہیں تا کہ قارئین کرام کو اس حقیقت کا علم ہو جائے کہ مسافت قصر میں صحابہ کرام میں بھی اختلاف تھا۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تین میل پر قصر کرنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ص٤٤٣ ج۲ والمحلی ص۱۹۹ ج۳)۔

بلکہ ایک ساعت کے سفر پر بھی قصر کا فتویٰ دیتے تھے۔

(ابن ابی شیبه ص۴٤٥ ج۲ والمحلی ص۱۹۹ ج۳)۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تین میل کی مسافت پر قصر کر لیا کرتے تھے۔

(ابن ابی شیبه ص٤٤٥ ج۲،والمحلی ص۱۹۸ ج۳) سند صحیح ھے (سلسله صحیحه ۳۱۰ ج۱)۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مقام نخلہ کی طرف نکلے اور شام کو گھر بھی آئے تھے مگر آپ نے وہاں پر ظہر وعصر کی نمازوں میں قصر کر کے دو دو رکعت پڑھیں تھیں۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٤٤۳ ج۲ والمحلی ۱۹۷ ج۳)۔

امام ابو اشعشاء جابر بن زید فرماتے ہیں کہ چھ میل پر نماز کو قصر کر لیا جائے،

(مصنف ابن ابی شیبه ٤٤٤ ج۳،والمحلی ۲۰۰ ج۳)۔

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پوتے امام قاسم اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے پوتے سیدنا سالم فرماتے ہیں کہ مکہ کے رہنے والے منیٰ میں قصر کریں۔ ابن ابی شیبہ ص والمحلی ۲۰۰ ج۳)۔

امام سعید بن میبّب فرماتے ہیں کہ ایک برید (۱۲ میل) پر قصر کر لی جائے۔

(المحلی ۲۰۰ ج۳)۔

یہ تمام اقوال صحابہ کرام اور تابعین عظام اور فقہاء مدینہ منورہ کے ہیں۔

امام ابن حزم نے المحلی میں اتنے آثار نقل کئے ہیں کہ ان کا بیسواں حصہ بھی حنفی پیش نہیں کر سکتے، یہ بات ملحوظ رہے کہ مذکورہ تمام اقوال کی اسناد صحیح وحسن لغیرہ کے درجہ کی ہیں۔

لہٰذا انوار صاحب نے غیر صریح روایات نقل کر کے ان کا جو نتیجہ نکالا ہے اور آخر میں پھر من گھڑت روایت پیش کر کے علماء حدیث کو مطعون کیا ہے۔ یہ ان کا خبط بے ربط ہے اور کھینچ تان کر اپنے مؤقف پر آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نقل کیا ہے۔ (گو وہ آثار ان کے خلاف ہیں اگر ان کو ان کے دعویٰ پر تقریب تام مان بھی لیا جائے تو تب بھی حجت شرعی نہیں ہیں کیونکہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ جس مسئلہ میں آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف ہوں وہاں ان کے آثار قابل حجت نہیں ہوتے۔ راجع، مقدمہ۔ اور زیر بحث مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صرف دو ہی مسلک نہیں بلکہ بیس کے لگ بھگ ہیں۔

جو کتب احادیث و شروح میں موجود ہیں۔ اگر اس کی ضرورت پڑی اور ہم مجبور کر دیئے گے تو بفضلہ تعالیٰ بحوالہ ان کی نشان دہی کر دیں گے انشا اللہ تعالیٰ۔

مگر انوار صاحب اس حقیقت سے چشم پوشی کر کے چند آثار صحابہ کرام نقل کر کے جماعت اہل حدیث کو مطعون کر رہے ہیں۔ جو کسی لحاظ سے بھی قابل ستائش نہیں۔ مزید دکھ کی بات یہ ہے کہ کوئی ایک اثر بھی ایسا نہیں جو حنفیہ کے مسلک کی ترجمانی کرتا ہو۔

عورت کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے کہ وہ تین دن یا تین سے زیادہ مسافت کا سفر کرے مگر اس حال میں کہ اس کا باپ یا بیٹا یا شوہر یا بھائی یا کوئی محرم اس کے ساتھ ہو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۱۶)

الجواب: ان احادیث میں عورت کو محرم کے ساتھ سفر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

اور اس کے بغیر اسے سفر کی رخصت نہیں ہے سفر خواہ کم ہو یا زیادہ, تین دن کا ہو یا کم وبیش بہر حال اسے اکیلے سفر کرنے کی رخصت نہیں ہے۔ان احادیث کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ تین دن سے کم مدت کا سفر اکیلی یا غیر محرم کے ساتھ کرسکتی ہے۔ کیونکہ جس طرح تین دن کے سفر سے منع کیا گیا ہے اسی طرح تین دن سے کم اور زیادہ مدت کے سفر سے بھی منع کیا گیا ہے۔ زیادہ مدت کی حدیث کو تو خود انوار صاحب نے نمبر ۵ میں درج کردیا ہے اور کم مدت کی احادیث ہم نقل کردیتے ہیں۔

(i) عن ابی سعید الخدری قال سمعت من رسول اللہ ﷺ قال لاتسافر امراۃ مسیرۃ یومین لیس معھا زوجھا او ذومحرم۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ کوئی عورت دو دن کا سفر نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا خاوند یا ذی محرم ہو۔

(بخاری ص۲۵۱ ج۱، مسلم ۴۳۳ ج۱)۔

(ii) عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال لا یحل لامرأۃ تومن باللہ والیوم الآخر تسافر یوم الامع ذی محرم۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کسی عورت کے لئے حلال نہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ سفر کرے ایک دن کی مسافت کا مگر ذی محرم کے ساتھ۔

(مسلم ص۴۳۳ ج۱)۔

(iii) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یحل لا مرأۃ مسلمۃ تسافر مسیرۃ لیلۃ الاومعھا رجل ذوحرمۃ منھا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ ایک رات کا بھی سفر کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ ذی محرم ہو۔ (مسلم ص۴۳۳ ج۱)۔

(iv) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لاتسافر المرأۃ بریدا الامع ذی محرم۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی عورت ذی محرم کے بغیر ایک برید کا بھی سفر نہ کرے۔

(صحیح ابن حبان ص۱۷۶ ج۵، رقم الحدیث ۲۷۱۶، ومستدرک حاکم ص۴۴۲ ج۲)۔

(۷) عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لاتسافر المرأة الامع ذی محرم ولا یدخل علیھا رجل الا ومعھا ذو محرم۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی عورت سفر نہ کرے مگر ذی محرم کے ساتھ اور عورت سے کوئی ملاقات نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ کوئی ذی محرم ہو۔

(بخاری ص ۲۵۰ ج ۱، مسلم ص ۴۳۴ ج ۱)۔

قارئین کرام ان احادیث کو مکرر ایک نظر ملاحظہ کریں، ان کا کھلا مفاد یہ ہے کہ عورت کسی غیر مرد کے ساتھ محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ سفر خواہ تین دن سے زیادہ ہو یا تین دن کا یا ایک دن رات کا یا ایک دن کا یا صرف ایک رات کا یا چند میل کا ہو، بہرحال عورت سفر ذی محرم کے بغیر نہ کرے، آخری حدیث میں تو مطلق سفر سے منع فرمایا ہے، خواہ وہ ایک میل کا ہی کیوں نہ ہو۔ مگر حیرت ہے انوار صاحب تین دن کی احادیث کو نقل کرنے کے بعد بطور نتیجہ فرماتے ہیں کہ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں تین دن رات کو ضرور دخل ہے۔ اور مسافر کہلانے کا مستحق وہی ہے جو تین دن اور رات کی مسافت کے ارادہ سے گھر سے چلے۔ حدیث اور اہل حدیث ۷۲۱۔

محترم آپ کی پیش کردہ احادیث میں محض تین دن اور رات کا ہی ذکر نہیں بلکہ اس سے کم اور زیادہ کا بھی ذکر ہے لہٰذا آپ کسی دلیل سے ثابت کریں کہ عورت صرف تین دن و رات کا سفر ہی غیر محرم کے ساتھ نہیں کرسکتی اگر چار پانچ دن کا سفر کرے یا ایک دن یا نصف دن کا سفر کرے تو یہ جائز اور مباح ہے۔ اگر آپ یہ کسی وزنی دلیل سے ثابت کردیں تو ہم آپ کی قرآن دانی اور حدیث فہمی کے علاوہ جناب کے مؤقف کو درست بھی تسلیم کرلیں گے، مگر ایسا کبھی بھی ممکن نہیں اور کوئی غیرت مند شخص اپنی بیوی کو غیر محرم کے ساتھ دو چار دن بھیجنا تو کجا دس پندرہ منٹ کے لئے بھی تنہائی فراہم کرنے کو تیار نہیں ہوتا، الغرض ان احادیث سے آپ کا مسافت سفر ثابت کرنا سینہ زوری ہے۔

(۶) عن علی بن ربیعة الوالبی قال سالت عبد الله بن عمرا لیٰ کم تقصر الصلاة؟ فقال تعرف السویداء قال قلت لاولکن قد سمعت بھا قال ھی ثلث لیالی قواصد فاذا خرجنا الیھا قصرنا الصلاة۔

(کتاب الاثار للامام ابو حنیفة بروایت الامام محمد ص ۲۹)۔

حضرت علی بن ربیعہ والبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کتنی مسافت پر نماز قصر کرنی چاہئے، آپ نے فرمایا سوداء کو جانتے ہو میں نے عرض کیا کہ جانتا تو نہیں لیکن اس کے بارے میں سنا ہے فرمایا وہ تین درمیانی راتوں کی مسافت پر ہے۔ جب ہم وہاں جاتے ہیں تو نماز میں قصر کرتے ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۱۱۷)

انوار صاحب نے آگے چل کر نمبر ۹، ۱۰ میں موطا امام مالک ص ۱۳۰ سے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے اور نمبر ۱۱ میں مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۴۳ ج ۲ سے سولہ فرسخ کا قول درج کیا ہے اور نمبر ۱۲ میں بیہقی ص ۱۳۷ ج ۳، کے حوالے سے چار برید سے زیادہ کا موقف نقل کیا، اور نمبر ۱۳ میں بخاری ص ۱۴۷ ج ۱ کے حوالے سے چار برید یعنی سولہ فرسخ کی روایت درج کی ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۷۱۸، ۷۱۹)

الجواب: اولاً گو ان کی اسنادی بحث کو بھی چھیڑا جا سکتا ہے مگر اس سے ہم صرف نظر کرتے ہیں اور انوار صاحب پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ان آثار سے آپ کا مسلک قطعاً ثابت نہیں ہوتا تفصیل حسب ذیل ہے۔

احناف کے نزدیک اصل فتویٰ مسافت پر نہیں بلکہ وقت پر ہے یعنی ان کے نزدیک فاصلہ پر اعتبار نہیں بلکہ تین دن رات کی مسافت اصل میں سفر قصر ہے، خود انوار صاحب فرماتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ نماز میں قصر کے لئے مسافت سفر تین دن رات کا سفر ہے، (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۲۱)

ثانیا: چلو اسے بھی مان لیتے ہیں کہ احناف نے ضرورت زمانہ کے پیش نظر وقت کی بجائے مسافت پر فتویٰ دینا شروع کر دیا ہے۔ مگر خود ان میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی مسافت پر قصر کی جائے۔ ۳۶ میل ۴۶ میل ۴۸ میل ۶۰ میل وغیرہ اقوال ملتے ہیں (نماز مسنون ص ۷۰۹)۔

گو انوار صاحب نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ محققین علماء احناف نے ۴۸ میل کو مسافت قرار دیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۲۱)

مگر دیو بندیوں کے فقیہ العصر مفتی اعظم رشید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ اکثر مشائخ نے ۱۸ فراسخ، ۵۴ میل شرعی، ۶۱ ـ ۴/۱۱ میل انگریزی کو متوسط قول قرار دے کر اس پر فتویٰ دیا ہے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو مفتی بہ لکھا ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

(القول الاظہر ص ۴ مندرجہ احسن الفتاویٰ ص ۹۴ ج ۴)۔

انوار صاحب نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو دلیل بنانے کے لئے محققین علماء کا نام لے کر غلط بیانی کی ہے۔ پھر جہاں یہ غلط بیانی ہے وہاں ہی اپنے اکابرین کے محقق ہونے کی نفی کو بھی مستلزم ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب نے یہ وضاحت نہیں کی کہ ۴۸ میل انگریزی ہیں یا شرعی ہیں۔ کیونکہ ۴۸ میل شرعی ۵۴ میل انگریزی بنتے ہیں جو تقریبا پونے ۸۸ کلو میٹر سفر بنتا ہے، ان میں ظاہر ہے کہ ایک بین فرق ہے۔

رابعاً: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مختلف اقوال مروی ہیں انوار صاحب نے جو دلیل نمبر ۶ میں

بحوالہ کتاب الاثار درج کی ہے اس کی رو سے ۲۷ میل شرعی فاصلہ بنتا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص۴۵۳ ج ۲)۔ میں صراحت کی ہے۔ دوسرا قول آپ سے یہ مروی ہے کہ خیبر اور مدینے کا درمیانی راستہ مسافت قصر ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ص۵۲۶ ج ۲) اور یہ ۹۶ میل شرعی ہے۔ تیسرا قول آپ سے تیس میل شرعی کا مروی ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ص۵۲۵ ج ۲)۔

چوتھا قول آپ سے ایک میل کا بھی موجود ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ج ۲)

پانچواں قول تین میل کا بھی مروی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۴۳ ج ۲)۔

چھٹا قول آپ سے ایک ساعت کے سفر پر بھی قصر کرنے کا مروی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۴۵ ج ۲)

حافظ ابن حجر نے ان مختلف اقوال کو درج کر کے کہا ہے کہ ان تمام کی اسناد صحیح ہیں اور ان کا آپس میں تعارض ہے۔ (فتح الباری ص۴۵۳ ج ۲)۔ یہی بات حافظ ابن حزم نے المحلی ص۲۰۲ ج ۳) میں کہی ہے آخر انوار صاحب نے کس دلیل سے ۲۷ میل، ۹۶ میل، ۳۰ میل تین میل ایک میل اور ایک ساعت کے فتویٰ کو رد کر کے چار برید کی روایت کو ترجیح دی ہے اور یہ بھی وضاحت کریں کہ ۲۷ میل کی روایت ان کے مسلک کی ترجمانی کس طرح کرتی ہے۔ کیونکہ بقول انوار صاحب محققین علماء احناف نے ۴۸ میل پر فتویٰ دیا ہے جو ۲۷ میل کے خلاف ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مختلف اقوال مروی ہیں جن میں بعض ہمارے مؤقف کی بھی ترجمانی کرتے ہیں۔ لہٰذا انوار صاحب جو جواب ۹۶ میل سے لے کر ایک ساعت کے سفر کا دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے چار برید کی روایات کا سمجھ لیں۔ اللہ اللہ خیر سلا۔

(۸) عن عمر قال تقصر الصلاة فی مسیرة ثلث لیال

(کنز العمال ص۲۳٤ ج۸)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین رات کی مسافت (کے سفر) میں نماز قصر کی جائے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۷۱۸)

الجواب: صاحب کنز العمال نے اس کو بحوالہ ابن جریر نقل کیا ہے، مگر اس کی سند درج نہیں کی، جو اس کا مدعی ہے وہ اس کی صحیح سند پیش کرے، بدون اسناد کوئی چیز دین میں حجت نہیں ہے۔ امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسناد دین سے ہے اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا کہہ دیتا، (مقدمہ صحیح مسلم رقم الحدیث ۳۲)۔

امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ علم حدیث دین ہے لہٰذا تم یہ دیکھو کہ اپنے دین کو کہاں سے لے رہے ہو، (مقدمہ صحیح مسلم رقم الحدیث ۲۶) اس کے بعد میرے فاضل دوست الشیخ محمد صفدر عثمانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سند پر اطلاع دی تھی، اس میں محمد بن زید بن خلیلدہ راوی مجہول ہے، امام ابو حاتم

نے (الجرح والتعدیل ص۲۵۶ ج۷) میں اسے ذکر تو کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، اور اس سے روایت کرنے والا محمد بن حسن شیبانی ہے۔ (تہذیب الاثار لابن جریر ص۱۸۴ ج۴ ق ۲ رقم الحدیث ۳۰۵۳) اور شیبانی سخت ضعیف ہے دیکھئے تحفہ حنفیہ ص ۴۴۵ ج۱ الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

(۱۰) عن عطاء بن ابی رباح قال قلت لابن عباس اقصر الی عرفة فقال ،لا، قلت اقصر الی مر قال ،لا، قلت اقصر الی الطائف والی عسفان قا ل نعم وذلك ثمانیه واربعون میلا وعقد بیده۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٤٤٥ ج٢، مسند امام شافعی ١٨٥ ج١)۔

حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ میں عرفہ کی مسافت میں قصر کرسکتا ہوں؟ فرمایا نہیں، میں نے عرض کی کہ مر کی مسافت میں قصر کرسکتا ہوں؟ فرمایا: نہیں میں نے عرض کیا طائف اور عسفان کی مسافت میں قصر کرسکتا ہوں، فرمایا ہاں ان کی مسافت اڑتالیس میل ہے۔ ہاتھ سے گرہ لگا کر (شمار کر کے) دکھایا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۲۰)

الجواب: اولاً حنفیہ کا اصل مسلک تین دن کی مسافت پر قصر کرنا ہے۔ ۴۸ میل کا فتویٰ بعد کے فقہاء نے دیا ہے۔ تفصیل دین الحق ص ۵۶۸ ج۱ میں عرض کردی گئی ہے۔

ثانیا: دین الحق میں ہم نے علامہ ابن ہمام اور مولوی اشفاق الرحمٰن کاندھلوی کے حوالے سے صراحت کی ہے کہ ۴۸ میل ایک دن کی مسافت ہے لہٰذا احناف کا اس سے مسلک ثابت نہیں ہوتا۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۴۳ ج۲ میں صحیح سند سے سیدنا عبد اللہ بن عباس کا فتویٰ ہے کہ ایک دن کی مسافت پر قصر کرنا جائز ہے، حافظ ابن حجر ان دونوں آثار میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ۴۸ میل کو ایک دن میں طے کیا جاسکتا ہے۔ (فتح الباری ص۴۵۳ ج۲)۔

الغرض سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا اور اسے اپنے مؤقف پر پیش کرنا انوار صاحب کی سینہ زوری ہے راجع دین الحق۔

(۱۱) عن ابن عباس قا ل قا ل رسول اللهﷺ یا اهل مكة لا تقصروا الصلاة فی ادنیٰ من اربعة برد من مكة الی عسفان

(معجم طبرانی کبیر بحواله مجمع الزوائد ص١٥٧ ج٢)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اہل مکہ تم چار برید سے کم سفر میں قصر نہ کیا کرو۔ چار برید مکہ سے عسفان تک ہوتے ہیں۔

(حدیث اور اهل حدیث ص٧٢٠)

الجواب: اولاً: اسلام کے احکام تو تمام دنیا کے لئے یکساں ہیں اس میں عربی و عجمی سیاہ وسفید بلا امتیاز ہیں، جب کہ مذکورہ روایت تعلیم اسلامی کے یکسر خلاف ہے خاص اہل مکہ کے لئے کیوں ہے؟ یہ چیز ہی اس کے موضوع ہونے کے لئے کافی ہے۔

ثانیا: احناف کا مسلک تین دن کی مسافت کا ہے۔ جب کہ چار برید کا سفر صرف ایک ہی دن کا ہے، جیسا کہ ہم اکابر احناف کے حوالے سے (دین الحق ص۵۶۹ ج۱) میں عرض کر چکے ہیں، لہٰذا اس سے انوار صاحب کا استدلال کرنا سینہ زوری ہے۔

ثالثا: طبرانی کبیر ص۹۷ ج۱۱ رقم الحدیث ۱۱۱۶۲) میں ثنا اسماعیل بن عیاش ثنا ابن مجاهد عن ابیه وعطاء کے طریق سے مروی ہے بیہقی ص۱۳۷، ۱۳۸ ج۳، دارقطنی ص۳۸۷ ج۱ میں صراحت ہے کہ ابن مجاہد، عبد الوہاب بن مجاہد ہے اور یہ کذاب ہے، جیسا کہ امام سفیان ثوری نے وضاحت کی ہے۔ (میزان ص۶۸۲ ج۳) امام حاکم فرماتے ہیں کہ موضوع روایات بیان کرتا ہے۔ (المدخل ص۱۷۳)۔

عبد الوہاب سے روایت کرنے والا اسماعیل بن عیاش ہے اور کتاب کے ابتدا میں قے اور نکسیر سے وضوٹوٹ جانے کی بحث میں، فصل دوم میں انوار صاحب کی پہلی دلیل کے جواب میں ہم تفصیل سے لکھ آئے ہیں کہ اسماعیل کی غیر شامی راویوں سے روایات ضعیف ہوتی ہیں۔ علامہ البانی نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ (الضعیفه ۴۳۹)۔

(۱۲) حدثنا ابراهيم بن عبد الاعلى قال سمعت سويد بن غفلة الجعفى يقول اذا سافرت ثلاثا، فاقصر۔

(كتاب الحجة ص۱۶۸ ج۱)۔

حضرت ابراہیم بن عبد الاعلی فرماتے ہیں کہ میں نے سوید بن غفلہ جعفی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب تو تین دن کا سفر کرے تو قصر کر۔ (حدیث اوراہل حدیث ص۷۱۸)

الجواب: آپ نے معنوی تحریف کی ہے۔ متن روایت میں صرف ثلاثا کا لفظ ہے جو بمعنی تین آتا ہے۔ مگر آپ نے اس کا معنی، تین دن، کیا ہے جو بددیانتی ہے، اگر آپ کہہ دیں کہ ثلاثا کے بعد ایام کا لفظ محذوف ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ثلاثا کے بعد فراسخ، کا لفظ محذوف ہے لہٰذا اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ جب تین فراسخ یعنی ۹ میل سفر کرے تو قصر کر۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے مکررات کے ساتھ کل دلائل پندرہ نقل کئے ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے کہ (۱) موزوں پر مسح کرنے کی احادیث، (۲) عورت کا بغیر محرم کے سفر نہ کرنا، (۳) چار برید کی روایت، (۴) ابن عمر، (۵) اور ابن عباس کا قول، (۶) اور معروف تابعی امام سوید بن غفلہ کا اثر۔

پہلی دلیل کا تعلق نماز قصر سے نہیں بلکہ طہارت سے ہے۔ طہارت پر نماز کو قیاس کرنا قیاس فاسد

ہے۔ دوسری دلیل کا تعلق نماز قصر سے نہیں بلکہ عورت کو ذی محرم کے بغیر سفر نہ کرنے کے متعلق ہے اور حدیث میں جس طرح تین دن سفر کرنے کی ممانعت ہے اسی طرح ایک برید (۱۲ میل) سفر کرنے سے بھی روکا گیا ہے، تیسری دلیل اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ضعیف ہے، سیدنا ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا مزید یہ کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال باہم مخالف ہیں۔ چوتھی دلیل امام سوید تابعی کا قول ہے۔ جو کہ مجمل ہے، جس دلیل سے انوار صاحب نے اپنے مسلک کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس دلیل سے وہ ہمارے مخالف نہیں بلکہ موافق ہے۔ آخری دلیل چار برید کی روایت ہے جو حنفیہ کے خلاف ہونے کے علاوہ من گھڑت اور باطل ہے۔ الغرض انوار صاحب کوئی صحیح وصریح حدیث پیش نہیں کر سکے کہ نماز قصر کرنے کے لئے تین دن کی مسافت شرط ہے، مولانا تقی عثمانی نے تو کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔

بہر حال اس باب میں کوئی صریح حدیث مرفوع موجود نہیں البتہ جمہور کے حق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار ہیں (درس ترمذی ص ۳۳۳ ج ۲) ان آثار کی حقیقت آپ پڑھ آئے ہیں۔

(۶۳) باب مدت قصر

فصل اول

(۱) عن عكرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال اقام رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم تسعة عشرة يقصر فنحن اذا سافرنا تسعة عشر قصرنا وان زدنا أتممنا۔

امام عکرمہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انیس دن تک قیام کیا تو قصر کرتے رہے اور ہم صحابہ کرام سفر میں انیس دن ٹھہرتے ہیں تو قصر کرتے ہیں اگر قیام انیس دن سے زیادہ ہوتو نماز پوری پڑھتے ہیں۔

(بخاری کتاب التقصير باب ماجاء فی التقصير وكم يقيم حتى يقصر، الحديث ۱۰۸۰)۔

(۲) عن ابن عباس ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم سافر فاقام تسع عشرة يقصر الصلاة، قال فنحن اذا سافرنا قمنا تسع عشرة قصرنا الصلاة فاذا زدنا على ذلك أتممنا۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کیا اور ایک جگہ پر ۱۹ دن قیام کیا تو نماز کو قصر کرکے پڑھتے رہے، اور ہم صحابہ کرام جب سفر کرتے ہیں اور ۱۹ دن قیام کرتے ہیں تو نماز کو قصر کر کے پڑھتے ہیں اور جب اس سے زیادہ قیام کرتے ہیں تو نماز پوری پڑھتے ہیں۔

(مسند ابو يعلى ص ۲۰ ج ۳ رقم الحديث ۲۳٦٤)۔

(۳) عن ابن عباس قال سافر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم سفرا، فصلى تسعة عشر يوما، ركعتين ركعتين، قال ابن عباس فنحن نصلى فيما بيننا وبين تسع عشرة ركعتين ركعتين فاذا أقمنا أكثر من ذلك صلينا أربعا۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر کے دوران ۱۹ دن دو دو رکعتیں ادا فرمائیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنے سفر کے دوران ۱۹ دن تک دو دو رکعتیں ہی پڑھتے ہیں مگر جب ۱۹ دن سے زیادہ قیام کریں گے تو چار چار رکعتیں (پوری نماز) ادا کریں گے۔

(سنن ترمذی کتاب الصلاة باب ماجاء فی كم تقصر الصلاة الحديث ۵٤۹)۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ اگر کسی جگہ مسافر ۱۹ دن قیام کرے تو نماز کو دو دو رکعت ادا کرے اور اگر اس سے زیادہ کا ارادہ ہو تو پھر قصر کی بجائے پوری نماز پڑھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کی راوی حدیث سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی سمجھا ہے اور احناف کا مسلمہ اصول ہے کہ

راوی حدیث کو ہماری نسبت زیادہ خبر ہے کہ اس میں کیا ہے، مشہور محدث امام اسحاق بن راھویہ کا یہی مذہب ہے۔ (ترمذی زیر رقم الحدیث ۵۴۸)۔

فصل دوم

(ا) عن مجاهد قال كان ابن عمر اذا اجمع على اقامة خمس عشرة سرح ظهره وصلى اربعا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ٤٥٥ ج ٢)۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ فرمالیتے تو گھوڑے سے زین اتار دیتے اور چار رکعت ادا کرتے۔

الجواب: اولا سند میں عمر بن ذر راوی ہے جو امام مجاہد سے نقل کر رہا ہے، اور امام بردیجی فرماتے ہیں کہ مجاہد سے مناکیر روایت کرتا ہے۔ (تہذیب ص۷۹ ج ۴، طبع جدید)۔

ثانیا: یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ ہیں بلکہ خو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال میں بھی اختلاف ہے، امام نافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب ۱۲ دن قیام کا پختہ ارادہ ہو تو نماز کو پورا پڑھا جائے قصر نہ کی جائے۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۵۳۴ ج ۲، رقم الحدیث ۴۳۴۲) یہی روایت آپ کے بیٹے سالم بیان کرتے ہیں (عبدالرزاق رقم الحدیث ۴۳۴۲) (سند صحیح ہے)۔ لہٰذا انوار صاحب جو جواب ۱۲ دن کا دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے پندرہ دن کا ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب دس دن قیام کرے تو نماز پوری پڑھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ٤٥٥ ج٢ والمحلی ص٢١٧ ج ٣)۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ شام میں ایک مہینہ رہے تو نماز کو قصر کرتے رہے، جب کہ آپ کے ہم سفر امام عبد الرحمٰن بن مسور قصر کرتے رہے، جب امام عبد الرحمٰن نے آپ پر اعتراض کیا تو انہوں نے فرمایا ہم (سنت) کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

(مصنف عبد الرزاق ص٥٣٥ ج٢ رقم الحديث ٤٣٥٠)۔

یہ تمام آثار انوار صاحب کے تقلیدی مذہب کے خلاف ہیں، سند کے لحاظ سے تمام کے تمام صحیح ہیں فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

الغرض یہ مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ ہے، اور جن مسائل میں صحابہ کرام کا اختلاف ہو وہاں اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حجت نہیں ہوتے (راجع مقدمہ)۔

(۴،۳،۲)انوار صاحب نے مکرر اس روایت کو کتاب الحجۃ للامام محمد ص ۷۰ ج ۱ سے پھر کتاب

الاثار سے پھر، جامع المسانید سے نقل کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۲۲۷)

الجواب: اولاً ان تمام کی اسناد میں، موسیٰ بن مسلم ، راوی ہے اور یہ ابن رومان ہے اسے امام ابو حاتم اور ذہبی نے مجہول قرار دیا ہے۔ (تہذیب ص۳۷۲ ج۱۰، میزان ص۲۲۲ ج۴)۔

ثانیا: پہلے عرض کردیا گیا ہے کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ ہے بلکہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول بھی ان کے اس قول کے خلاف ہے اور جس مسئلہ میں اختلاف صحابہ ہو وہاں ان کے اقوال حجت نہیں ہوتے (راجع مقدمہ)۔

(۵) عن سعید بن المسیب قال اذا قدمت بلدة فاقمت خمسة عشر (یوما) فاتم الصلاة۔

(کتاب الحجة ص۱۷۱ ج۱)۔

حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تم کسی شہر میں آؤ اور اس میں پندرہ دن ٹھہرو تو نماز پوری پڑھو، (حدیث اور اہل حدیث ص۲۲۷)

الجواب: اولا اس اثر کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے کم مدت قیام کرنا ہو تو قصر ہی کرو، کیونکہ امام سعید بن مسیّب سے صحیح سند کے ساتھ یہ فتویٰ بھی منقول ہے کہ اگر چار دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو نماز پوری پڑھی جائے۔

(مصنف عبد الرزاق ص۵۳۴ ج۲، مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۵۵ ج۲، والمحلی ص۲۱۷ ج۳)۔ بلکہ تین دن قیام کرنے پر بھی وہ قصر کی بجائے پوری نماز پڑھنے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۵۵ ج۲)۔

لہٰذا انوار صاحب جو تین اور چار دن کے فتویٰ کا جواب دیں گے وہی ہماری طرف سے پندرہ دن کا تصور کرلیں۔

ثانیا: حنفیہ کے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ہمیں جب کوئی حدیث صحیح الاسناد مل جاتی ہے تو اسی کو لیتے ہیں اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وآثار ملتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک قول کو منتخب کرلیتے ہیں۔ اور ان کے دائرہ سے نہیں نکلتے،البتہ جب کوئی قول تابعین کا آتا ہے (اور ہمارے فیصلہ کے خلاف ہوتا ہے) تو اس سے مزاحمت کرتے ہیں۔

(الجواهر المضیه ص۲۵۰ ج۲ و مقدمه انوار الباری ص۲۵ ج۱)۔

اس سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تابعین کے اقوال حجت نہیں، ان کو دلیل سے رد بھی کیا سکتا ہے۔ اور اصول فقہ حنفیہ میں بھی دلائل کو چار قرار دیا گیا ہے (۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع (۴) اور قیاس، مگر اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا ان میں ذکر نہیں، لیکن انوار صاحب نے زیر

بحث مسئلہ میں ادلہ اربعہ سے کوئی دلیل بھی درج نہیں کی۔ ہاں یہ ضرور فرمایا ہے کہ ظاہر ہے کہ یہ تعین کوئی ایسی چیز تو ہے نہیں جس میں عقل و رائے کو دخل ہو اور ان حضرات نے خود ہی یہ تعین کر لی ہو اس لئے یہی کہا جائے گا کہ ضرور ان حضرات نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے سن کر یا آپ کے عمل کو دیکھ کر ہی یہ تعین کی ہے، لہٰذا ان کے یہ فتاویٰ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوں گے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۲۵)

محترم، ہوں گے، سے بات نہیں بنتی ہے کوئی دلیل عنایت کریں مدت اقامت کے متعلق اگر آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرفوع کے حکم میں ہیں تو آپ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے قول تین دن کو مرفوع بھی مان لیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اثر دس دن کو بھی مرفوع تسلیم کر لیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مسافر پڑاؤ ڈال دے تو نماز پوری پڑھے۔

(ابن ابی شیبہ ص۴۵۵ ج۲)۔

امام حسن بصری (ایضا) اور امام سعید بن جبیر سے بھی یہی منقول ہے۔

(مصنف عبد الرزاق ص۵۳۹ ج۲)۔

تو کیا یہ تمام آثار مرفوع کے حکم میں ہیں؟ اس نالائق کو اتنا بھی علم نہیں کہ نماز قصر کے احکام میں اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معروف ہے۔ اگر یہ آثار مرفوع کے حکم میں ہوتے تو تابعین عظام اور امت مرحومہ میں اختلاف نہ ہوتا، مزید برآں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ میں بھی اختلاف ہے۔ تو کیا یہ مرفوع حدیث میں اختلاف ہے حالانکہ اجماع امت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اختلاف نہیں ہوتا۔ اس کو بھی چھوڑیئے انوار صاحب وضاحت کریں کہ یہ دس دن کے فتویٰ کی بجائے ۱۵ دن کا ضعیف فتویٰ ہی مرفوع کے حکم میں کیوں ہے؟

اور حکماً مرفوع ہونے میں دس دن کا کیوں شامل نہیں؟ محترم اگر حکما مرفوع ہیں تو تمام آثار صحابہ ہی حکماً مرفوع ہیں۔

خلاصہ کلام: یہ کہ انوار صاحب اپنے مؤقف پر قرآن وسنت سے کوئی دلیل بھی درج نہیں کر سکے، جو بھی زیب فرمایا ہے وہ ادلہ اربعہ سے ہٹ کر ہے۔ پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن مسیّب کے اقوال میں بھی تعارض ہے اور وجہ ترجیح میں موصوف نے کوئی دلیل درج نہیں کی۔ بایں ہمہ علمائے اہل حدیث پر اعتراض کے شوق میں پہلے فتاویٰ ثنائیہ ص۶۰۱ ج۱ سے چار دن کی مدت نقل کرتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ فیصلہ فرمائیں کہ یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت؟ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۲۵)

پہلا تو آپ کا یہی جھوٹ ہے کیونکہ آپ نے کوئی حدیث درج نہیں کی صرف آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نقل کئے ہیں دوسری پردہ پوشی آپ نے یہ کی ہے کہ حاشیہ میں اس فتویٰ کی تردید تھی جس کا محترم نے کوئی ذکر نہیں کیا تیسری غلط بیانی یہ کی کہ حاشیہ میں وضاحت تھی کہ چار دن کی مدت حدیث سے

مستنبط ہے ان کے الفاظ ہیں۔

بعض محدثین کا مسلک ہے جو حجاج کے بعد فراغت تین روز کی اجازت سے مستنبط ہے۔ (حاشیہ فتاویٰ ثنائیہ ص۶۰۱ ج۱)۔

ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ امام سعید بن مسیّب بھی چار دن کی مدت قرار دیتے ہیں موصوف نے انہیں مخالفت حدیث کا طعنہ نہیں دیا، لیکن فاتح قادیان کو دھر لیا، کاش آپ نے دورہ حدیث کرنے کی بجائے کہیں سے حدیث فہمی کا بھی درس لیا ہوتا، تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ چار دن کی مدت بے دلیل نہیں بلکہ حدیث سے مستنبط ہے جو عند المحدثین معروف ہے اور مسند احمد ص۵۲ ج۵، بیہقی ص۱۴۷ ج۳ کے علاوہ سنن نسائی رقم الحدیث ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، میں سیدنا العلاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے اس استنباط پر گرفت کرنا اور اس کا دلائل سے غیر صحیح ہونا ثابت کرنا تو آپ کا حق ہے، مگر یہ آپ کو قطعاً حق حاصل نہیں کہ اسے حدیث کی مخالفت کہنا، کیونکہ یہ مسئلہ حدیث سے مستنبط ہے استنباط غلط ہے یا صحیح یہ الگ بحث ہے، لیکن اسے حدیث دشمنی سے تعبیر کرنا آپ کا سولہ آنے جھوٹ ہے۔ پھر یہ مؤقف فقط فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ہی نہیں بلکہ اس بزرگ ہستی کا بھی ہے جسے محترم جلیل القدر تابعی، قرار دیتے ہیں جو غیار امت سے ہیں اور زمانہ کے اعتبار سے خیر القرون میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے محترم کو اس بات کی طرف توجہ بھی دلائی گئی تھی لیکن موصوف نے سنی ان سنی کردی ہے۔ چنانچہ خواجہ قاسم مرحوم فرماتے ہیں۔ گویا مصنف کے نزدیک یہ صرف غیر مقلدین کا مسلک ہے اگر مصنف کی بے خبری کا یہی عالم تھا تو کیا کسی حکیم نے بتایا تھا کہ ۹۱۲ صفحات کی کتاب ضرور لکھنی ہے۔ میرے بھائی! آئمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے (ترمذی ص۳۸۵)۔

ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین مکہ سے فرمایا تھا کہ مکہ میں تین روز سے زیادہ قیام نہ کریں۔

اور یہ استدلال اسی طرح کا ہے جیسے حنفی تین روز کی مسافت کے لیے موزوں یا محرم والی روایتوں سے استدلال کرتے ہیں۔ (حدیث اور غیر اہل حدیث ص۱۲۲ طبع جدید)۔

(۶۴) باب نماز قصر رخصت ہے یا عزیمت؟

فصل اول

امت مرحومہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تا حال اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ قصر نماز عزیمت ہے یا رخصت ہے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رخصت کے قائل ہیں۔ امام احمد اور امام مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے جب کہ امام شافعی رخصت کے تو قائل ہیں مگر پوری نماز پڑھنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ کتب حدیث اور شروحات میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اسی طرح علمائے اہل حدیث میں سے بھی بعض کی یہ رائے کہ قصر رخصت ہے، عزیمت نہیں لہٰذا اگر پوری نماز پڑھ لی جائے تو نماز ہو جائے گی، ہاں البتہ قصر افضل ہے۔ اس کی تردید کے لئے انوار صاحب نے ایک مستقل باب تحریر کیا ہے۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ علمائے اہل حدیث میں سے اکثریت کا مؤقف عزیمت ہی ہے۔ اور ہم بھی یہی مؤقف رکھتے ہیں۔ ہم پہلے چند اکابر محدثین کا مسلک نقل کرتے ہیں پھر پاک و ہند کے علمائے اہل حدیث کے چند فتویٰ درج کریں گے بعدہ فصل دوم میں انواری دلائل میں سے بعض کا بے انوار ہونا ثابت کریں گے۔ ان شا اللہ تعالیٰ۔

(۱) امام ابن حزم نے، المحلی بالاثار مسئلہ نمبر ۵۱۲ میں اس پر نہایت پر مغز بحث کی ہے اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ سفر میں قصر عزیمت ہے رخصت نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے قرآن و سنت اور آثار صحابہ کرام درج کئے ہیں، مثلاً سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

فمن أتمها عامد فان كان عالما بان ذلك لا يجوز بطلت صلاته،

اگر جان بوجھ کر نماز پوری پڑھے اور یہ بھی جانتا ہے کہ پوری نماز پڑھنا جائز نہیں تو اس کی نماز باطل ہے۔

(المحلی بالاثار ص۱۸۵ ج۳)۔

(۲) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے، قاعدة فی الاحکام، میں اس پر بیس صفحات پر محیط بحث کی ہے کہ سفر میں قصر عزیمت ہے رخصت نہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے قائلین رخصت کے دلائل کا مدلل جواب بھی دیا ہے۔ (دیکھئے مجموع فتاویٰ ص۱۴۳ تا ۱۶۳ ج۲۴)۔

(۳) امام شوکانی نے نیل الاوطار، میں اس پر مفصل بحث کی ہے فریقین کے دلائل کا تجزیہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ سفر میں پوری نماز پڑھنے کو افضل کہنا غلط ہے، کیونکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اسفار میں

ہمیشہ قصر کرتے رہے ہیں، اور یہ ناممکن ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فاضل کو چھوڑ کر مفضول پر عمل کرتے رہے ہوں (نیل الاوطار ص۲۱۵ ج۳)۔

(۴) نواب صدیق حسن خاں مرحوم محدث قنوجی کا بھی یہی نظریہ ہے، ہم ان کا یہاں پر مفصل فتویٰ درج کر رہے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ۔ علمائے سلف و خلف میں سے بہت سے وجوب قصر کے قائل ہیں خطابی معالم میں فرماتے ہیں اکثر علمائے سلف اور فقہاء عصر کا خیال ہے کہ یہ واجب ہے۔ حضرت علی، عمر، ابن عمر، اور ابن عباس، کے علاوہ عمر بن عبد العزیز، قتادہ حسن سے بھی یہی مروی ہے حماد بن ابی سلیمان تو اس قدر فرماتے ہیں کہ اگر سفر میں کوئی چار رکعت پڑھ لے تو وہ دوبارہ نماز پڑھے، امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر وقت باقی ہے تو دھرالے، نووی نے بھی بہت سے اہل علم کی طرف اسے منسوب کیا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان اس کی رخصت کے قائل ہیں۔ ابن عباس (ایک روایت میں) شافعی اور احمد کا بھی یہی خیال ہے نووی نے اس فعل کو بھی اہل علم کے ایک گروہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

قائلین وجوب کے دلائل میں سے صحیحین کی یہ حدیث ہے ابن عمر فرماتے ہیں کہ **صحبت النبی ﷺ وکان لایزید فی السفر علی رکعتین وابا بکر وعمر وعثمان۔**

یعنی میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا آپ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، اسی طرح ابو بکر عمر عثمان کا عمل تھا۔

(بخاری کتاب التقصیر باب من لم یتطوع فی السفر دبر الصلاۃ الحدیث ۱۱۰۱ و مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب قصر الصلاۃ بمنیٰ الحدیث ۱۵۹ واللفظ للبنماری)۔

لیکن اس حدیث سے استدلال درست نہیں۔ صرف مداومت سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

دوسری دلیل یہ حدیث ہے۔

الصلاۃ اول ما فرضت رکعتین فاقرت صلاۃ السفر واتمت صلاۃ الحضر، پہلے صرف دو رکعت نماز فرض ہوئی، پھر حضر میں چار رکعتیں کردی گئیں لیکن سفر میں وہی دو رکعت فرض رہی۔

(بخاری کتاب التقصیر باب قصر اذا خرج من موضعة، الحدیث ۱۰۹۰، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ المسافرین وقصرھا، الحدیث ۱۵۷۰ تا۱۵۷۲)۔

اس سے استدلال یوں ہے کہ حضر میں چار رکعت سے زیادہ پڑھنا جس طرح ناجائز ہے اسی طرح سفر میں دو سے زیادہ پڑھنا ناجائز ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے اور وہ فرضیت نماز کے وقت حاضر نہ تھیں۔ یہ جواب اتنا عمدہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں اجتہاد کو دخل نہیں، لہٰذا یہ

مرفوع کے حکم میں داخل ہے۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بوقت فرضیت نماز حاضر نہ ہونا قادح نہیں، اس لئے کہ انہوں نے کسی صحابی سے سنا ہوگا۔ اور مراسیل صحابہ باجماع اہل اصول حجت ہیں۔ اسی پر یہ اعتراض بھی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت سے متعارض ہے۔ روایت یوں ہے۔

فرضت الصلاة فی الحضر اربعا وفی السفر رکعتین۔

(مسلم باب سابق الحدیث ۱۵۷۵)۔

یعنی حضر میں چار اور سفر میں دو رکعتیں فرض ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث اور اس سے پہلی حدیث میں تطبیق ممکن ہے کہ شب معراج تو دو رکعت ہی فرض ہوئی لیکن بعد میں زیادہ کردی گئی، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

فرضت الصلاة فی الحضر والسفر رکعتین فلما أقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینة و زید فی صلاة الحضر رکعتان وترکت صلاة الفجر لطول القرأة وصلاة المغرب لانها وتر النهار۔

یعنی سفر وحضر میں دو دو رکعتیں فرض تھیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور امن ہوگیا تو حضر میں نماز کی رکعتیں بڑھا دی گئیں نماز فجر اسی طرح رہی کیونکہ اس کی قرأۃ لمبی ہوتی ہے اور نماز مغرب دن کے وتر ہیں ا۔

(ابن خزیمه رقم الحدیث ۳۰۵، ۹۴۴، ابن حبان (موارد) رقم الحدیث ۵۴۴ و بیهقی ص۱۴۵ ج۳، ۳۶۳ ج۱ ومسند احمد ص۲۴۱ ج۶)۔

رخصت کے قائلین اس حدیث کا معنی یہ کرتے ہیں، فرضت بمعنی قدرت، لیکن یہ تاویل تکلف محض ہے نیز حدیث کا دوسرا حصہ **فاقرت فی السفر وزیدت فی الحضر**، اس کی نفی کرتا ہے، نووی کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو قصر کرنا چاہے اس پر ہی فرض ہے، لیکن یہ پہلے سے بھی زیادہ تکلف ہے۔ قائلین وجوب کی تیسری دلیل مسلم کی یہ روایت ہے

عن ابن عباس قال ان اللہ فرض الصلاة علی لسان نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم علی المسافر رکعتین وعلی المقیم اربعا والخوف رکعة۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے مسافر پر دو رکعت فرض کی ہیں اور مقیم پر چار اور بحالت خوف صرف ایک رکعت۔ (مسلم ص۲۴۱ ج۱)۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ بحالت سفر فرض ہی دو رکعت ہے،، اللہ کی فرض کی ہوئی رکعات پر زیادتی درست نہیں۔

چوتھی دلیل ان کی حضرت عمر کی حدیث ہے جو نسائی میں ہے۔

صلاة الاضحی رکعتان، وصلاة الفطر رکعتان، وصلاة المسافر رکعتان، و صلاة

الجمعة رکعتان، تمام غیرہ قصر علی لسان النبی ﷺ۔

(نسائی رقم الحدیث ۱٤٤۱، ۱٥٦۷).

اس حدیث کے رجال صحیح بخاری کے ہیں۔ اس میں تصریح ہے کہ مسافر کی نماز دو رکعت ہی ہے۔ اور یہ قصر نہیں بلکہ مکمل ہے

پانچویں دلیل۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے۔ **امرنا ان نصلی رکعتین فی السفر۔** یعنی ہمیں سفر میں دو رکعت پڑھنے کا ہی حکم ہے۔ (نسائی بحوالہ نصب الرایہ ص ۱۹۰ ج ۲)۔

اور جو قصر کو واجب نہیں سمجھتے ان کی پہلی دلیل یہ آیت ہے۔

(۱) **لیس علیکم جناح ان تقصرو من الصلاۃ،** تم پر گناہ نہیں اگر تم نماز قصر کرو۔ یہ الفاظ رخصت پر دلالت کرتے ہیں۔ وجوب پر نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت صلاۃ الخوف سے متعلق ہے قصر دو چیزوں میں ہے۔ تعداد رکعات میں اور ارکان میں، اسی طرح اس کا نقص بھی دو چیزوں سے ہے، ضرب فی الارض (سفر) اور خوف ہوں گے تو ارکان میں بھی قصر ہوگا، اور تعداد رکعات میں بھی، اگر خوف بحالت اقامت ہو تو تعداد مکمل رہے گی۔ لیکن ارکان میں قصر ہوگا۔ اسی طرح جب سفر ہو لیکن خوف نہ ہو اس وقت قصر تعداد ہوگا۔ لیکن ارکان مکمل ادا کئے جائیں گے۔ ظاہر ہے یہ آیت صلاۃ الخوف کے متعلق ہے۔ اس میں قصر عدد کا ذکر نہیں بلکہ قصر ارکان کا ذکر ہے۔

قائلین رخصت کی دوسری دلیل مسلم اور سنن کی یہ روایت ہے۔

(۲) **عن یعلی بن امیة قال قلت لعمر بن الخطاب فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفر وافقد امن الناس فقال عجبت مما عجبت منه فسالت رسول اللہ ﷺ فقال صدقة تصدق اللہ بها علیکم فاقبلوا صدقته۔**

یعنی انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بحالت خوف نماز قصر کرنے کی اجازت دی تھی، اب تو امن ہو چکا ہے اب قصر کرنے کی کیا ضرورت ہے، تو حضرت عمر نے کہا مجھے بھی یہی تعجب ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؟ یہ تو صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا ہے اس کا صدقہ قبول کرو۔ مسلم ص ۲۴۱ ج ۱)۔

اس سے استدلال یوں ہے کہ صدقہ کے الفاظ دلالت کرنے میں واجب نہیں، لیکن اس کا جواب یہ ہے امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

فاقبلوا صدقته اللہ، کا صدقہ قبول کرو۔ اس لئے یہ دلیل ان کے خلاف جاتی ہے۔

(۳) تیسری دلیل ان کی یہ ہے کہ صحابہ نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سفر کیا۔ بعض نے روزہ رکھا بعض نے افطار کیا۔ بعض نے نماز قصر کی بعض نے پوری پڑھی کسی نے دوسرے پر اعتراض نہ کیا۔

نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ لیکن ہمیں اس میں نہیں ملی، اس کا جواب یوں ہے کہ اس حدیث میں ذکر نہیں کہ نبی ﷺ کو بھی اس امر کی اطلاع تھی اس کے برعکس آپ کے اقوال و افعال اس کے خلاف موجود ہیں حضرت عثمان نے جب منیٰ میں پوری نماز پڑھی تو کئی صحابہ اس پر معترض ہوئے۔

قائلین رخصت کی چوتھی دلیل نسائی دارقطنی اور بیہقی کی یہ روایت ہے۔

(۴) عن عائشة قالت خرجت مع النبی ﷺ فی عمرة فی رمضان فافطر و صمت و قصرت و اتممت فقلت بابی وامی افطرت وصمت وقصرت واتممت فقال احسنت یا عائشة قال الدارقطنی هذا اسناده حسن۔

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رمضان میں عمرہ کے لئے روانہ ہوئی، آپ نے روزہ نہ رکھا میں نے رکھا آپ نے نماز قصر ادا کی، اور میں نے پوری نماز پڑھی، پھر آپ سے دریافت کیا تو فرمایا تو نے اچھا کیا اے عائشہ!

(نسائی رقم الحدیث ۱۴۵۷ وبیهقی ص۱۴۲ ج۳ و دارقطنی ص۱۸۸ ج۲)۔

اس کی سند میں عبد الرحمٰن بن یزید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتا ہے اور اس کے متعلق ابن حبان کہتے ہیں ثقات سے نہیں۔ البتہ ابن معین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا سماع بھی مختلف ہے دارقطنی کہتے ہیں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس وقت گیا جب کہ چھوٹا تھا ابوحاتم کا قول ہے کہ اس کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضری بحالت صغر سنی ہوئی، اس نے ان سے کچھ بھی نہیں سنا، ابوبکر نیشاپوری کہتے ہیں اس کا عن عائشہ رضی اللہ عنہا کہنا غلط ہے اس کے باوجود دارقطنی نے سنن میں اس اسناد کو حسن قرار دیا ہے بدر منیر میں ہے کہ اس حدیث کا متن منکر ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے چار عمرے کئے ان میں سے رمضان میں کوئی بھی نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان میں عمرہ کے لئے روانہ ہوئیں، آپ کے چار عمرے ذوالقعدہ میں ہیں۔ البتہ جو عمرہ آپ نے حج کے ساتھ کیا اس کا احرام ذوالقعدہ میں باندھا لیکن اسے ذوالحجہ میں کیا (البدر المنیر ص ۵۲۸ ج۴) شوکانی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے اس حدیث کی توجیہات بیان کی ہیں لیکن یہ توجیہات سے زیادہ تاویلات ہیں، ابن حزم فرماتے ہیں **هذا الحديث لاخير فيه**، (المحلی ص۱۹۰ ج۳) ابن جوزی نے آپ کی تردید کرنا چاہی ہے مگر کر نہیں سکے۔ الهدی میں (ابن قیم نے) اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔ (زاد المعاد ص۱۵۸ ج۱، طبع مصر ۱۹۷۰ء)

(۵) ان کی پانچویں دلیل دارقطنی ص۱۸۹ ج ۲ کی یہ روایت ہے۔

عن عائشة ان النبی ﷺ کان یقصر فی السفرو یتم ویفطر ویصوم۔ یعنی آنحضرت ﷺ سفر میں قصر بھی کرتے تھے کبھی پوری بھی پڑھ لیتے تھے، اسی طرح کبھی روزہ رکھتے لیکن کبھی افطار کر لیتے، دارقطنی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے امام احمد نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔ چنانچہ صاحب التلخیص الحبیر نے اس کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں وصحته بعیدة، کہ اس کا صحیح ہونا بعید از امکان ہے اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت کی وفات کے بعد نماز پوری پڑھنی شروع کی، عروہ کہتے ہیں کہ انہوں نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح تاویل کی، اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کوئی مرفوع روایت ہوتی ہے تو عروہ ایسے نہ کہتے، الھدی میں منقول ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اسے بھی کذب علی الرسول ﷺ قرار دایا ہے۔ (زاد المعاد ص۱۵۸ ج۱)

الغرض اس طرح کی ضعیف روایات قائلین وجوب کے دلائل کے معارض ہونے کے قابل نہیں، تحقیق یہی ہے کہ قصر واجب ہے۔ رخصت نہیں۔ چنانچہ شوکانی، وبل الغمام میں لکھتے ہیں حق بات یہی ہے کہ قصر واجب ہے۔ احادیث کا مقتضی یہی ہے۔

(الدلیل الطالب ص۳۷۹ بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث ص۲۰۶ ج ٤)۔

بلاشبہ علمائے اہل حدیث میں سے بعض کا یہی مؤقف ہے کہ قصر رخصت ہے عزیمت نہیں پوری نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ مؤقف صرف چند علمائے اہل حدیث کا ہی نہیں بلکہ جلیل القدر صحابی اور خلیفہ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی ہے امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور ایک روایت میں امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے۔ انوار صاحب جو توجیح خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل کی کریں گے وہی جواب ہماری طرف سے بعض علمائے اہل حدیث کے مؤقف کا سمجھ لیں۔

ممکن ہے کہ انوار صاحب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عمل کو یہ کہہ کر رد کر دیں کہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں گھر بنالیا تھا، لہٰذا منیٰ میں پوری نماز پڑھنا بوجہ اقامت تھی، پہلی بات تو یہ ہے کہ روایت منقطع ہے۔ (فتح الباری ص۴۵۶ ج ۲)۔ دوسری بات یہ ہے کہ حاجی پر منیٰ میں قصر ہی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ دارقطنی کی روایت کو امام احمد نے منکر کہا ہے اور اس کی صحت بعید ہے کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں پوری نماز پڑھا کرتی تھیں۔ عروہ نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح تاویل کی تھی (التلخیص الحبیر ص۴۴ ج۲)۔

حافظ ابن حجر نے جس روایت عروہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ بخاری (۱۰۹۰) و مسلم ۵/۱۹۵ وغیرہ میں ہے اس سے ثابت ہوا کہ انہوں نے اتمام کے لئے تاویل کی تھی اگر مکہ کے باسی ہو چکے تھے تو تاویل کی ضرورت نہ تھی ثابت ہوا کہ ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے نزدیک قصر رخصت تھی۔

فصل دوم

اب ہم انوار صاحب کے بعض ضعیف و کمزور دلائل کا ذکر بھی کر دینا چاہتے ہیں، تاکہ بات پوری طرح صاف ہوجائے۔

(۱) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ صلاۃ السفر رکعتان من ترک السنہ فقد کفر۔

(رواہ ابن حزم بسند صحیح عمدۃ القاری ص۱۳۳ ج۷)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں جس نے سنت (یعنی اس طریقہ) کو چھوڑا تحقیق اس نے کفر کیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۲۷)

الجواب: اولاً اس روایت کی رو سے تو مسافر قطعی طور پر دو رکعت پڑھنے کا پابند ہے مغرب کی تین رکعت ادا کرے گا وہ بھی کافر ہوجائے گا۔ حالانکہ یہ حنفیہ کا بھی مسلک نہیں ہے۔

ثانیاً: اس روایت کی رو سے دوگانہ پڑھنا سنت قرار پاتا ہے، متن روایت میں صاف سنت کا لفظ ہے مگر احناف کے نزدیک سنت نہیں بلکہ واجب ہے، انوار صاحب نے اس حقیقیت پر پردہ ڈالنے کے لئے بریکٹ میں سنت کا معنیٰ، طریقہ، کردیا ہے حالانکہ متن روایت میں ایسا کوئی قرینہ نہیں۔

ثالثاً: امام ابن حزم نے (المحلی ص۱۸۶ ج۴) میں جو اس کی سند درج کی ہے اس میں عبد اللہ بن رجاء راوی ہے امام احمد فرماتے ہیں ہیں اس کی کتب جل گئی تھیں، اور حافظہ سے روایت کرتا تھا، اور اس کے پاس مناکیر ہیں (میزان ۴۲۱ ج۲) یہی وجہ ہے کہ کبھی یہ مرفوع بیان کرتا ہے اور کبھی موقوف بیان کرتا ہے جیسا کہ خود امام ابن حزم نے محلی میں صراحت کی ہے۔ اور نمبر۴ میں انوار صاحب نے بھی بحوالہ (مجمع الزوائد ص۱۵۴ ج۲) موقوف نقل کیا ہے، گو ھیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند کے راوی صحیح کے ہیں لیکن اس سے مذکورہ اعتراض کا جواب نہیں بنتا کیونکہ عبد اللہ بن رجاء ثقہ و صدوق ہے۔ اس کی روایات میں مناکیر کتب جل جانے کی وجہ سے آئی ہیں ہاں اگر اس کا کوئی ثقہ متابع مل جائے تو روایت درجہ صحت کو پہنچ جاتی ہے۔

(۲) عن ابی الکنود سالت ابن عمر عن صلاۃ السفر فقال رکعتان نزلتا من السماء فان شئتم فردوھما۔

(مجمع الزوائد ص۷۲۸)۔

حضرت ابو الکنود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سفر کی نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: دو رکعتیں ہیں جو آسمان سے اتری ہیں چاہو تو ان کو رد کردو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۲۸)

الجواب: ابوالکنود راوی کی کسی محدث نے توثیق نہیں کی صرف ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب ص۲۱۳ ج۱۲)۔ حافظ ابن حجر نے اسے مقبول کہا ہے (تقریب ص۴۲۳) یعنی متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث ہے۔ (مقدمہ تقریب) اور یہاں متابعت ثابت نہیں۔ دوسرا راوی اس میں شریک بن عبد اللہ ہے۔ (طبرانی صغیر ص۱۸۴ ج۱ رقم الحدیث ۹۹۷) اور یہ مختلط ہے (تقریب ۱۴۵)۔

الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

(۳) عن السائب بن یزید الکندی ابن اخت النمر قال فرضت الصلاۃ رکعتین ثم زید فی الصلاۃ الحضر واقرت صلاۃ السفر۔

(مجمع الزوائد ص١٥٤ ج٢)۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ نمر کے خواہر زادے فرماتے ہیں کہ نماز سفر دو دو رکعت فرض ہوئی تھی پھر حضر کی نماز میں اضافہ ہوگیا اور سفر کی نماز یونہی برقرار رکھی گئی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۲۸)

الجواب: ہیثمی نے اسے (طبرانی کبیر ص۱۵۵ ج۷) سے نقل کیا ہے گویہ کہا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں مگر یہ ان کا وہم ہے کیونکہ سند میں سعد بن سعید الانصاری ہے جو سیئی الحفظ ہے۔ (تقریب ص۱۱۸)۔

ایسے راویوں کی روایات متابعت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوا کرتی۔

(۴) عن ابن عباس قال صلی رسول اللہ ﷺ حین سافر رکعتین وحین اقام اربعا قال وقال ابن عباس فمن صلی فی السفر اربعا کمن صلی فی الحضر رکعتین الحدیث۔

(مجمع الزوائد ص١٥٥ ج٢)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سفر کیا تو دو دو رکعتیں پڑھیں اور جب آپ مقیم ہوئے تو چار پڑھیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو شخص دوران سفر چار رکعتیں پڑھتا ہے، وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ شخص جو حضر میں دو رکعت پڑھے، (حدیث اور اہل حدیث ۷۳۰)

الجواب: آپ نے روایت کا مکمل متن درج نہیں کیا۔ انوار صاحب کے نقل کردہ الفاظ سے آگے کی عبارت یہ ہے۔

قال وقال ابن عباس لن تقصر الصلاۃ الامرۃ، واحدۃ حیث صلی رسول اللہ ﷺ رکعتین و وصلی الناس رکعت قلت فی الصحیح بعضہ، رواہ احمد وفیہ حمید بن علی

العقیلی قال الدارقطنی لا یحتج به، وذکره ابن حبان فی الثقات۔

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بار نماز کو قصر کیا تھا جب آپ نے دو رکعت اور لوگوں نے آپ کی اقتدا میں ایک ایک رکعت پڑھی تھی۔ اسے امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے۔ اور سند میں حمید بن علی راوی ہے امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ اس سے احتجاج نہ کیا جائے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ص۱۵۵ ج۲، وفی نسختہ الاخری ص۱۵۸ ج۲) انوار صاحب نے اگلا حصہ مطلب برآری کے لیے حذف کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک صلاۃ خوف کی یہ کیفیت نہیں بلکہ ان کے نزدیک طائفہ اولیٰ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ کر چلی جائے، پھر طائفہ ثانیہ دوسری رکعت امام کے ساتھ پڑھ کر چلا جائے پھر پہلا طائفہ آ کر اپنی نماز پوری کرے، اس کے بعد دوسرا طائفہ آ کر اپنی نماز پوری کرے۔ (ھدایہ ص۱۲۲ ج۱) شرح نقایہ ۱۴۲ ج۱)۔حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ احادیث سے ثابت نہیں (فتح الباری ص۳۴۵ ج۲)۔

چونکہ اس طریقہ سے مذکورہ روایت سے نفی ہوتی تھی۔ اس لئے انوار صاحب نے جان بوجھ کر آدھی حدیث نقل کر کے اپنے مسلک کی لاج رکھ لی۔

(۵) عن ابی هريرة قال سافرت مع رسول الله ﷺ ومع ابی بکر وعمر کلهم صلی من حين يخرج من المدينة الی ان يرجع اليها رکعتين فی المسير والمقام بمکة۔

(مجمع الزوائد ص۱۵٦ ج۲)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر کیا ہے۔ سب نے مدینہ سے جاتے اور واپس مدینہ آنے تک دو رکعتیں ہی پڑھیں سفر کے دوران بھی اور مکہ مکرمہ اقامت کے دوران بھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۳۲)

الجواب: ہیثمی نے اسے طبرانی الاوسط اور مسند ابو یعلی کی طرف منسوب کیا ہے۔لیکن طبرانی الاوسط (۱۵۷۸)۔ میں یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مختصر مروی ہے جب کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسند ابو یعلی ص۳۳۰ ج۵) رقم الحدیث ۵۸۳٦) میں ہے سند حسن درجہ کی ہے۔لیکن انوار صاحب جو اس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ محض فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا ہاں البتہ افضلیت کی بات جدا ہے۔

(٦) عن عطاء بن يسار قال ان ناسا قالوا يا رسول الله ﷺ کنا مع فلان فی السفر فابی الا ان يصلی لنا اربعا اربعا فقال رسول الله ﷺ اذا والذی نفسی بيده تضلون۔

(المدونہ الکبریٰ ص۱۲۱ ج۱)۔

حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم

فلاں صاحب کے ساتھ سفر میں تھے انہوں نے ہمیں نماز پڑھانے سے انکار کیا بجز اس صورت کے کہ وہ چار چار رکعت پڑھائیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ایسی صورت میں تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۳۳)

الجواب: اولاً یہ روایت کذب اور بہتان ہے رسول اللہ ﷺ پر، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کتاب مدونہ الکبریٰ کی اسناد مخدوش ہیں پھر اس کا طریق بھی مرسل ہے۔

ثانیا: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ام المومنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سفر میں پوری نماز پڑھنا تو بخاری و مسلم کی احادیث سے ثابت ہے اور طحاوی نے (شرح معانی الاثار ص۲۴۶ ج۱) میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ سفر میں پوری نماز پڑھنا بیان کیا ہے۔ اور تابعین عظام سے ایک گروہ رخصت کا قائل ہے آئمہ اربعہ میں سے امام احمد، امام مالک، امام شافعی، قصر میں رخصت کے قائل ہیں۔ (درس ترمذی ص۳۲۵ ج۲)۔

سوال یہ ہے کہ آیا مذکورہ تمام بزرگ گمراہ ہو گئے تھے۔ انوار صاحب وضاحت کریں کہ قرآن و سنت میں گمراہی پر کیا وعید آئی ہے؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد رضی اللہ عنہ تو عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں مگر انوار خورشید صاحب شرم وحیاء کو بالائے طاق رکھ کر ان پر کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔ اس نالائق کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے لاٹھی اور سانپ میں تمیز کیے بغیر دلائل نقل کرتے جانا، علم نہیں، جہالت ہے، سنیت نہیں رافضیت ہے۔ دینی خدمت نہیں، اغیار کی ترجمانی ہے، محترم نے یہاں حاطب اللیل بن کر قابل ستائش کام نہیں کیا، اہل علم بیدار مغز ہوا کرتے ہیں، وہ دلیل کی صحت وسقم کو پرکھتے ہیں اور منفی اثرات کو ذہن میں رکھ کر بیان کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی۔

(۷) عن ابراهيم ان ابن مسعود قال من صلى فى السفر اربعا اعاد الصلاة۔

(معجم طبرانی کبیر ص۲۸۹ ج۹)۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے سفر میں چار رکعتیں پڑھیں وہ اپنی نماز لوٹائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۳۳)

الجواب: اولاً اس اثر سے ثابت ہوا کہ مسافر اگر چار رکعت پڑھے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ حالانکہ حنفیہ کے نزدیک باطل نہیں ہوتی بلکہ نماز ہو جاتی ہے اگر نمازی نے قعدہ اولیٰ کیا ہو۔ (ہدایہ ص۱۱۳ ج۱ وشرح نقایہ ص۱۲۱ ج۱)۔

ثانیا: اگر نماز نہیں ہوتی تو انوار صاحب وضاحت کریں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی نماز نہیں ہوتی تھی؟ اور آیا وہ بے نماز ہی فوت ہوئے، قرآن وسنت میں بے نماز پر جو فتویٰ ہے اس کی بھی ذرا وضاحت کر دیجئے پھر آئمہ اربعہ میں سے تین امام بھی رخصت کے قائل ہیں کیا یہ سب بزرگ بے نماز اور آئمہ ھدیٰ سے خارج ہیں؟

ثالثاً: ہیثمی فرماتے ہیں کہ ابراہیم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا (مجمع الزوائد ۱۵۵ ج ۲)۔ گویا روایت منقطع ہے۔ راقم عرض کرتا ہے کہ سند میں۔ غالب بن عبید اللہ راوی ہے امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں۔ ثقہ نہیں امام دارقطنی کہتے ہیں۔ متروک ہے (میزان ۳۳۱ ج ۳)۔ امام ابن مدینی فرماتے ہیں کہ ضعیف اور ہیچ محض ہے ابن سعد، عقیلی، ساجی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

امام ابوحاتم، امام نسائی نے متروک اور منکر الحدیث قرار دیا ہے عجلی ابن جارود، ابن شاہین نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ (لسان المیزان ص ۴۱۵ ج ۴) کوئی ادنیٰ کلمہ توثیق بھی راقم کو کتب رجال سے اس کے حق میں نہیں ملا۔ الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ سفر کی حالت میں نماز کو قصر کر کے ہی ادا کرنا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سفر میں قصر ہی کی ہے۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی قصر کے ہی قائل ہیں اگر پوری نماز پڑھنی جائز ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان جواز کے لئے ایک آدھی دفعہ ہی نماز پوری پڑھ لیتے۔ مگر ایسی کوئی روایت بھی موجود نہیں جو قابل ذکر اور لائق دلیل ہو۔ اس لئے بے خطر اور سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ نماز سفر میں قصر کی جائے اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ صحیح و خالص حق بات یہی ہے کہ مسافر پر دو رکعت ہی فرض ہے۔ احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا قصر کو افضل کہنا درست نہیں۔ اور نہ ہی یہ بات درست ہے کہ پوری پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس بات کا نتیجہ تو یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فاضل کو چھوڑ کر مفضول پر عمل کرتے رہے۔ حالانکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اولیٰ و بہتر اور افضل کام کیا کرتے تھے مزید یہ کہ جو حضرات پوری نماز پڑھنے کو باطل کہتے ہیں اس سے بھی ہم برآت کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ یہ مسئلہ خیر القرون سے مختلف فیہ ہے اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہر حال رخصت کے قائل تھے۔ ان کی نمازوں کو باطل قرار دینا چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے اس سلسلہ میں کوئی مرفوع حدیث ثابت نہیں۔ اور انوار صاحب نے اس کے متعلق جو دلائل نقل کئے ہیں۔ ان کی حقیقت آپ پڑھ آئے ہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ باوجود کہ سفر میں قصر کرنے پر سختی سے قائل تھے۔ مگر فتنہ کے خوف سے چار رکعت بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

(فتح الباری ص ۴۵۲ ج ۲)۔

(۶۵) باب نماز قصر میں سنتوں کا پڑھنا لازم نہیں

فصل اول

(۱) عن عیسیٰ بن حفص بن عاصم قال حدثنی ابی انه سمع ابن عمر یقول صحبت رسول اللهﷺ فكان لا یزید فی السفر علی ركعتین وابا بكر وعمر و عثمان كذلك رضی اللہ عنہم

امام عیسیٰ اپنے والد حفص سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا عبد للہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا۔ آپ علیہ السلام دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ اور اسی طرح سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔

(بخاری کتاب التقصیر باب من لم یتطوع فی السفر دبر الصلاۃ، الحدیث ۱۱۰۲)۔

(۲) عن حفص قال صحبت ابن عمر فی طریق مكة ، قال فصلی لنا الظهر ركعتین، ثم اقبل واقبلنا معه، حتی جاء رحله، وجلس وجلسنا معه، فحانت منه التفاتة نحو حیث صلی، فرأی ناسا قیاما فقال مایصنع هولاء؟ قلت یسبحون، قال لو كنت مسبحا أتممت صلاتی، یا ابن أخی انی صحبت رسو ل اللهﷺ فی السفر، فلم یزد علی ركعتین، حتی قبضه الله، وصحبت ابا بكر فلم یزد علی ركعتین حتی قبضه الله، وصحبت عمر فلم، یزد علی ركعتین، حتی قبضه الله، ثم صحبت عثمان فلم یزد علی ركعتین، حتی قبضه الله، وقد قال الله تعالیٰ لقد كان لكم فی رسول الله اسوة حسنة (الاحزاب ۲۱)۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے امام حفص بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ کے راستہ میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آیا، آپ نے ہمیں ظہر کی دو رکعت نماز پڑھائی پھر وہ آئے اور ہم بھی ان کے ساتھ آئے یہاں تک کہ اپنے اترنے کی جگہ پہنچے اور بیٹھ گئے اور ہم بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے، تو آپ کی نگاہ اس جگہ پڑی جہاں ہم نے نماز پڑھی تھی۔ کچھ لوگوں کو کھڑے ہوئے دیکھا، دریافت کیا یہ کیا کرتے ہیں میں نے عرض کی کہ سنتیں پڑھتے ہیں ، تو آپ کہنے لگے اگر مجھے سنتیں پڑھنی ہوتیں تو میں نماز پوری پڑھتا، پھر فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! میں سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا ، آپ نے دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ حتی کہ آپ کی وفات ہوگئی، اور میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، آپ نے دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی، اور میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، آپ

نے بھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں، حتی کہ آپ اللہ کو پیارے ہو گئے، میں عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، آپ نے بھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ حتی کہ آپ فوت ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہیں۔

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب صلاۃ وقصرھا الحدیث ۱۵۷۹)۔

(۳) عن کریب عن اسامة بن زید رضی اللہ عنہما انه سمعه یقول دفع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من عرفه فنزل الشعب فبال ثم توضا ولم یسبغ الوضوء فقلت له، الصلاة فقال، الصلاة امامك فجاء المزدلفة فتوضاء فاسبغ ثم اقیمت الصلاة فصلی المغرب، ثم اناخ کل انسان بعیره فی منزله، ثم اقیمت الصلاة فصلی ولم یصل بینهما۔

امام کریب بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ سے آئے اور مزدلفہ میں گھاٹی پر اترے وہاں آپ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور پورا وضو نہ کیا۔ (یعنی خوب پانی نہ بہایا) میں نے عرض کیا نماز؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز آگے چل کر پڑھیں گے پھر مزدلفہ میں آئے اور وضو کیا پھر نماز کی تکبیر ہوئی اور مغرب کی نماز ادا کی پھر ہر شخص نے اپنا اپنا اونٹ ٹھکانے پر بٹھایا پھر تکبیر ہوئی اور عشاء کی نماز ادا کی اور ان کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نفل وغیرہ نہ پڑھے۔

(بخاری کتاب الحج باب الجمع بین الصلاتین بالمزدلفة، الحدیث ۱۶۷۲، مسلم کتاب الحج باب الافضة من عرفات الی المزدلفة ۳۰۹۹)۔

(۴) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال جمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم المغرب والعشاء بجمع کل واحدة منهما باقامة، ولم یسبح بینهما ولا علی اثر کل واحدة منها۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نماز ایک ہی اقامت سے جمع کر کے پڑھیں۔ اور ان دونوں کے درمیان سنتیں نہیں پڑھیں اور نہ ہی ان دونوں سے پہلے یا بعد میں سنتیں پڑھیں۔

(بخاری کتاب الحج باب من جمع بینهما ولم یتطوع، الحدیث ۱۶۷۳، مسلم کتاب الحج باب سابق الحدیث ۳۱۱۱)۔

(۵) عن انس یقول خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المدینة الی مکة، فکان یصلی رکعتین رکعتین حتی رجعنا الیٰ المدینة الحدیث۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ گئے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے حتی کہ ہم مدینہ طیبہ میں واپس آ گئے۔

(بخاری کتاب التقصیر باب ماجاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر الحدیث ۱۰۸۱ ومسلم کتاب صلاة

المسافرین باب صلاة المسافرین وقصرها الحدیث ۱۵۸۶)۔

(۶) عن ابن عون عن مجاهد قال سألناه أکان ابن عمر یتطوع فی السفر فقال، لا، فقلت فرکعتین قبل الفجر قال ما رأیته ترك تینك فی سفر ولاحضر۔

امام ابن عون فرماتے ہیں کہ ہم نے امام مجاہد سے سوال کیا کہ کیا سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں نوافل پڑھا کرتے تھے، تو آپ نے فرمایا، نہیں، میں نے کہا کیا صبح کی سنتیں بھی؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے سفر وحضر میں ان دو رکعتوں کو ترک کرتے نہیں دیکھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۸۰ ج ۱)۔

(۷) عن ابن عمر انه کان لا یتطوع فی سفر قبل الصلاة ولا بعدها وکان یصلی من للیل۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں نماز سے پہلے اور بعد میں نفل نہ پڑھا کرتے تھے۔ اور رات کو (تہجد) پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳۸۰ ج ۱)۔

(۸) عن عبد الله بن دینار قال کان ابن عمر یتطوع باللیل ولا یتطوع بالنهار فی السفر وکان یصلی الی بعیره۔

امام عبد اللہ بن دینار کہتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں دن کے وقت نوافل نہ پڑھا کرتے تھے ہاں رات کو سواری پر پڑھ لیا کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۵۵۸ ج ۲ رقم الحدیث ۴۴۴۶)۔

(۹) عن نافع ان ابن عمر کان لایتطوع فی السفر فی الصلاة النهار۔

امام نافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں دن کی نمازوں (کے ساتھ) نوافل نہیں پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۵۵۸ ج ۲ رقم الحدیث ۴۴۴۷)۔

(۱۰) عن سعید بن یسار انه قال کنت اسیر مع عبد الله بن عمر بطریق مکة، فقال سعید فلما خشیت الصبح فنزلت فاوترت، فقال عبد الله اما لك فی رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) اسوة حسنة ؟ فقلت بلیٰ والله، قال فان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر علی البعیر۔

امام سعید بن یسار فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کے راستے پر چل رہا تھا مجھے صبح ہونے کا ڈر ہوا تو سواری سے اتر کر وتر پڑھا سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوہ حسنہ نہیں؟ میں نے کہا کیوں نہیں اللہ کی قسم، تو آپ نے فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اونٹ پر سوار رہ کر وتر پڑھ لیتے تھے۔

(بخاری کتاب الوتر باب الوتر علی الدابة، الحدیث۹۹۹، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب جواز صلاۃ النافلة علی الدابة فی السفر حیث توجهت الحدیث ۱۶۱۵)۔

(۱۱) عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ یصلی فی السفر علی راحلته حیث توجهت به، یومی ایما صلاۃ اللیل الا الفرائض ویوتر علی راحلته۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں رات کی نماز اور وتر اونٹنی پر ہی اشارے سے پڑھا کرتے تھے۔ وہ جدھر چاہے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو لے جاتی، مگر فرض نماز (سواری سے اتر کر پڑھتے تھے)

(صحیح بخاری کتاب الوتر فی السفر الحدیث، ۱۰۰۰، مسلم باب سابق الحدیث ۱۶۱۰)۔

قارئین کرام مذکورہ حدیث و آثار کی وضاحت سے پہلے ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ میں امت مرحومہ کے تعامل کی وضاحت کردیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام نووی فرماتے ہیں کہ سفر میں نوافل ادا کرنے کے متعلق علمائے امت میں تین مؤقف ہیں (۱) مطلق منع ہیں (۲) مطلق جائز ہیں (۳) سنتوں اور نوافل کا فرق کرتے ہیں۔ اور یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ عام نوافل تو پڑھے جائیں جب کہ سنتوں کو ترک کیا جائے۔

(۴) حافظ صاحب کہتے ہیں کہ چوتھا مذہب یہ ہے کہ دن اور رات کا فرق کرتے ہیں۔

(۵) نماز سے قبل کی جائز ہیں بعد میں نہیں۔ (فتح الباری ص۴۶۲ ج۲)۔

ان کے علاوہ بھی کئی اقوال ہیں مثلاً حالت سیر میں ترک کرنا اور حالت قیام میں پڑھنا افضل ہے، علامہ عینی نے، عمدہ القاری ص۱۴۴ ج ۷ میں علامہ ہندوانی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ عام اکابر دیوبند کا یہی مسلک ہے کیونکہ امام محمد سے ایک روایت میں یہی منقول ہے۔ دیکھئے بذل المجہود ص۲۴۱ ج ۲ و فتح الملہم ص۲۵۱ ج۲ فیض الباری ص۳۹۹ ج ۲ حاشیہ بخاری ص۱۴۹ وغیرہ۔

ہمارے نزدیک سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مؤقف سب سے زیادہ پختہ ہے کہ عام نوافل وغیرہ پڑھے جاسکتے ہیں جب کہ فرض نماز سے پہلے اور بعد کی سنتوں کو نہ پڑھا جائے اور ان کا نہ پڑھنا ہی اولی و بہتر ہے کیونکہ ان کا پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ایسا ہی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت نہیں، ہاں البتہ صبح کی سنتوں کو پڑھا جائے جیسا کہ (بخاری ص۱۴۹ ج۱ و مسلم ص۲۳۹ ج۱) میں مرفوعا ثابت ہے وتر کو بھی ادا کیا جائے جیسا کہ آخری دو حدیثوں کا مفاد ہے۔

باقی جو دن اور رات کا فرق کرتے ہیں یا حالت سیر اور قیام کا فرق کرتے ہیں۔ یہ مرفوع احادیث کے خلاف ہے کیونکہ دن اور رات دونوں میں نوافل ادا کرنا حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت ہیں۔

رات کا ثبوت تو ہماری آخری نقل کردہ حدیث سے ثابت ہے جب کہ دن میں نوافل پڑھنے کا ثبوت یہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر چاشت کی آٹھ رکعت نماز پڑھی۔

(بخاری ص ۱۵۷ ج ۱، مسلم ص ۲۴۹ ج ۱)۔

یہ حدیث جہاں دن کے وقت مسافر کے نوافل پڑھنے پر دلیل ہے وہاں ہی حالت نزول میں نوافل ادا کرنے کی بھی دلیل ہے، اور حالت سیر میں نماز پڑھنے کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے نماز وتر اور تہجد حالت سیر ہی میں پڑھی ہے۔

الغرض مسافر دن رات اور نزول و قیام کی صورتوں میں نوافل پڑھ سکتا ہے سنتوں کو بھی پڑھ لے تو گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے لیکن مسافر کے لئے یہ مؤکدہ نہیں۔ خواہ حالت سیر میں ہو یا نزول میں، دن ہو یا رات لیکن فجر کی سنتیں بہرحال مسافر کے لئے بھی مؤکدہ ہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا معمول پڑھنے کا ہی تھا۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی پڑھا کرتے تھے۔ ہمارے اس مؤقف کی کوئی دلائل سے تردید کر دے تو ہم قبول کرنے کو تیار ہیں۔ یاد رہے کہ ہمارا اختلاف اس میں ہے کہ حالت سفر میں صبح کی سنتوں اور وتر کے علاوہ کوئی نوافل رواتب مؤکدہ نہیں، گویا پڑھنے اور نہ پڑھنے میں سرے سے اختلاف ہی نہیں۔ لہٰذا انوار صاحب نے جو یہاں پر بحث اٹھائی ہے وہ سرے سے غلط اور خلط مبحث ہے۔

فصل دوم

(۱) عن البراء بن عازب قال صحبت رسول اللہ ﷺ ثمانیۃ عشرۃ سفرا فما رایتہ ترک الرکعتین اذا زاغت الشمس قبل الظھر۔

(ترمذی ص ۱۲۳ ج ۱)۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اٹھارہ سفروں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا ہوں میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے سورج ڈھلنے کے بعد ظہر سے پہلے دو رکعتیں چھوڑی ہوں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۴۳۸)

الجواب: اولاً اختلاف عام نوافل میں نہیں (ہم بھی جواز کے قائل ہیں) بلکہ نوافل رواتب میں ہے جنہیں عرف عام میں سنتیں کہا جاتا ہے اور کون نہیں جانتا کہ نماز ظہر سے پہلے کی سنتیں دو نہیں چار ہیں۔ اگر احادیث پر نظر نہیں تو (ہدایہ ص ۹۵ ج ۱) شرح نقایا ص ۱۰۰ ج ۲ و کبیری ص ۳۸۳ کو ہی دیکھ لیا ہوتا۔ ان میں صاف صراحت ہے کہ ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعات سنت مؤکدہ ہیں اور دو رکعت ظہر کی نماز کے بعد، ام المؤمنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ نبی مکرم ﷺ ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعت ترک نہ کرتے الحدیث۔ (بخاری ص ۱۵۷ ج ۱)۔

اور اگر پہلے ادا نہ کر سکتے تو بعد میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ (ترمذی ص ۸۹)۔
ثابت ہوا کہ مذکورہ روایت سنن کے متعلق نہیں عام نوافل تھے جو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔ اگر سنتیں ہوتیں تو دو کی بجائے چار رکعت ادا فرماتے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں۔

لا نسلم ان هاتين الركعتين من السنن الرواتب وانما هى سنة الزوال الواردة فى حديث ابى ايوب الانصارى۔

ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ دو رکعتیں سنت مؤکدہ تھیں۔ بلکہ زوال کی دو رکعت تھیں جیسا کہ ابو ایوب انصاری کی روایت میں وارد ہے۔ (عمدۃ القاری ص ۲۱۰ ج ۷ طبع جدید و بذل المجہود ص ۲۴۰ ج ۲)۔

مولانا فخر الحسن گنگوہی حنفی فرماتے ہیں۔

وبعضہ گفت اند کہ ایں دو رکعت از مطلق نوافل بود نہ رواتب وایں قول سعید ست۔

یعنی بعض نے کہا ہے کہ یہ دو رکعت عام نوافل تھے سنت مؤکدہ نہ تھیں، اور یہ قول اچھا ہے۔
(حاشیہ ابو داؤد ص ۱۷۲ ج ۱)۔

ثانیا: سند میں ابو بسریٰ الغفاری راوی ہے اس کی کسی محدث نے توثیق نہیں کی علامہ ذہبی نے مجہول قرار دیا ہے۔ (میزان ص ۴۹۵ ج ۴) حافظ ابن حجر نے مقبول لکھا ہے۔ (تقریب ص ۳۹۴) یعنی متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث (مقدمہ تقریب) اور یہاں متابعت ثابت نہیں۔ علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (ضعیف ابوداؤد ۲۶۳، ۱۲۲۲ ضعیف ترمذی ۸۳، ۵۵۶)۔

(۲) عن ابن عمر قال صليت مع النبى صلى الله عليه وسلم فى الحضر والسفر فصليت معه فى الحضر الظهر اربعا وبعدها ركعتين وصليت معه فى السفر الظهر ركعتين وبعد ها ركعتين والعصر ركعتين ولم يصل بعدها شئيا والمغرب فى الحضر سواء ثلث ركعات لا ينقص فى حضر ولا سفر وهى وتر النهار وبعدها ركعتين۔
(ترمذی ص ۱۲۳ ج ۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ سفر و حضر میں نماز پڑھی ہے میں نے آپ کے ساتھ حضر میں ظہر کی چار رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں، سفر میں ظہر کی دو رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں ایسے ہی عصر کی دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد کچھ نہیں پڑھا مغرب کی نماز سفر و حضر میں برابر ہے یہ کل تین رکعتیں ہیں جو کہ نہ کم ہوتی ہیں نہ بڑھتی ہیں اور یہ دن کے وتر ہیں ان کے بعد بھی دو رکعتیں پڑھیں ہیں۔

(۳) عن ابن عمر انه قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اربعا وليس بعد ها شيئى وصلى

المغرب ثلثا وبعدها رکعتین وقال هی وتر النهار لاتنقص فی سفر ولاحضر وصلی العشاء اربعا وصلی بعد ها رکعتین قال وصلی فی السفر الظهر رکعتین وصلی بعد ها رکعتین وصلی العصر رکعتین ولیس بعدها وصلی المغرب ثلثا وبعدها رکعتین وصلی العشاء رکعتین وبعدها رکعتین۔

(طحاوی ص۲۸۵ ج۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (حضر میں عصر کی) چار رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد کچھ نہیں مغرب کی تین رکعات پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دن کے وتر ہیں جو سفر وحضر میں کم نہیں ہوتے، عشاء کی چار رکعتیں پڑھیں اوران کے بعد دو رکعتیں، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اور ان کے بعد دو رکعتیں پھر عصر کی دو رکعتیں اور ان کے بعد کچھ نہیں، مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں اور ان کے بعد دو رکعتیں، عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں اور ان کے بعد دو رکعتیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۳۸تا ۷۴۰)

الجواب: اولا یہ ایک ہی روایت ہے اور اس کی سند کا مرکزی راوی ابن ابی لیلیٰ ہے لیکن انوار صاحب نے ایک ہی روایت کو دوبارہ درج کردیا ہے ان کے دوبار نقل کرنے کا شکریہ، ہم قارئین کرام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ان دونوں کو مکرر ایک نظر دیکھ لیں، اس کے متن میں اضطراب ہے۔

ثانیا: اس روایت کا خلاصہ یہ نکلا کہ دن رات میں کل چھ رکعت سنتیں مؤکدہ ہیں کیونکہ ظہر کے بعد دو، مغرب کے بعد دو، عشاء کے بعد دو، حالانکہ جوسنتیں مؤکدہ ہیں ان کی تعداد تو صرف نماز ظہر میں ہی چھ رکعت ہوجاتی ہے، معلوم ہوا کہ یہ عام نوافل تھے۔ سنن مؤکدہ نہ تھیں، ورنہ ظہر سے پہلے کی بھی چار ادا کرتے۔

ثالثا: سند میں ابن ابی لیلیٰ سیئ الحفظ ہے، تفصیل مسئلہ رفع الیدین میں گزر چکی ہے۔ الغرض یہ روایت ضعیف ہے، جیسا کہ علامہ البانی نے صراحت کی ہے۔ (ضعیف ترمذی ۸۵-۵۵۸)۔

(۴) عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لاتدعوا رکعتی الفجر ولوطردتکم الخیل۔

(مسند احمد ص۴۰۵ ج۲، ابوداؤد ص۱۷۹ ج۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی دوسنتوں کو نہ چھوڑو اگرچہ تمہیں گھوڑے دوڑائے لئے چلے جارہے ہوں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۴۰)

الجواب: اولاً گویا صبح کی سنتیں لازم قرار پائی خواہ گھوڑے دوڑائے لیے چلے جارہے ہوں۔

حالانکہ انوار صاحب کا یہ مسلک نہیں ان کے نزدیک اگر ممکن ہو تو تب سنن کو پڑھا جائے جیسا کہ ان کے باب کی سرخی سے ثابت ہوتا ہے، لیکن روایت مذکورہ میں غیر ممکن صورت میں بھی ادا کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

ثانیاً: یہ روایت ضعیف ہے سند میں، ابن سیلان راوی مجہول ہے جیسا کہ علامہ ذہبی ابن قطان وغیرہ نے کہا ہے اور علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(ارواء الغليل ص١٨٤ ج٢ (٤٣٨).

(۵) ابو داؤد ص۲۳ ج۱ میں ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے لیلۃ التعریس کے واقعہ میں صبح کی سنتیں بھی پڑھیں تھیں (حدیث اور اہل حدیث ص۷۴۱)

الجواب: صبح کی سنتوں کے پڑھنے کے ہم بھی قائل ہیں راجع دین الحق ص۶۳۱ ج۱)۔

(۶) عن عامر بن ربيعة انه رأى النبي ﷺ يصلى السبحة فى الليل فى السفر على ظهر راحلته حيث توجهت به۔

(بخاری ص١٤٩ ج١، مسلم ص٢٤٤ ج١)۔

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ دوران سفر رات میں نفل ادا فرما رہے تھے اپنی سواری کی پشت پر وہ سواری آپ کو لے کر جس طرف کا بھی رخ کرتی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۴۲)

الجواب: اولاً یہ حدیث عام نوافل پر محمول ہے اس کا قرینہ، فی اللیل کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز تہجد سفر کی حالت میں سواری پر پڑھ لیا کرتے تھے، آپ کے معتمد خاص جناب علامہ ظفر احمد تھانوی صاحب نے بھی اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ (اعلاء السنن ص۳۳۰ ج۷)۔

تہجد تو حالت قیام میں بھی لازم وضروری نہیں چہ جائے کہ سفر میں اس کا وجوب تسلیم کیا جائے، محترم اختلاف فقط نوافل رواتب میں ہے اس کی دلیل دیجئے۔

ثانیاً: اگر انوار صاحب اس پر ہی ضد کریں کہ یہ حدیث سنتوں پر ہی محمول ہے تو تب یہ ان کے بھی خلاف ہے، کیونکہ ان کے نزدیک بھی اگر مسافر راستے میں ہو تو سنتوں کو ترک کردے اور اگر منزل میں ہو تو پڑھ لے، دیکھئے۔ (مرقاة ص٢٢٤ ج٣ وحلبى كبير ص٥٤٥ وبزل المجهود ص٢٤١ ج٢ فتح الملهم ص٢٥١ ج٢، وحاشيه بخارى ص ١٤٩ ج١)۔

مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری فرماتے ہیں

قال محمد بن الحسن يتركها ان كان سائرا ويصليها ان كان نازلا۔

یعنی امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر حالت سفر میں ہو تو سنتوں کو ترک کردے اور اگر ٹھہرا ہوا ہو تو پڑھ لے۔

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں **والعمل عندی علی ما قاله محمد** میرے نزدیک اسی پر عمل ہے جو امام محمد نے کہا ہے۔ (فیض الباری ص۳۹۹ ج۲)۔

جب کہ آپ کی درج کردہ روایت میں حالت سفر کی بات ہے

(۷) عن ام هانی قالت لما کان یوم فتح مکة دعا رسول الله ﷺ بماء وسترت ام هانی وام سلیم ام انس بن مالك بملحفة ثم دخل بیت ام هانی فصلی الضحیٰ اربع رکعات۔

(مجمع الزوائد ص۲۳۸ ج۲)۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن (غسل کے لئے) پانی منگوایا ام ہانی اور ام سلیم یعنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ نے چادر سے پردہ کئے رکھا پھر آپ غسل کر کے ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے اور چاشت کی چار رکعت پڑھیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۴۲۷)

الجواب: اولاً انوار صاحب نے اس باب کا عنوان, دوران سفر اگر ممکن ہو تو سنتیں بھی پڑھنی چاہئیں، منعقد کیا ہے۔ مگر سنتوں کی دلیل دینے کی بجائے عام نوافل کی روایت درج کردی ہے ! کون نہیں جانتا کہ نماز چاشت سنن رواتب سے نہیں, لیکن مؤلف حدیث اور اہل حدیث کی داڑھی میں علم پڑھتے پڑھاتے سفیدی آگئی ہے مگر اسے آج تک یہ خبر نہیں کہ نماز چاشت سنن رواتب سے نہیں، تدریس کو چھوڑ کر کہیں سبزی کی دوکان کرلیں آپ کے لئے یہی بہتر ہے۔

ثانیا: ہیثمی نے اسے (طبرانی کبیر ص۴۳۰ ج۲۴ وطبرانی الاوسط ص۴۱۰ ج۱) سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ بلاشبہ اوسط کے راوی ثقہ ہیں مگر طبرانی کبیر کی سند سخت ضعیف ہے۔ عتاب بن بشیر اور خصیف دو راوی ضعیف ہیں۔ اور ہیثمی نے طبرانی کبیر کی روایت کا ہی متن درج کیا ہے۔ اور اس کا متن منکر ہے کیونکہ فتح مکہ کے دن سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر نماز پڑھنے کی حدیث بخاری ص۱۵۷ ج۱، مسلم ص۲۴۹ ج۱ کے علاوہ متعدد دیگر کتب حدیث میں ہے دیکھئے (ارواء الغلیل ص۲۱۸ ج۲)۔ ان میں آٹھ رکعت نماز چاشت پڑھنے اور ہماری پیاری بہن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پردہ کرنے کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ قارئین کہہ دیں کہ انوار خورشید علل الحدیث میں اتنی سطحی معلومات رکھتا ھے کہ بخاری و مسلم کی حدیث کو چھوڑ کر پانچویں درجہ کی کتاب کا حوالہ دے رہا ہے۔ تو ہم اپنے قارئین کرام سے عرض کریں گے کہ انوار صاحب نے ایسا عدم علم کی وجہ سے نہیں کیا بلکہ جان بوجھ کر بددیانتی کی ہے اس بددیانتی کی وجہ یہ ہے کہ انوار صاحب کے تقلیدی مذہب میں ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے جب کہ مسلم وغیرہ میں صراحت تھی کہ آپ علیہ السلام نے نماز صرف ایک کپڑے میں ادا کی تھی، جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ نماز چاشت کو نبی مکرم ﷺ نے ننگے سر پڑھا تھا، اس روایت کو پیش نہ کرنے کی یہی وجہ تھی۔ واللہ اعلم۔

(۸) عن ابن عباس قال قد فرض لرسول اللهﷺ الصلاة فی الحضر اربعا وفی السفر رکعتین فکما یتطوع ھھنا قبلنا ومن بعدھا فکذالك یصلی فی السفر قبلھا وبعدھا۔
(طحاوی ص۲۸۷ ج۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرض کی گئی ہیں حضر میں چار رکعت اور سفر میں دو رکعت، پس جیسے نماز سے پہلے اور بعد یہاں نفل پڑھے جاتے ہیں ایسے ہی سفر میں نماز سے پہلے اور نماز کے بعد نفل پڑھا کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۴۲)

الجواب: اولاً یہ روایت متن کے اعتبار سے مضطرب ہے ابن ماجہ (۱۰۷۲) میں یہی روایت ہے جس میں،، فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،، کے الفاظ ہیں۔

ثانیا: سند میں، اسامہ بن زید راوی ہے یہ اسامہ کون ہے بحوالہ وضاحت کی جائے کہ یہ اللیثی ہے یا عدوی؟ اگر عدوی ہے تو روایت سخت ضعیف ہے اسے امام احمد نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔امام ابنِ معین نے ہیچ محض اور جوز جانی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (تہذیب ص۱۸۲ ج۱)

علامہ البانی نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔ (ضعیف ابن ماجہ ص۷۹)

ثالثا: یہ روایت آپ کے بھی خلاف ہے۔تفصیل انوار صاحب کی دلیل نمبر۶ میں گزر چکی ہے۔

(۹) عن قتادة ان ابن مسعود و عائشة کانا یتطوعان فی السفر قبل الصلوٰۃ و بعدھا،،

(مجمع الزوائد ۱۶۳ ج۲)

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اورحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں نماز سے پہلے اور نماز کے بعد نوافل پڑھا کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۴۳)

الجواب: اولا ہیثمی نے آگے ہی لکھا ہے

رواہ الطبرانی فی الکبیر وقتادة لم یسمع من ابن مسعود ولا عائشة و بقیة رجاله ثقات۔ (مجمع الزوائد ص۱۶۳ ج۲)۔

اس سے ثابت ہوا کہ روایت منقطع ہے۔ انوار صاحب نے تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھا کر اس جرح کو ڈکار لئے بغیر ہضم کر لیا ہے۔

ثانیا: سند میں حماد بن سلمہ راوی ہیں (طبرانی کبیر ص۳۰۱ ج۹ رقم الحدیث ۹۵۰۷) اور یہ مختلط ہیں۔ (تقریب ص۸۲) دلیل سے ثابت کیا جائے کہ راوی عنہ نے اختلاط سے قبل سماع کیا ہے۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کوئی ایک دلیل بھی نہیں دی کہ حالت سفر میں نوافل رواتب کا التزام کیا جائے، اس سلسلہ میں جو بھی زیب رقم فرمایا ہے وہ غیر متعلقہ ہے رہا یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پڑھ لیا

کرتے تھے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ پڑھے جاسکتے ہیں۔ اور پڑھتے بھی ہیں۔ لیکن ان روایات سے نوافل رواتب کی آکدیت ثابت نہیں ہوتی لیکن انوار صاحب ان روایات کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ مسافر کو حالت اطمینان میں جب کوئی تشویش اور جلدی نہ ہو فرض نمازوں میں قصر کے ساتھ سنتیں بھی ادا کرنی چاہئیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۴۵)

ہم مؤلف حدیث اور اہل حدیث کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ اپنی کسی دلیل پر انگلی رکھیں جس کا یہ معنی و مفہوم ہو کہ اطمینان ہو۔ تشویش اور جلدی نہ ہو تو مسافر سنتیں ادا کرنے کا پابند ہے۔ انوار صاحب کیا اوران کے دلائل کیا ہم پوری ذریت دیوبند کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی حدیث صحیح سے اپنا مؤقف ثابت کریں۔ مولانا صادق صاحب نے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کے تحت لکھا تھا کہ معلوم ہوا کہ سفر میں سنتیں نفل سب معاف ہیں۔ انوار صاحب نے اسے حدیث کی مخالفت قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ لوگ دوران سفر سنن ونوافل بالکل نہیں پڑھتے اور اگر کوئی پڑھے تو اس سے الجھتے ہیں۔ اور اسے روکتے ہیں (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۴۷)

انوار خورشید کا یہ دعویٰ کذب صریح اور بہتان ہے اگر اسے اپنے قول کا پاس ہے تو اسے ثابت کرے ورنہ،، لعنت الله على الكاذبين، کی وعید شدید سے ڈر جائے۔ محترم آپ نے خود ہی چند سطروں کے بعد لکھا ہے کہ نواب وحید الزمان صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ مسافر کے لئے سنن مؤکدہ کا پڑھنا مسنون نہیں ہے۔ سوائے فجر اور وتر کے اور اگر کوئی پڑھ لے تو کوئی مضائقہ نہیں تاہم اولیٰ و بہتر نہ پڑھنا ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۴۷)

آپ کے افتراء کی حقیقت اس عبارت نے کھول دی ہے کہ آپ نے بوڑھی عمر میں جب انسان کو اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے آپ نے شیطان کی پیروی کرتے ہوئے جھوٹ لکھا ہے توبہ کرلیں یہ منافقت کی علامت ہے۔ آپ کے مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک بھی اگر گنجائش ہو تو سنن رواتب کے ادا کرنے میں فضیلت ہے اور ترک کردینے میں کوئی حرج نہیں, اس لئے کہ حالت سفر میں سنن رواتب کی آکدیت ختم ہوجاتی ہے۔ البتہ سنت فجر اس سے مستثنیٰ ہے۔ (درس ترمذی ص ۳۳۶ ج ۲)۔

کاش آپ نے یہ عبارت نقل کرکے اس کا بھی رد کیا ہوتا کیونکہ یہ بھی آپ کے مدعا کے خلاف ہے اور یہی اہل حدیث کا مؤقف ہے، مولانا عبید اللہ رحمانی محدث مبارکپوری فرماتے ہیں

والراجح عندى ان لايترك فى السفر الوتر وسنة الفجر واما غيرها من الرواتب القبلية والبعدية فهى الى خيرته ان شاء فعلها وحصل ثوابها، وان شاء تركها ولا شئى عليه أعنى انها لا تبقى فى حقه متاكدة كسنة صلاة الاقامة۔

یعنی میرے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ وتر اور فجر کی سنتیں نہ چھوڑی جائیں اور ان کے علاوہ فرض

نماز سے پہلے اور بعد کی سنتوں میں مسافر اختیار رکھتا ہے چاہئے تو پڑھ لے اسے ان کا ثواب ملے گا، چاہے تو ترک کردے تو اس پر کوئی گناہ نہیں یعنی اس کے حق میں یہ مؤکدہ نہیں ہیں جیسے اقامت کی حالت میں مسنون ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح ص ۳۹۵ ج ۴)۔

محدث مبارکپوری فرماتے ہیں۔

المختار عندی المسأفر فی سعة ان شاء صلی الرواتب وان شاء ترکھا۔

میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ مسافر کو سنن پڑھنے میں وسعت (اختیار) ہے چاہے تو پڑھے چاہے نہ پڑھے۔ (تحفہ الاحوذی ص ۳۸۶ ج ۱)۔

نواب صدیق حسن خاں محدث قنوجی فرماتے ہیں۔

ان شاء فعلھا وحصل ثوابھا وان شاء ترکھا ولاشئی علیه۔

(السراج الوھاج ص ۲۸۲ ج ۱)۔

یہی بات علامہ شوکانی نے، نیل الاوطار ص ۲۳۴ ج ۳ میں کہی ہے۔

فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔

(فتاویٰ علماء حدیث ص ۲۱٤ ج ٤ وفتاویٰ ثنائیه ص ٦٠١ ج ١)۔

علمائے اہل حدیث کی تحریرات کا استیعاب مقصود نہیں ورنہ ہم اس پر حضرات متقدمین ومتاخرین کی بفضلہ تعالیٰ بیسیوں عبارات پیش کر سکتے ہیں کہ سفر میں سنتوں کو پڑھا جائے تو ثواب ہے اگر نہ پڑھا جائے تو گناہ نہیں یہی بات ہمارے ہاں متداول ہے اس کے برعکس حنفیہ کا قول گو تحریرات کی حد تک تو ہمارے موافق ہے مگر عملی تواتر یہ ہے کہ یہ حضرات سنتوں میں عزیمت کے قائل ہیں۔ نہ پڑھنے والے پر نکیر کرتے ہیں اسی عملی تواتر کی وجہ سے ہی انوار صاحب نے یہ باب لکھا ہے جس سے ان کا مقصود مسئلہ کی وضاحت کرنا نہ تھا صرف اہل حدیث کو بدنام کرنا مطلوب تھا یہ حضرات نوافل سے دشمنی رکھتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سفر میں نوافل پڑھنے والے سے لڑتے واُلجھتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا دامن اس سے صاف ہے، ہم پڑھنے والے کو نہ منع کرتے اور نہ ہی لڑتے ہیں یہ صرف انوار صاحب کا جھوٹ اور غلط بیانی ہے ہاں ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ نوافل رواتب لازم وضروری نہیں۔ بوجہ سفر اس کی آکدیت نہیں رہتی۔ اس مؤقف کے رد پر انوار خورشید نے کوئی بھی دلیل درج نہیں کی، رہا آپ کا علامہ وحید الزمان سے یہ نقل کرنا کہ نہ پڑھنا اولیٰ ہے جواباً عرض ہے کہ اولیٰ وغیر اولیٰ کا مطلب جائز و ناجائز نہیں ہوتا، اسے افضل اور غیر افضل سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ مگر آپ نے پورے باب میں اس اختلاف پر تو ایک سطر بھی تحریر نہیں کی، اگر آپ کچھ لکھتے تو ہم یقیناً غور کرتے لیکن آپ کا مقصد ہی تفہیم مسئلہ نہ تھا صرف بدنام کرنا پیش نظر تھا۔

(٦٦) باب جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے شہری ہو یا دیہاتی

فصل اول

(۱) یا یھا الذین امنوا اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذرو البیع۔

اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز تم کو بلایا جائے نماز کے لیے تو اللہ کی یاد کو دوڑو اور خرید و فرخت بند کردو۔ (٦٢-١٠)۔

(۲) عن ابن عمر عن حفصۃ عن النبی ﷺ قال، علی کل محتلم رواح الجمعۃ وعلی کل من راح الجمعۃ الغسل۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہر بالغ پر نماز جمعہ پڑھنے جانا ہے اور ہر جانے والے پر غسل ہے۔

(ابوداؤد کتاب الطھارۃ باب فی الغسل للجمعۃ الحدیث ٣٤٢، وللفظ له، ونسائی کتاب الجمعۃ باب التشدید فی التخلف من الجمعۃ، الحدیث ١٣٧٢،بیھقی ص١٨٨ ج٣،ابن خزیمه ١٧٢١،ابن حبان (موارد) رقم الحدیث ٥٦٤۔

(۳) عن ابن عمر عن حفصۃزوج النبی ﷺ قالت قال رسول اللہ ﷺ، الجمعۃ واجب علی کل محتلم وعلی من راح الی الجمعۃ الغسل۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ کی بیوی محترمہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ ہر بالغ پر فرض ہے اور جو جمعہ پڑھنے جائے اس پر غسل واجب ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ص٤١١ ج٥ رقم الحدیث ٤٨١٣)۔

(۴) عن طارق بن شھاب عن النبی ﷺ قال، الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ عبد مملوك او امرأۃ او صبی او مریض۔

سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ ہر مسلمان پر حق اور فرض ہے جماعت کے ساتھ مگر چار آدمی اس سے مستثنیٰ ہیں غلام، عورت، بچہ، اور بیمار۔

(سنن ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب الجمعۃ للمملوك الحدیث ١٠٦٧)۔

(۵) عن طارق بن شھاب عن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ قال، الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ عبد مملوك او امرأۃ اوصبی او مریض ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین و وافق الذھبی۔

سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ ہر مسلمان پر حق اور فرض ہے، مگر چار آدمی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ غلام، عورت، بچہ اور مریض۔

(مستدرك للحاكم ص۲۸۸ ج۱ كتاب الجمعة باب من يجب عليه الجمعة)۔

(۶) عن تميم الدارى عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم قال، الجمعة واجبة الاعلى امرأة او صبى او مريض او عبد او مسافر۔

سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ فرض ہے مگر عورت، بچہ، غلام، اور مسافر پر فرض نہیں۔

(المعجم الكبير للطبرانى ص۵۱ ج۲ رقم الحديث ۱۲۵۷، بيهقى ص۱۸۳، ۱۸۴ ج۳)۔

(۷) عن مولى لآل الزبير قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الجمعة واجبة على كل حالم الا اربعة الصبى والعبد والمرأة و المريض۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی آل کا غلام راوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ ہر جوان پر فرض ہے مگر چار آدمی اس سے مستثنیٰ ہیں، بچہ، غلام، عورت، اور مریض۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۰۹ ج۲، بیہقی ص۱۸۴ ج۳)۔

علامہ البانی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے اور تمام راوی ثقہ ہیں۔ سوائے، غلام آل زبیر کے۔ اگر صحابہ سے ہیں تو ان کی جہالت مضر نہیں اور یہی راجح ہے کیونکہ اس سے روایت کرنے والا راوی ابو حازم مسلمان کوفی تابعی ہے اور اگر صحابی نہیں تو اس کی جہالت کی وجہ سے سند ضعیف ہے۔ (ارواء الغلیل ص۵۶ ج۳)۔

(۸) عن ابن عمر قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول الجمعة واجبة الا على ما ملكت ايمانكم او ذى علة۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرما رہے تھے۔ کہ نماز جمعہ فرض ہے مگر غلاموں اور ذی علت (یعنی مسافر وغیرہ) پر فرض نہیں۔

(السنن الكبرىٰ للبيهقى ص۱۸۴ ج۳)۔

(۹) عن جابر ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال من كان يومن بالله واليوم الآخر، فعليه الجمعة يوم الجمعة الامريض او مسافر او امرأة او صبى او مملوك، الحديث۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ پڑھنا ضروری ہے۔ مگر بیمار، مسافر، عورت، بچہ، غلام پر فرض نہیں۔

(سنن دارقطنی ص۳ ج۲، بیہقی ص۱۸۴ ج۳، واخبار اصبهان ۲۹۵ ج۲)۔

(۱۰) عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من کان یومن بالله والیوم الاخر فعلیه الجمعة الا عبدا او امرأة او صبیا، الحدیث

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ فرض ہے، مگر غلام، عورت اور بچہ پر فرض نہیں۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ص۳۴۶ ج۸ رقم الحدیث ۷۷۰۶)۔

(۱۱) عن محمد بن کعب القرظی قال قال رسول الله ﷺ من کان یؤمن بالله والیوم الاخر فعلیه الجمعة یو م الجمعة الاعلی امراة او صبی او مملوك اومریض۔

محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ (تابعی مرسل روایت کرتے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ پڑھنا فرض ہے، مگر عورت، بچہ، غلام اور بیمار پر فرض نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۰۹ ج۲ کتاب الصلوات با ب فی من لا تجب علیه الجمعة)۔

(۱۲) عن محمد بن کعب انه سمع رجلا من بنی وائل یقول قال النبی ﷺ تجب الجمعة علی کل مسلم الا امرأة او صبی او مملوك۔

امام محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ انہوں نے بنی وائل کے ایک شخص سے سنا کہہ رہے تھے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔، مگر عورت بچہ، اور غلام پر فرض نہیں۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص۱۷۳ ج۳ کتاب الجمعة باب من تجب علیه الجمعة)۔

(۱۳) عن عبد الرحمن بن مالك وکان قائد ابیه بعدما ذهب بصره، عن ابیه کعب بن مالك، انه کان اذا سمع النداء یوم الجمعة ترحم لا سعد بن زرارة، قلت له اذا سمعت النداء ترحمت لا سعد بن زرارة، قا ل، لا نه اول من جمع بنا فی هزم النبیت من حرة بنی بیاضة، فی نقیع یقال له، نقیع الخضمات قلت، کم انتم یومئذ؟ قال، اربعون۔

امام عبدالرحمٰن بن کعب سے روایت ہے اوروہ اپنے والد کو راہ دکھانے والے تھے جب ان کی آنکھیں چلی گئی تھیں، وہ اپنے والد سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ نماز جمعہ کی اذان سنتے تو سیدنا اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کرتے اور میں نے (عبدالرحمٰن) کہا جب آپ اذان جمعہ سنتے ہیں تو سیدنا اسعد رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ اس لئے کہ پہلا جمعہ انہوں نے ہزم النبیت (مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی) میں قائم کیا تھا جو بنی بیاضہ کی زمینوں میں سے ہے نقیع وہ مقام ہے جہاں پانی بھرا رہتا ہے جسے نقیع الخضمات کہتے ہیں میں نے ان سے پوچھا

آپ اس وقت کتنے آدمی تھے؟ تو آپ نے جواب دیا چالیس افراد۔

(ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب الجمعة فی القرىٰ الحدیث ١٠٦٩، بیهقی ص١٧٦ ج٣ ، مستدرك حاكم ص٢٨١ ج١، دار قطنی ص٥ ج٢، ابن خزیمه ص ١١٣ ج٣ رقم الحدیث ١٧٢٤)۔

نوٹ: حرہ بنی بیاضہ مدینہ منورہ سے ایک میل فاصلہ پر گاؤں تھا۔ (التلخيص الحبير ص٥٧ ج٢)۔

(۱۴) عن ابی مسعود قال اول من قدم من المهاجرین المدینة مصعب بن عمیر وهو اول من جمع یوم جمعهم قبل ان یقدم رسول الله ﷺ فصلی بهم۔

سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے مدینہ میں ہجرت کرنے والے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے نبی مکرم ﷺ کی آمد سے پہلے مدینہ طیبہ میں لوگوں کو جمع کر کے جمعہ پڑھا تھا۔

(المعجم الكبير للطبرانی ص٢٦٧ ج١٧ رقم الحدیث ٧٣٤، طبرانی الاوسط ١٦٠ ج٧، رقم الحدیث ٦٢٩٠)۔

علامہ البانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ سیدنا اسعد رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے ایک میل کی مسافت بنی بیاضہ میں پہلے جمعہ قائم کیا ہو اور سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے خاص مدینہ میں سب سے پہلے جمعہ قائم کیا ہو۔ (ارواء الغلیل ص٦٩ ج٣)۔

(۱۵) عن ابن عباس قال ان اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة فی مسجد رسول الله ﷺ بالمدینه لجمعة جمعت بجواثاء قریة من قری البحرین قال عثمان قریة من قری عبد القیس۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی مسجد نبوی کے بعد اسلام میں سب سے پہلا جمعہ پڑھا گیا وہ جواثا گاؤں میں تھا، جو بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے امام عثمان راوی حدیث کہتے ہیں، عبد القیس کے گاؤں میں سے ایک گاؤں تھا۔

(سنن ابوداؤد كتاب الجمعة باب الجمعة فی القرأى الحدیث۔ ١٠٦٨)۔

(۱۶) عن ابن عباس قال ان اول جمعة جمعت فی مسجد رسول الله ﷺ فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے بعد سب سے پہلا جمعہ قبیلہ عبد القیس کی مسجد میں ہوا جو بحرین کے ملک میں مقام جواثا میں تھی۔

(صحیح بخاری كتاب الجمعة باب الجمعة فی القرىٰ والمدن الحدیث ٨٩٢)۔

(۱۷) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله ﷺ فی مسجد عبد القیس بجواثی، یعنی قریة من البحرین۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ قبیلہ عبدالقیس کی مسجد میں بمقام جواثا میں پڑھا گیا جو بحرین کا ایک گاؤں تھا۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب وفد عبد القیس الحدیث ٤٣٧١)۔

(۱۸) عن کعب بن عجرة رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع اول جمعة حین قدم المدینة فی مسجد بنی سالم فی مسجد عاتکة۔

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے بنی سالم کی مسجد عاتکہ میں پہلا جمعہ پڑھایا۔

(اخبار المدینة للعمر بن شبه بحواله آثار السنن ص ٢٨٤)۔

نوٹ: پروف پڑھتے وقت میرے فاضل دوست الشیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ تعالیٰ محدث حضرو نے اس روایت کی سند بتائی تھی جو، اخبار المدینۃ ص ٦٨ ج ا میں ہے، اس میں ابراہیم بن یحییٰ اسلمی راوی متروک ہے، اور ابو غسان محمد بن یحییٰ کنانی راوی کے حالات کتب رجال سے دستیاب نہیں ہوئے، لہذا یہ روایت سخت ضعیف ہے،

(۱۹) عن ابی هریرة انهم کتبوا الی عمر بن الخطاب یسالونه عن الجمعة و هم بالبحرین؟ فکتب الیهم ان جمعوا حیثما کنتم۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا اور جمعہ کے متعلق سوال کیا، ان دنوں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین میں تھے۔ تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو جمعہ پڑھو۔

(المحلی بالاثار ص ۲۵۳ ج ۳ مسئله نمبر ۵۲۳)۔

(۲۰) عن ابی هریرة انهم کتبوا الی عمر یسالونه عن الجمعة فکتب جمعوا حیث کنتم۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا اور ان سے جمعہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے جوابا لکھا کہ تم جہاں بھی ہو جمعہ قائم کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۱۰۱ ج ۲)۔

(۲۱) عن ابن عباس قال ، اذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الجمعة قبل ان یهاجروا ولم یستطع ان یجمع بمکة فکتب الی مصعب بن عمیر اما بعد فانظر الیوم الذی تجهر فیه الیهود الزبور فاجمعوا نسائکم وابنائکم فاذا مال النهار عن شرطه عند الزوال من یوم الجمعة فتقربوا الی الله برکعتین قال فهو اول من جمع حتی قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینة۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ کا حکم دیئے گئے ، ہجرت سے پہلے لیکن مکہ مکرمہ میں اس کی اقامت (غلبہ کفار کی وجہ سے) طاقت نہ رکھتے تھے۔ تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ جس دن یہودی جمع ہو کر زبور کو باآواز بلند پڑھتے ہیں پس آپ بھی اپنی عورتوں اور اولاد کو جمع کریں جب نصف النہار ہو اور زوال ختم ہو جائے تو جمعہ کے روز اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ دو رکعت نماز جمعہ سے، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اسلام کا پہلا اجتماع (جمعہ قائم ہوا) حتی کہ خود نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے۔

(دارقطنی بحوالہ التلخیص الحبیر ص۵۷ ج۲ زیر رقم الحدیث ۶۲۵)۔

(۲۲) عن نافع قال کان ابن عمر یری اهل المیاه بین مکة والمدینة یجمعون فلا یعیب علیهم۔

امام نافع بیان کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان پانی پر رہنے والے لوگ نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے ، اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کو دیکھا کرتے تھے۔ اور ان کے جمعہ پر کوئی حرف گیری اور اعتراض نہ کرتا تھا۔

(مصنف عبد الرزاق ص۱۷۰ ج۳ رقم الحدیث ۵۱۸۵)۔

(۲۳) عن ایوب ان عمر بن عبد العزیز کتب الی اهل المیاه بین مکة والمدینة، ان تجمعوا۔

امام ایوب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبد العزیز نے اہل میاہ کی طرف خط لکھا کہ جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان رہتے تھے کہ تم جمعہ قائم کرو۔

(مصنف عبدالرزاق ص۱۶۹ ج۳ رقم الحدیث ۵۱۸۱)۔

قارئین کرام قرآن مجید کی آیت سے ثابت ہوا کہ نماز جمعہ ہر مکلّف مسلمان پر فرض ہے اور احادیث سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے کہ جمعہ ہر مکلّف پر فرض ہے کسی صحیح وحسن بلکہ ضعیف روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ آیت جمعہ سے دیہاتی خارج ہے اور اس پر جمعہ فرض نہیں ہے، بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ نماز جمعہ گاؤں والوں پر بھی فرض ہے کیونکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بالغ پر جمعہ لازم وحق کہا ہے اور ہر مومن پر جمعہ فرض قرار دیا ہے، اور مومن صرف شہری ہی نہیں دیہاتی بھی ہیں، اسلام شہر کے باسیوں کی جاگیر نہیں کہ گاؤں والوں کو اس سے علیحدہ کر دیا جائے، جو اس کی تخصیص کا قائل ہے وہ قرآن کی آیت کے بالمقابل سنت صحیحہ اور احادیث مشہورہ پیش کرے۔

پھر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حین حیات میں عبد القیس کے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھی گئی اور صحابہ کرام آپ

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی مبارکہ میں از خود کوئی کام نہ کرتے تھے۔ بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہنے اور امر فرمانے پر تعمیل ارشاد ہوتا تھا۔ سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت سے قبل مدینہ منورہ کے قریب گاؤں حرہ بنی بیاضہ میں جمعہ قائم کیا اور سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں جمعہ قائم کیا اور ہجرت کے وقت مدینہ طیبہ کا گاؤں ہونا صحیح بخاری ص۲۵۲ ج۱ سے مرفوع حدیث سے ثابت ہے میرے پیارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **امرت بقرية تاكل القرىٰ يقولون يثرب وهى المدينة، الحديث۔**

امام ابن حزم فرماتے ہیں۔

من اعظم البرهان عليهم ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اتى المدينة وانما هى قرأى صغار مفرقة بنو مالك بن النجار فى قريتهم حوالى دورهم اموالهم ونخلهم و بنو عدى بن النجار فى دارهم كذلك وبنو مازن بن النجار كذلك وبنو سالم كذلك وبنو ساعدة كذلك وبنو الحارث الانصار كذلك وبنو عمرو بن عوف كذلك وبنو عبد الاشهل كذلك وسائر بطون الانصار كذلك فبنى مسجدة فى بنى مالك بن النجاروجمع فيه قرية ليست بالكبيرة ولا مصر هنالك فبطل قول من ادعى ان لاجمعة الا فى مصر وهذا امر لا يجهله احد لا مومن ولا كافر بل هونقل الكواف من شرق الارض الى غربها۔

یعنی دیہات میں جمعہ سے روکنے والوں پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہ خود چھوٹی چھوٹی بستیوں کی صورت میں تھا، بنو مالک بن نجار کا مال اور کھجوروں کے باغ الگ تھے، بنوعدی، بنو مازن بنو سالم، بنو ساعدہ، بنو حارث، بنوعمرو بن عوف، بنوعبدالاشہل وغیرہ بھی اسی طرح الگ الگ دیہاتی زندگی بسر کرتے تھے۔ انصار کے تمام قبائل اسی طرح قبائلی زندگی گزارتے تھے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی بنیاد بنو مالک بن نجار میں رکھی اور جمعہ قائم فرمایا، جو چھوٹی سی آبادی تھی، یہاں کوئی شہر آباد نہ تھا۔ یہ صورت حال ہر مسلمان اور کافر پر ظاہر ہے بلکہ مشرق و مغرب کے تمام مؤرخین نے اسے نقل کیا ہے۔

(المحلی بالاثار ص۲۵۸ ج۳)۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی بحرین کے رہنے والوں کو یہی جواب دیا کہ جہاں چاہو جمعہ قائم کرو مکہ و مدینہ کے درمیان بعض قبائل قبائلی زندگی بسر کرتے تھے، جہاں پانی ملا وہاں ہی ڈیرا ڈال دیا۔ وہ زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جمعہ پڑھا کرتے کوئی ان پر حرف گیری نہ کرتا، بلکہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں پڑھنے کا حکم دیا۔

الغرض قرآن وسنت اور تعامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی ثابت ہوا کہ ہر جگہ جمعہ قائم کیا جاسکتا

ہے۔ جہاں بھی جمعہ پڑھانے کے لائق کوئی فرد ہو اور وہاں اتنے آدمی جمع ہو جائیں جن سے جماعت ہوسکتی ہے وہاں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے اور قائم کرنا چاہیئے اپنی طرف سے شہر وغیرہ کی قیود لگانا بے ثبوت اور قرآن و سنت پر اضافہ ہے، حنفیہ کے علاوہ کسی کے نزدیک بھی جمعہ کے لئے شہر ہونا شرط نہیں، یہ صرف کوفی فقہ کا ہی بے مغز اور فضول مسئلہ ہے، جس کے فضول اور خرافت ہونے کا انہوں نے عملی طور پر خود ہی اعتراف کرلیا ہے۔ پاکستان بالخصوص سندھ و پنجاب میں حنفی چھوٹے چھوٹے گاؤں و دیہات میں بھی جمعہ قائم کر چکے ہیں۔

الغرض حنفیہ کا یہ مسئلہ خارج میں ان کے اپنے ہاتھوں ہی موت کی نیند سو چکا ہے۔ اب صرف انوار صاحب جیسے ضدی حضرات کی کتب میں عجائب گھر کا مال ہو کر رہ گیا ہے۔ الحمد اللہ یہ تحریک اہل حدیث کی کامیابی اور ثمرات ہیں کہ حنفیت آہستہ آہستہ کوچ کررہی ہے تقلید پر نزاع کا عالم طاری ہے۔ وہ جان کنی میں مبتلا ہے، انوار خورشید جیسے محقق اسے آکسیجن لگا کر زندہ رکھنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اور اسے ایسا خون دے رہے ہیں جس کا گروپ اس سے نہیں ملتا۔

فصل دوم

(۱) عن عائشة فی حدیث طویل حتی نزل بهم فی بنی عمرو بن عوف وذلك یوم الاثنین من شهر ربیع الاول، فقام ابوبکر للناس وجلس رسول الله ﷺ صامتا فطفق من جاء من الانصار فمن لم یر رسول الله ﷺ یحیی ابا بکر حتی اصابت الشمس، رسول الله ﷺ فاقبل ابو بکرحتی ظل علیه بردائه فعرف الناس رسول الله ﷺ عند ذلك فلبث رسول الله ﷺ فی بنی عمر و بن عوف بضع عشرة لیلة (وفی روایة انس بن مالك اربع عشرة لیلة،) اسس المسجد الذی اسس علی التقوی وصلی فیه رسول الله ﷺ ثم رکب راحلته فساریمشی معه الناس حتی برکت عند مسجد الرسول الله ﷺ بالمدینة وهو یصلی فیه یومئذ رجال من المسلمین وکان مربدا للتمر لسهیل و سهل غلامین یتیمین فی حجر اسعد بن زرارة فقا ل رسول الله ﷺ حین برکت به راحلته هذا ان شاء الله المنزل ثم دعا رسول الله ﷺ الغلامین فساو مهما بالمربد لیتخذه مسجدا فقال بل نهبه لك یا رسول الله ﷺ فابی رسول الله ﷺ ان یقبله منهما هبة حتی ابتاعه منهما ثم بناه مسجدا۔

الحدیث (بخاری ص۵۵۵ ج ۱)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (مقام قباء قبیلہ) بنو عمرو بن عوف کے یہاں نزول اجلال فرمایا اور یہ ماہ ربیع الاول کا پیر کا دن تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ

آنے والے لوگوں سے ملنے کے لئے کھڑے ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ خاموش بیٹھے رہے، انصار میں سے جو بھی آتا جس نے رسول اللہ ﷺ کو پہلے نہیں دیکھا تھا وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آتا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کو دھوپ لگنے لگی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس طرف متوجہ ہوئے اور اپنی چادر سے آپ پر سایا کیا اس وقت لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو پہچانا، رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں دس رات سے کچھ اوپر (حضرت انس کی روایت کے مطابق چودہ رات) قیام فرمار ہے اور آپ نے وہاں اس مسجد کی بنیاد رکھی جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی (یعنی مسجد قباء کی) اور رسول اللہ ﷺ اس میں نماز پڑھتے رہے۔ پھر آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ چلنے لگے یہاں تک کہ آپ کی سواری مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اس جگہ اس وقت کچھ مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے، اور یہ جگہ دو یتیم بچوں سہیل اور سہل کی جو اسعد بن زرارۃ کی پرورش میں تھے ان کی کھجوریں خشک کرنے کی جگہ تھی، جس وقت آپ کی سواری آپ کو لے کر اس جگہ بیٹھی تھی تو آپ نے فرمایا ان شاء اللہ یہی منزل ہوگی، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں بچوں کو بلایا اور اس جگہ کا ان سے بھاؤ کرنے لگے تاکہ آپ وہاں مسجد بنائیں، وہ دونوں بچے کہنے لگے ہم آپ کو یہ جگہ ہبہ کرتے ہیں اے اللہ کے رسول ﷺ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہبہ کو قبول کرنے سے انکار فرمایا اور ان سے وہ جگہ خرید لی پھر وہاں مسجد بنائی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۴۷ تا ۷۵۱)

انوار صاحب وجہ استدلال میں فرماتے ہیں

پہلی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب مکہ معظّمہ سے ہجرت فرمائی تو مقام قباء میں جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ پیر کے دن پہنچے اور قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے یہاں نزول اجلال فرمایا۔ وہاں مسجد کی بنا ڈالی گئی، عامہ مسلمین کی جماعت کے ساتھ علانیہ نماز ادا ہونے لگی اور آپ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق چودہ شب وہاں رہے۔ پھر آپ نے وہاں سے مدینہ طیبہ کوچ فرمایا اور بنو نجار کے محلّہ میں پہنچ کر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس تشریف فرما ہوئے اور مہینوں وہاں رہے یہاں تک کہ آپ کے لئے مسجد و مکانات تعمیر ہوگئے جب صحیح بخاری سے یہ ثابت ہوا کہ آپ قبا میں چودہ دن رہے تو لازمی بات ہے کہ اس دوران دو جمعے بھی آئے مگر کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ وہاں آپ نے نماز جمعہ ادا فرمائی ہو بلکہ آپ کی پہلی نماز جمعہ یا تو مدینہ طیبہ میں ہوئی یا بنو سالم کی مسجد عاتکہ میں جو مدینہ طیبہ کا ایک محلّہ ہے جو شہر سے باہر ہے، اب قابل غور بات یہ ہے کہ باوجود یہ کہ نماز جمعہ فرض ہوچکی تھی، قبا میں آپ نے نماز جمعہ کیوں ترک کی، اگر آپ مسافر تھے تو قبا والوں کو کیوں حکم نہیں دیا، اور جب مسافر کے لئے جمعہ جائز ہے اور بالفرض قباء والوں پر نماز جمعہ فرض تھی تو آپ قباء میں نماز جمعہ ضرور قائم فرماتے، آپ کے خود جمعہ قائم نہ فرمانے

سے اہل قباء کو جمعہ قائم کرنے کا حکم نہ دینے سے ثابت ہوتا ہے کہ قباء میں نماز جمعہ درست ہی نہ تھا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں، (حدیث اور اہل حدیث ۷۵۷ تا ۷۵۸)

الجواب: اولا اس ساری تقریر کا صغریٰ و کبریٰ یہ ہے قبا میں نبی مکرم ﷺ کا نماز جمعہ پڑھنا ثابت نہیں محترم عدم ذکر سے عدم شئی لازم نہیں آتا یہ آپ کی بھول ہی نہیں بلکہ زیادتی ہے غور کریں مکہ سے صحابہ ہجرت کر کے حبشہ گئے وہاں بادشاہ نجاشی نے اسلام قبول کرلیا، تو کیا آپ کسی صحیح یا حسن روایت سے بھی ثابت کر سکتے ہیں کہ مہاجرین حبشہ اور نجاشی نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے، اگر آپ یہ ثابت کر دیں تو فی لفظ ایک ہزار نقد انعام، اگر آپ ثابت نہ کر سکے یقیناً ثابت نہ کرسکیں گے، تو کیا اس سے لازم آتا ہے کہ مصر میں بھی جمعہ جائز نہیں۔

ثانیاً: قباء میں نبی مکرم ﷺ مسافر تھے اور مسافر پر بالاتفاق جمعہ فرض نہیں، لہٰذا اگر آپ کی بات تسلیم کر لی جائے تو تب بھی ہمارے خلاف نہیں، رہا آپ کا یہ معارضہ کہ قباء والوں کو نماز جمعہ پڑھنے کا کیوں حکم نہیں دیا، جواباً عرض ہے کہ کیا قباء والوں کو جمعہ پڑھنے سے منع کیا ہے؟ دلیل دیں، رہا یہ امر کہ حکم کرنا ثابت نہیں۔ تو محترم گزارش ہے کہ کیا کسی حدیث سے ثابت ہے کہ قباء والوں کو پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا تھا اگر ایسا کوئی حکم نامہ آپ کے پاس ہے تو دکھا دیں، اسی حکم نامہ سے جمعہ کا حکم بھی دکھا دیں گے، انشاء اللہ، اگر آپ نہ دکھا سکے تو کیا قباء والوں پر پانچ نمازیں بھی فرض نہ تھیں۔

ثالثاً: رہا آپ کا یہ کہنا کہ پہلی نماز جمعہ یا تو مدینہ طیبہ میں ہوئی یا بنو سالم کی مسجد عاتکہ میں جو کہ مدینہ طیبہ کا ایک محلّہ تھا، غلط محض ہے۔ کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ پہلی نماز جمعہ مدینہ میں ہوئی، تمام اہل سیر بالاتفاق یہی لکھتے ہیں کہ پہلی نماز جمعہ موضع بنی سالم کی مسجد عاتکہ میں ہوئی۔

دلائل النبوة للبیهقی ص ۵۰۰ ج ۲ وسیرة ابن هشام ص ۱۳۹ ج ۲ ،تاریخ طبری ص ۲۵۵ ج ۲ وسیرا علام النبلاء ص ۲۳۶ ج ۱ طبع جدید وفتح الباری ص ۱۹۵ ج ۷ وسیرة النبی للشبلی ص ۱۷٤ ج ۱، وسیرة مصطفی للکاندهلوی ص ۴۰۱ ج ۱ وضیاء النبی للبهیروی ص ۱۱٦ ج ۲)۔

اور بنو سالم مدینہ کا محلّہ نہیں بلکہ قباء اور مدینہ کے درمیان ایک گاؤں تھا جیسا کہ امام بیہقی نے معرفۃ السنن والاثار میں موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا ہے۔ (بحواله التلخیص الحبیر ص ٥٤ ج ۲)۔

اور یہ مسجد نبوی سے تقریباً ایک میل دور ہے۔

آپ کی اس دلیل سے ثابت ہوا کہ گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہے۔

رابعا: باتفاق فقہائے حنفیہ جب گاؤں میں امام کے حکم سے کوئی مسجد بنائی جائے تو وہاں جمعہ پڑھنا جائز ہے، اور بحکم امام اس مسجد کا بننا اس میں اقامت جمعہ کا حکم دینا ہے فتاویٰ الدیناری میں لکھا ہے۔

اذا بنی مسجد الرستاق بامر الامام فھو امر بالجمعة اتفاقا علی ما قال السرخسی والر ستاق القری کما فی القاموس۔

یعنی جب رستاق میں حکم امام سے مسجد بنائی گئی تو وہاں بالاتفاق جمعہ کا حکم ہے۔جیسا کہ علامہ سرخسی نے کہا ہے قاموس (لغت کی کتاب میں لکھا ہے کہ) رستاق کا معنی گاؤں ہے۔

(بحوالہ فتاویٰ شامی ص ۱۳۸ ج ۲)۔

اور اس میں شک و شبہ نہیں کہ قباء میں مسجد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے بنائی گئی تھی، اور جو انوار صاحب نے بخاری سے حدیث نقل کی ہے اس سے ثابت ہے کہ مسجد قباء کی بنیاد ہی خود نبی ﷺ نے ڈالی لہٰذا انوار صاحب وضاحت کریں کہ باوجود کہ وہاں جمعہ جائز تھا۔ پھر آپ علیہ السلام نے نماز جمعہ کیوں ترک کی، اگر آپ مسافر تھے تو قباء والوں کو کیوں نماز جمعہ پڑھنے کا حکم نہ دیا؟ فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

خامسا: مقام بنی عمرو بن عوف جہاں رسول اللہ ﷺ نے نزول اجلال فرمایا تھا اور مسجد قباء کی بنیاد ڈالی تھی۔ عند الحنفیہ توابع مدینہ و فنائے مدینہ سے ہے، اور ہر وہ جگہ جو توابع مصر و فنائے مصر ہو، اس میں حنفیہ کے نزدیک بھی جمعہ جائز ہے اور وہاں کے لوگوں پر جمعہ فرض و واجب ہے، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انوار صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ بنی عمرو بن عوف کا مقام مدینہ طیبہ سے تین میل تھا۔ مگر یہ درست نہیں۔ کیونکہ مقام بنی عمرو بن عوف مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں۔

قال العلماء منازل بنی عمرو بن عوف علی میلین من المدینه۔

یعنی بنی عمرو بن عوف کا مقام، (قباء) مدینہ سے دو میل ہے۔

(شرح صحیح مسلم ص ۱۲۵ ج ۱)۔ یہی بات حافظ ابن حجر نے، فتح الباری ص ۲۲ ج ۲)۔ میں مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے (فتح الملھم ص ۲۰۱ ج ۲) میں مولانا ظفر احمد تھانوی نے، (اعلاء السنن ص ۲۰ ج ۸) میں کہی ہے۔ اور جو مقام شہر سے دو میل کے فاصلہ پر ہو وہ حنفیہ کے نزدیک توابع مصر اور فنائے مصر سے ہے۔ درمختار میں ہے۔ **والمختار للفتویٰ تقدیرہ بفرسخ ذکرہ الولواجی**، یعنی فتویٰ کے لئے مختار یہ ہے کہ فنائے مصر کا اندازہ ایک فرسخ یعنی تین میل مقرر کیا جائے۔ (درمختار مع شامی ص ۱۳۹ ج ۱)۔

انوار صاحب غور کریں کہ فنائے مصر کا اندازہ ایک فرسخ (یعنی تین میل پانچ کلومیٹر) مقرر کیا گیا ہے اور مفتی کو فتویٰ دیتے وقت یہی مختار بتایا گیا ہے، جب کہ بنی عمرو بن عوف کا مقام تو دو میل ہے (اور آج جب وہاں عمارات کی بھرمار ہے تب بھی انسان پیدل چل کر وہاں آدھے گھنٹے میں پہنچ جاتا

ہے)، لہٰذا مقام بنی عمرو بن عوف کا فنائے مدینہ میں ہونا ثابت ہوگیا ہے، محقق علی الاطلاق جناب ابن ہمام فرماتے ہیں۔

واختلفوا فيه فعن ابی یوسف ان كان الموضع يسمع فيه النداء من المصر فهو من توابع المصر والا فلا وعنه انها تجب فی ثلاث فراسخ وقال بعضهم قدر ميل وقيل قدر ميلين وقيل ستة اميال وقيل ان امكنه ان يحضر الجمعةويبيت من اهله من غير تكلف تجب عليه الجمعة والا فلافی البدائع وهذا حسن۔

یعنی فقہائے حنفیہ توابع مصر وفنائے مصر کی تعریف وتحدید میں مختلف ہوئے ہیں، قاضی ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ شہر کی اذان جس جگہ سنی جائے وہ توابع مصر میں سے ہے، اور اگر نہ سنی جائے تو پھر نہیں، اور ایک روایت یہ ہے کہ نماز جمعہ اس موضع میں واجب ہے، جو شہر سے تین فرسخ یعنی نو میل کے فاصلہ پر ہو اور بعض نے توابع مصر کی حد ایک میل بعض نے دو میل اور بعض نے چھ میل بتائی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جو شخص شہر میں نماز جمعہ پڑھ کر شام تک بلا تکلف اپنے گھر واپس جا سکتا ہے، تو اس شخص پر نماز جمعہ واجب ہے۔ اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر جمعہ واجب نہیں، بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ یہ پچھلی تعریف خوب ہے۔

(فتح القدير ص۲۵ ج۲ طبع المكتبه الرشيديه كوئٹه۔

ابن ہمام کے کلام پر غور کریں اس میں توابع مصر کی چھ تعریفیں مذکورہ ہیں، ان میں سے دو کے علاوہ تمام تعریفیں مقام بنی عمرو بن عوف پر صادق آتی ہے۔ اور آخری تعریف تو قباء والوں پر بہت اچھی طرح صادق آتی ہیں، اور اسی تعریف کو علامہ کاسانی نے حسن (بہت خوب) کہا ہے۔(بدائع الصنائع ص۲۶۰ ج۱)۔اسی کے متعلق ابن نجیم فرماتے ہیں کہ صاحب بدائع کا فیصلہ احوط اور اولیٰ ہے۔

(البحر الرائق ص۱۴۱ ج۲)۔

اس تعریف کو ملحوظ رکھا جائے تو مقام بنی عمرو بن عوف والوں پر جمعہ فرض ثابت ہوا کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ یہ لوگ عصر کی نماز مسجد نبوی میں آپ علیہ السلام کی اقتدا میں پڑھ کر غروب آفتاب سے پہلے ہی قباء میں پہنچ جاتے تھے۔(بخاری ص۷۸ ج۱، مسلم ص۱۲۵ ج۱)۔

سادسا: اس دلیل کی اصل بنیاد اس بات پر ہے کہ نماز جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی تھی، مگر انوار صاحب نے اس پر کوئی دلیل درج نہیں کی، اگر درج کرتے تو ہم اس کا مکمل محاسبہ کرتے۔

(۲) عن جابر بن عبد الله (فی حديث طويل فی حجة النبی ﷺ) فاجاز رسول الله ﷺ حتى اتى عرفة فوجد القبة قدضربت له بنمرة فنزل بها حتى اذا زاغت الشمس امر بالقصواء فرحلت له فاتى بطن الوادی فخطب الناس (الیٰ ان قال) ثم اذن ثم اقام فصلی

الظهر ثم اقام فصلى العصر ولم يصل بينهما شيئا۔

(مسلم ص۳۹۷ ج۱)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے سلسلہ میں ایک لمبی حدیث میں فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے، یہاں تک کہ آپ عرفات میں تشریف لائے تو آپ نے ایک قبہ دیکھا جو آپ کے لئے دھاری دار چادر سے بنایا گیا تھا، اس میں تشریف فرما ہوگئے تھے حتی کہ جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے (اپنی اونٹنی) قصواء کے لانے کا حکم دیا چنانچہ وہ کجاوہ ڈال کر حاضر کردی گئی آپ نے بطن وادی پہنچ کر لوگوں سے خطاب فرمایا پھر حضرت بلال نے اذان کہی پھر اقامت کہی اور آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی (حضرت بلال نے) پھر اقامت کہی تو عصر کی نماز پڑھائی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۵۲۷)

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔

دوسری حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کی نویں ذی الحجہ کو مقام عرفات میں وقوف فرمایا تو وہاں آپ نے ظہر کی نماز ادا فرمائی حالانکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ یہ جمعہ کا دن تھا۔ (معرفة السنن والاثار ص۳۲٤ ج٤)۔

اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جمعہ وہاں مسافر ہونے کی وجہ سے فرض نہ تھی۔ مگر اہل مکہ پر تو نماز جمعہ فرض تھی، لیکن انہوں نے بھی جمعہ کی نماز نہیں پڑھی ظہر کی پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اہل مکہ کا نماز جمعہ نہ پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ غیر آبادی کی وجہ سے مقام عرفات نماز جمعہ کا محل ہی نہ تھا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل قریہ پر جمعہ فرض نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث)

الجواب: اولاً اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ جمعہ کی نہیں ظہر کی نماز پڑھی تھی۔ لیکن اس سے کسی اور صحرا اور گاؤں میں نماز جمعہ کا نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ دیکھئے حنفیہ کے نزدیک میدان عرفات میں ظہر وعصر کی نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے مگر اس سے کسی اور صحرا ومقام پر دو نمازوں کا جمع کرنا حنفیہ کے نزدیک لازم نہیں آتا۔

ثانیا: اگر مکہ کے رہنے والوں نے جمعہ ادا نہیں فرمایا تو کیا انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر و عصر کی نمازوں کو جمع کر کے قصر ادا نہیں فرمائی؟ اگر انہوں نے نمازوں کو قصر ہی کیا ہے، یقیناً کیا ہے کیونکہ کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ مکہ والوں نے پوری نماز پڑھی تھی، یا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پوری پڑھنے کا ارشاد فرمایا تھا، اس سے ثابت ہوا کہ اہل مکہ بھی مسافر ہی تھے۔ اور ہم سابقہ باب میں حدیث و آثار سے ثابت کر آئے ہیں کہ ۹ میل مسافت پر قصر ہے۔ جبکہ مکہ مکرمہ سے عرفات کا فاصلہ ۱۲ میل شرعی ہے تقریبا بیس بائیس کلو میٹر، لہذا بوجہ مسافر جمعہ نہ پڑھا گیا تھا۔

فلا اعتراض :

ثالثا: حنفیہ کے نزدیک دو نمازوں کو جمع بوجہ نسک کیا گیا تھا تو کیا وجہ ہے کہ ترک جمعہ کے لئے یہ عذر قبول نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کے درمیان تفریق کی کوئی وجہ ثابت نہیں۔

(۳) **عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت کان الناس ینتابون الجمعة من منازلهم والعوالی۔** (الحدیث بخاری ص ۱۲۳)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ باہر کے لوگ مدینہ طیبہ میں نماز جمعہ پڑھنے کے لئے اپنی اپنی منازل اور عوالی سے نوبت بنوبت یعنی باری باری آتے تھے۔ (ص ۷۵۲)۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔

تیسری حدیث سے ثابت ہورہا ہے کہ اہل عوالی جمعہ میں شریک ہونے کے لئے مدینہ طیبہ نوبت بنوبت یعنی باریاں مقرر کر کے آتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل عوالی پر جمعہ فرض نہ تھا۔ کیونکہ اگر اہل عوالی پر جمعہ فرض ہوتا تو وہ وہیں جمعہ کروا لیا کرتے انہیں اتنی دور آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۵۹)

الجواب: اولاً اگر انوار صاحب کی اس دلیل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ اہل مدینہ پر بھی جمعہ فرض نہ تھا۔ کیونکہ حدیث میں ،الناس، کا لفظ اہل مدینہ اور عوالی کے رہنے والون کے لئے آیا ہے۔ پس اس حدیث کا مطلب تو یہ ہوا کہ لوگ نماز جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں اپنے گھروں اورعوالی سے باری باری آتے تھے۔ اس سے واضح ہوا کہ مدینہ کے لوگ بھی باری باری آتے تھے، اور مصنف نے ، الناس ، کا معنی جو، باہر کے لوگ کیا ہے وہ غلط ہے اور مغالطہ بھی، الغرض الناس کے ترجمہ میں باہر کے لوگ، انوار صاحب کا کذب ہے، مولوی عبد القیوم حقانی نے، (توضیح السنن ۵۴۱ ج ۲) میں مولوی عابد الرحمٰن کاندھلوی نے، (ترجمہ مسلم ص ۲۰۷ ج ۱) میں مولوی محمد زکریا اقبال نے، (تفہیم المسلم ص ۹۰۰ ج ۱) میں اور مولوی غلام رسول سعیدی بریلوی نے، شرح (صحیح مسلم ص ۶۲۵ ج ۲) میں اس کا معنی کیا ہے کہ لوگ اپنے گھروں اور بالائی علاقوں سے جمعہ پڑھنے کے لئے باری باری آتے تھے۔

مولوی خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں۔

من منازلهم فی المدینة والقریبة من المدینة، یعنی مدینہ منورہ کے لوگ اور ارد گرد کے لوگ اپنے گھروں سے آتے تھے۔ (بزل المجهود ص ۱۶۴ ج ۲)۔

صحیح مسلم میں، منازلهم ومن العوالی کے الفاظ ہیں۔

(صحیح مسلم کتاب الجمعة با ب وجوب غسل الجمعة...... الحدیث ۱۹۵۸)،

اس حدیث میں **العوالی**، اور **منازلهم**، کے درمیان واوعطف کی دلیل ہے کہ منازلہم سے وہ

منازل ہیں جو عوالی کے علاوہ ہیں, اور یہ منازل عام ہیں، خواہ مدینہ کے اندر ہوں یا باہر، انوار صاحب کا استدلال درست تسلیم کیا جائے تو لازم آئے گا کہ اہل مدینہ پر بھی جمعہ فرض نہ تھا۔ اور یہ کوئی بھی نہیں کہتا اور نہ ہی کسی کا مؤقف و مذہب ہے جب یہ باطل ہوا تو ملزوم خود بخود باطل ٹھہرا۔

ثانیا: انوار صاحب نے یتنابون کا معنی نوبت بنوبت یعنی باری باری آتے تھے کیا ہے یہ بددیانتی ہے جو حنفیت کی وکالت میں کی گئی ہے، لغت میں انتیات کے معنی نوبت بنوبت آنے کے نہیں بلکہ، پے در پے اور بار بار آنے کے ہیں۔ صراح، میں ہے انتیاب پیاپے آمدن یقال فلان انتیاب القوم ای اتاھم مرة بعد اخری،، قاموس میں ہے انتابھم انتیابا اتاھم مرة بعد اخریٰ۔ ص۱۳۹۔

اسی وجہ سے امام نووی نے شرح صحیح مسلم ص۲۸۰ ج۱ میں لکھا ہے کہ۔ **قوله ینتابون الجمعة،** حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز جمعہ پڑھنے کو اپنے اپنے گھروں سے اور عوالی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بار بار اور ہمیشہ آیا کرتے تھے۔ ہاں البتہ تناوب کے معنی نوبت بنوبت آنے کے ہیں، جو باب تفاعل سے ہے۔ اور انتیاب کے معنی یہ نہیں،، مزید برآں سنن نسائی میں یہی حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں،، **یحضرون**،، کے الفاظ ہیں۔

انما کان الناس یسکنون العالیة فیحضرون الجمعة ، الحدیث (سنن نسائی رقم الحدیث ۱۳۸۵)۔

دیکھئے اس حدیث میں ینتابون، کی بجائے یحضرون آیا ہے۔ اگر انتیاب کا وہ معنی لیا جائے تو حدیث میں اختلاف لازم آئے گا۔ اور یہ باطل ہے۔ ثابت ہوا ینتابون کا معنی بار بار آنا ہے۔

ثالثا: اگر اس کا وہی معنی کیا جائے جو انوار صاحب نے اختیار کیا ہے تو تب یہ حدیث حنفیہ کے بھی خلاف ہے، کیونکہ فنائے مصر میں ان کے نزدیک بھی جمعہ جائز ہے، اور انوار صاحب کی دلیل نمبر۱ کے جواب میں ہم اس کی وضاحت، خامسا، کے تحت کر آئے ہیں۔ وہاں سے ایک بار اسے دیکھ لیا جائے۔ جب آپ نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا تو اب سنئے! کہ مدینہ سے بعض عوالی تو ایک میل پر بھی تھیں صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ مقام سنح پر تھے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ قبیلہ خزرج کی شاخ بنی حدث کی عوالی تھی۔ جو مسجد نبوی سے ایک میل دور تھی۔ (فتح الباری ص۲۱ ج۷)۔ یہی بات علامہ عینی نے، عمدة، القاری ص۲۵۶ ج۱۶ میں کہی ہے۔ تو کیا یہ ایک میل والے بھی باری باری ہی آتے تھے؟ جن پر عند الحنفیہ بھی جمعہ فرض ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عوالی مدینہ کے وہ تمام لوگ جن پر جمعہ فرض تھا وہ مسجد نبوی آکر جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ حدیث بخاری میں یتنابون، کے لفظ سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

(۴) **عن ابن عباس قال ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین۔**

(بخاری ص ۱۲۲ ج ۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جمعہ قائم ہونے کے بعد سب سے پہلے بحرین کے ایک شہر جواثی میں عبد القیس کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی گئی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۵۲)

وجہ استدلال میں ارشاد فرماتے ہیں کہ۔ چوتھی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ جب تک جواثا میں جمعہ قائم نہیں ہوا مسجد نبوی کے سواء کسی اور مقام میں جمعہ نہیں ہوتا تھا اب دیکھنا یہ ہے کہ ہجرت کے کتنے دن بعد جمعہ قائم ہوا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق اہل جواثا نے جمعہ اس وقت قائم کیا تھا جب ان کے وفد مدینہ طیبہ سے ہوکر واپس چلے گے تھے۔(فتح الباری) اور قاضی عیاض وغیرہ نے وضاحت کی ہے کہ یہ لوگ ۸ھ ہجری میں مدینہ طیبہ آئے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ جواثا میں جمعہ ہجرت کے آٹھ سال بعد قائم ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اتنی مدت میں سینکڑوں اہل عوالی و اہل قریہ مسلمان ہو چکے تھے، اسلام دور دراز کی بستیوں تک پہنچ چکا تھا، بہت سی بستیاں مسلمانوں کے قبضے میں آگئی تھیں، خیبر بھی فتح ہو چکا تھا، جابجا مسجدیں بھی تھیں، پھر مسجد نبوی کے سوا کسی اور جگہ نماز جمعہ کیوں نہیں ہوئی، اور تو اور موضع قباء جو مدینہ طیبہ سے تین کوس کے فاصلہ پر تھا۔ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ تشریف لے جاتے تھے، جہاں کی مسجد کی اتنی بڑی فضیلت کہ اس کی بنیاد خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی جس کی شان میں قرآن مجید میں، اسس علی التقویٰ وارد ہوا، ایسی متبرک مسجد پھر بھی وہاں آپ نے نہ تو اسوقت جمعہ پڑھا جب ہجرت کے بعد وہاں قیام فرمایا تھا۔ اور نہ ہی مدینہ طیبہ قیام کے بعد آپ نے وہاں جمعہ قائم فرمایا۔ فرض تو فرض اگر وہاں صرف جائز ہوتا تو گو فرض نہ سہی جب بھی جواثا سے بہت پہلے وہاں ضرور جمعہ قائم ہو جاتا تا کہ لوگ جمعہ کے روز قبا ہی رہ جاتے تھے۔ اور مدینہ طیبہ نہیں آتے تھے۔ وہ نماز جمعہ سے محروم نہ رہتے قباء وغیرہ مقامات میں جمعہ نہ ہونا بلکہ مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ ہجرت کے آٹھ برس بعد جواثا میں ہونا جو بحرین میں واقع ہے اس سے ثابت ہوا کہ وہ مواضع محل اقامت جمعہ نہ تھے۔ اور چھوٹی چھوٹی بستیوں اور چھوٹے چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۶۰)

الجواب: اولاً جواثا شہر نہیں گاؤں تھا، تفصیل فصل اول میں گزر چکی ہے۔ لہٰذا انوار صاحب کا راوی حدیث کے بالمقابل اسے شہر قرار دینا محض ضد اور تقلیدی تعصب ہے۔

ثانیاً: اہل قباء پر نماز جمعہ فرض تھی، اور وہ مسجد نبوی میں نماز جمعہ پڑھنے کے پابند تھے۔ جیسا کہ ہم یتنابون کے معنی میں تفصیل عرض کر چکے ہیں اور بعض ضعیف روایات میں اس کی وضاحت بھی آئی ہے۔ صحابی بیان کرتا ہے کہ۔

امرنا النبی ﷺ ان نشھد الجمعة من قباء، یعنی ہمیں رسول اللہ ﷺ نے قباء سے نماز جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ (ترمذی رقم الحدیث ۵۰۱)۔

ان اھل قباء کانوا یجمعون مع رسول الله ﷺ یوم الجمعة۔

اہل قباء جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ (سند حسن ہے) (ابن ماجه باب ما جاء من این توتی الجمعة الحدیث ۱۱۲۴)۔

الغرض اہل قباء اور تمام اہل عوالی نماز جمعہ کے لئے مسجد نبوی میں آیا کرتے تھے۔ مزید تفصیل انوار صاحب کی دلیل نمبر ۷ کے جواب میں آرہی ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب کا یہ تمام صغریٰ و کبریٰ باطل و فاسد ہے اور دلائل کی رو سے کاسد ہے، کیونکہ اہل عوالی کے علاوہ کسی قریہ کا اہل جواثا سے پہلے مسلمان ہونا ثابت نہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

وفیه دلیل علی تقدم اسلام عبد القیس علی قبائل مضر الذین کانوا بینھم وبین المدینة وکانت مساکن عبد القیس بالبحرین وما والا ھامن اطراف العراق ولھذا قالوا کما فی روایة شعبة عند المؤلف فی العلم وانا تاتیك من شقة بعیدة قال ابن قتیبة الشقة السفر وقال الزجاج ھی الغایة التی تقصد ویدل علی سبقھم الی الاسلام مارواہ المصنف فی الجمعة من طریق ابی حمزة ایضا عن ابن عباس قال اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله ﷺ فی مسجد بجواثی من البحرین وجواثی بضم الجیم وبعد الالف مثلثه مفتوحة وھی قریة شھیرة لھم وانما جمعوا بعد رجوع وفدھم الیھم فدل علی انھم سبقوا جمیع القریٰ الی الاسلام۔

(فتح الباری ص۱۰۸ کتاب الایمان باب اداء الخمس من الایمان)

حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ عبد القیس کا اسلام قبول کرنا تمام اہل قریہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں۔

بحرین ایران کی حدود حکومت میں داخل تھا، عرب قبائل وادیوں میں آباد تھے جن میں مشہور اور باثر خاندان عبد القیس بکر بن وائل اور تمیم تھے ان میں سے عبد القیس کے قبیلہ میں سے منقذ بن حبان تجارت کے لیے نکلے۔ راہ میں مدینہ پڑتا تھا وہاں ٹھہرے آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے گئے، اور اسلام کی دعوت دی انہوں نے اسلام قبول کیا اور سورۃ فاتحہ اور اقراء سیکھی آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک فرمان عنایت کیا، وہ سفر سے واپس گئے تو چند روز تک کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا، لیکن انکی بیوی نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے باپ منذر بن عائذ سے شکایت کی،

انہوں نے منقذ سے دریافت کیا۔ بحث مباحثہ کے بعد منذر بھی مسلمان ہو گئے، اور آنحضرت کا نامہ مبارک لوگوں کو سنایا سب نے اسلام قبول کر لیا۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ جس مسجد میں ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی جو جواثی میں واقع ہے، اس سے ثابت ہوا کہ بحرین میں ابتدائی زمانہ میں اسلام کی اشاعت ہو چکی ہے۔

(سیرۃ النبی ﷺ ص ۲۵ ج ۲ بعنوان بحرین میں اسلام مطبوعہ الفیصل ناشران کتب ۱۹۹۱ھ)

علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی یہ تفصیل لکھنے کے بعد لکھا ہے۔

انھم سبقوا جمیع القریٰ الی الاسلام، بلاشبہ وہ (قبیلہ عبد القیس) تمام قریۃ سے ایمان لانے میں سابق ہیں۔ (فتح الملھم ص ۱۸۲ ج ۱)۔

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ قبیلہ عبد القیس تمام اہل قریۃ سے پہلے اسلام لائے اور ان سے پہلے کسی قریہ کے لوگ مسلمان نہیں ہوئے، لہٰذا مؤلف کا یہ کہنا کہ اسلام دور دراز کی بستیوں تک پہنچ چکا تھا خیبر فتح ہو چکا تھا،

مغالطہ بلکہ کذب صریح ہے۔ الغرض انوار صاحب کی یہ دلیل حنفیہ کے خلاف اور ہمارے موافق ہے۔

(۵) کان انس فی قصرہ احیانا یجمع واحیانا لا یجمع وھو بالزاویۃ علی فرسخین۔

(بخاری ص ۱۲۳ ج ۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے قصر میں بمقام زاویہ جو بصرہ شہر سے چھ میل دور تھا رہتے تھے کبھی وہ جمعہ پڑھتے اور کبھی نہیں پڑھتے تھے۔

(۶) عن ابی البختری قال رایت انسا شھد الجمعۃ من الزاویۃ ھی فرسخان من البصرۃ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰۲ ج ۲)۔

حضرت ابو البختری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ جمعہ پڑھنے کے لئے زاویہ سے تشریف لاتے جو بصرہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۷۵۳)

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں۔

پانچویں اور چھٹی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ شہر بصرہ سے چھ میل دور زاویہ نامی بستی میں اپنے قصر میں رہتے تھے جب آپ کو جمعہ پڑھنا ہوتا تو آپ بصرہ شہر میں تشریف لا کر جمعہ ادا فرماتے اور اگر آپ وہیں رہتے تو جمعہ ادا نہ فرماتے یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ گاؤں میں جمعہ

جائز نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۶۰)

الجواب: اولاً انوار صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ جمعہ پڑھنا ہوتا تو بصرہ تشریف لاتے اور جب نہ آتے تو جمعہ نہ پڑھتے تھے۔ متن روایت میں کن الفاظ کا یہ معنی و مفہوم ہے؟ کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس بات کی دلیل ہو یہ انوار صاحب نے جھوٹ بولا اور کذب تحریر کیا ہے۔

ثانیا: احیانا یجمع و احیانا لایجمع، کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، پہلا یہ کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ مقام زاویہ میں کبھی نماز جمعہ پڑھتے اور کبھی یہاں نہ پڑھتے تھے۔ دوسرا مطلب یہ ممکن ہے کہ مقام زاویہ سے نماز جمعہ پڑھنے کے لئے شہر بصرہ میں کبھی آتے تھے، اور کبھی نہیں آتے تھے، اور کبھی نہیں آتے تھے۔ انوار صاحب پہلا مطلب اختیار کریں یا دوسرا کسی صورت میں اس اثر سے گاؤں میں جمعہ کا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا، اگر پہلا مطلب اختیار کریں تو یہ آپ کے خلاف ہے کیونکہ زاویہ چھوٹی سی بستی ہے اس میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا نماز جمعہ ادا کرلینا گو کبھی کبھار ہی سہی مگر حنفیت کے خلاف ہے اور اگر دوسرا مطلب اختیار کریں کہ جب بصرہ میں پڑھتے تو گاؤں میں نہ پڑھتے تو یہ ہمارے خلاف نہیں، رہا انوار صاحب کا یہ کشید کرنا کہ جب بصرہ میں نہیں پڑھتے تھے تو کہیں بھی نہیں پڑھتے تھے، غلط ہے کیونکہ مقام زاویہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک محل اقامت جمعہ ضرور ہے، کیونکہ وہاں آپ کا نماز عید پڑھنا ثابت ہے۔ بخاری میں ہے۔

وامر انس بن مالك مولاه، ابن ابی عتبة بالزاوية فجمع اهله وبنيه وصلى كصلاة اهل المصر وتكبير هم۔

اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام ابن ابی عتبہ کو زاویہ میں حکم دیا انہوں نے انس رضی اللہ عنہ کے سب گھر والوں اور بیٹوں کو جمع کیا اور انس رضی اللہ عنہ نے شہر والوں کی طرح نماز عید پڑھائی اور ویسی ہی تکبیریں کہیں۔ (بخاری ص۱۳۴ ج۱)۔

حنفیہ کے نزدیک جس جگہ عید جائز ہے وہاں جمعہ بھی جائز ہے، لہٰذا متعین ہوا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ جب بصرہ میں جمعہ کے لئے تشریف نہ لے جاتے تو گاؤں میں جمعہ ادا کرلیا کرتے تھے۔

ثانیاً: بخاری کی روایت آپ کے موافق نہیں یہی وجہ ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ زاویہ فنائے بصرہ سے تھا اس لئے سیدنا انس رضی اللہ عنہما کبھی جمعہ گاؤں زاویہ میں پڑھ لیا کرتے تھے اور کبھی بصرہ میں ادا فرماتے تھے۔ (لا مع الدراری ص۱۶ ج۲)۔

جب کہ مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۰۲ ج۲ سے جو روایت آپ نے نقل کی ہے وہ منقطع ہے، کیونکہ ابی البختری سے امام وکیع نے روایت کی ہے اور ابوالبختری کی وفات ۸۳ھ کو ہوئی تھی، اور امام وکیع ۱۲۹ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے۔ (تہذیب التہذیب ص۶۵ ج۴ ص۱۳۱ ج۱۱)۔

الغرض یہ دلیل آپ کے دعویٰ کی دلیل نہ ہونے کے باوجود سند منقطع ہے۔

(۷) عن ابن عمر انه قال انما الغسل علی من تجب علیه الجمعة علی من یاتی اهله۔

(معرفة السنن والاثار للبیهقی ص۳۱۵ ج ٤)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس پر جمعہ واجب ہے اسی پر غسل ہے اور جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو جمعہ پڑھ کر گھر واپس آسکتا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۵۳)

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس شخص پر جو شہر سے اتنی دور رہتا ہو کہ شام تک گھر واپس نہ آسکے جمعہ فرض نہیں لہٰذا یہ حدیث ان لوگوں کے خلاف ہوئی، جو کہتے ہیں کہ ہر جگہ ہر مقام پر جمعہ فرض ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۶۱)

الجواب: اولا آپ کی اس دلیل سے ثابت ہوا کہ گاؤں والوں پر نماز جمعہ فرض ہے کیونکہ شہر میں جمعہ ادا کر کے انسان گھر میں بخوبی پہنچ جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ انوار صاحب یہ عذر کریں کہ بات دور جدید کی نہیں بلکہ زمانہ رسالت اور خیر القرون کی ہے۔ تو ہم عرض کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے ارد گرد دیہات کے رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عوالی مدینہ سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں آکر نمازیں پڑھا کرتے تھے، اور نماز عصر پڑھ کر جب عوالی میں پہنچ جاتے تو تب بھی سورج بلند ہوتا تھا۔ حالانکہ بعض عوالی مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر تھیں۔ (بخاری ص۷۸ ج۱، مسلم ص۲۲۵ ج۱)۔

جب کہ نماز جمعہ پڑھ کر ان عوالی میں غروب آفتاب سے قبل پہنچ جانا نہایت آسان تھا اس سے ثابت ہوا کہ عوالی مدینہ کے رہنے والوں پر جمعہ فرض تھا حالانکہ انوار صاحب کے نزدیک ان پر جمعہ فرض نہ تھا جیسا کہ انہوں نے اپنی پہلی دوسری اور تیسری دلیل سے ثابت کیا ہے۔ **فما کان جوابکم فهو جوابنا۔**

ثانیاً: کیا وجہ ہے کہ **الجمعة علی من یاتی اهله** کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ نماز جمعہ ہر بالغ پر فرض ہے، **اتی اهله**، سے مجامعت مراد لینا لغت عرب میں معروف ہے۔

صحیح بخاری ۹٤٥ ج۲ میں ہے باب ما یقول الرجل اذا اتی اهله ، حافظ ابن حجر نے فتح الباری ص۱۵۹ ج۱۱ میں اور مولانا احمد علی سہارنپوری دیوبندی نے حاشیہ بخاری بین السطور میں لکھا ہے ای جامع اور حدیث صحیح میں مروی ہے۔

علی کل محتلم رواح الجمعة وعلی کل من راح الغسل، یعنی ہر بالغ پر جمعہ پڑھنے جانا واجب ہے اور ہر جانے والے پر غسل ہے۔

(ابو داؤد کتاب الطهارة باب فی الغسل للجمعة الحدیث ۳٤۲، نسائی کتاب الجمعة باب التشدید فی التخلف من الجمعة الحدیث، ۱۳۷۲، بیهقی ص۱۸۸ ج۳ وابن خزیمه ۱۷۲۱، وابن حبان (موارد) ٥٦٤۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں (فتح الباری ص۲۸۵ ج ۲)۔
ملحوظ رہے کہ یہ روایت سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے ہی بواسطہ سیدہ ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے اور طبرانی اوسط میں یہ الفاظ بھی مروی ہے۔

الجمعة واجب على كل محتلم وعلى من راح الى الجمعة الغسل،
یعنی جمعہ ہر بالغ پر واجب (فرض) ہے۔ اور جو جمعہ کی نماز کے لئے جائے اس پر غسل (واجب) ہے۔
المعجم الاوسط للطبرانی ص ۴۱۱ ج ۵ رقم الحدیث ۴۸۱۳)۔
حافظ ابن حجر نے، فتح الباری ص۲۸۵ ج ۲ میں اس کے راویوں کو بھی ثقہ قرار دیا ہے۔ اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بیہقی کی روایت کا معنی یہ ہے کہ
الجمعة على من يمكنه ان يجامع اهله، ہے اور یہ معنی ہی درست ہے کیونکہ مرفوع حدیث سے اس کی تفسیر ہوگئی ہے لہٰذا انوار صاحب نے جو اس کا مطلب لیا ہے وہ قطعی طور پر غلط اورنا قابل قبول ہے۔

(۸) قال ابوعبيد ثم شهدت العيدمع عثمان بن عفان فجاء فصلى ثم انصرف فخطب وقال انه قد اجتمع لكم فى يومكم هذا عيدان فمن احب من اهل العالية ا ن ينتظر الجمعة فلينتظرها ومن احب ان يرجع فقد اذنت له۔ (موطا امام مالک ص۱۶۵)۔
حضرت ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھر میں حاضر ہوا عید کی نماز پڑھنے کے لئے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ تشریف لائے نماز پڑھی پھر لوگوں کو خطبہ دیا۔ اور فرمایا اس دن تمہاری دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں اہل عوالی میں سے جو یہ چاہے کہ وہ جمعہ کی نماز کا انتظار کرے تو وہ کرے اور جو چاہے واپس چلا جائے تو میری طرف سے اسے اجازت ہے۔
(حدیث اور اہل حدیث ۷۵۴)

الجواب: اولا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خطبہ عید نماز عید کے بعد ہے مگر تمام حنفی اس سنت کے منکر ہیں کہ یہ پہلے خطبہ پھر نماز پڑھتے ہیں۔
ثانیا: عید اور جمعہ جب اکٹھے آجائیں تو جمعہ کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے جی چاہئے تو نماز جمعہ پڑھے یا نہ پڑھے تفصیل آگے ایک مستقل باب میں آرہی ہے۔ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی رخصت دینا اس لئے ہی تھی۔
مولانا عبد الحی لکھنوی فرماتے ہیں۔
اقتدى فيه عثمان بالنبى ﷺ فانه لما اجتمع العيدان صلى العيد ثم رخص فى الجمعة

وقال من شاء ان یصلی فلیصلی اخرجه النسائی وابو داؤد عن زید بن ارقم۔

یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل عالیہ کو گھر واپس جانے کی اجازت دینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی ہے۔ اس لئے کہ جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہوئے تھے۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عید کی نماز پڑھی پھر نماز جمعہ میں رخصت دی اور فرمایا کہ جو چاہے نماز جمعہ پڑھے۔(التعلیق المجدص۱۳٦)

محدث مبارکپوری فرماتے ہیں کہ **قداجتمع لکم فی یومکم ھذا عیدان** ان کے بعد لفظ من پر فا کا آنا بھی صاف بتا رہا ہے کہ حضرت عثمان کے اذن دینے کی علت اجتماع عیدین ہی ہے نہ کچھ اور؟ (نور الابصار ص ۳۷)۔

ثالثا: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے **فمن احب من اھل العالیة** سے تمام اہل عالیہ کو گھر جانے کی اجازت دی، حالانکہ مدینہ سے بعض عوالی صرف ایک میل کی مسافت پر ہیں۔

(الوفاء الوفاء للسمہودی بحوالہ التعلیق المجد ص۱۳٦)۔

پہلے تفصیل گزر چکی ہے کہ جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مدینہ کی عالیہ سخ میں تھے۔ جو مسجد نبوی سے صرف ایک میل کے فاصلہ پر تھی، ظاہر ہے شہر سے اتنی مسافت پر جو گاؤں ہوتے ہیں ان میں احناف کے نزدیک بھی جمعہ فرض ہے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

(۹) عن عبد الرحمن السلمی عن علی قال لاجمعة ولا تشریق الافی مصر جامع۔

حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جائز نہیں ہے جمعہ اور تشریق مگر مصر جامع (بڑے شہر) میں۔(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱٦۸ ج۲)۔

(۱۰) انوار صاحب نے مکرر سے، مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۰۱ ج۲ سے نقل کیا ہے۔ جس میں لا تشریق، کی بجائے **ولا صلاۃ فطرولا اضحی**، کے الفاظ ہیں, اور مصر جامع کے ساتھ **او مدینة عظیمة** کے الفاظ زائد ہیں۔

(۱۱) پھر تیسری بار اسے معرفۃ السنن والآثار ص۳۲۲ ج۴ سے نقل کیا ہے۔ اور الفاظ نمبر ۹ کے ہی ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۵۴)

الجواب: اولاً آپ نے نمبر۹ کو مصنف کے جس صفحہ کے طرف منسوب کیا ہے وہ درست نہیں بلکہ صفحہ ۱۰۱ ہی ہے۔

ثانیا: آپ نے جو مصر جامع، کی وضاحت بریکٹ میں۔ بڑا شہر، کی ہے وہ اکابر احناف اور خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تصریحات کے خلاف ہے کیونکہ عبد الرزاق کی روایت میں وضاحت ہے کہ۔

وکان یعد الا مصار، البصرة، والکوفة، والمدینة، والبحرین، ومصر، والشام، و

الجزیرة، وربما قال، الیمن والیمامة

اور آپ رضی اللہ عنہ شہر بھی گنواتے تھے۔ بصرہ، کوفہ، مدینہ، بحرین، مصر، شام، جزیرہ، اور کبھی یمن اور یمامہ کے نام بھی لیتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ص۱۶۸ ج۳ رقم الحدیث ۵۱۷۷)۔

اس چیز کو ملحوظ رکھا جائے تو مذکورہ شہروں کے علاوہ کسی بھی شہر میں جمعہ جائز نہیں، ممکن ہے کہ انوار صاحب کہہ دیں کہ اس سے مراد ان جیسے شہر ہیں نہ کہ صرف مذکورہ شہر، جواباً عرض ہے کہ روایت میں، **کالبصر والکوفة**، کے الفاظ نہیں بلکہ **البصرة والکوفة** کے لفظ ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ان شہروں کے علاوہ کسی بھی دوسرے شہر میں جمعہ جائز نہیں ہیں

ثالثاً: قرآن مجید اور احادیث صحیحہ یا کم از کم لغت عرب سے، مصر جامع کی تعریف مطلوب ہے، اور جو تعریف فقہاء احناف نے کی ہے۔ وہ مختلف ہے، اور جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ تعریف صحیح ہے اس پر بھی قرآن وسنت اور لغت سے کوئی دلیل نہیں دی جاتی، اور جب تک اس کی تعریف قرآن وسنت اور لغت سے ثابت نہ کی جائے۔

اس وقت تک اثر علی رضی اللہ عنہ سے استدلال کرنے کا حنفی کوئی حق نہیں رکھتے۔ دیکھئے حنفیہ کے معتبر محدث امام طحاوی فرماتے ہیں

خبر القلتین صحیح و اسناده ثابت ولکن ترکناه لا نا لا نعلم ما القلتان ولا نه روی قلتین اوثلاثا علی الشك۔

(بحواله مرقاة ص۵۵ ج۲ مطبوعة مکتبه حقانیه ملتان)۔

ہم بھی اثر علی رضی اللہ عنہ کی نسبت یہی تقریر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

اثر علی صحیح اسناده ثابت ولکن ترکناه لانا لا نعلم ما المصر الجامع ولانه روی الافی مصر جامع اومدینة عظیمة علی الشك۔

اس تقریر کی طرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ امام بیہقی نے معرفة السنن والاثار، ص۴۶۷ ج۲ طبع دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۱ء میں نقل کیا ہے کہ

ولا ندری ماحد المصر الجامع، یعنی ہمیں معلوم نہیں کہ مصر جامع کی حد کیا ہے۔

رابعاً: یہ مُسلّمہ اصول ہے کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار مختلف ہوں تو تب وہ حجت نہیں ہوا کرتے، اور ہم فصل اول میں آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیش کر چکے ہیں۔ جو گاؤں میں جمعہ کی فرضیت پر دلیل ہیں۔ لہٰذا آثار کو ترک کر کے احادیث مرفوع کی طرف رجوع کیا جائے گا اور مرفوع حدیث میں ہر بالغ پر جمعہ کی فرضیت ثابت ہے اور بالغ شہری ہی نہیں دیہاتی بھی ہوتا ہے، رہا انوار صاحب کا اثر علی رضی اللہ عنہ کو مرفوع قرار دینا کہ اس میں قیاس کو دخل نہیں تو جواباً عرض ہے کہ فصل اول میں

بیان کردہ آثار کو آپ جس دلیل سے موقوف قرار دیں گے اسی دلیل سے اثر علی رضی اللہ عنہ بھی موقوف قرار پائے گا محترم ایک ہی مسئلہ میں جب آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف ہوں تو پھر ایک کو مرفوع اور دوسرے کو موقوف کہنا، ہٹ دھرمی اور ضد ہے۔ اور میں نہ مانوں کا کوئی علاج تاحال دریافت نہیں ہوا۔

خامسا: لاجمعۃ میں لا نفی جنس کا نہیں بلکہ کمال کا ہے معنی یہ بنتا ہے کہ گاؤں میں نماز جمعہ کمال درجے کا نہیں ہوتا۔ ناقص ہوتا ہے۔ جو جواز کو ثابت کرتا ہے لیکن انوار صاحب اس کا معنی جائز نہیں، کرتے ہیں جو صریحا بددیانتی ہے کیونکہ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ ناجائز ہوتا تو الفاظ لا یجوز، ہوتے۔

(۱۲) عن حذیفة قال لیس علی اهل القریٰ جمعة انما الجمع علی اهل الامصار المدائن۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۱۰۱ ج۲)۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل قریہ (گاؤں دیہات والوں) پر جمعہ واجب نہیں ہے بلکہ شہر والوں پر ہی ہے۔ جیسے شہر مدائن۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۵۵)۔

الجواب: اولاً یہ روایت منقطع ہے کیونکہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا ابراہیم نخعی ہے اور ابراہیم کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں جیسا کہ امام علی بن مدینی نے صراحت کی ہے۔(مراسیل ابن ابی حاتم ص۹)۔

ثانیاً: آپ کے بعض دلائل سے قریہ والوں پر نماز جمعہ فرض ثابت ہوتی ہے جب کہ یہ روایت اس کی نفی کرتی ہے۔

ثالثاً: مصر سے انوار صاحب تو بڑے شہر مراد لیتے ہیں۔ مگر بڑے کی وضاحت نہیں فرماتے کہ کس قدر بڑا ہو کراچی جیسا بڑا ہو یا لاہور کی طرح یا اسلام آباد جیسا مطلوب ہے۔ یا تحصیل لیول مراد ہیں یا تھانہ قسم کے شہر بھی گزارہ کر جاتے ہیں، یا جسے عرف عام میں شہر کہتے ہیں وہ مراد ہیں، جو بھی مراد لیں قرآن وسنت اور لغت سے اس کا ثبوت دیں، آپ کے علامہ تھانوی فرماتے ہیں کہ مردم شماری کے لحاظ سے کم و پیش تین ہزار کی آبادی ہو، مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ آبادی تو ڈیڑھ ہزار ہو مگر ضروریات زندگی پائے جاتے ہوں، مثلاً ڈاک خانہ، سکول، ہسپتال، آٹے کی مشین، دوکانیں، موچی، کمہار، لوہار، دھوبی وغیرہ اور ایک سے زائد مسجدیں ہوں تو جمعہ درست ہے۔ بحوالہ توضیح السنن ص ۵۴۳ ج ۲)۔

اس تعریف کو مدنظر رکھا جائے تو چھوٹے چھوٹے قصبات میں بھی جمعہ فرض ثابت ہوتا ہے، حالانکہ اثر حذیفہ رضی اللہ عنہ میں مصر کی تعریف میں مدین جیسے شہر قرار دیئے گئے ہیں الغرض یہ روایت جہاں ضعیف ہے وہاں ہی حنفیہ کے خلاف ہونے کے علاوہ غیر واضح ہے۔

(۱۳) قال الامام شافعی۔

قد كان سعيد بن زيد و ابوهريرة يكونان بالشجرة على اقل من ستته اميال فيشهدان الجمعة ويدعا نها وقد كان يروى ان احدهما كان يكون بالعقيق فيترك الجمعة ويشهدها ويروى ان عبد الله بن عمرو بن العاص كان على ميلين من الطائف فيشهد الجمعة ويدعها۔

(کتاب الام ص ۱۹۲ ج ۱)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن زید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما مقام شجرہ میں ہوتے تھے۔ چھ میل سے کم فاصلہ پر وہ کبھی جمعہ کے لئے تشریف لاتے اور کبھی جمعہ چھوڑ دیتے تھے، اور یہ بھی روایت کیا جاتا ہے کہ ان دونوں حضرات سے کوئی مقام عقیق پر ہوتا تھا تو کبھی وہ جمعہ چھوڑ بھی دیتا تھا، اور کبھی جمعہ کے لئے حاضر ہوتا تھا، اور روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ طائف سے دو میل کے فاصلے پر ہوتے تھے، وہ کبھی جمعہ کے لیے تشریف لاتے تھے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۷۵۶)

الجواب: اولاً یہ تمام روایات منقطع ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ان تینوں سے ملاقات نہیں۔
ثانیاً: چھ میل اور دو میل کا فاصلہ حنفیہ کے نزدیک فنائے مصر اور توابع کا حکم ہے (جیسا کہ پہلے عرض کردیا گیا ہے)۔ جس کی وجہ سے اہل فنا پر نماز جمعہ واجب ہے لہٰذا انوار صاحب وضاحت کریں کہ یہ لوگ کبھی کبھی جمعہ کیوں ترک کردیتے تھے۔ فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

(۱۴) عن هشام عن الحسن ومحمد انهما الجمعة فى الامصار۔

(حضرت ہشام، حسن بصری، اور حضرت محمد بن سیرین رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے فرمایا جمعہ شہروں میں ہی ہوتا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۵۶)

الجواب: الجمعة فى المصار ،کا آپ نے معنی غلط کیا ہے درست ترجمہ یہ ہے جمعہ شہروں میں ہے (دیکھئے توضیح السنن ص ۵۵۱ ج ۲) اور اس سے گاؤں میں جمعہ کا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ الجمعۃ، میں الف لام کمال کے لیے ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جمعہ علی وجہ الکمال شہروں میں ہوتا ہے الف و لام کمال کے لئے کثرت سے مستعمل ہوتا ہے جیسے ان احادیث میں، المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده و المهاجر من هجر مانهى الله (بخارى رقم الحديث ۶۴۸۴) ليس الشديد بالصرعة۔ انما الشديد الذى يملك نفسه عند الغضب

(بخاری رقم الحدیث ۲۱۱۴)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ۔

قيل الالف واللام فى الكمال نحو زيد الرجل اى كامل فى الرجولية، وقال اثبات اسم

الشئی علی معنی اثبات الکمال له مستفیض فی کلامهم۔
(فتح الباری ص۴۵ ج۱)۔

لہذا حسن بصری اور محمد بن سیرین کے آثار ہمارے خلاف پیش کرنا انصاف نہیں

(۱۵) عن ابی بکر بن محمد انه ارسل الی ذی الحلیفة ان لا تجمعوا بها وان تدخلوا الی المسجد مسجد رسول الله ﷺ۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۰۱ ج۲)۔

حضرت ابو بکر بن محمد سے روایت ہے کہ انہوں نے ذوالحلیفہ والوں کو پیغام بھیجا کہ تم وہاں جمعہ قائم نہ کرو۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آ کر جمعہ پڑھو۔ (حدیث اور اہل حدیث)

الجواب: محترم آپ بوڑھے ہوگئے ہیں قوت حافظہ جواب دے گئی ہے امام ابو بکر بن محمد کے نزدیک اہل قری پر نماز جمعہ فرض تھی، ورنہ ذی الحلیفہ کو چھ سات میل کی مسافت پر مسجد میں حاضر ہونے کی ہرگز تکلیف نہ دیتے۔ ان لایجتمعوا کے بعد، وان تدخلوا الی المسجد الخ...... کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اہل ذی الحلیفہ جمعہ پڑھنے کے مکلّف تھے۔ جب کہ حنفیہ کے نزدیک گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہی نہیں۔

اگر انوار صاحب کہہ دیں کہ ذی الحلیفہ والے بوجہ توابع وفنائے مدینہ ہونے کے ان پر جمعہ فرض تھا تو ہم کہتے ہیں کہ جیسے آپ کے نزدیک فنائے مصر والوں پر جمعہ فرض ہے ایسے ہی فنائے مصر کے دیہات میں فقہائے احناف نے جمعہ پڑھنے کی اجازت بھی دی ہے۔

الغرض یہ اثر حنفیہ کے خلاف ہے۔

(۱۶) عن ابرهیم قال کانوا لا یجمعون فی العساکر

(مصنف ابن ابی شیبه۔ ص۱۰۱ ج۲)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ وتابعین لشکروں میں جمعہ قائم نہیں کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۵۶)

الجواب: لشکروں میں بوجہ سفر نماز جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔

(۱۷) عن ابراهیم قال لاجمعة ولا تشریق الافی مصر جامع۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۰۱ ج۲)۔

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں جائز نہیں ہے جمعہ اورتشریق (عید) مگر بڑے شہر میں۔

(حدیث اور اہل حدیث ۷۵۷)

الجواب: اس معنی ومفہوم کا قول سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس کا جواب نمبر ۹ تا ۱۱ میں

گزر چکا ہے۔ مزید برآں اس میں ہشیم بن بشیر راوی مدلس ہے۔ (طبقات المدلسین ص ۴۷)۔
اور سند میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ معنعن مروی ہے لہذا ضعیف ہے۔

(۱۸) قال حجاج و سمعت عطاء یقول مثل ذلک۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰۱ ج ۲)۔

حضرت حجاج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کو بھی یہی فرماتے سنا ہے (کہ جمعہ اور تشریق جائز نہیں مگر بڑے شہر میں)۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۵۷)

الجواب: یہ روایت مصنف میں بلاسند ہے جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ اس کی صحیح سند پیش کرے امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا کہہ دیتا۔

(مقدمہ صحیح مسلم رقم الحدیث ۳۲)۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب قرآن وسنت اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی دلیل پیش نہیں کر سکے کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا ناجائز وحرام ہے۔ حالانکہ حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ گاؤں میں جمعہ قائم کرنا مکروہ تحریمی ہے اور تمام حنفی اس حرام کے مرتکب ہیں یہ چھوٹے چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ قائم کر چکے ہیں اور عدم جواز کا مسئلہ صرف کتابوں میں عجائب گھر کا مال ہو کر رہ گیا ہے بلکہ مفتی کفایت اللہ صاحب تو زندگی بھر یہ فتویٰ دیتے رہے ہیں کہ جس گاؤں میں جمعہ ایک مدت سے ہوتا آرہا ہے وہاں جمعہ قائم ہی رکھا جائے، کفایت المفتی، میں اس پر متعدد فتاویٰ ہیں صرف ایک نقل کر دیا جاتا ہے فرماتے ہیں جو لوگ (گاؤں میں) جمعہ کو جائز سمجھ کر جمعہ پڑھتے ہیں ان کا فرض ادا ہوجاتا ہے۔ (کفایت المفتی ۱۸۵ ج ۳)۔

مولوی محمد قاسم نانوتوی، مولوی یعقوب، مولوی حاجی امداد اللہ مفرور مکی، مولوی عبد الخالق دیوبندی وغیرہم دیہات میں جمعہ پڑھتے رہے ہیں۔ (کفایت اللمفتی ۱۸۱ ج ۳)۔

مفتی رشید صاحب نے ایک دفعہ کوشش کی کہ اکابر علماء دیوبند سے مل کر سندھ کے دیہاتوں سے جمعہ پڑھنا چھوڑایا جائے تو مفتی صاحب کو دیوبندی علماء نے یہ جواب دیا کہ آپ کو زنا، شراب، سود وغیرہ فواحش کی روک تھام کے لیے کام کرنا چاہیے، آپ کی نظر میں بڑی برائی جمعہ فی القری ہے۔

(احسن الفتاویٰ ص ۱۷۵ ج ۴)۔

الغرض یہ مسئلہ تو حنفیوں کے ہاتھوں ہی موت کی نیند سو چکا ہے، لیکن انوار صاحب تاحال اس پر بضد ہیں کہ نہیں صاحب گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، پھر اس سلسلہ میں انہوں نے جو بھی زیب رقم فرمایا ہے وہ دلائل کی بجائے قیاس فاسدہ اور مغالطات کاسدہ، اور معنوی تحریفات پر مبنی ہے۔ مکرر تفصیل بیان کردی جاتی ہے۔ انوار صاحب نے کل دلائل اٹھارہ درج کیے ہیں، ان میں سے پہلی تین روایات مرفوع

ہیں۔ دس روایات موقوف ہیں, اور پانچ آثار تابعین ہیں، مرفوع روایات میں سے احناف کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ان کے خلاف ہیں، چوتھی دلیل ہماری ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ ، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی احناف کا مسلک ثابت نہیں ہوتا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بوجہ عید عوالی مدینہ کے لوگوں کو جمعہ نہ پڑھنے کی رخصت دی، ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول صحیح ہے ، مگر اس سے حنفیہ کا مسلک بوجہ اجمال ثابت نہیں ہوتا مزید یہ کہ انوار صاحب نے اس سے نفی صحت مراد لی ہے حالانکہ اس سے وجوب کی نفی بھی مراد ہو سکتی ہے (کفایت المفتی ص۱۹۶ ج۳)۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے اقوال منقطع اور اسناد ضعیف ہیں۔ تابعین سے امام عطاء کا قول بے سند ہے۔پھر ہم کسی کوفی بصری پر ایمان نہیں لائے، قرآن و سنت سے ہر مسلمان پر جمعہ فرض ہونا ثابت ہے جو اس کی تخصیص کرتا ہے اور دیہاتی کو مستثنیٰ قرار دیتا ہے وہ اس کے لئے حدیث صحیح پیش کرے قرآن کی آیت کو تابعین کے اقوال سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

(٦٧) باب شرائط جمعہ

مصر جامع، بڑے شہر کا ہونا، گاؤں دیہات میں جمعہ جائز نہیں کیونکہ آیت مبارکہ میں جملہ، وذروا البیع، (چھوڑ دو خرید وفرخت) سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ آیت شہر والوں ہی کے واسطے ہے۔ اس لئے کہ اس میں اذان کے وقت بیع کو چھوڑ دینے کا حکم ہے۔، اور بیع وشراء جس کو تجارت کہتے ہیں۔شہر ہی میں ہوتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷٦۴،۷۷۱)

الجواب: محترم نے شہر کی کوئی تعریف نہیں کی، صرف بڑے شہر کہہ کر گزر راہ کر رہے ہیں۔حالانکہ ان کا اخلاقی فرض تھ کہ جمعہ کی شرائط میں مصر کا ہونا ان کا مذہب تھا، تو مصر کی تعریف بھی کر دیتے تا کہ مسئلہ پوری طرح کھل جاتا ہم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ انوار صاحب نے اسے کیوں نہیں چھیڑا، اس لئے کہ کتب فقہ مصر کی تعریف پر اختلافات سے بھری پڑی ہیں، کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ کہتاہے، الغرض جتنے منہ اتنی باتیں رہا انوا رصاحب کا یہ کہنا کہ تجارت صرف شہروں میں ہوتی ہے خالص مغالطہ ہے۔ ہر دیہات و گاؤں میں دوکانیں ہوتی ہیں۔جس سے اہل بستی ضروریات کی چیزیں خریدتے ہیں، بلکہ بعض قصبات میں تجارتی منڈیاں بھی ہوتی ہیں، گندم، چاول، سبزیاں، گاؤں سے ہی خرید کر تاجر لوگ شہروں میں لے جاتے ہیں۔اس نالائق کو آج تک یہ خبر نہیں کہ ملکی معیشت کا انحصار اسی فیصد دیہاتی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔

انوار صاحب وضاحت کریں کہ ایسی زمین جہاں دور دور تک کوئی آبادی نہیں وہاں کسان کا باغ ہے جس سے پھل خریدنے کے لئے شہر سے تاجر آتے ہیں ہر روز صبح سویرے وہاں ایک بازار لگ جاتا ہے جو مغرب تک جاری رہتا ہے۔کیا وہ جنگل آپ کے نزدیک شہر کا حکم رکھتا ہے، اور اس مقام پر آپ کے نزدیک جمعہ جائز ہے۔

یہ صرف احتمال ہی نہیں ہم اس پر ہزاروں مقامات دکھا سکتے ہیں، حنفی عرس کرتے ہیں وہاں کئی روز تک میلہ لگا رہتا ہے جس میں بازار ہوتے ہیں، مویشیوں کی منڈی لگتی ہے تو کیا یہ میلے آپ کے نزدیک شہر کا حکم رکھتے ہیں۔

ہمارے نزدیک نارنگ موڑ ہے، اس میں تقریباً دو سو کے لگ بھگ دوکانیں ہیں، دو عدد پٹرول پمپ ہیں، ادویات، عام استعمال کی چیزیں وہاں دستیات ہیں، کیا آپ کے نزدیک یہ شہر ہے؟ قطعاً نہیں، آپ کے ہاں شہر کی تعریف یہ ہے کہ وہاں کوئی ایسا حاکم ہو جو مظلوم کی داد رسی کرنے اور ظالم کو لگام دینے کی قدرت رکھتا ہو، اس کے توابع گاؤں گنے جاتے ہوں، اس کے متعدد کوچے و محلے ہوں۔

علامہ حلبی شرح منیہ میں فرماتے ہیں۔

فی تحفة الفقهاء عن ابی حنیفة انه بلدة کبیرة فیها سلك و اسواق ولها رساتیق و فیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته و علمه او علم غیره یرجع الناس الیه فیما نقع من الحوادث و هذا هو الاصح۔

تحفہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے شہر وہ ہوگا جو بڑا ہو اس میں سڑکیں، بازار، سرائے، ہوں وہاں کوئی ایسا والی ہو جو اپنے دبدبہ اپنے علم یا غیر کے علم کی وجہ سے ظالم سے مظلوم کو انصاف دلا سکیں، حوادثات میں لوگ اس کی طرف رجوع کریں، اور یہی اصح ہے۔ (غنیة المستلمی ص ۵۵۰)

انوار صاحب وضاحت کریں کیا یہ سب، و ذروا البیع ، ہے، شاید یہ حرف واؤ سے وال، بناتے ہوں، ذال سے نقطہ گرا کر دال مراد لیکر، یقدر، کا لفظ، سمجھتے ہوں، لفظ ، را، سے، رساتیق، بنایا ہو دوسری واؤ سے مظلوم اور الف سے، انصاف، لام سے، علمہ، ب، سے، بلدۃ کبیرۃ، ی، سے، یرجع الناس الیہ، اور حرف، ع، سے، نقع، بنا کر یہ تعریف شہر وضع کی ہو، انا اللہ وانا الیہ راجعون، محترم دنیا میں ابھی عقل مند ہیں، آپ وضاحت کریں کہ ان شروط کے بغیر جس مقام پر تجارت ہوتی ہے وہاں آپ کے نزدیک جمعہ کیوں ناجائز ہے؟ پھر فنائے مصر میں کیوں جائز ہے۔ ممکن ہے کہ انوار صاحب اس تعریف میں کیڑے ڈالیں کہ فلاں فقہی نے یہ تعریف کی ہے اور فلاں نے اس کے مفتی بہ ہونے کی صراحت کی ہے ہم اس کی صراحت بھی کر دینا چاہتے ہیں کہ کتب فقہ اس سے بھری پڑی ہیں کہ فتویٰ مطلق قول امام پر دیا جائے گا۔

لہٰذا ہم نے جو قول نقل کیا ہے یہ فقہ حنفی کی ظاہر الروایۃ ہے، اس کے خلاف کوئی قول قابل قبول نہیں، الغرض یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ قرآن کے حکم ، وذروالبیع ، سے فقہائے حنفیہ کی شرط مصر ثابت نہیں ہوتی۔

(ا) عن مولیٰ لأل سعید بن العاص انه سأل ابن عمر عن القری التی بین مکة والمدینة ماتری فی الجمعة قال نعم اذا کان علیهم امیر فلیجمع۔

(معرفة السنن والاثار للبهقی ص۳۲۲ ج ٤)۔

حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی آل کے ایک مولی سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ وہ بستیاں جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ہیں ان میں جمعہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر ان پر امیر مقرر ہو تو وہ انہیں جمعہ پڑھائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۶۵)

<u>الجواب</u>: محترم نے اس روایت سے صحت جمعہ کے لئے امیر ہونے کی شرط ثابت کی ہے، مگر اس استدلال سے یہ تو تسلیم کر لیا کہ قرآن وسنت میں صحت جمعہ کے لے امیر کی شرط موجود نہیں! ورنہ صحابی

کا قول پیش نہ کرتے۔ رہا اس کی سند کا حال تو وہ واضح ہے کہ مولی آل سعید مجہول ہے، ان کے معتمد خاص جناب علامہ نیموی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اس کی سند میں جہالت ہے۔ (آثار السنن ص۲۸۷)۔ اور ان سے بھی قبل علامہ ابن ترکمانی حنفی نے لکھا ہے کہ اس کی سند مجہول ہے (الجوہر النقی ص۱۷۸ ج۳)

اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنا دین مجہول لوگوں سے لینے کا نہیں کہا، الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے۔ پھر یہ روایت آپ کے خلاف ہے، تفصیل اگلی روایت میں آرہی ہے۔

(۲) عن جعفر بن برقان قال کتب عمر بن عبد العزیز الی عدی بن عدی ایما اهل قریة لیسوا باهل عمود ینتقلون فامر علیهم امیر یجمع بهم۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۱۰۲ ج۲ معرفة السنن والاثار ۳۲۲ ج ٤)۔

حضرت جعفر بن برقان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے حضرت عدی بن عدی کو لکھا کہ ایسی بستیوں والے جو ستونوں والے نہ ہوں جو منتقل ہوتے رہتے ہیں تو آپ ان پر ایک امیر مقرر کردیجئے جو انہیں جمعہ پڑھائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷٦٦)

الجواب: اولاً امارت سے یہاں امارت شرعی نہیں کیونکہ وہ تو سیدنا عمر بن عبد العزیز ہی تھے دوسرا کوئی شخص منصب امارة پر قائم نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ممکن ہے کہ انوار صاحب نائب امیر کا ڈھکوسلہ پیش کردیں جو کہ غلط ہے۔ کیونکہ متن روایت میں نائب کی نہیں بلکہ امیر کی بات ہے، اور امارت سے مراد امارت شرعی تو ممکن نہیں بلکہ خطیب و امام ہی ہوسکتا ہے ظاہر ہے کہ جمعہ پڑھے پڑھائے بغیر نہیں ہوتا، بلکہ خطیب صاحب ہی یہ فریضہ انجام دیتے ہیں۔ الغرض روایت میں امیر سے مراد سلطان وخلیفہ یا اس کا نائب نہیں ہے۔

ثانیاً: مقرر کرنے سے، امیر، نائب امیر، کا شرط ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ یہ آپ کی زیادتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تین آدمی سفر کریں تو ان میں سے ایک کو امیر مقرر کردو۔ (ابو داؤد رقم الحدیث ۲٦۰۸، ۲٦۰۹)۔

تو کیا سفر کرتے وقت امیر مقرر کرنا سفر کے لئے شرط ہے؟ حدیث میں الفاظ فلیؤمروا، امر کے ہیں۔ مگر دیوبندی اسے شرط واجب ماننا تو کجا سنت بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ مستحب کا درجہ دیتے ہیں۔ (بذل المجہود ص۲۳۴ ج۴)۔

اسے بھی جانے دیجئے یہ بتایا جائے اگر تین مسافر امیر مقرر کرکے سفر کریں تو کیا وہ گاؤں میں جمعہ ادا کرسکتے ہیں، جس اثر سے آپ نے استدلال کیا ہے وہ لوگ بھی مستقل رہائش پذیر نہ تھے، تبلیغی جماعت جب جاتی ہے ان میں ایک امیر ہوتا ہے آپ کے نزدیک ․․ گاؤں میں جمعہ قائم کرنے کا مجاز ہیں، اگر آپ کہہ دیں کہ وہ امارت شرعی نہیں ہماری طرف سے بھی یہی سمجھ لیجئے۔

ثالثاً: اس اثر سے معلوم ہوا کہ جمعہ جنگل وصحرا میں بھی قائم کیا جاسکتا ہے کیونکہ اثر میں وضاحت ہے کہ ان کی کوئی مستقل رہائش نہ تھی، وہ ادھر ادھر منتقل ہوتے رہتے تھے، جہاں پانی اورمویشوں کے لیے چارہ دستیاب ہوا وہاں ہی پڑاؤ ڈال دیا، تو کیا آپ کے نزدیک جنگل وصحرا میں بھی جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، اگرنہیں یقیناً نہیں تو ثابت ہوا کہ یہ آپ کی دلیل نہیں بلکہ ہماری ہے اور آپ کے خلاف ہے۔

رابعا: اس کی سند منقطع ہے۔مولانا نیموی فرماتے ہیں۔

قلت اسناده ضعيف لان جعفر بن برقان لم يسمع من عمر بن عبدالعزيز وكذلك لم يثبت سماعه من عدى بن عدى وانه لم يسنده، ولم يذكر انه شهد الكتابة۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ جعفر بن برقان کا عمر بن عبد العزیز سے سماع ثابت نہیں اور اس طرح عدی بن عدی سے سماع نہیں اور جعفر نے اس کی سند بیان نہیں کی اور نہ ہی یہ ذکر کیا ہے کہ وہ خط لکھنے کے وقت حاضر تھے۔ (التعلیق الحسن علی آثار السنن ص۲۸۸)۔منقطع ہونے کے علاوہ سند ضعیف ہے، ابن ترکمانی حنفی فرماتے ہیں کہ سند میں، عبد اللہ بن ولید عدنی راوی ہے جسے ساجی نے ضعیف قرار دیا ہے (الجوہر النقی ص۱۷۸ ج۳)

خامساً: عمر بن عبد العزیز تابعیٰ ہیں اور تابعین کے اقوال سے کوئی دینی مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا، خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔تابعین بھی (ایک کلمہ گومسلمان) آدمی ہیں اور ہم بھی ہیں۔

(الجواهر المضيه ص۲۵۰ ج۲ ، مقدمه انوار البارى ص٦٥ ج۱)۔

جب معاملہ ابراہیم، شعبی، حسن اور عطاء کی طرف آیا تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا اسی طرح میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔(مناقب الامام ابوحنفیہ ص۲۰)۔

(۳) عن ابى رافع ان ابا هريرة كتب الى عمر يسئله عن الجمعة وهو بالبحرين فكتب اليهم ان جمعوا حيث ما كنتم۔

(صحيح ابن خزيمه بحواله معرفة السنن والاثار ص۳۲۳ ج٤)۔

حضرت ابو رافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اقامت جمعہ کے بارے میں سوال سے متعلق خط لکھا جن دنوں آپ بحرین میں عامل تھے،عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تم جہاں بھی ہو جمعہ قائم کرو۔(حدیث اوراہل حدیث ص۷۶۶)

الجواب: اولاً سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر ہونے کی محترم نے کوئی دلیل درج نہیں کی اگر کرتے تو ہم اس پر ضرور غور کرتے کتب تراجم سے ہمیں ایک روایت ،، عبد اللہ بن طلحہ کی ملی ہے۔

(طبقات ابن سعد ص۳۳۵ ج٤،سير اعلاء النبلاء ص۱۹۸ ج٤)۔

مگر یہ منقطع ہے، حقیقت یہ ہے کہ وفات نبوی علیہ التحیۃ السلام کے وقت بحرین کے گورنر سیدنا ابان بن سعید رضی اللہ عنہ تھے۔ خلافت صدیقی میں ان کی خواہش کے احترام میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا، اور ساتھ ۱۶ جانثاروں کی جماعت روانہ کی جن میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ سیدنا علاء رضی اللہ عنہ کی گورنری کے زمانہ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہاں مؤذن تھے۔ اور خلافت فاروقی میں بھی علاء ہی گورنر تھے حتی کہ ان کی وفات ہوگئی تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قدامہ بن مظعون کو بحرین کا گورنر مقرر کیا مگر انہیں بوجہ معزول کر دیا، اور عثمان بن العاص کو گورنر مقرر کر دیا، گو اس دوران حرمین شریفین بھی آتے رہے۔

(دفاع ابو هريره رضی اللہ عنہ ص۱۶۸ تا ۱۷٤).

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انوار صاحب نے کس دلیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ انہوں نے جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تھا اس وقت وہ بحرین کے گورنر تھے،

اگر انوار صاحب کہہ دیں کہ ہماری دلیل، وهو بالبحرین کے الفاظ ہیں، تو ہم معذرت کے ساتھ عرض کریں گے کہ آپ پہلی فرصت میں کسی فاضل سے، ھدایہ النحو ضرور پڑھیئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ، ھو، ضمیر ہے، یہ بمعنی، گورنر، نہیں آتی، ہاں آپ کے لئے یہ تب مفید ہے کہ جب آپ کسی خارجی دلیل سے یہ ثابت کر دیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین میں جتنی دیر بھی رہے گورنر ہی تھے۔ جب کہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ وہاں مؤذن تھے۔ (فتح الباری ص۲۰۹ ج۲)۔

ثانیا: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جواب سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ ہر مقام پر جائز ہے، حیثما کنتم۔ کے الفاظ کا یہی مفاد ہے مگر آپ اس کے منکر ہیں، کیونکہ جنگل وصحرا میں آپ کے ہاں جمعہ جائز نہیں، الغرض یہ روایت ہمارے موافق اور آپ کے مخالف ہے۔

ثالثا: بالفرق اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب خط لکھا تو آپ بحرین کے گورنر ہی تھے۔ تو اس سے یہ کس طرح ثابت ہوا کہ جمعہ والی کے بغیر نہیں ہوتا اور اقامت جمعہ کے لئے سلطان یا اس کا نائب ہونا ضروری ہے۔

(۴) عن ابی سعید الخدری قال خطبنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فقال ان الله کتب علیکم الجمعة فی مقامی هذا فی ساعتی هذا فی شهری هذا فی عامی هذا الی یوم القیامة من ترکها من غیر عذر مع امام جائر فلا جمع الله له شمله ولا بورك فی امره الا ولا صلوٰة له الا ولا حج له الا ولا برله الا ولا صدقة له۔

(مجمع الزوائد ص١٦٩ ج٢).

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں ایک دن خطبہ دیا تو

فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ فرض فرمایا ہے میری اس جگہ میں اس گھڑی میں میرے اس مہینے میں اس سال میں قیامت تک کے لئے جس نے بلا عذر جمعہ چھوڑا امام عادل یا امام جائر (ظالم) کے ہوتے ہوئے تو اللہ تعالیٰ اسے دلجمعی اور استحکام نصیب نہ فرمائے، اور اس کے کاروبار میں برکت نہ ہو، خبردار ایسے شخص کی نماز قبول نہیں، خبردار ایسے کا حج قبول نہیں، خبردار ایسے شخص کی کوئی نیکی قبول نہیں، خبردار ایسے شخص کا کوئی صدقہ قبول نہیں۔ (حدیث اوراہل حدیث ص ۷۶۷)

الجواب: اولاً یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نماز جمعہ مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی تھی، حدیث میں صاف الفاظ ہیں کہ جمعہ فرض اس جگہ اور اس وقت فرض ہوا ہے ظاہر ہے کہ یہ خطبہ آپ نے مدینہ میں ارشاد فرمایا کیونکہ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بالاتفاق انصاری ہیں۔ جب کہ انوار صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ جمعہ ہجرت سے قبل فرض ہو چکا تھا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۵۷)

اگر انوار صاحب کے نزدیک یہ روایت قابل احتجاج ہے تو ان کا یہ کہنا کہ جمعہ ہجرت سے قبل ہی فرض ہو چکا تھا، غلط ہے بلکہ ان کی یہ دلیل کہ قباء کا جمعہ نہ پڑھنا گاؤں میں عدم صحت جمعہ کی دلیل ہے، اس کے بھی منافی ہے الغرض انوار صاحب کے نزدیک اگر یہ روایت صحیح ہے تو پھر یہ تسلیم کرلیں کہ جمعہ ہجرت کے بعد فرض ہوا ہے، لیکن یہ کبھی بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس روایت پر انوار صاحب کا ایمان صرف حلق کے اوپر اوپر ہی ہے وہ بھی رد وہابیت کے لئے ورنہ اس کے تمام طرق کو سامنے رکھتے تو یہ استدلال بھی نہ کرتے۔

ثانیا: رہا انوار صاحب کا یہ دعویٰ کہ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ نماز جمعہ اور دیگر نمازوں میں فرق ہے اور ترک جمعہ کی وعید تب ہے جب امیر یا نائب موجود ہو، دوسری یہ کہ اقامت جمعہ کے لئے امام یا اس کا نائب ہونا شرط ہے (حدیث اوراہل حدیث ص ۷۷۲)

تو یہ غلط اور باطل ہے کیونکہ یہ روایت سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں وضاحت ہے کہ۔

فمن ترکھا فی حیاتی او بعدی ولہ امام عادل او جائر استخفافا بھا او جحود الھا۔

یعنی جس نے جمعہ کو میری یا میری وفات کے بعد ترک کیا خواہ امام عادل ہو یا ظالم خواہ جمعہ کو حقیر جان کر یا انکار کرکے۔

(ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوت باب فی فرض الجمعۃ، الحدیث ۱۰۸۱، بیھقی ص ۹۰،۱۷۱ ج ۳)۔

ان الفاظ پر غور کریں کہ یہاں وعید امام کے ساتھ جمعہ نہ پڑھنے پر نہیں بلکہ جمعہ کو حقیر جان کر یا اس کا انکار کرکے نہ پڑھنے پر وعید ہے، ظاہر ہے کہ ایک روایت دوسری کی تفسیر کرتی ہے۔ اور اس تفصیلی روایت سے انوار صاحب کا استدلال صرف باطل ہی قرار نہیں پاتا، بلکہ حنفی مذہب کا بھی رد کرتی ہے۔

کیونکہ گاؤں وغیرہ میں جمعہ سے تو انہوں نے ہی انکار کیا ہے لہٰذا وعید کے بھی یہی مستحق ہے۔

ثالثاً: یہ روایت ضعیف ہے، سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی موسیٰ بن عطیہ الباہلی ہے اوراس کا کتب رجال سے پتا نہیں چلتا جیسا کہ ہیثمی نے مجمع الزوائد ص ۱۷۰ ج ۲)، میں اور علامہ البانی نے (ارواء الغلیل ص ۵۴ ج ۳)۔ میں صراحت کی ہے گویا موصوف مجہول الحال ہے۔

پھر موسیٰ نے یہ روایت فضیل بن مرزوق سے نقل کی ہے اور فضیل متکلم فیہ ہے۔شدید قسم کا تشیع تھا امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ صدوق ہے مگر اس سے احتجاج نہ کیا جائے، امام ابن حبان کہتے ہیں کہ عطیہ عوفی سے من گھڑت روایات بیان کرتا ہے۔

(خیر سے یہ روایت بھی عطیہ عوفی سے ہی ہے)۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۹۹ ط ۷)۔

فضیل نے یہ روایت عطیہ عوفی سے نقل کی ہے۔ (طبرانی اوسط ص ۱۲۱ ج ۸، رقم الحدیث ۷۲۴۲)۔

آئمہ جرح وتعدیل نے اس پر سنگین قسم کی جرحیں کی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، صدوق ہے کثرت سے خطائیں کرتا ہے مذہب کے لحاظ سے شیعہ ہے تدلیس کرتا ہے (تقریب ص ۲۴۰) اور سند میں عطیہ نے تحدیث کی صراحت نہیں کی۔

الغرض یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ علامہ البانی نے حکم لگایا ہے۔ (ارواء الغلیل ص ۵۴ ج ۳)۔

(۵) عن القاسم بن الولید قال قال علی لاجمعة یوم الجمعة الامع امام۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۱۳۵ ج ۲)۔

حضرت قاسم بن ولید رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جمعہ کے دن جمعہ جائز نہیں مگر امام کے ساتھ۔ (حدیث اوراہل حدیث ص ۶۷۷)

الجواب: اولاً یہ روایت مرسل ہے کیونکہ قاسم بن ولید تابعین سے روایت کرتا ہے مثلا مجاہد، قتادہ شعبی اور عاصم بن بہدلہ وغیرہ سے۔ (تہذیب ۳۴۰ ج ۸)۔

جو اس کی سند متصل کا دعویٰ کرتا ہے وہ دلیل پیش کرے، الغرض یہ روایت بوجہ ارسال ضعیف ہے۔

ثانیاً: حنفیہ کے نزدیک صحت جمعہ کے لئے اذن امام یا نائب امام بھی کافی ہیں لیکن مذکورہ اثر سے اس مؤقف کی بھی نفی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس اثر کی روشنی میں جمعہ صرف وہاں ہی جائز ہے۔ جہاں سلطان نماز پڑھائے، یا نماز پڑھے، حرف مع معیت کے لئے آتا ہے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے ،ان اللہ مع الصابرین۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(۶) عن الحسن قال اربعة الی السلطان الزکاة والصلاة (الجمعة) والحدود والقضاء)۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۵۵٤ ج ۹)۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چار چیزیں بادشاہ کے ذمہ ہیں زکوۃ (کی

وصولی) نماز (جمعہ) کی اقامت حدود کی اقامت اور قضاء۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۶۸۷)۔

الجواب: اولا تابعی کے قول سے کوئی دینی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔ انوار صاحب کی دلیل نمبر ۲ کے جواب میں خامسا کے تحت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول گزر چکا ہے۔ راجع۔

ثانیا: متن روایت میں جمعہ، کا لفظ قطعا نہیں یہ سب سے پہلے گپ ابن ہمام نے (فتح القدیر ص ۲۲ ج ۵) میں ماری تھی۔ پھر عینی نے (عمدۃ القاری ص ۲۶۹ ج ۳ مطبوعہ قدیم) میں مکھی پر مکھی ماری ہے۔ اور چودھویں صدی کے دیوبندی محقق ظفر احمد تھانوی نے (اعلاء السنن ص ۴۹ ج ۸) میں اندھا اعتماد کیا اور انوار صاحب نے کتب حدیث سے ورق گردانی کی مگر کوئی مرفوع حدیث انہیں دستیاب نہ ہوئی، مزید کوشش کی کسی صحابی کا قول بھی نہ ملا حالانکہ ابن ہمام نے اسے سیدنا ابن مسعود سیدنا ابن عباس سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کی طرف موقوف اور مرفوع منسوب کیا تھا بہرحال انوار صاحب تلاش بسیار کے بعد سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ علیہ تابعی کا قول تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ مگر وائے قسمت! اس میں جمعہ کا لفظ نہ تھا۔ اس میں صرف ،الصلاۃ، ہی تھا انوار صاحب نے بریکٹ میں اپنی طرف سے اس کا اضافہ کردیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محترم اس اثر کا فقط اتنا ہی مقصد ہے کہ بادشاہ وقت زکاۃ نماز حدود اور قضاء کو نافذ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ۔ (الایۃ حج ۴۱)۔

یعنی اگر ہم ان کو قدرت دیں زمین میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ (۲۲-۴۱)۔

الغرض حسن بصری کے قول کا مقصد یہ ہے کہ خلیفہ وقت ان پر عمل کرائے نہ یہ کہ ان اعمال کی صحت کے لئے امامت شرط ہے۔ محترم غور کریں اس میں حسن بصری نے زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا ہے اور آج اگر کوئی ازخود زکوٰۃ دے تو کیا وہ عند اللہ قبول نہ ہوگی؟ اگر ہوگی، یقیناً ہوگی اسی طرح اگر کوئی جمعہ بھی خلیفہ وقت کے بغیر ادا کرے گا تو ہو جائے گا، دلیل وہی آپ والی کہ زکوٰۃ قبول ہے۔

(۷) عن ابن محیریز قال الجمعۃ و الحدود والزکوۃ والفئی الی السلطان۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۵۰٤ ج ۹)

حضرت ابن محیریز رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی اقامت، حدود، زکوٰۃ اور فئے کی وصولی بادشاہ کے ذمہ ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۶۸۷)

الجواب: اولاً یہ محیریز، عبد اللہ بن محیریز رحمہ اللہ علیہ درمیانے درجے کے تابعی ہیں اور تابعین کے اقوال سے کوئی دینی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا، اس کے لئے قرآن وسنت درکار ہیں۔ مگر انوار صاحب قرآن وسنت سے دلائل دینے کی بجائے ادھر ادھر سے اقوال نقل کرتے جاتے ہیں، جو ہم پر حجت نہیں، اپنی

بے بسی اور عاجزی کو چھپانے کے لئے موصوف نے یہ طریقہ واردات پوری کتاب میں اپنایا ہے۔

ثانیاً: سند میں حماد بن سلمہ راوی مختلط ہیں۔ (تقریب ص۸۲) اسے دلیل سے ثابت کیا جائے کہ مروی عنہ نے ان سے اختلاط سے قبل سماع کیا ہے۔ ورنہ یہ روایت ضعیف قرار پائے گی۔

ثالثاً: ایسی روایات سے نماز جمعہ کے لئے خلیفہ کا ہونا شرط ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ گزشتہ روایت میں تفصیل گزر چکی ہے۔

(۸) عن عطاء الخراسانی قال الی السلطان الزکاۃ والجمعۃ والحدود۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ٥٥٤ ج ٩)۔

حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ کے ذمہ ہے زکوٰۃ کی وصولی، جمعہ کی اقامت اور حدود کی اقامت۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۶۸)

الجواب: بلاشبہ جہاں جمعہ قائم نہیں وہاں سلطان اسے جاری کروائے، نہ پڑھنے والوں کو تعزیر دے، یہ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے، اللہ کرے وہ دن آئے کہ یہاں آئین اسلام نافذ ہو جہاں جہاں حنفی نماز جمعہ ادا نہیں کرتے وہاں سلطان ان پر جبر کر کے جمعہ قائم کروائے، یاد رہے کہ یہ ہمارے موافق ہے انوار صاحب بلا وجہ ایسے آثار کو درمیان میں لے آئے ہیں۔ نیکی کی نشر و اشاعت کرنا برائی سے روکنا خلیفہ وقت کا فرض ہے اور کون ہے جو اس سے انکار کرے، مگر اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہی ہے۔ جس کو بادشاہ ادا کرے دوسرا کوئی شخص بھی نیکی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے تو اس کا ایسا کرنا ناجائز اور بیکار ہے۔ دیوبندیوں کی تبلیغی جماعت کس خلیفہ اور بادشاہ کے حکم پر بنائی گئی تھی؟

(۹) عن طارق بن شہاب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ،

(الحدیث ابو داؤد ص۱۵۳ ج ۱)۔

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جمعہ حق ہے۔ واجب ہے۔ ہر مسلمان پر جماعت میں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۶۹)

الجواب: اولاً صحت جمعہ کے لئے جماعت کا ہونا، انوار صاحب نے اس حدیث کی بناء پر شرط قرار دیا ہے ہم بھی مانتے ہیں کہ صحت جمعہ کے لئے جماعت کا ہونا شرط ہے محدث عظیم آبادی۔ فرماتے ہیں، **لاتصح الا بجماعتہ،** یعنی جمعہ بغیر جماعت کے صحیح نہیں۔ (عون المعبود ص۴۱۲ ج۱)۔

اور پوری امت مرحومہ کا اجماع ہے کہ جماعت کے بغیر جمعہ جائز نہیں ہاں جماعت کے عدد میں اختلاف ضرور ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (فتح الباری ص۳۳۸ ج۲) میں پندرہ مذاہب بیان کئے ہیں

ہمارے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ جتنے افراد سے جماعت ہوسکتی ہے اتنے افراد صحت جمعہ کے لئے کافی ہیں۔

ثانیاً: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، مگر انوار صاحب صرف شہری پر ہی فرض بناتے ہیں، دیہاتی لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں حالانکہ حدیث میں شہری و دیہاتی کی کوئی تقسیم نہیں، آپ احادیث کو صرف رد وہابیت کے لئے نہ پڑھا کریں، اس پر عمل کرنے کی نیت بھی کرلیا کریں۔ اس سے اللہ تعالیٰ آپ پر دنیا و آخرت میں برکات ورحمتیں نازل کرے گا۔ انشاء اللہ، تجربہ کرکے دیکھ لیں اللہ تعالیٰ آپ کو تقلید جیسی موذی اور متعدی مرض سے شفا دے گا۔

(۱۰)عن ام عبد الله الدوسية قالت قا ل رسول اللهﷺ الجمعة واجبة على كل قرية وان لم يكن فيها الاا ربعة يعني بالقرى المدائن۔

(دارقطنی ص۷ ج۲)۔

حضرت ام عبد اللہ دوسیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ واجب ہے ہر قریہ والوں پر اگر چہ اس میں چار ہی آدمی کیوں نہ ہوں اور قریہ سے مراد شہر ہے۔

(حدیث اوراھل حدیث ص۷۶۹)

الجواب: اولا ثابت ہوا کہ جس قریہ میں چار فرد بھی ہوں وہاں کے رہنے والوں پر جمعہ فرض ہے، آگے جو قریہ کی تفسیر شہر ہے وہ راوی روایت کی تفسیر ہے۔ مرفوع نہیں۔ جو متن روایت کے خلاف ہے۔ کیونکہ شہر ایسے نہیں ہوا کرتے جس میں چار ہی افراد رہائش پذیر ہوں، اگر انوار صاحب یہ کہہ دیں کہ چار افراد سے مراد چار مسلمان ہیں، یعنی باقی شہر تو کافر ہو مگر اس شہر میں صرف چار ہی مسلمان ہوں، تو تب بھی ان پر جمعہ پڑھنا فرض ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دار الحرب اور دار الکفر میں نماز جمعہ پڑھنا واجب ہے حالانکہ فقہ حنفی کے مطابق دارالحرب اور کافروں کے شہروں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں، مولوی احمد رضا خاں بریلوی لکھتا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ جمعہ اسلامی حکم ہے اس کے لئے اسلامی شہر ہونا ضرور ہے ولہٰذا دار الحرب میں اصلاً جمعہ نہیں اگر چہ کتنے ہی بڑے امصار عظام کبار ہوں جس میں دس لاکھ آدمیوں کی آبادی ہو۔

(فتاویٰ رضویہ ص۳۶۸ ج۸)۔

اور شہر کے اسلامی ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ یا تو فی الحال اس میں سلطنت اسلام ہو خود مختار جیسے بحمد اللہ تعالیٰ سلطنت علیہ عثمانیہ ودولت خداداد، افغانستان حفظہما اللہ تعالیٰ عن شرور الزمان یا کسی سلطنت کفر کی تابع جیسے اب چند روز سے سلطنت بخارا، اور اگر فی الحال نہ ہو تو دو باتیں ضرور ہیں ایک یہ کہ پہلے اس میں سلطنت اسلامی رہی ہو، دوسرے یہ کہ جب سے قبضہ کافر میں آئی شعار اسلام مثلا

جمعہ و جماعت و اذان و اقامت وغیرہا کلا یا بعضا برابر اس میں اب تک جاری رہے ہوں جہاں سلطنت اسلامی کبھی نہ تھی نہ اب ہے۔ وہ اسلامی شہر نہیں ہو سکتے نہ وہاں جمعہ و عیدین جائز ہوں، اگرچہ وہاں کے کافر سلاطین شعائر اسلامیہ کو نہ روکتے ہوں، اگرچہ وہاں مساجد بکثرت ہوں اذان و اقامت جماعت علی الاعلان ہوتی ہوں اگرچہ عوام اپنے جہل کے باعث جمعہ و عیدین بلا مزاحمت ادا کرتے ہوں، جیسے کہ روس، و فرانس، و جرمن، پرتگال وغیرہا اکثر شاید کل سلطنت ہائے یورپ کا یہی حال ہے۔ یونہی اگر پہلے سلطنت اسلامی تھی پھر کافر نے غلبہ کیا اور شعائر کفر جاری کر کے تمام شعائر اسلام یکسر اٹھا دیئے تو اب وہ شہر بھی اسلامی نہ رہے اور جب تک پھر از سر نو ان میں سلطنت اسلامی نہ ہو وہاں جمعہ و عیدین جائز نہیں ہو سکتے اگرچہ کفار غلبہ یافتہ ممانعت کے بعد بطور خود شعائر اسلام کی اجازت دے دیں خواہ ان کافروں سے دوسرے کافر چھین کر اجرائے شعائر اسلام کر دیں۔

(فتاویٰ رضویہ ص۷۱۶ ج۳ طبع قدیم و ص۳۷۹ ج۸ طبع جدید)۔

ان دونوں عبارات کو ملاحظہ کریں جو نتیجہ نکلتا ہے وہ اتنا صاف اور روشن ہے کہ کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں، پورے یورپ اور افغانستان و عراق جیسے دار الحرب میں جمعہ حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ شہر کی تعریف میں اس قدر شروط و قیود حنفیہ نے لگائی ہیں کہ مفتی کفایت اللہ صاحب نے صاف لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ۔

یہ صحیح ہے کہ حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ نماز جمعہ کے لئے مصر شرط ہے، گاؤں میں نماز جمعہ نہیں ہوتی، لیکن مصر کی تعریف میں جو تدریجی تنزل فقہاء و مشائخ حنفیہ کرتے رہے ہیں وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ پہلے ظاہر روایت کی بنا پر مصر کی تعریف یہ تھی کہ مصر وہ مقام ہے کہ جہاں امیر اسلام ہو اور حدود شرعیہ کی تنفیذ اور احکام اسلام کا اجراء ہو، ظاہر ہے کہ اگر اس تعریف کا اعتبار کیا جائے تو آج دہلی، لاہور، اور ہندوستان کے کسی بڑے سے بڑے شہر میں بھی جمعہ جائز نہیں کیونکہ اس تعریف کے بموجب کوئی شہر مصر نہیں اس لیے فقہاء کرام نے امام ابو یوسف کی دوسری تعریف، **مالا یسمع اکبر مساجدہ اهله المكلفين بها،** کو معتبر اور محمول اور مفتی بہ بنالیا، اور فقہاء کا خود اقرار ہے کہ یہ تعریف بہت سے قریٰ پر صادق آتی ہے۔ **وھذا یصدق علی کثیر من القریٰ** (رد المختار) پس اگر مسؤل عنہ موضع پر یہ تعریف صادق آتی ہو کہ اس میں کم از کم دو مسجدیں ہوں، اور ان میں سے سب سے بڑی مسجد میں موضع کے مکلفین بالجمعۃ نہ سما سکیں تو اس میں مذہب حنفی مفتی بہ کے موافق نماز جمعہ جائز ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول اور ان سے جو تعریف مصر مروی ہے اس کے موافق تو دہلی اور لاہور میں بھی (جمعہ) جائز نہیں (کفایت المفتی ص۲۰۶ ج۳ مطبوعۃ مکتبہ حقانیہ ملتان)

مقلدین کی غیر مقلدی دیکھتے جانا کہ صاف اعتراف کرلیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مطابق تو لاہور

خطبہ نہ پائے۔ (نہ حقیقتاً نہ حکماً) وہ چار رکعتیں پڑھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۷۰)

الجواب: اولاً حنفیہ کے لئے صحت جمعہ کے لئے جماعت میں چار آدمی بمع امام ہونے شرط ہیں جب کہ خطبہ میں ان کے نزدیک ایسی کوئی قید نہیں، خطبہ کو یہ واجب تو کہتے ہیں مگر اس میں عدد کے قائل نہیں، اگر مذکورہ روایت درست تسلیم کی جائے تو حنفیہ کے مؤقف کی نفی ہوتی ہے۔ اس سے جان چھڑانے کے لئے انوار صاحب نے یہ مخلص تلاش کیا ہے کہ، نہ حقیقتاً نہ حکماً، لکھ دیا ہے۔ حالانکہ ان کے نزدیک جمع بین الحقیقۃ والمجاز باطل ہے جیسا کہ پہلے بھی عرض کر دیا گیا ہے۔ لہذا اس روایت سے حقیقتاً ہی خطبہ مراد لیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ دو رکعت کے قائم مقام ہے۔ اور حکماً مراد لینا غلط ہے اور ایک ہی وقت میں دونوں مراد لینا اغلط ہے، لہٰذا انوار صاحب پہلے اپنی پوزیشن صاف کریں، اور وضاحت کریں کہ اگر امام کے ساتھ خطبہ نہ ملے صرف جماعت میں شامل ہو تو آیا اس کا جمعہ ہو جاتا ہے؟ اگر انوار صاحب یہ کہہ دیں کہ جمعہ ہو گیا (جیسا کہ حنفیہ کا مؤقف ہے) تو یہ مؤقف مذکورہ اثر کے خلاف ہے، کیونکہ صاف وضاحت ہے کہ خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے۔ جو خطبہ نہ پائے وہ چار رکعت ادا کرے، لہٰذا یہ آپ کے بھی خلاف ہے، فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

ثانیاً: یہ روایت منقطع ہے۔ ابن ابی شیبہ کی سند میں، یحییٰ بن ابی کثیر، راوی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بیان کر رہا ہے اور یحییٰ نے صرف سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کسی صحابی سے ملاقات اور سماع ثابت نہیں۔ (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۲۴۴)۔

جب کہ عبد الرزاق کی سند میں، عمرو بن شعیب، راوی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں اور عمرو کی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے۔ (ایضاً ص ۱۴۸)۔

الغرض یہ روایت منقطع ہے جیسا کہ علامہ البانی نے حکم لگایا ہے۔

(ارواء الغلیل ص ۷۲ ج ۳ رقم الحدیث ۶۰۵)۔

(۱۳) عن ابن شہاب قال بلغنی انہ لاجمعۃ الا بخطبۃ فمن لم یخطب صلی الظھر اربعا۔

(المدونہ الکبریٰ ص ۱۵۸ ج ۱)۔

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جمعہ خطبہ کے بغیر جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جو خطبہ نہ پائے وہ ظہر کی چار رکعت پڑھے۔

(۱۴) عن سعید بن جبیر قال کانت الجمعۃ اربعا فحطت رکعتان للخطبۃ۔

(المدونہ الکبریٰ ۱۵۸ ج ۱)۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جمعہ کی چار رکعتیں تھیں دو خطبے کی وجہ سے کم ہوگئیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ۷۷۰)

الجواب: اولاً روایت ابن شہاب مرسل ہے۔ اوران سے روایت کرنے والا راوی یونس ہے اور اس کی ابن شہاب سے مرویات میں وہم قلیل ہے (تقریب ص۳۹۱) دوسری روایت میں خصیف بن عبدالرحمٰن راوی سیئی الحفظ اور مختلط ہے، (تقریب ص۹۲) مزید یہ کہ سفیان کی تدلیس کا بھی شبہ ہے۔ علاوہ ازیں خود مدونہ کتاب کی سند بھی مخدوش ہے۔

ثانیاً: ان دونوں روایات سے حنفیہ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا بلکہ دونوں آثار ان کے خلاف ہیں۔ کیونکہ ان میں خطبہ نہ ملنے پر نماز ظہر ادا کرنے کا کہا گیا ہے، حالانکہ حنفیہ کے نزدیک تشہد میں بھی شامل ہوگیا تو جمعہ ہوگیا۔(فتاویٰ دارالعلوم دیو بند ص۴۲ ج ۵)۔ اس اعتراض سے جان چھڑاتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں،ایک بات کی وضاحت ضروری ہے، وہ یہ کہ ایک تو خطبہ کا نہ پانا حقیقۃً ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مسجد میں اس وقت آئے جب کہ خطبہ ختم ہو چکا ہے اس صورت میں اس شخص نے حقیقتہ خطبہ نہیں پایا، اور ایک خطبہ کا نہ پانا حکما ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اس وقت آئے جبکہ نماز جمعہ ہو چکی ہو، اس صورت میں اس شخص نے خطبہ جمعہ نہ حقیقتا پایا نہ حکما کیونکہ جو شخص جماعت میں شریک ہوجاتا ہے۔ وہ اتباع امام کی وجہ سے حکما خطبہ کو پالیتا ہے۔ اور اس کی نماز ہوجاتی ہے، اس لئے ہم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اورحضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث کے ترجمہ میں خطبہ کے حقیقتہ اورحکما دونوں طرح نہ پانے کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ ان حضرات کے دیگر فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ دوسری بھی ملالے اور اس کا جمعہ ہوگیا، حالانکہ خطبہ تواس کا رہ گیا وجہ ظاہر ہے کہ خطبہ رہ گیا لیکن حکما ہوگیا۔ (حدیث اوراہل حدیث ۶۷۷)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ تقسیم مذکورہ آثار میں موجود ہے۔ جواب یقیناً نفی میں ملے گا۔رہا یہ امر کہ ان کے دیگر فرامین کے پیش نظر انوار صاحب نے یہ توجیح کی ہے۔اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ فتویٰ صرف عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر یہ حنفیہ کے خلاف ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں۔جس نے ایک رکعت پالی اس نے جمعہ پالیا اور جس نے ایک رکعت بھی نہ پائی وہ چار رکعت (نماز ظہر) پڑھے۔

(طبرانی کبیر ۳۰۹ ج۹ رقم الحدیث ۹۵۴۶ مصنف عبد الرزاق ص۲۳۵ج۳ رقم الحدیث ۵۴۷۷، ومصنف ابن ابی شیبہ ص۱۲۸ ج ۱)۔

دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔

جس کی دوسری رکعت بھی فوت ہوجائے وہ چار رکعت (نماز ظہر) پڑھے۔

(طبرانی کبیر ص۳۰۹ ج۹،رقم الحدیث ۹۵۴۹ و مصنف عبدالرزاق ص۲۳۵ ج۳ رقم الحدیث ۵۴۷۹)۔

دلیل سے صرف خطبہ ہی شرط نہ قرار پائے گا بلکہ کھڑے ہو کر خطبہ دینا, دو خطبے دینے ان دونوں کے درمیان بیٹھنا بھی فرض قرار پائے گا کیونکہ کسی حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں کہ نبی علیہ السلام دو خطبوں کے درمیان بیٹھے نہ ہوں، یا صرف ایک ہی خطبہ دیا ہو یا بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا ہو، لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ اس دلیل سے خطبہ تو شرط قرار پائے گا مگر ،اذان، کھڑے ہو کر خطبہ دینا، دونوں کے درمیان بیٹھنا واجب بھی تسلیم نہ کیا جائے اسے صرف سنت قرار دیا جائے، یہ اعتراض امام ابن حزم نے آج سے ایک ہزار سال پہلے حنفی سپوتوں پر کیا تھا۔ (المحلی ص ۲۶۳ ج ۳)۔

مگر مجال ہے کسی حنفی مائی کے لال کو اسے چھیڑنے کی ہمت ہوئی ہو۔

اس کے باوجود یہ کہتے چلے جاتے ہیں کہ اساطین علم کی محنتوں پر پانی پھیر رہے ہیں، اور یہ کہ حدیث کی مخالفت ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۸۰)

محترم ہم کسی حدیث کی مخالفت نہیں کرتے، اور نہ ہی اساطین کی محنتوں پر پانی پھیرتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ آپ کی پہلی دونوں شرطیں قرآن و سنت سے ثابت نہیں خطبہ و جماعت کو ہم بھی سنت مؤکدہ تسلیم کرتے ہیں، شاید آپ کے نزدیک سنت تسلیم کرنا حدیث کا انکار کرنا ہے۔ محترم انکار تو تب ہوتا جب ہم ان کی حیثیت کو ہی تسلیم نہ کرتے، لیکن ہم تو اسے سنت تسلیم کرتے ہیں شاید آپ کے نزدیک سنت کی کوئی اہمیت نہیں یہ صرف لفظی اختلاف ہے، معنوی اختلاف نہیں، اگر معنوی اختلاف ہوتا تو ہم نماز جمعہ کو خطبہ اور جماعت کے بغیر بھی ادا کرنے کے قائل ہوتے، مگر ایسا ہرگز نہیں یہ بات ملحوظ رہے کہ ہمارے نزدیک عبادت وہی ہے جو سنت کے مطابق ہے، خلاف سنت عبادت کو ہم عبادت ہی تسلیم نہیں کرتے، اور نہ ہی وہ عند اللہ قبول ہے، ہمارے لیے صرف یہی کافی ہے کہ ہمارے پیارے نبی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔ اس سے آگے حضور کے فعل کو فقہی اصطلاحات پر تقسیم کرنے کے ہم قائل نہیں کہ عبادت کا یہ حصہ فرض ہے اتنا حصہ واجب اور بقایا سنت ہے بلکہ ہمارے نزدیک پورے طریقے کی اہمیت ایک جیسی ہے، اورہم، صلوا کما رایتمونی اصلی، پر عمل پیرا ہیں، خطبہ و جماعت کے لئے سنت کا لفظ بھی صرف ہم نے آپ کی تفہیم کے لئے لکھ دیا ہے۔ ورنہ ہمارے نزدیک اذان جمعہ سے لے کر نماز جمعہ کے سلام پھیرنے تک ایک ہی حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ پڑھنے کا حکم دیا اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے امت کو کر کے دکھا دیا، یہ عملی تفسیر ہم من وعن قبول کرتے ہیں، اس میں کسی حک و اضافہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اسے آپ سفہاء کا مؤقف قرار دیں یا سادگی سے تعبیر کریں ہمیں کسی چیز کی کوئی پرواہ نہیں، ہاں ہم اتنا ضرور عرض کرتے ہیں کہ اگر نماز جمعہ کے لئے مصر جامع اور امیر یا اس کی اجازت اور اذن عام ہونا شرط ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے بیان کرتے یا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم وضاحت کرتے، ہمارا رب بھول جانے سے پاک ہے اور ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام احکام شرعیہ کو پہنچانے میں غلطی سے مبرا تھے۔ لہٰذا یہ شروط حنفیہ کی اختراعات ہیں۔

(٦٨) باب نماز جمعہ کا وقت

فصل اول

(۱) **عن سهل بن سعد قال ما كنا نقيل ولا نتغدى الا بعد الجمعة۔**

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صبح کا ناشتہ اور دوپہر کا آرام نماز جمعہ پڑھ کر کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الجمعة باب قول الله تعالیٰ فاذا قضیت...... الحدیث ۹۳۹)۔

(۲)**عن سهل قال ما كنا نقيل ولا نتغَدّى الا بعد الجمعة، زاد ابن حجر، فی عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔**

سیدنا سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صبح کا کھانا اور دوپہر کا آرام نماز جمعہ پڑھ کر کرتے تھے۔

(مسلم کتاب الجمعة باب صلاة الجمعة حین تزول الشمس الحدیث ۱۹۹۱)۔

(۳) **عن سهل بن سعد قال ماكنا نتغدى فی عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ولا نقيل الا بعد الجمعة۔**

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ کرام) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صبح کا کھانا اور دوپہر کا آرام نماز جمعہ پڑھ کر کرتے تھے۔

(ترمذی کتاب الجمعة باب فی القائلة یوم الجمعه، الحدیث ۵۲۵)۔

نوٹ: غداء عربی زبان میں اس کھانے کو کہتے ہیں جو طلوع آفتاب کے بعد اور زوال سے پہلے پہلے کھایا جائے۔ **هو طعام يو كل اول النهار۔**

(مجمع بحار الانوار ص۱۷ ج ٤) (لسان العرب ص۱۱۸ ج۱۵، تاج العروس ص۲٦۳ ج ۱۰)۔

(۴) **حدثنا اياس بن سلمة بن الاكوع قال حدثنی ابی قال وكان من اصحاب الشجرة قال، كنا نصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الجمعة ثم ننصرف وليس للحيطان ظل نستظل فيه۔**

امام ایاس رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سیدنا سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

جو بیعت رضوان میں شامل تھے آپ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جمعہ کی نماز پڑھتے پھر ہم فارغ ہوکر واپس آتے تو ابھی تک دیواروں کا سایہ نہیں ہوتا تھا۔ جس کی اوٹ میں ہم سایہ پکڑتے (یعنی اس کے سایہ میں چل کر دھوپ سے بچتے)

(بخاری کتاب المغازی باب غزوة الحديبة الحديث ٤١٦٨، مسلم کتاب الجمعة باب صلاة الجمعة حین تزول الشمس الحدیث ۱۹۹۳)۔

(۵) عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ قال كنا نبكر بالجمعة و نقيل بعد الجمعة۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نماز جمعہ سویرے پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور جمعہ کے دن نماز کے بعد دوپہر کا آرام کرتے تھے۔

(بخاری کتاب الجمعة باب وقت الجمعة اذا زالت الشمس الحديث ۹۰۵)۔

(۶) عن انس بن مالك قال كنا نصلي مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الجمعة ثم نرجع الى القائلة فنقيل۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھتے پھر قیلولہ کرنے کی جگہ پر آکر آرام کرتے۔

(مسند احمد ۲۳۷ ج ۳)۔

(۷) عن جعفر عن ابيه انه سال جابر بن عبد الله، متى كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يصلي الجمعة؟ قال كان يصلي ثم نذهب الى جمالنا فنريحها، زاد عبد الله في حديثه حين تزول الشمس۔

امام جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز کس وقت پڑھتے تھے، انہوں نے فرمایا جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام جمعہ پڑھ لیتے تب ہم جاتے اور اپنے اونٹوں کو آرام دیتے تھے, راوی حدیث عبد اللہ نے اپنی روایت میں یہ الفاظ زیادہ بیان کئے ہیں کہ سورج ڈھلتے ہی اونٹوں کو آرام دیتے۔

(مسلم كتاب الجمعة باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس, الحديث ۱۹۹۰)۔

(۸) ثنا جعفر بن محمد عن ابيه قال، سالت جابرا متى كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يصلي الجمعة؟ قال كنا نصليها مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ثم نرجع فنريح نواضحنا۔ قال جعفر واراحة النواضح حين تزول الشمس۔

امام جعفر اپنے والد امام محمد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ کب پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھ کر جب لوٹتے تو اپنے اونٹوں کو آرام دیتے تھے، امام جعفر فرماتے ہیں کہ اونٹوں کو آرام سورج ڈھلنے پر دیتے تھے۔

(مسند احمد ۳۳۱ ج ۳)۔

(۹) عن عبد الله بن سيدان السلمى قال،شهدت يوم الجمعة مع ابى بكر و كانت صلاته وخطبة قبل نصف النهار،ثم شهدتها مع عمر وكانت صلاته وخطبته الى أن أقول انتصف

النهار، ثم شهدت مع عثمان فكانت صلاته وخطبته الى ان اقول زال النهار، فما رايت احد عاب ذلك ولا انكره۔

تابعی کبیر عبد اللہ بن سیدان سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن سیدنا ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے حاضر ہوا، آپ رضی اللہ عنہ کا خطبہ اور نماز جمعہ نصف النہار (زوال) سے پہلے تھا، پھر میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے حاضر ہوا، تو ان کی نماز اور خطبہ جمعہ اس وقت تھا کہ میں کہتا تھا کہ نصف النہار (زوال) ہو چکا ہے، پھر میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنے کے لئے حاضر ہوا، تو ان کی نماز اور خطبہ یہاں تک تھا کہ میں کہتا تھا کہ دن ڈھل چکا ہے۔ اور میں نے نہیں دیکھا کسی ایک کو بھی جو اس پر حرف گیری کرتا ہو یا انکار کرتا ہو۔

(سنن دارقطنی ص۱۷ ج۲,مصنف ابن ابی شیبه ص۱۰۷ ج۲)۔

(۱۰) عن عبد الله بن سلمة قال صلى بنا عبد الله الجمعة ضحى وقال خشيت عليكم الحر۔

امام عبد اللہ بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دوپہر سے پہلے نماز جمعہ پڑھائی اور کہا کہ میں تم پر گرمی کا خوف کھاتا ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۰۷ ج۲)۔

(۱۱) عن سعيد بن سويد قال صلى بنامعاوية الجمعة ضحى۔

امام سعید بن سوید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے نماز جمعہ دوپہر سے پہلے پڑھائی۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۰۷ ج۲)۔

(۱۲) عن مصعب ابن سعد قال كان سعد يقيل بعد الجمعة۔

امام مصعب ابن سعد فرماتے ہیں کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نماز جمعہ کے بعد دوپہر کا آرام کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۱۰٦ ج۲)۔

(۱۳) عن سعد الانصارى قال كنا نجمع مع عثمان بن عفان ثم نرجع فنقيل۔

امام سعد الانصاری فرماتے ہیں کہ ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ کر لوٹتے تو دوپہر کا آرام کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۰٦ ج۲)۔

(۱۴) عن ابن عمر كنا نجمع ثم نرجع فنقيل۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم جمعہ پڑھ کر جب لوٹتے تو تب دوپہر کا آرام کرتے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۰۷ ج ۲)۔

ان احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ نماز جمعہ زوال سے پہلے بھی پڑھی جاسکتی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ہم غداء کا کھانا نماز جمعہ پڑھ کر کھاتے تھے، اور غداء، اس کھانے کو کہتے ہیں جو زوال سے پہلے کھایا جائے۔ اسی حدیث میں بیان ہے کہ ہم دوپہر کا آرام نماز جمعہ کے بعد کرتے تھے۔ حدیث میں اس کے لے، نقیل کا لفظ آیا ہے۔

اور قیلولہ، نصف النہار کے آرام کے بعد کو کہتے ہیں گو اس کے ساتھ نیند آئے یا نہ آئے۔

(دیکھئے لسان العرب ص۵۷۷ ج ۱۱، تاج العروس ص ۹۲ ج ۸)۔

پھر صحابی کہتا ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ کر واپس آتے تو دیواروں کا سایہ بھی نہ ہوتا تھا، گو ان احادیث کی توجیہات کر کے زوال کے بعد جمعہ ادا کرنے کی احادیث سے موافقت ثابت کی گئی ہے۔ لیکن بہر حال یہ مسئلہ سلف صالحین میں مختلف فیہ تھا، اور حدیث نمبر ۷ سے ثابت ہو رہا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زوال سے پہلے نماز جمعہ پڑھایا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عین زوال کے وقت پڑھایا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت پر یہ جرح کی ہے کہ ابن سیدان راوی ضعیف ہے لیکن دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا محمد انور شاہ صاحب کاشمیری فرماتے ہیں کہ، حافظ کا یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عبد اللہ بن سیدان کبار تابعین میں سے ہے۔

اور حافظ ابن عبد البر نے ان کو صحابہ میں سے شمار کیا ہے، اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو سند کی بنیاد پر رد نہیں کیا جاسکتا۔

(بحوالہ درس ترمذی ۲۷۸ ج ۲)۔

گو آگے انہوں نے اس روایت کی تاویل کی ہے۔ مگر صحت کو تسلیم کر لیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام مجاہد عید کے وقت میں جمعہ پڑھنے کو جائز کہتے ہیں امام احمد فرماتے ہیں زوال سے پہلے پڑھنا جائز ہے، ابن منذر نے امام عطاء بن ابی رباح اور اسحاق سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ اور ماوردی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دن کی ساتویں ساعت میں پڑھنا نقل کیا ہے، ابن قدامہ فرماتے ہیں۔ کہ جمعہ کا ابتدائی وقت نماز عید کا وقت ہے امام جرمی فرماتے ہیں کہ سیدنا ابن مسعود سیدنا سعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہم زوال سے پہلے جمعہ پڑھنا مروی ہے قاضی اور اس کے ساتھی کہتے ہیں کہ عید کے وقت میں ادا کرنا جائز ہے۔ اور یہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مروی ہے۔

(عمدۃ القاری ص ۲۹۰ ج ٦ مطبوعۃ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)۔

انوار صاحب نے نواب صاحب کا قول، الروضۃ الندیۃ، سے نقل کر کے ایک مکمل باب تحریر کیا ہے،

اور علمائے حدیث کو مطعون کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ حالانکہ ان کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ ان دلائل کا بھی ذکر کرتے اور ان کا کوئی معقول جواب دیتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ و عمل کو بھی زیر بحث لا کر حق محنت ادا کرتے صرف نواب صاحب ہی گردن زدنی کیوں ہیں؟

فصل دوم

(۱) عن انس بن مالك ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كان يصلى الجمعة حين تميل الشمس۔

(بخاری ص ۱۲۳ ج ۱)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا (حدیث اور اہل حدیث ۷۸۱)

الجواب: محترم نے وضاحت نہیں کہ کہ يصلى الجمعة، سے نماز جمعہ مراد ہے یا خطبہ؟ اگر خطبہ مراد لیتے ہیں تو صلی بمعنیٰ خطاب لغت سے ثابت کریں اور اگر صلی سے مراد نماز لیتے ہیں تو یہ ان کے خلاف ہے، کیونکہ آگے، حين تميل الشمس، کے الفاظ ہیں، حاصل مطلب یہ نکلا کہ نماز جمعہ سورج ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اذان و خطبہ کس وقت ہوتا تھا؟ جب علیہ السلام منبر پر تشریف لاتے تب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان کہتے۔

(نسائی رقم الحدیث ۱۳۹۵، مسند احمد ص ٤٤١ ج ٣)۔

اور آپ علیہ السلام دو خطبے ارشاد فرماتے ان کے درمیان بیٹھتے، لوگوں کو قرآن سناتے نصیحت کرتے تھے۔ (بخاری ص ۱۲۵ ج ۱ مسلم ۲۸۳ ج ۱)۔ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کو احناف آرام پر محمول کرتے ہیں، یہ تب ہی درست ہے جب خطبہ کو لمبا تسلیم کیا جائے۔

ثابت ہوا کہ اذان و خطبہ اور وعظ و نصیحت زوال سے پہلے ہوتے تھے۔ اور سورج ڈھلتے ہی نماز جمعہ ادا کر لی جاتی تھی، حالانکہ حنفی ہمیشہ ایک بجے سے پہلے خطبہ شروع نہیں کرتے اور نماز تو یہ دو اڑھائی بجے کے لگ بھگ ادا کرتے ہیں۔

پچھلے رمضان کی بات ہے کہ خاکسار جمعہ کے روز نماز عصر پڑھ کر نارنگ موڑ گیا تو دیوبندی مکتب فکر کے علامہ طاہر ندیم صاحب نماز جمعہ ادا کر کے سڑک کے کنارے دوستوں کے ساتھ جا رہے تھے۔ ٹائم تقریباً سوا تین بجے کا تھا، ممکن ہے میں جلدی چلا گیا یا وہ نماز پڑھ کر تھوڑی دیر مسجد میں ٹھہر گئے ہوں، بہر حال حنفی جب سردی کے ایام میں بھی نماز جمعہ پڑھ کر فارغ ہوتے ہیں تو وقت اڑھائی کے قریب ہوتا، بریلوی حضرات کی حالت اس سے بھی گئی گزری ہے، تو کیا یہ سب، حين تميل الشمس کا وقت ہوتا ہے؟ ہمارے خلاف شور مچانے والو! اپنی حالت پر بھی غور کرو۔ ہمیں نصیحت کرنے اور دعوت

فکر دینے سے پہلے اپنی حالت بھی سنواریں۔

(۲) عن ایاس بن سلمة بن الاکوع عن ابیه قال کنا نجمع مع رسول اللهﷺ اذا زالت الشمس ثم نرجع نتتبع الفئی۔

(مسلم ص۲۸۳ ج۱)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ایاس اپنے والد سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ ادا کرتے جب کہ سورج ڈھل جاتا، پھر ہم سایہ تلاش کرتے ہوئے لوٹتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۸۱)

الجواب: گویا سورج ڈھلتے ہی نماز جمعہ پڑھ لیتے تھے، جب واپس جاتے تو دیواروں کا سایہ اتنا نہ ہوتا کہ ہم اس میں چل سکتے، اس لئے **نتتبع الفئی**، سایہ تلاش کرتے جاتے، ایمان سے کہنا جب حنفی نماز جمعہ پڑھ کر گھروں کو جاتے ہیں تو یہی وقت ہوتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ محترم زوال سے قبل نماز جمعہ کو پڑھنا نہ تسلیم کریں، مگر اس سنت پر تو عمل کرلیں، اذان و خطبہ زوال سے پہلے ہی شروع کر دیں اور سورج ڈھلتے ہی نماز جمعہ پڑھ لیا کریں، عوام جب واپس جارہے ہوں تو انہیں دیواروں کے سائے میں چلنے کے لئے سایہ نہ ملے۔

انوار صاحب نے یہاں بھی ڈنڈی ماری ہے، یہ وضاحت نہیں کی کہ اذان و خطبہ کب ہوتا، اگر اس کی وضاحت کرتے تو بات کھل جاتی، واضح رہے کہ **نجمع**، کا معنی ہے **نصلی الجمعة** ہے، (فتح الملہم ص۴۰۲ ج۲)۔ یعنی نماز جمعہ اس وقت پڑھتے، **اذا زالت الشمس**، جب سورج ڈھل جاتا، اس سے ثابت ہوا کہ نماز جمعہ سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی ادا فرمایا کرتے تھے۔ اس کی تائید بخاری کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جو ہم فصل اول میں حدیث نمبر ۴ کے تحت درج کر آئے ہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ **احتج بهذا الحدیث من جوز صلاة الجمعه قبل الزوال**، یعنی اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے اس نے جو زوال سے پہلے جمعہ پڑھنے کو جائز کہتے ہیں۔

(عمدة القاری ص۲۹۶ ج۱۱ کتاب المغازی زیر حدیث نمبر۴۱۶۸)۔

الغرض یہ حدیث انوار صاحب کے تقلیدی مذہب کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں سورج ڈھلتے ہی نماز جمعہ ادا کرنے کا بیان ہے۔ ظاہر ہے اذان جمعہ اور خطبہ وغیرہ زوال سے قبل شروع کرنا ثابت ہے۔ اور یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے۔

(۳) عن جابر کان رسول اللهﷺ اذا زالت الشمس صلی الجمعة

(معجم طبرانی اوسط بحواله التلخیص الحبیر ص۵۹ ج۲)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج ڈھل جاتا تھا تو جمعہ پڑھتے تھے۔

(حدیث اوراہل حدیث ص۷۸۱)

الجواب: حدیث کے اگلے الفاظ ہیں، **فنرجع وما نجد فیئا نستظل به۔**

(المعجم الاوسط للطبرانی ص۲۲۷ ج۷ رقم الحدیث ٦٤٣٩).

ہم واپس آتے تو ہمیں سایہ نہ ملتا کہ جس میں ہم چلتے۔

(ترجمہ مولوی عبد القیوم دیوبندی مندرجہ توضیح السنن ص۵۲۸ ج۲)۔

یہ الفاظ چونکہ انوار صاحب کے مخالف تھے، اس لئے انہوں نے متن روایت کو مکمل نقل نہیں کیا، پھر تحریف کے الزام سے بچنے کے لئے یہ ہوشیاری کی ہے کہ بحوالہ نقل کی ہے تاکہ اگر کوئی تحقیق کرے تو اس پر تحریف واضح نہ ہو، یہ دینی خدمت نہیں بلکہ تدلیس ہے ممکن ہے، کہ انوار صاحب یہ کہہ دیں کہ یہ الزام تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر بھی عائد ہوتا ہے ہم کہتے ہیں کہ حافظ کا دامن اس تحریف سے پاک ہے، کیونکہ وہ یہ بحث ہی نہیں کر رہے جو انوار صاحب نے اٹھائی ہے، مزید یہ کہ مجمع الزوائد تو انوار صاحب کے پاس پڑی تھی، کیونکہ بار بار اس سے موصوف روایات نقل کرتے ہیں اس سے نقل کرتے آثار السنن بھی ان کے پیش نظر تھی۔ بلکہ اس کتاب کو انہوں نے بنیاد بنا کر کتاب تحریر کی ہے ان کتب کی بجائے تلخیص کا حوالہ محض بدنیتی سے دیا گیا ہے۔

الغرض انوار صاحب نے متن روایت کو مکمل اس لئے نقل نہیں کیا کہ یہ ان کے خلاف تھا۔ کیونکہ پوری حدیث کو سامنے رکھا جائے تو بات صاف ہوجاتی ہے کہ سورج ڈھلتے ہی نماز جمعہ کو ادا کرلیا جاتا، جب صحابہ گھروں کو واپس جاتے تو سایہ نہ ہوتا تھا۔ یعنی مغرب کی طرف سورج اتنا ڈھلا ہوتا کہ تھوڑا سا سایہ ہوتا، اس کی اوٹ میں چلا نہ جاسکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز حنفیہ کے خلاف ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب اذان اور خطبہ کی ابتداء زوال سے قبل کی جائے۔

(۴) عن مالك بن ابی عامر انه قال كنت اری طنفسة لعقیل بن ابی طالب یوم الجمعة تطرح الی جدار المسجد الغربی فاذا غشی الطنفسة، كلها ظل الجدار خرج عمر بن الخطاب وصلی الجمعة قال ثم نرجع بعد صلاة الجمعة فنقیل قائلة الضحاء۔

(موطا امام مالك ص٦).

حضرت مالک بن ابی عامر فرماتے ہیں کہ میں حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی چادر کو دیکھا کرتا تھا، جو مسجد کی مغربی دیوار پر ڈالی جاتی تھی، جب پوری چادر کو دیوار کا سایہ ڈھانپ لیتا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لاتے اور جمعہ پڑھاتے مالک بن ابی عامر کہتے ہیں کہ پھر ہم جمعہ کے بعد لوٹتے اور دوپہر کا قیلولہ کرتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۷۸۲)

الجواب: اولاً انوار صاحب کا اس اثر سے استدلال تو جیسا ویسا ہے وہ الگ رہا محترم نے ترجمہ

کرنے میں بھی فاش اغلاط کی ہیں، اری طنفسة لعقیل، کا معنی کیا ہے کہ میں حضرت عقیل کی چادر کو دیکھا کرتا تھا، انوار صاحب اس کا معنی ہے بساط له یعنی مین سیدنا عقیل کے لے بوریا بچھاتا تھا۔(اوجز المسالک ص۱۶ ج۱)۔ اور، تطرح الی الجدار المسجد، کا معنی، مسجد کی دیوار پر ڈالی جاتی نہیں بلکہ اس کا معنی ہے، وانما کانت تطرح لیجلس علیھا، دیوار کے ساتھ تاکہ عقیل رضی اللہ عنہ اس پر بیٹھا کریں۔(اوجز المسالک ص۱۶ ج۱) مزید تفصیل کے لیے علامہ ابن عبدالبر کی تالیف (الاستذکار ص۹۱ ج۱) اور علامہ باجی کی تصنیف (المنتقی ۳۶ ج۱) کی مراجعت کریں، لہذا مؤلف حدیث اور حدیث کو ہمارا برادرانہ مشورہ ہے آپ کتاب لکھ کر کسی عالم کو دکھا لیا کریں تاکہ ایسی اغلاط رہ نہ جائیں، حرف الی بمعنی علی نہیں آتا، آپ کسی فاضل سے پہلے علوم مروجہ پڑھ لیں بعد میں کتب تصنیف کرنے کا شوق بھی پورا کر لینا، ہم تو فقیرانہ نصیحت ہی کر سکتے ہیں۔

ثانیا: فصل اول میں ہم زوال کے وقت نماز جمعہ پڑھانے کی روایت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل کر آئے ہیں، اس روایت اور سابقہ روایت میں موافقت کی صورت بھی ممکن ہے کہ کبھی پہلے اور کبھی بعد میں پڑھ لیا کرتے تھے۔

ثالثا: فقط پڑھنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہی وقت ہے۔ علمائے اہل حدیث کا متواتر عمل یہی ہے کہ نماز جمعہ زوال کے بعد ادا کرتے ہیں، تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ہمارے نزدیک اس سے قبل جائز نہیں؟ لہٰذا جتنی دیر تک انوار صاحب کوئی صریح حدیث پیش نہ کریں ان کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا۔

(۵) عن ابی القیس عمرو بن مروان عن ابیه قال کنا نجمع مع علی اذا زالت الشمس۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۱۰۸ ج ۲)۔

حضرت ابوقیس عمرو بن مروان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمعہ پڑھا کرتے تھے، جب کہ سورج ڈھل جاتا۔

(حدیث اور اهل حدیث ۷۸۲)

الجواب: ابوقیس عمرو بن مروان راوی مجہول الحال ہے کتب رجال کی مراجعت کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس نام کا کوئی راوی موجود نہیں اگر یہ ابو العنبس النخعی الکوفی ہے اور یہی معلوم ہوتا ہے، غالباً ابن ابی شیبہ میں کتاب کی غلطی ہے یا تصحیف سے ابو القیس لکھا گیا ہے، اگر یہ بات درست ہو تو تب روایت صحیح ہے، ابو العنبس عمرو بن مروان النخعی الکوفی کو، ذھبی نے (تاریخ الاسلام ص۱۱۸ ج۴) میں ابو حاتم نے، الجرو التعدیل ص۲۶۱ ج۶) میں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے (تاریخ کبیر ص۳۷۵ [illegible]) میں ذکر کیا ہے، اور یہ ثقہ راوی ہے، مگر اس سے انوار صاحب کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

(۶) عن سماك قال كان النعمان بن بشير يصلي الجمعة بعد ماتزول الشمس۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۱۰۸ ج ۲)۔

حضرت سماک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سورج ڈھل جانے کے بعد جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۸۳)

الجواب: مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب نے صراحت کی ہے کہ سماک بن حرب راوی ہے۔ (اعلاء السنن ص ۶۲ ج ۸)۔ اور اس کا حافظہ آخری عمر میں بگڑ گیا تھا۔ لقمہ کو قبول کرلیتا تھا۔ (تقریب ص ۱۳۷)۔ اور یہ ثابت نہیں ہوسکا کہ مروی عنہ (حسن بن صالح) نے ان سے کب سماع کیا ہے۔ الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

(۷) عن الوليد بن العيزار قا ل ما رأيت اماما كان احسن صلاة الجمعة من عمرو بن حريث كان يصليها اذا زالت الشمس۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۱۰۹ ج ۲)۔

حضرت ولید بن عیزار فرماتے ہیں کہ میں نے جمعہ کی نماز بہترین طریقہ سے پڑھانے والا کوئی امام حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر نہیں دیکھا، آپ جمعہ اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا، (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۸۳)

الجواب: بلاشبہ یہ اثر سند کے لحاظ سے صحیح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (فتح الباری ص ۳۸۸ ج ۲) میں اور علامہ عینی نے، (عمدۃ القاری ص ۲۸۸ ج ۶) میں صراحت کی ہے۔ لیکن اس سے انوار صاحب کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا, جیسا کہ انوار صاحب کی دلیل نمبر ۴ کے جواب میں ہم نے عرض کردیا ہے۔ لہٰذا کوئی ایسی دلیل عنایت کریں جو زوال سے قبل کی نفی کرتی ہو۔ مگر تاحال انوار صاحب نے ایسی کوئی دلیل درج نہیں کی۔

(۸) عن الحسن قال وقت الجمعة عند زوال الشمس۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۱۰۸ ج ۲)۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کا وقت سورج ڈھلنے کے وقت ہے۔

(۹) عن ابراهيم قال وقت الجمعة الظهر۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۱۰۹ ج ۲)۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا وقت ہے۔

(حدیث اور اهل حدیث ص ۷۸۳)

الجواب: اولاً یہ دونوں تابعین کے اقوال ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی قول

تابعین کا آتا ہے ہم اس سے مزاحمت کرتے ہیں۔ (الجواہر المضیہ ص ۲۵۰، مقدمہ انوار الباری ص ۴۵ ج ۱)۔

الغرض تابعین کے اقوال دین میں حجت نہیں۔

ثانیا: امام عطاء فرماتے ہیں عیدین اور جمعہ کا ایک ہی وقت۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۱۷٤ ج ۳)۔ فماکان جوابکم فھو جوابنا۔

ثالثا: پہلی روایت تو سنداً صحیح ہے دوسری ضعیف ہے۔ ابراہیم نخعی سے روایت کرنے والے راوی ہشیم مدلس ہیں (طبقات المدلسین ۴۷) اور روایت بھی معنعن ہے۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب کسی مرفوع حدیث سے یہ ثابت نہیں کر سکے کہ نماز جمعہ کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہوتا ہے اور نماز ظہر جتنا رہتا ہے۔ آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ مسئلہ وہ ثابت نہیں کر سکے، ہاں یہ ثابت کیا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے پر نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔ مگر یہ ان کے موقف کی ترجمانی نہیں کرتا۔

ایسے ہی آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ان کا استدلال غیر واضح اور ہمارے مخالف نہیں۔ کیونکہ ہم بھی زوال کے بعد ہی ادا کرتے ہیں۔ حدیث مرفوعہ اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زوال سے قبل ادا کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اور انوار صاحب ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود اس کا رد نہیں کر سکے، ہاں صرف حسن بصری کا قول ذکر کیا ہے مگر تابعی کے قول سے مرفوع احادیث کا رد نہیں کیا جا سکتا، بالخصوص ان احادیث کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا فتویٰ بھی موجود ہے۔

ہماری تحقیق یہ ہے کہ گو زوال سے پہلے بھی جائز ہے، اور اگر کوئی ادا کرے تو اس پر اعتراض کرنا درست نہیں (جیسا کہ ہم نے فصل اول میں دلیل نمبر ۹ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کیا ہے)، لیکن نماز جمعہ چونکہ عبادت کا معاملہ ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ احتیاطاً اسے زوال کے بعد ہی پڑھا جائے، لیکن اس میں تاخیر نہ کی جائے۔ زوال کے فورا بعد اذان دے کر مختصر خطبہ پڑھ کر نماز جمعہ ادا کرلی جائے۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اس سلسلہ میں مروی ہے۔ ابی زرین کہتے ہیں کہ ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز جمعہ پڑھ کر باہر نکلتے تو کبھی سایہ دیکھ لیتے اور کبھی نہ دیکھتے۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث ۵۲۱۶)۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے نماز جمعہ پڑھائی راوی کہتا ہے کہ میں نہ سمجھ سکا کہ سورج ڈھل چکا ہے یا نہیں (عبد الرزاق ص ۱۷۶ ج ۳)۔

الغرض زوال سے پہلے نہ پڑھا جائے مگر سورج ڈھل جانے پر تاخیر بھی نہ کی جائے یہ موقف اتحاد امت کے علاوہ سب کو اپیل بھی کرتا ہے۔ اور مرفوع احادیث کا بھی یہی تقاضا ہے۔

(۶۹) باب جمعہ کی پہلی اذان مسجد میں دینا جائز نہیں

فصل اول

(۱) عن السائب بن یزید یقول ان الاذان یوم الجمعة کان اولہ حین یجلس الامام یوم الجمعة علی المنبر فی عھد رسول اللہ ﷺ و ابی بکر و عمر فلما کان فی خلافة عثمان و کثروا امر عثمان یو م الجمعة بالاذان الثالث فاذن به علی الزوراء فثبت الامر علی ذلك

(بخاری ص۱۲۵ ج۱، ابو داؤد ص۱۵۵ ج۱، نسائی ص۱۸۶ ج۱)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں جمعہ کی اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور لوگ زیادہ ہوگئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیسری اذان (جمعہ کی پہلی اذان) کا حکم دیا چنانچہ زوراء پر وہ اذان کہی گئی اور پھر یہ ایک مستقل سنت بن گئی (حدیث اور اہل حدیث ص۷۸۶)

اس حدیث میں وضاحت ہے کہ عہد رسالت میں اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جمعہ کی اذان ایک ہی ہوتی تھی، جو امام کے سامنے دی جاتی تھی، اور وہ اس وقت کہی جاتی تھی جب امام خطبہ کے لیے منبر پر رونق افروز ہوتا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ کے حکم سے ایک اذان اور دی جانے لگی۔

اذان عثمانی کہاں ہوتی تھی

انوار صاحب نے ترجمہ حدیث میں صرف یہ کہا ہے، زوراء پر وہ اذان کہی گئی، مگر یہ صراحت نہیں کی زوراء، کیا چیز تھی اور کہاں تھی، ہاں آگے چلکر کہا ہے، پہلے یہ اذان زوراء پر دی جاتی تھی بعد میں مسجد میں دی جانے لگی (ص۷۸۷)

زوراء کیا چیز تھی انوار صاحب نے اسے بیان کرنے کی زحمت نہیں کی،، ہاں یہ جھوٹ بول دیا کہ، بعد میں مسجد میں دی جانے لگی، تاکہ عوام یہ سمجھیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی نے بعد میں مسجد میں اذان کہلانی شروع کرا دی تھی، اگر موصوف کا یہی باور کرانا تھا تو یہ قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ یہ بات کسی بھی دلیل سے ثابت نہیں، اور نہ ہی انوار صاحب نے کوئی دلیل درج کی ہے، اس کذب کے ساتھ انوار صاحب نے کم از کم یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اذان مسجد سے باہر ہوتی تھی۔

مقام زوراء کی تحقیق:

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الزوراء موضع بالسوق بالمدینة۔
یعنی زوراء مدینہ منورہ کے بازار میں ایک مقام کا نام ہے۔(صحیح بخاری ص۱۲۴ ج۱)۔
سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

فلما کان عثمان وکثرالناس، زاد النداء الثالث علی دار فی السوق یقال لها الزوراء الحدیث۔

یعنی جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی کثرت ہوگئی تو تیسری اذان زیادہ کردی گئی جو بازار میں ایک گھر پر ہوتی تھی جسے زوراء کہا جاتا تھا۔

سنن ابن ماجه کتاب اقام الصلوات باب ماجاء فی اذان یوم الجمعة الحدیث ۱۱۳۵۔

روایت کے یہ الفاظ امام طبرانی نے بھی،(المعجم الکبیر ص۱۴۵ ج۷، رقم الحدیث ۶۶۴۲)، میں نقل کیے ہیں، لیکن اس میں۔ زاد النداء الثالث، کی بجائے، فامر النداء الاول، کے الفاظ ہیں۔ مگر اس سے کوئی جوہری فرق نہیں پڑھتا کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جو اذان کہلانی شروع کی تھی وہ ترتیب کے لحاظ سے پہلی اور تعدد کے لحاظ سے تیسری تھی، واضح رہے کہ اس حدیث میں تین اذانوں سے مراد ایک اقامت ہے۔(عمدۃ القاری وفتح الباری)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ زوراء مسجد نبوی مین داخل کسی جگہ کا نام نہیں تھا بلکہ مدینہ طیبہ کے بازار میں ایک مکان کا نام تھا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

قوله علی الزوراء بفتح الزای وسکون الواو و بعدها راء ممدودة وقوله قال ابو عبد الله هو المصنف وهذا فی روایة ابی ذرة وحده وما فسر به الزوراء هو المعتمد، وجزم ابن بطال بانه حجر کبیر عند باب المسجد وفیه نظر لمافی روایة ابن اسحاق عن الزهری عند ابن خزیمة وابن ماجة بلفظ زاد النداء الثالث علی دار فی السوق یقال له الزوراء وفی روایة عند الطبرانی فامر بالنداء الاول علی دار یقال لها الزوراء فکان یؤذن له علیها فاذا جلس علی المنبر اذن مؤذنه الاول فاذا نزل أقام الصلاة وفی روایة له من هذا الوجه فاذان بالزوراء قبل خروجه لیعلم الناس الجمعةقد حضرت ونحوه فی مرسل مکحول المتقدم وفی صحیح مسلم من حدیث انس ان نبی الله وأصحابه کانوا بالزورا والزوراء بالمدینة عند السوق، الحدیث۔ (فتح الباری ص۳۱۵ ج۲)۔

اس عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ زوراء مدینہ طیبہ کے بازار میں تھا، امام بخاری رحمہ اللہ نے جو

کہا ہے وہی درست ہے۔ ابن بطال کا اصرار ہے کہ زوراء ایک پتھر تھا جو مسجد نبوی کے دروازے کے قریب واقع تھا مگر ان کا یہ کہنا درست نہیں جیسا کہ ابن خزیمہ اور ابن ماجہ نے ان الفاظ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ تیسری اذان مدینہ کے بازار میں ایک مکان پر کہی جاتی تھی اسے زوراء کہا جاتا تھا۔ اور سیدنا عثمان کے لئے مؤذن اذان کہتا تھا جب وہ منبر پر بیٹھتے تھے، اور خطبہ کے بعد جب منبر سے اترتے تو اقامت کہتا تھا، اوراسی میں ہے کہ زوراء پر اذان سیدنا عثمان کے (گھر سے) نکلنے سے پہلے ہوتی تھی تاکہ لوگ جان لیں کہ جمعہ کا وقت ہوگیا ہے اوراسی طرح مکحول کی مرسل روایت میں ہے، اور صحیح مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بمع اصحاب زوراء پر تھے اور زوراء مدینہ کے بازار کے پاس ہے۔(فتح الباری باب الاذان یوم الجمعۃ)۔

معروف شیخ محمود محمد سبکی نے بھی ابو داوٗد کی شرح میں، (المنہل العزب المورود ص ۲۴۵ ج ۲) میں یہی لکھا ہے، مولانا یوسف بنوری فرماتے ہیں کہ۔

ثم زاد عثمان أذانا خارج المسجد علی الزوراء، یعنی پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک اذان زیادہ کی جو مسجد سے باہر مقام زوراء پر ہوتی تھی۔

(معارف السنن ص ۳۹۵ ج ٤)۔

الشیخ عطیہ سالم فرماتے ہیں۔

یہ بات ثابت ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی سے دور پڑنے والی آبادی کو جمعہ کے وقت اطلاع کے لئے مقام زوراء پر پہلی اذان کہلوانی شروع کردی تھی، رہی یہ بات کہ مقام زوراء کہاں اور مسجد نبوی سے کتنے فاصلے پر تھا، اس سلسلہ میں تاریخ مدینہ کے علماء کی تحقیق یہ ہے کہ زوراء دراصل ایک بازار کا نام ہے، دوسرا قول یہ بھی ہے کہ یہ مقام مدینہ کے بازار کی ایک اونچی گھاٹی پر احجار زیت کے قریب ہے، اور یہ بھی ہے یہ مقام حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس واقع ہے، اور سوق عباء کے نزدیک پڑتا ہے۔ میری رائے میں مقام زوراء وہاں تھا جہاں اب باب المصری کے سامنے بازار میں مسجد فاطمہ واقع ہے بہرحال میرے نزدیک راجح یہی ہے کہ اذان عثمان اسی مقام پر کہی جاتی تھی، اور یہ سوق مدینہ کے وسط میں واقع ہے جو کہ مسجد نبوی سے تقریبا دوصد پچاس میٹر دور ہے۔(تفسیر اضواء البیان ص ۲۳۲ ج ۸ ملخصا)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مقام زوراء مسجد نبوی سے تقریبا اڑھائی صد میٹر دور تھا۔

اذان کیوں جاری ہوئی

حدیث میں وضاحت ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ کی آبادی زیادہ ہوگئی،

مذکورۃ الصدر حدیث کے الفاظ، فلما کان فی خلافة عثمان و کثر وا،، اور عبد بن حمید کی روایت کے یہ الفاظ، فلما تباعدت المنازل و کثر الناس۔ (بحوالہ عمدہ القاری ص۲۰۴ ج۶)۔

اس بات کی دلیل ہیں کہ مدینہ کے محلے دور دور تک پھیل گئے اور خطبہ جمعہ والی اذان ان کو سنائی نہیں دیتی تھی۔اور لوگوں کے آتے آتے نماز جمعہ ختم ہوجاتی تھی، لوگوں کی اس مجبوری کے پیش نظر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کر کے اس سے پہلے اذان کی طرح ڈالی تھی۔

علامہ الشیخ محمود محمد خطاب فرماتے ہیں۔

فان الغرض الذی زاد عثمان الاذان لاجله وهو انه لما كثر الناس وانتشر المنازل كان من عند الزوراء لا يسمع الاذان الذی عند المسجد زاد، اذانا ثانيا (خارج المسجد) على الزوراء لاسماعهم فاذا اجتمع الناس فی المسجد وجلس الخطيب على المنبر اذان المؤذن ثانيا: خارج المسجد على الباب او على السطح كما كان فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بكر وعمر رضی اللہ عنہما وهذا الغرض الذی احدث الاذان الثانی من اجله فی زمن عثمان رضی اللہ عنہ ليس موجودا فی زماننا فاننا لم نرى اذانا يفعل بعيدا عن المسجد،

(المنهل العزب المورود شرح سنن ابی داؤد ص٢٤٦ ج٦)۔

یعنی جس غرض کے لئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یہ مروجہ پہلی اذان کہلانی شروع کی تھی۔ وہ یہ تھی کہ ان کے عہد خلافت میں مدینہ کی آبادی میں خاصا اضافہ ہوگیا تھا۔ اور رہائشی مکانات دور دور تک پھیل گئے تھے۔ اور مسجد نبوی سے دور ہونے کی وجہ سے مقام زوراء سے آگے بسنے والوں کو خطبہ والی اذان سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس لئے بامر مجبوری ان لوگوں کو جمعہ کے وقت سے آگاہ کرنے کے لئے مقام زوراء پر آپ نے اس اذان کو رواج دیا، چونکہ اب یہ غرض موجود نہیں اس لیے ہم اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

علامہ احمد شاکر مصری فرماتے ہیں۔

لان المدينة لم يكن بها الا المسجد النبوی وكان الناس كلهم يجمعون فيه و كثر وا عن ان يسمعوا الاذان عبد باب المسجد فزاد عثمان الاذان الاول ليعلم من بالسوق ومن حوله حضور الصلاة۔

یعنی اذان عثمانی کا پس منظر یہ ہے کہ مدینہ میں اس دور میں مسجد نبوی کے علاوہ اور کوئی مسجد نہ تھی۔ اور تمام لوگ اسی میں جمعہ پڑھتے تھے۔ اور وہ اتنی زیادہ تعداد میں تھے کہ جمعہ کے خطبہ کے آغاز میں مسجد کے دروازے پر پڑھی جانے والی اذان سن نہ سکتے تھے، لہٰذا امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مروجہ پہلی اذان اس لئے کہلانی پڑی، تاکہ بازار میں اور اس کے گرد ونواح میں رہنے والوں کو جمعہ کے

وقت کا علم ہو سکے۔

(حاشیہ ترمذی ص۳۹۳ ج۲ بحوالہ مرعاۃ ص۴۹۲ ج۴)۔

اسی رائے کو محدث رحمانی نے بھی، مرعاۃ میں اختیار کیا ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مقامی ہنگامی ضرورت کے تحت اس اذان کو رواج دیا تھا۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عمل

آپ بھی کوفہ میں اپنے دور خلافت میں صرف ایک ہی اذان کہلاتے تھے۔ جیسا کہ امام قرطبی نے صراحت کی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ص۸۸ ج۱۸)۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے

امام نافع بیان کرتے ہیں کہ:

عن ابن عمر قال الاذان الاول یوم الجمعة بدعة،

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ جمعہ کی پہلی اذان بدعت ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۴۰ ج۲)۔

امام حسن بصری تابعی کی رائے

عن الحسن انه قال النداء الاول یوم الجمعة الذی یکون عند خروج الامام والذی قبل ذلك بدعة محدثة۔

امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ اصل میں جمعہ کی پہلی اذان وہ ہے جو خطبہ کے شروع میں اس وقت کہی جاتی جب خطیب خطبہ کے لئے آجاتا ہے۔ اور جو اذان اس خطبہ والی اذان سے پہلے کہی جاتی ہے وہ ایک نئی چیز ہے۔ (مصنف ابن ابی ص شیبہ ۱۴۰ ج۲)۔

امام زہری تابعی کی رائے

عن الزهری قال کان الاذان عند خروج الامام فاحدث امیر المؤمنین عثمان التاذینة الثالثة علی الزوراء لیجمع الناس۔

امام زہری سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ پہلے پہل جمعہ کی اذان خطبہ کے شروع میں کہی جاتی تھی۔ جب خطیب خطبہ پڑھنے کے لئے آجاتا تھا، بعد میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کرنے

پہلی اذان کا کوئی وجود نہ تھا۔ نیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں بھی مؤذن ایک ہی ہوتا تھا، (الاجوبۃ النافعۃ ص ۱۰)۔

اہل مغرب کا عمل: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وبلغني ان اهل المغرب الادني الأن لا تاذين عندهم سوى مرة۔

یعنی مجھے یہ خبر ملی ہے کہ اہل مغرب کے ہاں جمعہ کے دن صرف ایک ہی اذان کا دستور رائج ہے۔ (فتح الباری ۳۱۵ ج ۲)۔

علامہ احمد شاکر مصری کی رائے

وحرصوا على ابقاء الاذان قبل خروج الامام وقد زالت الحاجة اليه لان المدينة لم يكن بها الا المسجد النبوى...... اما الان قد كثرت المساجد وبنيت فيها المنارات وصار الناس يعرفون وقت الصلاة باذان المؤدن على المنازة فانا نرى ان يكتفى بهذا الاذان وان يكون عند خروج الامام اتباعا للسنة۔

لوگ جمعہ کی مروجہ پہلی اذان کو بحال رکھنے پر حریص واقع ہوئے ہیں جب کہ اس کی ضرورت باقی نہیں رہی، کیونکہ جس دور میں یہ اذان شروع کی گئی تھی اس وقت مدینہ میں مسجد نبوی کے علاوہ کوئی دوسری مسجد (جمعہ) نہ تھی۔ مگر اب مساجد بکثرت موجود ہیں اور ان میں بلند و بالا منارات تعمیر ہو چکے ہیں۔ اور منارہ پر جب مؤذن اذان پڑھتا ہے تو لوگوں کو نماز کے وقت کا بآسانی پتہ چل جاتا ہے، لہٰذا ہماری رائے میں خالص سنت رسول کی پیروی کرتے ہوئے ایک ہی اذان پر اکتفا کیا جائے اور یہ اذان کہی جائے جب امام خطبہ کے لئے تشریف لے آئے۔

(حاشیہ ترمذی ۳۹۳ ج ۲، بحوالہ مرعاۃ ص ۴۹۲ ج ۴)۔

علامہ محمود محمد خطاب السبکی کی رائے

هذا الغرض الذى احدث الاذان الثانى من اجله في زمن عثمان رضی اللہ عنہ ليس موجودا فى زماننا فاننا لم نرى اذانا يفعل بعيدا عن المسجد فاذا يطلب الاقتصا و على اذان واحد فى الجمعة فى زماننا كما كان فى زمن النبى صلی اللہ علیہ وسلم وصاحبيه ابى بكر و عمر لعدم الغرض الذى احدث الاذان الثانى من اجله ومن لم يقتصر على اذان واحد فقد خالف سيدنا عثمان فضلا عن غيره وهذا معلوم لمن اطلع على ما هو مقرر فى كتب السنة۔

جس غرض کے لئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اذان کی داغ بیل ڈالی تھی۔ وہ غرض اب ہمارے

زمانے میں ختم ہوچکی ہے، لہٰذا ہماری رائے میں مسجد سے دور اذان کی ضرورت نہیں، اس لئے اب اسی طرح ایک ہی اذان پر اکتفا کرنا چاہیے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ایک ہی اذان دی جاتی ہے، کیونکہ اب پہلی اذان کی ضرورت نہیں رہی۔ لہٰذا اب جو ایک اذان پر اکتفا نہیں کرتا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بھی مخالفت کر رہا ہے۔ (المنهل العزب المورود ص۲٤٧ ج٦)۔

خلاصہ بحث

اس پوری تفصیل کو سامنے رکھا جائے تو حسب ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

اولاً: نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور خلافت تک صرف ایک ہی اذان ہوتی تھی۔ اور وہ اس وقت دی جاتی تھی، جب امام خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے منبر پر آکر بیٹھ جاتا تھا۔

ثانیا: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مدینہ کی آبادی بکثرت ہونے کی وجہ سے مسجد نبوی کے باہر مقام زوراء پر ایک مزید اذان دی جانے لگی تاکہ زوراء سے پرے بسنے والے لوگ خطبہ جمعہ سے محروم نہ ہوں، بلفظ دیگر ایک مقامی و ہنگامی ضرورت تھی، امام عطاء بن ابی رباح نے کہا ہے کہ اذان سے مراد مشروع اذان نہیں بلکہ اعلان مراد ہے۔

ثالثا: بلاشبہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اذان کا اضافہ اپنے اجتہاد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کیا، مگر دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عہد تابعین میں اسے قبول عام حاصل نہ ہوا۔ جو کہ متوارث اور مسنون اذان کو حاصل تھا۔ ورنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں اسے نظر انداز نہ کرتے اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے متبع سنت صحابی امام زہری اور حسن بصری جیسے جلیل القدر تابعی اس اذان کو بدعت و محدث کہنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔

رابعاً: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام اور امام شافعی جیسے مجتہد ذیشان کی مذکورہ تنقیدات و تنقیحات سے قطع نظر یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ جس مقصد کے لئے یہ اذان جاری کی گئی تھی وہ اب اس ترقی یافتہ دور میں علت اور سبب متحقق نہیں رہا

علامہ البانی فرماتے ہیں

یہ ثابت ہوچکا ہے کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی اذان محض اس لئے جاری فرمائی تھی تاکہ لوگوں کو جمعہ کے وقت کا علم ہوجائے، مگر اب ہمارے زمانہ میں لاؤڈ سپیکر وغیرہ ایجاد ہوچکے ہیں لہٰذا جب محمدی اذان اس پر کہی جائے تو اس ایک اذان کے ساتھ وہ مقصد حاصل ہوجائے گا جس

کے حصول کے لئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اذان کا اجراء فرمایا تھا، میرا گمان ہے اگر ان کے عہد خلافت میں اس آلہ کی ایجاد ہوتی اور وہ اسے جائز سمجھتے تو وہ صرف ایک اذان ہی پر اکتفا فرماتے۔ (متر جما الاجوبۃ النافعۃ ص ۱۴)۔

مولانا عبید اللہ رحمانی فرماتے۔

قلت اذا وقعت اليوم الحاجة الى النداء العثمانى فى بلدكما وقعت بالمدينة فى عهد عثمان رضی اللہ عنہ فلا باس بان يؤذن على موضع مرتفع كا لمنار اوسطح البيت خارج المسجد قبل خروج الامام كما كان فى زمن عثمان رضی اللہ عنہ واما بغير الحاجة وعند الضرورة فالاكتفاء بالاذان عند خروج الإمام هو المتعين عندى ، اما كون هذا الاذان امام الخطيب مواجهة قريبا عند المنبر فليس فى شيى من السنة۔

میں کہتا ہوں کہ اگر آج بھی کسی شہر میں اذان عثمانی کی حاجت ہو جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تھی، تو اسے کسی بلند جگہ یا منار یا کسی مکان کی چھت پر مسجد سے باہر دینے میں کوئی قباحت نہیں، امام کے آنے سے پہلے جیسا کہ عہد عثمانی میں ہوتا تھا۔ اور بغیر ضرورت وحاجت کے صرف ایک ہی اذان پر اکتفا کی جائے، اور وہ امام کے آنے پر دی جائے، یہی میرے نزدیک متعین ہے، اور اس اذان کا خطیب کے سامنے منبر کے قریب دینے پر سنت سے کوئی دلیل نہیں۔ (مرعاۃ المفاتیح ص ۴۹۲ ج ۴)۔

فصل دوم

انوار صاحب کا پہلا اعتراض

فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا، چنانچہ یہ اذان باجماع صحابہ رائج ہوگئی، اور ہر زمانے میں اس پر عمل رہا، کسی امام اور کسی فقیہ و مجتہد نے اس سے اختلاف نہیں کیا، (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۸۶)

یہ تمام قصہ محض افسانہ ہے کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام یا امام شافعی درجہ اجتہاد نہیں رکھتے تھے۔

دوسرا اعتراض

یہ سنت عثمانی ہے اور وہ بلا اختلاف خلیفہ راشد ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری اور میرے خلفاء کی سنت کو لازم پکڑو، مفہوم (حدیث اور اہل حدیث ۷۸۶)

ہم ثابت کر آئے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ اذان مسجد نبوی سے باہر مدینہ کے بازار میں مقام زوراء پر دلوائی تھی، اور آپ مسجد کے اندر کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ سنت عثمانی نہیں بلکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کی مخالفت ہے۔

تیسرا اعتراض

یہ اذان مسجد نبوی کے اندر دی جاتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۸۷)

خیر القرون میں یہ اذان مسجد نبوی کے باہر ہی ہوتی تھی، اور وہی اولیٰ ہے، رہی اس زمانے کی بات تو یہ وہی حرمین ہے جہاں سے محترم کے بزرگوں کے لئے مولوی احمد رضا خاں نے کفر کا فتویٰ حاصل کیا تھا۔ جو حسام الحرمین کے نام سے مارکیٹ سے دستیاب ہے اور اکابر دیوبند نے ان پر کفر وفسق وغیرہ کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ تفصیل تحفہ حنفیہ ص ۴۶۴ ج ۱ میں عرض کردی گئی ہے۔ وہاں سے ایک نظر دیکھ لیں۔

پھر مولانا سرفراز خاں صفدر کا یہ بیان بھی ملاحظہ کریں۔ فرماتے ہیں کہ بے شک حرمین شریفین کی نصوص میں بڑی فضیلت اور رتبہ ثابت ہے۔ لیکن شرعی دلائل صرف چار (قرآن و سنت، اجماع اور قیاس) ہیں۔ اگر حرمین الشریفین میں اچھے کام ہوں تو نور علی نور، ورنہ ہرگز حجت نہیں، چنانچہ حضرت ملا علی القاری تحریر فرماتے ہیں۔

فی الحرمین الشریفین من شیوع الظلم وکثرة الجھل وقلة العلم وظھور المنکرات وفشوع البدع واکل الحرام والشبھات

(مرقات ص ۲۷۱ ج ۳)۔

حرمین شریفین میں ظلم شائع ہے، جہالت کثیر ہے، علم کم ہے، منکرات کا ظہور ہے بدعات رائج ہیں، حرام کھایا جاتا ہے۔ دینی شبہات بھی بکثرت ہیں۔ (راہ سنت ص ۱۶۷)۔

چوتھا اعتراض

جمعہ کی پہلی اذان جو خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے جاری ہوئی، جس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجماع کیا، جو چودہ صدیوں سے تمام ممالک اسلامیہ میں بلانکیر دی جا رہی ہے۔ جس سے کسی امام اور کسی فقیہ و مجتہد نے اختلاف نہیں کیا آج وہ اذان مسجد میں ہونے کی وجہ سے غیر مقلدین کے دور میں بدعت ہوگئی۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۸۹)۔

اولاً: اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چودہ صدیوں کا تعامل اور کسی امام و فقیہ کا اختلاف نہ کرنا، یہ انوا صاحب کے تمام دعوے جھوٹے اور باطل ہیں، ہم اس کے برعکس اقوال صحابہ اور تعامل صحابہ پیش کر چکے

ہیں، تابعین عظام اور آئمہ کبائر کے فیصلے بھی نقل کیے جا چکے ہیں امام شافعی کا اس سے اختلاف بھی بیان ہو چکا ہے۔

ثانیا: ہم نے گزشتہ فصل میں علمائے اہل حدیث کی تحریرات بھی نقل کردی ہیں کہ اگر آج بھی ضرورت ہو تو اسے مسجد کے باہر کہلایا جاسکتا ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ آج بلاضرورت اور بازار کی بجائے مسجد میں کہنا بھی سنت عثمانی ہے کہ نہیں؟ محترم نے اس پر کوئی دلیل درج نہیں کی۔ ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ انوار صاحب نے مکمل بحث کے دوران بین السطور ہی کوئی دلیل درج کی ہو۔ لیکن ہم بری طرح ناکام رہے، اور ہم آج بھی پوری ذمہ داری سے عرض کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو کجا کسی بھی صحابی کا یہ عمل دکھایا جائے کہ انہوں نے دو اذانیں دلوائی ہوں۔ اور دونوں ہی مسجد کے اندر ہوئی ہوں، مزید رعایت دیتے ہیں۔ کسی تابعی کا فتویٰ وعمل ہی دکھا دیں۔ بلکہ زمانہ خیر القرون سے اس کا وجود دکھا دیں۔ اگر آپ اس کا ثبوت دے دیں تو ہم قبول کرنے کو تیار ہیں۔ محض آپ کے باطل دعاوی سے مسئلہ حل نہیں ہوا کرتا۔ یہاں ثبوت چاہیئے پھر اسے بدعت کہنے والے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ اس اذان کی مخالفت کرتے ہیں سیدنا علی رضی اللہ عنہما اور سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور جلیل القدر تابعین کرام امام عطاء امام زہری امام حسن بصری اور محدث و فقیہ امام شافعی وغیرہ، وہ اجماع بھی کیسا اجماع ہے جس سے مذکورہ بزرگ ہستیوں کو اختلاف ہے۔ پھر فقہائے احناف نے صراحت کی ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔

دیکھئے فتاویٰ قاضی خاں ص۳۷ ج۱ مطبوعة نولکشور، فتح القدیر ص۲۱۵ ج۱ وص۲۹ ج۲، مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه، بحر الرائق ص۲۵۵ ج۱ مطبوعه ایضاء وحاشیه طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۰۷ مطبوعه نور محمد۔

پاک وہند کے حنفی فرقوں میں سے بریلوی مکتب فکر کا یہی نظریہ ہے، اور مولوی احمد رضا خاں نے اس پر مستقل رسائل تحریر کیے ہیں۔ (بزل المجہود ص۱۸۰ ج۲)، اور دیوبندی فرقے کے نزدیک بھی مسجد میں اذان دینا مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے، جیسا کہ اشرف علی تھانوی اور مفتی رشید احمد نے صراحت کی ہے۔ (احسن الفتاوی ص۲۹۴ ج۲)۔

مزید تفصیل اگلے باب میں آرہی ہے۔

(۷۰) باب تقریر خطبہ جمعہ غیر عربی میں کرنا

فصل اول

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب قائما ثم یقعد ثم یقوم کما تفعلون الان۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے، جیسا کہ تم اب کرتے ہو۔

(بخاری کتاب الجمعة باب الخطبة قائما الحدیث، ۹۲۰، مسلم کتاب الجمعة باب ذکر الخطبتین قبل الصلاة وما فیھا الحدیث ۱۹۹٤)۔

(۲) عن جابر بن سمرة قال کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینھما یقرأ القرآن ویذکر الناس۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ہوتے تھے۔ ان میں تلاوت قرآن کرتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے، اور ان دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے۔ (مسلم کتاب الجمعة باب سابق الحدیث ۱۹۹۵)۔

(۳) عن جابر بن سمرة السوائی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایطیل الموعظة یوم الجمعة انما ھن کلمات یسیرات۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن وعظ لمبا نہ کرتے تھے صرف مختصر اور آسان کلمات کہتے تھے۔

(ابو داؤد کتاب الجمعة باب اقصار الخطب الحدیث ۱۱۰۷)۔

(۴) عن جابر بن عبد اللہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوتہ واشتد غضبہ حتی کانہ منذر جیش یقول صبحکم و مساکم ویقول بعثت انا والساعة کھاتین، ویقرن بین اصبعیہ السبابة والوسطی، ویقول ، اما بعد! فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد وشر الامور محد ثاتھا، وکل بدعة ضلالة ثم یقول انا اولی بکل مؤمن نفسہ من ترك مالا فلا ھلہ ومن ترك دینا او ضیاعا فالی وعلی۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہوجاتیں اور آواز بلند ہوجاتی اور غصہ زیادہ ہوجاتا۔ گویا آپ ایک ایسے لشکر سے ڈرا رہے

ہیں جو صبح و شام میں حملہ آور ہونے والا ہے۔ اور فرماتے تھے کہ میں اور قیامت اسی طرح مبعوث کئے گئے ہیں اور اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی ملا کر بتاتے اور فرماتے ہیں کہ بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے، اور بہترین سیرت محمد ﷺ کی ہے اور بدترین کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، پھر فرماتے میں ہر مؤمن کو اس کی جان سے زیادہ محبوب ہوں پھر جو مؤمن مال چھوڑ جائے وہ اس کے گھر والوں کے لئے ہے اور جو قرض یا بچے چھوڑے ان کی پرورش میری طرف ہے اور ان کا خرچہ مجھ پر ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الجمعة باب تخفیف الصلاة والخطبة، الجدیث ۲۰۰۵)۔

(۵) عن عدی بن ثابت قال کان النبی ﷺ قام علی المنبر استقبله اصحابه بوجوههم۔

سیدنا عدی بن ثابت اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب خطبہ کے لیے منبر پر کھڑے ہوتے تو آپ صحابہ کرام کی طرف منہ کرتے تھے۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوات باب ما جاء فی استقبال الامام وهو یخطب، الحدیث ۱۱۳۶)۔

(۶) عن شعیب بن رزیق الطائفی قال جلست الی رجل له صحبة من رسول الله ﷺ یقال له الحکم بن حزن الکلفی فانشاء یحدثنا قال، وفدت الی رسول الله ﷺ سابع سبعة او تاسع تسعة، فدخلنا علیه، فقلنا یا رسول الله ﷺ زرناك فادع الله لنا بخیر فامربنا، او امرلنا، بشیء من التمر والشان اذ ذاك دون، فاقمنا، بها ایاما شهد نافیها الجمعة مع رسول الله ﷺ فقام متوکئا علی عصا، اوقوس،فحمد الله واثنی علیه کلمات خفیفات طیبات مبارکات ثم قال، ایها الناس انکم لن تطیقوا، اولن تفعلوا،کل امرتم به ولکن سددوا وأبشروا۔

امام شعیب بن زریق بیان کرتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول سیدنا حکم بن حزن رضی اللہ عنہ کی مجلس کی تو انہوں نے حدیث بیان کی کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ہم کل سات یا نو آدمی تھے، اور آپ سے کہا کہ ہم نے آپ کی زیارت کی ہماری بہتری کی دعاء کیجئے، آپ نے ہمیں کچھ کھجوریں دیں اور اس وقت مسلمانوں کی حالت تکلیف دہ تھی۔ پھر ہم چند ایام مدینے میں رہے اور جمعہ نبی مکرم ﷺ کے ساتھ پڑھا، آپ خطبہ میں عصا یا کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور اللہ جل جلالہ کی تعریف و ثنا بیان کی چند کلمات سے جو نہایت ہلکے اور پاکیزہ اور مبارک تھے، پھر فرمایا کہ لوگو تم کو ہرگز طاقت نہیں میرے ہر حکم کو بجالانے کی، لیکن مضبوط رہو اور خوش خبری سناؤ۔

(ابو داؤد کتاب الصلوٰة باب الرجل یخطب علی قدس، الحدیث ۱۰۹۶)۔

قارئین کرام اس طرح کی متعدد احادیث مزید بھی پیش کی جاسکتی ہیں، ان احادیث پر غور کریں تو

ثابت ہوگا کہ امام منبر پر کھڑے ہو کر ہاتھ میں عصا لے کر عوام الناس کی طرف منہ کر کے خطاب کرے، جس میں لوگوں کو نصیحت کی جائے۔ خطاب مختصر اور جامع ہو، خطاب کی ابتداء اللہ کی حمد و ثناء سے کی جائے، دوران خطاب آواز کو بلند کیا جائے، اس قدر کہ آواز میں غصہ کے آثار ہوں چہرہ سرخ ہوجائے، اب یہ خطاب پنجابی، سندھی، اور پشتو بولنے والے ناخواندہ حضرات کو ایہا الناس، ایہا الناس ، کہہ کر کیا جائے تو خطاب کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے کیونکہ اس کا مقصد تو لوگوں کو نصیحت کرنا ہے۔ اب نصیحت تو اسی زبان میں ہوگئی جس کو سامعین جانتے ہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ سامعین جس زبان کو جانتے ہوں اس میں تقریر خطبہ کرنا عین شریعت کو مطلوب ہے، انوار صاحب نے جو اس پر تواتر کا دعویٰ کیا ہے وہ قطعی طور پر مردود ہے، انہوں نے خود فتاویٰ شامی ص ۱۴۷ ج ۲ سے امام ابوحنیفہ کا قول نقل کیا ہے کہ عربی زبان میں خطبہ دینا شرط نہیں۔

(حدیث اوراہل حدیث ۸۰۳)

انوار صاحب کا دعویٰ ہے کہ ابوحنیفہ تابعی ہے، جب تابعی کا فتویٰ موجود ہے تو تواتر کا دعویٰ فضول ہے، ظاہر ہے کہ فتویٰ ضرورت کے تحت دیا جاتا ہے۔

فصل دوم

(۱) عن السائب بن یزید کان بلال یؤذن اذا جلس رسول اللہ ﷺ علی المنبر یوم الجمعة فاذا نزل اقام ثم کان کذلك فی زمن ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما۔

(بخاری ص۱۵۷ ج۱ مسند احمد ص۴۴۱ ج۳)۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرماتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے پھر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں بھی اسی طرح ہوتا تھا۔

(۲)عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ یخطب خطبتین کان یجلس اذا صعد المنبر حتی یفرغ اراہ المؤذن ثم یقوم فیخطب ثم یجلس فلا یتکلم ثم یقوم فیخطب۔

(ابو داؤد ص۱۵۶ ج۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دو خطبے دیتے تھے۔ جب آپ منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ مؤذن اذان سے فارغ ہوتا، پھر آپ کھڑے ہوتے اور (پہلا) خطبہ ارشاد فرماتے، پھر بیٹھ جاتے اور کوئی کلام نہ کرتے، پھر کھڑے ہو کر (دوسرا) خطبہ ارشاد فرماتے۔

(۳) عن ابن عمر قال كان النبی ﷺ يخطب قائما ثم يقعد ثم يقوم كما تفعلون الأن۔

(بخاری ص۱۲۵ ج۱، مسلم ص۲۸۳ ج۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے، پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے جیسا تم اب کرتے ہو۔

(۴) عن عبد الله قال كان النبی ﷺ يخطب خطبتين يقعد بينهما۔ (بخاری ص۱۲۷ ج۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ دو خطبے دیتے تھے، اور دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے۔

(۵) عن جابر بن سمرة قال كانت للنبی ﷺ خطبتان يجلس بينهما يقرأ القرآن ويذكر الناس۔

(مسلم ص۲۸۳ ج۱)۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو خطبے ہوتے تھے۔ دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے ان میں قرآن مجید پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت فرماتے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۹۰،۷۹۱)

انوار صاحب فرماتے ہیں مذکورہ احادیث و آثار سے درج ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) جب امام خطبہ جمعہ کے لئے آئے تو آکر پہلے منبر پر بیٹھے کیونکہ آنحضرت ﷺ جب خطبہ جمعہ کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تو پہلے آپ منبر پر بیٹھتے تھے۔ جیسا کہ حدیث نمبر ا،۲ اور ۶ سے واضح ہے۔

(۲) جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن منبر کے پاس امام کے سامنے اذان دے کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حدیث نمبر ا سے ظاہر ہے اسی پر اجماع ہے۔(۳) امام کو چاہئے کہ وہ منبر پر کھڑے ہو کر دو خطبے دے، (حدیث اور اہل حدیث ص۷۹۴)

<u>الجواب: اولاً</u> دو خطبے کھڑے ہو کر دینے اور ان کے درمیان بیٹھنا اور آتے وقت بھی بیٹھنا ان احادیث سے ثابت شدہ مسائل ہیں۔ اور ہم بفضلہ تعالیٰ ان پر عمل کرتے ہیں۔ مگر آپ اس کے عملی طور پر منکر ہیں، کیونکہ حنفی آتے ہی وعظ شروع کر دیتے ہیں جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہتا ہے۔ پھر مؤذن اذان کہتا ہے خطیب صاحب دادا جان کا خریدا ہوا خطبہ نکال لیتے ہیں، اس سے دیکھ کر عربی زبان میں خطبہ ہوتا ہے، حالانکہ مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ جب مسجد میں تشریف لاتے تو سیدھا منبر پر بیٹھ جاتے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان شروع کر دیتے گویا نبی مکرم ﷺ کے بیٹھنے اور اذان

بلال رضی اللہ عنہ کے درمیان وقفہ نہ ہوتا، انوار صاحب اپنی نقل کردہ احادیث میں سے پہلی کے الفاظ پر غور کریں، **کان بلال یؤذن اذا جلس**، یعنی بلال رضی اللہ عنہ اذان کہا کرتے تھے جب آپ منبر پر بیٹھ جاتے، اور بخاری ص۱۲۵ ج۱ کی روایت کے الفاظ ہیں، **حین جلس**، یعنی بیٹھتے ہی اذان ہوتی، اس معنی کے صحیح ہونے پر آپ کی نقل کردہ دوسری حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے۔

کان یجلس اذا صعد المنبرحتی یفرغ اراہ المؤذن، جب آپ منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے حتی کہ مؤذن اذان سے فارغ ہوتا۔ حدیث اور اہل حدیث ص۷۹۱۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آتے ہی جو منبر پر بیٹھتے تھے اس کی مقدار اس قدر ہوتی کہ مؤذن اذان سے فارغ ہوجاتا، ملا علی القاری طیبی سے نقل کرتے ہیں۔

والمعنی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجلس علی المنبر مقدار ما یفرغ المؤذن من اذانہ۔

(مرقاۃ ۲۷۰ ج۳)۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ حنفی علماء کا عمل خلاف سنت ہے، کیونکہ یہ آتے ہی وعظ ونصیحت شروع کردیتے ہیں، جو سامعین کو تھکا دینے والی ہوتی ہے، جس میں اردو کے اشعار کے علاوہ دوسرے فرقے کو برا بھلا کہنے کے علاوہ حکومت وقت پر تنقید کے ساتھ ساتھ تھوڑے بہت دینی مسائل بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ پھر مؤذن اذان کہتا ہے، حالانکہ آپ کی نقل کردہ حدیث نمبر۵ سے ثابت ہورہا ہے کہ وعظ ونصیحت حضور علیہ السلام خطبہ میں کرتے لیکن آپ خطبہ سے قبل کی جانے والی تقریر میں کرتے ہیں۔

ثانیا: آپ نے جو ان احادیث سے نتیجہ نکالا ہے کہ اذان منبر کے پاس امام کے سامنے دی جائے،، شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر یہ بھی کہہ دیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایسے ہی کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۹۴۔)

یہ سب آپ کا جھوٹ اور متن احادیث میں تحریف معنوی ہے۔ہم قارئین کرام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ انوار صاحب کی نقل کردہ احادیث کو بمع ان کے تراجم کے مکرر پڑھ لیں, کسی حدیث کا بھی یہ معنی ومفہوم نہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اذان منبر کے پاس کہتے تھے۔ بلکہ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے طرق کو اگر سامنے رکھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔

کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد۔

یعنی اذان اس وقت کہی جاتی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ جاتے اور اذان آپ کے سامنے مسجد

کے دروازے پر کہی جاتی (ابو داؤد ص۱۵۵ ج۱)۔
اذان کی تعریف ہی یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کو نماز کے وقت کا علم ہو جائے،
ابو داؤد مع عون ص۲۰۴ ج۱ میں حدیث ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ صبح کی اذان بنی نجار کی ایک عورت کے مکان کی چھت پر کہتے تھے۔ اس کی سند میں ابن اسحاق راوی مدلس ہے اور سماع کی صراحت نہیں جب کہ (سیرۃ ابن ہشام ص۱۵۶ ج۲) میں تحدیث کی صراحت ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ابن دقیق العید نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ (نصب الرایہ ص۲۸۷ ج۱)۔ اور ابن سعد نے (طبقات ص۳۰۷ ج۸) میں روایت کی ہے کہ ام زید بن ثابت رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرا مکان مسجد نبوی کے آس پاس مکانات سے بلند تھا اس لئے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ صبح کی اذان میرے مکان کی چھت پر کہتے تھے۔ پھر جب مسجد نبوی تعمیر ہوگئی تو اس کی چھت پر کوئی بلند چیز رکھ کر اذان کہنے لگے، (مگر اس کی سند میں واقدی کذاب ہے) ابو شیخ نے روایت کیا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان چھت پر کہتے تھے۔ (بحوالہ نصب الرایۃ ص۲۹۳ ج۱)۔ سند ضعیف ہے۔
اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اذان کسی بلند جگہ پر کہی جائے، تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ سنائی دے سکے، اب چونکہ آلہ لاؤڈ سپیکر ایجاد ہوگیا ہے اس لئے مسجد کے اندر بھی دینے سے گزارہ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ سنت ہی یہ ہے کہ خطیب کے بالکل قریب منبر کے پاس اذان کہی جائے۔ بدترین جہالت ہے۔ خیر القرون میں اس کا قطعی طور پر وجود ثابت نہیں، الشیخ محمود محمد السبکی فرماتے ہیں۔

واما یفعل الان من وقوع الاذانین فی مکان واحد او احدھما فوق المسجد والاخر داخل المسجد فلیس موافقا لما کان علیه سیدنا عثمان ولا ما کان علیه النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما۔

یعنی اب جو دونوں اذانیں ایک ہی جگہ (مسجد کے اندر منبر کے نزدیک) دی جاتی ہیں یا ایک مسجد کی چھت پر اور دوسری چھت کے نیچے تو یہ نہ تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کے موافق ہے اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کے مطابق،

(المنهل العزب المورود ص٢٤٦ ج٦).

انوار صاحب اس پر اجماع امت کا دعویٰ کرتے ہیں اور نسل در نسل تعامل بھی کہتے ہیں پھر اس کا ثبوت دیتے ہوئے، (الاوسط للابن منذر ص۵۹ ج۴) سے عبارت بھی نقل کرتے ہیں، حالانکہ امام ابن منذر نے یہ بات قطعاً نہیں کہی جو انوار صاحب ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، ہم اپنے قارئین کرام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ حدیث اور اہل حدیث ص۹۴۷ سے امام ابو بکر بن المنذر کی عبارت کو پڑھ لیں، اس میں صرف یہ ہے کہ امام جب منبر پر بیٹھے تو مؤذن اذان کہے، لیکن انوار صاحب اس کا یہ

مفہوم بیان کرتے ہیں کہ امام کے سامنے منبر کے پاس اذان دے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، محترم آپ حنفیت کی وکالت ضرور کریں مگر جھوٹ بولنا چھوڑ دیں اس پر اجماع کا دعویٰ قطعی طور پر کذب ہے۔

امام ابن عبد البر نے امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے امام کے پاس اذان دینا ایک نیا رواج ہے، امام ابن الحاج مالکی فرماتے ہیں بدعت ہے۔(بحوالہ عون المعبود ص ۴۲۴ ج ۱)۔ رہا آپ کا علامہ شرنبلالی سے نقل کرنا اذان امام کے سامنے ہو۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۹۵)

تو یہ آپ کے لئے مفید نہیں، بین یدیہ، امام کے سامنے، سے منبر کے قریب ہونا لازم نہیں آتا، یہ آپ کی زیادتی ہے مزید برآں شرنبلالی حنفی ہیں ان کا قول ہم پر حجت نہیں، کسی مسلمہ امام کا قول پیش کیجئے۔

(۶) عن ابی وائل خطبنا عمار فاوجز وابلغ فلما نزل قلنا یا ابا الیقظان لقد ابلغت و اوجزت فلو کنت تنفست فقال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان طول صلاۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقہہ فاطیلوا الصلاۃ واقصروا الخطبۃ وان من البیان سحرا۔

(مسلم ص ۲۸٦ ج ۱)۔

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا تو بہت مختصر اور انتہائی بلیغ خطبہ دیا، جب وہ منبر سے اترے تو ہم نے کہا اے ابو الیقظان آپ نے نہایت بلیغ اور مختصر خطبہ دیا ہے اگر آپ اسے ذرا طویل کرتے تو بہت اچھا ہوتا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کا نماز کو لمبا کرنا اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کے سمجھ دار ہونے کی نشانی ہے۔ سو تم نماز کو لمبا کیا کرو اور خطبہ کو مختصر اور بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۷۹۲)

الجواب: اولاً بلاشبہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ مختصر دیتے تھے۔ مگر اس کا یہ معنی نہیں کہ نماز کی نسبت خطبہ جمعہ مختصر ہو بلکہ عام وعظوں کی نسبت مختصر ہو اور مذکورہ حدیث میں خطبہ جمعہ کی قید قطعاً نہیں۔ صرف، خطبنا، کے الفاظ ہیں جو بمعنی خطاب آتے ہیں اور اس میں جمعہ کا لفظ شامل کرنا انوار صاحب کی زیادتی ہے۔

ثانیاً: رہا انوار صاحب کا یہ دعویٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ خطبہ مختصر کرو اور نماز کو دراز کرو، اس لحاظ سے اگر تقریر کو خطبہ قرار دیا جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کھلی مخالفت لازم آئے گی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۰۰)

غلط ہے کیونکہ حدیث میں نماز جمعہ سے خطبہ مختصر کرنے کا حکم نہیں، اگر ہے تو انوار صاحب اس لفظ

پر انگلی رکھیں، بلکہ حدیث میں عموم ہے، جو ہر خطاب کو شامل ہے، حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ وعظ و نصیحت کا خطاب مختصر کرنا اور نماز طویل ادا کرنا خطیب کے فقہی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر اس کا یہ مفہوم لیا جائے جو انوار صاحب بیان کرتے ہیں ,تو یہ سب کے خلاف ہے۔ کیونکہ نماز جمعہ دو رکعت ہے جو عموماً پانچ منٹ دس منٹ میں ختم ہوجاتی ہے۔ جب کہ حنفی عربی میں جو خطبہ پڑھتے ہیں۔ وہ تقریباً پندرہ بیس منٹ بنتے ہیں، اس قدر وقت تو وضو کرتے کرتے گزر جاتا ہے، پھر حدیث میں آتا ہے کہ آنے والا خطبہ کے دوران ہی ہلکی سی دو رکعت نماز پڑھے، (جیسا کہ آگے آتا ہے)۔ تو اس حکم کی تعمیل بھی مشکل ہے، پھر انوار صاحب نے خود احادیث نقل کی ہیں کہ خطبہ کے درمیان بیٹھنا نبی مکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ اگر خطبہ مختصر پانچ دس منٹ کا مراد لیا جائے تو آرام کے لئے بیٹھنے کی کوئی وجہ نہیں، حالانکہ احادیث میں بیٹھنے کی وجہ راحت بیان ہوئی ہے۔

سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب خطبہ پڑھتے تو دیر تک کھڑے رہتے اور اس سے مشقت پاتے ، الحدیث (السنن دارمی ص۲۹ ج۱ رقم الحدیث ۳۲)۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کھجور کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ فرمایا مجھ پر کھڑا ہونا (دیر تک) مشکل ہوگیا ہے

الحدیث (طبقات ابن سعد بحوالہ فتح الباری ص ۳۱۸ ج ۲)۔

اگر خطبہ جمعہ دو رکعت نماز سے بھی مختصر ہونا۔ مطلوب شرعی ہے تو مشقت کے چہ معنیٰ؟ کیا نبی مکرم ﷺ اتنی دیر کھڑے ہونے سے بھی مشقت پاتے تھے۔

حالانکہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی صحت نہایت اچھی تھی, بڑھاپے کے آثار بھی صحیح طرح سے نمودار نہیں ہوئے تھے۔ وفات کے وقت داڑھی اقدس اور سر مبارک میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔ (بخاری رقم الحدیث ۳۵۴۷، ۳۵۴۸)۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ۔

کان رسول اللہ ﷺ اذا خطب (ای خطبۃ الجمعۃ کما فی روایۃ الاخریٰ فی صحیح مسلم ۲۸۵ ج۱)۔ احمرت عیناہ وعلاصوتہ، واشتد غضبہ۔

رسول اللہ ﷺ جب خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے تو آپ علیہ السلام کی آنکھیں سرخ ہوجاتیں اور آواز بلند ہوجاتی اور غصہ زیادہ ہوجاتا۔ الحدیث (مسلم ص ۲۸۴ ج ۱)۔

ظاہر ہے کہ ایسا جوش آٹھ دس منٹ میں پیدا ہونا ممکن نہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جسے مسجد میں جمعہ کے دن نیند آئے وہ اپنی جگہ بدل لے۔

(ترمذی رقم الحدیث ۵۲۶، ابوداؤد رقم الحدیث ۱۱۱۹)۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جسے خطبہ جمعہ میں نیند آئے وہ اپنی جگہ بدل لے۔ (کتاب الام ص ۳۴۰ ج ا، بیہقی ص ۲۳۷ ج ۳)۔ سند صحیح ہے۔

سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کو جمعہ میں نیند آئے تو وہ اپنی جگہ بدل لے۔ (طبرانی کبیر رقم الحدیث ۶۹۵۶، ۷۰۰۳، ۷۰۰۴ ج ۷)۔

ظاہر ہے کہ اگر خطبہ ہی اتنی مقدار میں ہو جو دو رکعت نماز سے بھی مختصر ہو تو نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ثابت ہوا کہ خطبہ جمعہ کو کچھ طول دیا جائے۔

الغرض خطبہ کے مختصر ہونے کا یہ معنی لینا کہ خطبہ نماز جمعہ سے چھوٹا ہو، کسی صورت صحیح نہیں ہے۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نمازیں پڑھی ہیں آپ کی نماز اور خطبہ (جمعہ) درمیانے درجے کا ہوتا تھا۔

(صحیح مسلم کتاب الجمعة باب تخفیف الصلاة والخطبة، الحدیث ۲۰۰۳، ۲۰۰٤)۔

(۷)عن ابن شهاب قال بلغنا ان رسول الله ﷺ كان يبداء فيجلس على المنبر فاذا سكت المؤذن قام فخطب الاولى ثم جلس شئيا يسيرا ثم قام فخطب الخطبة الثانية حتى اذا قضاها استغفر الله ثم نزل فصلى قال ابن شهاب وكان اذا قام اخذ عصا فتوكا عليها وهو قائم على المنبر ثم كان ابو بكر الصديق وعمر وعثمان يفعلون ذالك۔

(مراسیل ابی داؤد مع سنن ابی داؤد ص۷)۔

حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداً منبر پر تشریف فرماتے، پھر جب مؤذن اذان دے کر خاموش ہوجاتا تو کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے یہاں تک کہ جب خطبہ پورا فرما لیتے تو استغفر اللہ کہتے پہلا خطبہ ارشاد فرماتے پھر تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ ارشاد فرماتے یہاں تک کہ جب خطبہ پور فرما لیتے تو استغفر اللہ کہتے، نیچے تشریف لا کر نماز پڑھاتے، حضرت ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب آپ کھڑے ہوتے تو لاٹھی پکڑ کر اس پر ٹیک لگاتے، اس حال میں کہ آپ منبر پر کھڑے ہوتے، پھر حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۷۹۳)

الجواب: اولا انوار صاحب نے اس باب میں دو مسئلے ثابت کرنے کی سرخی قائم کی ہے، الف، اذان منبر کے پاس ہو، ب خطبہ عربی زبان میں ہو، مگر پورے باب میں صراحت نہیں کہ اس روایت سے یہ مسائل کسی طرح ثابت ہوتے ہیں۔

فقاہت کا راگ الأپنے والوں کے شیر بہادر نے صرف اتنا ہی اشارہ کیا ہے کہ اس روایت سے دو خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھا جائے۔۷۹۵)۔

لیکن یہ ہمارے خلاف نہیں ہم بھی بفضلہ تعالیٰ بیٹھتے ہیں، اور اسے مسنون جانتے ہیں۔ اور خود انوار صاحب نے بھی اس پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوع احادیث نقل کی ہیں جیسا کہ نمبر ۲، ۳، ۴، ۵، میں تفصیل گزر چکی ہے۔ اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے (ابن ابی شیبہ طبرانی کبیرو الاوسط کذافی) مجمع الزوائد ص۱۸۷ ج۲، اور مسند احمد ص۲۵۶ ج۱) میں مروی ہے، اور سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے، (بیہقی ص۱۹۸ ج۳) میں صحیح اسناد سے مروی ہے۔ (راجع ارواء الغلیل ص۷۱ ج۳)۔

اگر انوار صاحب کو اس مسئلہ پر زیادہ دلائل جمع کرنے کا شوق تھا تو مذکورہ روایات کو بھی نقل کردیتے ابن شہاب کی مرسل (ضعیف) کی ضرورت ہی کیا تھی۔

ثانیا: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے عصاء پر ٹیک لگایا کرتے تھے۔

اس مرسل روایت کے علاوہ یہ چیز سیدنا حکم بن حزن رضی اللہ عنہ بھی بیان کرتے ہیں جیسا کہ ابو داؤد (۱۰۹۶)۔ میں حسن سند سے مروی ہے، اور ان کے طریق سے امام بیہقی نے، (السنن الکبریٰ ص۲۰۶ ج۳) میں اور امام احمد نے، (مسند ص۲۱۶ ج۴) میں روایت کیا ہے۔ بلکہ امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعا نقل کیا ہے (مسند احمد ص۳۱۴ ج۳)۔

لیکن کتنے ستم کی بات ہے، کہ دوران خطبہ عصاء پر ٹیک لگانے کو حنفی مکروہ کہتے ہیں۔

(خلاصہ بحوالہ درمختار مع شامی ص۱۶۳ ج۳)۔

مفتی رشید احمد دیوبندی فرماتے ہیں، مکروہ و بدعت ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص۱۵۲ ج۴)۔

مولانا تھانوی کی ایک عبارت سے معنا اس کا مکروہ ہونا ثابت ہے۔ (بہشتی زیور ص۸۳۸ مطبوعہ مکتبہ العلم لاہور۔

مولوی احمد رضا لکھتا ہے اس کا ترک بہتر ہے (فتاویٰ رضویہ ص۳۰۳ ج۸ جدید ص۶۸۴ ج۳ قدیم)۔

ثالثا: بوجہ مرسل یہ روایت ضعیف ہے۔ (مقدمہ کتاب کی مراجعت کریں)۔

(۸) عن عمر بن الخطاب انه قال انما جعلت الخطبة مكان الركعتين ، الحديث۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۲۸ ج۲، مصنف عبد الرزاق ص۲۳۷ ج۳)۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (جمعہ کا) خطبہ دو رکعتوں کی جگہ رکھا گیا ہے۔

(۹) عن سعيد بن جبير قال كانت الجمعة اربعا فحطت للخطبة۔

(المدونۃ الکبریٰ ص۱۵۷ ج۱)۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جمعہ کی چار رکعتیں تھیں، دو خطبہ کی وجہ سے کم ہوگئی۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۷۹۳)

الجواب: اولاً شرائط جمعہ کی بحث میں ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ یہ دونوں روایات سنداً ضعیف و منقطع ہیں۔ راجع۔

ثانیا: کسی چیز کا دوسری چیز کے قائم مقام ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ہر طرح اس کے حکم میں ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

نماز دو دو رکعت فرض ہوئی تھی، سوائے مغرب کے، وہ تین رکعت فرض ہوئی تھی، اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے تو اول فرض کی گئی نماز دو دو رکعت ہی ادا کرتے سوائے مغرب کی نماز کے، اور جب حالت قیام میں ہوتے تو مغرب کی تین رکعت ادا کرتے کیونکہ یہ وتر ہے اور بقایا کے ساتھ دو دو رکعت ملاتے (یعنی چار رکعت پڑھتے) لیکن صبح کی نماز دو رکعت ہی ادا فرماتے، لانه يطول فيها القرأة، کیونکہ اس میں قرأت طویل ہوتی ہے۔ (مسند احمد ص۲۶۵ ج۶)۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: سفر وحضر کی نماز دو رکعت فرض کی گئی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ہجرت کی تو حضر میں دو رکعت کا اضافہ کر دیا گیا اور فجر کو دو رکعت ہی رہنے دیا گیا، کیونکہ اس میں قرأت طویل ہوتی ہے، اور مغرب دن کے وتر ہیں (اس لئے تین رکعت ہی رہیں)۔ (ابن خزیمہ رقم الحدیث ۹۴۴ وابن حبان رقم الحدیث ۲۷۷۷)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے، (فتح الباری ص۴۶۹ ج۱) میں اس روایت پر سکوت کیا ہے۔ اور جس روایت پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فتح میں سکوت کریں وہ روایت اکابر دیوبند کے نزدیک کم از کم حسن ہوتی ہے (درس ترمذی ص۷٤ ج۱ وقداعد فی علوم الحدیث ص۸۹ ومعارف السنن ص۱٦۷، ۳۸۵، ٤۸۲ ج۱)۔

اس حدیث پر غور کریں، اس میں لمبی قرأت کو دو رکعت کے قائم مقام قرار دیا ہے، حالانکہ فجر میں لمبی قرأت کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں، خود نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صبح کی نماز میں آخری دو سورتوں کی قرأت ثابت ہے۔

ٹھیک اس طرح خطبہ کو سمجھ لیں کہ ہر حکم میں نماز کے قائم مقام نہیں۔ مثلا انوار صاحب نے خود لکھا ہے کہ طہارت، خطبہ میں سنت ہے، ص۷۹۷) حالانکہ نماز میں طہارت شرط ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، جب کہ خطبہ میں شرط نہیں بلکہ احناف کے نزدیک حالت جنابت میں بھی خطبہ پڑھا تو خطبہ بہر حال ہو جائے گا۔ (حلبی کبیر ص۵۵٦ وفتاویٰ شامی ص۱۵۰ ج۲)۔

اسی طرح نماز میں قبلہ رخ منہ کرنا شرط ہے مگر خطبہ میں سامعین کی طرف منہ کرنا یعنی قبلہ کی طرف پشت کرنے کو خود انوار صاحب نے آداب خطبہ اور سنن خطبہ سے قرار دیا ہے۔ اسی طرح نماز میں اصل

اخفی ہے جب کہ خطبہ میں جہر انوار صاحب نے بھی سنت کہا ہے۔ ص ۲۹۷۔

خطبہ کی ابتداء حمد باری تعالیٰ سے ہوتی ہے۔ جب کہ نماز کی تکبیر سے، خطبہ پورے کا پورا کھڑے ہو کر دینا انوار صاحب نے بھی سنت قرار دیا ہے۔ جب کہ نماز اس کے برعکس ہے۔ اس میں جھکنا اور سجدہ کرنا فرض ہے، نماز میں قرأت بالاتفاق فرض ہے جب کہ خطبہ میں نہیں۔ آخری تشہد تو احناف کے نزدیک بھی فرض ہے، مگر خطبہ میں تشہد پڑھنا فرض تو کجا سنت بھی نہیں، نماز میں ہاتھ باندھنا احناف کے نزدیک سنت ہے جب کہ خطبہ میں ہاتھوں کا باندھنا بقول مفتی رشید احمد صاحب بدعت ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۴۳ ج ۴)۔

الغرض خطبہ تمام صورتوں میں دو رکعت کے قائم مقام نہیں، زیادہ سے زیادہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ ثواب کے لحاظ سے دو رکعت نماز کے قائم مقام ہے، اگر ہر لحاظ سے خطبہ کو دو رکعت کے قائم مقام قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ جس کا خطبہ رہ جائے اس کا جمعہ نہیں ہوا۔ حالانکہ دیوبندیوں کے نزدیک تشہد میں بھی نمازی ملے تو ظہر کی بجائے جمعہ ہی ادا کرے۔

(مراقی الفلاح ص ۲۸۱ وخیر الفتاویٰ ص ۷۶ ج ۳)۔

صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نماز تسبیح و تکبیر اور قرأت قرآن ہے۔ (مسلم ص ۲۰۳ ج ۱)۔

جب کہ خطبہ یہ ہے کہ:

• یقرأ القرآن ویذکر الناس، یعنی قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے۔ (مسلم ۲۸۳ ج ۱)۔ گویا خطبہ یہ ہے کہ قرآن پڑھ کر لوگوں کو نصیحت کی جائے، حالانکہ نماز میں بالاتفاق لوگوں کو نصیحت کرنا جائز نہیں، اور قرأت قرآن بھی بہ نیت وعظ نہیں ہوتی، اور نیت سے حکم شرعی کا بدل جانا احناف کو مسلم ہے۔ یہ حالت جنابت میں قرأت قرآن کے قائل نہیں۔ جب کہ دعا کی نیت سے جواز کے قائل ہیں۔

الغرض انوار صاحب کا ان آثار سے جہاں استدلال باطل ہے وہاں ہی ان کے مخالف بھی ہے اور سند کے لحاظ سے یہ روایات ضعیف بھی ہیں۔

<u>پہلی وجہ:</u> انوار صاحب فرماتے ہیں۔

جمعہ کے دونوں خطبے عربی زبان میں ہونے چاہئیں، عربی کے علاوہ کسی زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اس کی بہت سی وجوہات ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ خطبہ کی اصلی حقیقت ذکر اللہ، ہے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے خطبہ کو ذکر اللہ ہی سے تعبیر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے،

اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ۔

جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو۔

عام مفسرین کا کہنا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں ذکر اللہ سے مراد خطبہ جمعہ ہے، ایسے ہی آنحضرت ﷺ نے بھی خطبہ جمعہ کو ذکر اللہ سے تعبیر فرماتے ہیں۔

اذا کان یو م الجمعة وقفت الملائکة علی باب المسجد یکتبون الاول فالاول ومثل المهجر کمثل الذی یهدی بدنة ثم کالذی یهدی بقرة ثم کبشا ثم دجاجة، ثم بیضة فاذا خرج الامام طو اوصحفهم ویستمعون الذکر۔ (بخاری ص۱۲۷ ج۱ مسلم ص۲۸۲ ج۱)۔

جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور شروع میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے پھر اس کے بعد دو نمبر پر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرنے والے کی، پھر اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی، پھر جب امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف آتا ہے تو فرشتے اپنے لکھنے والے دفتر لپیٹ لیتے ہیں، اور ذکر سننے میں شریک ہوجاتے ہیں۔

(حدیث اوراہل حدیث ص۷۹۶، ۷۹۷)

الجواب: اولا قرآن مجید میں اللہ کا کلام، اذا نودی للخطبۃ (یعنی جب خطبہ کے لئے اذان دی جائے)۔ نہیں بلکہ اذا نودی للصلاۃ (یعنی جب نماز کے لئے اذان دی جائے) تو صلاۃ بمعنی خطبہ نہیں بلکہ نماز آتا ہے، لہٰذا اس آیت میں نماز ہی مراد ہے، خطبہ قطعاً نہیں۔

ثانیا: حدیث کے الفاظ یہدی، کا معنی قربانی نہیں بلکہ صدقہ ہے (فتح الباری ص۲۹۳ ج۲ وعمدۃ القاری ص۲۴۸ ج۶)۔

اگر اس کا معنی قربانی کیا جائے جیسا کہ انوار صاحب نے کیا ہے تو لازم آئے گا کہ مرغی اور انڈے کی قربانی بھی جائز ہے۔

ثالثاً: انوار صاحب نے ،المھجر، کا معنی اول وقت دوپہر میں آنے والے ،کیا ہے، اگر ان کا یہ مقصود ہے کہ جمعہ کے اول وقت پر آنے والے کے لئے یہ اجر وثواب ہے، تو قطعی طور پر یہ مفہوم باطل ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں، **لاشئی من الفضیلة لمن جاء بعد بعد الزوال**، اسے کوئی فضیلت حاصل نہ ہوگی، جو زوال آفتاب کے بعد آیا ہے (عمدہ القاری ص۲۴۷ ج۶)۔

رابعاً: انوار صاحب نے، **یستمعون الذکر**، کا معنی کیا ہے ذکر سننے میں شریک ہو جاتے ہیں، پھر ذکر سے مراد خطبہ لیا ہے، حالانکہ حدیث کا معنی ہے کہ **مافی الخطبة من المواعظ ونحوها**، یعنی خطبہ میں جو وعظ ونصیحت کی باتیں ہیں وہ سننے لگ جاتے ہیں۔

(عمدة القاری ص۲۵۰ ج۶ وفتح الباری ص۲۹۳ ج۲)۔

انوار صاحب نے یہاں چند غلط بیانیاں کی ہیں،، الف،، ذکر کا معنی ترک کردیا ہے، حالانکہ ذکر

بمعنی نصیحت قرآن میں آتا ہے، فذکر انما انت مذکر، (سورۃ الغاشیہ آیت ۲۱)۔ب، پھر ذکر بمعنی خطبہ عربی لیا ہے اور وعظ ونصیحت کو اس سے خارج کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ انوار صاحب نے پہلی وجہ میں قرآن و حدیث سے جو استدلال کیا ہے، قرآن کی جس آیت سے انہوں نے خطبہ کو ذکر قرار دینے کی کوشش کی ہے، اسی آیت میں ذکر کو نماز قرار دیا گیا ہے۔ اور جس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اس میں ذکر سے مراد وعظ ونصیحت ہے، اور وعظ ونصیحت کو انوار صاحب خطبہ تسلیم نہیں کرتے، انوار صاحب کے لیے یہ حدیث تب مفید ہے جب یہ کسی دلیل سے ثابت کریں کہ وعظ ونصیحت صرف عربی میں ہی کی جاسکتی ہے۔ غیر عربی میں وعظ نصحیت جائز نہیں۔

دوسری وجہ: خطبہ جمعہ نماز جمعہ کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہے، جس کی ایک دلیل تو وہ آثار ہیں دوسری دلیل یہ ہے کہ جو افعال وحرکات بحالت نماز ممنوع ہیں خطبہ میں بھی حرام ہیں۔

(حدیث اور اھل حدیث ص۷۹۹)

الجواب: اولاً قائم مقام کا جواب تو گزر چکا ہے وہاں سے ایک نظر دیکھ لیا جائے دھرانے کی ضرورت نہیں۔

ثانیا: نماز میں قبلہ کی جانب منہ کرنا شرط ہے، اگر جان بوجھ کر نماز میں منہ غیر قبلہ کی طرف کیا تو نماز ادا نہ ہوگی جب کہ خطبہ جمعہ میں قبلہ کی جانب پشت اور منہ سامعین کی طرف کرنا سنت ہے۔ پھر خطبہ جمعہ میں وعظ ونصیحت کرنا آپ بھی سنت تسلیم کرتے ہیں، جب کہ حالت نماز میں وعظ ونصیحت کرنا نماز کو باطل کردیتا ہے۔ خواہ عربی زبان میں ہی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کیا جائے۔ حرام چیزوں سے اجتناب کیا جائے، اللہ و رسول کی اطاعت کی جائے، نماز کو پابندی سے ادا کیا جائے، بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت کی جائے، وغیرہ یہ سب چیزیں وعظ ونصیحت ہیں اور خطبہ میں حنفیہ کے نزدیک مسنون ہیں لیکن نماز میں کرنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے، کیوں؟ وجہ فرق صاف ہے کہ خطبہ اور نماز ایک چیز نہیں۔

ثالثا: رہا انوار صاحب کا اسے ذکر قرار دے کر اپنا الوسیدھا کرنا، تو اس کے متعلق ہم عرض کر آئے ہیں کہ جس معنی میں انوار صاحب خطبہ کو ذکر قرار دیتے ہیں، اس پر کوئی دلیل شرعی ثابت نہیں۔ اور مطلق خطبہ کے ذکر ہونے سے اس کا نماز ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

حدیث میں سب سے افضل ذکر **لا الہ الا اللہ**، کو کہا گیا ہے۔

(ترمذی رقم الحدیث ۳۳۸۳، ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۸۰۰، مستدرک حاکم ص۴۹۸ ج۱، ابن حبان (موارد) رقم الحدیث ۲۳۲۶، الترغیب والترھیب ص۴۱۵ ج۲)۔

انوار صاحب وضاحت کریں کہ کیا لا الہ اللہ کہنا نماز ہے؟ اگر نہیں یقیناً نہیں، تو ثابت ہوا کہ خطبہ بھی بوجہ ذکر ہونے کے نماز نہیں۔

رابعا انوار صاحب نے خطبہ کو ذکر قرار دے کر کہا ہے کہ ذکر نماز ہے آخر اپنے راگ کی تان اس پر توڑتے ہیں کہ جب خطبہ نماز کے قائم مقام ہے تو ضروری ہے کہ خطبہ جمعہ عربی زبان میں ہو، کیونکہ نماز کی زبان عربی ہے، نماز کسی اور زبان میں نہیں ہوتی (ص۷۹۹)۔

یہ پوری بنیاد قیاس فاسد پر مبنی ہے۔ ہم عرض کر آئے ہیں کہ نماز میں وعظ و نصیحت جائز نہیں، اور قبلہ سے انحراف بھی جائز نہیں، جب کہ خطبہ میں وعظ و نصیحت اور قبلہ سے منہ کا انحراف سنت ہے، فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

ثم اقول، کس منہ سے کہتے ہو کہ نماز دوسری زبان میں نہیں ہوتی آپ کے امام ابوحنیفہ کا تو یہ فتویٰ ہے کہ نماز کسی دوسری زبان میں پڑھی گئی خواہ عربی جانتا بھی ہو تب بھی نماز ہوجائے گی، (ہدایہ مع فتح القدیر ص۲۴۷ ج۱)۔

انوار صاحب نے خود صفحہ ۸۰۳ پر فتاویٰ شامی ص۱۴۷ ج۲ سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک خطبہ کا عربی میں ہونا شرط نہیں۔ خواہ عربی پر قادر بھی ہو، پھر (عمدۃ الرعایۃ ص۳۰۰ ج۱ سے نقل کیا ہے کہ خطبہ کا عربی میں ہونا شرط نہیں ہے۔ لہٰذا اگر فارسی یا کسی اور زبان میں بھی خطبہ دے دیا جائے تو جائز ہوگا۔ یعنی نماز جمعہ ادا ہوجائے گی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۰۳)

<u>تیسری وجہ:</u> خطبہ جمعہ بالاجماع شرط صلاۃ ہے اس لئے جو زبان صلاۃ کی ہے وہی زبان شرط ہے یعنی خطبہ کی ہونی چاہیے یہ نہیں ہوسکتا کہ شرط صلاۃ کسی محدث طریقے یعنی غیر عربی سے ادا کی جائے۔ ص۸۰۰۔

<u>الجواب:</u> اولاً ثابت ہوا کہ نماز شروع کرتے وقت حنفی زبان سے جو رٹے رٹائے الفاظ سے نیت کرتے ہیں وہ غلط ہے۔ ورنہ یہ عربی زبان میں ہوتی۔

<u>ثانیاً:</u> گزشتہ جواب میں ہم وضاحت کرآئے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غیر عربی میں بھی نماز ہوجاتی ہے، لہٰذا انوار صاحب کا یہ استدلال ان کے تقلیدی مذہب کے خلاف ہے۔

<u>ثالثاً:</u> انوار صاحب نے خود صفحہ ۵۳۵ پر صحیح مسلم ص۲۰۳ ج۱ سے حدیث نقل کی ہے کہ انما ھو التسبیح و التکبیر وقرأۃ القرآن، الحدیث، یعنی نماز تو تسبیح، تکبیر اور قرأت ہے بلفظ دیگر نماز کا اصل مقصود یہ ہے جب کہ خطبہ کا اصل مقصود لوگوں کو خطاب کرنا ہے۔ جیسا کہ ہم اس پر حدیث نقل کر آئے ہیں۔ لہٰذا اس کا نماز پر قیاس کرنا درست نہیں۔

<u>رابعاً:</u> ہم بھی بفضلہ تعالیٰ وعظ و نصیحت سے پہلے خطبہ مسنونہ کو عربی زبان میں ہی پڑھتے ہیں، تعوذ

وتسمیہ کے بعد قرأت قرآن کے بعد ترجمہ کیا جاتا ہے۔

اور لوگوں کو قرآن و سنت سمجھایا جاتا ہے۔ گویا جو کلمات نبی اکرم ﷺ وعظ و نصیحت سے پہلے پڑھا کرتے تھے اسے ہم بھی عربی میں ہی پڑھتے ہیں صرف لوگوں کے متعلقہ حصے کو سامعین کی زبان میں ادا کرتے ہیں۔ عربی حصے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا نبی مکرم ﷺ پر درود و سلام اور تلاوت قرآن کے ساتھ اللہ کے وحدہ لاشریک ہونے کی گواہی ہوتی ہے۔ اور اس قدر عربی زبان میں ہونے سے خطبہ ادا ہو جانا حنفیہ کو مسلم ہے، آگے وعظ و نصیحت کو عوامی زبان میں کرنے پر انہیں اعتراض کرنا درست نہیں کیونکہ جتنی چیز لازم تھی وہ بہر حال عربی زبان میں ہی ادا ہوئی، مولوی ارشاد حسین رامپوری فرماتے ہیں کہ اشعار فارسی وغیرہ خطبہ میں پڑھنا جائز ہیں اس واسطے کہ جب خطبہ بقدر تشہد مسنون کے زبان عربی میں پڑھا اور کچھ فارسی یا اردو وغیرہ میں تو خطبہ بقدر مسنون زبان عربی میں ادا ہو گیا اور اشعار فارسی وغیرہ واسطے تفہیم عوام کے اور پند و نصیحت کے کچھ منافی خطبہ کے نہیں، پس جواز اشعار فارسی وغیرہ میں کچھ تامل نہیں اور اگر بالفرض خطبہ بالکل کسی زبان میں سوائے عربی کے پڑھا جب بھی، عند الامام ابی حنیفہ جائز ہوا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(بحوالہ امداد الفتاویٰ ص ۴۳۶ ج ۱)۔

مولانا اشرف علی تھانوی سے سوال کیا گیا کہ جمعہ کے خطبوں کے درمیان میں یا آخر بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کر دینا جائز ہے یا نہیں؟ الجواب جائز ہے (امداد الفتاوی ص ۴۳۵ ج ۱)۔

چوتھی وجہ: آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ خطبہ مختصر کرو اور نماز کو دراز کرو اس لحاظ سے اگر گھنٹے آدھ گھنٹے کی اردو تقریر کو خطبہ قرار دیا جائے تو حضور علیہ السلام کے حکم کی کھلی مخالفت لازم آئے گی، (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۰۰)

الجواب: اولاً تقریر کو عربی میں خطبہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اسے خطبہ تسلیم نہ کرنا آپ کا حقیقت سے انکار ہے۔ جس کے لئے بہانے ہزار ہیں۔

ثانیاً: اس کی وضاحت ہم انوار صاحب کی چھٹی دلیل کے جواب میں کر آئے ہیں۔ کہ مختصر کا کیا مفہوم ہے۔

ثالثاً: اگر آپ کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خطبہ مسنونہ کے بعد صرف دو منٹ کا اردو میں خطاب کیا جائے تو کیا یہ آپ کے نزدیک جائز ہے؟ اگر نہیں یقیناً نہیں تو پھر ایسی دلیل درج کریں جو آپ کے مسلک کی ترجمانی کرے۔

پانچویں وجہ: آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ عربی زبان میں خطبہ دیا، ایسا ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ہمیشہ عربی میں خطبہ ارشاد فرمایا، (حدیث اور اہل حدیث ۸۰۰)

الجواب: اولا آنحضرت ﷺ عربی کے علاوہ کوئی زبان نہیں جانتے تھے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ بھی عربی لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ خطبہ جمعہ تو کجا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے غیر عربی میں تقریر ثابت نہیں، مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں۔

لان النبی ﷺ واصحابہ قد خطبوا دائما بالعربیة، ولم ینقل عن احد منهم انهم خطبوا خطبة ولو خطبة غیر الجمعة بغیر العربیة۔

اس لئے کہ نبی مکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ عربی میں خطبہ ارشاد فرماتے تھے، اور کسی ایک سے بھی منقول نہیں کہ انہوں نے عربی زبان کے علاوہ خطبہ ارشاد فرمایا ہو۔ خواہ جمعہ کے علاوہ بھی خطاب کیا ہو۔ (آکام النفائس ص ۴۴ مندرجہ مجموعہ رسائل الکھنوی ص ۳۷۶ ج ۴)۔

چلو چھٹی ہوئی، خطبہ جمعہ سے قبل اردو تقریر بھی ناجائز ثابت ہوگئی، تبلیغی جلسے اور کانفرنسوں سے بھی چھٹکارا ہوا، رائے ونڈ کا تبلیغی اجتماع بھی مکروہ ہوگیا۔ الغرض غیر عربی میں ہر خطاب کی حرمت ثابت ہوگئی، کیوں؟ اس لئے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے غیر عربی میں خطاب نہیں کیا، ہم آپ کی فقاہت کے قائل ہوگئے واقعی آپ کے پاس مغز ہے اور محدثین پنساری ہیں۔ مگر آپ ہماری مشکل حل کردیں یورپ کے چند افراد آتے ہیں، وہ ذاتی تحقیق کی وجہ سے اسلام کے قریب آچکے ہیں لیکن وہ چند اشکال رفع کرانا چاہتے ہیں، ان کی مادری زبان انگریزی ہے، عربی وہ جانتے نہیں، وہ اشکال پیش کرتے ہیں، آپ بایں وجہ کہ نبی مکرم ﷺ نے کبھی غیر عربی میں کلام وخطبہ ارشاد نہیں فرمایا، انہیں عربی میں تقریر جھاڑ دیتے ہیں۔ ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا، پاس ایک پنساری انگریزی میں ان سے کلام کرتا ہے ان کے شبہات دور کرتا ہے وہ اسلام قبول کرلیتے ہیں۔ آپ کے مطابق پنساری نے مکروہ کام کیا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون، انوار صاحب اسے مکروہ کہنے والا پرلے درجے کا جاہل اور روح شریعت سے ناواقف ہے۔ محترم ناراض نہ ہونا آپ کے فقہی مسائل کی حقیقت اس لطیفہ سے کم نہیں، ایک کوچوان مولانا صاحب کے پاس گیا ان سے پوچھا کہ حضرت روزے کی حالت میں احتلام ہونے سے روزہ فاسد ہوتا ہے کہ نہیں؟ مولانا فرمانے لگے، لا، کوچوان تانگہ لے آیا اور مفتی صاحب سے کہنے لگا آیئے تشریف لایئے! مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے کب تانگہ لانے کو کہا تھا کوچوان کہنے لگا کہ مولوی ہوتے ہی بے زبانے ہیں، اس نے ابھی کہا تھا، لا۔

(۷۱) باب دوران خطبہ تحیۃ المسجد ادا کرنا

فصل اول

(۱) عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللهﷺ وهو يخطب اذا جاء احدكم والامام يخطب او قد خرج فليصل ركعتين۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک (مسجد میں) آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو یا خطبہ کے لئے نکلا ہو تو آنے والا دو رکعت نماز پڑھے۔

(بخاری کتاب التهجد باب ماجاء فی التطوع مثنیٰ مثنیٰ، الحديث ١١٦٦)۔

(۲) عن جابر بن عبد الله ان النبیﷺ خطب فقال اذا جاء احدكم يوم الجمعة وقد خرج الامام فليصل ركعتين۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ جب تم میں سے کوئی ایک جمعہ کے دن مسجد میں آئے اور امام خطبہ کے لئے آ گیا ہو تو وہ دو رکعت نماز پڑھے۔

(مسلم كتاب الجمعة باب التحية والامام يخطب، الحديث ٢٠٢٢)۔

(۳) عن جابر بن عبد الله قال جاء رجل والنبیﷺ يخطب يوم الجمعة فقال أصليت يا فلان؟ فقال ،لا، قال قم فاركع۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور نبی مکرم ﷺ جمعہ کے دن خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے ،تو آپ نے اسے کہا کیا آپ نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں، تو آپ نے فرمایا کھڑا ہو جا اور نماز (دو رکعت) پڑھ۔

(بخاری کتاب الجمعة باب اذا رأى الامام رجلا جاء وهو يخطب امره ان يصلى ركعتين الحديث ٩٣٠، و مسلم كتاب الجمعة باب التحية والامام يخطب، الحديث ٢٠١٨)۔

(۴) عن عمرو سمع جابرا قال دخل رجل يوم الجمعة والنبیﷺ يخطب فقال أصليت، قال لا، قال فصل ركعتين۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد نبوی میں داخل ہوا اور نبی مکرم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ نے اسے کہا کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھ۔

(بخاری کتاب الجمعة باب من جاء والامام يخطب صلى ركعتين خفيفتين، الحديث ٩٣١)۔

(۵) عن جابر بن عبد الله قال جاء سليك الغطفاني يوم الجمعة و رسول اللهﷺ يخطب ، فجلس فقال له، يا سليك، قم فاركع ركعتين وتجوز فيهما ثم قال اذا جاء احدكم يوم الجمعة والامام يخطب ، فليركع ركعتين وليتجوز فيهما۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ سیدنا سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سلیک! کھڑا ہو اور دو رکعت نماز ہلکی اور مختصر پڑھ، پھر فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی مسجد میں آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ ہلکی و مختصر دو رکعت نماز پڑھے۔

(صحيح مسلم كتاب الجمعة باب التحية والامام يخطب الحديث ٢٠٢٤)۔

(۶) عن عياض بن عبد الله بن ابى سرح ان ابا سعيد الخدرى دخل يوم الجمعة ومروان يخطب فقام يصلى، فجاء الحرس ليجلسوه فابى حتى صلى فلما انصرف أتيناه فقلنا رحمك الله ان كا دوا ليقعوابك فقال، ماكنت لأتركهما بعد شئى رايته من رسول اللهﷺ ثم ذكران رجلا جاء يوم الجمعة فى هيئة بذة والنبى صلىﷺ يخطب يوم الجمعة فامره فصلى ركعتين والنبىﷺ يخطب۔

امام عیاض بن عبد اللہ بن ابی سرح رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ مروان بن حکم خطبہ دے رہا تھا کہ سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی، پہرے دار انہیں بٹھانے کے لئے آیا تو سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نماز پوری مکمل کئے بغیر بیٹھنے سے انکار کر دیا، جب انہوں نے سلام پھیرا تو ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے قریب تھا کہ پہرے دار آپ پر حملہ کر دیتا سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے نماز کو قطعاً نہیں چھوڑنا تھا، اس چیز کے بعد کہ جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھی تھی، پھر انہوں نے اس شخص کا ذکر کیا جو اپنی پھٹی پرانی حالت کے ساتھ مسجد میں آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے۔ تو آپ علیہ السلام نے اسے نماز پڑھنے کا حکم دیا، تو اس نے (خطبہ کے دوران ہی) دو رکعت نماز پڑھی اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جاری رکھا۔

(سنن ترمذى كتاب الجمعة باب ما جاء فى الركعتين اذا جاء الرجل والامام يخطب، الحديث ٥١١)۔

(۷) عن ابى سعيد قال جاء رجل والنبىﷺ يخطب فقال أصليت؟ قال لا، قال فصل ركعتين

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہ ایک آدمی آیا، آپ نے فرمایا تو نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ دو رکعتیں نماز پڑھ لے۔

(ابن ماجه كتاب اقامة الصلات باب ماجاء فيمن دخل المسجد والامام يخطب الحديث ١١١٣)

(۸) عن ابی سعید ان رجلا دخل المسجد یوم الجمعة ورسول اللهﷺ یخطب، فقال صل رکعتین، ثم جاء الجمعة الثانیة، والنبیﷺ یخطب فقال صل رکعتین، ثم جاء الجمعة الثالثة فقال صل رکعتین الحدیث۔

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص مسجد میں جمعہ کے دن آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ پڑھ رہے تھے، آپ نے فرمایا نماز پڑھ، پھر وہ دوسرے جمعے میں آیا اور آپ نے فرمایا نماز پڑھ، پھر تیسرے جمعے آیا تو آپ نے فرمایا کہ دو رکعتیں نماز پڑھ الحدیث۔

(نسائی کتاب الزکاة باب اذا تصدق وهو محتاج الیه هل یرد علیه الحدیث ۲۵۳۷)۔

(۹) عن ابی هریرة قال جاء سلیك الغطفانی ورسول اللهﷺ یخطب فقال له أصلیت شئیا؟ قال، لا، قال صل رکعتین تجوز فیهما۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سیدنا سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ نے فرمایا نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا ہلکی ومختصر دو رکعت نماز پڑھ۔

(سنن ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب اذا دخل الرجل والامام یخطب، الحدیث ۱۱۱۶)۔

(۱۰) عن سلیك قال قال رسول اللهﷺ اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیصل رکعتین خفیفتین۔

سیدنا سلیک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایک جب مسجد میں آئے اور امام خطبہ جمعہ دے رہا ہو تو وہ ہلکی سی دو رکعت نماز پڑھ لے۔

(رواه احمد و الطبرانی فی الکبیر ورجاله رجال الصحیح مجمع الزوائد ص۱۸۷ ج۲)۔

(۱۱) عن من سمع النبیﷺ یقول لرجل دخل المسجد یوم الجمعة ورسول اللهﷺ یخطب، قال، قم فصل رکعتین۔

(صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے جنہوں نے) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک شخص کو کہہ رہے تھے، جب وہ مسجد میں داخل ہوا اور آپ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ کھڑا ہو کر دو رکعت نماز پڑھ لے۔

(علل الحدیث ص۲۱۲ ج ا رقم الحدیث ۶۱۵)۔

(۱۲) عن جابر بن عبد الله قال قال رسول اللهﷺ اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیصل رکعتین قبل ان یجلس۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اس

حالت میں (مسجد) آئے کہ امام خطبہ جمعہ دے رہا ہو تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔

(حلية الاولياء ص۱۸۲ ج۷ رقم الحديث ۱۰۱۳۱)۔

(۱۳) عن الربيع بن صبيح البصرى قال رايت الحسن يصلى ركعتين والامام يخطب وقال الحسن قال رسول الله ﷺ اذا جاء احدكم والامام يخطب فليصل ركعتين خفيفتين يتجوز فيها۔

امام ربیع بن صبیح بصری فرماتے ہیں کہ امام حسن بصری کو میں نے دیکھا کہ وہ جب امام خطبہ جمعہ دے رہا ہوتا تو دو رکعت نماز پڑھ لیتے۔ اور امام حسن بصری نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک مسجد میں آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ ہلکی سی دو رکعت نماز پڑھ لے اور ان میں قرأت طویل نہ کرے۔

(سنن دارمی ص۴۳۸ ج۱ کتاب الجمعة باب فیمن دخل المسجد یوم الجمعة ...... الحدیث ۱۵۵۳)۔

(۱۴) عن ابى قتادة السلمى ان رسول الله ﷺ قال اذا دخل احدكم المسجد فليركع ركعتين قبل ان يجلس۔

سیدنا ابوقتادہ سلمی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک مسجد میں آئے تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔

(بخاری کتاب الصلاۃ باب اذا دخل المسجد فلیرکع رکعتین، الحدیث ۴۴۴، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب استحباب تحیۃ المسجد...... الحدیث ۱۶۶۴)۔

(۱۵) عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا دخل احدكم المسجد فلا يجلس حتى يركع ركعتين۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک جب مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔

(ابن ماجه کتاب اقامة الصلوات باب من دخل المسجد فلا یجلس حتی یرکع، الحدیث ۱۰۱۲)۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ انسان جب بھی مسجد میں آئے وہ دو رکعت نماز تحیۃ المسجد ادا کر کے بیٹھے، اس کے لئے کوئی وقت کی تخصیص وقید نہیں، اور نبی مکرم ﷺ نے حالت خطبہ میں صحابی کو پڑھنے کے لئے حکم دیا ہے، اور سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا عمل بھی یہی تھا، اور سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ کی کسی صحابی نے مخالفت نہیں کی کہ حالت خطبہ میں دو رکعت تحیۃ المسجد ادا نہیں کرنی چاہیۓ، جیسا کہ امام ابن حزم نے لکھا ہے (المحلی بالآثار ص۲۷۷ ج۳)۔

اور جلیل القدر تابعی امام حسن بصری کا بھی یہی عمل تھا۔ یہی مؤقف و مذہب امام ابن عیینہ، امام

کاروبار میں مصروف رہتے ہیں کہ ابھی مولوی صاحب نے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دماغ چاٹنا ہے، مزید برآں یہ کہ نماز جمعہ سے قبل حلقہ بنا کر بیٹھنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۱۳۳)۔

گو اس حدیث میں نماز کا ذکر ہے مگر انوار صاحب کے نزدیک خطبہ جمعہ اور نماز کا ایک ہی حکم ہے جیسا کہ سابقہ باب میں تفصیل گزر چکی ہے، انوار صاحب کے اس اقبالی بیان سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خطبہ و نماز سے قبل حلقہ بنا کر مسجد میں بیٹھنا جائز نہیں، مگر تمام حنفی اس حدیث کے منکر اور فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام کی مخالفت کرتے ہیں۔ الغرض ان کی یہ بدعت ایسی ہے جو صریحاً حضور علیہ السلام کے ارشاد کے خلاف ہے۔

(۳) عن عطاء الخرسانی قال کان نبیشة الهذلی یحدث عن رسول اللہ ﷺ ان المسلم اذا اغتسل یوم الجمعة ثم اقبل الی المسجد لا یوذی احدا فان لم یجد الامام خرج صلی ما بداله وان وجد الامام قد خرج فاستمع وانصت حتی یقضی الامام جمعته وکلامه ان لم یغفرله فی جمعته تلك ذنوبه کلها ان تکون کفارة للجمعة التی قبلها۔

(مسند احمد ص۷۵ ج۵)

حضرت عطاء خراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے تھے کہ جب مسلمان جمعہ کے دن غسل کر کے مسجد آئے اس طرح سے کہ کسی کو ایذا نہ دے، پھر اگر دیکھے کہ امام ابھی (خطبہ کے لے) نہیں نکلا تو جتنی چاہے نماز پڑھتا رہے اور اگر دیکھے کہ امام نکل آیا ہے تو بیٹھ جائے اور خاموشی سے خطبہ سننے لگے، یہاں تک کہ امام خطبہ و نماز سے فارغ ہو جائے تو اگر جمعہ کے اس کے سارے گناہ معاف نہ ہوئے تو دوسرے جمعہ کے لے یہ کفارہ ہو جائے گا۔

(حدیث اور اهل حدیث ۸۰۸)

الجواب: یہ روایت منقطع ہے۔ کیونکہ امام عطاء خراسانی کو سیدنا نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے ملاقات و سماع ثابت نہیں جیسا کہ منذری نے صراحت کی ہے۔(الترغیب والترہیب ص ۴۸۷ ج۱)، الغرض یہ روایت بوجہ انقطاع ضعیف ہے۔

(۴) عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال النبی ﷺ اذا کان یوم الجمعة وقفت الملائکة علی باب المسجد یکتبون الاول فالاول ومثل المهجر کمثل الذی یهدی بدنة ثم کالذی یهدی بقرة ثم کبشا ثم دجاجة ثم بیضة فاذا خرج الامام طووا صحفهم ویستمعون الذکر۔

(بخاری ص۱۲۷ ج۱ مسلم ص۲۸۰ ج۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو

فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے اور اول وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے پھر اس کے بعد دوم نمبر پر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی، اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی، اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی، پھر جب امام خطبہ کے لیے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور ذکر سننے میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ (حدیث اوراہل حدیث ۸۰۹)

الجواب: اولاً یھدی بدنۃ کے معنی کے بارے سابقہ باب میں، پہلی وجہ کے زیر عنوان تفصیل گزر چکی ہے، وہاں ہی ہم نے وضاحت کردی ہے کہ ذکر سے مراد وعظ و نصیحت ہے۔

ثانیا: اس کا تعلق آنے والے شخص کو نماز دو رکعت نہ پڑھنے سے قطعی طور پر نہیں، رہا انوار صاحب کا یہ کہنا فرشتوں کا نامہ اعمال لپیٹ کر ذکر سننے میں مشغول ہوجانا اس امر کی دلیل ہے کہ خطبہ کی حالت ذکر سننے کے سوا تمام اعمال کی بندش کا وقت ہے (حدیث اوراہل حدیث ۸۲۰)

یہ بات تو ٹھیک ہے مگر علی الاطلاق نہیں، کیونکہ فرشتے خطبہ شروع ہونے کے بعد نہیں آتے بلکہ وہ پہلے سے ہی مسجد میں ہوتے ہیں حتی کہ پہلے آنے والے آدمی کو وہ درج کرتے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مسجد میں سب سے پہلے آتے ہیں، اور پہلے آنے والے کے متعلق اختلاف نہیں، کیونکہ وہ تو ہمارے نزدیک بھی امام کے آنے سے پہلے پہلے نوافل جس قدر پڑھنا چاہیئے پڑھ لے، اور بعد میں خاموش بیٹھ کر خطبہ سنے، محترم اختلاف اس میں ہے کہ آنے والا اس وقت آتا ہے جب خطبہ شروع ہوچکا ہے وہ بیٹھ جائے یا دو رکعت نماز ادا کرے، حدیث ابو ہریرہ اس سے ساکت ہے جب کہ دوسری احادیث جو فصل اول میں بیان کردی گئی ہیں۔ خطبہ میں آنے والے کو دو رکعت ادا کرنے کا حکم نبوی ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ ناطق اور ساکت میں فرق ہے۔

(۵) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قلت لصاحبك یوم الجمعة انصت والامام یخطب فقد لغوت۔ (بخاری ص ۱۲۷ ج ۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نے جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے کہا کہ خاموش رہ اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا تھا تو تم نے لغو و بیکار کام کیا۔

(حدیث اوراھل حدیث ۸۰۹)

الجواب: محترم اس حدیث میں کلام کو لغو کہا گیا ہے بلاشبہ دوران خطبہ کلام کرنے کی اجازت نہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ نووارد کی نماز دو رکعت ادا کرنے میں ہے۔ لہٰذا کوئی ایسی حدیث بیان کریں جس میں حالت خطبہ میں نماز ادا کرنے کو بیکار کہا گیا ہو۔ نماز اور گفتگو میں فرق ہے نماز

اور مؤذن اذان کہتے تو (ثعلبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) کہ ہم بیٹھے بیٹھے بات کر لیا کرتے تھے، پھر جب مؤذن خاموش ہوجاتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ کے لیے کھڑے ہوجاتے تو ہم خاموش ہوجاتے اور ہم میں سے کوئی شخص کلام نہ کرتا، حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کا نکلنا نماز کو اور اس کا کلام کرنا گفتگو کو ختم کر دیتا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۱۱)

الجواب: اولاً یہ روایت نو وارد کے حق میں قطعی طور پر نہیں بلکہ خطیب کے آنے سے پہلے مسجد میں پہنچ جانے والوں کے متعلق ہے انوار صاحب اپنے ترجمہ پر ہی غور کرتے تو بات حل ہوجاتی، روایت کے دو حصے ہیں۔ الف، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے آنے سے پہلے پڑھا کرتے تھے، ب، آنے پر نہ پڑھتے، اس میں اختلاف نہیں اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ امام خطبہ شروع کر دے اور بعد میں آنے والا، بیٹھ جائے، یا دو رکعت نماز ادا کرے، اس سے اثر ساکت ہے۔

ثانیاً: امام زہری نے خطبہ کو کلام قرار دیا ہے۔ لیکن انوار صاحب خطبہ نماز کے حکم میں قرار دیتے ہیں۔

ثالثاً: اذان کے دوران خطیب کے آنے پر کلام کرنے کا ذکر بھی روایت میں ہے حالانکہ انوار صاحب کے تقلیدی مذہب میں خطیب کے آتے ہی کلام حرام ہوجاتا ہے۔ حتیٰ کہ اذان کا جواب دینا بھی مکروہ ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند ص ۷۲ ج ۵)۔

علامہ عینی فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کا کہنا ہے کہ پیش امام کے نکلنے کے ساتھ ہی سکوت واجب ہے

قال ابو حنيفة يجب الانصات بخروج الامام۔

(عمدة القاری ص ۳٤۷ ج ٦)۔

مولانا زکریا دیو بندی نے علامہ عینی کا یہ کلام نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے۔

(اوجز المسالك ص ۳۳٦ ج ۱)۔

اس قول سے ثابت ہوا کہ امام کے آتے ہی خاموش ہوجانا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے جب کہ مذکورہ اثر میں محض امام کے آنے پر تو کجا اذان کے دوران بھی کلام کرنا ثابت ہوا۔ الغرض یہ اثر حنفیہ کے خلاف ہے، فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

(۹) عن ابن شهاب قال حدثنی ثعلبة بن ابی مالك ان قعود الامام يقطع السبحة وان كلامه يقطع الكلام، الحديث۔ (مسند الامام الشافعی ص ۱۳۹ ج ۱)۔

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ امام کا منبر پر بیٹھ جانا نماز کو ختم کر دیتا ہے اور اس کا کلام گفتگو کو ختم کر دیتا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۸۱۲)

الجواب: اولاً گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے کہ امام کا آنا نماز کو اور امام کا کلام (خطبہ) گفتگو کو

ختم کر دیتا ہے۔ یہ روایت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب زہری کا قول نقل کیا ہے، جب کہ زیر بحث روایت میں ابن شہاب سے نقل کرنے والے، ابن ابی ذئب راوی ہے اور انہوں نے یہ قول سیدنا ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے۔ جب کہ امام مالک اسے امام زہری کا قول نقل کرتے ہیں اور یہی راجح ہے کیونکہ امام مالک اوثق ہیں امام احمد فرماتے ہیں کہ زہری کے شاگردوں میں سب سے ثقہ امام مالک ہیں یہی ابن معین اور امام عمرو بن علی فرماتے ہیں۔

(تہذیب ص۸ ج ۱۱)

ثقہ جب اوثق کی مخالفت کرے تو اس کی روایت شاذ ہوتی ہے۔ جو ضعیف کی ایک قسم ہے۔

ثانیا: ابن ابی ذئب کا ابن شہاب زہری سے سماع نہیں جیسا کہ امام ابن معین نے صراحت کی ہے۔ (تہذیب ص۳۰۶ ج۹) الغرض یہاں انقطاع کا شبہ ہے جب کہ امام مالک کی روایت متصل ہے۔ لہٰذا متصل کے بالمقابل منقطع حجت نہیں۔

ثالثا: رہا امام زہری کا قول تو وہ خود حنفیہ کے خلاف ہے۔ **فما کان جوابکم فھو جوابنا۔**

رابعا: انوار صاحب نے متن روایت کو نقل کرنے میں بھی تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے۔ مطلب برآری کے لئے روایت کے ابتدائی الفاظ تو نقل کر دیئے ہیں لیکن اگلے الفاظ جو تقلیدی مذہب کے خلاف تھے انہیں بے ڈکار ہضم کر گئے۔ اگلے الفاظ یہ ہیں۔

وانھم کانوا یتحدثون یوم الجمعۃ وعمر جالس علی المنبر فاذاسکت المؤذن قام عمر فلم یتکلم احد حتی یقضی الخطبتین کلتیھما فاذ اقامت الصلاۃ ونزل عمر تکلموا۔

(انہوں نے کہا) جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھتے تو لوگ باتیں کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ مؤذن اذان کہہ کر فارغ ہوجاتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے، اور کوئی بھی گفتگو نہ کرتا، یہاں تک کہ وہ دونوں خطبے ختم کر لیتے، پھر جب آپ منبر سے اترتے تو لوگ باتیں کرتے۔

(مسند شافعی ۳۷۹ ملحقہ کتاب الام طبع دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۲ھ)۔

اثر کے یہ الفاظ چونکہ انوار صاحب کے تقلیدی مذہب کے خلاف تھے۔ اس لئے انہوں نے نقل نہیں کئے، پھر اپنی بددیانتی چھپانے کے لئے یہ تدبیر کی کہ ایک ایسی کتاب کا حوالہ دے دیا جو صرف خاص خاص افراد کے پاس ہوتی ہے۔ حالانکہ یہی اثر طحاوی نے بھی (شرح معانی الاثار ص۲۵۴ ج۱، میں نقل کیا تھا اور اس کا یہ مفہوم تسلیم کیا تھا کہ یہ ان حضرات کے لئے ہے جو امام کے آنے سے پہلے مسجد میں موجود ہوں۔ ظاہر ہے کہ اگر طحاوی کا حوالہ دیتے تو یہ کتاب عام دستیاب تھی، قاری اس کی مراجعت کر لیتا، تو اس پر حقیقت کھل جاتی کہ انوار صاحب کا اس سے استدلال باطل ہونے کے علاوہ ان کے تقلیدی مذہب کے بھی خلاف ہے۔ انوار صاحب نے اس حقیقت کو چھپانے کے لئے مسند شافعی کا

فرماتے ہیں مردود ہے۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں، تشیع میں غالی تھا۔ ابوحاتم فرماتے ہیں کہ اس کی مرویات سے احتجاج نہ کیا جائے، یہی ابوزرعہ کہتے ہیں امام نسائی فرماتے ہیں قوی نہیں۔ (تہذیب ص۱۲۶ ج۲) دارقطنی فرماتے ہیں ضعیف ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی عام مرویات غیر محفوظ ہیں، ابن سیرین کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس کی روایات باطل ہیں۔

(میزان ص٤٣٦ ج١)۔

الغرض یہ روایت بوجہ حارث الاعور سخت ضعیف ہے۔

(۱۴) عن عطاء عن ابن عباس و ابن عمر انهما كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الامام۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص١١١ ج٢)۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ امام کے خطبہ کے لئے نکل آنے کے بعد نماز پڑھنے اور کلام کرنے کو مکروہ جانتے تھے۔ (حدیث اوراہل حدیث ۸۱۴)

الجواب: سند میں حجاج بن ارطاۃ راوی مدلس ہے اس کی تدلیس کی صراحت امام نسائی، ابن مبارک، یحییٰ بن قطان، یحییٰ بن معین اور امام احمد نے کی ہے۔(طبقات المدلسین ص۴۹)۔

زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں لہٰذا ضعیف ہے۔

(۱۵) عن ابن عباس قا ل سالوه عن الرجل يصلي والامام يخطب ؟ قال أرايت لو فعل ذلك كلهم كان حسنا۔

(مصنف عبد الرزاق ص٢٤٥ ج٣)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے سوال کیا کہ خطبہ کے دوران آدمی نماز پڑھ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا سب ہی پڑھنے لگیں تو کیا یہ ٹھیک ہوگا؟ (حدیث اوراہل حدیث ۸۱۴)

الجواب: اولاً آپ نے متن روایت میں معنوی تحریف کی ہے، اس کا صحیح و درست معنی یہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جو دوران خطبہ نماز پڑھتا ہے (تو آپ نے جواب دیا کہ) اگر آپ سب لوگوں کو یہ کرتا دیکھیں تو کتنا اچھا ہے۔ اس درست معنی سے ثابت ہوا کہ یہ ہماری دلیل ہے مگر کتنے ستم کی بات ہے کہ انوار صاحب نے معنوی تحریف کر کے اپنا الو سیدھا کیا ہے۔

ثانیا: سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں۔ تفصیل مسئلہ رفع الیدین میں گزر چکی ہے۔

مزید برآں یہ کہ اس میں، ابی نہیک راوی ہے جو سفیان ثوری کا استاد اور سماک الحنفی کا شاگرد ہے۔ اور یہ مجہول ہے جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ بحوالہ اس کی ثقات ثابت کرے۔

(۱۶) عن نافع قال كان ابن عمر يصلي يوم الجمعة فاذا تحين خروج الامام قعد قبل خروجه۔

(مصنف عبد الرزاق ۲۱۰ ج ۲)۔

حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن نماز پڑھتے رہتے اور جب امام کے آنے کا وقت ہو جاتا تو اس کے آنے سے پہلے ہی نماز بس کر کے بیٹھ جاتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۱۴)

الجواب: اولا ہم متعدد بار وضاحت کر چکے ہیں کہ نمازی اگر خطبہ شروع ہونے سے قبل مسجد میں آجائے تو اسے مقدور بھر نوافل وغیرہ خطبہ شروع ہونے سے قبل ہی ادا کر لینا چاہئے، اور خطبہ کو ہمہ تن گوش ہو کر سننا چاہیے اس میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ اگر کوئی شخص بوجہ لیٹ آئے اور خطبہ شروع ہو چکا ہو تو وہ کیا کرے۔ مگر آپ اختلافی مسئلہ پر دلائل درج کرنے کی بجائے اتفاقی مسئلہ کو بھی درمیان میں گھسیٹ لائے ہیں، جو خلط مبحث کے علاوہ آپ کے مؤقف کے کمزور ہونے کی دلیل ہے۔

ثانیا: امام نافع سے روایت کرنے والے راوی، ابو امیہ الثقفی ہیں اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر باب الکنی ص۳ میں درج تو کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، اور دیگر کتب رجال اس کے ترجمہ سے خالی ہیں، لہٰذا اس کی بحوالہ توثیق بیان کی جائے۔

(۱۷) عن عقبة بن عامر قال الصلاة والامام على المنبر معصية۔

(طحاوی ۲۵۴ ج ۱)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام کے (خطبہ کے وقت) منبر پر ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا گناہ ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۱۵)

الجواب: اس کی سند میں عبد اللہ بن لہیعہ راوی ہے جو گو صدوق ہیں مگر ان کی کتب جل گئی تھیں وہ اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ (تقریب ص۱۸۶)۔

آئمہ جرح و تعدیل نے صراحت کی ہے۔ اختلاط سے پہلے صرف عبادلہ کی روایات ہیں۔

(المجروحين ص١١ ج٢ ميزان ص٤٨٢ ج٢ تهذيب ص٣٧٩ ج٥)۔

جب کہ زیر بحث روایت عبادلہ سے نہیں بلکہ الفہمی سے ہے۔ مزید برآں کہ ابن لہعیہ معروف مدلس ہے۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ **کان یدلس عن الضعفاء** یعنی ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے ہیں۔ (طبقات المدلسین ص۵۴)۔

زیر بحث روایت میں انہوں نے تحدیث کی صراحت نہیں کی، الغرض یہ روایت ضعیف ہے اور کوئی

فقہ کے دیوبندی خراد پر تو قطعی طور پر ضعیف ہے کیونکہ ابن لہیعہ ان کے نزدیک ضعیف ترین راوی ہے، ملاحظہ ہو (احسن الکلام ص ۲۶۳ ج ۲)۔

(۱۸) عن ھشام بن عروۃ قال رأیت عبد اللہ بن صفوان دخل المسجد یوم الجمعۃ وعبد اللہ بن الزبیر یخطب علی المنبر وعلیہ ازار ورداء ونعلان وھو متعمم بعمامۃ فاستلم الرکن ثم قال السلام علیك یا امیر المؤمنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ثم جلس ولم یرکع۔

(طحاوی ص ۲۵٤ ج ۱)۔

حضرت ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن صفوان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن مسجد حرام میں اس وقت تشریف لائے جب کہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما منبر پر خطبہ دے رہے تھے...... اور ان کے جسم پر اس وقت تہبند تھا اور چادر اور نعلین پہنے ہوئے تھے اور عمامہ باندھے ہوئے تھے، انہوں نے آ کر حجر اسود کو بوسہ دیا پھر کہا السلام علیک یا امیر المؤمنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پھر بیٹھ گئے اور سنتیں نہیں پڑھیں (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۱۵)

الجواب: اولا انوار صاحب کا استدلال یہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن صفوان رضی اللہ عنہ نے چونکہ حالت خطبہ میں دو رکعت ادا نہیں کیں، اور کسی صحابی نے بھی یہ نہیں کہا کہ تم نے تحیۃ المسجد کیوں نہیں پڑھی، لہٰذا پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۲۱)

محترم عبد اللہ بن صفوان تابعی نے صرف نماز ہی ترک نہیں کی بلکہ بلند آواز سے السلام علیک یا امیر المؤمنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بھی کہا ہے لیکن کسی صحابی نے اس پر انکار نہیں کیا ثابت ہوا کہ آنے والا بلند آواز سے خطیب کو اسی طرح السلام علیک یا فلان ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بھی کہے اور یہ عین سنت ہے کیونکہ کسی صحابی نے انکار نہیں کیا۔ مگر افسوس کہ آپ کے ہاں سلام کہنا بھی مکروہ ہے ابن نجیم فرماتے ہیں۔

ما یحرم فی الصلاۃ یحرم فی الخطبۃ، یعنی جو چیز نماز میں مکروہ ہے وہ خطبہ میں بھی مکروہ ہے۔ (البحر الرائق ص ۱۵۵ ج ۲)۔

فتاوی شامی ص ۱۵۹ ج ۲ میں لکھا ہے کہ سلام کہنا گناہ ہے۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا فعل کرنا جو سننے میں مخل ہو مکروہ تحریمی ہے اور کھانا پینا، بات چیت کرنا، چلنا پھرنا، سلام یا سلام کا جواب دینا، یا تسبیح پڑھنا، یا کسی کو شرعی مسئلہ بتانا جیسا کہ حالت نماز میں ممنوع ہے، ویسا ہی اس وقت بھی ممنوع ہے۔ (بہشتی زیور ۸۳۸)۔

لہٰذا انوار صاحب جو سلام کہنے کا جواب دیں گے وہی ہماری طرف سے نماز نہ پڑھنے کا سمجھ لینا۔

ثانیا: اس روایت سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن صفوان کے نزدیک تحیۃ المسجد ضروری نہ تھے۔ رہا صحابہ کا حکم نہ دینا یا اعتراض نہ کرنا تو اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے۔

ثالثاً: ہم نے دوران خطبہ آنے والے کو دو رکعت نماز ادا کرنے پر احادیث نبوی پیش کردی ہیں، اور مرفوع حدیث کے بالمقابل اقوال تابعین حجت نہیں ہوتے۔

(۱۹) عن توبة العنبری قا ل قا ل الشعبی ارأیت الحسن حین یجئی وقد خرج الامام فیصلی عمن اخذا هذا؟ لقد رأیت شریحا اذا جاء وقد خرج الامام لم یصل۔

(طحاوی ص۲۵٤ ج۱)۔

حضرت توبہ عنبری فرماتے ہیں کہ حضرت امام شعبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم نے حسن بصری کو دیکھا ہے کہ جب جمعہ کے لئے آتے ہیں تو باوجود یہ کہ امام خطبہ کے لئے نکل کر آچکا ہوتا ہے۔ پھر بھی وہ نماز پڑھتے ہیں۔ یہ طریقہ انہوں نے کس سے لیا ہے؟ میں نے تو قاضی شریح کو دیکھا ہے کہ جب وہ جمعہ کے لئے تشریف لاتے اور امام خطبہ کے لئے نکل کر آچکا ہوتا تو پھر وہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۱۶)

الجواب: اولاً قاضی شریح نماز نہیں پڑھتے تھے۔ جب کہ حسن بصری پڑھ لیتے تھے، دونوں ہی تابعی ہیں۔انوار صاحب ایک کا قول قبول کرتے ہیں دوسرے کا رد کرتے ہیں۔ حالانکہ حسن بصری کے قول کو رد کرنے کا ان کے پاس کوئی اخلاقی جواز نہیں۔

ثانیاً: مرفوع حدیث کے بالمقابل آثار تابعین حجت نہیں، بلکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تو تابعی کا قول سرے سے حجت ہی نہیں، اور اصول فقہ حنفی میں بھی ادلہ چار ہیں، قرآن وسنت، اجماع، اور قیاس، جب کہ قاضی شریح کا قول ان میں سے کسی ایک میں بھی شمار نہیں ہوتا۔

ثالثاً: سند میں ابراہیم بن مرزوق بصری راوی ہیں جو عمر کے آخری حصہ میں اندھے ہوگئے تھے، جس کی وجہ سے خطائیں کرتے تھے، اور پھر تسلیم نہ کرتے تھے، (تقریب ۲۳)۔ایسے راویوں کی روایات بدوں متابعت قابل قبول نہیں ہوا کرتیں۔

(۲۰) عن الشعبیٰ قال کان شریح اذا اتی الجمعة فان لم یکن خرج الامام صلی رکعتین وان کان خرج جلس واحتبیٰ واستقبل الامام فلم یلتفت یمینا ولاشمالا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۱۲ ج۲،مصنف عبد الرزاق ص۲٤٥ ج۳)۔

حضرت امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت قاضی شریح رحمہ اللہ جب جمعہ کے لئے تشریف لاتے اور امام ابھی خطبہ کے لئے نہ نکلا ہوتا تو آپ دو رکعتیں (تحیۃ المسجد) پڑھ لیتے تھے۔ اور اگر امام خطبہ کے لئے آچکا ہوتا تو گوٹھ مار کر بیٹھ جاتے اور امام کی طرف توجہ فرماتے دائیں بائیں التفات نہ فرماتے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۱۶)

الجواب: اولا سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں (تفصیل رفع الیدین میں گزر چکی ہے۔ وہاں سے

سے فارغ ہونے تک کوئی نماز نہ پڑھے۔ (حدیث اوراہل حدیث ص ۸۱۸)

الجواب: اولا نوے فیصد حنفی اس وقت ہی سنتیں ادا کرتے ہیں جب خطیب مسجد میں ہوتا ہے وعظ کے بعد اوراذان ثانی سے پہلے وقفہ دے کرسنتوں کو پڑھایا جاتا ہے، حالانکہ مذکورہ اثر سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ **فما كان جوابكم فهو جوابنا۔**

ثانیا: کون سی نماز نہ پڑھے، انوار صاحب بضد ہیں کہ تحیۃ المسجد نہ پڑھے، ہم کہتے ہیں کہ قضاء نماز نہ پڑھے۔

ثالثا: مرفوع احادیث کے بالمقابل اقوال تابعین حجت نہیں۔

رابعا: اگر اس روایت کوتحیۃ المسجد پر ہی محمول کیا جائے تب بھی انوار صاحب کا مسلک کراہت ثابت نہیں ہوتا۔

(۲۵) عن هشام بن عروة عن ابيه قال اذا قعد الامام على المنبر فلا صلاة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۱۱۱ ج ۲)۔

ہشام بن عروہ رحمہا اللہ اپنے والد حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھ جائے تو پھر کوئی نماز جائز نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۸۱۸)

الجواب: اولاً: کوئی نماز" میں حنفیہ کی قضاء نماز بھی شامل ہے۔

فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

ثانیا: اگراسے تحیۃ المسجد پرہی محمول کرلیں تب بھی حنفیہ کا مسلک کراہت ثابت نہیں ہوتا۔

ثالثا: مرفوع کے بالمقابل موقوفات صحابہ حجت نہیں۔

(۲۶) عن معمر عن الزهرى فى الرجل يجئى يوم الجمعة والامام يخطب يجلس ولا يصل۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص ۱۱۱ ج ۲ ، طحاوی ص ۲۵٤ ج ۱)۔

حضرت معمر حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن اس وقت آئے جب کہ امام خطبہ دے رہا ہوتو وہ بیٹھ جائے نماز نہ پڑھے۔ (حدیث اوراہل حدیث ۸۱۸)

الجواب: اولاً حنفی جوصورت قضاء نماز کے متعلق اختیار کریں گے وہی جواب ہماری طرف سے تحیۃ المسجد کا سمجھ لینا۔

ثانیا: امام زہری اتباع تابعین سے ہیں، اور اتباع تابعین کے اقوال بالاتفاق دین میں حجت نہیں بالخصوص جب وہ مرفوع احادیث کے معارض ہوں۔

(۲۷) عن الزهری عن ابن المسیب قال خروج الامام یقطع الصلاة کلامه یقطع الکلام۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۱۱ ج۲ و مصنف عبد الرزاق ص۲۰۸ ج۳)۔

حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ حضرت سعید بن میبّب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا امام کا خطبہ کے لئے نکلنا نماز کو اور اس کا کلام کرنا گفتگو کو بند کر دیتا ہے۔

(حدیث اوراہل حدیث ۸۱۹)

الجواب: اولاً امام سعید بن میبّب کے اس اثر میں خطبہ کو کلام قرار دیا گیا ہے مگر آپ اسے خطیب کا کلام تسلیم نہیں کرتے بلکہ شدت کے ساتھ اس کی نفی کرتے ہوئے ذکر قرار دیتے ہیں۔

ثانیا: آپ کے نزدیک امام کے آنے پر نماز بند نہیں ہوتی بلکہ منبر پر خطبہ کے لئے بیٹھنے پر ختم ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حنفی اذان ثانی سے قبل اور وعظ کے بعد باضابطہ وقفہ دے کر امام کی موجودگی میں سنن وغیرہ ادا کرتے ہیں، **فما کان جوابکم فھو جوابنا۔**

ثالثا: مرفوع احادیث کے بالمقابل تابعین کے اقوال حجت نہیں۔

رابعا: آپ نے جو بھی اقوال گزشتہ صفحات میں درج کئے ہیں ان میں سے کسی سے بھی کراہت ثابت نہیں ہوتی۔ جو آپ کا مسلک ومذہب اور مؤقف ہے۔

(۲۸) عن لیث عن مجاهد انه کره ان یصلی والامام یخطب۔

(طحاوی ص۲۵۵ ج۱)۔

حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۱۹)

الجواب: اولا: محترم اگر کراہت سے مراد آپ کی تحیۃ المسجد ہے تو قضاء کو بھی یہ کراہت شامل ہے۔

ثانیا: اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم راوی ہے جو مختلط ہے اور اس کی روایات میں تمیز نہیں ہو سکی جس کی وجہ سے اسے ترک کر دیا گیا تھا۔ (تہذیب ص۲۸۷)۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل دلائل ۲۸ درج کئے ہیں ان میں سے صرف سات روایات (۱،۲،۳،۴،۵،۶،۷) مرفوع ہیں اور دو (۳،۷) روایات ضعیف ہیں بقایا پانچ احادیث میں سے کسی کا یہ مضمون نہیں کہ خطبہ جمعہ کے دوران دو رکعت تحیۃ المسجد ادا نہ کی جائیں، صرف ہمہ تن گوش ہو کر خطبہ سننے کی تلقین ہے۔ اگر ان روایات سے نماز کی نفی ہوتی ہے تو ان سے حنفیہ کے مسلک پر بھی چوٹ آتی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک حالت خطبہ میں قضاء نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ رہے آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ان کی کل تعداد بارہ ہیں (۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۵) ان میں سے پانچ (۹، ۱۴، ۱۵،

السبعی ہیں اور یہ مختلط ہیں یعنی زندگی کے آخری حصے میں یاد داشت نہ رہی تھی۔
(تقریب ص۲۶۱) اور یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ مروی عنہ نے ان سے کب سماع کیا تھا۔ابو اسحاق سے روایت کرنے والا راوی حصین بن عبد الرحمٰن السلمی ہے۔ اور یہ بھی مختلط ہے (تقریب ص۷۶) اور معلوم نہیں ہوسکا کہ مروی عنہ نے ان سے یہ روایت کب سنی ہے۔
اور سلمی سے روایت کرنے والا، محمد بن عبد الرحمٰن السلمی الباہلی راوی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی روایات کا کوئی متابع نہیں۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں ضعیف ہے۔ (لسان المیزان ص۲۴۵ ج۵)۔ جس روایت کی سند میں دو راوی مختلط ہوں تیسرا سیئی الحفظ ہو اور چوتھا ضعیف ہو اس روایت کے منکر و باطل ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ص۴۱۳ ج۲)۔

(۲) عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یرکع قبل الجمعة اربعا وبعدها اربعا لایفصل بینهن۔(مجمع الزوائد ص۱۹۵ ج۲)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چار رکعات جمعہ سے پہلے پڑھتے تھے اور چار رکعات جمعہ کے بعد اور ان رکعتوں میں (درمیان میں دو رکعتوں پر سلام پھیر کر) فصل نہیں کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۲۲)

الجواب: اس کی سند میں بقیہ بن ولید راوی ہے۔
(ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۱۲۹) طبرانی کبیر ص ۱۰۰ ج ۱۲ رقم الحدیث ۱۲۶۷۴) جو کثرت کے ساتھ ضعیف و مجہول راویوں سے تدلیس کرتا ہے۔ (تقریب ص٤٦ وطبقات المدلسين ص٤٩)۔
زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں۔ بقیہ کا استاد، مبشر بن عبید قرشی ہے۔ اور یہ کذاب ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ بقیہ اس سے موضوع و من گھڑت روایات نقل کرتا ہے اور دوسری بار فرمایا ہیچ محض اور احادیث وضع کرتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ابن حبان فرماتے ہیں ثقات سے موضوع روایات بیان کرتا ہے اس کا تذکرہ کرنا جائز نہیں مگر تعجب کی نظر سے، امام دارقطنی فرماتے ہیں متروک ہے۔ احادیث وضع کرتا اور جھوٹ بولتا تھا۔
(تهذيب الكمال ص٣٠ ج٧،وتهذيب التهذيب ص٣٢ ج١٠)۔
مبشر کا استاد حجاج بن ارطاۃ ہے اور یہ مدلس ہے جیسا کہ امام یحییٰ بن سعید امام ابو زرعہ، امام ابو حاتم، امام عبد اللہ بن مبارک، امام ابن خراش، امام ابن عدی، حافظ ابن حجر اور علامہ ذہبی نے صراحت کی ہے۔ (تهذيب الكمال ص٥٨ ج٢،وميزان ص٤٦٠ ج١ وتقريب ٦٤)۔
حجاج نے یہاں سماعت کی صراحت نہیں کی بلکہ عن کر کے روایت کی ہے اور حجاج کا استاد عطیہ

العوفی ہے اور یہ کثرت سے خطائیں اور تدلیس کرتا ہے۔ (تقریب ص ۲٤٠).

الغرض سند میں تین جگہ تدلیس ہے چوتھی جگہ پر راوی کذاب ہے اور جب سند میں اس قدر عیب ہوں اس کے باطل ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔ (ھیثمی نے مجمع الزوائد ص۱۹۵ ج۲) میں زیلعی نے، (نصب الرایہ ص۲۰۶ ج۱) میں نووی نے، (مجموع ص۱۰ ج۴) میں ابن قیم نے (زاد المعاد ص۱۴۹ ج۱) میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (فتح الباری ص۳۴۱ ج۲) میں اور البانی نے (ضعیف ابن ماجہ ص۸۳) میں اس روایت کو سخت ضعیف قرار دیا ہے۔

(۳) عن ابی هريرة (مرفوعا) من كان مصليا (يوم الجمعة) فليصل قبلها اربعا و بعده اربعا۔

(رواه النجار بحواله كنز العمال ص۷٤۹ ج۷).

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن جو نماز پڑھے وہ چار رکعات جمعہ سے پہلے پڑھے اور چار رکعات جمعہ کے بعد۔

(حديث اوراهل حديث۸۲٤)

الجواب: اولاً یہ النجار نہیں بلکہ ابن النجار ہے۔ پورا نام ابوعبد اللہ محمد بن محمود ابن الحسن بن ہبہ اللہ بن محاسن المعروف بابن النجار۔ (البغدادی المتوفی ۶۴۳ھ ہے۔

ثانیا: صاحب کنز نے وضاحت نہیں کی کہ ابن نجار کی کون سی کتاب میں یہ روایت ہے، ہاں البتہ مقدمہ ص۲۴ میں صراحت ہے کہ ابن نجار کی تاریخ بغداد سے روایات کو لیا ہے۔

ابن نجار کی، ذیل تاریخ بغداد،، ہمارے پیش نظر ہے اس میں متن روایت یہ ہے کہ

عن ابی هريره عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من كان منكم مصليا بعد الجمعة فليصلى بعده اربعا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب جمعہ کے بعد نماز پڑھے تو وہ چار رکعات پڑھے۔

(ذيل تاريخ بغداد ص۱۷۷ ج۱ زير رقم الترجمه ۱۷٤، عبد الواحد بن محمد بن عبدالواحد بن الداريج، ابو السعود بن ابی طاهر المعروف بابن الطراح، مطبوع دار الكتب العلميه بيروت ۱۹۹۷ھ)

اس سے ثابت ہوا کہ قبلها اربعا۔ کے الفاظ، ابن النجار، کی طرف منسوب کرنے میں صاحب کنز العمال اور سیوطی کو وہم ہوا ہے۔

ثانیا: ہاں خطیب نے، تاریخ بغداد ص۳۶۵ ج۹ وفی نسخۃ الاخری ص۳۶۲ ج۹) میں اسے روایت کیا ہے جس کے الفاظ ہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے قبل اور بعد دو دو رکعت پڑھتے تھے۔ لیکن اس کی سند میں حسن بن قتیبہ الخزاعی راوی ہے۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں، ہالک ہے۔ امام دارقطنی متروک اور ابو حاتم ضعیف کہتے ہیں اور عقیلی

فرماتے ہیں کثیر الوہم ہے۔ (لسان ص۲۴۶ ج۲، میزان ۵۱۹ ج۱ و تاریخ بغداد ص۴۱۷ ج۷)۔

مزید برآں یہ کہ حسن نے یہاں امام سفیان بن عیینہ کے حفاظ شاگردوں کی مخالفت کی ہے۔ تفصیل کے لئے (القول المقبول۶۲۹) کی مراجعت کریں۔

الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے۔

(۴) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا صلی احدکم الجمعۃ فلیصل بعدہ اربعا۔ (مسلم ص۲۸۸ ج۱)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص تم میں سے جمعہ پڑھے تو اسے چاہیئے کہ جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔

(۵) عن سالم عن ابیہ ان النبی ﷺ کان یصلی بعد الجمعۃ رکعتین۔ (بخاری ص۱۲۸، مسلم ۲۸۸ ج۱ واللفظ لمسلم)

حضرت سالم اپنے والد سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

(۶) عن ابن عمر قال کان رسول اللہ ﷺ یصلی بعد الجمعۃ رکعتین فی بیتہ۔ (ابو داؤد ص۱۶۱ ج۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے اپنے گھر میں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۲۴،۸۲۵)

الجواب: اولاً اختلاف صرف نماز جمعہ کی پہلی سنتوں میں ہے، بعد والی سنتوں میں قطعا اختلاف نہیں، اور مذکورہ احادیث میں بعد کی سنتوں کا بیان ہے۔ لہذا اس سے انوار صاحب کا مسلک ثابت نہیں ہوتا۔

ثانیا: قولی حدیث میں چار اور فعلی میں دو کا ذکر ہے اس لئے قولی حدیث کو مقدم رکھا جائے گا اور جمعہ کے بعد چار سنتیں پڑھنا ہمارا مسلک و مذہب اور مؤقف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ انہیں گھر میں ادا کیا جائے جیسا کہ ابو داؤد کی مذکورہ حدیث میں ذکر ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں پڑھتے تھے۔ اور حدیث میں بھی آیا ہے فرض نماز کے علاوہ باقی نمازیں گھر میں افضل ہیں۔

(۷) عن قتادۃ ان ابن مسعود کان یصلی قبل الجمعۃ اربع رکعات وبعدھا اربع رکعات۔ (مصنف عبد الرزاق ص۲۴۷ ج۳)۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ سے پہلے بھی چار رکعتین پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد بھی چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۲۵)

الجواب: یہ روایت بوجہ مرسل ضعیف ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۳۲ھ میں فوت ہوئے۔ (تقریب ۱۸۹) جب کہ قتادہ کی پیدائش ۶۱ھ میں ہوئی تھی۔ (تہذیب الکمال ص ۱۰۳ ج ۶)۔ قتادہ چوتھے طبقہ کے راوی ہیں جن کی کبائر تابعین سے روایت ہوا کرتی ہے۔

(۸) عن ابی عبد الرحمن السلمی قال کان عبد اللہ یامرنا ان نصلی قبل الجمعة اربعا و بعدھا اربعا حتی جاء نا علی فامرنا ان نصلی بعدھا رکعتین ثم اربعا۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۲۴۷ ج ۳)۔

حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم جمعہ سے پہلے بھی چار رکعتیں پڑھیں اور جمعہ کے بعد بھی چار رکعتیں پڑھیں حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جمعہ کے بعد پہلے دو رکعتیں پڑھیں پھر چار رکعتیں پڑھیں۔

(۹) عن ابی عبد الرحمن قال کان عبد اللہ بن مسعود یعلمنا ان نصلی اربع رکعات بعد الجمعة حتی سمعنا قول علی صلوا ستا قال ابو عبد الرحمن فنحن نصلی ستا قال عطاء ابو عبد الرحمن یصلی رکعتین ثم اربعا۔ (معجم طبرانی کبیر ص ۳۱۰ ج ۹، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳۲ ج ۲)۔

حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں تعلیم دیتے تھے کہ ہم جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھا کریں حتی کہ ہم نے حضرت علی کا قول سنا کہ جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھو۔ حضرت ابو عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ پھر ہم چھ رکعتیں پڑھنے لگے، حضرت عطاء کہتے ہیں کہ حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی جمعہ کے بعد پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ پھر چار رکعتیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ۸۲۶)

الجواب: اولا سند میں عطاء بن سائب راوی ہے جو مختلط ہیں یعنی ان کا حافظہ آخر میں خراب ہو گیا تھا، امام یحیٰی بن سعید، امام احمد بن حنبل، امام ابن معین، امام عجلی امام ابو حاتم وغیرہ فرماتے ہیں شعبہ اور ثوری کی روایات قدیم ہیں۔ امام نسائی، امام یحیٰی قطان، حماد کی روایات کو بھی قدیم قرار دیتے ہیں امام حمیدی فرماتے ہیں، ابن عیینہ نے بھی تغیر سے پہلے سماع کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب ص ۲۰۶ ج ۷ وتہذیب الکمال ص ۱۷۲ ج ۵)۔

اور ان کے علاوہ راویوں کی روایات اختلاط کے بعد کی ہیں، اور زیر بحث روایت کو عطاء سے روایت کرنے والے، زائدۃ بن قدامہ اور ہشیم بن بشیر ہیں۔

لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔ مزید برآں یہ کہ سلمی کا سیدنا ابن مسعود سے سماع نہیں جیسا کہ امام شعبی نے کہا ہے۔ (تہذیب الکمال ص ۱۱۱ ج ۴)۔

ثانیا: اگر کہا جائے کہ عبد الرزاق کی روایت میں سفیان ثوری ہیں۔ جو قدیم السماع ہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ سفیان ثوری مدلس ہیں۔ (مسئلہ رفع الیدین میں تفصیل گزر چکی ہے) اور یہاں انہوں نے سماع کی صراحت نہیں کی۔ الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ثالثا: انوار صاحب نے جو متن ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا ہے وہ طبرانی کا ہے مصنف کا متن اس طرح ہے۔

عن ابی عبد الرحمن قال قدم علینا ابن مسعود فکان یامرنا ان نصلی بعد الجمعة اربعا فلما قدم علینا علی امرنا ان نصلی ستا فاخذنا بقول علی وترکنا قول عبد الله، قال کنا نصلی رکعتین ثم اربعا۔

ابو عبد الرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور وہ نماز جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے چھ رکعات پڑھنے کا حکم دیا ہم نے علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا قول پکڑ لیا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو ترک کر دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۳۲ ج۲)۔

غور کریں اس میں پہلی سنتوں کا تذکرہ تک نہیں صرف بعد والی سنتوں کی تعداد اور قول علی رضی اللہ عنہ کو اپنانے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو ترک کرنے کا ذکر ہے۔ لیکن انوار صاحب اس سے پہلی سنتوں پر دلیل قائم کر رہے ہیں انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

رابعا: انوار صاحب اثر میں مروی ابو عبد الرحمٰن سلمی کے قول کا جو جواب عنایت کریں گے وہی جواب ہماری طرف سے قول علی کا سمجھ لینا۔

(۱۰) عن ابی عبد الرحمن عن علی انه قال من کان مصلیا بعد الجمعة فلیصل ستا۔

(طحاوی ص۲۳۳)۔

حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے بعد نماز پڑھے اسے چاہئے کہ وہ چھ رکعات پڑھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۲۶ ج۱)۔

الجواب: اولاً انوار صاحب نے خود نمبر ۴ میں حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام چار رکعات جمعہ کے بعد پڑھنے کا کہتے تھے اور خود دو رکعات پڑھتے تھے نمبر ۵ ص۸۲۵) اور قول علی میں چھ پڑھنے کا بیان ہے، اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب مؤقوف و مرفوع میں اختلاف ہو تو تب موقوف روایات قابل قبول نہیں ہوا کرتیں۔

ثانیا: صرف بعد کے پڑھنے سے ثابت ہوا کہ نماز جمعہ سے پہلے سنتیں نہیں ہیں۔

ثالثا: سند میں سفیان ثوری ہیں جو ثقہ و ثبت اور حجت ہیں مگر مدلس ہیں علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔

کان یدلس عن الضعفاء، یعنی ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے ہیں، (میزان ص ۱۶۹ ج ۲)، اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن مروی ہے لہٰذا ضعیف ہے۔

رابعا: رہا انوار صاحب کا امام ترمذی کا قول نقل کرنا صفحہ ۸۲۷) تو انہوں نے یہ قول تعلیقا (بلاسند) درج کیا ہے۔ بلاسند بات حجت نہیں ہوا کرتی۔

(۱۱) عن جبلة بن سحیم عن عبد الله بن عمر انه کان یصلی قبل الجمعة اربعا لایفصل بینهن بسلام ثم بعد الجمعة رکعتین ثم اربعا۔ (طحاوی ص ۲۳۱ ج ۱)۔

حضرت جبلہ بن سحیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور ان کے درمیان (دو رکعت پر) سلام پھیر کر فصل نہیں کرتے تھے۔ پھر جمعہ کے بعد پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے پھر چار رکعتیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۲۷)

الجواب: اولا یہ اثر آپ کے لئے تب مفید ہے جب آپ کسی خارجی دلیل سے ثابت کردیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ دس رکعات سنت سمجھ کر ادا کرتے تھے۔ مگر افسوس کہ آپ صرف عدد دیکھ کر پھولے نہیں سماتے اور جھٹ یہ فتویٰ صادر کردیا ہے کہ یہ سنت ہیں، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز علی الصبح ہی مسجد میں تشریف لے آتے اور لمبی چوڑی نماز پڑھتے تھے۔ امام نافع بیان کرتے ہیں کہ،

کان ابن عمر یهجر یوم الجمعة فیطیل الصلوٰة قبل ان یخرج الامام۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن دوپہر کے وقت ہی مسجد میں تشریف لے آتے اور پیش امام کے آنے تک نماز طویل پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳۱ ج ۲)۔

اس روایت کی سند سورج کی طرح چمکتی ہوئی صحیح ہے۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے آنے تک جس قدر نوافل پڑھے جاسکتے تھے پڑھا کرتے تھے، اور احادیث صحیحہ کا مفاد بھی یہی ہے، خود انوار صاحب نے ص ۸۰۶، ص ۸۰۷، پر سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث بخاری ص ۱۲۴ ج ۱ سے اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مسلم ص ۲۸۳ ج ۱ سے نقل کی ہے کہ **فصلی ماقدر له**، پھر جتنی نماز اس کے مقدر میں تھی۔ پڑھی، الحدیث، ان احادیث سے بھی ثابت ہوا کہ نماز جمعہ کے لئے جلدی جلدی جانا چاہئے اور خطیب کے آنے تک مقدور بھر نوافل ادا کرنے چاہئے اس سے ہمیں قطعا انکار نہیں، انکار اس سے ہے کہ یہ نوافل ہی ہیں۔ سنت مؤکدہ قطعا نہیں، اور نماز جمعہ سے قبل چار رکعات سنت اس اثر سے ثابت کرنا آپ کا تحکم ہے۔

(۱۲) عن عطاء قال کان ابن عمر اذا صلی الجمعة صلی بعدها ست رکعات رکعتین ثم اربعا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳۲ ج ۲ ترمذی ص ۱۱۷)۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب جمعہ پڑھتے تو جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے۔ پہلے دو رکعتیں پھر چار رکعتیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۲۸)

الجواب: اولاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمعہ کے بعد چار رکعت سنتیں ہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک چھ رکعات ہیں۔ (معارف السنن ص۴۱۱ ج۴) علامہ حلبی نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے (کبیری ص۳۸۹)۔ اور عام حنفی حضرات کا بھی یہی مؤقف ہے حالانکہ فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ فتویٰ مطلق قول امام پر ہوتا ہے۔ مگر یہاں مقلدوں نے غیر مقلدی کرتے ہوئے، امام ابوحنیفہ کے فتویٰ کو ترک کر دیا ہے۔ خیر انہوں نے تقلید ابوحنیفہ کو ترک کر کے قاضی ابو یوسف کا دامن پکڑا تھا۔ پھر تھوڑی دور آگے چل کر اسے بھی چھوڑ دیا، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ پہلے چار رکعات اور پھر دو رکعات پڑھی جائیں۔

(شرح معاني الاثار للطحاوي ص۲۳۳ ج۱)۔

ابن نجیم حنفی ذخیرہ تجنیس، سے نقل کرتے ہیں کہ مشائخ کی اکثریت قاضی ابو یوسف کے قول پر ہے۔ (البحر الرائق ص۴۹ ج۲)۔ علامہ حلبی فرماتے ہیں کہ افضل یہی ہے کہ پہلے چار پھر دو رکعت ادا کی جائیں (حلبی کبیر ص۳۸۹) مگر دیوبندی کہتے ہیں کہ چار کی بجائے پہلے دو رکعات ادا کرنا راجح ہیں (فیض الباری ص۳۴۸ ج۲)۔

دیکھتے جانا حنفیہ نے پہلے امام ابوحنیفہ کی تقلید کو ترک کیا اور قاضی ابو یوسف کا دامن پکڑا پھر ان سے بھی ہاتھ کر گئے، یہ ابھی تک مقلد ہی ہیں۔

ثانیاً: اس روایت سے جمعہ کی پہلی سنتیں ثابت نہیں ہوتیں،

ثالثاً: یہ بھی تا حال محتاج دلیل ہی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ چھ رکعات سنت سمجھ کر ادا کرتے تھے۔

رابعاً: ترمذی کی سند میں، ابن جریج کی تدلیس ہے اور ابن ابی شیبہ میں ابو اسحاق راوی مختلط ہے۔

اس کے برعکس امام سالم فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے بعد دو رکعات پڑھا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳۲ ج۲)۔ سند صحیح ہے۔

(۱۳) عن ابی بکر بن ابی موسیٰ عن ابیه انه كان يصلی بعد الجمعة ست ركعات۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۳۲ ج۲)۔

حضرت ابو بکر بن ابو موسیٰ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۲۸)

الجواب: بلاشبہ یہ اثر سند کے لحاظ سے صحیح ہے لیکن انوار صاحب کا مسلک اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اختلاف صرف جمعہ سے پہلے سنتیں پڑھنے پر ہے، نوافل سے ہم قطعا اختلاف نہیں رکھتے

ہیں۔ یہ جس قدر چاہے انسان پڑھ سکتا ہے۔ پہلے بھی اور بعد میں بھی، انوار صاحب نے ابھی تک کوئی دلیل نقل نہیں کی جس کا یہ معنی ہو کہ جمعہ کی دس رکعات سنت ہیں۔ جن میں سے چار پہلے اور چھ بعد میں ہیں۔اور زیر بحث روایت میں چار سنتیں ہیں اور دو رکعات نوافل پر محمول ہیں تاکہ موقوف ومرفوع میں اختلاف نہ رہے۔اگر چھ کو ہی سنتیں قرار دیا جائے تو فرمان نبوی کی مخالفت لازم آئے گئی، کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے جمعہ کے بعد چار رکعت ادا کرنے کا کہا ہے۔ اورازخود نبی علیہ السلام دو رکعات پڑھا کرتے تھے۔جیسا کہ انوار صاحب نے نمبر۴،۵ میں احادیث نقل کی ہے۔

(۱۴) عن محمد بن المنتشر عن مسروق قال کان یصلی بعد الجمعة ستا رکعتین واربعا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۳۲ ج۲)۔

حضرت محمد بن منتشر حضرت مسروق رحمہ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت مسروق رحمہ اللہ علیہ جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، پہلے دو رکعتیں پھر چار۔

(حدیث اوراہل حدیث ۷۲۸)

الجواب: سلسلہ سند یہ ہے کہ **حدثنا وکیع عن زکریا عن محمد بن المنتشر**،سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زکریا کون ہے۔ امام وکیع کے تین استاد زکریا نام کے ہیں۔ (ابن اسحاق مکی، ابن ابی زائدۃ، اور ابن سلیم) تہذیب الکمال ص۴۶۱ ج۷)، سوال یہ ہے کہ ان میں سے کون مراد ہے۔ جو بھی صورت اختیار کی جائے پھر اس زکریا کی محمد بن منتشر سے روایت کرنی ثابت کی جائے ہمارے خیال میں یہ زکریا بن ابی زائدۃ ہیں جو مدلس ہیں، اور انہوں نے تدلیس کی ہے لہذا یہ روایت ضعیف ہے مزید برآں یہ کہ چھ رکعات پڑھنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کے نزدیک چھ رکعات مسنون ہیں۔ نوافل کیوں نہیں ہوسکتے وضاحت کی جائے۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل ۱۴ روایات نقل کی ہیں۔ ان میں سے پہلی چھ روایات مرفوع ہیں سات مؤقوف اور ایک قول تابعی ہے۔مرفوع روایات میں سے پہلی دو روایات ضعیف ہیں تیسری روایت کے الفاظ ثابت نہیں بلکہ صاحب کنز العمال کا وہم ہے پھر ان سے دس عدد سنتیں بھی ثابت نہیں صرف آٹھ رکعت کا بیان ہے۔

بقایا تین میں سے نمبر۴ میں صرف جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھنے کا حکم نبوی ہے، نمبر ۵ میں نبی علیہ السلام کا دو رکعت ادا کرنے کا بیان ہے۔ اور نمبر ۶ میں ان دو رکعتوں کو گھر میں پڑھنے کا ذکر ہے الغرض انوار صاحب نبی مکرم ﷺ سے قولا وفعلا کوئی ایسی روایت پیش نہیں کر سکے جس کا یہ معنی ومفہوم ہو کہ جمعہ کی دس رکعات سنتیں ہیں، چار پہلے اور چھ بعد میں، رہی موقوف روایات تو ان میں سے کوئی روایت بھی صحیح نہیں اس کے باوجود انوار صاحب فرماتے ہیں۔

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ جمعہ کی دس سنتیں ہیں، چار رکعات سنت مؤکدہ نماز جمعہ سے پہلے اور چھ رکعات سنت مؤکدہ نماز جمعہ کے بعد۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۲۸)

حالانکہ کسی حدیث و اثر کا یہ معنیٰ و مفہوم نہیں جو انوار صاحب بیان کر رہے ہیں یہ ان کا محض تحکم ہے مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جمعہ کے بعد چھ رکعات پڑھنے کا حکم دینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ضرور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول وفعل ہی سے اخذ کر کے یہ حکم دیا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ تو ناممکن ہے کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول وفعل کے خلاف اپنی رائے و قیاس سے کوئی حکم دیں، (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۲۹)

ہم ثابت کر آئے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی یہ اثر ضعیف ہے بلفظ دیگر آپ کا یہ حکم دینا ثابت نہیں ۔ مزید برآں ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چار رکعات پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔او راس پر وہی تقریر ہے جو آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اثر پر بیان کی ہے، لہٰذا جو صورت آپ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی اختیار کریں گے وہی جواب ہماری طرف سے قول علی رضی اللہ عنہ کا سمجھ لینا،

حیرانگی کی بات ہے کہ حکم علی اور ابن مسعود ایک ہی روایت میں مروی ہے مگر انوار صاحب ایک کو قبول کرتے ہیں اور دوسرے کا رد کرتے ہیں۔ اور وجہ ترجیح بھی بیان کرنے کی زحمت نہیں کرتے۔

رہا سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر تو اس کا ضعف بھی ہم بیان کر آئے ہیں اور ان کا عمل جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھنا بسند صحیح بھی ہم نے نقل کر دیا۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے اثر میں جہالت ہے، آخری قول امام مسروق تابعی کا ہے۔ جو ضعیف ہونے کے علاوہ شرعی طور پر حجت بھی نہیں کیونکہ دین میں اقوال تابعین کی حیثیت محض ایک امتی کے قول کی ہے جس کا ادلہ اربعہ میں شمار نہیں ہوتا۔

الغرض انوار صاحب کسی بھی مرفوع و موقوف حدیث سے جمعہ کی مطلوبہ سنتوں کی تعداد ثابت نہیں کر سکے، بالخصوص نماز جمعہ سے پہلے کی چار رکعات پر کوئی دلیل صحیح درج نہیں کی، جو بھی زیب رقم فرمایا ہے وہ غیر متعلقہ اور ضعیف روایات ہیں پھر ان میں اپنی رائے و قیاس سے ان سے سنتیں ثابت کی ہیں۔ متن روایات میں کوئی ایسا قرینہ نہیں جو ان کے مدعا کو ثابت کرتا ہو۔ آخر میں متعدد بار یہ غلط بیانی کی ہے کہ اہل حدیث جمعہ کے بعد دو رکعات ہی پڑھتے ہیں چار نہیں ص ۸۳۰، ۸۳۱۔

اس کے جواب میں صرف یہی کافی ہے، باندھی ہے تو نے زیر فلک جھوٹ پر کمر!

(۷۳) باب جمعہ و عید ایک دن اکٹھے ہو جائیں تو جمعہ کی رخصت ثابت ہے

فصل اول

(۱) عن ایاس بن ابی رملة الشامی قال، شهدت معاویة بن ابی سفیان وهو یسال زید بن ارقم قال، أشهدت مع رسول الله ﷺ عیدین اجتمعا فی یوم؟ قال،نعم قال، فکیف صنع، قال،صلی العید ثم رخص فی الجمعة فقال،من شاء ان یصلی فلیصل۔

امام ایاس بن رملہ شامی کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما میری موجودگی میں سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہو کر سوال کیا کہ آیا آپ نے کبھی جمعہ اور عید ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں پایا ہے، تب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے کس طرح کیا؟ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی مکرم ﷺ نے عید کی نماز پڑھائی پھر جمعہ میں رخصت دی اور فرمایا کہ جس کا جی چاہے جمعہ پڑھ لے۔

(ابو داؤد کتاب الصلاة باب اذا وافق یوم الجمعة یوم عید، الحدیث ۱۰۷۰، واللفظ له،نسائی کتاب صلاة العیدین باب الرخصة فی التخلف الجمعة لمن شهد العید، الحدیث ۱۵۹۲، ابن ماجه کتاب اقام الصلوات باب ماجاء فیما اذا جتمع العیدین فی یوم ، الحدیث ۱۳۱۰،ابن خزیمه ص۳۵۹ ج۲، مستدرك حاکم ص۲۸۸ ج۱)۔

(۲) عن ابی هریرة عن رسول الله ﷺ انه قال قد اجتمع فی یومکم هذا عیدان فمن شاء اجزا من الجمعة و انا مجمعون۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج کے دن دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں، جو شخص چاہے جمعہ نہ پڑھے ہم تو پڑھیں گے۔

(ابو داؤد باب سابق الحدیث ۱۰۷۳،ابن ماجه باب سابق الحدیث ۱۳۱۱، ومستدرك حاکم ص۲۸۸ج۱)۔

(۳) عن عطاء بن ابی رباح قال صلی بنا ابن الزبیر فی یوم عید فی یوم الجمعة اول النهار ثم رحنا الی جمعة فلم یخرج الینا فصلینا وحدانا، وکان ابن عباس بالطائف فلما قدم ذکرنا ذلك له، فقال اصاب السنة۔

امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے دور خلافت میں جمعہ کے روز نماز عید صبح پڑھائی ،پھر جب ہم نماز جمعہ کے لئے آئے تو وہ خطبہ جمعہ کے لئے تشریف نہ لائے، بالآخر ہم نے اکیلے ہی نماز پڑھی، اس وقت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ طائف میں تشریف فرما

تھے، جب وہ تشریف لائے تو ہم نے ان سے بیان کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے سنت کے موافق کیا ہے۔

(ابو داؤد باب سابق الحدیث ۱۰۷۱)

(۴) عن ابن عمر قال اجتمع عیدان علی عهد رسول الله ﷺ یوم فطر وجمعة، فصلی بهم رسول الله ﷺ صلاة العید، ثم اقبل بوجهه فقال، یا ایهاالناس انکم قد اصبتم خیرا و اجرا و انا مجمعون فمن اراد ان یجمع معنا فلیجمع، ومن اراد ان یرجع الی اهله فلیرجع۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد سعادت میں عید فطر اور جمعہ اکھٹے آگئے، آپ علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز عید پڑھی پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر (خطبہ ارشاد فرمایا اور) کہا کہ آپ نے بھلائی اور اجر پایا، ہم تو جمعہ بھی پڑھیں گے لہٰذا جو شخص ہمارے ساتھ جمعہ پڑھنا چاہے پڑھ لے۔ اور جو گھر جانا چاہتا ہے چلا جائے۔

(طبرانی کبیر ص۳۳۳ ج۱۲ رقم الحدیث ۱۳۵۹۱)۔

مذکورہ حدیث و آثار سے ثابت ہوا کہ اگر جمعہ و عید اکھٹے ہو جائیں تو جمعہ ترک کرنے کی رخصت ہے، گو اتباع نبوی میں جمعہ پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔ یہی مذہب جلیل القدر صحابی سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے اور اس پر ہی سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا ہے۔ اور یہی مؤقف و مذہب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ مگر حنفی ان احادیث و آثار کے برعکس رخصت کے قائل نہیں، پھر اس پر ان کے پاس کوئی دلیل قرآن و سنت سے موجود نہیں، آیئے آپ بھی ملاحظہ کریں۔

فصل دوم

یا ایهاالذین امنوا اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله وذرا البیع ذلکم خیرلکم ان کنتم تعلمون۔

اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید و فروخت یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث)

انوار صاحب ص۸۳۸ پر وجہ استدلال میں فرماتے ہیں کہ جمعہ کی نماز فرض ہے جس کی فرضیت آیت سے ثابت ہے جو تمام جمعوں کو شامل ہے، اس میں تخصیص نہیں ہے۔

الجواب: اولاً نبی مکرم ﷺ نے اپنے عمل سے جو تفسیر بیان کی ہے وہ مقدم ہے کیونکہ قرآن فہمی کا اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا جیسا کہ سورہ قیامہ میں ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے جو عملی تفسیر پیش کی ہے اسے آپ کی تفسیر بالرائے رد نہیں کرسکتی۔

ثانیا: قرآن میں جس طرح یہ آیت وارد ہوئی ہے اس کے مطابق جمعہ ہر مسلمان کلمہ گو پر فرض ہے، لیکن گاؤں کے رہنے والے حضرات پر عید کے دن آپ بھی رخصت کے قائل ہیں اس لئے تو آپ نے آگے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اثر پیش کیا ہے۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

ثالثا: پھر حنفیہ کے نزدیک بوجہ بارش جمعہ ترک کرنے کی رخصت ہے۔ (اعلاء السنن ص ۲۰۴ ج ۴ وفیض الباری ص ۱۰۶ ج ۲) حالانکہ جس طرح قرآن میں عید کا ذکر نہیں اسی طرح بارش کا بھی نہیں

فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

(۱) عن الزهرى قال حدثنى ابو عبيد مولى ابن ازهر انه شهد العيد يوم الاضحىٰ مع عمر بن الخطاب فصلى قبل الخطبة ثم خطب الناس فقال يا ايها الناس ان رسول الله ﷺ قد نها كم عن صيام هذين العيدين اما احدهما فيوم فطركم من صيامكم واما الاخر فيوم تاكلون من نسككم فقال ابو عبيد ثم شهدت مع عثمان بن عفان وكان ذالك يوم الجمعة فصلى قبل الخطبة ثم خطب فقال يا ايهاالناس ان هذا يوم قد اجتمع لكم فيه عيدان فمن احب ان يرجع فقد اذنت له الحديث۔ (بخاری ص ۸۳۵ ج ۲، موطا امام مالک ص ۱۶۵)۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث بیان کی ابو عبید نے کہ وہ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر نماز کے لئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوئے آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی، پھر لوگوں کو خطبہ دیا، فرمایا اے لوگو! رسول اللہ ﷺ نے تم کو ان دونوں عیدوں کے روزے رکھنے سے منع کیا ہے ان دونوں میں سے ایک تو عید الفطر ہے دوسری وہ ہے جس میں تم اپنی قربانیوں کے گوشت کھاتے ہو، ابو عبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں عید کی نماز کے لئے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا یہ اتفاق سے جمعہ کا دن تھا آپ نے بھی خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا فرمایا لوگو یہ ایسا دن ہے، جس میں تمہارے لئے دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں، اہل عوالی میں سے جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہے وہ انتظار کرے اور جو واپس جانا چاہے میری طرف سے اسے اجازت ہے (حدیث اور اهل حدیث ص ۸۳۳)

الجواب اولاً: عوالی اس جگہ کو کہتے ہیں جو شہر کے قرب و جوار میں بستیاں واقعہ ہوں، اور ان پر جمعہ بالاتفاق فرض ہے۔ تفصیل گاؤں میں نماز جمعہ کی بحث میں گزر چکی ہے، اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بوجہ عید انہیں جمعہ نہ پڑھنے کی رخصت دی ہے ثابت ہوا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک بوجہ عید گاؤں والوں پر جمعہ کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ ہماری دلیل ہے مگر انوار صاحب کی چالاکی کہیے یا سادگی سے تعبیر کریں فرماتے ہیں۔

اہل عوالی جن پر جمعہ فرض ہی نہیں تھا انہیں آپ اجازت دے دیتے تھے۔ ص ۸۳۹۔

حالانکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ قطعا نہیں کہا کہ اہل عوالی پر جمعہ فرض نہیں لہٰذا انہیں رخصت ہے۔ یہ

انوار صاحب کی زیادتی ہے۔

ثانیا: رہا آپ کا یہ فرمانا، انا مجمعون، یعنی ہم جمعہ ادا کریں گے تو اس سے انوار صاحب کا مؤقف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ عید کے روز جمعہ ہم بھی پڑھتے ہیں صرف رخصت کے قائل ہیں میری زندگی میں متعدد بار عید اور جمعہ ایک دن آئے ہیں مگر آج تک جمعہ کو ترک نہیں کیا، وجہ؟ اس لئے کہ ترک کرنے کی صرف رخصت ہے پڑھنے کی ممانعت نہیں۔ اور جمعہ کی فضیلت کے پیش نظر جماعت اہل حدیث جمعہ ہی ادا کرتی ہے، ہم صرف رخصت کے قائل ہیں جیسے سفر کی حالت میں روزے کی رخصت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن روزہ ضرور رکھتے ہیں۔

(۲) عن عمر بن عبد العزيز قال اجتمع عيدان على عهد رسول الله ﷺ فقال من احب ان يجلس اهل العالية فليجلس في غيره حرج۔

(کتاب الام ص۲۳۹ ج ۱)۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دو عیدیں اکٹھی ہوگئیں تو آپ نے فرمایا اہل عوالی میں سے جو (نماز جمعہ کے لئے) بیٹھنا چاہے وہ بیٹھ جائے بغیر کسی تنگی کے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۴۳)

الجواب: اولا اس کی سند میں امام شافعی رحمہ اللہ کے استاد ابراہیم بن محمد ابی یحییٰ راوی کذاب ہیں امام مالک سے اس کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے کہا دین و روایت دونوں میں غیر ثقہ ہے۔، امام احمد فرماتے ہیں کہ اس میں ہر آفت ہے، منکر روایات بیان کرتا ہے جس کی کوئی اصل نہیں، مدینہ منورہ کے تمام فقہاء اسے کذاب کہتے ہیں۔ امام یحییٰ بن سعید، امام ابن ابی مریم، امام علی بن مدینی، امام ابن حبان نے کذاب قرار دیا ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن مبارک نے اس (سے روایت کرنا) ترک کر دیا تھا۔ امام یحییٰ فرماتے ہیں اس کی تین صفات ہیں کذاب، وقدری اور رافضی ہے۔امام نسائی کہتے ہیں متروک الحدیث غیر ثقہ ہے اس کی روایات لکھی نہ جائیں۔امام دارقطنی اور یعقوب نے متروک الحدیث کہا ہے۔ امام حاکم نے، ذاہب الحدیث اور ابوزرعہ نے ہیچ محض قرار دیا ہے۔ امام بزار کہتے ہیں احادیث وضع کرتا تھا۔

تهذيب التهذيب ص۱۳۸ ج۱ وتهذيب الكمال ص۱۳۳ ج ۱)۔

ثانیا: ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ نے یہ روایت ابراہیم بن عقبہ سے روایت کی ہے۔ بحوالہ صراحت کی جائے ابراہیم بن عقبہ سے ابراہیم بن محمد کی ملاقات وسماع ہے۔ غالبا امام بیہقی نے اس طرف ہی اشارہ کیا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے (السنن الکبریٰ ۳۱۸ ج۳)۔

ثالثا: یہ روایت مرسل ہے کیونکہ سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ تابعین سے ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

نے، تقریب، میں انہیں طبقہ چہارم کا قرار دیا ہے اور مقدمہ تقریب میں انہوں نے صراحت کی ہے یہ وہ طبقہ ہے جو کبائر تابعین سے روایت کرتا ہے

امام مزی فرماتے ہیں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے اور ابن سعد نے تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے (تہذیب الکمال ص۱۷۳ ج۵)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ بحیثیت رویت تابعی ہیں اور روایت کے لحاظ سے اتباع تابعین میں سے ہیں۔ الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے، اور اس میں کیا شک ہے کہ جس روایت میں ایک راوی کذاب ہو پھر انقطاع کے ساتھ ساتھ اس کا طریق بھی مرسل ہو اس کے باطل ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

(۳) عن النعمان بن بشير قال كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم يقرأ في العيدين وفي الجمعة بسبح اسم ربك الاعلى، وهل اتك حديث الغاشية و ربما اجتمعافي يوم واحد فيقرأ بهما۔

(ترمذی ص۱۱۹ ج۱ ونسائی ص۱۷۸ ج۱)۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عیدین اور جمعہ کی نماز میں **سبح اسم ربك الاعلى**، اور **هل اتك حديث الغاشيه**، پڑھتے تھے۔ بسا اوقات عید اور جمعہ ایک ہی دن اکھٹے ہوجاتے تو بھی آپ دونوں نمازوں میں یہی سورتیں پڑھتے تھے۔ (حدیث اوراہل حدیث ص۸۳۴)

الجواب: اولا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ان سورتوں کو نماز عید اور نماز جمعہ کی قرأت میں تلاوت کرنا مسنون ہے، اورہم بفضلہ تعالیٰ اسے قبول کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ لیکن حنفی اسے مکروہ جانتے ہیں تفصیل تحفہ حنفیہ ص۹۸۰ میں عرض کردی گئی ہے۔

ثانیا: یہ حدیث ہمارے مخالف قطعا نہیں ہے کیونکہ ہم صرف رخصت کے قائل ہیں (جمعہ پڑھنے سے منع نہیں کرتے) جیسے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی ہے۔

ثالثا: یہ حدیث تو صحیح مسلم (رقم الحدیث ۲۰۲۸) میں بھی تھی معلوم نہیں کہ انوار صاحب نے مسلم کی بجائے ترمذی وغیرہ پر اکتفاء کیوں کیا ہے؟ اگر یہ ناراض نہ ہوں تو ہم بتا دیتے ہیں کہ علم حدیث میں ان کی معلومات نہایت سطحی اور علل الحدیث سے کم آگاہی کا نتیجہ ہے۔

اختلاف امت: ان دلائل کو نقل کرنے کے بعد انوار صاحب نے، الجامع الصغیر ص۱۱۳ سے امام ابوحنیفہ کا اور، کتاب الام ص۲۳۹ ج۱ سے امام شافعی کا، شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک ص۳۶۴ ج۱ سے امام مالک کا اور آخر میں امام ابن حزم کا قول محلی ص۹۳ ج۳ سے نقل کیا ہے کہ ایک دن میں اگر عید اور جمعہ اکھٹے ہوجائیں تو دونوں کو پڑھا جائے۔ (حدیث اوراهل حدیث ص۸۳۴،۸۳۸)

تبصرہ: غور کریں اسے دلائل شرعیہ کی کون سی قسم میں رکھا جائے، ہم تو غور کرکر کے تھک گئے ہیں مگر کسی صورت میں بھی اس کا شمار ادلہ اربعہ میں نہیں ہوتا، ہاں اتنا ضرور ہے کہ کتاب کے تین چار

صفحات بڑھ گئے ہیں بس! اگر انوار صاحب کا یہ مقصد ہے کہ مذکورہ آئمہ اتنی بزرگ ہستیاں تھیں، آخر ان کے اقوال کو رد کس طرح کیا جائے تو جوابا عرض ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مؤقف و مذہب تھا کہ اگر ایک دن میں جمعہ وعید اکھٹی ہوجائیں تو جمعہ نہ پڑھنے کی رخصت ہے جس کا اعتراف آپ کے معتمد خاص جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے، اعلاء السنن ص۹۳ ج۸ میں کیا ہے، لہٰذا مؤلف حدیث اور اہل حدیث جو جواب امام احمد کے قول کا دے گا وہی ہماری طرف سے آئمہ ثلاثہ کے اقوال کا سمجھ لینا پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ امام شافعی دیہاتی اور اہل عوالی سے جمعہ کے ساکت ہونے کے قائل ہیں۔ آپ نے جو کتاب الام سے عبارت نقل کی ہے اس میں صاف صراحت ہے، حالانکہ عوالی کے رہنے والوں اور دیہاتی لوگوں پر امام شافعی جمعہ فرض کہتے ہیں، **کتاب الام ص۳۲۸ ج۱ باب العدد الذین اذاکانوا فی قریة وجبت علیهم الجمعة**، میں انہوں نے صراحت کی ہے لیکن انوار صاحب علی الاطلاق انہیں اپنا حمایتی قرار دیتے ہیں جو درست نہیں۔

الزامات خورشید

فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین کو تکثیر صلاۃ سے چڑ ہے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے غیر مقلدین کو کثرت صلاۃ سے کچھ چڑ سی ہے کیونکہ۔

(۱) فرض نمازوں کے بعد نوافل یہ نہیں پڑھتے، الا ماشا اللہ۔

(۲) شب برات میں نوافل پڑھنے کو یہ بدعت کہتے ہیں۔ (فتاویٰ ستاریہ ص۵۹ ج۱)۔

(۳) وترتین کی بجائے ایک رکعت پڑھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۴) تراویح بیس رکعات کی بجائے آٹھ رکعات پر یہ زور دیتے ہیں۔

(۵) تراویح کے بعد تہجد پڑھنے کو یہ اچھا نہیں سمجھتے۔

(۶) مسافر کے لئے حالت فرصت و اطمینان میں بھی سنتیں پڑھنے کے قائل نہیں ہیں۔

(۷) اگر کسی منافی صلاۃ عمل کرنے سے نماز فاسد بھی ہوجائے تاہم صرف سجدہ سہو پر اکتفا کرلینے کو یہ کافی سمجھتے ہیں اسے لوٹانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے۔

(۸) اگر بے وضو یا جنبی امام نماز پڑھادے تو ان کے یہاں مقتدیوں کو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

(۹) کسی نے جان بوجھ کر نمازیں نہ پڑھیں ہوں تو ان نمازوں کی ان کے ہاں قضاء نہیں ہے صرف توبہ کافی ہے۔

(۱۰) جمعہ کے دن جمعہ کے بعد صرف ۲ رکعات پڑھ کر یہ راہ فرار اختیار کرتے ہیں

(۱۱) جمعہ وعید دونوں ایک دن اکھٹے ہوجائیں تو جمعہ کی نماز میں ان کے یہاں رخصت ہے مرضی

ہے پڑھو یا نہ پڑھو فالی اللہ المشتکی ۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۴۳)

الجواب: اولا پہلے نمبر پر جو آپ نے افتراء کیا ہے اس کا جواب ہم صرف لعنت اللہ علی الکاذبین ہی کافی سمجھتے ہیں، دوسرے نمبر پر آپ نے جو لکھا ہے اس میں جناب نے بددیانتی کی ہے فتاویٰ ستاریہ ص ٦٧ ج ا میں صرف پوری رات نوافل ادا کرنے کو بدعت کہا گیا ہے لیکن محترم نے بلا قید بدعت نقل کیا ہے۔ پھر اس غلط بیانی پر پردہ ڈالنے کے لے صفحہ کا حوالہ غلط دیا ہے، بقایا تمام باتوں کا جواب اور ثبوت ہم قرآن وسنت آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اقوال تابعین و آئمہ کرام سے دے چکے ہیں۔

ثانیا: اب ہم چند مقامات کی نشان دہی کرتے ہیں جہاں احناف کو نوافل سے چڑ ہے۔

(۱) نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نماز نفل کو مکروہ کہتے ہیں۔

(۲) حالت خطبہ میں دو رکعت نماز تحیۃ المسجد کو مکروہ کہتے ہیں۔

(۳) پانچ سات اور نو رکعات وتر کے منکر ہیں۔

(۴) نماز عصر کے بعد دو رکعات نفل کے منکر ہیں اور مکروہ کہتے ہیں۔

(۵) نمازی اگر گھر میں صبح کی نماز پڑھ کر مسجد میں آیا ہو تو اسے جماعت میں شامل ہو کر نوافل پڑھنے کو مکروہ کہتے ہیں۔

(٦) فجر اور عصر کے بعد طواف کرنے پر دو رکعات نفل پڑھنے کو مکروہ کہتے ہیں۔

(اعلاء السنن ص٦٥ ج٢)۔

(۷) استسقاء میں نماز کی بجائے صرف دعا پر اکتفا کرنے کو جائز کہتے ہیں۔

(کبیری ص٤٢٧)

(۸) اگر امام بوجہ نماز فرض پڑھ چکا ہو بعد میں نمازی آجائیں خواہ ان میں سے کوئی امامت کا اہل بھی نہ ہو تب بھی امام کو بنیت نفل جماعت کرانے سے منع کرتے ہیں۔

(۹) گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین کے منکر ہیں۔

(۱۰) دو رکعات نماز تحیۃ المسجد کو ادا کرنے کی بجائے صرف تین بار سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ اللہ اکبر کہنے کو جائز کہتے ہیں۔ درمختار بحوالہ معارف السنن ص۲۹٦ ج ا)۔

(۱۱) اگر نمازی مقدار تشہد بیٹھ کر جان بوجھ کر وضو توڑ دے تو اسے نماز لوٹانے کے قائل نہیں

(۱۲) اگر کوئی شخص اذان فجر کے بعد مسجد میں آیا ہے تو اسے دو رکعات تحیۃ المسجد ادا کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم بیسیوں مثالیں دے سکتے ہیں لیکن صرف ۱۲ پر ہی اکتفاء کرتے ہیں اور انوار صاحب کے گیارہ نمبروں کا جواب بارہ نمبروں میں اس لئے دیا ہے تاکہ دیوبندیوں کے بریلوی بھائی گیارہویں کی دلیل نہ بنا لیں۔

(۷۴) باب نماز عیدین میں تکبیرات زوائد کی تعداد

فصل اول

(۱) عن عائشة ان رسول الله ﷺ كان يكبر في الفطر والاضحى في الاولى سبع تكبيرات وفي الثانية خمسا۔

سیدہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔

(ابو داؤد كتاب الصلاة باب التكبير في العيدين الحديث ۱۱۴۹، مستدرك حاكم ص۲۹۸ ج۱،والسنن الكبرىٰ للبيهقي ص۲۸۶ ج۳)۔

(۲) عن عائشة ان رسول الله ﷺ كبر في الفطر والاضحى سبعا وخمسا سوى تكبيرتي الركوع۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہتے تھے رکوع کی تکبیر کے علاوہ۔

(ابن ماجه كتاب اقامة الصلاة باب ماجاء في كم يكبر الامام في صلاة العيدين، الحديث ۱۲۸۰، ابو داؤد باب سابق الحديث ۱۱۵۰ ، طحاوی ص۴۳۸ ج۲، بيهقي ص۲۸۷ ج۳ ومسند احمد ص۷۰ ج۶ ، دار قطني ص۴۷ ج۲)۔

(۳) عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال،قال نبي الله ﷺ التكبير في الفطر سبع في الاولى وخمس في الاخرة والقراة بعدهما كلتيهما۔

سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا نماز عید الفطر کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں اور دونوں رکعتوں میں قرأت تکبیروں کے بعد کی جائے۔

(ابو داؤد كتاب الصلاة باب التكبير في العيدين الحديث ۱۱۵۱)۔

(۴) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبي ﷺ كبر في عيد ثنتي عشرة تكبيرة سبعا في الاولى وخمسا في الاخرة ولم يصل قبلها ولا بعدها۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر و العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے نماز عید میں بارہ تکبیریں کہیں سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں اور نماز عید سے پہلے اور بعد میں کوئی نماز نہ

پڑھی۔

(مسند احمد ص۱۸۰ ج۲ واللفظ له، وابن ماجه باب سابق الحديث ۱۲۷۸ وطحاوی ص۴۳۷ ج۱، دارقطنی ص۴۸ ج۲، بیهقی ص۲۸۵ ج۳)۔

(۵) عن عمرو بن عوف ان النبیﷺ كبر فی العیدین فی الاولیٰ سبعا قبل القرأة وفی الاخرة خمسا قبل القرأة۔

سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے نماز عیدین میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے کہیں۔

(سنن ترمذی كتاب الجمعة باب فی التكبير فی العيدين، الحديث ۵۳۶، ابن ماجه باب سابق الحديث ۱۲۷۹، وطحاوی ص۴۳۷ ج۲، دارقطنی ص۴۸ ج۳، بیهقی ص۲۸۶ ج۳)۔

(۶) عن عمار بن سعد مؤذن رسول اللهﷺ ان رسول اللهﷺ كان يكبر فی العيدين فی الاولیٰ سبعاقبل القرأة وفی الاخرة خمسا قبل القرأة۔

رسول اللہ ﷺ کے مؤذن سیدنا عمار بن سعد رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے کہتے تھے۔

(ابن ماجه باب سابق الحديث ۱۲۷۷ ومستدرك حاكم ص۶۰۷ ج۳، وبیهقی ص۲۸۸ ج۳، وسنن دارمی ص۴۵۷ ج۱)۔

(۷) عن ابن عمر عن النبیﷺ انه قال فی تكبيرات العيدين فی الركعة الاولیٰ سبعا وفی الثانية خمس تكبيرات۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت یں پانچ تکبیرات ہیں۔

(طحاوی ص۴۳۸ ج۲ و سنن دارقطنی ص۴۸ ج و كشف الاستارص۳۱۴ج۱)۔

(۸) عن ابن عمران رسول اللهﷺ كان يكبر فی العيدين سبعا فی الاولیٰ وخمسا فی الاخرة سوی تكبيرة الافتتاح۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔تکبیر تحریمہ کے علاوہ۔

(تاريخ بغداد ص۳۶۳ ج۱ وابن عساكر ص۱۸۴ ج۳۳، و ارواء الغليل ص۱۱۰ ج۳)۔

(۹) عن سعد قرظ ان السنة فی صلاة الاضحی والفطر ان يكبر الامام فی الركعة الاولیٰ سبع تكبيرات قبل القرأة ويكبر فی الركعة الثانية خمس تكبيرات قبل القرأة۔

سیدنا سعد قرظ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں امام پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے کہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۸۷ ج ۳)۔

واضح رہے کہ بیہقی میں سعد بن قرظ ہے جب کہ درست سعد قرظ ہے جیسا کہ امام بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والاثار ص ۳۹ ج ۳) میں ہے غالباً سنن میں تصحیف ہے۔

(۱۰) عن عبد الرحمن بن عوف قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم تخرج له العنزة فى العيدين حتى يصلى اليها وكان يكبر ثلاث عشرة تكبيرة وكان ابو بكر و عمر يفعلان ذلك۔

سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عیدین میں نیزہ نکالا جاتا تھا حتی کہ آپ اس کی طرف (سترہ بنا کر) نماز پڑھیں، پس آپ تیرہ تکبیریں (بمع تحریمہ) کہتے تھے اور سیدنا ابو بکر سیدنا عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(رواه البزار بحواله مجمع الزوائد ص ۲۰۷ ج ۲)۔

(۱۱) عن جعفر بن محمد عن ابيه قال على يكبر فى الاضحى والفطرو الاستسقاء سبعا فى الاولى و خمسا فى الاخرى ويصلى قبل الخطبة و يجهر بالقرأة قال، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم وابو بكر وعمر و عثمان يفعلون ذلك۔

امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نماز عید الاضحیٰ اور عید الفطر اور استسقاء میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ اور نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔ اور قرأت جہر سے کرتے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۲۹۲ ج ۳ رقم الحدیث ۵۶۷۸)۔

(۱۲) عن عبد الله بن محمد بن عمار عن ابيه عن جده قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر فى العيدين فى الاولى سبعا وفى الاخرة خمسا وكان يبداء بالصلاة قبل الخطبة۔

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہتے تھے اور نماز خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

(سنن دارقطنی ص ۴۷ ج ۲)۔

(۱۳) عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يكبر فى العيدين ثنتى عشرة فى الاولىٰ سبعا وفى الثانية خمسا وكان يذهب فى طريق ويرجع من اخرى۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں بارہ تکبیریں کہتے تھے

سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں، اور جس راستہ سے تشریف لے جاتے تھے۔ (عیدگاہ میں) واپسی پر دوسرے راستہ سے آتے۔

(طبرانی کبیر ص۲۹٤ ج۱۰ رقم الحدیث ۱۰۷۰۸)۔

(۱۴) عن نافع مولیٰ عبد الله بن عمر انه قال شهدت الاضحی والفطر مع ابی هريرة فكبر فی الركعة الاولی سبع تكبيرات وفی الاخرة خمس تكبيرات قبل القرأة۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مولیٰ امام نافع بیان کرتے ہیں کہ میں نماز عید الاضحیٰ اور عید الفطر پڑھنے کے لئے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا، آپ نے پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔

(موطا امام مالك ١٦٦)۔

(۱۵) عن نافع مولیٰ ابن عمر قال شهدت الاضحی والفطر مع ابی هريرة فكبر فی الركعة الاولیٰ سبع تكبيرات قبل القرأة وفی الأخرة خمس تكبيرات قبل القرأة لفظ حديث مالك و حديث شعيب بمعناه وزاد فی روايةوهی السنة وزاد فی اوله استخلف مروان اياه علی المدينة۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مولیٰ امام نافع بیان کرتے ہیں عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھی تو آپ نے پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرات سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔ (امام بیہقی کہتے ہیں) حدیث کے یہ الفاظ امام مالک کے ہیں اور شعیب کی روایت اس کے ہم معنی ہے اور اس میں یہ کلمہ زیادہ ہے کہ (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا) یہ سنت ہے اور حدیث کی ابتداء اس سے ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مروان نے اپنے دور خلافت میں مدینہ کا والی (گورنر) مقرر کیا تھا۔

(السنن الكبریٰ للبيهقی ص۲۸۸ ج۳)۔

(۱۶) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما مثله۔

امام نافع فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ (طحاوی ص٤٣٨ ج٢)۔

(۱۷) عن نافع قال قال عبد الله بن عمر التكبير فی العيدين سبع و خمس۔

امام نافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عیدین (کی نماز) میں تکبیریں (پہلی رکعت میں) سات اور (دوسری میں) پانچ ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص١٧٥ ج٢)۔

(۱۸) عن ابن عباس انه کان یکبر ثلاث عشرة تکبیرة۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (بمع رکوع کی تکبیر کے) تیرہ تکبیریں کہتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۷۳ ج۲)۔

(۱۹) عن ابن عباس کبر فی عید ثلاث عشرة سبعا فی الاولیٰ وستا فی الاخرة۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز عید میں تیرہ تکبیریں کہیں پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں (بمع رکوع کی تکبیر کے) چھ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۷۳ ج۲)۔

(۲۰) عن ابن عباس انه کان یکبر فی العید فی الاولیٰ سبع تکبیرات بتکبیرة الافتتاح وفی الاخرة ستا بتکبیرة الرکعة کلهن قبل القرأة۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نماز عید کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں بمع تکبیر تحریمہ اور دوسری میں چھ بمع تکبیر رکوع کے کہا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۷۳ ج۲ والفریابی ص۱۳۶ ج۱ بحوالہ ارواء الغلیل ص۱۱۱ ج۳)۔

(۲۱) عن عماربن ابی عمار ان ابن عباس کبر فی ثنتی عشرة تکبیرة سبعا فی الاولی وخمس فی الاخرة۔

امام عمار بن ابی عمار فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بارہ تکبیریں کہتے تھے پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۱۷٦ ج۲)۔

(۲۲) عن عطاء قال کان ابن عباس یکبر فی العیدین ثنتی عشرة تکبیرة سبع فی الاولیٰ و خمسافی الاخرة هذا اسناد صحیح۔

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز میں بارہ تکبیریں کہتے تھے، سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں، امام بیہقی کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص۲۸۹ ج۳)۔

(۲۳) عن ابن عباس انه کبر فی العید فی الرکعة الاولیٰ سبعا ثم قرأو کبر فی الثانیة خمسا۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عید کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں اور پھر قرأۃ کی اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہیں۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص۲۸۹ ج۳)۔

(۲۴) عن عبد الرحمن بن رافع ان عمر بن الخطاب کان یکبر فی العیدین ثنتاعشرة

سبعا فی الاولیٰ وخمسا فی الاخرة۔

امام عبد الرحمٰن بن رافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عیدین کی نماز میں بارہ تکبیریں کہتے تھے پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص١٧٥ ج٢)۔

(٢٥) عن ابی سعید الخدری قال التکبیر فی العیدین سبع وخمس سبع فی الاولیٰ قبل القرأة وخمس فی الاخرة قبل القرأة۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عیدین کی نماز میں تکبیریں سات اور پانچ ہیں۔ سات پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں پانچ قرأت سے پہلے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص١٧٥ ج٢)۔

قارئین کرام مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ عیدین کی نماز میں بارہ تکبیریں ہیں پہلی رکعت میں سات قرات سے پہلے اوردوسری رکعت میں بھی قرات سے پہلے پانچ تکبیریں ہیں۔ اسی پر خلفاء الراشدین کا عمل تھا۔ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی دستور تھا، اگر اس پر ہم تابعین عظام کے اقوال نقل کرتے تو بات لمبی ہوجاتی، مختصر عرض ہے کہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر بارہ تکبیریں خلاف سنت ہوتیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین و انصار اولاد صحابہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے (التمہید ص٣٩ ج١٦) راقم عرض کرتا ہے کہ اگر بارہ تکبیریں افضل نہ ہوتیں تو یہ بزرگ ہستیاں ضرور معترض ہوتیں۔ کیونکہ اسلاف نیکی پر بہت زیادہ حریص تھے۔ ان لوگوں کا اعتراض نہ کرنا متواتر نسل در نسل مدینہ طیبہ میں بارہ پر عمل ہونا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ سنت بارہ تکبیریں کہنا ہی ہے، امام مالک نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کر کے کہا ہے کہ ہمارے ہاں یہی متداول ہے، بلکہ حرمین شریفین میں بارہ تکبیریں ہی کہی جاتی تھیں۔ مدینہ طیبہ کے فقہاء سبعہ کا یہی موٌقف و مذہب تھا۔ خلفاء بنو امیہ اور خلفاء بنو عباس بارہ تکبیریں کہتے تھے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں، قاضی ابو یوسف امام محمد بعض مشائخ حنفیہ بھی بارہ تکبیروں کے قائل ہیں۔ تفصیل کے لئے محدث مبارکپوری کی تالیف، القول السدید کا مطالعہ کریں۔

بلکہ علماء دیو بند تو صراحت کرتے ہیں کہ چھ اور بارہ تکبیروں کا اختلاف ہی سرے سے نہیں دونوں طریقے احادیث سے ثابت ہیں۔ جس پر بھی عمل کیا جائے جائز و درست ہے، اختلاف صرف افضلیت میں ہے کہ ان دونوں طریقوں میں سے کون سا طریقہ افضل ہے۔ تفصیل کے لئے مولانا عبدالحی لکھنوی کی کتاب (عمدة الرعایة ص٢٤٧ ج١) مولانا ظفر احمد تھانوی کی (اعلاء السنن ص١٣٦ ج٨) مولانا تقی عثمانی کی (درس ترمذی ص٣١٨ ج٢) کی مراجعت کریں۔

لیکن حیرت ہے کہ انوار صاحب نے اس کے باوجود یہ باب تحریر کردیا ہے۔
اور آخر میں فرماتے ہیں کہ۔
غیر مقلدین جو عیدین کی نماز میں چھ تکبیرات کے برعکس زائد تکبیریں بارہ کہتے ہیں اس کے ثبوت میں ان کے پاس ایک بھی صحیح وصریح مرفوع حدیث نہیں (حدیث اور اہل حدیث ۸۵۶)

صریح حدیث ہی نہیں! ہم نے احادیث پیش کردیں ہیں رہا صحیح کا مطالبہ تو اس مطالبہ میں آپ نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ حسن درجہ کی احادیث موجود ہیں، عمرو بن عوف کی حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے اور سیدنا عبد اللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کو امام احمد، امام علی بن مدینی، امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (التلخیص الحبیر ص۸۴ ج۲)۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ (ارواء الغلیل ص۱۰۷ ج۳)۔ ان کے علاوہ تمام مرفوع احادیث ہم نے متابعت و شواہد میں پیش کیں ہیں آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام کے تمام صحیح وحسن درجہ کے ہیں۔

فصل دوم

(۱) عن القاسم ابی عبد الرحمن انه قال حدثنی بعض اصحاب رسول اللهﷺ قال صلی بنا النبیﷺ یوم عید فکبر اربعا واربعا ثم اقبل علینا بوجهه حین انصرف فقال لاتنسوا کتکبیر الجنائز واشار باصابعه وقبض ابهامه۔

(طحاوی ص۴۳۸ ج۲)۔

ابو عبد الرحمٰن القاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی نے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عید کی نماز پڑھائی (بشمول تکبیر رکوع) چار چار تکبیریں کہیں جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہوکر فرمایا بھول نہ جانا عید کی تکبیریں جنازہ کی طرح چار ہیں، آپ نے انگلیوں سے اشارہ فرمایا اور انگوٹھا بند کرلیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۴۳)

الجواب: اولا اس کی سند میں وضین بن عطاء راوی سیئی الحفظ ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (تقریب ص۳۶۹) میں صراحت کی ہے، امام جوزجانی کہتے ہیں کہ واہی الحدیث ہے، ابن سعد نے ضعیف اور ابو حاتم کہتے ہیں کہ یعرف وینکر، امام ابن قانع نے ضعیف قرار دیا ہے محدث ساجی کہتے ہیں کہ اس کے پاس صرف ایک ہی روایت ہے اور وہ بھی منکر و غیر محفوظ ہے۔ عقیدۃً قدری تھا۔

(میزان ص۳۳۴ ج۴، وتہذیب التہذیب ص۱۲۰ ج۱۱، تہذیب الکمال ص۴۵۸ ج۷، ابن ترکمانی حنفی نے، الجوہر النقی ص۱۱۸ ج۱، ص۸۷ ج۳) میں وضین کو واہ (ضعیف) قرار دیا ہے۔ وضین کا استاد، ابو عبد الرحمٰن قاسم بن عبد الرحمٰن شامی ہے ابن ترکمانی حنفی فرماتے ہیں۔

اما القاسم فقد قال ابن حنبل یروی عنه علی بن زید اعاجیب وما اراها الامن قبل القاسم وقال ابن حبان یروی عن اصحاب رسول اللهﷺ المعضلات ویاتی عن الثقات المقلوبات حتی یسبق الی القلب انه کان المعتمد لها۔

یعنی قاسم کے متعلق امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے علی بن زید عجیب وغریب روایات روایت کرتا ہے ،اور میرا گمان یہی ہے کہ یہ حدیثیں قاسم کی جانب سے ہیں اور ابن حبان نے کہا ہے کہ قاسم اصحاب رسول ﷺ سے معضل حدیثیں روایت کرتے ہیں اور ثقہ راویوں سے مقلوب روایات نقل کرتے ہیں یہاں تک کہ دل میں یہ بات آتی ہے کہ انہوں نے قصدا ایسا کیا ہے۔(الجوہر النقی ص ۱۴۸ ج ۶)

اس جرح کو حافظ مزی نے، تہذیب الکمال ص ۳۷ ج ۶، میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب التہذیب ص ۳۲۴ ج ۸ میں اور علامہ ذہبی نے میزان ص ۳۷۳ ج ۳ میں نقل کیا ہے۔الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیا: اس روایت میں ہر رکعت میں چار چار تکبیریں کہنے کا ذکر ہے جب کہ حنفیہ کے نزدیک تین تین تکبیریں ہیں۔ انوار صاحب فرماتے ہیں۔عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں میں چھ زائد تکبیریں واجب ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۵۳۔)

جب کہ مذکورہ روایت میں چار چار تکبیروں کا ذکر ہے۔ اس حقیقت سے جان چھڑانے کے لئے محترم نے بریکٹ میں لکھا ہے کہ ،بشمول تکبیر رکوع کے، حالانکہ یہاں تکبیرات انتقال کا سرے سے ذکر ہی نہیں بلکہ عیدین کی نماز میں زائد تکبیروں کا بیان ہے لیکن محترم اپنی طرف سے رکوع کی تکبیر کا اضافہ کر رہے ہیں۔ جس کا متن روایت میں کوئی ذکر نہیں، مزید برآں حنفی دوسری رکعت کے متعلق تو یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ وہاں زوائد تکبیریں قرات کے بعد کہتے ہیں۔ پھر رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلے جاتے ہیں، مگر پہلی رکعت کی تکبیرات کے متعلق یہ بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کے نزدیک پہلی رکعت میں تکبیریں زوائد قرأت سے پہلے ہیں۔

ثالثا: انوار صاحب کے نزدیک پہلی رکعت میں ثناء کے بعد اوردوسری میں رکوع سے پہلے زوائد تکبیریں ہیں ص ۸۵۳، جب کہ متن روایت میں اس کی صراحت نہیں، الغرض یہ روایت جہاں ضعیف ہے وہاں ان کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں۔

رابعا: اگر کہا جائے کہ طحاوی نے اس روایت کوحسن قرار دیا ہے جوابا عرض ہے کہ امام طحاوی گو بہت بڑے فقیہ و عالم تھے مگرفن حدیث میں وہ محدثین کے پایہ کے نہ تھے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

لیست عادته نقد الحدیث کنقد اهل العلم ولهذا روی فی شرح معانی الآثار الاحادیث المختلفة وانما یرجح مایرجحه منها فی الغالب من جهة القیاس الذی راه حجة

ویکون اکثرہ مجروحامن جھة الاسناد ولایثبت فانه لم یکن له معرفة بالاسناد کمعرفة اھل العلم به وان کان کثیر الحدیث فقیھا عالما۔

یعنی جیسے علماء حدیث احادیث کی تنقید کرتے ہیں امام طحاوی کی ویسی تنقید کرنے کی عادت نہیں ہے اس لئے وہ شرح معانی الآثار، میں مختلف حدیثوں کو روایت کرکے جو بعض حدیثوں کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں تو اکثر قیاس سے ترجیح دیتے ہیں, اور اس کو حجت سمجھتے ہیں حالانکہ اکثر ان میں سند کے لحاظ سے ضعیف ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طحاوی اگرچہ کثیر الحدیث فقیہ اور عالم ہیں لیکن اور علماء حدیث کی طرح ان کو فن اسناد کا علم نہیں تھا۔

(منھاج السنةالنبویة فی نقض کلام الشیعة والقدریة ص ۱۹٤ ج٤ مطبوعه مکتبة سلفیة)۔

(۲) عن مکحول قال اخبرنی ابوعائشة جلیس لابی ھریرة ان سعید بن العاص سأل ابا موسیٰ الاشعری وحذیفة بن الیمان کیف کان رسول اللہﷺ یکبر فی الاضحی والفطر فقال ابو موسیٰ کان یکبر اربعاکتکبیرة علی الجنائز فقال حذیفة صدق فقال ابو موسیٰ کذلك کنت اکبرفی البصرة حیث کنت علیھم قال ابو عائشة وانا حاضر سعید بن العاص۔

(ابو داؤد ص۱٦۳ ج۱،وطحاوی ص٤۳۹ ج۲، مسند احمد ص٤۱٦ ج٤)۔

حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہم نشین ابو عائشہ نے بتلایا کہ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت موسیٰ الاشعری اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے؟ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا (بشمول تکبیر رکوع کے) چار چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ جنازہ میں کہتے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ٹھیک کہتے ہیں حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب میں بصرہ کا حاکم تھا تو اسی طرح تکبیریں کہا کرتا تھا۔ حضرت ابو عائشہ کہتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے سوال کے وقت خود حاضر تھا۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۴۴۔)

الجواب: اولاً آپ کا مسلک چھ تکبیریں کہنے کا ہے جب کہ اس میں آٹھ تکبیروں کا بیان ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس اعتراض سے جان چھڑانے کے لئے یہ کہہ دیا ہے کہ، بشمول تکبیر رکوع کے، حالانکہ متن روایت سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

کیونکہ ابو داؤد اور مسند کے الفاظ، تکبیرة علی الجنائز کے ہیں، اور طحاوی کے الفاظ، کتکبیرة علی الجنائز، یعنی جنازہ کی طرح چار تکبیریں ہوتیں تھیں، اور کون نہیں جانتا کہ جنازہ میں رکوع نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں چار تکبیروں کا ذکر ہے، ان میں سے ایک تکبیر تحریمہ ہے اور تین زائد ہیں۔ (درس ترمذی ص۳۱۴ ج۲)۔

مولانا سرفراز خاں فرماتے ہیں کہ۔
یعنی ایک تکبیر تحریمہ اور تین زائد کا (خزائن السنن ص۱۷۹ ج۲)۔
یہاں پر ایک معقول سوال جنم لیتا ہے کہ پہلی رکعت میں تو تکبیر تحریمہ کو شامل کر کے چار ہوگئیں دوسری میں تو تکبیر تحریمہ ہوتی ہی نہیں، وہاں کون سی مراد ہے۔
الغرض احناف کا اس سے استدلال باطل ہے یہ آٹھ تکبیروں کی دلیل تو ہوسکتی ہے۔لیکن چھ کی قطعا نہیں۔

ثانیا: اس میں صراحت نہیں کہ پہلی میں قرات سے قبل اور دوسری رکعت میں قرات کے بعد زائد تکبیریں کہا کرتے تھے، مزید برآں یہ کہ اس میں سرے سے یہ بیان ہی نہیں کہ ہر رکعت میں چار چار تکبیریں کہتے تھے صرف اتنا ہے کہ جنازہ کی طرح چار تکبیریں کہتے تھے۔اب ظاہر ہے کہ جنازہ میں رکعات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اگر جنازہ کی طرح چار تکبیریں کہیں جائیں تو پوری نماز عید میں چار تکبیریں بنتی ہیں ان میں سے بھی پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ خارج کرلیں جیسا کہ مولانا عثمانی اور صفدر صاحبان کہتے ہیں اور دوسری میں بقول انوار صاحب رکوع کی تکبیر بھی خارج کردیں تو بقایا صرف دو تکبیریں رہتی ہیں، گویا زائد تکبیرات صرف دو بچتی ہیں گویا ہر رکعت میں ایک تکبیر زائد بنتی ہے لیکن افسوس کہ انوار صاحب اس روایت سے چھ تکبیرات کہنے کا استدلال کرتے ہیں، جو متن روایت میں تحریف لفظی و معنوی ہے۔

ثالثا: سند میں ابو عائشہ راوی مجہول ہے جیسا کہ امام ابن حزم اور علامہ ذہبی نے صراحت کی ہے۔
(میزان ص ۵٤۳ ج ٤، المحلی ۲۹۷ ج ۳)۔
اس سے نیچے کا راوی، عبد الرحمٰن بن ثابت بن ثوبان العنسی ہے اسے امام یحییٰ بن معین نے ضعیف اور ہیچ محض کہا ہے۔نسائی ضعیف وغیر ثقہ کہتے ہیں صالح بغدادی فرماتے ہیں صدوق ہے مذہبا قدری ہے اس کی والد کے واسطہ سے مکحول کی روایات سے انکار کیا گیا ہے۔(یہ روایت بھی عن ابیہ عن مکحول سے ہی ہے)۔ابن خراش نے لین اور امام احمد نے اس کی مرویات کو مناکیر قرار دیا ہے۔(تہذیب الکمال ص۳۸۱ ج۴ وتہذیب التہذیب ص۱۳۷ ج۶)۔

رابعا: عبد الرحمٰن کی آخری عمر میں عقل میں فتور آگیا تھا۔جیسا کہ حافظ ابن حجر اور امام ابوحاتم نے صراحت کی ہے۔(تقریب ص۱۹۹، تہذیب ص۱۳۷ ج۶ وتہذیب الکمال ص۳۸۱ ج۴)۔
گویا موصوف مختلط ہیں۔الغرض یہ روایت بوجہ جہالت راوی اور اختلاط عبد الرحمٰن کی وجہ سے ضعیف ہے اور انوار صاحب کا مسلک چھ تکبیرات کا بھی اس سے ثابت نہیں ہوتا۔

(۳) عن مکحول قال حدثنی رسول حذیفة وابی موسیٰ رضی اللہ عنہما ان رسو ل اللہ ﷺ کان

یکبر فی العیدین اربعا سوی تکبیرۃ الافتتاح۔

(طحاوی ص۴۳۹)۔

حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے قاصد نے مجھے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں عیدوں میں (بشمول رکوع کے) چار چار تکبیریں کہتے تھے سوائے تکبیر تحریمہ کے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۴۵۔)

الجواب: اولا بشمول تکبیر رکوع کے، کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔

ثانیا: اس میں قاصد حذیفہ رضی اللہ عنہ راوی مبہم ہے، اور پہلی روایت کی سند میں اس کی وضاحت آ گئی ہے کہ یہ ابو عائشہ ہے اور یہ مجہول ہے، جیسا کہ ہم بحوالہ صراحت کر آئے ہیں۔

ثالثا: پھر اس کی سند میں محمد بن زید الواسطی راوی ہے اس کی بحوالہ عدالت وثقات ثابت کی جائے اور اس کا شاگرد نعیم بن حماد ہے۔ یہ حنفیہ کے شدید مخالف تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے رد میں مروی اقوال محدثین کے مرکزی راوی ہیں جب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب و مثالب کی باری آتی ہے تب نعیم میں دنیا بھر کے عیب بتائے جاتے ہیں، انہیں جعلی احادیث گھڑنے والا بتایا جاتا ہے۔ دیکھئے (مقام ابوحنیفہ ص۱۴۷، ہدایہ علما کی عدالت میں ۱۰۵)۔

اس جرح کے جواب کا تو یہ موقع نہیں اہل علم تہذیب کی مراجعت کرلیں ان پر حقیقت کھل جائے گی، اردو دان حضرات استاذ الاستاذہ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کے رسالہ (امام بخاری رحمہ اللہ پر بعض اعتراضات کا جائزہ ص۵۳) کا مطالعہ کریں۔

گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ جس راوی کو دیوبندی کذاب تسلیم کرتے ہیں پھر اس کی مرویات سے استدلال کرتے ہوئے۔ انہیں شرم اور حیاً کرنا چاہئے تھا۔ لیکن دیانت داری دیوبندی گروپ میں قطعی طور پر مفقود ہے بالخصوص اہل حدیث کا رد کرنے والے حضرات متروک وکذاب اور غیر ثقہ ہیں۔ یہ حنفیت کی وکالت میں احادیث نبوی میں لفظی و معنوی تحریفات کرنے کے علاوہ احادیث گھڑنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ جن حضرات نے خاکسار کی کتب کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات کی تائید کریں گے۔

الغرض یہ روایت بوجہ جہالت راوی ضعیف ہے اور احناف کے مسلک پر تقریب تام بھی نہیں۔

(۴) عن علقمۃ والاسود بن یزید قال کان ابن مسعود جالسا وعندہ حذیفۃ و ابو موسیٰ الاشعری فسالھا سعید بن العاص عن التکبیر فی الصلاۃ یوم الفطر والاضحی فجعل ھذا یقول سل ھذا وھذا یقول سل ھذا فقال لہ، حذیفۃ سل ھذا لعبداللہ بن مسعود فسالہ فقال ابن مسعود یکبر اربعا ثم یقرأ ثم یکبر فیرکع ثم یقوم فی الثانی فیقرا ثم یکبر اربعا بعد

القرأة۔

(مصنف عبد الرزاق ص۳۹۳)۔

حضرت علقمہ اور حضرت اسود بن یزید رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔اور آپ کے پاس حضرت حذیفہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان دونوں بزرگوں سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں تکبیر کے متعلق سوال کیا، یہ کہنے لگے کہ ان سے پوچھو اور وہ کہنے لگے کہ ان سے پوچھو، حضرت حذیفہ نے ان سے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھو چنانچہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا چار تکبیریں کہے۔ (بشمول تکبیر تحریمہ کے) پھر قرأت کرے پھر رکوع کرے پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو اور قرأت کرے پھر چار تکبیریں (بشمول تکبیر رکوع کے) کہے قرات کے بعد۔(

حدیث اور اہل حدیث ۸۴۶۔)

الجواب: اولا اس روایت میں آٹھ تکبیریں کہنے کا ذکر ہے، جب کہ انوار صاحب کے تقلیدی مذہب میں چھ تکبیریں کہنے کا حکم ہے، محترم نے اس اعتراض سے جان چھڑانے کے لئے پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کو اور دوسری میں رکوع کی تکبیر کو شامل کیا ہے۔ حالانکہ روایت میں اس تقسیم کا سرے سے ذکر نہیں۔

ثانیا: سند میں ابو اسحاق راوی مدلس ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ۔

مشهور بالتدليس وهو تابعي ثقة وصفه النسائي، وغیرہ ذلک، یعنی تدلیس کرنے میں مشہور ہیں ثقہ تابعی ہیں ان کے مدلس ہونے کی امام نسائی وغیرہ نے صراحت کی ہے۔

(طبقات المدلسين ص٤٢)۔

اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں، جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

(۵) عن كردوس قال ارسل الوليد الى عبد الله بن مسعود و حذيفة وابى موسىٰ الاشعرى بعد العتمة فقال ان هذا عيد المسلمين فكيف الصلاة؟ فقالوا سل ابا عبد الرحمنفساله فقال يقوم فيكبر اربعا ثم يقرأ بفاتحة الكتاب وسورة من المفصل ثم يكبر ويركع فتلك خمس ثم يقوم فيقرأ بفاتحه الكتاب وسورة من المفصل ثم يكبر اربعا يركع فى آخر هن فتلك تسع فى العيد فما انكره واحد منهم۔

(معجم طبرانی کبیر ۳۰۲ ج۹، مصنف ابن ابی شیبه ۱۷٤ ج۲)۔

حضرت کردوس رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت حذیفہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے پاس ایک تہائی رات کے بعد پیغام بھیجا کہ (جس میں

انہوں نے کہا کہ) یہ مسلمانوں کی عید کا دن ہے اس میں نماز کا کیا طریقہ ہے؟ ان سب بزرگوں نے کہا کہ ابوعبد الرحمٰن (عبد اللہ بن مسعود) سے پوچھو! چنانچہ قاصد نے ان سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کھڑے ہو کر چار تکبیریں (بشمول تکبیر تحریمہ کے) کہے پھر سورہ فاتحہ اور مفصل سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھے، پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے، پس یہ پانچ تکبیریں ہوئیں، پھر کھڑے ہو کر سورہ فاتحہ اور مفصل سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھے، پھر چار تکبیریں کہے جن میں سے آخری تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے پس یہ نو تکبیریں ہوئیں دونوں عیدوں میں، ان بزرگوں میں سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۴۷۔)

الجواب: اولا سند میں اشعث بن سوار راوی ضعیف ہے جیسا کہ امام یحیٰی، امام احمد، امام نسائی اوردارقطنی نے صراحت کی ہے۔ (تہذیب الکمال ۱۷۰ ج ا)۔ اس کے استاد کردوس کے متعلق روایت نمبر ۸ میں تفصیل آرہی ہے، الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

(۶) عن ابن مسعود فی الاولیٰ خمس تکبیرات بتکبیرة الرکعة وبتکبیرة الاستفتاح وفی الرکعة (الاخری) اربعة بتکبیرة الرکعة۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۲۹۳ ج ۳)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عید کی نماز میں پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں رکوع کی تکبیر اور تکبیر تحریمہ کو ملا کر، اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں ہیں رکوع والی تکبیر ملا کر۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۸۴۷۔)

الجواب: اس کی سند میں، ابن جریج راوی مدلس ہیں امام دارقطنی فرماتے ہیں بدترین تدلیس ابن جریج کی ہے وہ قبیح التدلیس ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۴۱)۔

سند میں تحدیث نہیں بلکہ معنعن ہے، ابن جریج نے یہ روایت عبد الکریم بن المخارق، سے نقل کی ہے اور عبد الکریم متروک ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (لسان المیز ان ص ۱۷۳ ج ۲) میں حبیب بن مخنف کے ترجمہ میں لکھا ہے عبد الکریم نے یہ روایت ابراھیم نخعی سے روایت کی ہے اور ابراھیم نے علقمہ سے نقل کی ہے اور محدث عبد الرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب (یعنی محدثین) نے ابراھیم نخعی کے سماع علقمہ سے انکار کیا ہے۔

(مراسیل ابن ابی حاتم ص ۹)۔

جس روایت میں انقطاع کے علاوہ تدلیس ہو پھر اس کی سند میں ایک راوی متروک ہو اس کے سخت ضعیف ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

(۷) عن علقمة والاسود بن یزید ان ابن مسعود کان یکبر فی العیدین تسعا تسعا اربعا

قبل القرأة ثم كبر فركع وفي الثانية يقرأ فاذا فرغ كبر اربعا ثم ركع۔

(مصنف عبد الرزاق ص۲۹۳ ج۳ طبرانی کبیر ص۳۰٤ ج۹)۔

حضرت علقمہ اور حضرت اسود بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عیدین میں نو نو تکبیریں کہتے تھے۔ چار تکبیریں (بشمول تکبیر تحریمہ کے) قرأت سے پہلے پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرتے اور دوسری رکعت میں پہلے قرأت کرتے پھر قرأت سے فارغ ہوکر چار تکبیریں (بشمول تکبیر رکوع کے) کہتے اور رکوع کرتے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۴۸۔)

الجواب: اولاً بشمول بشمول کا جواب ہم متعدد بار تحریر کر چکے ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ثانیا: سند میں امام سفیان ثوری مدلس ہیں اور روایت بھی معنعن ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔ امام سفیان ثوری کی تدلیس کی صراحت بحوالہ مسئلہ رفع الیدین میں گزر چکی ہے۔

(۸) عن كردوس قال كان عبد الله بن مسعود يكبر في الاضحى والفطر تسعا تسعا يبداء فيكبر اربعا ثم يقرأ ثم يكبر واحدة فيركع بها ثم يقوم في الركعة الاخرة فيبداء فيقرا ثم يكبر اربعا يركع باحداهن۔

(معجم طبرانی کبیر ص۳۰٤ ج۹)۔

حضرت کردوس فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں نو نو تکبیریں کہتے تھے، آپ نماز شروع فرماتے تو (بشمول تکبیر تحریمہ کے) چار تکبیریں کہتے پھر قرأت کرتے پھر ایک تکبیر کہہ کر رکوع کرتے، پھر دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تو قرأت سے ابتداء کرتے پھر چار تکبیریں کہتے اور ان چار میں سے ایک کے ساتھ رکوع کرتے۔

(حدیث اور اهل حدیث ۷٤۸)۔

الجواب: اولاً سند میں عبد الملک بن عمیر راوی مدلس ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تدلیس کرنے میں مشہور ہیں۔ جیسا کہ امام دارقطنی اور ابن حبان نے صراحت کی ہے۔

(طبقات المدلسین ص٤١)۔

ثانیا: عبد الملک کا استاد کردوس بن العباس الثعلبی ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ اس میں کلام ہے۔ (الجرح والتعدیل ص۱۷۵ ج۷)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، تقریب ص ۲۸۵ میں انہیں مقبول کہا ہے یعنی متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث ہیں

(کمافی المقدمہ تقریب)۔

اور کردوس جس تفصیل سے متن نقل کررہے ہیں اس میں ان کا کوئی متابع موجود نہیں۔ الغرض یہ روایت عبد الملک کی تدلیس اور کردوس کے متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۹) عن عبدالله قال التكبير في العيد اربعا كا لصلاة على الميت۔

(طبرانی کبیر ص ۳۰۵ ج ۹)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عید میں چار تکبیریں ہوتی ہیں جیسا کہ نماز جنازہ میں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۴۸۔)

الجواب: اولاً نماز جنازہ میں چار تکبیرات سے زائد بھی سنت سے ثابت ہیں۔ علاوہ ازیں اگر چار بھی کہیں جائیں تو تب بھی پوری نماز میں ہوتی ہیں، جب کہ نماز عید میں چار نہیں بلکہ عند الحنیفہ بھی چھ تکبیرات زائد ہیں۔ لہٰذا یہ روایت آپ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں۔

ثانیا: سند میں سفیان ثوری راوی مدلس ہے اور روایت معنعن ہے لہٰذا ضعیف ہے۔

(۱۰) عن عامر ان عمر و عبد الله رضی اللہ عنہما اجتمع رايهما في تكبير العيدين على تسع تكبيرات خمس في الاولىٰ واربع في الآخرة ويوالى بين القراتين۔

(طحاوی ص ۴۳۹ ج ۲)۔

حضرت عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا اس پر اتفاق رائے ہوا کہ عیدین کی تکبیریں نو ہیں پانچ پہلی رکعت میں بشمول تکبیر رکوع کے) اور دونوں رکعتوں میں قرأت پے در پے کرے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۴۹۔)

الجواب: اس کی سند میں، عباس بن طالب بصری راوی متروک ہے۔ تفصیل کے لئے۔ لسان المیزان ص ۲۴۰ ج ۳ کی مراجعت کریں۔ یہ محدثین کے نام پر مستقل روایات سرقہ کرتا تھا۔

(۱۱) عن حماد عن ابراهيم في حديث طويل فاجمعوا امرهم على ان يجعلوا التكبير على الجنائز مثل التكبير في الاضحى والفطر اربع تكبيرات فاجمع امرهم على ذلك۔

(طحاوی ص ۳۳۳ ج ۱)۔

حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک طویل حدیث کے ذیل میں کہ پس ان سب کا اس پر اتفاق ہوا کہ جنازہ کی تکبیریں اتنی ہوں جتنی عیدین کی نماز میں ہیں یعنی چار تکبیریں۔

(حدیث اور اہل حدیث ۸۴۹۔)

الجواب: امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ ابراہیم کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہیں (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۹) اور حماد بن ابی سلیمان راوی متکلم فیہ ہے۔ تفصیل کے لئے، دین الحق ص ۳۹۵، ۳۹۶ ج ۱ کی مراجعت کریں، الغرض یہ روایت مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ ضعیف بھی ہے۔

(۱۲) عن عبد الله بن حارث قال شهدت ابن عباس كبر في صلاة العيد بالبصرة تسع

تکبیرات والی بین القرأتین، قال وشهدت المغیرة بن شعبة فعل ذلك ایضا الحدیث۔

(مصنف عبد الرزاق ص۲۹٤ ج۳ مصنف ابن ابی شیبه ص۱۷٤ ج۲)۔

حضرت عبد اللہ بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا، انہوں نے بصرہ میں عید کی نماز میں نو تکبیریں کہیں، اوردونوں (رکعتوں میں) قرأتیں پے در پے کہیں۔ حضرت عبد اللہ بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

(۱۳) عن عبد اللہ بن الحارث انه صلی خلف ابن عباس رضی اللہ عنہما فی العید فکبر اربعا ثم قرأ ثم کبر فرفع ثم قام فی الثانیة فقرأ ثم کبر ثلثا ثم کبر فرفع۔

(طحاوی ص۴۳۹ ج۲)۔

حضرت عبد اللہ بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے عید کی نماز پڑھی تو انہوں نے پہلے چار تکبیریں کہیں پھر قرأت کی پھر تکبیریں کہہ کر رکوع کیا پھر آپ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تو پہلے قرأت کی پھر تین تکبیریں کہیں پھر تکبیر کہہ کر رکوع کیا۔ (حدیث اوراہل حدیث ۸۵۰۔)

الجواب: اولا بلاشبہ مذکورہ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند صحیح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، درایہ میں صراحت کی ہے، لیکن آپ سے بارہ تکبیریں کہنا بھی صحیح اسناد سے ثابت ہیں۔ جیسا کہ فصل اول میں تفصیل گزر چکی ہے۔ لہٰذا انوار صاحب جو ان کا جواب دیں گے وہی ہماری طرف سے مذکورہ آثار کا سمجھ لینا۔

ثانیا: مرفوع کے بالمقابل موقوف حجت نہیں ہوا کرتی۔ اور ہم نے ۱۲ تکبیرات پر مرفوع احادیث پیش کر دی ہیں

(۱۴) عن ابن جریج قال ثنا یوسف بن ماهك اخبرنی ا ن ابن الزبیر لم یکن یکبر الا اربعا سوی تکبیرتین للرکعتین۔

(طحاوی ۴۴۰ ج۲)۔

حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ ہمیں حدیث بیان کی یوسف بن ماہک نے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما چار تکبیریں کہتے تھے، دونوں رکوعوں کی تکبیروں کے علاوہ۔

(حدیث اوراهل حدیث ۸۵۰۔)

الجواب: اگر دونوں رکعتوں میں چار کہتے تو ہر رکعت میں دو زائد تکبیرات ہوئیں اور اگر ہر رکعت میں چار تکبیریں زائد کہتے تو آٹھ تکبیریں ہوئیں، دونوں صورتوں میں یہ روایت حنفیہ کے مسلک کی

ترجمانی نہیں کرتی لیکن انوار صاحب کہتے ہیں کہ پہلی رکعت میں پانچ بشمول تکبیر تحریمہ رکوع کے اور دوسری رکعت میں چار بشمول تکبیر رکوع کے، (حدیث اور اہل حدیث ص۸۵۴۔)

حالانکہ روایت میں اس تقسیم کا سرے سے ذکر ہی نہیں بلکہ آخر میں وضاحت ہے کہ یہ تکبیریں رکوع کی تکبیر کے علاوہ تھیں۔

(۱۵) عن قتادة عن جابر بن عبد الله و سعيد بن المسيب قالا تسع تكبيرات ويوالى بين القرأتين۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص١٧٤ ج٢)۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں بزرگوں نے فرمایا عیدوں میں نو تکبیریں ہیں اور دونوں قرأتیں پے در پے ہوں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۵۱۔)

الجواب: اولاً روایت میں نو تکبیرات کا ذکر ہے لیکن انوار صاحب اس سے چھ تکبیرات ثابت کرتے ہیں، تاویل یہ بیان کرتے ہیں کہ پہلی رکعت تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر اور دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر شامل کر کے نو تکبیریں بنتی ہیں، حالانکہ متن روایت میں اس کا قطعا ذکر نہیں، بلکہ نو تکبیریں زائد کا بیان ہے۔

ثانیا: مسئلہ فاتحہ میں تفصیل گزر چکی ہے کہ قتادہ مدلس ہے۔ اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں لہذا ضعیف ہے۔

(۱۶) عن محمد عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ انه قال تسع تكبيرات خمس فى الاولىٰ واربع فى الآخرة مع تكبيرة الصلاة۔ (طحاوی ٤٤٠ ج٢)۔

(۱۷) عن محمد بن سيرين عن انس انه كان يكبر فى العيد تسعا فذكر مثل الحديث عبد الله۔

(مصنف ابن ابی شیبه ١٧٤)۔

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ عید کی نماز میں نو تکبیریں کہتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۵۱)

الجواب: آپ نے یہ مسئلہ اٹھایا ہے چھ تکبیریں ثابت کرنے کے لئے لیکن دلیل چھ کی بجائے نو کی عنایت کرتے ہیں مزید ستم یہ ڈھاتے ہیں کہ نو سے چھ کو ثابت کرتے ہیں جو کہ آپ کے حساب دان ہونے کی دلیل ہے، قرآن و سنت سے جو آپ کو علم تھا وہ اظہر من الشمس تھا ہی مگر آپ اچھے خاصے ریاضی دان بھی معلوم ہوتے ہیں کسی بچے سے نو اور چھ کا فرق پوچھ لینا، ہم تو آپ کے حق میں دعائے

خیر ہی کر سکتے ہیں۔

(۱۸) عن ابراھیم ان اصحاب عبد الله کانوا یکبرون فی العید تسع تکبیرات۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۱۷٤ ج۲)۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب عید کی نماز میں نو تکبیریں کہتے تھے۔ (پانچ پہلی رکعت میں اور چار دوسری رکعت میں)۔

(حدیث اور اہل حدیث ۸۵۲۔)

الجواب: اولاً ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب تو تابعی تھے۔ اور تابعین کے اقوال امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حجت نہیں راجع مقدمہ۔

ثانیا: سند میں، الاعمش راوی مدلس ہے (تقریب ص۱۳۶) اور تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

پھر یہ روایت چھ تکبیرات زوائد کی دلیل بھی ہے یا نہیں، اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے، ہاں ہمیں یہاں ایک لطیفہ یاد آ گیا ہے کہ کسی صاحب نے دعوی کیا کہ زمین گول ہے، جب دلیل طلب کی گئی تو فرمایا کہ چاول سفید ہیں یہ زمین کے گول ہونے کی دلیل ہیں، اللہ اکبر۔

(۱۹) عن الشعبی قال ارسل زیاد الیٰ مسروق انا یشغلنا اشغال فکیف التکبیر فی العید قال تسع تکبیرات قال خمسا فی الاولیٰ واربعا فی الأخرة والیٰ بین القرأتین۔

(مصنف عبد الرزاق ص۲۹٤ ج۳، مصنف ابن ابی شیبه ص۱۷٤ ج۲)۔

حضرت امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیاد نے حضرت مسروق رحمہ اللہ کی طرف پیغام بھیجا کہ ہمیں تو کاموں میں ہی مصروفیت رہتی ہے۔ آپ یہ بتلائیے کہ عیدین کی نماز میں تکبیریں کس طرح کہی جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا نو تکبیریں ہیں پانچ پہلی رکعت میں (بشمول تکبیر تحریمہ و تکبیر رکوع کے) اور چار دوسری رکعت میں (بشمول تکبیر رکوع کے) اور دونوں قرأتیں پے در پے کرے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۵۲۔)

الجواب: اولاً امام شعبی کے طریق سے یہ روایت عبد الرزاق میں قطعاً نہیں۔ یہ محترم کا وہم ہے عبد الرزاق میں امام قتادہ سے یہ روایت مروی ہے جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

ان زیادا سال مسروقا عن تکبیر الامام قال یکبر الامام واحدۃ ثم یکبر اربعا ثم یقرا ثم یکبر ثم یسجد ثم یقوم فی الاخرۃ فیقرا ثم یکبر ثلاثا ثم یکبر واحدۃ یرکع بھا۔

(مصنف عبد الرزاق ص ۲۹٤ ج۳ رقم الحدیث الحدیث ٥٦٨٨۔

یعنی زیاد نے امام مسروق سے امام کی تکبیرات کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ امام ایک

تکبیر کہے پھر چار تکبیریں کہے پھر قرات کرے پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کرے پھر کھڑا ہو جائے آخری رکعت میں قرأت کے بعد تین تکبیریں کہے پھر ایک تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔

اس روایت کے متن پر غور کریں۔ جو ابن ابی شیبہ کے متن سے مختلف ہے، گویا عبد الرزاق کی روایت سند اور متن کے لحاظ سے ابن ابی شیبہ کی روایت سے الگ تھلگ ہے اور زوائد تکبیریں سات بنتی ہیں، جو انوار صاحب کے مذہب چھ کی نفی کو مستلزم ہے۔

ثانیا: یہ تابعی کا قول ہے جو دین میں حجت نہیں بالخصوص جب مرفوع حدیث کے مخالف ہو۔

(۲۰) عن ابراهيم عن الاسود و مسروق انهما كانا يكبران فى العيد تسع تكبيرات۔ (مصنف ابن ابی شیبه ص۱۷۲ ج ۲)۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت اسود اور حضرت مسروق رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ عید کی نماز میں نو تکبیریں کہتے تھے۔

الجواب: اولا انوار صاحب نے یہاں بھی بشمول کی تاویل کی ہے۔ مگر اس پر کوئی دلیل درج نہیں کی۔

ثانیا: ابراہیم نخعی مدلس ہے (طبقات المدلسین ص۲۸)۔ اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں لہٰذا ضعیف ہے۔ پھر نو سے چھ ثابت کرنا انوار صاحب کا خبط ہے

(۲۱) عن هشام عن الحسن ومحمد انهما كان يكبران تسع تكبيرات ۔(مصنف ابن ابی شیبه ص۱۷۵ ج۲)۔

حضرت ہشام رحمۃ اللہ علیہ حسن بصری اور حضرت محمد بن سیرین رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ عید کی نماز میں نو تکبیریں کہتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۵۳۔)

الجواب: اولا تکبیرات زائد تو نو کہتے تھے۔ چھ کا عدد بھی غالبا نو میں آتا ہے۔ اس وجہ سے انوار صاحب کا اس سے مسلک ثابت ہے، اللہ اکبر، شاید کسی حساب دان سے پوچھ لیں تو انہیں علم ہو جائے کہ چھ کا عدد ۱۲ میں بھی آتا ہے، لہٰذا فصل اول کی روایات بھی حنفیہ کے دلائل ہیں مرزا قادیانی کہا کرتا تھا کہ مجھے درخت کے پتوں میں بھی مسیح کی وفات نظر آتی ہے (ملفوظات مرزا) ایسے ہی انوار صاحب کو نو کے عدد میں بھی چھ کا عدد نظر آتا ہے، اس فلسفہ کی روشنی میں انوار صاحب اگر کسی سے چھ ہزار ادھار لیں اور واپسی کے وقت وہ ۹ ہزار طلب کرے تو دیوبندی مذہب میں سود تو کجا عین حق ہے۔ لا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم۔

ثانیا: تابعین کے اقوال دین میں حجت نہیں، راجع مقدمہ، بالخصوص جب وہ مرفوع احادیث کے مخالف ہوں۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل اکیس دلائل ذکر کیے ہیں تین مرفوع احادیث ہیں اور تینوں ہی

ضعیف ہیں، اور تیسری روایت میں چھ تکبیروں کی بجائے آٹھ تکبیرات کا بیان ہے، پانچ آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو انوار صاحب نے مکررات کے ساتھ ۱۴ درج کئے ہیں۔ اور ان میں سے نو آثار نمبر ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۵ ضعیف ہیں اور نمبر ۱۶، ۱۷، سندا صحیح ہیں لیکن چھ کی بجائے نو زائد تکبیروں کا بیان ہے۔ اور ۱۲، ۱۳ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ہے اور ان سے ۱۲ تکبیریں کہنا بھی ثابت ہے۔ الغرض انوار صاحب اپنے مؤقف پر کوئی واضح دلیل بیان نہیں کر سکے۔

کیا چھ تکبیریں بدعت ہیں

محترم نے فتاویٰ ستاریہ، سے نقل کیا ہے کہ عیدین میں چھ زائد تکبیریں کہنا بدعت ہے ص ۸۵۵، بعدہ انہوں نے پوری جماعت اہل حدیث کو مطعون کرنا شروع کر دیا ہے جو کہ ان کی زیادتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام سے چھ تکبیریں کہنی بلاشبہ ثابت ہیں۔ انہیں بدعت قرار دینا بڑی جرأت ہے ہم اس سے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ جماعت غرباء کے مفتی کی بھول ہے اللہ انہیں معاف فرمائے، واضح رہے آئمہ و محدثین کا اختلاف سنت و بدعت کا اختلاف نہیں بلکہ راجح و مرجوع اور افضلیت و غیر فضلیت کا ہے۔

(۷۵) باب تکبیرات جنازہ میں رفع یدین کرنا

فصل اول

(۱) عن عبدا لله بن عمر قال كان رسول الله ﷺ اذا قام الى صلاة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه ثم كبروهما كذلك فيركع ثم اذا اراد ان يرفع صلبه رفعهماحتى تكونا حذو منكبيه ثم قال سمع الله لمن حمده ولايرفع يديه فى السجود ويرفعهما فى كل تكبيرة يكبر ها قبل الركوع حتى تنقض صلاته۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھاتے تھے، پھر تکبیر کہتے اور اسی طرح ہاتھ اٹھا کر رکوع کرتے، پھر جب رکوع سے اپنی کمر سیدھی کرنے کا ارادہ فرماتے تو بھی رفع یدین کرتے پھر، سمع اللہ لمن حمدہ، کہتے اور سجدوں میں رفع الیدین نہ کرتے تھے۔ اور رکوع سے پہلے ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔ یہاں تک کہ نماز پوری فرما لیتے۔

(ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب رفع الیدین فی الصلاۃ ،الحدیث ۷۲۲)۔

(۲) ان عبد الله قال كان رسول الله ﷺ لا يرفع فى السجود ويرفعهما فى كل ركعة وتكبيرة كبرها قبل الركوع حتى تقضى صلاته، الحديث۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سجدوں میں رفع الیدین نہ کرتے تھے، اور ہر رکعت میں رفع الیدین کرتے، اور رکوع سے پہلے تمام تکبیروں میں رفع الیدین کرتے تھے حتی کہ نماز پوری کر لیتے۔

(مسند احمد ص۱۳٤ ج۲)۔

(۳) عن ابن عمران النبى ﷺ كان اذا صلى على الجنازة رفع يديه فى كل تكبيرة واذا انصرف سلم۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ جب جنازہ کی نماز پڑھتے تو ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے، اور نماز کو سلام پھیر کر ختم کرتے تھے۔

(علل دار قطنی بحوالہ نصب الرایہ ص۲۸۵ ج۲)۔

(۴) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انه قال يرفع يديه فى كل تكبيرة على الجنازة واذا قام من ركعتين۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنازہ کی ہر تکبیر اور دو رکعت سے تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو کر رفع الیدین کی جائے۔

(جز رفع الیدین ص۶۹)۔

(۵) **عن ابن عمر انه کان یرفع یدیه مع کل تکبیرة علی الجنازة۔**

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ کی تمام تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۷ ج۳)۔

(۶) **عن ابن عمر قال کان یرفع یدیه فی کل تکبیرة علی الجنازة**

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۶ ج۳، بیهقی ص۴۴ ج۴)۔

(۷) **عن ابن عباس انه کان یرفع یدیه فی تکبیرات الجنازة۔**

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نماز جنازہ کی تکبیروں میں رفع الیدین کرتے تھے۔

(رواه سعید بن منصور بحواله التلخیص الحبیر ص۱۴۷ ج۲)۔

(۸) **عن انس انه کان یرفع کلما کبر علی الجنازة۔**

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔

(رواه الشافعی بحواله التلخیص الحبیر ص۱۴۶ ج۲)۔

(۹) **عن بکر بن سوادة ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان یرفع یدیه مع کل تکبیرة فی الجنازة والعیدین۔**

امام بکر بن سوادۃ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز جنازہ اور عیدین کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیهقی ص۲۹۳ ج۳)۔

(۱۰) **عن عمران بن ابی زائدة قال صلیت خلف قیس بن ابی حازم علی جنازة فکبر اربعا یرفع یدیه فی کل تکبیرة۔**

امام عمران بن ابی زائدۃ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی آپ نے چار تکبیریں کہیں اور ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۶ ج۳)۔

(۱۱) **عن رفاعة ابن مسلم قال کان سوید یکبر علی جنائز نا فکان یرفع یدیه فی اول کل تکبیرة۔**

امام رفاعۃ بن مسلم کہتے ہیں کہ حضرت سوید بن غفلہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے جنازے پڑھایا کرتے ان پر تکبیریں کہتے اور ہر تکبیر کے ابتداء میں رفع یدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۷ ج۳)۔

(۱۲) عن ابن جریج عن عطاء قال یرفع یدیه فی کل تکبیرة ومن خلفهم یرفعون ایدیهم۔

امام ابن جریج راوی ہیں کہ امام عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا جائے اور مقتدی بھی رفع الیدین کریں۔(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۶ ج۳)۔

(۱۳) عن عطاء قال یرفع الامام یدیه کلما کبر علی الجنائز والناس خلفه۔

امام عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنازوں کی نمازوں میں امام جب بھی تکبیر کہے تو رفع یدین کرے اور مقتدی بھی۔(مصنف عبد الرزاق ص۴۶۹ ج۳)۔

(۱۴) عن اسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم انه کان یرفع یدیه فی التکبیرات کلهن۔

امام اسماعیل بن ابی خالد روایت کرتے ہیں کہ امام قیس بن ابی حازم نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔(مصنف عبد الرزاق ص۴۷۰ ج۳)۔

(۱۵) عن داؤد بن قیس عن موسیٰ بن نعیم مولی زید بن ثابت قال من السنة ان ترفع یدیك فی کل تکبیرة من الجنازة۔

امام داؤد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مولیٰ زید بن نعیم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا سنت ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۶ ج۳)۔

(۱۶) عن غیلان بن انس ان عمر بن عبد العزیز کان یرفع یدیه فی کل تکبیرة علی الجنازة۔

امام غیلان بن انس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۶ ج۳)۔

قارئین کرام مذکورہ احادیث و آثار سے نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا سنت ثابت ہوا، پہلی اور دوسری حدیث بلاشبہ صحیح ہے، اور اس کے آخری جملہ رکوع سے پہلے ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنے، کا امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ ص۲۹۲ ج۳) میں یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ تمام تکبیرات نماز عیدین و جنازہ میں رفع الیدین کیا جائے تیسری حدیث جو بحوالہ نصب الرایہ درج کی گئی ہے، یہ علل دارقطنی کے مطبوعہ حصہ (گیارہ جلدیں) میں نہیں ہے اس لئے اس کی صحت کے متعلق کچھ نہیں کہا

جاسکتا۔ امام دارقطنی کی علل اگر باقی ماندہ بھی چھپ جائے تو اس سے اس کی اگر صحیح سند ہو تو یہ حجت قطعی ہے۔ کیونکہ یہ اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ ملحوظ رہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آثار سند کے لحاظ سے صحیح ہیں۔ بقایا کی اسناد میں گو کلام ہے مگر ہم نے تائیداً نقل کئے ہیں تابعین کرام میں جلیل قدر تابعی امام سوید بن غفلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی رفع الیدین کرتے تھے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اسلام تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قبول کیا مگر مدینہ اس دن تشریف لائے جس دن آپ کو دفن کیا گیا تھا۔ (تقریب ص ۱۴۱) قیس بن ابی حازم بھی مخضرم ہیں امام عطاء بن ابی رباح اور محمد بن سیرین بھی کبائر تابعین سے ہیں، امام زہری جلیل القدر امام اور اتباع تابعین سے ہیں۔ اور سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کسی تعارف کے محتاج نہیں، آئمہ اربعہ میں سے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم بھی جنازہ کی تکبیرات میں رفع الیدین کرنے کے قائل و فاعل ہیں۔ صرف یہ اہل حدیث کا ہی مؤقف نہیں بلکہ حدیث و آثار سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ خیر القرون میں اس پر تعامل تھا۔

فصل دوم

(۱) عن ابی هريرة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كبر على الجنازة فرفع يديه فى اول تكبيرة ووضع اليمنى على اليسرى۔

(ترمذی ص ۲۰۶ ج ۱، دارقطنی ص ۷۵ ج ۲ بیهقی ص ۳۸ ج ٤)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز جنازہ پڑھتے تھے تو پہلی تکبیر میں رفع الیدین کرتے تھے اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ لیتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۸۵۷۔)

الجواب: اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں، پہلا راوی یحییٰ بن یعلی الاسلمی ہے امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ ہیچ محض ہے امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں مضطرب الحدیث ہے، امام ابو حاتم نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (تہذیب الکمال ص ۱۰۷ ج ۸)۔

امام ابن حبان کہتے ہیں کہ ہر حال میں اس سے احتجاج نہ کیا جائے، ثقات سے مقلوبات روایت کرتا ہے۔ (المجروحين ۱۲۱ ج ۳، تهذيب ص ۳۰٤ ج ۱۱)۔

دوسرا راوی یحییٰ کا استاد یزید بن سنان ہے۔ امام احمد بن حنبل امام علی بن مدینی امام دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں محلہ صدق لیکن اس پر غفلت غالب تھی اس لئے اس کی روایت لکھی تو جائے مگر احتجاج نہ کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مقارب الحدیث کہا ہے۔ امام ابو داؤد نے ہیچ محض اور نسائی نے ضعیف و متروک الحدیث قرار دیا ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی عام مرویات غیر

محفوظ ہیں۔ امام جوزجانی کہتے ہیں اس میں لین اور ضعف ہے، امام ابو حاتم کہتے ہیں قوی نہیں ازدی نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔امام حاکم کہتے ہیں زہری وغیرہ سے مناکیر روایت کرتا ہے۔(تهذیب ص۳۳٦ ج ۱۱،تهذیب الکمال ۱۳۱ ج ۸)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے، (التلخیص الحبیر ص۱۴۷ ج۲) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ علامہ زیلعی حنفی نے (نصب الرایۃ ص۲۸۵ ج۲) میں اور مولانا عثمانی نے (درس ترمذی ص۴۴۱ ج۳) میں اس روایت پر جرح کی ہے۔

(۲) عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیه علی الجنازة فی اول تکبیرة ثم لایعود۔

(دارقطنی ص۷۵ ج ۲)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۵۷)

الجواب: اس کی سند میں فضل بن سکن ، راوی مجہول ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (لسان المیزان ص۴۴۱ ج۴) میں علامہ ذہبی نے (میزان الاعتدال ص۳۵۲ ج۳) میں امام عقیلی نے (الضعفاء الکبیر ص۴۴۹ ج۳) میں صراحت کی ہے، الغرض یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر حکم لگایا ہے۔ (التلخیص الحبیر ص۱۴۷ ج۲)۔ اور علامہ زیلعی نے (نصب الرایہ ص۲۸۵ ج۲) میں عثمانی صاحب نے (درس ترمذی ص۴۴۲ ج۳) میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

(۳) عن الولید بن عبد اللہ بن جمیع الزهری قال رأیت ابراهیم اذا صلی جنازة رفع یدیه فکبر ثم لا یرفع یدیه فیما بقی و کان یکبر اربعا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۲۹٦ ج۳)۔

حضرت ولید بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعی کو دیکھا ہے وہ جب نماز جنازہ پڑھتے تھے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر (پہلی) تکبیر کہتے تھے پھر باقی تکبیروں میں رفع یدین نہیں کرتے تھے اور آپ چار تکبیریں کہتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۵۸۔)

الجواب: یہ تابعی کا قول ہے اور اقوال تابعین دین میں حجت نہیں، مقدمہ میں تفصیل عرض کردی گئی ہے بلاشبہ امام ابراہیم نخعی جلیل القدر امام ہیں۔ رویت کے لحاظ سے تابعی ہیں مگر ان کا یہ قول احادیث مرفوعہ اور اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے۔

(۴) عن الحسن بن عبید اللہ انه کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة علی الجنازة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۲۹٦ ج۳)۔

حضرت حسن بن عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ نماز جنازہ میں پہلی تکبیر ہی پر رفع یدین

کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۵۸۔)

الجواب: حسن بن عبید اللہ اتباع تابعین سے ہیں کوفہ کے رہنے والے ہیں، جلیل القدر محدث و فقیہ ہیں مگر دین ان بزرگوں کے اقوال کا نام نہیں بلکہ قرآن و سنت کا نام ہے۔ مزید برآں یہ کہ سند میں سفیان ثوری ہیں جو مدلس ہیں اور سماع کی صراحت نہیں بلکہ معنعن روایت ہے لہذا ضعیف ہے۔

بزرگان دین

بلاشبہ یہ حضرات ہمارے اسلاف تھے۔ مگر ان کا قول و عمل دین میں حجت نہیں اور ان کے اقوال کا نام دین نہیں، مزید برآں کہ ہم نے بھی اتباع تابعین کے اقوال پیش کردیئے ہیں۔

سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ علم و فضل سے کسی طرح بھی حسن بن عبید اللہ سے کم نہ تھے۔ علاوہ ازیں ہم نے آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نقل کردیئے ہیں جو سنداً صحیح ہیں

امام شافعی نے کتاب الام ص ۳۹۲ ج ۱ میں صراحت کی ہے کہ **وكذلك يرفع يديه اذا كبر على الجنازة عند كل تكبيرة**، یعنی عیدین کی نماز کی طرح جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا جائے۔

امام احمد بن حنبل امام اسحاق بن راھویہ اور امام اوزاعی کا بھی یہی مسلک ہے۔ تفصیل کے لیے (المغنی ص ۴۹۰ ج ۲، المجموع ص ۲۳۲ ج ۵) وغیرہ کی مراجعت کریں، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ۔ **واختلف اهل العلم فى هذا فرأى اكثر اهل العلم من اصحاب النبى ﷺ وغيرهم ان يرفع الرجل يديه فى كل تكبيرة على الجنازة هو قول ابن المبارك والشافعى و احمد واسحاق۔** یعنی اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم کا خیال ہے کہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا جائے یہ مروی ہے نبی مکرم ﷺ کے صحابہ کرام سے اور یہی قول امام عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق وغیرہ کا ہے۔ (ترمذی مع تحفہ ص ۱۶۵ ج ۲)۔

محترم نے امام مالک کا مسلک بھی بیان کیا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ ہم نے امام مالک کے استاد امام زہری کا قول نقل کردیا ہے موصوف جو جواب اس کا دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے امام مالک کا سمجھ لینا۔

آخر میں مولانا عبید اللہ رحمانی سے نقل کرتے ہیں کہ جنازہ میں رفع الیدین جائز ہے۔ بدعت و ممنوع نہیں (فتاویٰ ثنائیہ ص ۵۰ ج ۲) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فیصلہ فرمائیں کہ یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت ص ۸۶۱۔

اس نالائق کو آج تک یہ خبر نہیں کہ اس کو ناجائز کہنا اکابر دیوبند کا مسلک نہیں صرف افضلیت میں

اختلاف ہے، یعنی نماز جنازہ کی تکبیرات میں رفع الیدین کرنا افضل ہے کہ نہیں، اگر اعتبار نہ ہو تو العرف الشذی ص ۳۱۵ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ اور (درس ترمذی ص ۳۴۲ ج ۳)، کا مطالعہ کر لینا۔

آئمہ حنفیوں میں سے آئمہ بلخ کا اور ایک روایت میں خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین کیا جائے۔ (فتاویٰ شامی ص ۲۱۲ ج ۲)۔ لہٰذا بہتر تھا کہ انوار صاحب محدث رحمانی کی بجائے اکابر علمأ دیوبند آئمہ بلخ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کا ذکر کرتے ہوئے ان کا بھی رد کرتے، تاکہ حق تحقیق ادا ہو جاتا مگر مقلد اور تحقیق یہ دونوں ہی ضدیں ہیں۔ آگے چل کر انوار صاحب امام ابن حزم سے نقل کرتے ہیں کہ۔

ولا ترفع اليدان فى الصلاة على الجنازة الافى اول تكبيرة فقط لانه لم يأت يرفع الا يدى فيما عدا ذلك نص وروى مثل قولنا هذا عن ابن مسعود و ابن عباس وهو قول ابى حنيفة و سفيان۔ (المحلی ص ۱۸۱ ج ۳)۔

علامہ ابن حزم تحریر فرماتے ہیں کہ رفع یدین نہ کیا جائے نماز جنازہ میں سوائے پہلی تکبیر کے کیونکہ پہلی تکبیر کے علاوہ باقی تکبیروں میں رفع یدین کے لئے نص نہیں آئی اور اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود او رحضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۵۹۔)

معلوم نہیں انوار صاحب نے یہ عبارت کہاں سے نقل کی ہے۔ اس میں متعدد فاش اغلاط ہیں۔ عبارت مذکورہ قطعاً محلیٰ کی نہیں۔ امام ابن حزم مسلۃ نمبر ۵۷۳، کے ابتداء میں فرماتے ہیں کہ۔

ولا ترفع الا يدى الا فى اول تكبيرة فقط، یعنی نماز جنازہ میں رفع یدین فقط پہلی تکبیر پر ہی کیا جائے۔ صفحہ ۳۴۷ جلد ۳۔

پھر تکبیروں کی تعداد پر بحث کرتے ہوئے پانچ صفحات آگے چل کر فرماتے ہیں کہ

واما رفع الايدى فانه لم يات عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم انه رفع فى شئى من تكبير الجنازة الا فى اول تكبيرة فقط ، فلا يجوز فعل ذلك لانه عمل فى الصلاة لم يات به نص، وانما جاء عنه عليه السلام انه كبر ورفع يديه فى كل خفض ورفع ، وليس فيها رفع ولا خفض، والعجب من قول ابى حنيفة رفع الايدى فى كل تكبيرة فى صلاة الجنازة! ولم يات قط عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم، ومنعه من رفع الايدى فى كل خفض ورفع فى سائر الصلوات وقد صح عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم۔

(المحلی لابن حزم ص ۳۵۱ ج ۳)۔

محترم کی عبارت اور اس عبارت کا تقابل کریں،، اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے انوار صاحب ان کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

اورامام سفیان ثوریؒ جنازہ میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ امام ابن حزم نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا اورامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کیا ہے تو یہ کہا کہ وہ جنازہ کی تکبیروں میں رفع الیدین کے قائل تھے۔ پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حیرت ہے کہ جہاں نماز میں رفع یدین کرنا ثابت ہے وہاں انکار کرتے ہیں اور جہاں ثابت نہیں وہاں کرتے ہیں، مگر انوار صاحب اس کے برعکس نقل کرتے ہیں، پھر اس کوڑ پر یہ کھاج کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بھی محلی کی طرف منسوب کرتے ہیں گویا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کونقل کرنے میں تحریف کی اورصحابہ کے آثار کی نسبت کرنے میں افتراء کیا، یہ دین کی خدمت نہیں شیطان کی پیروی ہے ایسے لوگ آئمہ جرح و تعدیل کے ہاں متروک و کذاب قرار پاتے ہیں خاکسار نے انوار صاحب کی بددیانتی پکڑنے کے لئے، اعلاء السنن کی مراجعت کی تو اس میں اس سے بھی بڑھ کرگل کھلائے تھے تتمہ کا عنوان باندھ کر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نصب الرایہ سے نقل کرتے ہیں۔ بعدہ اس کے راویوں کی توثیق بیان کرتے ہوئے اسے مرفوع تسلیم کرتے ہیں پھر سیدنا ابن عمر اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آثار نقل کر کے ان کی اسناد کو صحیح قرار دیتے ہیں، پھر ان کے معارض سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع احادیث کو لا کر انہیں حسن قرار دیتے ہیں۔ پھر وجہ ترجیح میں فرماتے ہیں۔

عمدۃ القاری ص ۱۳۷ ج ۴ میں مبسوط سے نقل کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ابن حزم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ جنازہ کی تکبیرات میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔آگے فرماتے ہیں کہ ابن حزم جیسے محدث جلیل نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے۔ لہٰذا ان کے صحیح ہونے کی دلیل ہے چونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت کردہ مرفوع احادیث کی مخالفت کی ہے اور ہمارے نزدیک راوی کا روایت پر عمل نہ کرنا جرح ہے۔

لہٰذا ابن عمر کی مرفوع حدیث ساقط قرار پائی اورظاہر الروایت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ (اعلاء السنن ص ۲۶۵ تا ۲۶۷ ج ۸)۔

یہ تمام قصہ من گھڑت اور باطل ہے، مبسوط فقہ حنفی کی کتاب ہے اس کی نقل پر اعتبار نہیں اور ابن حزم نے ابن عمر ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے اقوال نقل ہی نہیں کیے اور ہم پوری ذمہ داری سے عرض کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر اور سیدنا عبد اللہ بن عباس اورسیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے نماز جنازہ میں ترک رفع الیدین ثابت نہیں، جو اس بات کا مدعی ہے وہ صحیح یا حسن درجہ کی روایت سے ثابت کرے، اور آخر میں ہم انوار خورشید کونصیحت کرتے ہیں کہ تصنیف و تالیف میں کذب و افتراء اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرے، دیو بندیو! اگر اللہ کا ڈر نہیں تو بدنامی کا ہی خوف کرو۔

(۹) عن اسماء بنت یزید قالت قال رسول اللہ ﷺ اذا صلیتم علی الجنازۃ فاقروا بفاتحۃ الکتاب۔

سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میت پر نماز جنازہ پڑھو تو سورۃ فاتحہ کی قرات کیا کرو۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ص١٦٢ ج٢٤ رقم الحدیث ٤١٣۔

(۱۰) عن ابن عباس ان النبی ﷺ قرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز میں سورۃ فاتحہ (بعد تکبیر اولیٰ کے) پڑھی۔

(ابن ماجه کتاب الجنائز باب ماجاء فی القرأۃ علی الجنازۃ، الحدیث ١٤٩٥)۔

(۱۱) عن امرأۃ منهم یقال لها ام عفیف قالت بایعنا رسول اللہ ﷺ حین بایع النساء فاخذ علیهن ان لا نحدثن الرجل الا محرما وامرنا ان نقرأ علی میتنا بفاتحۃ الکتاب۔

سیدہ ام عفیف رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ میں نے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی جب دیگر عورتوں نے بھی بیعت کی تھی۔ آپ علیہ السلام نے ہم سے عہد لیا تھا کہ ہم (عورتیں) غیر محرم سے کلام نہیں کریں گی۔ اور ہمیں نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کا حکم دیا تھا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ص١٦٨ ج٢٥، رقم الحدیث ٤١٠ ، ابونعیم بحواله عمدۃ القاری ٢٠٣ ج٨)۔

(۱۲) عن جابر قال کان رسول اللہ ﷺ یکبر علی جنائزنا اربعا ویقرأ بفاتحۃ الکتاب فی التکبیر الاولیٰ۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے جنازوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار تکبیریں کہتے تھے، اور سورۃ فاتحہ کی قرأت پہلی تکبیر میں کرتے تھے۔

(مستدرک للحاکم ص٣٥٨ ج١ وللفظ له والام للشافعی ص٤٥٣ ج١)۔

(۱۳) عن عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبۃ بن مسعود قال کان عبد اللہ بن عباس اذا صلی علی الجنائز وهوامام کبر ثم یقرأ بام القرآن ثم یصلی علی النبی ﷺ ثم یکبر ینصرف۔

امام عبید اللہ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نماز جنازہ کی امامت کرتے تو تکبیر تحریمہ کہہ کر سورۃ فاتحہ کی قرأت کرتے پھر تکبیر کہہ کر نبی علیہ السلام پر درود بھیجتے پھر تکبیر کہتے۔ (پھر میت کے لئے دعا کرتے اور تکبیر کہہ کر) سلام پھیرتے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ٥٥٩ ج٢ رقم الحدیث ١٩٥٩)۔

(۱۴) عن محمد بن عمروبن عطاء ان المسور بن مخرمۃ صلی علی الجنازۃ فقرأ فی

التکبیرۃ الاولیٰ فاتحۃ الکتاب وسورۃ قصیرۃ رفع بھما صونۃ فلما فرغ قال، لا اجھل ان تکون ھذہ الصلاۃ عجماء، ولکنی اردت أن اعلمکم ان فیھا قرأۃ۔

امام محمد بن عمرو بن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے ایک میت پر نماز جنازہ پڑھائی، پہلی تکبیر میں سورۃ فاتحہ اور ایک مزید چھوٹی سی سورت کی قرأت کی، اور ان دونوں کے ساتھ آواز کو بلند کیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میں اس بات سے ناواقف نہیں ہوں کہ یہ نماز (جنازہ) سرا پڑھی جاتی ہے لیکن میرا ارادہ آپ کو تعلیم دینا تھا۔ کہ اس (نماز جنازہ) میں قرأت ہے۔

(المحلی با لآثار ص۳۵۲ ج۳)۔

(۱۵) عن ابن شھاب عن ابی امامۃ بن سھل بن حنیف و محمد ابن سوید الدمشقی عن الضحاک بن قیس، قال الضحاک وابو امامۃ, السنۃ فی الصلاۃ علی الجنازۃ ان یقرأ فی التکبیر مخافتۃ، ثم یکبر، والتسلیم عتد الآخرۃ۔

امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ابو امامہ اور محمد بن سوید دمشقی سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تکبیر کے بعد آہستہ آواز سے قرأت کی جائے۔ پھر تکبیر کہی جائے اور آخر میں سلام پھیرا جائے۔

(المحلی بالآثار ص۳۵۲ ج۳)۔

(۱۶) عن سلمۃ بن نبیط عن الضحاک بن قیس قال یقرأ ما بین التکبیرتین الاولین فاتحۃ الکتاب۔

امام سلمہ بن نبیط روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پہلی دو تکبیروں کے درمیان سورۃ فاتحہ کی قراۃ کی جائے۔

(المحلی بالآثار ص۳۵۲ ج۳)۔

(۱۷) عن محمد الفھری عن الضحاک بن قیس انہ قال مثل قول ابی امامۃ۔

امام محمد فہری سیدنا ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہین کہ انہوں نے سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کے مثل کہا۔

(الام للشافعی ص۴۵۳ ج۱ باب الصلاۃ علی الجنازۃ والتکبیر فیھا......)

(۱۸) عن سلمۃ عن الضحاک قال اقرء فی کل التکبیرتین الاولیین فی الصلاۃ علی المیت بفاتحۃ الکتاب۔

امام سلمہ سیدنا ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میت پر نماز جنازہ کی پہلی دو تکبیروں (کے درمیان) سورۃ فاتحہ کی قرأت کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۹۸ ج۳)۔

(۲۹) عن مجاهد فی الصلاة علی الجنازة، یکبر ثم یقرأ بام القرآن یصلی علی النبی ﷺ ثم ذکر دعاء۔

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تکبیر کہی جائے پھر سورۃ فاتحہ کی قرأت کی جائے، نبی ﷺ پر درود پھر دعا۔

(المحلی ابن حزم ص۳۵۳ ج۳)۔

مذکورہ احادیث و آثار سے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت ثابت ہوئی۔ گو ان میں سے مرفوع احادیث صرف پہلی سات ہی سنداً صحیح ہیں بقایا مرفوع احادیث پر جرح ہے، مگر ہم نے متابعت و شواہد میں پیش کیا ہے۔ آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تقریباً تمام کے تمام حسن درجہ سے کم نہیں۔ اقوال تابعین بھی صحت کے لحاظ سے ثابت شدہ ہیں، محترم نے نام بنام شہروں کے نام لکھ کر کہا ہے کہ ان امور سے روز روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ خیر القرون کے دور میں نماز جنازہ میں قرأت کا بالکل رواج نہیں تھا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۷۳۔)

حالانکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ بصرہ کوفہ میں قرأت کا رواج تھا۔ اس سے انکار محض ضد ہے، حدیث و آثار کے علاوہ مکہ میں امام مجاہد مدینہ میں ابن شہاب، شام میں مکحول، بصرہ میں حسن وغیرہ کا نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت انوار صاحب کے کاذب ہونے کی دلیل ہے، علاوہ ازیں کسی چیز کا رواج نہ ہونے سے اس چیز کے مسنون ہونے کی نفی نہیں ہوتی، مدینہ میں ارسال پر عمل تھا، خیر القرون کے دور صحابہ میں ہی تکبیرات انتقال کو بلند آواز سے کہنا کمیاب ہو گیا تھا۔ جس کی ضروری تفصیل پہلے عرض کر دی گئی ہے۔ تو کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں ہاتھ باندھنا اور تکبیر کو بلند کہنا غیر مسنون طریقہ ہے، پھر انوار صاحب کے لئے عرض ہے کہ احادیث صحیحہ کے بالمقابل رواج کی کوئی اہمیت نہیں، غور کریں امام ابوحنیفہ نے قبروں کو پختہ بنانے سے منع کیا ہے جب کہ احناف کی بریلوی پارٹی میں مزارات بنانے کا رواج ہے، تو کیا اس رواج سے امام ابوحنیفہ کے قول کی نفی ہو جائے، کچھ تو اللہ کا خوف کرو۔

فصل دوم

(۱) عن ابی هریرة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء۔ (ابو داؤد ص۱۰۰ ج۲ ابن ماجه ص۱۰۹)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لئے اخلاص کے ساتھ دعا کرو۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۲۔)

الجواب: اولاً اس حدیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ نماز جنازہ صرف دعا ہے بلکہ فرمایا کہ میت کے حق میں اخلاص سے دعا کرو، ان دونوں میں فرق ہے، مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ اس سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس کا مطلب ہے اخلاص کے ساتھ دعا کرنا نہ یہ کہ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔

(درس ترمذی ص۳۰۴ ج۳)۔

ثانیا: نبی مکرم ﷺ نے اس حدیث میں جنازہ کو نماز کہا ہے، اذا صلیتم جس کا معنی انوار صاحب نے، جب نماز جنازہ پڑھو، کیا ہے۔ اور محترم نے صفحہ ۵۳۵ پر صحیح مسلم ص۲۰۳ ج۱۔ سے سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔

(ان هذه الصلاة لايصلح فيهاشئى من كلام الناس انما هو التسبيح والتكبير وقرأة القرآن)۔

نماز ایسی ہے جس میں لوگوں کی بات چیت کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ اس میں تو تسبیح تکبیر اور قرأت ہوتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۵۳۶۔)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ جنازہ نماز ہے،اور سیدنا معاویہؓ کی روایت سے ثابت ہوا کہ اس میں قرأت بھی ہے۔

ثالثا: انوار صاحب کا یہ کہنا کہ نماز جنازہ میت کے حق میں درحقیقت دعا و استغفار ہے اس لئے اس میں اللہ کی حمد و ثناء نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پھر میت کے لئے دعا ہونی چاہئے جیسا کہ دعا کا طریقہ ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ث۸۷۰۔)

انوار صاحب کو آج تک یہ بھی خبر نہیں کہ سورۃ فاتحہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء موجود ہے اللہ اکبر۔ خیر آگے چلئے محترم نماز جنازہ میں چار تکبیریں اور قیام آپ کے نزدیک بھی رکن ہیں۔

(درمختار مع شامی ص۲۰۹ ج۲)۔

جب کہ دعا میں تکبیر و قیام رکن نہیں۔ فما کان جوابکم فهو جوابنا۔

رابعا: حدیث میں وضاحت ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر سورۃ فاتحہ پڑھو، پھر نبی مکرم ﷺ پر درود بھیجو، اس کے بعد میت کے لئے اخلاص سے دعا کرو۔ تفصیل دین الحق ص۶۸۵ سے دیکھ لی جائے۔

(۲) مالك عن سعيد بن ابى سعيد المقبرى عن ابيه انه سال اباهريرة كيف تصلى على الجنازة فقال ابو هريرة انالعمر الله اخبرك اتبعها من اهلها فاذا وضعت كبرت وحمدت الله وصليت على نبيه ثم اقول اللهم انه عبدك وابن عبدك وابن امتك كان يشهد ان لا اله الا انت وان محمدا عبدك ورسولك وانت اعلم به اللهم ان كان محسنا فزد فى احسانه وان كان مسيئا فتجاوز عنه سياته اللهم لاتحرمنا اجره ولاتفتنا بعده۔ (موطا امام مالک ص۲۰۹ ج۱)۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت سعید مقبری سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا بخدا میں تمہیں ضرور بتلاؤں گا میں جنازہ والے گھر سے ہی جنازہ کے ساتھ ہو لیتا ہوں جب جنازہ (نماز کے لئے) رکھا جاتا ہے تو میں تکبیر کہہ کر اللہ کی حمد و ثناء کرتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا ہوں اللھم عبدک الخ...... (حدیث اور اہل حدیث ۸۶۲۔)

الجواب: موصوف نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں کیا لہٰذا وہ سورۃ فاتحہ ہی نہ پڑھا کرتے تھے۔ اسے کہتے ہے،، دو ضرب دو،، چار روٹیاں، محترم عدم ذکر عدم شئی کو مستلزم نہیں ہوا کرتا، اس حدیث میں تو سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے طہارت، قیام، تکبیرات، سلام وغیرہ کا بھی ذکر نہیں کیا تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ تمام چیزیں بھی نماز جنازہ میں جائز نہیں۔

(۳) عن نافع ان عبد الله بن عمر كان لا يقرأ فى الصلاة على الجنازة۔

(موطا امام مالك ۲۱۰)۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۳۔)

الجواب: اولا محترم نے ، لایقرأ کا معنی کیا ہے قرأت نہیں کرتے تھے، اس سے مقصود یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کی تلاوت نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ قرأ کا معنی مطلق تلاوت قرآن نہیں ہوتا۔ اس کا معنی ہے، نہیں پڑھتے تھے، کیا نہیں پڑھتے تھے، روایت میں اس کا ذکر نہیں، جس طرح انوار صاحب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرأت نہیں کرتے تھے، ہم کہتے ہیں کہ ثناء نہیں پڑھتے تھے۔

فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

ثانیا: اگر اس کا یہ ہی معنی لیا جائے کہ سورۃ فاتحہ نہ پڑھتے تو تب بھی احناف کو مفید نہیں، کیونکہ سورۃ فاتحہ کو بطور دعا پڑھنا یہ بھی جائز کہتے ہیں۔ جو کہ ان کی تمام متداول کتب فقہ میں موجود ہے۔ دیکھئے (فتاویٰ عالم گیری ص۱۶۴ ج۱ قاضی خاں ص۹۳ ج۱، درمختار ص۱۲۲ ج۱)۔

اور یہ فتوی دیوبند و بریلوی اکابر کا بھی ہے کہ جنازہ میں فاتحہ کو حمد و ثنا اور دعا کی نیت سے پڑھ لیا جائے۔

(احسن الفتاوی ص۲٤٥ ج٤ و خير الفتاوی ص۱۹۸ ج۳، و كفايت المفتى ص۷٥ ج٤ و فتاوى دارالعلوم ديو بند ص۳۰۰ ج٥ و فتاوى حقانية ص٤٤۳ ج۳ و آپ کے مساعمل اور ان کا حل ص١٦٤ ج۳ و عطائے حبيب ص۱۳٥ ج۲)

اگر انوار صاحب اس پر ہی بضد ہوں کہ بطور قرأت فاتحہ نہیں پڑھتے تو ہم کہتے کہ بطور قرأت اور

بطور دعا کی تقسیم شرعی طور پر ثابت نہیں یہ آپ کی ذاتی اختراع ہے جس کا ثبوت چاہئے محض آپ کے دعویٰ سے بات نہیں بنے گی۔

(۴) روی عن ابن مسعود انه سئل عن صلاة الجنازة هل يقرأ فيها فقال لم يوقت لنا رسول الله ﷺ قولا ولا قرأة وفي رواية دعاء ولا قرأة كبر ماكبر الامام واختر من اطيب الكلام ما شئت وفي رواية واختر من الدعاء اطيبه۔

(بدائع الصنائع ص۳۱۳ مغنی ابن قدامه ص۴۸۵ ج۲)۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے نماز جنازہ میں قرأت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے کوئی خاص کلام اور قرأت مقرر نہیں فرمائی ایک روایت میں ہے کہ کوئی خاص دعاء اور قرأت مقرر نہیں فرمائی، جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جو اچھے سے اچھا کلام (ثناء و دعاء وغیرہ) چاہو اختیار کرو اور ایک روایت میں ہے کہ جو بہتر سے بہتر دعا ہو وہ اختیار کرو۔

(۵) روی عن عبدالرحمن بن عوف وابن عمر انهما قالا ليس فيها قرأة شيئ من القرآن۔

(بدائع والصنائع ص۳۱۳ ج۲)۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے فرمایا نماز جنازہ میں قرآن کے کسی حصہ کی بھی قرأت نہیں ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ۹۶۳۔)

الجواب: بدائع الصنائع اور مغنی لابن قدامہ دونوں فقہ کی کتابیں ہیں حدیث کی نہیں، اور کتب فقہ پر نقل روایات میں اعتماد نہیں کیا جاسکتا تفصیل کے لئے دین الحق ص۶۵۳ ج۱ تحفہ حنفیہ حصہ اول کی مراجعت کریں، جو ان کی صحت کا مدعی ہے وہ کتب حدیث سے ان کا وجود ثابت کرے، ہم پوری ذمہ داری سے یہ بات عرض کرتے ہیں کہ یہ کذب وافتراء ہے۔

(۶) عن علیؓ انه كان اذا صلى على ميت يبدأ بحمد الله ويصلى على النبى ﷺ ثم يقول اللهم اغفر لا حيائنا وامواتنا والف بين قلوبنا واصلح ذات بيننا واجعل قلوبنا على قلوب خيارنا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۴۹۵ ج۳)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ جب کسی میت کی نماز جنازہ پڑھا کرتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے ابتداء کرتے پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھتے پھر یہ دعا مانگتے، اللھم اغفر لا

حیائنا الخ۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۶۴۔)

الجواب: اولاً محترم کا غالباً یہ استدلال ہے کہ اس میں قرأت کا ذکر نہیں حالانکہ عدم ذکر عدم شئی کو مستلزم نہیں غور کیجئے اس میں، تکبیرات، قیام، اور سلام پھیرنے کا بھی بیان نہیں۔ **فمان کان جوابکم فهو جوابنا۔**

ثانیا: سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والا راوی مسیّب بن رافع ہے اور مسیّب کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی ثابت نہیں ، امام ابن معین فرماتے ہیں کہ مسیّب کی صرف براء بن عازب اور ابی ایاس سے ملاقات ہے، امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ اس کی ابن مسعود سے روایت مرسل ہے اور علی مرتضیٰ سے ملاقات نہیں ہوئی۔(تهذيب التهذيب ص١٥٣ ج١٠،تهذيب الكمال ص١١٥ ج٧)۔

الغرض یہ روایت بوجہ مرسل ہونے کے ضعیف ہے۔

(۷) عن الشعبی قال فی التکبیرۃ الاولیٰ یبدأ بحمده الله و الثناء علیه و الثانیة صلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و الثالثة دعاء للمیت و الرابعة للتسلیم۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٢٩٥ ج٣،مصنف عبد الرزاق ص٤٩١ ج٣)۔

حضرت امام شعبی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں پہلی تکبیر میں اللہ کی حمد و ثناء سے ابتداء کرے دوسری تکبیر کے بعد نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر درود پڑھے۔ تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا کرے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص ۸۶۵۔)

الجواب: امام شعبی تابعی ہیں اور تابعین کے اقوال حجت نہیں ہوا کرتے بالخصوص جب احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی نفی ہوتی ہو، جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہم احادیث و آثار سے ثابت کر آئے ہیں، لہٰذا یہ حجت نہیں یہ ہم نے علی وجہ التسلیم بات کہہ دی ہے ورنہ اس روایت میں بھی عدم ذکر ہے اور عدم ذکر عدم شئی کو مستلزم نہیں ہوا کرتی۔

(۸) عن عبد الله بن ایاس عن ابراهیم و عن ابی الحصین عن الشعبیٰ قالا لیس فی الجنازۃ قرأت۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص٢٩٩ ج٣)۔

حضرت ابراہیم نخعی اور امام شعبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۸۶۵۔)

الجواب: سند میں عبد اللہ بن ایاس راوی مجہول ہے امام ابو حاتم نے، (الجرح والتعدیل ص۸ ج۵) میں اسے ذکر کیا ہے مگر کوئی جرح یا تعدیل بیان نہیں کی، الغرض یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کا راوی مجہول ہے۔

(۹) عن ایوب عن محمد انه کان لا یقرأ علی المیت۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۸ ج۳، مصنف عبد الرزاق ص۴۹۱ ج۳)۔

حضرت ایوب حضرت محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۵۔)

الجواب: انوار صاحب کا دعویٰ ہے کہ، لایقرأ، کا معنی قرآن کی قرأت جنازہ میں نہیں کرتے تھے حالانکہ قرأ کا لفظ اس بات کا متحمل نہیں ہے، پھر جناب نے متن تو مصنف ابن ابی شیبہ کا درج کیا ہے لیکن حوالہ عبد الرزاق کا بھی دے دیا ہے، عبد الرزاق کی روایت سے وضاحت ہوجاتی ہے کہ ابن سیرین کیا نہیں پڑھتے تھے۔ملاحظہ کیجئے۔

عن ایوب عن ابن سیرین کان لا یقرأ فی شیء من التکبیرات وکان یقول اللهم اغفرللمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات والف بین قلوبهم واجعل قلوبهم علی قلوب اخیار هم اللهم ارفع درجته فی المهتدین واخلفه فی ترکته فی الغابرین اللهم لا تحرمنا اجره ولا تضلنا بعده۔

امام ایوب کہتے ہیں کہ امام ابن سیرین نماز جنازہ کی تکبیرات میں کوئی چیز بھی نہ پڑھا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔ اللهم اغفر للمؤمنین،، الخ......

(مصنف عبد الرزاق ص۴۹۱ ج۳ رقم الحدیث ۶۴۳۲)۔

اس روایت نے وضاحت کردی ہے کہ وہ صرف قرأت سورۃ فاتحہ ہی نہ کرتے تھے بلکہ ثناء و درود بھی نہ پڑھا کرتے تھے انورا صاحب جوصورت درود وغیرہ کے متعلق اختیار کریں گے وہی ہماری طرف سے سورہ فاتحہ کی سمجھ لیں۔

(۱۰) عن حجاج قال سالت عطاء عن القرأة علی الجنازة فقال ما سمعنا بهذا۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت حجاج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے نماز جنازہ میں قرأت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا ہم نے یہ نہیں سنا،

(حدیث اور اہل حدیث ۸۶۵۔)

الجواب: (۱) اثر کے الفاظ، عن القرأة علی الجنازہ (میت پر قرأة) کے ہیں عن القرأة فی الصلاة الجنازة، کے نہیں اگر یہ ہوتے تو انوار صاحب کے لئے دلیل تھے۔ دراصل سوال نماز میں قرٲت کے متعلق نہیں ہوا بلکہ میت پر قرآن خوانی کے متعلق کیا گیا ہے جیسے آج بھی لوگ قریب المرگ کے پاس سورۃ یٰس پڑھتے ہیں اورعطاء بن ابی رباح نے ماسمعنا کہہ کر اس روایت کے ضعف کی طرف

اشارہ کیا ہے۔

(۲) حجاج بن ارطاۃ متکلم فی راوی ہیں تقریب میں ہے صدوق کثیر الخطاء ایسے راوی متابعت کے بغیر حجت نہیں ہوتے، اور حجاج سے حفص بن غیاث روایت کر رہا ہے اور یہ مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے۔

(۳) اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ نماز جنازہ کے اندر قرأت کا سوال ہوا تھا تو تب بھی ظاہر ہے کہ یہ تابعی کا قول ہے جو احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بالمقابل حجت نہیں۔

(۱۱) عن ابی طاؤس عن ابیه وعطاء انهما کانا ینکران القرأة علی الجنازة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت ابو طاؤس اپنے والد طاؤس سے اور حضرت عطا بن ابی رباح رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ نماز جنازہ میں قرأت کا انکار کرتے تھے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۶۔)

الجواب: سند میں زمعہ بن صالح راوی ہے اسے امام احمد، امام ابن معین، امام ابو داؤد، امام عمرو بن علی، امام ابو حاتم، امام نسائی نے ضعیف کہا ہے، ابوزرعہ کہتے ہیں کہ لین اور واہی الحدیث ہے، ساجی کہتے ہیں احکام میں حجت نہیں، امام ابن حبان کہتے ہیں کہ نیک آدمی تھا مگر وہم کرتا اور جانتا نہ تھا خطا کرتا اور اسے سمجھتا نہ تھا۔ حتیٰ کہ اس کی مرویات میں مناکیر غالب ہیں۔

(تهذیب التهذیب ص۳۳۹ ج۳، تهذیب الکمال ص۳۱ ج۳)۔

الغرض یہ روایت ضعیف ہے مزید برآں یہ تابعی کا قول ہے جو مرفوع احادیث اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مخالف ہونے کی وجہ سے قابل ذکر ہی نہیں۔

(۱۲) عن بکر بن عبد الله قال لا اعلم فیها قرأة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت بکر بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نماز جنازہ میں قرأت کو نہیں جانتا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۶۔)

الجواب اولاً: اگر بکر بن عبد اللہ نہیں جانتے تھے، تو جاننے والے موجود تھے۔ ہم نے آثار صحابہ و تابعین نقل کر دیئے ہیں یہ مسلمہ اصول ہے کہ جاننے والا نہ جاننے والے پر حجت ہے۔

ثانیاً: سند میں، سلیمان راوی ہے اس کی بحوالہ صراحت کی جائے۔ یہ کون بزرگ ہیں۔

(۱۳) عن مفضل قال سالت میمونا علی الجنازة قرأة او صلوٰة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما علمت۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت مفضل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت میمون رحمہ اللہ سے نماز جنازہ میں قرأت یا درود سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ حدیث اوراہل حدیث ۸۶۶۔

الجواب: اولا یہاں نماز جنازہ کے اندر قرأت و درود کا مسئلہ نہیں پوچھا گیا، بلکہ میت پر قرأت و درود کے متعلق سوال ہے جو ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

ثانیا: اگر انوار صاحب نماز کے اندر پر ہی بضد ہوں (گو یہ غلط ہے کیونکہ روایت کا متن، فی الصلاۃ الجنازۃ ،نہیں بلکہ علی الجنازۃ ہے) تو علی وجہ التسلیم عرض ہے کہ راوی کوتو شک ہے کہ درود کے متعلق سوال کیا یا قرأت کے متعلق ،لیکن انوار صاحب نے درود کی بجائے قرأت کوترجیح دینے میں کوئی وجہ بیان نہیں کی۔

ثالثا:اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ سوال قرأت کے متعلق ہی تھا انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں یہ عدم علم ہے جو دلیل شرعی نہیں۔ نہ جاننے والے پر جاننے والے کا کلام حجت ہوا کرتا ہے، ہمارے علاقہ میں قادیانیت اچھی خاصی مؤثر ہے ضرورت کے وقت تمام فرقوں کے بڑے بڑے علامہ خاکسار کی طرف رجوع کرتے ہیں ، جب انہیں مسئلہ کی نوعیت سمجھائی جاتی ہے تو وہ حیران رہ جاتے ہیں۔تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ مرزائیت کوئی مسئلہ نہیں ختم نبوت حیات مسیح کے مسائل بے کار ہیں کچھ تو اللہ کا خوف کرو، اللہ کا ڈر نہیں تو بدنامی سے ہی ڈر جایئے۔

(۱۴) عن محمد بن عبد الله بن ابی سارة قال سالت سالما فقلت القرأة علی الجنازة فقال لا قرأة علی الجنازة۔

(مصنف ابن ابی شیبه ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت محمد بن عبد اللہ بن ابی سارہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سالم رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ میں نماز جنازہ میں قرأت کروں؟ تو آپ نے فرمایا نماز جنازہ میں قرأت نہیں ہے۔(حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۶۔)

الجواب اولاً: فی الصلاۃ الجنازۃ، اور علی الجنازۃ، کے فرق کی وضاحت گزر چکی ہے ، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ثانیا: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ علی الجنازۃ کا معنی فی الصلاۃ الجنازہ ،ہے تو تب بھی یہ قابل حجت نہیں کیونکہ بالاتفاق قول تابعی مرفوع احادیث کا معارض نہیں ہوسکتا۔

(۱۵) عن ابی المنهال قال سالت ابا العالية عن القرأة فی الصلاة علی الجنازة بفاتحة الكتاب فقال ما كنت احسب ان فاتحة الكتاب تقرؤ الا فی صلاة فيها ركوع و سجود۔

(مصنف ابن ابی شيبه ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت ابو منہال فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو العالیہ الریاحی رحمۃ اللہ علیہ سے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میرا تو خیال ہے کہ سورۃ فاتحہ صرف رکوع وسجود والی نماز ہی میں پڑھی جاتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۶۷۔)

الجواب: بلاشبہ یہ اثر انوار صاحب کے موافق ہے۔ مگر ابو العالیہ تابعی ہیں۔ تابعین کے اقوال دین میں حجت نہیں ًبالخصوص جب وہ مرفوع احادیث کے معارض ہوں، مزید برآں یہ کہ انہوں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے جو دوسرں پر حجت نہیں اگر انہیں احادیث مل جاتیں تو وہ ضرور اس قول سے رجوع کر لیتے، پھر اس کی سند میں، عون، راوی ہے جو ابو المنہال (عبد الرحمٰن بن مطعم) کا شاگرد اور عبد الاعلی وغندر کا استاد ہے اس کی بحوالہ صراحت کی جائے کہ یہ بزرگ کون ہیں۔ ہم نے جہاں تک کتب رجال کی مراجعت کی ہے ہمیں تو مجہول ہی معلوم ہوا ہے واللہ اعلم بالصواب، جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ عون کی بحوالہ عدالت ثقات ثابت کرے۔

(۱۶) عن موسیٰ بن علی عن ابیه قال قلت لفضالة بن عبیدة هل یقراؤ علی المیت شئی قال لا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت موسیٰ بن علی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت فضالہ بن عبیدہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا میت پر (نماز جنازہ میں) قرأت کی جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۷۔)

الجواب: اولاً شکر ہے انوار صاحب نے، نماز جنازہ میں'' کو بریکٹ میں لکھ کر ہمارے مؤقف کو درست تسلیم کر لیا ہے۔ علی االمیت یا علی الجنازة ، کے الفاظ سے نماز جنازہ نہیں، لیکن اس اعتراف حقیقت کے ساتھ یہاں ایک مزید بددیانتی کی ہے وہ یہ کہ لفظ شئی کا معنی ترک کر دیا ہے۔ دراصل یہاں سوال یہ کیا گیا ہے کہ میت پر کچھ پڑھا جائے۔ انہوں نے جواب دیا نہیں، اب اگر اسے نماز جنازہ کے متعلق تسلیم کیا جائے تو درود و دعا سے بھی چھٹی ہوئی، محترم یہاں میت پر قرآن خوانی کا سوال ہے جسے سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے، لا، کہہ کر نفی کر دی ہے، نماز جنازہ کے اندر قرأت قرآن کا سوال ہی نہیں ہے۔

ثانیا: اگر انوار صاحب کے دعویٰ کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی یہ قابل حجت نہیں کیونکہ یہ مسئلہ صحابہ میں مختلف فیہ ہے اور جس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہو وہاں ان کے اقوال حجت نہیں ہوا کرتے، راجع مقدمہ۔

(۱۷) عن سعید بن ابی بردة عن ابیه قال قال له رجل اقرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب

قال لا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۹ ج۳)۔

حضرت سعید بن ابی بردہ اپنے والد ابو بردہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا میں نماز جنازہ میں قرأت کر لیا کروں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۷۔)

الجواب: اولاً یہ روایت انوار صاحب کے مذہب کی دلیل نہیں، علی الجنازۃ کی ہم وضاحت کر آئے ہیں۔

ثانیا: بصورت تسلیم بھی یہ نا قابل حجت ہے۔ ابو بردہ تابعی ہیں ظاہر ہے کہ حدیث مرفوعہ اور اقوال صحابہ کے بالمقابل یہ نا قابل حجت ہے۔

(۱۸) عن حماد عن ابراهيم قال سالته ايقرأ على الميت اذا صلى عليه؟ قال لا

(مصنف عبد الرزاق ص۴۹۱ ج۳)۔

حضرت حماد کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا نماز جنازہ میں قرأت کی جا سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۸۔)

الجواب: اولا ابراہیم نخعی صغیر تابعی ہیں احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ کے بالمقابل بھلا ان کے قول کی کیا اہمیت ہے۔

ثانیا: سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں، اور روایت عن سے ہے۔ پھر حماد پر جرح بھی موجود ہے الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی چیز کو سنت کہنے کا مطلب

انوار صاحب نے، سنن نسائی ۲۱۸ ج ۱ سے سیدنا عبد اللہ بن عباس کی حدیث درج کی ہے کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ سنت اور حق ہے پھر آگے چل کر فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نماز جنازہ میں قرأت کو سنت قرار دینا تو اس سے سنت مصطلحہ یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مراد نہیں...... ذخیرہ احادیث میں کئی مقامات ایسے ملتے ہیں جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لفظ سنت استعمال کیا ہے، لیکن وہاں اس سے سنت لغویہ مراد ہیں۔ سنت مصطلحہ مراد نہیں،

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۶۸، ۸۷۴۔)

الجواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب سنت کا لفظ کسی حکم شرعی پر بولتے ہیں تو اس سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ و اسوہ ہی مراد ہوتا ہے، اس کے خلاف ایک مثال بھی نہیں دی جا سکتی ہیں تجربہ کر کے دیکھیے

قیامت تک مہلت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انوار صاحب پوری کوشش کے باوجود ناکام رہے ہیں اس ناکامی کے باوجود پورے دھڑلے سے کہتے ہیں ذخیرہ احادیث میں کئی مقامات ایسے ملتے ہیں، اس پر سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

باندھی ہے تو نے زیر فلک جھوٹ پر کمر۔

علامہ زیلعی فرماتے ہیں۔

واعلم ان لفظة السنة يدخل فی المرفوع عندهم ، قال ابن عبد البر فی التقصی، واعلم ان الصحابی اذا اطلق اسم السنة فالمراد به سنة النبی ﷺ۔

جان لینا چاہئے کہ ان کے نزدیک سنت کا لفظ مرفوع میں داخل ہے؟۔ امام ابن عبد البر التقصی، میں فرماتے ہیں کہ معلوم ہو کہ صحابی کسی چیز کو سنت کہتا ہے تو اس سے مراد نبی مکرم ﷺ کی سنت ہوتی ہے۔ (نصب الرایہ ص۳۱۴ ج۱)۔

اس بات کا اعتراف مولانا ظفر احمد صاحب نے بھی، (اعلاء السنن ص۱۹۳ ج۲) میں (قواعد فی علوم الحدیث ص۱۲۷) میں کیا ہے۔مزید تفصیل کے لئے دین الحق ص۶۷۱ کی مراجعت کریں،

خلاصہ کلام: انوار صاحب ایک بھی مرفوع حدیث پیش نہیں کر سکے کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئے، ایک بھی صحابی کا قول ثابت نہیں کر سکے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ کو نہ پڑھا جائے۔کسی تابعی کا قول بھی پیش کرنے سے عاجز رہے ہیں۔ بایں ہمہ اتنے بلند و بانگ دعوے کرتے ہیں کہ۔ مدینہ طیبہ، کوفہ، بصرہ، مین کوئی قرأت کا قائل نہ تھا۔ان امور سے روز روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ خیر القرون کے دور میں نماز جنازہ میں قرأت کا بالکل رواج نہیں تھا۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۷۳۔)

محترم غصہ تھوک دیجئے یہ انسان کو پاگل کر دیتا ہے، یہ تمام دعوے آپ کا محض خبط بے ربط ہیں ہم فصل اول میں ان چاروں شہروں کے فقہاء سے نماز جنازہ میں قرأت فاتحہ ثابت کر آئے ہیں۔آپ اپنی کسی دلیل پر انگلی رکھ کر نشان دہی کیجئے جو سنداً صحیح ہو اور اس میں نماز جنازہ کے اندر سورۃ فاتحہ کی قرأت سے منع کیا گیا ہو جبکہ ہم نے نماز جنازہ میں فاتحہ کے ثبوت پر متعدد مرفوع احادیث پیش کر دی ہیں۔جب کے آپ نے ایک دلیل بھی درج نہیں کی اور جس سے استدلال کیا ہے۔ اسے حنفی علماء نے غلط قرار دیا ہے، اس سے بڑھ کر آپ کی کیا عاجزی ممکن ہے۔

(۷۷) باب نماز جنازہ بلند آواز سے پڑھنا

فصل اول

(۱) عن عوف بن مالك قال صلى رسول الله ﷺ على جنازة فحفظت من دعائه وهو يقول اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس وابدله داراً خير من داره واهلا خيرا من اهله وزوجا خيرا من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار، قال حتى تمنيت ان اكون انا ذلك الميت۔

سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر نماز جنازہ پڑھی تو میں نے آپ کی دعا سے یہ دعا یاد کی اور آپ علیہ السلام کہہ رہے تھے

اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس وابدله داراً خير من داره واهلا خيرا من اهله و زوجا خيرا من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار،

سیدنا عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے اس قدر رقت سے دعا کی میں نے خواہش کی کہ کاش یہ میرا جنازہ ہوتا۔

(صحيح مسلم كتاب الجنازة باب الدعاء للميت فى الصلاة، الحديث ۲۲۳۲)۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے نماز جنازہ پڑھایا تب ہی تو سیدنا عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ علیہ السلام کی دعا سے یہ حصہ یاد کرلیا اور کسی سے سن کر یاد تب ہی ہوتا ہے جب وہ بلند آواز سے کوئی چیز پڑھے۔

(۲) سیدنا شداد بن الہاد رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شہید صحابی پر نماز جنازہ پڑھائی تو یہ دعا بلند آواز سے پڑھی،

اللهم هذا عبدك خرج مهاجرا فى سبيلك فقتل شهيدا أنا شهيد على ذلك۔

الٰہی تیرا یہ بندہ تیری راہ میں مہاجر بن کر آیا تھا اب شہید ہوگیا ہے، میں اس کا گواہ ہوں،

(سنن نسائى كتاب الجنائز باب الصلاة على الشهدا، رقم الحديث ۱۹۵۵)

اور ایسا ہی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بلند آواز سے جنازہ پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ گزشتہ باب کی حدیث نمبر۴ میں وضاحت ہے، اور سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بھی بلند آواز سے نماز جنازہ پڑھا

کرتے جیسا کہ گزشتہ باب کی حدیث نمبر۱۴ میں صراحت ہے۔ پھر گزشتہ باب کی تمام روایات و آثار جن میں، قرأ، وغیرہ کے الفاظ ہیں وہ بھی جہری نماز جنازہ پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ قرأ کا لفظ جب مطلق آئے تو جہر پر محمول ہوتا ہے۔ جیسا کہ کتب لغت میں صراحت ہے، دین الحق میں مسئلہ اٰمین بالجہر میں اس کی تفصیل عرض کر دی گئی ہے وہاں سے ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

ہاں البتہ اس بات کا ہم اعتراف کرتے ہیں کہ دلائل کے اعتبار سے سری پڑھنا قوی ہے جہری کے جواز کا انکار محض تقلیدی ضد ہے علمائے اہل حدیث کا بھی یہی مؤقف ہے کہ سری بحیثیت دلیل قوی اور راجح ہے، تفصیل تحفہ حنفیہ ۳۶۶ ج ۱ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ عوام میں نوے فیصد حضرات کو جنازہ آتا ہی نہیں جہری پڑھنے سے وہ بھی پڑھ لیا کرتے ہیں۔ بلکہ ہمارے ہاں تو ایک واقعہ ایسا بھی پیش آیا تھا کہ بریلوی امام کو جنازہ کی دعا نہیں آتی تھی، تفصیل پہلے کسی باب میں راقم نے عرض کر دی ہے۔ الغرض حالات کے مطابق آج بلند آواز سے ہی جنازہ پڑھنا چاہئے تاکہ مقتدی بھی ساتھ ساتھ پڑھ لیا کریں اس سے انکار حالات سے چشم پوشی کرنا ہے۔

فصل دوم

ادعو ربکم تضرعا و خفیة انه لا یحب المعتدین (۷-۵۵)

پکارو اپنے رب کو چپکے چپکے، اس کو خوش نہیں آتے حد سے تجاوز کرنے والے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۷۷)

الجواب: اولاً مفسرین کرام نے ادعوا کے دو معنی کئے ہیں عبادت اور دعا، انوار صاحب نے پہلے معنی کی بجائے دوسرے کو ترجیح دی ہے مگر اس کی کوئی وجہ ترجیح بیان نہیں کی، پھر خفیہ کے معنی میں بھی یہ قول مروی ہے کہ دل کا خشوع ہو اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین ہو۔ امام ابن جریر نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (تفسیر ابن جریر ص۲۴۳ ج۸)۔

قطع نظر اس کے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خفیہ کا معنی چپکے ہی ہے لیکن نبی مکرم ﷺ سے بلند آواز میں دعا کرنا ثابت ہے۔ تفصیل مسئلہ اٰمین میں گزر چکی ہے۔ لہٰذا سنت فعلی نے اس کا معنی بیان کر دیا کہ خفیہ کا یہ مطلب ہے کہ چیخ چیخ کر دعا نہ کی جائے۔

ثانیاً: جنازہ خالص دعا نہیں بلکہ نماز ہے نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ **فصلو علی اخیکم** اپنے بھائی پر نماز جنازہ پڑھو۔

(بخاری رقم الحدیث ۳۸۷۷)۔

(ا) عن ابی امامة قال السنة فی الصلاة علی الجنازة ان یقرأ فی التکبیرة الاولیٰ بام

القرآن مخافتة ثم يكبر ثلثا والتسليم عند الاخرة۔

(نسائی ص۲۱۸)۔

حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ آہستہ آواز میں پڑھی جائے، پھر تین تکبیریں کہی جائیں جن میں سے آخری کے بعد سلام پھیرا جائے۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۷۷)

الجواب: اولاً متن حدیث کا خود انوار صاحب نے یہ معنی کیا ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ آہستہ آواز سے پڑھی جائے اس سے ثابت ہوا کہ تکبیر کہہ کر سورۃ فاتحہ کی قرأت کی جائے، مگر حنفی فاتحہ کی بجائے ثناء پڑھتے ہیں، مگر اس حدیث سے ثناء پڑھنے کا رد اور فاتحہ پڑھنا ثابت ہوا، لیکن حنفی اسے تسلیم نہیں کرتے۔ انوار صاحب نے اس سے پلہ چھڑانے کے لئے یہ عذر کیا ہے کہ ہمارے نزدیک نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا بطور حمد وثناء کے پڑھنا جائز ہے، لہٰذا اگر کوئی سورۃ فاتحہ ثناء کے ساتھ پڑھنا چاہئے تو آہستہ آواز ہی سے پڑھے ص۸۸۱۔

حالانکہ حدیث میں ثناء کے ساتھ فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہی نہیں بلکہ صرف فاتحہ پڑھنے کو مسنون قرار دیا گیا ہے۔ پھر یہ کہنا کہ بطور ثناء پڑھی جاسکتی ہے اور بطور قرأت نہیں، یہ تقسیم صرف جناب کی بیان کردہ ہے، قرآن وسنت اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، جو اس کا مدعی ہے وہ ثبوت دے ورنہ شریعت سازی سے باز آئے، اسے اللہ سے ڈرنا چاہئے کہ وہ دین میں ایک ایسی بات کہہ رہا ہے جو اللہ عزوجل نے نہیں کہی، چلو آپ بطور حمد وثناء ہی پڑھ لیا کریں، اس اعتراف کے بعد آپ کا ترک القرأة فی الصلاة الجنازة، کا باب باندھنا بے کار ہے شاید انوار صاحب کہہ دیں کہ ہم نے قرأت کا انکار کیا ہے ثناء سے نہیں، اس نالائق کو آج تک یہ بھی خبر نہیں کہ قرأت پڑھنے کو کہتے ہیں خواہ وہ بنیت تلاوت ہو یا بنیت حمد وثناء ہو، بہر حال اسے پڑھنا ہی کہتے ہیں جسے عربی زبان میں قرأة کہتے ہیں۔ (القاموس الجديد ص۲۱۳)۔

مگر انوار صاحب کہتے ہیں کہ اگر تلاوت کی نیت سے ہو تو قرأت ہے اگر حمد وثناء کی نیت سے ہو تو تب قرأت نہیں۔ لاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم۔

حضرت ہمارا مشورہ ہے کہ تدریس کی بجائے کسی فاضل سے پہلے عربی زبان کو سیکھ لیں، یا صرف کتب فروشی پر ہی اکتفا کریں!۔

ثانیا: بلاشبہ اس حدیث سے نماز جنازہ کا آہستہ پڑھنا صریحا ثابت ہوتا ہے۔ اور ہماری پیش کردہ احادیث سے جہراً ثابت ہوتا ہے اور ان کے درمیان موافقت کی یہ صورت ہے کہ آہستہ پڑھنا افضل اور دلیل کے اعتبار سے قوی ہے اور بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے۔

(۲) عن جابر قال ما اباح لنا رسول اللہ ﷺ ولا ابو بکر ولا عمر فی شئی ما اباحوا فی الصلاۃ علی المیت یعنی لم یوقت۔

(ابن ماجہ ص۱۰۹ مسند احمد ص۳۵۷ ج۳)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے ہمارے لئے نماز جنازہ میں کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، التلخیص الحبیر ص۱۲۳ ج۲ میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ اباح کی تفسیر قدر سے کی ہے، (یعنی مقرر نہیں کیا) لیکن جہاں تک میری معلومات ہیں اباح معنی جہر کے ہیں گویا معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ میں دعاء اونچی آواز سے نہیں پڑھی، (حدیث اور اہل حدیث ص۸۷۸)

الجواب: اولاً آپ نے جو متن روایت کا ترجمہ کیا ہے اس میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے معنی کو رد کر دیا ہے ورنہ ترجمہ روایت میں اسے ضرور ملحوظ رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اباح، کا معنی قدر ہی ہے۔ اور مسند احمد کے الفاظ اس معنی کی تائید کرتے ہیں ابو زبیر کہتے ہیں کہ سئل جابر عمایدعی للمیت، یعنی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ میت کے لئے کون سی دعا کی جائے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ، ما اباح لنا، یعنی کسی چیز میں اتنی چھوٹ نہیں دی گئی جتنی نماز جنازہ میں دی گئی ہے بلفظ دیگر کوئی بھی دعا کی جاسکتی ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایک روایت دوسری کی تفسیر کرتی ہے۔

ثانیا: یہ روایت ضعیف ہے سند میں حجاج بن ارطاۃ اور ابو زبیر دو راوی مدلس ہیں۔ (طبقات المدلسین ص۴۹، ۴۵)۔ اور سماع کی صراحت نہیں بلکہ صیغہ عن سے مروی ہے۔ الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

الزام تراشی: فرماتے ہیں کہ صرف شیعہ حضرات نماز جنازہ اونچی آواز سے پڑھتے ہیں اور غیر مقلدین اس عمل میں ان کی تقلید کرتے ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۸۲)

سوال یہ ہے کہ آیا سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی شیعہ تھے، کیا رسول اللہ ﷺ بھی شیعہ تھے۔ جن سے نماز جنازہ بلند آواز سے پڑھنا ثابت ہے۔

محترم الزام تراشی سے مسئلہ حل نہیں ہوا کرتا اگر اس طرح ہی مسائل کا حل ممکن ہے تو سنئے شیعہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ کہتے ہیں (توضیح المسائل ص۹۷)۔ اور آپ نے آگے مستقل باب مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کے رد پر لکھا ہے تو کیا آپ شیعہ ہیں پھر غور کریں اور جلوت وخلوت میں غور کریں بعض جزوی وفروعی مسائل میں اتفاق سے فکر ونظر میں اتحاد ثابت کرنا کوتاہ فہمی کی دلیل ہے، کیا شیعہ صرف بلند آواز سے جنازہ ہی پڑھتے ہیں یا ان کا کوئی اور بھی مسئلہ امتیازی ہے، اگر ہے تو اس

جزوی مسئلہ سے ہمارا شیعہ ہونا لازم نہیں آئے گا۔ اب سنئے چند مسائل میں اتفاق۔

شیعہ	سنی
(۱) جنازہ میں تکبیریں کہتے ہیں۔	سنی بھی کہتے ہیں۔
(۲) ثناء پڑھتے ہیں۔	سنی بھی پڑھتے ہیں۔
(۳) درود پڑھتے ہیں۔	سنی بھی پڑھتے ہیں۔
(۴) میت کے لیے دعا کرتے ہیں۔	سنی بھی کرتے ہیں۔
(۵) سلام پھیرتے ہیں۔	سنی بھی پھیرتے ہیں۔
(۶) کعبہ کی طرف منہ کرتے ہیں۔	سنی بھی کرتے ہیں۔
(۷) وضو کرتے ہیں۔	سنی بھی کرتے ہیں۔
(۸) مرد وعورت پر ضمیریں بدلتے ہیں۔	سنی بھی بدلتے ہیں۔
(۹) باجماعت پڑھتے ہیں۔	سنی بھی پڑھتے ہیں۔
(۱۰) امام ومقتدی دونوں دعائیں کرتے ہیں۔	سنی بھی اسی طرح پڑھتے ہیں۔

تلك عشرة كاملة ان دس کے علاوہ بھی کئی صورتیں ہیں جن سے ہم صرف نظر کرتے ہیں۔

(۷۸) باب مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں

فصل اول

(۱) عن ابی سلمة بن عبد الرحمن ان عائشة لما توفی سعد بن ابی وقاص،قالت ادخلوا به المسجد حتی اصلی علیه فانکر ذلك علیها، فقالت واللہ! لقد صلی رسول اللہ ﷺ علی ابنی بیضاء فی المسجد سهیل واخیه۔

ابو سلمہ عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ ان کی میت کو مسجد میں لاؤ تاکہ میں ان پر نماز جنازہ پڑھ لوں! اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نے بیضاء کے دو بیٹوں سیدنا سھل رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی سیدنا سھیل رضی اللہ عنہ) کے جنازوں کی نماز مسجد میں پڑھی تھی۔

(مسلم کتاب الجائز باب الصلاة علی الجنائز فی المسجد، الحدیث ٢٢٥٤)۔

(۲) عن عائشة زوج النبی ﷺ انها امرت ان یمر علیها سعد بن ابی وقاص فی المسجد حین مات، فتدعوله ، وانکر ذلك الناس علیها ، فقالت عائشة ما اسرع الناس، ما صلی رسول اللہ ﷺ علی سهیل بن بیضاء الا فی المسجد۔

نبی مکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا کہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں ان پر سے گزارا جائے تاکہ وہ ان کے لئے دعا کرسکیں، (نماز جنازہ پڑھیں) کچھ لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہا کی اس بات پر نکارت کی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا لوگ کس قدر جلد بازی کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سھیل ابن بیضاء رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں ہی پڑھی تھی۔

(موطا امام مالك ص ٢١١ کتاب الجائز باب الصلاة علی الجنائز فی المسجد)۔

(۳) عن عبادة بن عبد اللہ ابن الزبیر یحدث عن عائشة انها لما توفی سعد ابن ابی وقاص،ارسل ازواج النبی ﷺ ان یمروا بجنازته فی المسجد فیصلین علیه ففعلوا، فوقف به علی حجرهن یصلین علیه، اخرج به من باب الجنائز الذی کان الی المقاعد فبلغهن ان الناس عابوا ذلك وقالوا ما کانت الجنائز یدخل بها المسجد فبلغ ذلك عائشة فقالت ما اسرع الناس الی ان یعیبوا اما لا علم لهم به! عابوا علینا ان یمر بجنازة فی المسجد! وما صلی رسول اللہ ﷺ سهیل بن بیضاء الافی جوف المسجد۔

عباد بن عبد اللہ بن زبیر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے کہلا بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد میں سے لے جاؤ تاکہ ہم بھی ان کی نماز پڑھیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اوران کے حجروں کے سامنے جنازہ رکھ دیا گیا تاکہ وہ بھی نماز پڑھ لیں اور پھر جنازہ کو باب الجنائز سے جو کہ مقاعد کی طرف تھا، باہر لے گئے، اور انہیں لوگوں کے متعلق علم ہوا کہ وہ اس پر عیب جوئی کررہے تھے۔ کہ کبھی جنازے بھی مسجد میں لے جائے گئے ہیں۔ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا لوگوں کو جس چیز کا علم نہیں اس پر عیب جوئی کرنے میں کتنی جلدی کرتے ہیں ہم پر تو جنازہ کو مسجد سے گزارنے پر نکتہ چینی کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سیدنا سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد کے درمیان پڑھی تھی۔

(صحیح مسلم کتاب الجنائز باب سابق الحدیث ۲۲۵۳)۔

<u>انوار خورشید کا پہلا اعتراض:</u> فرماتے ہیں کہ سب صحابہ کرام نے اس پر اعتراض کیا اور کہنے لگے کہ پہلے تو جنازے مسجد میں داخل نہیں کیے جاتے تھے (حدیث اور اہل حدیث ۸۹۲)۔

<u>الجواب:</u> سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات کے بارے اصحاب سیر کا اختلاف ہے۔ چنانچہ عمرو بن علی الفلاس نے ۵۴ھ واقدی نے ۵۵ھ اور ابونعیم نے ۵۸ھ لکھا ہے۔

(الاصابہ ص ۳۱ الاستعیاب ص ۲۵ ج ۲)۔

مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سب سے آخر میں فوت ہوئے جیسا کہ امام عامر بن سعد بن ابی وقاص نے صراحت کی ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ص ۷۷ ج ۳، تاریخ دمشق لابن عساکر ص ۲۵۱ ج ۲۲)۔

اس زمانے میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیسے اعتراض کرلیا کیا وہ فوت ہونے کے بعد دوبارہ اعتراض کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ پھر روایت میں، الناس، کا لفظ ہے جو عوام الناس پر بولا جاتا ہے اگر کوئی قابل ذکر ہستی اعتراض کرتی تو حدیث میں اس کی وضاحت ہوتی، اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی انہیں جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ **ما اسرع الناس الی ان یعیبوا مالا علم لھم بہ۔** ان الفاظ پر غور کریں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں لاعلم قرار دیا بلفظ دیگر جاہل کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معترضین کا گروپ اعرابی اور بدو لوگ تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی نہ تھا۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی ہوتا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا انہیں ان الفاظ سے مخاطب نہ کرتیں۔ اس سے امام ابن حزم کے مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔ کہ معترضین عام جاہل یا اعرابی لوگ تھے (المحلی بالاثار ص ۳۹۲ ج ۳) اور کیا دین کے مسائل پر جاہل و نادان لوگوں کے اعتراضات سے ہی دینی مسائل میں سقم ہوجایا کرتا ہے عوام الناس تو ایسے ایسے فضول اعتراض کرتے ہیں کہ اہل علم سر پیٹ کررہ جاتے ہیں۔

ثانیا: ممکن ہے کہ انوار صاحب یہ کہہ دیں کہ جاہل و نادان ہی سہی مگر اعتراض تو مدینہ منورہ میں ہوا، لہٰذا حدیث میں سقم آگیا، محترم اس سے لازم آئے گا کہ اہل مدینہ کا تعامل سنت پر فائق ہے، اور جب ان دونوں کے درمیان اختلاف ہو تو سنت کو ترک کر دیا جائے گا، اور اہل مدینہ کے تعامل کو مضبوطی سے پکڑلیا جائے گا، حالانکہ یہ آپ کا مسلک نہیں، اگر ہے تو میدان میں آئیے۔

سرے دست محمد بن حسن شیبانی کی کتاب **الحجة علی اهل المدینة**، کا رد کریں اور اس کا مسودہ تیار کر کے خاکسار کے پاس لے آیئے اور نماز میں ہاتھ باندھنے کی بجائے ارسال پر عمل کر کے نماز پڑھ کر دکھایئے تاکہ ہمیں یقین ہوجائے کہ انوار صاحب کا امام محمد کا رد کرنا منافقت نہیں بلکہ یہ واقعی سنت کے بالمقابل تعامل اہل مدینہ کو اہمیت دیتے ہیں، اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو ثابت ہوا کہ آپ وہ چیز منوا رہے ہیں جس پر آپ کا دل راضی نہیں، وہ کہہ رہے ہیں جو آپ کا مؤقف نہیں، اس چیز کو دلیل بنا کر ہمیں مطعون کر رہے ہیں جو آپ کے ہاں دلیل نہیں۔

دوسرا اعتراض: فرماتے ہیں جنازہ تو معمول کے مطابق موضع جنائز میں خارج المسجد ہی ہوئی تھی۔ البتہ اس موقع پر جمع ہونے والے لوگ زیادہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں آگئے تھے۔ اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھیں کہ نماز جنازہ مسجد میں ہوئی تھی۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۹۲)

الجواب: یہ تمام افسانہ محض بیہودہ اور بکواس ہے حدیث رسول کو رد کرنے کے لئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف وہ بات منسوب کی جارہی ہے جو انہوں نے قطعا نہیں کہی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ نہیں فرماتیں کہ میرا گمان ہے کہ جنازہ مسجد میں ہوا، بلکہ وہ پورے جزم و یقین کے ساتھ کہتی ہیں کہ اور اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر حدیث بیان کرتی ہیں، اس نالائق کو آج تک یہ بھی معلوم نہیں کہ جس بات پر قسم اٹھائی جائے اس کی تاویل نہیں ہوتی، ورنہ قسم کا کوئی مطلب ہی نہیں رہ جاتا، پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو حلفاً یہ کہتی ہیں کہ۔

لقد صلی رسول الله ﷺ علی ابن بیضاء فی المسجد، یعنی ابن بیضاء کی میت پر نبی مکرم ﷺ نے نماز جنازہ مسجد میں پڑھی، مگر انوار صاحب یہ دعوی کرتے ہیں کہ نہیں صاحب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجد سے باہر میت پر نماز جنازہ پڑھی تھی، ہاں البتہ بوجہ کثرت افراد چند لوگ مسجد میں بھی کھڑے ہوئے تھے۔ **لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم**۔

دلیل اس پر یہ قائم کرتے ہیں کہ کسی صحابی سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی تصدیق منقول نہیں، اے جی کسی سے تردید منقول ہے تو وہ بیان کردیجئے، محترم معترضین کو جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا تو لوگ خاموش ہوگئے، جو تصدیق ہے مگر آپ کی لغت میں شاید یہ تردید ہو، صحیح مسلم کی حدیث کا ہم نے مکمل متن درج کردیا ہے، اعتراض پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی ہے۔ اور اس پر کسی

نے اعتراض نہیں کیا مکرر حدیث کو پڑھ لیجئے حدیث بیان کرنے پر اعتراض ہوتا تو آپ کے عذر میں کوئی معقولیت بھی ہوتی، مگر حدیث بیان ہونے پر لوگوں کی طرف سے کوئی اعتراض کرنا ثابت نہیں ہے۔ جو اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے جواب سے لوگ مطمئن ہوگئے، مگر افسوس انوار صاحب ابھی تک اس میں کیڑے نکال رہے ہیں۔

(۴) عن ابن عمر قال صلی علی عمر فی المسجد۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سیدنا عمر فاروق کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی تھی۔

(موطا امام مالك ص ٢١١ و مصنف عبد الرزاق ص٥٢٦، ج٣ رقم الحديث ٦٥٧٦).

(۵) عن هشام بن عروه قال رای ابی الناس يخرجون من المسجد ليصلوا علی جنازة فقال ما يصنع هولاء؟ والله ما صلی علی ابی بکر الا فی المسجد۔

ہشام بن عروہ سے مروی ہے کہ میرے والد سیدنا عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو دیکھا کہ نماز جنازہ پڑھنے کے لئے مسجد سے باہر نکل رہے ہیں تو فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ تو مسجد کے اندر پڑھی گئی تھی۔

(مصنف عبدالرزاق ص٥٢٦ ج٣ رقم الحديث ٦٥٧٦).

(۶) عن عروة ما قال صلی علی ابی بکر الافی المسجد۔

امام عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی۔

(مصنف ابن ابی شيبه ٣٦٤ ج٣).

(۷) عن المطلب بن عبد الله بن حنطب قال صلی علی ابی بکر و عمر تجاه المنبر۔

امام مطب بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم کی نماز جنازہ مسجد نبوی کے منبر کے پاس پڑھی گئی۔

(مصنف ابن ابی شيبه ٣٦٤ ج٣).

مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا جائز و مباح ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں ادا فرمائی، امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ایک، باب الصلاة علی الجنائز بالمصلیٰ والمسجد، قائم کیا ہے۔ امام نووی امام بغوی امام مالک، امام ابو داؤد، امام نسائی، امام بیہقی وغیرہ نے باب ما جاء فی الصلاة علی الجنائز فی المسجد یا اس کے ہم معنی باب قائم کیا ہے۔ یہ جلیل القدر محدثین اور علماء اپنی تصانیف میں مذکورہ باب کے تحت ان احادیث کو لائے ہیں، گویا انہوں نے اس سے مسجد میں نماز جنازہ کو ادا کرنے کے جواز کو ثابت کیا ہے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ کی وفات مدینہ طیبہ میں ۹ھ کو ہوئی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۲۴۰ ج ۳)۔

گویا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بزرگوں کی نماز جنازہ اپنی عمر مبارک کے آخری دور میں پڑھائی تھی۔ پھر سیدنا ابوبکر کی وفات نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سوا دو سال بعد ہوئی ہے جب جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ تھے، تو ان کی نماز جنازہ مسجد نبوی میں ادا کی جاتی ہے، کسی صحابی نے اعتراض نہیں کیا۔

خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ بھی سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے مسجد میں کروائی ہے، لیکن کوئی معترض نہیں ہوا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پہلے اور دوسرے خلیفہ راشد کی نماز جنازہ بالا تفاق مسجد میں ادا کی ہے، اگر اس میں کوئی شرعی قباحت ہوتی تو وہ ضرور انکار کرتے، مگر کسی نے انکار نہیں کیا جو اجماع سکوتی کی دلیل ہے۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ۔ اس کا خلاف کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے۔ (المحلی بالاثار ص ۳۹۱ ج ۳)۔

علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیح ہے۔ جسے ثقہ راویوں نے دو اسناد سے روایت کیا ہے۔ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کرنے میں صالح مولیٰ توامہ راوی منفرد ہے، اور وہ بوجہ ضعیف حجت نہیں ہے۔ اگر اس کی حدیث صحیح بھی ہو تو تب بھی اس میں کراہت کی دلیل نہیں جیسا کہ ابھی ہم نے اس کی تاویل بیان کی ہے اور اس تاویل کی روشنی میں یہ روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مخالف و معارض نہیں، اور اس تاویل کی صحت پر یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد میں پڑھائی تھی۔ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے مسجد میں پڑھائی تھی، اجل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بغیر کسی نکیر کے اور بعد والوں کا اس سے انکار کرنا پہلوں پر حجت نہیں ہے لہٰذا ہم نے جو بیان کیا ہے وہ ایک طریقہ ہے جس پر قدیم سے عمل ہوا ہے اس لئے اس کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ (التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید ص ۲۲۲ ج ۲۱)۔

جمہور امت کا یہی مؤقف ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنی مباح ہے جیسا کہ امام نووی نے (شرح صحیح مسلم ص ۳۱۴ ج ۱) میں صراحت کی ہے اس میں صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کو اختلاف ہے، قاضی ابویوسف سے بھی ایک روایت ہمارے موافق ہے، بعض اکابر احناف بھی جواز کے قائل ہیں علمائے دیوبند سے بھی بعض کا فتویٰ جواز کا ہی ہے تفصیل فصل دوم میں آرہی ہے۔ لہٰذا انوار صاحب کا اسے صرف غیر مقلدین (اہل حدیث) کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔

فصل دوم

(ا) عن ابی هریرة قال قال رسول اللهﷺ من صلی علی جنازة فی المسجد فلا شئی له۔

(ابوداؤد ص۹۸ ج۲،ابن ماجه ص۱۱۰ مصنف عبد الرزاق ص۵۲۷ ج۳)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہے (حدیث اوراہل حدیث ص۸۸۲)

الجواب: اولا اس کی سند میں صالح مولیٰ التوامہ راوی ہے، امام شعبیؒ اس سے روایت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ منع کرتے تھے۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ ثقہ نہیں، یہی امام مالک نے کہا ہے، امام ابو زرعہ، امام نسائی نے ضعیف کہا ہے ابو حاتم کہتے ہیں کہ قوی نہیں۔ (تہذیب الکمال ص۴۳۹ ج۳) ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ خبر باطل ہے (المجروحین ص۳۶۶ ج۲)۔امام بغوی فرماتے ہیں کہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے (شرح السنہ ص۳۵۲ ج۵)۔امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے، اور اس سے استدلال درست نہیں، امام احمد کا قول ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور صالح کا تفرد ہے اور وہ ضعیف ہے۔ یہی بات امام ابن منذر، امام خطابی اور امام بیہقی کہتے ہیں (نصب الرایہ ص۲۷۶ ج۲)۔امام ابن جوزی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں، اس کے راوی صالح کی امام مالک نے تکذیب کی ہے۔ (العلل المتناہیہ ۱۴۱ ج۱)، مولانا عبدالحی لکھنوی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (النافع الکبیر ص۴۸۲)۔

ثانیا: محترم نے فلا شئی له، کے الفاظ کو ابو داؤد کی طرف بھی منسوب کیا ہے حالانکہ ابو داؤد کے بعض صحیح نسخوں میں، فلا شیء علیه، کے الفاظ ہیں۔ (ابو داؤد رقم الحدیث ۳۱۹۱)۔مطبوعۃ دارالسلام۔

ابو دواؤد کا جو نسخہ مولانا محمود حسن خاں صاحب کی تصحیح سے شائع ہوا تھا اس میں بھی نسخہ کی علامت دے کر حاشیہ میں علیہ کی وضاحت موجود ہے (ص۹۸ ج۲ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ (بزل المجھود ج ص۲۰۳ ج۵)۔محدث عظیم آبادی فرماتے ہیں کہ میرے پاس دو پرانے اور معتبر نسخے ہیں جن میں، علیہ، کا لفظ ہے (عون المعبود ص۱۸۲ ج۳)۔ لفظ علیہ، کو ملحوظ رکھا جائے۔تو حدیث کا معنی یہ بنتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھانے میں کوئی گناہ نہیں، اور اگر لہ بھی تسلیم کیا جائے تو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ لہ بمعنی علی بھی عربی زبان میں مستعمل ہے۔ ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ فلا شئی له، کے الفاظ فلا شی علیه پر محمول ہیں اور میں نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔

(موضوعات کبیر ص۱۲۱ مطبوعه میر محمد کراچی)

علامہ محمد بابرتی حنفی فرماتے ہیں کہ:

وعندنا اذا كانت الجنازة خارج المسجد لم يكره ان يصلى الناس عليها فى المسجد۔

جب میت مسجد سے باہر ہوتو ہمارے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں ہے

(عناية على هامش فتح القدير ص ۹۰ ج ۲ مطبوعه مكتبة الرشيدية كوئٹه)۔

علامہ عالم بن العلاء انصاری دھلوی فرماتے ہیں کہ۔

وقال الشافعى لانكره وعن ابى يوسف روايتان فى رواية كما قال الشافعى وفى رواية اذا كانت الجنازة خارج المسجد والامام والقوم فى المسجد فانه لا يكره۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ نہیں ہے، امام ابو یوسف سے دو روایتیں ہیں ایک امام شافعی کے قول کے مطابق ہے دوسری روایت میں ہے جب جنازہ مسجد سے باہر ہو اور امام اور قوم مسجد میں ہوں تو پھر مسجد میں نماز جنازہ مکروہ نہیں ہے۔

(فتاویٰ تاتارخانیہ ص۱۷۹ ج۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۱۱ھ)

اکابر احناف کی ان عبارات سے دو باتیں ثابت ہوئیں، پہلی بات تو یہ کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، جو جواز کو ثابت کرتی ہے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر میت مسجد سے باہر ہو تو تب مکروہ نہیں ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مذکورہ روایت سے استدلال خود انوار صاحب کے بعض فقہاء کے خلاف ہے۔

ثالثاً: فقہائے کرام نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی عذر ہوتو تب مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ بلا عذر مکروہ (تنزیہی) ہے اور اگر عذر ہوتو مکروہ نہیں ہے بعض عذر یہ ہیں کہ بارش ،ولی یا جس کا حق نماز پڑھانا ہو اس کا معتکف ہونا،اور بالتبع دیگر نمازیوں کا معتکف ہونا (فتاویٰ شامی ص۲۲۶ ج۲)۔

بارش وغیرہ اگر عذر ہیں تو جگہ نہ ہونا بھی عذر ہے۔لہٰذا مذکورہ روایت خود احناف کے خلاف ہے، مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ ہمارے نزدیک جائز ہے۔

(اعلاء السنن ص ۲۸۲ ج۸)

(۵) عن كثير بن عباس قال لا عرفن ما صليت على جنازة فى المسجد۔

(مصنف ابن ابى شيبه ص۳۶۵ ج۳ مصنف عبد الرزاق ص۵۲۷ ج۳)۔

حضرت کثیر بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ (عہد نبوی میں) کسی بھی جنازہ کی نماز مسجد نبوی میں نہیں پڑھی گئی۔ (حدیث اور اہل حدیث ص۸۸۴)

الجواب: اولاً کثیر بن عباس صحابی نہیں تابعی ہیں، امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کی وفات سے چند مہینے پہلے پیدا ہوئے، انہیں نبی علیہ السلام کی رویت حاصل نہیں۔

(الاستیعاب ۳/۱۳۰۸) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ تابعی ہیں (سیر اعلام النبلاء ص۵۱٦ ج٤)

مگر حیرت ہے کہ انوار صاحب تابعی پر صحابی کی علامت، رضی اللہ عنہ ڈال رہے ہیں پھر متن روایت کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ عہد نبوی میں کسی بھی جنازہ الخ...... انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

محترم عہد نبوی میں کثیر چند دنوں کا بچہ تھا، اسے خوب کیسے معلوم ہوا؟۔

ثانیاً: کثیر سے روایت کرنے والا راوی ابن ابی شیبہ میں سعید بن سمعان ہے۔ عبدالرزاق کی روایت میں۔ عن رجل سماہ یقال لہ مسلم، ہے، المحلی لابن حزم ص۳۹۱ ج۳، کی سند میں، سعید بن أیمن ہے، پر لطف بات یہ ہے کہ تینوں کتابوں کی اسناد ابن ابی ذئب سے مروی ہیں، الغرض سند میں اضطراب ہے جو ضعف کی دلیل ہے، مولانا اعظمی نے، مصنف کی تعلیق میں اس اضطراب کو دور کرنے کی کوشش کی ہے مگر دور کرنے کے بجائے اسے مزید الجھا دیا ہے۔

مزید گزارش ہے کہ ان تینوں راویوں میں سے کسی ایک کی یا تینوں کی ہی عدالت وثقات ثابت کی جائے ہم نے کتب رجال کی مراجعت کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کتب رجال ان کے تراجم سے خالی ہے۔

(٦) عن وائل بن داؤد قال سمعت قال لما مات ابراهيم بن النبي ﷺ صلى عليه رسول الله ﷺ في المقاعد۔

(ابو داؤد ص۹۸ ج۲)۔

حضرت وائل بن داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے...... سنا انہوں نے فرمایا کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات ہوئی تو آپ نے ان کی نماز جنازہ مقاعد (مصلی جنائز) میں پڑھی تھی (حدیث اور اہل حدیث ص۸۸۵)

الجواب: اولاً محترم نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ جنازہ گاہ میں نماز کا پڑھا جانا مسجد میں ادا کرنے کی نفی کرتا ہے حالانکہ ہم مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کو واجب نہیں کہتے صرف جواز کے قائل ہیں۔

ثانیاً: یہ روایت بوجہ مرسل ہونے کے ضعیف ہے۔

(٧) انباء ابن جريج قال قلت لنافع أكان ابن عمر يكره ان يصلى وسط القبور قال لقد صلينا على عائشة و ام سلمة رضی اللہ عنہما وسط البقيع والامام يوم صلينا على عائشة رضی اللہ عنہا ابو هريرة رضی اللہ عنہ وحضر ذلك عبد الله بن عمر۔

(سنن کبریٰ بیہقی ص۴۳۵ ج۲ مصنف عبد الرزاق ۵۲۵ ج۳)۔

نماز مسجد سے باہر پڑھانی ثابت کر کے یہ دعویٰ کردے کہ مسجد میں نماز پڑھانی ناجائز ہے پس جو جواب انوار صاحب ایسے مجتہد کو دیں گے وہی ہماری طرف سے نماز جنازہ کو مصلیٰ جنائز میں پڑھنے کا تصور کرلیں۔ یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ متعدد احادیث سے نبی مکرم ﷺ کا مسجد سے باہر امامت کروانا ثابت ہے، اگر اعتبار نہ ہو تو حدیث کی کسی کتاب سے صلاۃ المسافرین کے ابواب کا مطالعہ کرلینا۔ اور واقعہ تعریس تو حدیث کے کسی طالب علم سے مخفی نہیں ہے

(۳) عن عبد الله بن عمران اليهود جاء الى النبي ﷺ برجل منهم وامراة زنيا فامر بهما فرجما قريبا من موضع الجنائز عند المسجد۔

(بخاری ص۱۷۷ ج ۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنے ایک مرد و عورت کو لائے جنہوں نے زنا کیا تھا، آپ ﷺ نے ان کے بارے میں سنگسار کرنے کا حکم دیا چنانچہ انہیں موضع جنائز کے قریب مسجد نبوی سے متصل سنگسار کیا گیا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص۸۸۹)

الجواب: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کافر بھی زنا کرے اور زانی شادی شدہ ہو تو اسے رجم کردیا جائے گا مگر افسوس کہ انوار صاحب کے تقلیدی مذہب میں اس کی سزا رجم نہیں بلکہ کوڑے ہیں امام ابوحنیفہ کا یہ قول فقہ کی معروف کتابوں میں منقول ہے۔ تفصیل کے لئے۔ (بدائع الصنائع ص ۳۸ ج ۷ المبسوط ص ۳۹ ج ۹ فتاویٰ شامی ص ۱۶ ج ۴) کی مراجعت کریں۔ افسوس جو مسئلہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا انوار صاحب بوجہ تقلید انکار کرتے ہیں اور جس کا نماز جنازہ سے کوئی تعلق ہی نہیں، اس کا اثبات کرتے ہیں۔

ثانیا: موضع جنائز کا ہونا، مسجد میں جنازہ پڑھنے کی کراہت کو مستلزم نہیں ہمارے گاؤں میں بھی موضع جنائز ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مسجد میں جنازہ مکروہ ہے؟ کسی چیز کے لئے کوئی مخصوص جگہ کرلینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے مقامات پر وہ فعل کرنا حرام ہے۔ غسل خانے کا یہ مطلب بیان کرنا کہ نہر اور تالاب میں غسل کرنا ناجائز ہے؟ آپ جیسے فقہی حضرات کا ہی کام ہے۔ مساجد خالص عبادت کے لئے تعمیر کی جاتی ہیں تو کیا اس کا معنی یہ ہے کہ کسی اور جگہ عبادت جائز نہیں؟ اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں تو بدنامی سے ہی ڈر جایئے۔

سوالات انوار: آخر میں انوار صاحب نے چند سوالات بھی کیے ہیں جو دراصل ان کی پوری بحث کا خلاصہ ہیں۔ ان کے جواب دینے کی ہم چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتے کیونکہ یہ فضول اور بے

کار سوال ہیں اگر ان میں سے کسی ایک میں بھی جان ہوتی تو ہم ضرور جواب تحریر کرتے ، یہ سوالات نہیں خبط ہے یہاں پر ہم صوفی عبدالحمید سواتی صاحب کی ایک تحریر نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر کوئی عذر بھی نہ ہو اور مسجد سے باہر جگہ بھی ہو تو پھر افضل یہی بات ہے کہ جنازہ اسی مقام میں پڑھا جائے ،بعض فقہاء نے مسجد میں ہر صورت میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ قرار دیا ہے۔ یہ درست نہیں، بلکہ ایک قسم کا تشدد یا تعمق ہے جو شریعت کے مزاج کے منافی ہے , جو حدیث اس بارہ میں پیش کی جاتی ہے کہ جو مسجد میں نماز جنازہ پڑھے گا اس کی نماز نہیں یا اس کو ثواب نہیں ملے گا۔ اس روایت کو محقق ابن ہمام اور دیگر حضرات نے بھی ضعیف قرار دیا ہے اس سے استدلال درست نہیں چنانچہ ملا علی القاری نقایہ کے اس متن کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اگر میت مسجد سے باہر رکھی جائے اور امام بھی باہر ہی کھڑا ہو، اور اس کے ساتھ ایک صف بھی مسجد سے باہر ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں کیونکہ اس میں مسجد کی تلویث کا خطرہ نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے پھر بھی مکروہ ہے کیونکہ مسجد تو فرائض کے ادا کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ فرائض کے علاوہ دیگر کئی باتیں عذر کی حالت میں ادا ہوسکتی ہے ورنہ نہیں لیکن پہلی وجہ (عدم کراہت) زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ مسجد میں نوافل اور دوسری انواع طاعات اور اضاف دعوات مکروہ نہیں (نماز مسنون ص ۷۶۸ ،۷۶۹) مولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی کا بھی یہی مؤقف ہے فرماتے ہیں کہ ہماری تحقیق یہ ہے کہ نماز جنازہ کا اصل اور مسنون طریقہ یہ کہ جنازہ گاہ میں نماز جنازہ پڑھی جائے لیکن اگر تمام رشتہ داروں، محلّہ داروں اور مسجد کے تمام نمازیوں کا جنازہ گاہ میں جانا لوگوں کو اپنی اپنی مصروفیات کی وجہ سے مشکل ہو جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو ایسی صورت میں جنازہ (میت) کو مسجد سے باہر رکھ کر نماز (مسجد میں) پڑھ لی جائے۔ تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔ (شرح صحیح مسلم ص ۱۰۳۲ ج ۲ طبع فرید بک سٹال لاہور ۱۹۹۴ھ)۔

خلاصہ کلام: انوار صاحب نے کل دلائل مکررات کے ساتھ ۱۳ نقل کئے ہیں۔ نمبر چار تک تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے جس کو صالح مولیٰ توامہ کی وجہ سے آئمہ محدثین اور خود اکابر احناف نے ضعیف قرار دیا ہے۔

مزید برآں یہ کہ انوار صاحب نے اس کا معنی بھی درست نہیں کیا۔ پانچویں دلیل ایک تابعی کا قول ہے دلیل نمبر ۶ ،۷ ،۱۲ ،۱۳ میں مسجد سے باہر نماز جنازہ ادا کرنے کا بیان ہے۔ اور دلیل نمبر ۹ ،۱۰ ،۱۱ بلا سند ہیں، اور دلیل نمبر ۸ میں مسجد میں جنازہ پڑھنے کا بیان ہے، جس کے متعلق خود انوار صاحب بیان کرتے ہیں کہ سوائے ایک واقعہ کے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ذکر کرتی ہیں مسجد میں جنازہ پڑھنا منقول نہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث ۸۹۵)

محترم اس ایک واقعہ سے بیان جواز ثابت ہوا اور آپ کا دعویٰ کراہت کا رد ہوگیا، اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔

اے میرے مولیٰ پیارے مولیٰ راقم نے یہ کتاب خالص تیری رضا اور تیرے دین کی حمایت اور تیرے پیارے رسول سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت کے احیاء کے لئے تحریر کی ہے اسے قبول فرما اور ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں برکت ڈال دے میرے لئے اسے توشہ آخرت اور کفارہ سیئات بنادے، اور اس عمل حسنہ کے وسیلہ سے تیرے تقدس و رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ میری اولاد کو اپنے دین کا خادم بنا، الٰہی اگر تو انہیں اپنے دین کے خدام میں کرلے تو تیری رحمت سے کیا بعید ہے، اے اللہ میں ایک نالائق انسان ہوں میری خطاؤں پر پردہ ڈال دے اور اپنی رحمت سے انہیں معاف فرمادے۔

تمت

الحمد لله الذی تتم به الصالحات و صلی الله علی خیر خلقه محمد و آله و اصحابه۔

ابوصہیب محمد داؤد ارشد، کوٹلی ورکاں نزد نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ۔

۶ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ موافق ۱۷ مارچ ۲۰۰۵ء

ولا تلبسوا الحق